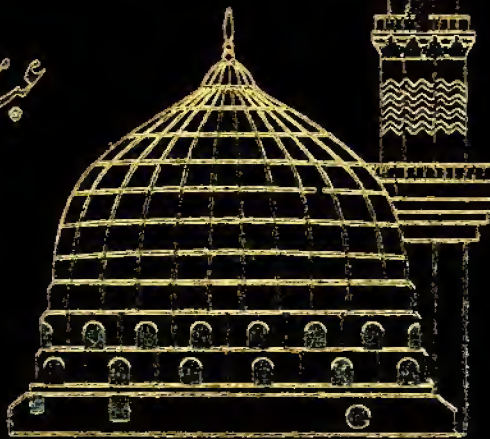


وَأَنَّكَ لَكَلِّ خَلْقٍ عَظِيمٌ

# مشکوٰۃ شمال اترندی

جلد اول

عبد اللہ العظیم حقانی



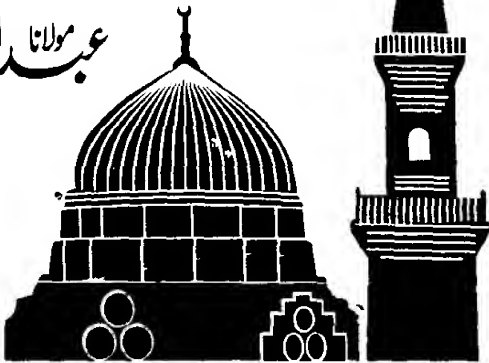
انعام کی زندگی • جامعہ ابو ہریرہ

وَأَنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ.

# تشریح شمائل ترمذی

جلداول

عبداللہ القیوم حقانی



انعام ایڈمی • جامعہ البہاریہ

بسم الله الرحمن الرحيم  
جملہ حقوق بحق ”القاسم اکیڈمی“ محفوظ ہیں

نام :	شرح شمائل ترمذی (جلد اول)
تصنیف :	مولانا عبدالقیوم حقانی
ضخامت :	743 صفحات
پروف ریڈنگ :	استاذ العلماء حضرت مولانا محمد زمان صاحب کلاچوی مدظلہ
کمپوزنگ :	مولوی گل رحمان، جان محمد جان، مولوی مظہر علی اراکن القاسم اکیڈمی
سن اشاعت اول :	شعبان ۱۴۲۳ھ / اکتوبر ۲۰۰۲ء
سن اشاعت سوم :	ربیع الاول ۱۴۲۹ھ / اپریل ۲۰۰۸ء
ناشر :	القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ
فون :	0923-630237 ..... موبائل : 033309102770

## ملنے کے پتے

- ☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس، المنظر پارشمنٹس، 458 گارڈن ایسٹ، نزد سبیلہ چوک کراچی 74800
  - ☆ مکتبہ رشیدیہ ..... جی ٹی روڈ اکوڑہ ٹنک ضلع نوشہرہ ☆ زم زم پبلشرز اردو بازار کراچی
  - ☆ کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار اولپنڈی ☆ مولانا خلیل الرحمن راشدی
  - ☆ جامعہ ابو ہریرہ، چنوں موم سیالکوٹ ☆ مکتبہ سید احمد شہید، ۱۰۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
- اس کے علاوہ پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے۔



## یہ شرح شامل عجب دلربا ہے

برادر محترم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی شہرہ آفاق تالیف شرح شامل ترمذی  
مکمل (اردو) پردل کی گہرائیوں سے منظوم تاثرات

یہ شرح شامل 'عجب دلربا ہے' جو عکس رخ سرور مصطفیٰ ہے  
نبی کی ہیں اس میں 'بہشتی ادائیں' یہ سیرت کا نقشہ 'یہ صورت نما ہے'  
یہ ذکر شب و روز 'خیر الوریٰ' برائے محباں 'نزالی عطا ہے'  
یہ عین مکمل 'یہ گیسو کی باتیں' یہ قد و سراپا 'جدا ہے جدا ہے'  
یہ مہر نبوت 'یہ شانِ جلالی' جمالِ محمدؐ 'کا اپنا مزا ہے'  
محبت میں لکھی 'عقیدت میں مڈولی' یہ تاثیر اس میں 'بفضلِ خدا ہے'  
ہر اک سطر اس کی 'ہے اکسیرِ اعظم' کہ بہر مریضاں 'دوائے شفا ہے'  
ادب کی حلاوت 'قلم کی طراوت' فصاحت بلاغت 'کا اک آئینہ ہے'  
یہ حقانی پر ہے 'انعامِ کریمی' یہ جہدِ مسلسل 'کا گویا صلہ ہے'

قلم اک موفق 'من اللہ اس کو

خزانہ غیبی سے 'فانی ملا ہے



# بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بَلَّغْ	الْعُلَى	بِكَمَا	لِهِ
كَشَفَ	الدُّجَى	بِجَمَا	لِهِ
حَسُنْتُ	جَمِيعُ	خِصَا	لِهِ
صَلُّوا	عَلَيْهِ	و	آلِهِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## فہرست مضامین

### ”شرح شمائل ترمذی جلد اول“

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۱	عبادہ کی اضافت -----	۲۷	مقدمہ (شیخ الحدیث مولانا فیض احمد) --
۵۱	الذین اصطفیٰ سے مراد -----	۳۲	دعا -----
۵۲	مصنف پر اعتراضات اور ان کے جوابات	۳۳	شرح شمائل ترمذی کی خصوصیات -----
۵۳	الذین اصطفیٰ کی ترکیب -----	۳۹	حرف آغاز -----
۵۳	قال الشیخ -----	۴۳	خطبہ کتاب -----
۵۵	الحافظ -----	۴۳	تشریح و توضیح -----
۵۶	کنیت ابو عیسیٰ کی بحث -----	۴۳	اعتراض اور اس کا جواب -----
۵۸	الترمذی -----	۴۴	بسم اللہ الرحمن الرحیم -----
۵۸	ایک مغالطہ کا ازالہ -----	۴۴	بسملة کی فضیلت -----
۵۸	قال الشیخ -- الخ کا قائل کون ہے؟	۴۶	الحمد للہ -----
	امام ترمذی	۴۷	حمد کی بحث -----
۵۹	(اجمالی سوانح و تذکرہ)	۴۷	حمد و شکر اور مدح کا فرق -----
۵۹	امام ترمذی کے حالات زندگی -----	۴۸	اشکال اور اس کے جوابات -----
۵۹	نسب -----	۴۹	لفظ ”اللہ“ کی تحقیق -----
۵۹	تعلیمی سلسلہ -----	۴۹	سوال و جواب -----
۶۰		۵۰	وسلام علی عبادہ النین اصطفیٰ کی توضیح

[illegible]

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۱۲	انقطاع روایت کا اشکال	۹۳	لفظ رجلا کی بحث
۱۱۳	وُلِدَ عَلٰی	۹۴	لفظ مربوع، منکبین اور بعید
۱۱۳	الطویل الممقط	۹۵	ہال مبارک (وفورہ، لَمَہ، جَمَہ)
۱۱۴	القصیر المتردد	۹۷	ایک اشکال اور اس کا جواب
۱۱۴	ربعة ورجلاً	۹۷	حَلَّة کا مفہوم
۱۱۵	مطہم ومکشم	۹۸	سرخ کپڑے پہننے کا حکم
۱۱۶	تدویر	۹۹	احناف کے دلائل
۱۱۶	ابيض مشرب	۹۹	حسن کامل
۱۱۷	ادعج العینین	۱۰۰	لفظ قطع کی بحث، امام اعظمؒ کا واقعہ
۱۱۷	اهدب الاشجار	۱۰۲	لفظی قید زائد بھی اور مساوی کی بھی
۱۱۸	جلیل المشاش	۱۰۳	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
۱۱۹	تقلع کا معنی	۱۰۴	عظیم الجَمَّة اور ذی لَمَہ میں تعارض نہیں
۱۲۰	خاتم النبوة	۱۰۴	ہال مبارک کی مختلف روایات میں تطبیق
۱۲۰	لفظ خاتم کی بحث	۱۰۵	تفصیلیاں اور قدیم مبارک
۱۲۱	اجود الناس صدراً	۱۰۶	سر مبارک اور اعضاء و ائمان کے جوڑوں کا بیان
۱۲۲	اصدق الناس لهجة	۱۰۷	المسربہ
۱۲۳	وضع المظهر موقع المضممر	۱۰۷	انداز رفتار
۱۲۳	الینهم عربیة	۱۰۸	کمال جمال کی حسین تعبیر
۱۲۵	خاندانی تفوق و امتیاز	۱۰۹	روایت علیؑ پر اعتراضات اور جوابات
۱۲۶	رعب بھی اور محبوبیت بھی	۱۱۰	مشلہ، نحوہ اور بمعناہ
			ادرس حدیث پر کچھ نہیں لوں گا۔

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۵۵	ازج الحواجب	۱۳۰	قال ابو عیسیٰ
۱۵۶	بینہما عرق	۱۳۱	فی تفسیر صفة النبیؐ
۱۵۸	ناک مبارک کا تذکرہ	۱۳۲	قامت معتدل
۱۵۹	رخسار مبارک	۱۳۳	جسم اطہر کی وضع مبارک
۱۵۹	دہن مبارک	۱۴۰	املاء کا لغوی اور اصطلاحی معنی
۱۶۰	دانت مبارک	۱۴۱	رجل بنی تمیم اور ابوہالۃ
۱۶۰	گردن مبارک	۱۴۲	ابا عبد اللہ منصوب کیوں؟
۱۶۲	معتدل الخلق	۱۴۳	ابن لابی ہالۃ
۱۶۳	بادن متماسک سواء البطن والصلبر	۱۴۳	سندی انقطاع کا اشکال اور جواب
۱۶۴	ظاہری اعضاء کی نورانیت	۱۴۴	وکان وصافاً
۱۶۵	لبہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر	۱۴۵	لفظ ”عن“ کی بحث
۱۶۵	ثدیین، ذراعین اور زندین کی بحث	۱۴۵	حضرت حسنؑ کا سوال کیوں؟
۱۶۷	انگلیاں پونے، تلوے اور قد میں مبارک	۱۴۶	فخماً مفخماً
۱۶۸	چال مبارک	۱۴۷	چہرہ نور
۱۷۰	مبارک نگاہیں	۱۴۸	موزون قامت
۱۷۰	ایک تعارض کا حل	۱۵۰	سر مبارک
۱۷۲	صحابہؓ کے ساتھ چلنے کی کیفیت	۱۵۲	مولانا محمد زکریاؒ کا ترجمہ و تشریح
۱۷۳	سلام میں پہل	۱۵۲	سر کے بال اور حضورؐ کا معمول
۱۷۴	چہرہ آنکھ اور ایڑیاں	۱۵۳	ازہر اللون
۱۷۶	جمال محمد ﷺ	۱۵۴	واسع الجبین



صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۷۵	مہر نبوت کب بنی؟	۱۷۹	چہرہ انور
۱۹۶	سائب کی بارگاہ نبوت میں حاضری۔۔	۱۸۱	جمال جہاں آراء۔۔۔۔۔
۱۹۶	حضورؐ سے خطاب کے وقت درود کا حکم۔	۱۸۲	حدیث مبارک کی تشریح۔۔۔۔۔
۱۹۷	لفظ وجع کی تشریح۔۔۔۔۔	۱۸۳	مقام عرض کی تعیین۔۔۔۔۔
۱۹۷	سر پر ہاتھ پھیرنے کی علت؟	۱۸۳	حضرت موسیٰؑ کی مشابہت۔۔۔۔۔
۱۹۸	دم کرنے کا مسنون طریقہ۔۔۔۔۔	۱۸۴	حضرت عیسیٰؑ کی مشابہت۔۔۔۔۔
۱۹۸	برکت کا مفہوم۔۔۔۔۔	۱۸۵	حضرت ابراہیمؑ کی مشابہت۔۔۔۔۔
۱۹۹	لفظ وضوء کی تحقیق۔۔۔۔۔	۱۸۵	حضرت جبرائیلؑ کی مشابہت۔۔۔۔۔
۱۹۹	حضورؐ کا ماء مستعمل اور صحابہؓ کا طرز عمل	۱۸۶	تین انبیاء کا انتخاب کیوں؟۔۔۔۔۔
۲۰۰	شراب وضوء کے تین احتمال۔۔۔۔۔	۱۸۸	حضرت ابوفیلؑ کی توصیف رسولؐ۔۔۔۔۔
۲۰۰	شوافع کے استدلال سے احناف کا جواب	۱۸۸	ایک اشکال سے جواب۔۔۔۔۔
۲۰۱	ذر الحجلة۔۔۔۔۔	۱۸۹	جمال و کمال کا مرقع۔۔۔۔۔
۲۰۲	مہر نبوت کا رنگ اور حجم۔۔۔۔۔	۱۹۱	دانستوں کی نورانیت۔۔۔۔۔
۲۰۳	موضع استشہاد۔۔۔۔۔		باب ماجاء
۲۰۵	ایک اشکال کا جواب۔۔۔۔۔	۱۹۳	فی خاتم النبوة
۲۰۵	حضرت سعد بن معاذؓ۔۔۔۔۔		(حضورؐ کی مہر نبوت کے بارے میں)
۲۰۶	انتباہ۔۔۔۔۔		مہر نبوت۔۔۔۔۔
۲۰۶	اھتزلہ العرش کی تشریح۔۔۔۔۔	۱۹۳	خاتم نبوت کی ہیئت یا حقیقت۔۔۔۔۔
۲۰۸	ایک ضعیف توجیہ کی تردید و دلائل۔۔۔۔۔	۱۹۴	کتب سابقہ میں اس کا ذکر۔۔۔۔۔
۲۰۹	تمتہء بحث۔۔۔۔۔	۱۹۴	مہر نبوت پر لکھائی۔۔۔۔۔
۲۱۰	غیر ذوی العقول کا ادراک۔۔۔۔۔	۱۹۵	

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۲۶	صیغہ جمع متکلم لانے کی توجیہات	۲۱۱	محل مہر نبوت
۲۲۶	لفظ اسبطوا کا معنی و تشریح	۲۱۲	حضرت ابو زیدؓ کو مس ظہر کا حکم
۲۲۷	حد یہ لینے والے کے لئے عمل مستحب	۲۱۳	حضورؐ کی حضرت ابو زیدؓ کیلئے دعا
۲۲۷	حد آیا میں اشتراک کا مسئلہ	۲۱۳	مہر نبوت کی تفصیلات
۲۲۹	حد یہ کہاں سے آیا	۲۱۴	مہر نبوت کی روایات میں تطبیق
۲۲۹	حد یہ کب قبول کرنا چاہئے	۲۱۴	گٹلی جس پر بال اگے ہوں
۲۳۰	کیا سلمان فارسیؓ کی خرید جائز تھی؟	۲۱۶	ایک اشکال سے جواب
۲۳۰	مہر نبوت کی زیارت	۲۱۷	سلمان فارسیؓ کا تذکرہ
۲۳۱	مسئلہ بیع و شرط	۲۱۸	غور یا کے پادری کے ہدایات
۲۳۲	ابوسعید الخدریؓ کی وضاحت	۲۱۸	سلمانؓ ہار گاؤں نبوت میں
۲۳۲	بعضۃ ناشورۃ کی توضیح	۲۱۹	سلمانؓ مسلمان ہو گئے
۲۳۳	لفظ درت کا معنی	۲۲۰	مالدۃ کی حقیقت
۲۳۳	حکد کی مراد	۲۲۱	اختلاف اوصاف سے اشیاء کے اسم بدل جاتے ہیں
۲۳۳	حضورؐ نے کیسے پہچانا	۲۲۲	کعبور طعام ہے یا لاکھٹہ
۲۳۳	مہر نبوت ایک تھی	۲۲۳	مختلف روایات کی تطبیق
۲۳۵	شیطان کی جگہ کہاں ہے؟	۲۲۳	سلمانؓ کو نام سے پکارا
۲۳۶	لفظ الجمع کی توضیح	۲۲۴	ماہدۃ؟ سے غرض سوال کیا تھی؟
۲۳۶	خیلان و ثاکیل کا معنی	۲۲۴	صدقہ اور حد یہ کی بحث
۲۳۷	حضورؐ کے لئے دعاء مغفرت کا مفہوم	۲۲۵	ایک علمی فائدہ
۲۳۷	لفظ ولک کی تشریح	۲۲۵	صدقہ اٹھانے کا حکم

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۵۴	سوید بن نصر	۲۳۸	حضرت عبداللہ کی روایت و لقاء اور سماع
۲۵۶	سدلِ شعر کی صورت	۲۳۹	حضور کا استغفار
۲۵۶	ماگ نکالنے میں مشرکین اور اہل کتاب کا عمل	۲۴۰	مہر نبوت کی مزید تفصیل
۲۵۷	موافقت اہل کتاب کی توجیہات		باب ماجاء
۲۶۰	روایات باب میں تطبیق	۲۴۲	فی شعر رسول اللہ
	باب ماجاء فی		(حضور کے بالوں کے بیان میں)
۲۶۳	ترجّل رسول اللہ	۲۴۲	خلاصہ مضامین
	(حضور کے کنگھی کرنے کے بیان میں)	۲۴۳	سر کے بال اور حضور کا معمول
۲۶۳	احادیث باب کا مضمون	۲۴۴	نصف کانوں تک بال
۲۶۳	کنگھی کرنا مندوب ہے	۲۴۵	زوجین کا ایک برتن سے غسل
۲۶۵	حالیہ حیض میں خدمتِ روح کا شرعی حکم	۲۴۵	تطبیق کی صورتیں
۲۶۵	ایک تعارض اور اس کا جواب	۲۴۶	ایک برتن سے غسل اور مسئلہ ستر
۲۶۷	حضور اقدس کا تیل کنگھی کرنا	۲۴۷	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کا ارشاد
۲۶۸	القناع کا استعمال	۲۴۹	لوقی الجمہ دون الوفرہ
۲۶۸	ثوب زینات سے تشبیہ پر اعتراض کے جوابات	۲۴۹	روایات میں تطبیق
۲۷۰	نہامن کی فضیلت	۲۵۰	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کا ارشاد
۲۷۱	شیخ عبدالحق کی توضیح	۲۵۱	الجمہ کی مزید تشریح
۲۷۱	اختیار تیمان کی بعض دیگر توجیہات	۲۵۲	حدیث باب کی تشریح
۲۷۲	عمل تیمان میں وسعت	۲۵۳	ولہ اربع غدائر کی تحقیق
۲۷۳	بلا علی قاری کی توضیح	۲۵۴	مکہ شریف قدوم مینت

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۸۷	نحوی بحث	۲۷۴	تدہین و تسریح میں وقفہ
۲۸۷	سفید بال بہت کم تھے	۲۷۴	ابن عربیؒ کا ارشاد
۲۸۸	قلت شیب کی ایک توجیہ	۲۷۵	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد
۲۸۹	قیامت کے مناظر نے بوڑھا کر دیا۔	۲۷۵	جب سند میں صحابی مجہول ہو۔
۲۹۰	یا رب امتی	۲۷۵	عن رجل
۲۹۳	مضمون حدیث	۲۷۶	کنگھی کرنے میں سنت طریقہ
۲۹۳	آپؐ کو بوڑھا کر دینے والی سورتیں۔		<b>باب ماجاء فی</b>
۲۹۵	ہذا نبی اللہ	۲۷۷	<b>شیب رسول اللہؐ</b>
۲۹۵	جمال رخ انور		(حضورؐ کے سفید بال آجانے کے بیان میں)
۲۹۶	ایک امتی کا جمال اور جلال	۲۷۷	شیب کا معنی اور آثار
۲۹۶	ثوبان اخضران کی تشریح	۲۷۸	موئے مبارک اور ام سلمہؓ کا معمول
۲۹۷	سبز لباس پہننے کا حکم	۲۷۹	صحابہؓ کی موئے مبارک سے محبت۔
۲۹۷	سفید بالوں کا سنہری منظر	۲۸۰	کیا حضورؐ نے خضاب لگایا تھا؟۔
۲۹۸	بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۲۸۰	یبلغ میں ضمیر کا مرجع
۲۹۹	سفید بال اکھیرنے کا حکم	۲۸۱	صدغین میں سفیدی
	<b>باب ماجاء فی</b>	۲۸۲	صدغین میں حصر کیوں
۳۰۰	<b>خضاب رسول اللہؐ</b>	۲۸۲	خضاب کی نفی و اثبات، تعارض کا جواب
	(حضورؐ کے خضاب کرنے کے بیان میں)	۲۸۴	خضاب کی جائز اور ناجائز صورتیں۔
۳۰۰	خضاب کا معنی	۲۸۵	شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کا ارشاد
۳۰۰	گذشتہ باب سے ربط	۲۸۵	سفید بالوں کی تعداد میں اختلاف اور تطبیق

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۱۵	ابن عربی کا ارشاد -----	۳۰۰	مسئلہ خضاب کی تفصیل اور شرعی حکم۔۔۔
۳۱۶	اشد کی فضیلت و برکات -----	۳۰۱	علماء احناف کا رجحان -----
۳۱۸	بعض ائمہ متوہین کے آراء و دلائل -----	۳۰۱	شوافعؒ کا مسلک -----
۳۱۸	لفظ زعم کی بحث -----	۳۰۲	بعض الفاظ حدیث کی تشریح -----
۳۱۹	لفظ مکحلة کی بحث -----	۳۰۴	رسم جاہلیت کا بطلان -----
۳۱۹	عمل تثلیث کی حکمت و برکات -----	۳۰۵	ملا علی قاریؒ کی نقل روایات -----
۳۲۰	ایتار کی صورتیں اور حکمت و برکات -----	۳۰۵	نفی اور اثبات کی روایت میں تطبیق -----
۳۲۱	شیخ عبدالرؤفؒ کی توضیح و تنبیہ -----	۳۰۶	قال ابو عیسیٰ -----
۳۲۲	لفظ ح کی توضیح -----	۳۰۷	متن حدیث کی اجمالی تشریح -----
۳۲۲	”ح“ کا تلفظ اور معنی -----	۳۰۸	غرض قال ابو عیسیٰ -----
۳۲۳	آنکھوں میں سرمہ لگانے کا طریقہ -----	۳۰۹	بعض الفاظ حدیث کی تشریح -----
۳۲۳	بیان اختلاف الفاظ -----	۳۱۰	ایک اشکال سے جواب -----
۳۲۴	بعض الفاظ حدیث کی تشریح -----	۳۱۱	عبدالجواد الدومیؒ کی تلخیص بحث -----
۳۲۴	منافع دنیویہ کے ساتھ تعلیل -----	۳۱۲	لونِ اصفر کی ترغیب و برکات -----
۳۲۶	بعض الفاظ حدیث کی تشریح -----	۳۱۳	سفید بالوں کے اکھاڑنے کا حکم -----
۳۲۷	ایراحدیث کا مقصد -----		<b>باب ماجاء فی</b>
	<b>باب ماجاء</b>	۳۱۴	<b>كُحل رسول اللهؐ</b>
۳۲۸	فی لباس رسول اللہؐ		(حضورؐ کے سرمہ کے بیان میں)
	(حضورؐ کے لباس کے بارے میں)	۳۱۴	سرمہ کا استعمال شرعی حکم اور منافع -----
۳۲۸	گذشتہ باب سے ربط -----	۳۱۵	حضور اقدسؐ کا معمول -----



صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۴۳	مسنون گریبان	۳۲۸	لباس کی فضیلت
۳۴۳	گریبان میں ہاتھ کیوں؟	۳۲۹	لباس کے پانچ اقسام و احکام
۳۴۳	صحابی کی وارفتگی	۳۲۹	لباس میں اعتدال
۳۴۴	بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۳۳۰	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
۳۴۵	حضرت اسامہ بن زیدؓ	۳۳۱	لفظ قمیص کی لغوی، عرفی، نحوی تحقیق
۳۴۶	ثوب قطری کا معنی	۳۳۱	قمیص مبارک
۳۴۶	التوضیح کا مفہوم	۳۳۲	ایک تعارض کا جواب
۳۴۷	یہ واقعہ مرض الوفا کا ہے	۳۳۲	قمیص کیوں پسند تھی؟
۳۴۷	غلبہ ذوق حدیث	۳۳۳	لباس میں کفایت شعاری
۳۴۸	یحییٰ بن معینؒ	۳۳۴	دونوں روایات میں سند کا فرق
۳۴۹	جب حضورؐ نیا کپڑا پہنتے	۳۳۵	سند کی بحث اور سابقہ روایات سے فرق
۳۵۰	لفظ کاف کی توجیہ	۳۳۶	آستین مبارک
۳۵۱	دعاء مسنون کا مفہوم	۳۳۷	بیان حکمت
۳۵۲	کپڑا پہننے کی دیگر دعائیں	۳۳۷	ایک تعارض کا حل
۳۵۲	جب دوسرے شخص کو نیا کپڑا پہنے دیکھے	۳۳۹	لفظ ”رہط“ کا معنی و تشریح
۳۵۳	الحجرة کا معنی اور تشریح	۳۴۰	بیعت کی تین قسمیں
۳۵۴	قمیص اور الحجرة تعارض کا جواب	۳۴۱	گریبان مبارک
۳۵۴	الحجرة کیوں پسند تھی	۳۴۱	کمال محبت کے تقاضے
۳۵۶	حلة حمراء کا معنی و حکم	۳۴۲	لفظ ”جیب“ کی تشریح
۳۵۶	حلة	۳۴۲	شق جیب صدر پر تھا

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۷۹	مولانا محمد زکریا کی توجیہ-----	۳۵۷	تہبند پاجامہ کا مسنون معیار-----
۳۸۰	تنبیہ-----	۳۵۸	صحابہ کرامؓ کے ذوقِ محبت کا اظہار-----
	باب ماجاء	۳۶۰	بعض الفاظ حدیث کی تشریح-----
۳۸۲	فی خف رسول اللہؐ	۳۶۱	ایک تعارض سے جواب-----
	(حضورؐ کے موزہ کے بیان میں)	۳۶۲	لباس فقر اور لباس فاخرہ میں فرق----
۳۸۲	موزوں کا جھاڑنا سنت ہے-----	۳۶۳	حضرت ابوالحسن شاذلیؒ کا ارشاد----
۳۸۳	نجاشی کا قبول اسلام-----	۳۶۶	سفید کپڑے کے استعمال کی ترغیب----
۳۸۵	غائبانہ نماز جنازہ کا حکم-----	۳۶۷	سفید کپڑا اطہر و اطیب ہے-----
۳۸۶	بارگاہ رسالت میں نجاشی کے تحفے-----	۳۶۹	سیاہ بالوں کی چادر-----
۳۸۶	اسودین کا معنی-----	۳۷۰	رومی جبہ-----
۳۸۷	غیر مسلم کے حدیہ کا حکم-----	۳۷۰	ایک تعارض سے جواب-----
۳۸۷	مسح علی الخفین-----	۳۷۰	غیر مسلم کے بنائے ہوئے کپڑے کا حکم
۳۹۰	حضرت وحیہ کلبیؒ-----		باب ماجاء
۳۹۰	حضورؐ خفین قبول فرمالیتے-----	۳۷۲	فی عیش رسول اللہؐ
۳۹۱	اشیاء مجہولہ میں اصل طہارت ہے-----		(حضورؐ کے گذرانِ اوقات کے بیان میں)
۳۹۱	(دباغت کے بعد کھال کا حکم)-----	۳۷۴	وعلیہ ثوبان ممشقان-----
	باب ماجاء	۳۷۵	بخ بخ کا معنی اور تلفظ-----
۳۹۲	فی نعل رسولؐ	۳۷۶	ابوہریرہؓ حالت فقر و جوع میں-----
	(حضورؐ کے جوتے مبارک کے بیان میں)	۳۷۸	حضورؐ مجموعہ فقر و غنی تھے-----
۳۹۲	نعلین مبارک-----	۳۷۹	بعض الفاظ حدیث کی تشریح-----

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۰۹	حضورؐ کے پیوند لگے جوتے۔۔۔۔۔	۳۹۳	نعل رسولؐ کی توصیف۔۔۔۔۔
۴۰۹	نعلین میں نماز۔۔۔۔۔	۳۹۴	تکثیر نعل کا حکم۔۔۔۔۔
۴۰۹	نعلین مبارک کا طول، عرض، حجم اور مقدار۔	۳۹۴	حضورؐ جوتے کس طرح پہنتے۔۔۔۔۔
۴۱۱	تعلیم اخلاق یا شفقت نبویؐ۔۔۔۔۔	۳۹۴	نقش نعل کے فضائل و برکات۔۔۔۔۔
۴۱۱	جب ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا نگاہ ہو	۳۹۵	طریق توسل۔۔۔۔۔
۴۱۲	امام اعمشؒ کا سبق آموز لطیفہ۔۔۔۔۔	۳۹۵	بعض آثار و خواص نقشہ نعل شریف۔۔۔۔۔
۴۱۲	حدیثا قتیبة۔۔۔۔۔	۳۹۶	قال امام ابو الخیر محمد بن محمد الجزریؒ۔۔۔۔۔
۴۱۳	بائیں ہاتھ کے ساتھ کھانے سے نہی۔	۳۹۷	عن السید محمد الحجازی الحسینی المالکیؒ۔۔۔۔۔
۴۱۴	جوتا پہننے اور نکالنے میں مسنون طریقہ	۳۹۷	نعل مبارک سے محبت۔۔۔۔۔
۴۱۶	تیمن حضورؐ کو پسند تھا۔۔۔۔۔	۳۹۸	نعل ہلال کا ٹوٹا تمہ تاج کا افتخار۔۔۔۔۔
۴۱۷	حضرت عثمانؓ، ایک تسمے والے جوتے	۳۹۹	ایک نعل میں دو تسمے۔۔۔۔۔
	باب ما جاء فی	۴۰۰	نقش نعل مبارک۔۔۔۔۔
۴۱۹	ذکر خاتم رسول اللہؐ	۴۰۱	دو ہرے تسمے۔۔۔۔۔
	(حضورؐ کی انگوٹھی مبارک کے بیان میں)	۴۰۲	تبرک بآثار الصالحین۔۔۔۔۔
۴۱۹	باب ہذا میں لفظ ”ذکر“ کا اضافہ۔۔۔۔۔	۴۰۴	اکابرین و دیوبند کا معمول۔۔۔۔۔
۴۲۰	انگوٹھی مبارک کی صفت۔۔۔۔۔	۴۰۵	شیخ احمد عبد الجوادؒ کی تنبیہ۔۔۔۔۔
۴۲۰	انگوٹھی کے احکام۔۔۔۔۔	۴۰۶	سببیت کا معنی۔۔۔۔۔
۴۲۱	انگوٹھی کا اجمالی تاریخی پس منظر۔۔۔۔۔	۴۰۶	منشأ سوال۔۔۔۔۔
۴۲۱	مشاہیر کی انگوٹھیوں کے نقش۔۔۔۔۔	۴۰۷	گیلے پاؤں جوتوں میں رکھنا۔۔۔۔۔
۴۲۳	انگوٹھی اور اس کا نگینہ۔۔۔۔۔	۴۰۸	مخصوص فتنین کا معنی۔۔۔۔۔

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۴۲	مکتوب بنام نجاشی -----	۴۲۵	انگوٹھی پہننے میں معمول مبارک -----
۴۴۳	دوسرے نجاشی کے نام مکتوب مبارک -----	۴۲۶	ایک تعارض کا دفعیہ -----
۴۴۵	انگوٹھی پہننے ہوئے بیت الخلاء جانے کا حکم -----	۴۲۷	انگوٹھی کے نہ پہننے میں حکمت -----
۴۴۶	خاتم نبویؐ خلفاء کے پاس -----	۴۲۷	مردوں کے سونا چاندی کے استعمال کا حکم -----
۴۴۷	انگوٹھی، پیرا ریس میں گرنے کا واقعہ -----	۴۲۷	انگوٹھی کس دھات سے ہونی چاہئے -----
۴۴۹	باب ماجاء فی ان النبیؐ	۴۲۸	فصہ منہ کی تشریح -----
	کان یتختّم فی یمینہ	۴۲۹	مختلف روایات میں تطبیق -----
	(حضورؐ انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے)	۴۳۰	ایک روایت میں انگوٹھی کی اجمالی تاریخ -----
۴۴۹	تختّم فی الیمین افضل ہے -----	۴۳۱	امراء عجم کو دعوتی خطوط -----
۴۵۰	شعار روافض ہونے کی توجیہ کی تردید -----	۴۳۲	مہربن ہوانے کا مشورہ -----
۴۵۱	حضورؐ کا معمول مبارک -----	۴۳۳	حضرت انسؓ کا اتقان اور کمال استحضار -----
۴۵۲	مذہب مختار اور حافظ عراقی کے اشعار -----	۴۳۳	تنبیہ -----
۴۵۲	دوسری سند سے روایت -----	۴۳۴	نقش مہر ختم نبوت -----
۴۵۳	انگوٹھی دائیں کی خضر انگلی میں پہننا سنت ہے -----	۴۳۵	کسریٰ قیصر اور نجاشی کو دعوتی خطوط -----
۴۵۶	ابن عباسؓ کا معمول -----	۴۳۶	مکتوب مبارک کسریٰ پر ویز کے نام -----
۴۵۷	ایک تعارض میں تطبیق -----	۴۳۷	مکتوب مبارک شاہ روم قیصر کے نام -----
۴۵۸	مرد و خواتین کے لئے سنت طریقہ -----	۴۳۹	قیصر روم کا تجارتی قافلہ سے مکالمہ -----
۴۵۸	مہر نبوت کا استعمال ممنوع قرار دیا -----	۴۴۰	ابوسفیان سے سوالات اور ان کا جوابات -----
۴۵۹	حدیث باب اور ترجمہ الباب -----	۴۴۱	ابوسفیان کے جوابات پر ہر قل کا تبصرہ -----
۴۶۰	امام ترمذیؒ کی تحقیق -----	۴۴۲	بے شک وہ نبی ہیں؟ -----

[illegible]



صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۱۱	تہبند کا شرعی طریقہ	۴۹۱	مقدارِ عمامہ
۵۱۲	خواص کے لئے حضرت مدنیؒ کی تنبیہ	۴۹۲	مغفر یا عمامہ یا دونوں
۵۱۳	حضرت عثمانؓ کا اہتمام سنت	۴۹۳	سیاہ عمامہ اور بعض صحابہؓ کا معمول
۵۱۴	عضلہ کا معنی و تشریح	۴۹۵	دورانِ خطبہ سیاہ عمامہ کا ثبوت
۵۱۵	موضع الازار	۴۹۷	شملہ بھی سنت مؤکدہ ہے
۵۱۶	خلاصہ بحث	۵۰۰	شملہ کی مقدار
۵۱۶	حضورؐ کی نظافت پسندی	۵۰۱	حضورؐ کا آخری خطبہ
	باب ماجاء	۵۰۲	عصابة دسماء
۵۱۷	فی مشیۃ رسول اللہؐ		باب ماجاء فی
	(حضورؐ کی رفتار مبارک کے بیان میں)	۵۰۳	صفة ازار رسول اللہؐ
۵۱۷	خوبی رفتار		(حضورؐ کے تہبند مبارک کے بیان میں)
۵۱۸	حسنِ کامل	۵۰۳	ازار کا معنی و تشریح
۵۱۹	جمالِ رخِ انورؐ	۵۰۳	حضورؐ کا معمول
۵۲۰	حسنِ رفتار	۵۰۴	ازار و رداء کا طول و عرض
۵۲۱	تقلع کا معنی	۵۰۵	پیوند لگی چادر اور درشت کپڑے کا تہبند
۵۲۲	مشیۃ کے اقسام	۵۰۶	پیوند لگی چادر اور ازارِ غلیظ کی توجیہات
	باب ماجاء	۵۰۸	تبرک بآثار الصالحین
۵۲۳	فی تقنع رسول اللہؐ	۵۰۹	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
	(حضورؐ کے قناع کے بارے میں)	۵۱۰	بردة ملحاء
		۵۱۱	امالک فی اسوۃ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
	باب ماجاء فی	۵۲۴	تقنع کا معنی و تشریح
	تکاة رسول اللہؐ	۵۲۴	القناع کا استعمال
۵۳۷	(حضورؐ کے تکیہ مبارک کے بیان میں)	۵۲۵	القناع کی دو صورتیں اور برکات
	تکاة کا معنی و تشریح	۵۲۷	غرض اعادہ حدیث
۵۳۷	تکیہ لگا کر بیٹھنے کا حکم	۵۲۷	القناع کثرت دھن کے باوجود پاک
۵۳۸	گناہ کبیرہ و صغیرہ کی بحث		باب ماجاء
۵۴۰	کبار کی تعیین و تعداد اور بخشش کا وسیلہ	۵۲۸	فی جلسۃ رسول اللہؐ
۵۴۱	الاشراک باللہ		(حضورؐ کی نشست کے بارے میں)
۵۴۳	وعقوق الوالدین		
۵۴۴	والدہ کی ناراضگی کا ایک دلچسپ واقعہ	۵۲۹	القر فضاء کا معنی و تشریح
۵۴۵	انتباہ و اہتمام	۵۳۰	بیٹھنے میں خشوع و مسکنت کا اظہار
۵۴۶	شہادت زور کا معنی، قباحت اور شرعی حکم	۵۳۰	رعب کی وجہ کیا تھی
۵۴۷	واعظ مدرس اور خطیب کے لئے ہدایت	۵۳۱	تکمیل مضمون حدیث
۵۴۸	باب سے عدم مناسبت کا اعتراض	۵۳۱	استلقاء کا معنی اور دو صورتیں
۵۴۸	لفظ اما کا معنی و تشریح	۵۳۲	حدیث کی باب سے مناسبت
۵۴۹	تکیہ لگا کر کھانا تکبیر کی علامت ہے	۵۳۳	مسجد میں لیٹنے کا حکم
۵۴۹	تکیہ لگا کر کھانے کی چار صورتیں	۵۳۳	الاحتباء کا معنی و تشریح اور حکم
۵۵۰	کھانے میں سنت طریقہ	۵۳۴	بیٹھنے کی مختلف صورتیں
۵۵۱	غرض اتیان حدیث	۵۳۵	حضورؐ کی نشستگاہ
۵۵۲	امام ترمذیؒ کا اعتراض	۵۳۶	
۵۵۳			

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۷۰	ایک تعارض سے جواب-----		باب ماجاء فی
۵۷۱	تین انگلیوں سے کھانے کی مزید توضیح۔		اتکاء رسول اللہؐ
۵۷۱	چچوں کا استعمال-----	۵۵۵	(حضورؐ کے سہارا لیکر چلنے کے بیان میں)
۵۷۲	حضورؐ کا ٹیک لگا کر کھانا بوجہ عذر کے تھا۔		باب نکاة اور باب اتکاء غرض انعقاد۔
	باب ماجاء فی صفة	۵۵۵	خلاصہ بحث-----
۵۷۳	خبز رسول اللہؐ	۵۵۶	بعض الفاظ حدیث کی تشریح-----
	(حضورؐ کی روٹی کے بارے میں)	۵۵۸	مسئلہ حاضر و ناظر-----
۵۷۵	لفظ ”ال“ مقحم یا غیر مقحم۔۔	۵۵۹	حدیث میں سبق آموز طویل قصہ-----
۵۷۶	ایک اشکال کا جواب-----	۵۵۹	باب ماجاء فی
۵۷۷	شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی توجیہات۔		صفة اکل رسول اللہؐ
۵۷۷	”الشبع“ کی مضرتیں-----	۵۶۳	(حضورؐ کے کھانا کھانے کے بارے میں)
۵۷۸	حضورؐ کے دسترخوان پر کچھ بھی نہ رہتا۔		لفظ ”اکل“، کی تشریح-----
۵۷۹	لفظ ”طاویاً“ کا معنی-----	۵۶۳	حضورؐ کے کھانے کا طریقہ-----
۵۸۰	لفظ ”اہل“ کی تشریح-----	۵۶۴	کھانے میں تین انگلیوں کے استعمال اور چائنا
۵۸۰	اظہار فقر سے اجتناب-----	۵۶۵	انگلیوں کے چاٹنے کی کیفیت-----
۵۸۱	روٹی اکثر جو کی تاول فرماتے-----	۵۶۶	انگلیاں کب چاٹی جائیں-----
۵۸۲	لفظ ”النقی“ اور الحواری کی تشریح۔۔	۵۶۷	انگلیاں چاٹنے کے برکات-----
۵۸۲	حضورؐ نے میدہ کبھی دیکھا بھی نہیں۔۔	۵۶۸	انگلیوں کے چاٹنے کو کراہت سے نہ دیکھا جائے
۵۸۳	آنا صاف کرنے کا طریقہ-----	۵۶۹	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد۔۔
۵۸۳	حضورؐ نے ساری عمران چھنا آنا استعمال فرمایا		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۹۸	باب سے مناسبت	۵۸۴	چھلنی کی بدعت
۶۰۰	بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۵۸۵	لفظ ”خوان“ کی تشریح
۶۰۰	اجتماع احباب یا صحبت صالح	۵۸۵	تپائی اور میز پر کھانا کھانے کا حکم
۶۰۱	میزبان کا اخلاقی فرض	۵۸۶	چھوٹی پیالیوں اور چٹنی وغیرہ کے برتن
۶۰۱	اتباع رسولؐ ہی اصل فطرت ہے	۵۸۷	میدہ کی روٹی
۶۰۲	شریعت طبیعت پر مقدم ہے	۵۸۸	”السفرة“ کا معنی و تشریح اور استعمال
۶۰۲	مرغی کے گوشت کے فائدے	۵۸۹	سیدہ عائشہؓ نے مسروق کی ضیافت کی
۶۰۳	جلالہ کا مسئلہ	۵۹۰	حضرت عائشہ صدیقہؓ کا رونا
۶۰۴	حباری کا معنی تعیین	۵۹۰	رونے کی وجوہات
۶۰۵	حباری کی خصوصیات اور احادیث میں ذکر	۵۹۱	آپؐ کو نقر پسند تھا
۶۰۵	عمدہ کھانا عین سنت ہے	۵۹۲	مضمون حدیث کا خلاصہ
۶۰۷	حدیث کی تشریح		<b>باب ماجاء فی</b>
۶۰۸	ترجمۃ الباب سے مناسبت	۵۹۳	<b>صفة ادا م رسول اللہؐ</b>
۶۰۹	زیتون مبارک درخت ہے		(حضورؐ کے سالن کے بیان میں)
۶۰۹	زیتون کے برکات	۵۹۳	لفظ ادا م کی تشریح
۶۱۱	قال ابو عیسیٰ	۵۹۴	لحم ”ادام“ ہے یا نہیں
۶۱۱	حدیث مضطرب کی تعریف	۵۹۵	سرکہ بہترین سالن
۶۱۲	حضورؐ کو کدو پسند تھا	۵۹۵	فاتح عالم، روٹی کے خشک ٹکڑے اور سرکہ
۶۱۳	کدو کیوں پسند تھا	۵۹۶	کیا سرکہ افضل الادام بھی ہے
۶۱۴	طعام میں خدمت و ایثار	۵۹۸	اجتماع رسول کی انگیزت

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۶۳۶	آپ کا قسم کھانے کا انداز	۶۱۵	سالن زیادہ پکا کے رکھنا
۶۳۶	معجزات کا وقوع کب ہوتا ہے	۶۱۶	امام ترمذی کی وضاحت
۶۳۸	کھانے میں برکت کے معجزات	۶۱۷	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
۶۴۰	ذراع کا گوشت کیوں پسند تھا	۶۱۸	مسلمان کدو سے محبت کریں
۶۴۱	پیٹھ کا گوشت اطیب ہے	۶۱۸	دعوت قبول کرنی چاہئے
۶۴۱	گردن کا گوشت بھی پسند تھا	۶۱۹	حضور کو حلہ اور شہد پسند تھا
۶۴۲	بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں	۶۲۱	گوشت آپ کی محبوب غذا تھی
۶۴۳	ام ہانی، خشک ٹکڑوں اور سرکہ سے ضیافت	۶۲۲	مسجد میں پیٹھ کر کر کھانے کا حکم
۶۴۳	خورد و نوش وسیلہ ہے مقصد نہیں	۶۲۴	لفظ "ضفت" کا معنی و تشریح
۶۴۵	ثرید کی فضیلت اور برکات	۶۲۵	حضور کی تواضع و خدمت
۶۴۶	سیدہ عائشہ کی فضیلت	۶۲۵	احادیث میں تعارض سے جواب
۶۴۶	فضیلت ثرید سے فضیلت عائشہ کی تمثیل	۶۲۷	حضرت بلال کو تنبیہ
۶۴۷	خواتین میں سب سے افضل کون؟	۶۲۷	موجھوں کا شرعی حکم
۶۴۸	باب سے مناسبت کی توجیہ	۶۲۹	اسبال کا حکم
۶۵۰	بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۶۳۰	گوشت دانٹوں سے نوچنا اور کھانا
۶۵۰	مامست النار سے وضوء کا حکم	۶۳۱	گوشت نے خبر دی کہ میں مسموم ہوں
۶۵۱	وضوء اول و ثانی کا محل	۶۳۲	یہودی عورت کا زہر کھانا
۶۵۲	الولیمۃ کا معنی اور تشریح	۶۳۳	حدیث سے ماخوذ فوائد
۶۵۲	ولیمہ کا شرعی حکم	۶۳۵	حضور کے لئے ضیافت کا اہتمام
۶۵۴	حضرت سلمیٰ کے پاس صحابہ کی حاضری	۶۳۵	ایک اعتراض کا جواب



صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۶۷۱	لفظ وضو کا معنی و تشریح	۶۵۵	یہ ہے حضورؐ کا پسندیدہ کھانا۔۔۔۔۔
۶۷۲	لفظ طعام کی وضاحت	۶۵۶	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
۶۷۳	کھانے سے قبل وضوء عرفی مسنون ہے	۶۵۷	میزبان اور مہمان کے اخلاقی فرائض۔
۶۷۴	وضو تو نماز کے لئے ضروری ہوتا ہے۔۔	۶۵۷	ایک معجزہ کا بیان۔۔۔۔۔
۶۷۵	برکتِ طعام ہاتھ دھونے میں ہے۔۔۔	۶۵۹	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
	<b>باب ماجاء فی</b>	۶۵۹	استنباط مسائل۔۔۔۔۔
	<b>قول رسول اللہؐ</b>	۶۶۰	ایک اشکال سے جواب۔۔۔۔۔
۶۷۸	(حضورؐ کے کلمات کے بیان میں)	۶۶۱	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
	بسم اللہ کی برکتیں۔۔۔۔۔	۶۶۲	کھڑے ہو کر کھانا۔۔۔۔۔
۶۷۹	شیطان کا کھانا حقیقت پر محمول ہے۔۔	۶۶۲	اسباب کی رعایت اور پرہیز۔۔۔۔۔
۶۸۰	ایک اشکال کا جواب۔۔۔۔۔	۶۶۳	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
۶۸۰	جب تسمیہ بھول جائے۔۔۔۔۔	۶۶۴	نفل روزے کی نیت کا وقت۔۔۔۔۔
۶۸۲	اولہ و آخرہ کا تلفظ۔۔۔۔۔	۶۶۴	نفل روزے کے توڑنے کا حکم۔۔۔۔۔
۶۸۲	ایک اعتراض کا جواب۔۔۔۔۔	۶۶۶	جو کی روٹی اور سالن۔۔۔۔۔
۶۸۳	کھانا کھانے کے تین آداب۔۔۔۔۔	۶۶۸	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
۶۸۳	کھانا شروع کرتے وقت سلمہ پڑھنا سنت ہے	۶۶۸	بچے ہوئے کھانے سے محبت۔۔۔۔۔
۶۸۴	دائیں ہاتھ سے کھانے کی تاکید۔۔۔۔۔	۶۶۹	تتمہ۔۔۔۔۔
۶۸۶	اپنے سامنے سے کھانا۔۔۔۔۔		<b>باب ماجاء فی صفة</b>
۶۸۷	ایک اشکال سے جواب۔۔۔۔۔		<b>وضوء رسول اللہؐ عند الطعام</b>
۶۸۸	کھانے سے فارغ ہونے کی دعا۔۔۔۔۔	۶۷۱	(حضورؐ کے کھانے کے وقت وضو کا بیان)

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
	(حضورؐ کے پھلوں کے بیان میں)	۶۸۹	لفظ المائدة کا معنی و تشریح
۷۰۱	نخل اور رمان کا حکم	۶۸۹	دستر خوان اٹھائے جانے کے وقت دعا۔
۷۰۲	ککڑی اور کھجور کا یکجا استعمال	۶۹۰	جب کسی دوسرے کے ہاں دعوت ہوتی۔
۷۰۳	تربوز اور کھجور کا یکجا استعمال	۶۹۲	عدم تسمیہ کی وجہ سے کثیر طعام میں بے برکتی
۷۰۴	خر بوزہ اور کھجور	۶۹۳	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
۷۰۵	غذا میں اعتدال اور اصلاح ضرر کا اہتمام۔	۶۹۳	کھانے کے بعد ترغیب حمد و شکر
۷۰۷	پہلا پھل حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔	۶۹۳	خلاصہ باب
۷۰۸	پہلے پھل کی دعا	۶۹۴	تکملة
۷۰۸	مدینہ منورہ کے لئے دعا		باب ماجاء فی
۷۰۹	صاع اور مد میں برکت کا معنی	۶۹۶	قدح رسول اللہؐ
۷۰۹	مقام حلت و محبت		(حضورؐ کے پیالہ کے بیان میں)
۷۱۰	حضرت ابراہیمؑ کی دعا		بعض الفاظ حدیث کی تشریح
۷۱۰	مدینہ منورہ کے حق میں دعا کی قبولیت	۶۹۷	کمال تواضع اور ترک تکلف
۷۱۱	بہترین جگہ مکہ اور مدینہ	۶۹۸	نافع اشیاء کی حفاظت و اصلاح مستحب ہے
۷۱۱	چھوٹے بچوں پر شفقت	۶۹۸	صحابہ کرامؓ کی والہیت
۷۱۳	بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۶۹۹	پیالے کی ساخت
۷۱۴	ککڑی اور کھجور کے تحفہ پر حضورؐ کا معاملہ	۶۹۹	باب ماجاء فی صفة
۷۱۴	ککڑی اور کھجور ملا کر کھانے میں قرہی کا فائدہ		فاکھة رسول اللہؐ
۷۱۵	راوی کو تردد	۷۰۱	
۷۱۵	خلاصہ باب		



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## مُقَدِّمَةٌ

شیخ الحدیث حضرت مولانا فیض احمد صاحب مدظلہم ملتان

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد !

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر محدثین عظام نے محبت نبویؐ اور عشق محمدیؐ کے عجیب و غریب نمونے امت کو دکھائے ہیں۔ ایک سچا عاشق و محب صادق اپنے معشوق و محبوب کی ایک ایک ادا اور ایک ایک نشانی کو یاد کر کے اور بار بار دیکھ کر روتا چلاتا ہے ایک گونہ حظ حاصل کرتا ہے یا والدین اپنی محبوب و عزیز اولاد کے غائب ہونے پر اس کے نقوش زندگی کو دیکھ کر اسے چومتے ہیں، روتے ہیں اور ایک گونہ تسلی پاتے ہیں۔

اس سے کئی ہزار درجہ زیادہ محدثین کرامؒ وبالخصوص امام ترمذیؒ نے عشق و محبت نبویؐ کے اظہار کا ایک انوکھا اور نرالا طرز اختیار فرمایا ہے۔ محدث ترمذیؒ نے چند صفحات میں شامل ترمذی کے عنوان سے،، دریا بہ کوزہ،، کا بہترین نمونہ عشاق نبویؐ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ آپؐ کے مبارک سراپا کی خوب خوب تصویر کشی فرمائی ہے کہ آپؐ کے خدو خال، قد و قامت، اعضاء مبارکہ کی کیفیت و بناوٹ کیسے تھی؟ بال مبارک کتنے سفید تھے اور کہاں پر تھے ان کے پیچ و تاب کیونکر تھے۔

آپؐ کنگھی کب اور کیسے فرماتے تھے، سرمہ کیسے استعمال کرتے تھے، آپؐ کا لباس کیسا تھا، نعل مبارک کیسے تھے، انگوٹھی کیسے تھی، اس پر کیا نقش تھا، مہر نبوت کا حجم کتنا تھا اور کیسے تھا، سید المرسلین

وامام المجاہدین رحمۃ اللہ علیہ کی تلوار خود اور ذرہ کیسے تھی آپؐ جہاد کیسے کرتے تھے آپؐ کی نشست گاہ اور تکیہ کیسا تھا، کھانا تناول فرمانے کی کیا کیفیت تھی، روٹی، سالن کیسا ہوتا تھا، کون کونسے ماکولات و مشروبات آپؐ کو پسند تھے، کھانے سے قبل و بعد اپنے معمم حقیقی کا شکر یہ کن الفاظ سے ادا فرماتے تھے اور کون کون سی دعائیں پڑھتے تھے۔

آپؐ کے استعمالی برتن کیسے تھے، کونسی خوشبو آپؐ کو پسند تھی، آپؐ کی گفتار و کلام اور مزاج و خوش طبعی کیسے تھی، محبوب رب العالمین کی مسکراہٹ و دنواز کیسے تھی، آپؐ کس نوع کے اشعار پسند فرماتے تھے۔ بعض اوقات عشاء کے بعد امہات المؤمنینؓ کو عجیب و غریب طویل کہانیاں سناتے تھے۔ حدیث ام زرع پڑھیے۔ محبوب خداؐ کی عبادت کیسے تھی، خصوصاً تہجد اور قیام اللیل کی کیا کیفیت تھی، ”قام رسول اللہ ﷺ بآیۃ من القرآن لیلۃ“ (ترجمہ) نماز چاشت اور دیگر نوافل کی کیفیت ادا کیسے تھی، آپؐ کے روزوں کا نظام کیسے تھا، قراءت قرآن کی کیفیت کیسے تھی، رات کو اپنے رب کے سامنے گریہ و زاری کیسے فرماتے تھے ”لجوفہ ازیز کازیز المرجل من البکاء“ (ترجمہ) محبوب خداؐ کا بچھونا کیسا تھا، آپؐ کی شب و روز کا نظام الاوقات کیسے تھا، محبوب رب العالمین کس قدر بلند خلق عظیم پر فائز تھے، تواضع و انکساری، شرم و حیاء، جود و سخا کی کیا کیفیت تھی، آپؐ گھر میں اہل خانہ کے کام و کاج میں کیونکر تعاون فرماتے تھے، آپؐ علاج معالجہ کیونکر اختیار فرماتے تھے، آپؐ کا خورد و نوش کتنا سادہ اور مختصر تھا، آسمان و زمین میں آپؐ کو کون سے حسین ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ آپ ﷺ دنیا سے کس حالت میں رخصت ہوئے، کیا میراث چھوڑی اور کس کے لئے چھوڑی ”ما تر کنا صدقۃ“ خواب میں زیارت نبویہ کا کیا مقام ہے؟

الغرض امام ترمذیؒ نے امت پر بہت بڑا احسان فرمایا، سیرت مقدس کا عطر نکال کر چند

صفحات میں عشاق کے سامنے رکھ دیا۔۔۔ جزا ہم اللہ تعالیٰ و رزقنا انتفاعہ و اتباعہ آمین۔

شامل ترمذی عربی زبان میں ہے محدثین کرامؒ نے ہر دور میں اور ہر زبان میں اس کے ترجمہ و تشریح پر توجہ دی ہے اساتذہ حدیث، دورہ حدیث کے سال خصوصیت و اہتمام سے اسے پڑھاتے اور طلبہ عزیز

شوق و محبت سے اسے پڑھتے ہیں۔ اردو زبان میں ریحانۃ العصرین الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کی خصائل مروّج متداول اور نافع ہے تاہم اساتذہ اور طلبہ دورہ حدیث کے لئے درسی انداز کی ایک جامع شرح کی ضرورت بہر حال محسوس کی جا رہی تھی۔ نیکوین و تقدیر کے ازلی انتخاب کا قرعہ فال مولانا عبد القیوم حقانی صاحب مدظلہ کے نام نکلا اور الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ ہی کی توفیق سے وہ اس عظیم علمی کام میں لگ گئے۔

(۱) مکرم و محترم مصنف بے بدل، عالم باعمل حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم سے بندہ کا تقریباً بیس سالہ تعلق رفاقت و محبت ہے مولانا موصوف و فاق المدارس العربیہ کے سالانہ اجلاسوں میں جامعہ قاسم العلوم ملتان تشریف لایا کرتے تھے اس وقت قاسم العلوم ملتان کی ذمہ داری بندہ کے سپرد تھی ایک دفعہ مولانا نے قاسم العلوم کی جامع مسجد میں نہایت مؤثر اصلاحی عالمانہ خطاب بھی فرمایا تھا جس کی شیرینی و حلاوت اب تک محسوس ہوتی رہتی ہے۔

(۲) مولانا صاحب سے بارہادار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پھر جامعہ ابوہریرہ خالق آباد میں شرف ملاقات حاصل ہوتا رہا حضرت حقانی صاحب کی بعض تصنیفات بھی مطالعہ سے گزری ہیں حقائق السنن اردو شرح ترمذی کا مطالعہ بڑی دلچسپی سے بار بار کیا ”المسائل والدلائل“ میں اس کے اقتباسات بھی دیے گئے ہیں ”حقائق السنن“ بعض علمی جواہر میں منفرد ہے۔ ایک ہزار صفحات سے زائد ”الحق“ کا شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر اس کے بعد آثار السنن کی اردو شرح توضیح السنن کے بعض ابواب کا مطالعہ بھی باعث شرف ہوا۔ بندہ مولانا حقانی صاحب کی تحقیق، وسعت مطالعہ، سرعت تحریر سے بہت متاثر ہوا۔

(۳) مولانا صاحب کی تازہ تصنیفات۔۔۔۔۔ اردو شرح شمائل ترمذی تا حال نظر نواز نہیں ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قوی امید ہے کہ حقائق السنن و دیگر تصنیفات کی طرح یہ بھی جامع اور محقق ہوگی ملت اسلامیہ کے لئے عشق محمدی اور محبت اسوہ حسنہ کا عظیم سرمایہ ثابت ہوگی خصوصاً علماء کرام اور عزیز طلباء کے لئے لاثانی رہنما کا مقام حاصل کرے گی ان شاء اللہ العزیز۔

(۴) مولانا عبد القیوم حقانی صاحب مدظلہ ”موفق من اللہ“ ہیں دین و علم دین کے تمام شعبوں میں

ہمہ نوع خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ پھر جامعہ ابوہریرہ میں ہر علم و فن کی کتابیں آپ کے زیر تدبیر رہی ہیں جامعہ ابوہریرہ آپ کے اہتمام و انتظام و اخلاص کی برکت سے نہایت مختصر عرصے میں بحیر العقول ترقی کر چکا ہے۔

سینکڑوں طلباء و طالبات قرآن و حدیث و دیگر دینی علوم و فنون کی تعلیم پا رہے ہیں جامعہ ہذا کا نظام تعلیم و تربیت مثالی و معیاری ہے۔ عوامی جلسوں و اجلاسوں میں آپ کے خطبات و خطابات ضرب المثل ہیں، دعوت و تبلیغ آپ کی زندگی کا جزء لاینفک ہے، تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کے میدان میں بھی موصوف خاص مقام پر فائز ہیں ہزاروں صفحات پر مشتمل تحریری سرمایہ آپ کے قلم اعجاز رقم کا ممتاز شاہکار ہے جامعہ ابوہریرہ کے ماہنامہ القاسم کی خدمات اس پر مستزاد ہیں۔

الغرض علمی و دینی جدوجہد اور اسلامی جہاد کا کوئی شعبہ کوئی گوشہ آپ کی نگاہ سے نا آشنا نہیں ہے اللہم زد فرد۔

(۵) مولانا کے ان متنوع کمالات کا حقیقی سبب تو توفیق الہی ہے ظاہری سبب حضرت مولانا کی والدہ ماجدہ (اماں جی مرحومہ و مغفورہ) کی شب و روز گریہ و زاری والی مستجاب دعائیں ہیں ان دعاؤں نے آپ کو ڈیرہ اسماعیل خان کے دور دراز پس ماندہ علاقہ سے اٹھا کر اور اڑاکر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پہنچا دیا۔

شیخ وقت جامع الظاہر و الباطن، جامع المعقول و المسمقول امام المجاہدین شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا عبدالحق قدس سرہ نے اس، درتیم اور جوہر مکنون،، کو اپنی آغوش شفقت میں لیکر دس سال تربیت فرمائی۔ مولانا حقانی صاحب نے یہ عشرہ کاملہ بے مثل ادب و تواضع اور بے مثال خدمت سے بسر کیا تقریباً روزانہ حضرت اقدس کی ڈھیروں دعاؤں کا شرف حاصل کرتے رہے۔

مولانا کی زندگی مسلسل جدوجہد سے عبارت ہے آپ کی لغت میں چھٹی کا لفظ مہمل ہے ایک مرتبہ بندہ جمعہ کے روز مولانا حقانی صاحب کی قیام گاہ دارالعلوم حقانیہ میں عصر کے بعد حاضر ہوا یہ دیکھ کر محو حیرت رہ گیا کہ مولانا چھٹی کے روز بعد العصر بھی تحریری کام میں مصروف ہیں۔

(۶) پہلے بھی مختلف معروضات میں لکھا گیا ہے اب اس کا اعادہ و تکرار ہے ضروری چیز اور ضروری بات کا تکرار معیوب نہیں بلکہ محمود ہے بعض اوقات واجب ہوتا ہے۔ شب و روز نماز کا تکرار، کھانے پینے کا تکرار، سبق کا تکرار اس کے مسلمہ نظائر ہیں۔ کسی شیخ کا وہی مرید اور کسی معلم کا وہی شاگرد کامیاب و کامران اور فائق علی الاقران ہوتا ہے جو سب سے زیادہ اپنے مرشد اور استاذ کی خدمت کرتا ہے اور سب سے زیادہ ادب و تواضع سے پیش آتا ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں اشارہ کیا ہے کہ طالب علم کو محنت کے ساتھ ساتھ استاذ کی دعائیں حاصل کرنے کا اہتمام بھی کرتے رہنا چاہئے اس کی مثال میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو پیش کیا ہے۔ آپ ﷺ کے وصال کے وقت حضرت ابن عباسؓ کی عمر تقریباً تیرہ سال تھی، مراثق تھے آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں آپ کو متعدد دعاؤں سے نوازا تھا اللھم علمہ الكتاب، اللھم فقهہ فی الدین۔ علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری میں حافظ ابن حجر شافعی نے فتح الباری میں ان دعاؤں کا سبب نو جوان صحابی حضرت ابن عباسؓ کا جذبہ خدمت اور ادب لکھا ہے اس پر متعدد واقعات سپرد قلم کیے ہیں۔ تمام صحابہ کرامؓ میں حضرت ابن عباسؓ کی خصوصیت ہے کہ چودہ سو سال سے آپ کے تفسیری اقوال تفسیر ابن عباس کے عنوان سے مختلف زبانوں میں شائع ہو رہے ہیں۔

مولانا تھقانی صاحب نے صحابہ کرامؓ کی اتباع میں اپنے اکابر و مشائخ اور اساتذہ کا خوب ادب کیا اور خوب خوب خدمت کی بالخصوص حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ دس سال آپ کی خدمت و ادب کا مرکز و محور ہے۔ آپ کے عظیم علمی کاوشیں، تصنیفی خدمات اور سرعتِ قلم و قدم اپنے اساتذہ ہی کے فیض صحبت و خدمت کا نقد ثمرہ ہے شامل ترمذی کی یہ شرح بھی اللہ پاک کا عظیم عطیہ و انتخاب ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ حضرت مولانا تھقانی صاحب مدظلہ اور آپ کے گرانقدر رفقاء کار کی تمام علمی و دینی خدمات کو قبولیت عامہ و تامہ بخشے آمین۔

بندرہ فیضی (احمد خفیلہ)

۱۶ صفر ۱۴۲۳ھ / بمطابق ۳۰ اپریل ۲۰۰۲ء



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## دعا

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ  
إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ

اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو میں تو قریب ہوں۔ قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی  
دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا۔ اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں۔

پروردگار! جو عظمت و رفعت، جو مقام و شان، جو فضل و کمال، جو حسن و جمال جو رفعتیں اور بلندیوں،  
جو صورتی محاسن اور معنوی خوبیاں، جو شمائل اور خصائل، تو نے اپنے حبیب مکرم، سرورِ دو عالم صلی  
اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں ان کا صحیح ادراک و معرفت، عرفان و پہچان اور حقیقت تک رسائی  
عطا فرما اور ان کو اس طرح بیان کرنے کی توفیق عطا فرما کہ وہ حقیقت کی ترجمانی ہو، جمالِ محمدؐ  
کی جلوہ نمائی ہو، ہر محب صادق تک رسائی ہو، جس کے اخذ و استفادہ اور مطالعہ سے تاریک دل  
روشن ہو جائیں، مردہ روہیں زندہ ہو جائیں، ذوق و شوق کی دنیا آباد ہو جائے علم و عمل کا مرحلہ  
آسان ہو، کائنات میں جہاں جہاں جہالت اور غفلت کی ظلمتیں اندھیرے اور تاریکیاں پھیلی  
ہوئی ہیں وہاں تیرے ذکرِ پاک اور حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک یادِ اعمال  
اور شمائل و خصائل کی قدیلیں روشن ہو جائیں۔ آمین ثم آمین

عبدالقیوم حقانی

بسم الله الرحمن الرحيم

## شرح شمائل ترمذی کی خصوصیات

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ العالی

اللہ کریم کے فضل و احسان اور خصوصی عنایت و کرم نوازی سے مجھے شرح شمائل ترمذی (جلد اول) کے تمام مسودات از اول تا آخر بالاستیعاب دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اپنے درسی مشاغل اور دیگر اہم مصروفیات کے باوصف ”شرح شمائل ترمذی“ نے اپنے مطالعہ اور اخذ و استفادہ کے لئے کھینچے رکھا یہ حضرت شارح کا خلوص، عشق رسولؐ، علمی شغف، سلاست تحریر اور پرسوز مضامین کی کرامت ہے بلکہ اس سے بڑھ کر خود موضوع ہی ایسا دلچسپ، انوکھا، پیارا اور محبوب موضوع ہے کیا مجال کہ دوسری جانب نظر بھی اٹھ سکے۔

عزیز القدر مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کو اللہ کریم جزائے خیر دے کہ اپنی بھرپور ہنگامی، انتظامی اور ہمہ وقتی مصروفیات سے معمور زندگی میں بھی علم اور پھر خاص کر علم حدیث جیسے مبارک موضوع کا نہ صرف یہ کہ شغف رکھتے ہیں بلکہ اس کی شرح و توضیح میں بھی لگے رہتے ہیں اور ان کی برکت سے ہمیں بھی حصہ وافر مل جاتا ہے واجرہم علی اللہ تعالیٰ۔

یوں تو شمائل ترمذی کی متعدد شروحات منظر عام پر آچکی ہیں مگر حقانی صاحب نے، شرح شمائل ترمذی،، لکھ کر ایک علمی اور خالص درسی شرح کی تکمیل کر دی ہے جس کی ضرورت تھی اکابر علماء

دیوبند درس حدیث میں جو خاص امتیازی وصف رکھتے ہیں وہ یہ کہ موضوع کا مکمل احاطہ کرتے ہیں بلکہ بحث و تحقیق میں بال کی بھی کھال اتارتے ہیں۔

شرح شامل ترمذی میں اکابر علماء دیوبند کے اسی طریق تحقیق اور انداز تدریس کو ملحوظ رکھ کر ہمہ جہتی جامعیت کو اپنایا گیا ہے بندہ نے دوران مطالعہ جو خاص امتیازات اور خصوصیات اور خاصیات محسوس کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) شرح شامل ترمذی میں احادیث کے پورے متن کو بمع اسناد کے یکجا نقل کر کے اسے اعراب سے مزین کیا گیا ہے تاکہ قارئین بلکہ مبتدین بھی اعراب کی غلطی سے محفوظ رہیں اور من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار کی وعید سے بچ سکیں اور عشق و محبت کے جذبات کی تسکین اور خیر و برکت کے حصول کے لئے حدیث کی تلاوت بھی کرنا چاہیں تو اعراب لگنے سے بہ سہولت اپنے ذوق تلاوت کی تکمیل کر سکیں۔

(۲) تحت اللفظ اردو ترجمہ کا مستقل اہتمام کیا گیا ہے عام اردو خوان طبقہ کی آسانی اور اس سے استفادہ کی سہولت کے پیش نظر حدیث اور سند کا مکمل ترجمہ نقل کیا گیا ہے تاکہ مقاصد و معانی، اہداف و اغراض کی تعیین اور مفہوم کے سمجھنے میں دشواری نہ رہے۔

(۳) راویان حدیث کا تذکرہ، ایک مستقل عنوان ہے جس کے تحت حدیث کے تمام رواۃ کا اجمالی مگر ضروری تذکرہ، سوانح، حالات اور ان کی علمی عظمت و مقام، درجات اور ان کے بارے میں علماء و محدثین کے آراء و اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

(۴) اکثر مقامات پر حدیث میں مشکل الفاظ کا لغوی اور اصطلاحی معنی، آسان تفہیم اس کی توضیح میں حسب ضرورت شواہد و تمثیلات بھی درج کر دی گئی ہیں اور تشریح کو خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(۵) جہاں جہاں احادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے نہایت حکیمانہ عالمانہ بلکہ محدثانہ انداز میں اس کے تدافع کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں ان توجیہات کے بیان میں سلف صالحین، علماء راہنہ، محدثین اور فقہاء محققین کی آراء و تحقیق پر اعتماد کیا گیا ہے اور راجح توجیہات کی دلائل سے تعین بھی کر دی گئی ہے۔

(۶) مختلف ابواب میں جہاں حدیث کی بظاہر ترجمۃ الباب سے مطابقت ظاہر نہیں ہوتی تھی وہاں مختلف اور مستند شروحات حدیث کی مدد سے ترجمۃ الباب سے وجہ ارتباط کو ظاہر کر دیا گیا ہے۔

(۷) اکابر علماء دیوبند کے درسی خصوصیات کی طرح حسب ضرورت موقع و محل کے مطابق لغوی مباحث، صرنی اور نحوی مباحث کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے صرنی اور نحوی توضیحات سے حدیث کے مفہوم اور معانی کی توضیح اور تشریح میں اصل حقیقت تک رسائی بے غبار ہو جاتی ہے۔

(۸) جس طرح عربی شروحات جمع الوسائل، مناوی اور مواہب اللدنیہ اور اتحافات میں احادیث سے مسائل مستنبط سے تعرض کیا گیا ہے اسی طرح شرح شمائل ترمذی میں بھی حسب ضرورت حدیث سے مستنبط ہونے والے مسائل کی طرف بھی اشارات کر دیئے گئے ہیں جس سے ایک فقہی ضرورت کی تکمیل بھی ہو جاتی ہے۔

(۹) جگہ جگہ حسب ضرورت ابواب کے آپس میں ربط کو بھی واضح کر دیا گیا ہے۔

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل اور احوال واقوال کی مکمل توضیح اور درسی تشریح کے لئے تمام مباحث اور توضیحات میں ذیلی عنوانات قائم کئے گئے ہیں عنوان سے مضمون اور طویل مباحث کی تعیین میں تسہیل ہو جاتی ہے۔

(۱۱) طلبہ اور اساتذہ کی سہولت اور درسی ضرورت کے پیش نظر مصنف کے مختصر خطبہ کتاب کی درسی انداز میں تشریح کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۱۲) شمائل کی تشریحات و توضیحات میں بین السطور ہر جگہ جمال محمد ﷺ نمایاں محسوس ہوتا ہے جمال محمد ﷺ کا تذکرہ انوکھا دلچسپ جامع، پیارا، دلنشین اور باعث از دیا و نور ایمان ہے۔

(۱۳) مؤلف کا مختصر حرف آغاز رب تعالیٰ کی عظمت شان، وسعت رحمت اور علم حدیث کی عظمت و اہمیت اور شغف بالحدیث کے برکات و ثمرات پر مشتمل اور شوق حدیث کا مؤثر محرک ہے۔

(۱۴) کتاب کے آغاز میں جامعہ قاسم العلوم ملتان کے سابق مہتمم اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے شیخ الحدیث فانی العلم، درویش خدا مست، محقق مصنف حضرت مولانا فیض احمد صاحب ملتان کا ایک وقیع اور مفید ترین مقدمہ درج ہے جو مختصر ہونے کے باوجود طالبان علوم نبوت کے لئے نافع، شوق حدیث کی انگیزت کا وسیلہ اور علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لئے استناد کا ذریعہ ہے۔

(۱۵) کتاب کے شروع میں قراءت حدیث کے مختلف طریقوں، محدثین کے درس حدیث کے اپنے اپنے انداز و رموز و اشارات کا تسلی بخش بیان آ گیا ہے۔

(۱۶) امام ترمذی کے مختصر مگر جامع، دلچسپ، حیرت انگیز اور نافع حالات کا تذکرہ بھی کر دیا گیا ہے

(۱۷) مشاہیر اہل علم، سلف صالحین، لائق ترین شارحین، اکابر علماء دیوبند بالخصوص اساتذہ حدیث اور نامور محدثین کے معارف و نکات، علمی تحقیقات اور بلند پایہ توضیحات و تشریحات اور درسی افادات سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

بہر حال جدید حالات، اساتذہ اور طلبہ کی درسی ضروریات اور تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر، شرح شمائل ترمذی،، ایک عظیم اور لا جواب سوغات ہے۔

ہر دور میں جدید تقاضوں کے ساتھ ساتھ  
ہوتی ہے آشکارا صداقت حضور کی  
بھری ہیں ہر گدا نے سعادت سے جھولیاں  
نگری رہے سلامت ہمیشہ حضور کی

محمد زمان

خادم نجم المدارس کلاچی

۲۰ شعبان ۱۴۲۳ھ، ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۲ء

مے گلگوں میں تسکین دل و جاں ڈھونڈنے والو  
سرور و کیف ذکرِ ساقیؑ کوثر سے ملتا ہے



رفعتوں کی جستجو میں ٹھوکر پیں تو کھا چکے  
آستانِ یار پر اب سر جھکا کر دیکھئے



تنگ آجائے گی خود اپنی چلن سے دنیا  
تجھؑ سے سیکھے گا زمانہ تیرے اندازِ کبھی



## حرف آغاز

الحمد للحمزة الجلالة والصلوة والسلام على خاتم الرسالة

پروردگارِ عالم فیاضِ ازل کی توفیق اور ان ہی کے فضل و عنایت سے بلا آخر شرح شمائل ترمذی جلد اول تکمیل کے بعد زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر نذرِ قارئین ہے۔

والحمد لله على ذالك حمداً كثيراً۔

آغازِ کار میں اپنے شیخ و مربی محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے درسِ ترمذی کے افادات و امالی کی ترتیب و تدوین کی سعادت حاصل ہوئی اور یہ کتاب ”حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی“ کے نام سے منظرِ عام پر آئی، پھر مختلف علمی و دینی، تاریخی اور سوانحی تصنیفات کا سلسلہ جاری ہوا کہ اللہ کریم نے امام نبویؐ کی آثار السنن کی شرح ”توضیح السنن“ کے نام سے بڑی سائز کی دو جلدوں (۱۳۷۲ صفحات) میں لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائی جو بے حد مقبول ہوئی اور الحمد للہ کہ قلیل ترین عرصہ میں اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے علم حدیث کا شغف رکھنے والے طالبانِ علوم نبوت کیلئے دعا فرمائی

ہے۔ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خَلْقًا لِّيْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ خَلَقْتَكَ قَالَ الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ وَيَرْوُوْنَ اَحَادِيْثِيْ وَيَعْلَمُوْنَ النَّاسَ۔ (راہ الطمرانی)

سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے

اللہ ! میرے خلفاء پر مہربانی فرما، ہم نے کہا یا رسول اللہ ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا



وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور میری احادیث کی روایت کریں گے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے ..... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا جو ایک وعدہ بھی ہے اور بشارت بھی اور پیش گوئی بھی کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو لوگ خدمتِ حدیث کا کام کرتے رہیں گے، انہیں مزید عنایات و توفیقات سے نوازا جاتا رہے گا۔ ان پر اللہ اپنا رحم فرماوے گا۔ نبیؐ کی دعا قبول ہوگی اور انہیں توفیق پہ توفیق ملتی رہے گی۔ ”شرح شامل ترمذی“ اسی نبوی دعا کا اعجاز ہے جو میرا کمال نہیں۔ کمالات سے نوازنے والے رب کا کمال ہے ..... ع قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھوائے جاتے ہیں

کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل، کہاں آپؐ کے پاکیزہ خصائل، کہاں شامل ترمذی کی درسی شرح اور کہاں یہ گنہگار حقیر و فقیر ایک ادنیٰ طالب علم میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک کے پیارے پیغمبرؐ کی دعائیں ہیں، جن کی قبولیت کا اظہار ہو رہا ہے اور یہ تاجدارِ ختم نبوت کی شانِ اعجاز ہے جو قیامت تک ظہور پذیر ہوتی رہے گی۔ وَلَآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ -

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ ربوبیت میں طالبانِ علم حدیث اور خادمانِ علم حدیث کیلئے کسی قدر عجز و الخاج سے، کس طرح پیار سے اور منوالینے کے انداز سے اور کس قدر یقین و اعتماد کے ساتھ دعا فرماتے ہیں۔

نَصَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالِي فَقَحَظَهَا وَوَعَاَهَا وَأَذَاهَا فُرُبَّ حَامِلٍ فَقِهِ غَيْرِ فَقِيهِ وَرُبَّ حَامِلٍ فَقِهِ إِلَىٰ مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ - (ترمذی والبوداؤعن زید بن ثابت)

اللہ تعالیٰ اپنے اس بندہ کو سرسبز و شاداب رکھے جو میری بات (حدیث) سنے، پھر اسے یاد کر لے اور دوسروں تک اسے پہنچائے، پس بہت لوگ فقہ (علم دین) کے حامل ہوتے ہیں مگر خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے علم دین کے حامل اس کو ایسے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں۔

میں خود حیران ہوں کہ شرح شامل ترمذی کی تکمیل کیسے ہو رہی ہے۔ حقیقت ہے یا کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ کیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سینہ یا سفینہ میں محفوظ رکھتے ہیں اور پھر دوسروں کو سنا کر یا ان تک پہنچا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا مصداق بنتے ہیں۔

اللہ کریم کاتب الحروف سمیت تمام ناظرین کو ایسے خوش نصیب لمحات عطا فرماوے۔ اے اللہ! اس کتاب کی تصنیف و تکمیل اور طباعت و اشاعت میں ہمارا کوئی کمال نہیں جو کچھ بھی ہے، تیری ہی عنایت ہے۔ اے اللہ! ہمیں شکر و امتنان کی توفیق عطا فرما اور شکر پر بھی شکر کی توفیق عطا فرما۔ پروردگار! اس کتاب کے ناظرین اور مستفیدین کو بھی اس عظیم خیر سے حصہ وافر لینے کی توفیق عطا فرما۔

محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن جان مدظلہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم زروبوی، شہید علم حضرت مولانا محمد علی صاحب، شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحلیم دیروی مدظلہ سے دورہ حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ استاذ محترم حضرت مولانا انوار الحق مدظلہ سے تمام دینی امور میں شہ ملتی رہی، جبکہ دورہ حدیث کے سال شمائل ترمذی استاذ العلماء حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ موصوف نہ صرف یہ کہ میرے شمائل کے استاذ ہیں بلکہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں آغاز کار، حقائق السنن پر کام، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کی خدمت کے مواقع، پھر ماہنامہ الحق میں سولہ سال تک کام کرنے بلکہ ہاتھ میں قلم پکڑنے سے لے کر، دعوت و تبلیغ، تحریر و تقریر، تصنیف و تالیف، الغرض دینی کام کے ہر میدان میں ان کی اوّل روز کی شفقتوں محبتوں، عنایتوں اور اعتماد سے مجھے حوصلہ ملا ہے اور وہ میرے ہر چھوٹے بڑے دینی کام میں بطور صدقہ جاریہ شریک ہیں۔

..... اور ناسپاسی ہوگی کہ اپنے عظیم محسن، شفیق استاذ، مخدوم و مکرم حضرت علامہ مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ (فاضل حقانیہ) کا شکر یہ نہ ادا کر لوں۔ موصوف نے محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے ہاں تخصص فی الحدیث کیا اور پھر مادر علمی نجم المدارس کلاچی سے وابستہ ہو گئے۔ تاہنوز وہیں خدمتِ علم اور خدمتِ درس و تدریس کر رہے ہیں۔ میری درخواست پر شرح شمائل ترمذی کے تمام مسودات کو اوّل سے آخر تک حرفاً حرفاً پڑھا، اصلاح فرمائی، مفید مشوروں سے نواز، اہم علمی مسائل میں مشکل گھٹیاں سلجھائیں اور اوّل سے آخر تک برابر کے شریک رہے۔ میں گنہگار انہیں کیا صلہ دے سکتا ہوں، دعا ہے کہ باری تعالیٰ اپنی عظمتِ شان ہی کے شایانِ شان انہیں اجر عظیم سے نوازے۔

..... جامعہ ابو ہریرہ کے مدرس عزیز القدر حضرت مولانا مفتی نعمت اللہ حقانی بھی حوالہ جات کی تخریج اور نقل و مراجعت میں میرا بھرپور ہاتھ بٹاتے رہے۔ عزیزان مولوی گل رحمان اور مولوی جان محمد نے کمپوزنگ کے صعب ترین مراحل صبر و ہمت، حوصلہ، خندہ جمینی، محبت بلکہ سعادت سمجھ کر سرانجام دیئے۔ مولانا سید محمد حقانی مدرس جامعہ ابو ہریرہ نے پریس، طباعت اور تقسیم و اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لے کر مجھ گنہگار کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔

اللہ کریم سب کو اپنے غیب کے خزانوں سے مالا مال فرماوے اور اجر عظیم سے نوازے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

عبد القیوم حقانی

۱۵ شعبان ۱۴۲۳ھ / ۲۲ اکتوبر ۲۰۰۲ء

## جدید ایڈیشن !

الحمد للہ کہ ”شرح شاکل ترمذی“ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہو گئی اور پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، ملک بھر سے علماء، طلبہ اور مخلص قارئین کا اصرار تھا کہ شرح میں دیے گئے عربی عبارات اور اقتباسات کا بھی اردو ترجمہ کر دیا جائے تاکہ مطالعہ و استفادہ کے کسی بھی مرحلہ میں کسی بھی قاری کو کسی بھی سطر سے محروم نہ رہنا پڑے، چنانچہ بطور بحث و حوالہ کے درج ہونے والی آیات، احادیث اور عربی اقتباسات کا ترجمہ بھی قوسین میں لکھ دیا گیا ہے اور اگر کسی جگہ عربی عبارت کے نیچے قوسین میں ترجمہ نہ ہو تو اس کا مفہوم پہلے اردو تحریر میں درج ہو چکا ہوتا ہے، عربی عبارت بطور اصل و تائید کے نقل کر دی جاتی ہیں اور رجال یعنی راویان حدیث کو درمیان کتاب سے نکال کر نمبر شمار کے حوالے سے علیحدہ کتابی شکل دے کر تیسری جلد کے طور پر اسی کتاب کا حصہ بنا دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبد القیوم حقانی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ / ۲۲ اپریل ۲۰۰۵ء

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى ، قَالَ الشَّيْخُ الْحَافِظُ أَبُو عَيْسَى مُحَمَّدُ بْنُ عَيْسَى بْنُ سُوْرَةَ التِّرْمِذِيُّ۔

ترجمہ: (شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور سلامتی ہو، اس کے برگزیدہ بندوں پر: شیخ حافظ ابویسی محمد بن سوریہ ترمذی نے فرمایا۔

## تشریح و توضیح:

تصنیف و تالیف بلکہ ہر مہتمم بالشان کام کرنے والے ابتدا میں حمد و صلوٰۃ کا اس لئے اہتمام کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی اتباع اور حضور ﷺ کے فرمان ” کُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يَبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُوَ أَقْطَعُ ، وَفِي رِوَايَةٍ لَهُوَ أَكْبَرُ ، وَفِي رِوَايَةٍ لَهُوَ أَجْزَلُ “ (ہر ذی شان کام کرنے کی ابتداء اگر بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نہ کی جائے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کی حمد و ثناء سے ابتداء نہ ہو تو پھر وہ اقطع (ناقص) ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اکبر (بے برکت) ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اجزء (جدام والا) ہے) پر عمل پیرا ہوں۔

امام ترمذی نے بھی اسی غرض کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ خطبہ پڑھا اور لکھا۔

## اعترض اور اس کا جواب :

یہاں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ابتدا تو ایک ہی چیز سے متصور ہوتی ہے، حالانکہ احادیث ابتدا تو تسمیہ اور تحمید دونوں کے متعلق منقول ہیں۔ شارح تہذیب جواباً لکھتے ہیں کہ (۱) حدیث تسمیہ کا مکمل ابتدا حقیقی اور حدیث تحمید کا مکمل ابتدا اضافی یا عرفی ہے۔ (۲) یادوں کا حمل ابتداء عرفی پر لیا جائے۔

(۳) نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ تسمیہ کی غرض ذاتِ خدا کا ذکر ہے اور الحمد کی غرض وصفِ خدا کا تذکرہ ہے اور ذاتِ شئی ہمیشہ وصفِ شئی پر مقدم ہوتی ہے۔

### بسم اللہ الرحمن الرحیم :

”بسم اللہ“ کے متعلق کوبعض حضرات اس سے مقدم مانتے ہیں اور بعض مؤخر۔ چنانچہ متعلق کو مؤخر ماننے کی صورت میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ..... وفی تاخیر المتعلق ایماء لافادة الاختصاص واشعار باستحقاق تقدیم ذکر اسمہ الخاص لاسیماماهو السابق فی الوجود و الفکر يستحق السبق فی الذکر و الفکر..... الخ۔ (جمع ص ۳) (اور بسم اللہ کے متعلق کو مؤخر ماننا برائے اختصاص بھی ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے اسم خاص کے استحقاق تقدیم کا مشعر بھی۔ خصوصاً جو ذات کہ وجود و تفکر میں مقدم ہو تو چاہئے کہ وہی ذات ذکر و فکر کرنے میں تقدیم کی مستحق ہو) اس سے معلوم ہوا کہ علامہ موصوف کے نزدیک متعلق مؤخر مقرر کرنا اولیٰ ہے۔ چنانچہ وہ تقدیر عبارت یوں لکھتے ہیں : ای باستعانة اسم المعبود بالحق الواجب المطلق المبدع للعالم المحقق اُصنف هذا الكتاب اجمالاً و اؤلف بين كل باب و باب تفصيلاً. (واجب مطلق، معبود برحق، جہاں کے خالق و مالک کے نام کی مدد و نصرت سے اس کتاب کو اجمالی طور پر تصنیف کرتا ہوں۔ اور ہر باب کو مفصل بیان کے لئے جمع کرتا ہوں)

### بسملة کی فضیلت :

علامہ بیجوریؒ المواہب اللدنیہ کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں، واعلم انه لكل شارع فی فن ان يتكلم على البسملة بطرف مما يناسب ذلك الفن و نحن شارعون فی فن علم الحديث فتكلم عليها ببذة من فضلها باعتبار الفن المشروع (کہ ہر علم و فن میں شروع کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اسی فن کی مناسبت سے بسم اللہ کے متعلق بھی کچھ گفتگو کرے اور چونکہ ہم فن حدیث میں شروع کرنے والے ہیں تو اس لئے ہم بھی بسم اللہ کے متعلق جو فضائل احادیث میں وارد ہیں ان کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں)

”بسم اللہ“ کے بہت سے فضائل احادیث، تفاسیر اور تاریخ کی کتب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہاں اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے چند خاصیات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی مفصل روایت میں یہ الفاظ قابل توجہ ہیں، فان المعلم اذا قال للصبي بسم الله الرحمن الرحيم فقالها كتب الله براءة للصبي وبراءة للمعلم وبراءة لابويه من النار (مواہب ص ۲) (کہ جب استاد لڑکے (شاگرد) کو ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کا کہتا ہے اور وہ شاگرد اس کو پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس لڑکے اس کے استاد اور اس کے والدین کے لئے دوزخ کی آگ سے بچاؤ کا پروانہ لکھ دیتے ہیں)

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مؤمن کے شیطان اور کافر کے شیطان کی آپس میں ملاقات ہوگئی۔ کافر کا شیطان بڑا مونا تازہ، تیل لگائے اور کپڑے پہنے ہوئے تھا اور مومن کا شیطان لاغر، پراگندہ بالوں والا ننگا، تو شیطان کافر نے شیطان مومن سے کہا کہ آپ ایسی حالت میں کیوں ہیں، اس نے جواباً کہا کہ میں ایسے بندہ (خدا) کے ساتھ رہ رہا ہوں کہ جب کبھی وہ کھاتا پیتا ہے، بسم اللہ پڑھ کر کھاتا پیتا ہے، تو میں بھوکا پیاسا رہ جاتا ہوں اور جب تیل لگاتا ہے تو بسم اللہ پڑھ کر لگاتا ہے، تو میں پراگندہ بالوں والا رہ جاتا ہوں اور جب وہ پہنتا ہے تو بسم اللہ پڑھ کر پہنتا ہے، اس لئے میں ننگا رہ جاتا ہوں۔ تو شیطان کافر کہتا ہے کہ میں تو ایسے (شخص) کے ساتھ رہتا ہوں کہ وہ تو ان میں سے کسی کام کے وقت بھی بسم اللہ نہیں پڑھتا۔ اس لئے میں ان سب چیزوں میں اس کا شریک بن جاتا ہوں اور مجھے بھی سب اشیاء میسر ہو جاتے ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے من اراد ان ينجيہ الله من الزبانية التسعة عشر فليقرأ بسم الله الرحمن الرحيم فان بسم الله الرحمن الرحيم تسعة عشر حرفا و خزنة جهنم تسعة عشر (عليها تسعة عشر. ۴۳: ۳۰) فيجعل الله تعالى بكل حرف منها جنة من كل احد منهم ولم يسلطهم عليه ببركة بسم الله الرحمن الرحيم (و غیر دنا من الروایات الکثیرة. مواہب ص ۳) (کہ جو شخص یہ چاہے کہ وہ انیس (۱۹) زبانیہ فرشتوں (جو دوزخیوں کو دوزخ کی طرف دھکیلیں گے) سے نجات پاوے۔ تو وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے اس لئے کہ اس کے

حروف انیس (۱۹) ہیں اور جہنم کے داروغوں کے تعداد بھی انیس (۱۹) ہے۔ (قرآن میں ہے کہ اس پر انیس (۱۹) فرشتے مقرر ہیں) تو اللہ تعالیٰ بسم اللہ کے ہر حرف کے بدلہ (ان فرشتوں سے) پڑھنے والے کے لئے ڈھال بنا دیتے ہیں اور ان زبانیہ کو بسم اللہ الرحمن الرحیم کی برکت سے اس پڑھنے والے پر مسلط نہیں فرماتے (اور بھی بہت سے روایات اس سلسلہ میں منقول ہیں)

## الحمد لله :

یہ جملہ تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ (۱) الف ولام (۲) حمد (۳) لفظ اللہ۔ شارحین نے ان کی تفصیل کچھ یوں بیان کی ہے کہ الف ولام کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اسی (۲) حرفی۔ اسی وہ ہے جو صیغہ اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور بمعنی الذی کے مستعمل ہوتا ہے اور الف ولام حرفی کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہد خارجی (۴) عہد ذہنی۔ جن کی دلیل حصر کی طرف محشی بیضاوی نے اشارہ کیا ہے۔ اپنے الفاظ میں اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ الف لام حرفی کے مدخول سے یا تو نفسِ ماہیت مراد ہوگی یا افراد، اگر صرف ماہیت مراد ہو تو یہ لام جنسی ہے، جیسے ”الرجل خیر من المرأة“ (یعنی ماہیتِ رجل بہتر ہے ماہیتِ عورت سے) اگر جنسِ عورت کا ایک آدم فرد کسی مرد سے بہتر ہو جائے، تو یہ اس مقولہ کے ہرگز خلاف نہیں ہوگا۔ اور اگر مدخول الف لام سے افراد مراد ہوں، تو پھر دو صورتیں ہو سکتی ہیں، تمام افراد مراد ہوں گے یا بعض افراد، صورتِ اول میں الف لام استغراقی ہوگا، جیسے ”إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ“ (۲:۱۰۳) (کہ سب انسان خسارہ میں ہیں) میں (بقریہ استثناء) اور صورتِ ثانیہ دو حالی سے خالی نہ ہوگی یا تو وہ بعض افراد خارج میں معین ہوں گے یا غیر معین۔ اول کو الف لام عہد خارجی کہتے ہیں، جیسے ”فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ“ (۱۶:۷۳) (پس نافرمانی کی فرعون نے) (معبود) رسول کی (یعنی جو اس سے پہلے مذکور ہے) اور ثانی عہد ذہنی کہلاتا ہے، جیسے ”وَ أَخَافُ أَنْ يُنْكِلَهُ الذَّنْبُ“ (۱۳:۱۲) (اے ذنباً ما) (اور مجھے خوف ہے کہ کہیں اس کو کوئی بھیڑیا (بھیڑیوں میں سے) نہ کھالے) اس لئے نحویین الف لام عہد ذہنی کو حکماً نکرہ کہتے ہیں ..... یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ الحمد لله میں الف لام یا تو جنسی ہوگا یا استغراقی اور ہر ایک صورت میں معنی

ظاہر ہیں۔

## حمد کی بحث :

یہ باب ”سمع“ سے مصدر ہے، تحمید اور محمدۃ کے الفاظ بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ لغوی طور پر یہ کسی چیز کی تعریف، توصیف اور تحسین کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ حمد کا تحقق وثبوت چار ارکان سے ہوتا ہے۔ حامد: تعریف کرنے والا، محمود: جس کی تعریف کی جائے، محمود علیہ: جس خوبی پر تعریف کی جائے، محمود بہ: جن الفاظ کے ذریعے تعریف کی جائے۔

حمد کی اصطلاحی تعریف صاحب مختصر المعانی نے یہ کی ہے۔ هو الشناء باللسان على قصد التعظيم سواء تعلق بالنعمة او بغیرها (یعنی زبان سے بہ ارادہ تعظیم کسی کی تعریف کرنا خواہ نعمت سے متعلق ہو یا غیر نعمت سے) اور حمد چونکہ شکر ہی کی ایک صورت ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، الحمد رأس الشکر ما شکر الله من لم يحمد (بیضاوی ص ۶) (حمد و ثناء تو شکر کا سر یعنی بنیاد ہے) (اس لئے) جو شخص اللہ کی حمد نہیں کر سکتا وہ اللہ کا شکر بھی نہیں کر سکتا) اس لئے اسی مناسبت سے شکر کی تعریف بھی ان الفاظ سے نقل کر دی ہے۔ کہ فعل یبني عن تعظيم المنعم لكونه منعمًا سواء كان باللسان او بالجنان او بالاركان (شکر ایک ایسا فعل ہے جو منعم کی بحیثیت منعم ہونے کے تعظیم کو بتلائے خواہ وہ زبان سے ہو یا پھر دل اور اعضاء و جوارح سے ہو)

## حمد و شکر اور مدح کا فرق :

حمد اور شکر کی اصطلاحی تعریف سے یہ بخوبی واضح ہو رہا ہے کہ حمد باعتبار مورد (صدر) کے خاص اور باعتبار متعلق کے عام ہے اور شکر اس کے برعکس ہے، یعنی شکر متعلق کے لحاظ سے خاص اور مورد کے لحاظ سے عام ہوا، تو گویا ان کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوئی، جس میں ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہوتے ہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے اس کو بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ: من ههنا تحقق تصادقهما في الثناء باللسان في مقابلة الاحسان و تفارقهما في صدق الحمد فقط على الوصف بالعلم والشجاعة و صدق الشكر فقط على الثناء بالجنان في مقابلة الاحسان (مطول)



ص ۸) (اور چونکہ حمد و شکر کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے اس لئے ان دونوں کا تحقق اور ثبوت یکجا بصورت زبانی حمد و ثناء جبکہ بمقابلہ کسی محسن کے احسان کے ہو اور ان دونوں کے تقاروق (جدائی) کی صورت یہ ہوگی کہ اگر کسی شخص کی صفت علم یا بہادری کی تعریف و مدح کی جائے تو یہ صرف حمد (اصطلاحی) ہوگا (شکر نہ ہوگا) اور اگر کسی شخص نے آپ کے ساتھ احسان کیا اور آپ دل ہی دل میں اس کی تعریف کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں تو یہ شکر (اصطلاحی) ہوگا) حمد نہیں۔ کیونکہ زبان کے ساتھ تعریف نہ ہوئی)

چونکہ حمد و شکر کی تعریف میں عام طور پر علی الجمیل الاختیاری ..... الخ کا ذکر ہوتا ہے۔ بخلاف مدح کے جیسے بیضاوی فرماتے ہیں، والمدح هو الثناء علی الجمیل مطلقاً (اور مدح کا معنی مطلقاً کسی جمیل چیز پر ثناء کرنا) تو گویا مدح میں ثناء فعل غیر اختیاری پر بھی ہو سکتی ہے مدحت اللؤلؤ علی صفائها (میں نے موتی کی اس کی صفائی کی وجہ سے تعریف کی) مشہور مثال ہے اور اسی فرق کو بتلانے کے لئے امام بیضاوی لکھتے ہیں کہ: تقول حمدت زیداً علی علمه و کرمه ولا تقول حمدته علی حسنه بل مدحه (بیضاوی ص ۶) (کہ تو یہ تو کہتا ہے کہ میں نے علم و سخاوت کی وجہ سے زید کی تعریف کی اور یہ نہیں کہتا کہ میں نے اس کے حسن کی وجہ سے اس کی حمد و تعریف کی بلکہ تو کہتا ہے کہ میں نے اس کے حسن کی مدح کی) حمد اور مدح کی نقیض ذم اور شکر کی نقیض کفران آتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "لَنْ شُكْرُكُمْ لَا يَزِيدُنْكُمْ وَلَنْ كُفْرُكُمْ اَنْ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" (۷: ۱۴) (قرآن مجید میں ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے) کو قال واشکروا لى ولا تکفروا (۱۵۲: ۲) (کہ میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو)

اشکال اور اس کے جوابات :

بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ جب حمد کی تعریف میں باللسان کی قید ہے، تو اس سے حمد باری تعالیٰ اور باتات و جمادات وغیرہ کی حمد و تسبیح خارج ہوگی اس لئے کہ ان مذکورہ میں تو زبان کا تحقق نہیں ہے۔ شارحین کرام جواب میں فرماتے ہیں۔ (۱) یہاں حمد سے مطلق حمد مراد نہیں، بلکہ وہ حمد جو

انسان کرتا ہے۔ (۲) خدا تعالیٰ نے جو اپنی ذات کے محامد بیان کئے ہیں، اس کو حقیقتاً حمد نہیں کہا جاتا، بلکہ وہ اظہارِ صفاتِ کمالیہ سے مجاز ہیں یا پھر یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنی حمد بندوں کی زبان پر جاری کی ہے۔ (۳) زبان سے مراد قول ہے اور خدا کی تعریف کے قول ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں۔ (۴) زبان سے مراد مطلق مبدیہ تعبیر ہے (نیل الامانی) یعنی یہ تعریف جس کیفیت سے بھی ہو، جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَمِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا يَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ط** (۴۴:۱۷) (دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں مگر وہ باری تعالیٰ کی تسبیح (پاکی بیان) کرتی ہے لیکن تم لوگوں کو ان کی تسبیح کی سمجھ نہیں)

### لفظ اللہ کی تحقیق :

لفظ اللہ کے بارے میں بہت اختلاف مذکور ہے، یعنی یہ کہ لفظ اللہ عربی یا غیر عربی اسم ذات ہے یا اسم صفت اور علم ہے یا نہیں، جس کی تفصیل دلائل کے ساتھ کتبِ فنون کی شروح میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ علامہ سعد الدین قفازانیؒ فرماتے ہیں ”اسم للذات الواجب الوجود المستحق لجميع المحامد (مطلوب) (یعنی لفظ اللہ اسم ہے اس ذات کا جو واجب الوجود اور تمام حمدوں کی مستحق ہے) آگے لکھتے ہیں: **ولذا لم يقل الحمد للخالق او الرزاق ونحوهما مما يؤهم اختصاص استحقاقه الحمد بوصف دون وصف (مطلوب) (اسی لئے تو یہ نہیں فرمایا کہ سارے محامد (تعریفیں) خالق کے ہیں یا رازق کے ہیں یا ان جیسے الفاظ جن میں اللہ تعالیٰ کا بوجہ کسی ایک وصف کے نہ کہ دوسرے وصف سے مستحق حمد و تعریف ہونا معلوم ہوتا ہو) تو ثبوت الحمد لله کا مطلب یہی ہوا کہ الحمد مطلقاً منحصر فی حق من هو مستجمع لجميع صفات الكمال من حيث هو كذا لك فكان كدعوى الشيء بینه وبرهان ولا يخفى لطفه. (شرح تہذیب) (کہ حمد علی الاطلاق کا انحصار صرف اس ذات کے حق میں ہے جو کہ تمام صفاتِ کمالیہ کی جامع ہوتا ہے تو گویا یہ ایک چیز کا دعویٰ بمع دلائل ہی کے ہوا اور اس کا دقیق ہونے کا لطف کوئی مخفی چیز نہیں ہے)**

### سوال و جواب :

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ تو بہت سے اشخاص یا اشیاء کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں جو

کہ غیر اللہ ہیں، تو یہ انحصارِ حمد فی ذات اللہ کے منافی ہوا۔

جواب: (۱) ہم نے یہ کہا کہ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ مستجمع لجميع صفات الکمال (اللہ تعالیٰ جامع صفات کمالیہ ہیں) اور کوئی بھی غیر اللہ ساری صفات کمال کا جامع نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا غیر اللہ کے لئے ساری تعریفیں بھی نہیں ہو سکتیں۔ (۲) کہ جس غیر اللہ کی بھی تعریف کی جائے گی وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوگی، کیونکہ جس خوبی کی وجہ سے غیر اللہ (اشخاص یا اشیاء) کی تعریف کی جا رہی ہے، اس کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے تو گویا مال اور انجام کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوئی۔ وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ (۵۳:۱۶) (اور جو بھی تمہیں کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے) میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: وَاللَّامُ لِلْإِسْتِغْرَاقِ الْعَرَفِيِّ بِلِ الْحَقِيقِيِّ أَيْ كُلُّ حَمْدٍ صُلِّحَ مِنْ كُلِّ حَامِدٍ فَهُوَ مُخْتَصٌّ وَ مُسْتَحَقٌّ لَهُ تَعَالَى حَقِيقَةً وَأَنْ كَانَ قَدْ يُوْجَدُ لَغَيْرِهِ صُورَةً۔ (جمع ص ۴) (کہ الحمد میں لام استغراق عرفی بلکہ استغراق حقیقی کے لئے ہے۔ یعنی ہر حمد و ثناء کہ وہ کسی حامد (تعریف کرنے والے) سے صادر ہو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور وہی اس کے مستحق ہیں اگرچہ وہ صورتاً کسی دوسرے کی حمد و ثناء کیوں نہ ہو)

### و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ کی توضیح :

جملہ الحمد للہ ہر لحاظ سے لفظاً خبریہ اور معنی انشائیہ ہے۔ البتہ یہ بھی امکان ہے کہ لفظاً اور معنی بھی خبریہ ہو۔ لان الاخبار عن الحمد حمد دلالتہ علی الاتصاف بالکمال (مواہب ص ۴) (اس لئے کہ حمد (مدح و تعریف) سے خبر دینا بھی ایک طرح کی حمد ہے کیونکہ اتصاف کمالی پر دلالت کرتا ہے) اور جملہ ”و سلام علی..... الخ“ صرف انشائیہ بصورت خبریہ ہے و لیس کالحمد لان الاخبار عن السلام لیس بسلام (مناوی ص ۴) (اور جملہ سلام حمد جیسے نہیں اس لئے کہ سلامتی سے خبر دینا سلام نہیں ہے) سلام کی تونین یا تو تعظیم کے لئے ہے، کما فی قوله تعالیٰ ”هٰذِیْ لِلْمُتَّقِیْنَ“ (۲:۲) (کہ ہدیٰ للمتقین میں ہدیٰ کی تونین تعظیم کے لئے ہے) اور یا تعظیم کیلئے جیسے کہ ”ثمرة خیر من جرادة“ (ہر ایک کچھو رکڑی سے بہتر ہے) مثال میں۔ تو اس کا معنی یہ ہوا، تسلیم عظیم من رب رحیم او سلام کثیر

منا و ثناء حسن من جانبنا (جمع ص ۴) (کہ رب رحیم کی طرف سے بڑا سلام ہو یا یہ کہ بہت سلام ہو ہماری طرف سے اور یا بہتر اور حسین حمد و ثناء ہو ہماری جانب سے)

علامہ بیجوریؒ الحمد کے معرفہ اور سلام کے نکرہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایذا نا بانہ لانسبة بین الحضرة العلیة و بین الحضرة النبوة لان العباد و ان بلغوا اعلی الرتب و اعظم القرب لا یزولون عاجزین عجزاً بشرباً و مفتقراً افتقاراً ذاتیاً کما قال بعضهم۔

العبد عبد و ان تعالیٰ والمولی مولیٰ وان تنزل

(گویا یہ بتلانا مقصود تھا کہ ذات باری تعالیٰ اور انبیاء کرام کی شان و عظمت میں کسی قسم کی نسبت اور تناسب ممکن نہیں کیونکہ بندے اگرچہ وہ عظمت اور قربت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات کو کیوں نہ پہنچ جائیں تو بھی ذاتی احتیاط اور عجز بشری کی وجہ سے ہمیشہ عاجز اور مغلوب ہی رہیں گے۔ جیسے بعض حضرات کا قول ہے کہ غلام تو غلام ہی ہے اگرچہ بلند مقام پر ہو۔ اور آقا (سردار) سردار ہے اگرچہ نیچے بھی ہو)

چنانچہ امام ابو یوسفؒ جب کبھی اپنا تذکرہ امام اعظمؒ کے ساتھ کرتے تو کنیت کے بجائے ادا اپنا نام ہی ذکر کرتے اور فرماتے: عن یعقوب عن ابی حنیفہ (کہ یہ روایت یعقوب کی ابو حنیفہ سے) سلام نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا ہونے کے اعتراض کا دفعیہ و سوغ الابتداء بالنکرة تخصیصھا بالنسبة للمتکلم (مناوی ص ۴) (کہ سلام باوجود یہ کہ نکرہ ہے لیکن اس کا مبتدا ہونا بوجہ نسبت الی المتکلم کے صحیح ہے) سے ہو گیا۔

## عبادہ کی اضافت :

عباد جمع عبد کی ہے اور جمع مضاف استغراق کا لفظ مذہبی ہے، تو اس وقت الذین اصطفتی صفت احترامی ہوگی، یعنی فاسق فاجر نکل جائیں گے اور اگر عبادہ کی اضافت تعظیم کے لئے ہو، تو پھر الذین اصطفتی صفت بیانیہ کا شفع ہوگی۔

## الذین اصطفتی سے مراد :

اکثر حضرات کے نزدیک اس سے مراد انبیاء ہیں۔ اس وقت مصنفؒ پر یہ اعتراض وارد نہیں

ہوگا کہ استقلالاً غیر نبی (کہ نبی کے علاوہ پر بطور استقلال) پر سلام کہا گیا، البتہ ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں ..... ہم الذین اصطفاہم و اجتباہم و ارتضاہم و صفاہم عما کدر بہ سواہم و ہم الرسل من الملائکۃ و من الناس و سائر الانبیاء و جمیع اتباعہم من العلماء والاولیاء الاصفیاء فدخل المصطفیٰ و آل المرتضیٰ و صحبۃ المجتبیٰ فیہم دخولاً اولیاء (کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرما کر منتخب کر لیا اور ان کو پاک و صاف کیا ان بشری کدورتوں سے جو ان کے علاوہ میں موجود تھیں اور یہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول اور انبیاء کرام اور ان کے متبعین علماء کرام اور اولیاء عظام ہیں تو الذین اصطفاہم میں خود حضور ﷺ اس کی آل و اولاد اور صحابہ کرامؓ شروع ہی سے داخل ہیں) پھر مصنفؒ پر سابقہ اعتراض کے ہونے کے پیش نظر جواباً لکھتے ہیں 'فلا وجہ لم ذکرہنا کلاماً اعتراضیاً مع ان المصنف انما اتی بہذہ الجملة اقتداءً بہ صلی اللہ علیہ وسلم او بلوط علیہ السلام علی اختلاف بین المفسرین فی المراد بالخطاب ..... فی قولہ تعالیٰ فی الکتاب قل الحمد للہ وسلم علی عبادہ الذین اصطفاہم او ابتداءً بناءً علی ان المراد بالخطاب العام ففیہ اقتباس من کلام اللہ الخ' (جمع ص ۴) (کہ کوئی وجہ نہیں جو لوگ یہاں اعتراض کرتے ہیں کیونکہ مصنفؒ نے یہ جملہ یا تو حضور ﷺ کی تابعداری میں یا پھر لوط علیہ السلام کی اقتداء کرتے ہوئے کہا کیونکہ قرآن مجید میں قل الحمد الخ کے خطاب کی مراد میں مفسرین کا اختلاف ہے اور یا مصنفؒ نے ابتداءً یہ جملہ کہا اس لئے کہ قرآنی خطاب سے خطاب عام بھی مراد لیا جاسکتا ہے تو اس صورت میں یہ کلام اللہ سے اقتباس ہوگا)

### مصنفؒ پر اعتراضات اور ان کے جوابات :

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مصنفؒ نے سلام کے ساتھ صلوٰۃ کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ شارحینؒ نے مختلف جواب ذکر کئے ہیں (۱) مصنفؒ کی رائے میں افراد بالسلام میں کراہت نہیں (۲) کراہت اس وقت ہے کہ ساری مجلس یا کتاب صلوٰۃ و سلام سے خالی ہو، والمصنف قد زین کتابہ بتکرار الصلوٰۃ والسلام کما ذکر خیر الانام (حالانکہ مصنفؒ نے تو صلوٰۃ

وسلام سے بارہا تکرار کے ساتھ اپنی کتاب کو جب بھی آپ ﷺ کا تذکرہ ہوا مزین فرمایا ہے) (۳) یہاں اقتداء اور پیروی الفاظ قرآن کی مقصود ہے۔ (المواہب ص ۴) (۴) جمع بین الصلوٰۃ و السلام اولیٰ ہے (صلوٰۃ و سلام کو اکٹھا کرنا) اگر ایک پر اقتصار ہو جائے تو بلا کراہت جائز ہے۔ ثم الصحيح ما ذكره الجزري في مفتاح الحصن ان الجمع بين الصلوٰۃ والسلام هو الاولیٰ ولو اقتصر على احدهما جاز من غير كراهة فقد جرى عليه جماعة من السلف و الخلف منهم الام مسلم في صحيحه (جمع ص ۵) (پھر اس سلسلہ میں صحیح بات وہی ہے جو امام جزریؒ نے مفتاح الحصن میں ذکر کی ہے کہ صلوٰۃ و سلام کو اکٹھا اور یکجا کرنا اولیٰ اور بہتر ہے اور اگر ان میں سے ایک پر ہی اکتفا کر لی تو بلا کراہت جائز ہے اور اسی پر متقدمین اور متاخرین کا عمل ہے اور انہی میں سے امام مسلمؒ نے یہی طریقہ اپنی صحیح مسلم میں اختیار کیا ہے) (۵) افراد بین الصلوٰۃ والسلام کی کراہت صرف حضور ﷺ پر کہنے میں ہے، نہ مطلقاً، لقوله تعالى صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا - (رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو آپ ﷺ پر) و افراد الصلوٰۃ عليه مكروه فلا تقل صلى الله عليه فقط و لا عليه السلام فقط - (جمع ص ۵) (بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے) (کہ اے ایمان والو! حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کہا کرو) اور آپ ﷺ پر صرف صلوٰۃ کہنا مکروہ ہے یعنی نہ صرف صلی اللہ علیہ کہا کرو اور نہ صرف علیہ السلام کہا کرو)

باقی رہا مصنف پر اعتراض کہ اس نے اپنے خطبہ میں تشہد (یعنی اشہد ان لا اله الا الله) کا ذکر بھی نہیں کیا، حالانکہ ابوداؤد کی رویت میں ”کل خطبة ليس فيها تشهد فهي كاليد الجذماء“ (کہ ہر ایسا خطبہ جس میں تشہد نہ ہو وہ جذام زدہ ہاتھ کی طرح ہے) مذکور ہے۔ شیخ ابراہیم بن جوزیؒ جواب نقل فرماتے ہیں کہ بمانہ تشہد لفظاً و اسقط خطاً اختصاراً او بأن الخبر في خطبة النكاح لا الكتب والرسائل بدليل ذكره في النكاح - (مواہب ص ۴) (کہ مصنفؒ نے تشہد کے ساتھ تلفظ کیا ہوگا لیکن کتابت میں بطور اختصار کے ساقط کر دیا اور یا یہ کہ حدیث خطبہ نکاح کے متعلق وارد ہوئی ہے نہ کہ کتابوں اور رسائل کے سلسلہ میں کیونکہ اس کا تذکرہ باب النکاح میں ہوا ہے) (۳) کہ روایت ابوداؤد میں تشہد سے مراد حمد و ثناء ہے۔ والصحيح ما قاله التوربشتي وغيره من ان المراد بالتشهد في هذا الحديث الحمد والثناء (جمع ص ۵) (اور صحیح وہ ہے جو توربشتیؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ تشہد سے مراد اس

حدیث میں حمد و ثناء ہے۔)

(۴) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ہو الاظهر عندی ان تحمل الخطبة فی هذا الحديث علی الخطب المتعارفة فی زمانه صلی اللہ علیہ وسلم ایام الجمع والاعیاد و غیرها فان التصنيف حدث بعد ذلك (کہ میرے نزدیک زیادہ صحیح اور ظاہر یہی ہے کہ اس حدیث میں جو خطبہ کا ذکر ہے اس کا محمل حضورؐ کے زمانہ کے مشہور و معروف خطبات ہوں یعنی عیدوں اور جمعوں وغیرہ کے کیونکہ یہ تصنیفات کا سلسلہ تو آپ ﷺ کے زمانہ سے بعد کا ہے)

### الذین اصطفیٰ کی ترکیب :

صلہ موصول مل کر محلاً مجرور ہے اور عبادہ کے لئے صفت ہے اور یا محلاً مرفوع ہے اور مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ ای ہم الذین..... الخ یا منصوب علی المدح ہے۔ ثم الشراح اتفقوا علی ان قوله الذین اصطفیٰ فی محل جر علی انه صفة اور رفع علی انه خبر مبتداء محذوف او نصب علی المدح (جمع ص ۵) (پھر سب شارحینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ الذین صطفیٰ محلاً مجرور ہے اور عبادہ کی صفت ہے اور یا محلاً مرفوع ہے اور ترکیب میں مبتداء محذوف (ہم) کی خبر ہے اور یا یہ منصوب علی المدح ہے)

### قال الشيخ الحافظ ابو عیسیٰ محمد بن سورة الترمذی :

مصنفین کی اصطلاح میں مقدمہ و بیاچہ اور خطبہ کی یہ دو قسمیں بھی بیان ہوتی ہیں۔ (۱) ابتداء یہ (۲) الحاقیہ۔ اگر خطبہ مسائل کتاب کے لکھنے سے پہلے لکھا گیا، تو ابتداء یہ کہلاتا ہے اور اگر مسائل کتاب پہلے لکھے گئے اور خطبہ بعد میں تو اس کو الحاقیہ کہتے ہیں۔ ”التعبیر بالماضی يدل علی ان الخطبة متأخرة عن التألیف و یحتمل انه وقع الماضی موقع المستقبل لقوة رجائه او تفاؤلاً بحصوله“ (مواہب ص ۴) (کہ یہاں قال الشیخ میں ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے میں یہ دلالت ہے کہ خطبہ تالیف کتاب کے بعد تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ مصنفؒ نے صیغہ ماضی کو مستقبل کی جگہ بطور امید یا تفاؤل (نیک شگون) کے استعمال کیا ہو)

## قال الشيخ :

شیخ لغت میں بوڑھے (جس کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہو) کو کہتے ہیں، لیکن اصطلاحاً اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہونے لگا، جس کے علوم و معارف کثیر ہوں۔ علامہ مناویؒ لکھتے ہیں قال الراغب و اصله من طعن في السن ثم عبروا به عن يكثر علمه لما كان شان الشيخ ان يكثر تجاربه و معارفه (مناوی ص ۶) (امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ لفظ شیخ کا اصل استعمال تو بوڑھے شخص میں ہے لیکن علماء حضرات اس کی تعبیر ماہر اور کثیر العلم شخص سے کرتے ہیں کیونکہ شیخ کا رتبہ اور شان یہی ہے کہ اس کے تجربے اور معارف و علوم کثرت سے ہوں)

محدثین حضرات کی اصطلاح میں شیخ، محدث اور استاذ کے الفاظ کا اطلاق اس عالم دین پر ہوتا ہے، جس سے روایات لی جائیں اور اس کی نقل کردہ روایات کا اعتبار کیا جائے، خواہ اس کی عمر پچاس سال سے کم ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ امام بخاریؒ کو گیارہ برس کی عمر سے شیخ کہا جانے لگا۔ وقد ثبت انه لما بلغ احدى عشرة سنة رد على بعض مشائخه غلطاً وقع له حتى اصرح كتابه من حفظ البخاري (اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ جب امام بخاریؒ کی عمر گیارہ (۱۱) برس کو پہنچی تو اپنے بعض مشائخ اور اساتذہ کی غلطی پر گرفت کی اور شیخ نے اپنی کتاب کی اصلاح امام بخاریؒ کی یادداشت اور حفظ پر کر لی) صحابہؓ اور تابعینؒ بھی نوجوانی کے زمانہ ہی میں احادیث نبویہ کی تعلیم و تعلم فرماتے رہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے متعلق بھی یہی منقول ہے۔ وقد افاده مالک وهو ابن سبع عشرة سنة او عشرين سنة و الشافعي تلمذه العلماء و هو في حداثة السن۔ (جمع الاصول ص ۶) (کہ امام مالکؒ سترہ (۱۷) سال کی عمر میں لوگوں کو تعلیم دیتے تھے اور امام شافعیؒ کی بھی نوجوانی میں علماء نے شاگردی اختیار کی ہے)

## الحافظ :

یہاں حافظ ۔۔۔ مراد حافظ حدیث ہے حافظ قرآن مجید نہیں، و یحتمل انه كان حافظاً للكتاب والسنة، (اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حافظ قرآن اور حدیث بھی ہو) شیخ ابراہیم اللیجوریؒ نے علامہ مطرزیؒ



کے حوالہ سے محدثین کے پانچ طبقات لکھے ہیں، اولہا الطالب و هو المبتدی ثم المحدث و هو من تحمل روايته و اعتنى بدرايته ثم الحافظ و هو من حفظ مائة الف حديث متناً و اسناداً، ثم الحجة و هو من حفظ ثلاث مائة الف حديث ثم الحاكم و هو من احاط بجميع الحاديث (مواہب ص ۵)۔  
(۱) مبتدی اور طالب (۲) محدث جس کی روایت اور درایت کا اہتمام و اعتناء کیا جائے (۳) الحافظ جس کو ایک لاکھ حدیثیں متناً و سنداً یاد ہوں (۴) حجة جس کو تین لاکھ احادیث یاد ہوں (۵) الحاکم جس نے تمام احادیث کا احاطہ کیا ہو)

البتہ ملا علی قاریؒ ان کے علاوہ علامہ جزریؒ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ..... الراوی ناقل الحديث بالاسناد ..... والحافظ من روى ما يصل اليه و وعى ما يحتاج لديه (جمع ص ۶) (کہ راوی وہ ہے جو حدیث کو سند کے ساتھ نقل کرے اور حافظ وہ ہے کہ جو اس تک حدیث پہنچے تو وہ اس کی روایت دوسروں کو کر دے اور جس کو اس کا احتیاج ہو تو وہ محفوظ کر لے)

تدريب الراوی (ص ۷) میں ہے ..... و اخرج السمعاني بسنده عن ابي نصر قال العالم الذي يعلم المتن والاسناد جميعاً، والفقيه الذي عرف المتن ولا يعرف الاسناد والحافظ الذي يعرف الاسناد ولا يعرف المتن، والراوی الذي لا يعرف المتن ولا يعرف الاسناد. (امام سمعانیؒ نے سند متصل کے ساتھ ابونصر سے نقل کیا ہے کہ عالم وہ ہے کہ جو متن حدیث اور اسناد دونوں کو جانتا ہو اور فقیہ وہ ہے کہ جو متن حدیث تو جانتا ہو لیکن اسناد حدیث کا علم نہیں رکھتا اور حافظ وہ ہے کہ جو اسناد حدیث جانتا ہے اور متن حدیث کا علم نہیں جانتا اور راوی وہ ہے کہ اس کو نہ متن حدیث اور نہ اسناد حدیث کی معرفت ہو) حافظ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آج کل حافظ (حدیث) کوئی نہیں، گویا حفاظ کی پیدائش بند ہو گئی، اگرچہ امکان ہے، تاہم تجربہ یہ ہے کہ حافظ الحدیث کوئی نہیں رہا (تقریر ترمذی)

### کنیت ابو عیسیٰ کی بحث :

امام ترمذی کا نام محمد اور کنیت ابو عیسیٰ ہے۔ پورا سلسلہ نسب یوں ہے۔ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن

موسیٰ بن ضحاک السلمی البوغی الترمذی۔

علماء میں بعض حضرات نے ابو عیسیٰ کنیت رکھنے کی ممانعت کی ہے کہ اس میں شائبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی والد تھا۔ لہذا روی ان رجلا تسمی ابا عیسیٰ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان عیسیٰ لا اب له فکفرہ ذلک (اس لئے کہ ایک روایت ہے کہ ایک شخص ابو عیسیٰ کے ساتھ مسیٰ تھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا تو باپ نہ تھا تو اس شخص کو یہ اچھا نہ لگا) اور مصنف ابن ابی شیبہ نے بھی اس پر مستقل باب ”ما یکرہ للرجل ان یکتبی بابی عیسیٰ“ (باب! مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کنیت ابو عیسیٰ رکھے) باندھا ہے (مقدمة تحفة الاحوذی ص ۱۷۰) اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے صاحبزادے نے ابو عیسیٰ کنیت اختیار کی، تو حضرت عمرؓ نے ان کو روکا اور فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے تو باپ نہیں تھے۔ (ابوداؤد ص ۶۷۸، مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۲)

تو اشکال یہ ہے کہ روایات میں ممانعت اور فساد عقیدہ کے شبہ کے باوجود امام ترمذیؒ جیسے عظیم محدث اور امام حدیث نے یہ کنیت کیوں اختیار کی۔

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث محدث کبیر مولانا عبدالحق قدس سرہ نے چند توجیہات نقل فرمائی ہیں، جن میں سے رائج توجیہ اسے قرار دیا کہ (۱) امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن کی کتاب الآداب میں ابو عیسیٰ کنیت اختیار کرنے پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اس میں حضرت مغیرہؒ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت مغیرہؒ نے جب ابو عیسیٰ کنیت اختیار کی، تو حضرت عمرؓ نے ان پر اعتراض کیا، حضرت مغیرہؒ نے فرمایا میں نے حضور اقدس ﷺ کی زندگی مبارک میں اس کنیت کو اختیار کیا تھا الخ (ابوداؤد ص ۶۷۸) (حافظ ابن حجر نے الاصابة میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے) تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممانعت کی روایات اسلام کے ابتدائی دور پر محمول ہیں جب کہ لوگوں میں اسلامی عقائد کامل طور پر رچے بسے نہیں تھے اور جب اسلام کی اشاعت ہوئی اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت بیٹھ گئی، تب جواز کا حکم آیا، ممانعت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ (حائق السنن ج ۱ ص ۷۷)

بذل المجہود میں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے عدم جواز کی روایت پہنچنے سے

پہلے ”ابو عیسیٰ“ کینیت اختیار کی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کینیت انہوں نے خود اختیار نہ کی ہو بلکہ اُن کے آباء نے رکھی ہو۔ (بذل ج ۶ ص ۲۷۰)

(۲) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، لکن تحمل الکراهۃ علی تسمیۃ ابتداءً فاما من اشتہر بہ فلا یسکرہ کما یدل علیہ اجماع العلماء والمصنفین علی تعبیر الترمذی بہ للتمیز (جمع ص ۶) (لیکن ابو عیسیٰ کی کینیت کی کراہت کو ابتداءً رکھنے پر محمول کیا جائے گا البتہ جو اس کینیت کے ساتھ مشہور ہو تو اس میں کراہت نہیں کیونکہ علماء اور مصنفین کا امام ترمذیؒ کی کینیت ابو عیسیٰ سے برائے امتیاز تعبیر کرنے پر اجماع ہے)

### الترمذی :

ترمذی نسبت وطنی ہے۔ ترمذ نہر بلخ یعنی نہر جیحون کے کنارے خوارزم کے قریب واقع ہے۔ قال النووی فیہ ثلاثۃ اوجہ کسر التاء والمیم (ترمذ) و هو الاشہر وضمہما (ترمذ) وفتح التاء وکسر المیم (ترمذ)۔ (امام نوویؒ نے لفظ ترمذ میں تین صورتیں بیان کی ہیں (۱) تاء اور میم دونوں کا کسرہ (ترمذ) اور یہی زیادہ مشہور ہے (۲) دونوں کا ضمہ ہو (ترمذ) (۳) تاء کا فتح اور میم کا کسرہ ہو (ترمذ)

### ایک مغالطہ کا ازالہ :

چونکہ ترمذی کے نام سے تین ائمہ مشہور ہیں۔ اس لئے اسی مماثلت کی وجہ سے اشتباہ ہو جاتا ہے، حالانکہ تینوں کے درجات مختلف اور مراتب علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(۱) امام ابو عیسیٰ الترمذی صاحب السنن (جن کا ابھی تذکرہ ہوا)

(۲) ابو الحسن احمد بن حسن الترمذی ہیں، ترمذی کبیر ان کا لقب ہے، اکابر اساتذہ میں سے ہیں۔

(۳) حکیم الترمذی یہ نوادر الاصول کے مصنف ہیں، جو حدیث کی کتاب ہے۔ (ماخوذ از حاشیہ حقائق السنن)

### قال الشیخ ..... الخ کا قائل کون ہے ؟

اس میں اختلاف ہے کہ قال الشیخ الحافظ ..... الخ کا قائل کون ہے؟ بعض حضرات یہ

کہتے ہیں کہ یہ عبارت امام ترمذیؒ کے شاگردوں کی ہے۔ البتہ الحمد للہ وغیرہ میں یہ احتمال ہے کہ وہ مصنفؒ کا کلام ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ بھی تلامذہ کا کلام ہو..... و قيل يصح ان يكون ذلك الوصف ( ای قال الشيخ..... الخ ) من نفسه للاعتماد لا للاختصار ( جمع ص ۷ ) ( اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ قال الشيخ کے وصف کا تذکرہ خود مصنفؒ نے بطور اعتماد کے کیا ہونہ کہ فخر اور ریا کے لئے )

ملا علی قاریؒ اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ..... والاولی عندی ان ينسب البسملة والحمدلة الى المصنف عملا بحسن الظن به ..... ثم ان تلامذته كتبوا قال الشيخ ابو عيسى الى آخره ولما قال الخطيب وينبغي ان يكتب المحدث بعد البسملة اسم شيخه و كنيته و نسبته ثم يسوق ما سمعه منه ( جمع ص ۷ ) ( کہ میرے نزدیک اولیٰ اور بہتر صورت تطبیق یہ ہے کہ بسملہ اور حمد لہ یعنی تسمیہ اور تحمید کی نسبت تو حسن ظن کی بناء پر مصنفؒ کو ہو ( کہ عمل بالحدیث کیا ) اور پھر اس کے تلامذہ نے قال الشيخ الخ لکھا ہے اور اس لئے بھی کہ خطیبؒ ( بغدادی ) نے کہا ہے کہ ہر محدث کے لئے یہ مناسب ہے کہ تسمیہ کے بعد اپنے شیخ ( استاد ) کا نام اور کنیت و نسبت کا تذکرہ کرے اور پھر شیخ کا کلام مسموع بیان کرے )

(۳) تیسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ مصنفؒ کے نسخہ میں صرف قال ابو عيسى..... الخ تھا اور الشيخ الحافظ کی زیادتی تلامذہ کی طرف سے ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امام ترمذیؒ ( اجمالی سوانح و تذکرہ ) :

سیدی و استاذی، محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اپنے درس ترمذی میں امام ترمذیؒ کے تفصیلی حالات بیان فرمایا کرتے تھے۔ حقائق السنن کی ترتیب و تالیف کے وقت احقر نے نقل کر کے مرتب کئے تھے اور حسب ضرورت حاشیہ بھی لکھا تھا۔ ذیل کا مضمون اسی کی تلخیص ہے۔

نسب :

مصنف شمائل امام ترمذیؒ کی کنیت ابو عیسیٰ اور نام محمد بن عیسیٰ بن سوره ہے۔ بنی سلیم قبیلہ کی

نسبت سے ان کو سُلمی کہا جاتا ہے۔ آپ علاقہ ترمذ کے قصبہ بوغ (جو کہ چھ فرسخ ترمذ سے دور ہے) میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔

### تعلیم سلسلہ :

ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی، چونکہ اس علاقہ میں ہر طرف علم حدیث کا چرچا تھا، لہذا جوں ہی سن شعور کو پہنچے، علم حدیث کا شوق دامن گیر ہوا۔ طلب علم کی پیاس بجھانے کی خاطر خراسان، بصرہ، کوفہ، شام و مصر اور حجاز وغیرہ کے سفر کیے اور بڑے بڑے جلیل القدر اساتذہ حدیث کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ..... طاف البلاد وسمع خلقا من الخراسانيين والعراقيين والحجازيين (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۸) (کہ امام ترمذیؒ بہت سے ممالک گئے ہیں اور بہت سے خراسانی عراقی اور حجازی اساتذہ اور مشائخ سے سماع کیا ہے) آپؒ کے اساتذہ اور شیوخ حدیث کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ مشہور اساتذہ میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابو داؤدؒ، قتیبہ بن سعیدؒ، محمد بن بشارؒ قابل ذکر ہیں۔ امام بخاریؒ کی وفات کے بعد آپؒ ہی ان کے خلیفہ اور جانشین قرار دیئے گئے اور آپؒ نے ہی مسند حدیث کو رونق بخشی، امام حاکم فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن علق کو فرماتے سنا کہ : مات البخاری فلم یخلف بخوراسان مثل ابی عیسیٰ فی العلم والحفظ والورع والزہد بکی حتی عمی و بقی ضریوا سنین (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۳۲) (کہ امام بخاریؒ فوت ہوئے اور خراسان میں ابوعیسیٰ (ترمذی) جیسے عالم و حافظ متقی پرہیزگار کے پایہ کا امام و شیخ نہیں چھوڑا۔ خشیت و خوف سے رورو کر کئی سال تک نابینا زندگی گزاری)

### امام ترمذیؒ ، امام بخاریؒ کی نظر میں :

امام بخاریؒ اپنے اس لائق اور قابل شاگرد کے نام تحریر فرماتے ہیں کہ : ما انتفعت بہ منک اکثر مما انتفعت منی (میں نے جتنا نفع آپ سے اٹھایا وہ اس کے مقابلہ میں بہت کثیر ہے جتنا آپ نے مجھ سے لیا ہے) جس کی وضاحت علامہ انور شاہ کشمیریؒ یوں فرماتے ہیں ..... کہ جس طرح تلامذہ اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ اساتذہ ان کو سبق پڑھائیں، اسی طرح اساتذہ کی بھی خواہش اور

ضرورت ہوتی ہے کہ تلامذہ ان سے سبق پڑھیں اور ان کے علوم و معارف کو محفوظ کر کے اس کی اشاعت کریں، پھر تلامذہ میں لائق، ذہین اور ذکی طالب علم سے اشاعتِ علم کا جو فائدہ استاد کو حاصل ہوتا ہے، وہ کسی غبی سے بہت کم ہوتا ہے۔

نیز ذکی اور ذہین طالب علم جب استاد سے اہم مسائل دریافت کر کے جواب طلب کرتا ہے، تو استاد کی نگاہ بہت سے دوسرے علوم کی طرف جاتی ہے اور وسعتِ علم کا ذریعہ بنتی ہے، تو گویا امام ترمذیؒ کے شیخ اور استاد امام بخاریؒ کے اس ارشاد کا مقصد بھی یہی ہوگا کہ آپ کی وجہ سے میرے علوم و معارف کی جو اشاعت ہوئی، وہ واقعہً آپ کے مجھ سے استفادہ کرنے سے کئی گنا بڑھ کر ہے اور اس سے جو مجھے فائدہ پہنچا ہے، وہ آپ کے استفادہ سے کئی گنا زیادہ ہے۔

### روایۃ البخاری عن الترمذی :

امام بخاریؒ جیسے کہ آپؒ کے بڑے مشائخ میں سے ہیں اور بہت سی روایات ان سے نقل کی ہیں۔ اسی طرح امام ترمذیؒ بعض احادیث میں اپنے شیخ امام بخاریؒ کے بھی استاد ہیں۔ چنانچہ خود اپنی دو حدیثوں کے بارے میں یہ تصریح فرمادی کہ یہ دونوں روایات امام بخاریؒ نے مجھ سے سنی ہیں، اس کو اصطلاحاً روایۃ الاکابر عن الاصاغر (کہ بڑے لوگوں کا چھوٹے مرتبہ کے لوگوں سے روایت کرنا) کہا جاتا ہے۔

(۱) ان میں سے ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، جو آیت کریمہ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّينَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلٰی اُصُولِهَا (۵:۵۹) (کہ تم کوئی لینہ (کجھور کا درخت) وغیرہ کو نہیں کاٹتے یا اس کو اپنے تنے پر چھوڑتے ہو) کی تفسیر میں ہے، قال اللینۃ النخلۃ (ترمذی ج ۲ ص ۱۶۶) (کہا کہ لینہ سے مراد کجھور کا درخت ہے)

(۲) دوسری حدیث ابواب المناقب میں حضرت علیؓ کے مناقب میں روایت ہے۔ یا علی ! لا یحل لاحد ان یجنب فی هذا المسجد غیری و غیرک (ترمذی ج ۲ ص ۲۱۲) (اے علیؓ! کہ میرے اور آپ کے سوا کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ اس مسجد میں جنبی ہو) ان دونوں حدیثوں میں سے ہر ایک

حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں، قد سمع محمد بن اسمعیل هذا الحديث (حافظ السنن ص ۷۴) (یعنی محمد بن اسمعیل البخاری نے یہ حدیث مجھ سے سنی تھی)

مسندِ درس پر تمکّن :

چونکہ خراسان اور ماوراء النہر کے علاقہ میں امام ترمذی کے ہم پلہ کوئی دوسرا محدث نہیں تھا۔ اس لئے اطرافِ عالم سے طالبانِ حدیث کا ایک جم غفیر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتا رہا۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں احمد بن عبد اللہ المروزی، اسعد بن حمدویہ، داؤد بن نصر المہزی، احمد بن یوسف النشبی، محمد سفیان، ابو محمد حسن بن ابراہیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تصانیف :

آپ کی سوانح میں تو مختلف تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے۔ البتہ مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔  
(۱) جامع ترمذی (۲) علل الصغیر (۳) علل الکبیر (۴) کتاب الاسماء الکنی (۵) کتاب الزہد (۶) کتاب الجرح والتعديل (۷) اور کتاب الشمائل نبویہ وغیرہا۔ مگر ان سب میں جو مقام و اہمیت، مقبولیت جامع ترمذی کو حاصل ہے، وہ دوسری کتابوں کو حاصل نہ ہو سکی۔ محدثین اس کا شمار صحاح ستہ میں کرتے ہیں، اگرچہ اصطلاحی طور پر (ترتیب فقہی ہونے کے اعتبار سے) تغلیباً اس پر سنن کا اطلاق بھی کیا جاتا ہے۔

قوتِ حافظہ :

اللہ پاک نے آپ کو دیگر ظاہر، باطنی محاسن کے ساتھ ساتھ نہایت قوی اور زبردست حافظہ اور ضبط کا ملکہ بھی عطا فرمایا تھا۔ حفظ و یادداشت میں آپ اپنے زمانہ کی ایک ضرب المثل بن چکے تھے۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں، قال ابو سعید الادریسی کان ابو عیسیٰ یضرب به المثل فی الحفظ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۳۴) (ابو سعید الادریسی فرماتے ہیں کہ ابو عیسیٰ (امام ترمذی) قوتِ حفظ میں ضرب المثل تھے)

بڑے بڑے محدثین اور اساتذہ حدیث آپ کی قوتِ حافظہ کے حیرت انگیز واقعات دیکھ کر

تعجب کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی شیخ کے روایات کے دو اجزاء ہاتھ لگ گئے، تو فوراً اپنے پاس نقل کر کے محفوظ کر لئے۔ اتفاق سے ایک سفر حج میں اس شیخ سے ملاقات ہوئی، تو امام ترمذی نے ان ہی دو اجزاء کی متعلقہ احادیث سنانے کی درخواست کر دی، تو شیخ نے آپ کی درخواست قبول کر کے اپنے لکھے ہوئے دونوں اجزاء کے لانے کی تاکید کی اور فرمایا کہ انہیں سامنے رکھو، میں قرأت کرتا جاؤں گا، آپ سنتے جائیں گے اور مطابقت کرتے جائیں گے۔ امام ترمذی نے قیامگاہ پر جا کر اپنے سامان میں وہ اجزاء تلاش کئے، مگر نہ مل سکے۔ بڑے پریشان ہوئے اور ایک ترکیب یہ بنائی کہ سادہ کاغذ لے کر شیخ کی خدمت میں بیٹھ گئے اور شیخ سے قرأت حدیث کی درخواست کر دی۔ شیخ پڑھتے جاتے اور امام ترمذی سادہ کاغذ پر نظر جمائے بیٹھے تھے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ گویا میں شیخ کی قرأت کے ساتھ اپنے اجزاء کی تطبیق کر رہا ہوں۔ جب دوران قرأت شیخ کی نظر سادہ کاغذ پر پڑی تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ناحق میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ چنانچہ بطور نمونہ معذرت امام ترمذی نے ساری صورتحال بیان کر دی اور ساتھ عرض کیا کہ اس وقت جس قدر احادیث آپ نے قرأت کی ہیں، سب مجھے یاد ہو گئی ہیں۔ شیخ نے سنانے کا کہا تو آپ نے ساری فر فر سنادیں۔ شیخ کو تعجب ہوا اور کہا کہ شاید آپ کو پہلے سے ہی یاد تھیں، لیکن امام ترمذی نے عرض کیا کہ امتحاناً مزید احادیث سنادیں، میں وہ بھی فوراً سنادوں گا۔ چنانچہ شیخ نے غرائب سے مزید چالیس احادیث کی قرأت کی۔ امام ترمذی نے اب کی بار بھی وہ تمام سنی ہوئی احادیث فوراً دہرائیں، تو اس پر شیخ کو بے حد مسرت ہوئی اور فرمایا، مداریت مثلک قط (میں نے آپ جیسا شخص بالکل نہیں دیکھا ہے)

(۲) دوسرا واقعہ اس سے بھی عجیب ہے کہ بڑھاپے میں جب آپ کی نظر جاتی رہی اور ناپینا ہو گئے تھے، تو ایک قافلہ کے ساتھ سفر حج پر جا رہے تھے۔ اس زمانے میں اونٹ کی سواری تھی۔ دوران سفر اونٹ پر بیٹھے ہوئے ایک جگہ پر امام ترمذی نے اپنا سرا اور کمر جھکالی۔ رفقاء نے اس کی وجہ دریافت کی، تو فرمایا کہ کیا تمہیں یہاں کوئی درخت نظر نہیں آتا۔ رفقاء نے جب انکار کیا تو امام ترمذی نے اصرار کیا کہ اس مقام پر درخت تھا۔ رفقاء نے جب دوبارہ کہا کہ یہاں تو کوئی بھی درخت نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اس کی تحقیق کرنی ضروری ہے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعہً یہاں پر کسی زمانہ میں بڑا درخت تھا،



مگر اب کاٹ دیا گیا ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ کافی عرصہ پہلے میرا یہاں گذر ہوا تھا، تو یہاں ایک بڑا درخت تھا، جس کی ٹہنیوں اور شاخوں سے خود محفوظ کرنے کے لئے ہم نے اپنی گردنیں جھکالی تھیں۔ ساتھ فرمایا کہ تحقیق کی اس لئے ضرورت تھی کہ اگر میری بات غلط ثابت ہو جاتی تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی کہ میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے اور مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ لہذا میں حدیث بیان کرنا ترک کر دیتا۔

### عبادت و پرہیزگاری :

حشیت الہی اور زہد و تقویٰ آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ اکثر اوقات خوفِ خدا سے روتے رہتے تھے۔ اس شبانہ روز عبادت اور گریہ و زاری سے آنکھوں کی بینائی متاثر ہوئی اور آخر عمر میں نابینا ہو گئے۔ اگرچہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ مادر زاد نابینا تھے، لیکن حافظ ابن حجرؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس کی تردید کی ہے۔

### وفات :

آپ دینی علوم خصوصاً علم حدیث کی اشاعت میں تمام عمر مصروف رہے۔ ستر (۷۰) سال کی عمر میں ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے آپ کی تاریخ پیدائش اور وفات اور کل مدت عمر کو ایک مصرعہ میں جمع کر دیا.....

ع عطر مدادہ (۲۷۹) و عمرہ فی عین (۷۰)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي خَلْقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علیہ مبارک کا بیان

### لفظ باب کا لغوی معنی !

باب لغت میں (۱) ”اسم لما يتوصل منه الى المقصود“ (مواہب ص ۶) (یعنی وہ چیز جس سے ہو کر مقصود تک پہنچا جائے) کو کہتے ہیں علماء اور بلغاء کے ہاں یہی معنی معروف ہے یہاں مراد ان احادیث کی معرفت ہے جو ”خلق رسول اللہ ﷺ“ (جسم اطہر کی تخلیق اور وضع) کے بارے میں وارد ہوئی ہیں مشہور شعر ہے۔

وَأَنْتَ بَابُ اللَّهِ أَيُّ أَمْرِي      أَنَا مِنْ غَيْرِكَ لَا يَدْخُلُ

(مواہب ص ۶)

(اور آپ ہی ہر شخص کے لئے اللہ کے قرب و وصال کا دروازہ ہیں جو شخص بھی آپ کے بغیر باب اللہ میں آنا چاہے داخل نہیں ہو سکے گا۔)

(۲) بعض حضرات نے باب کو ”المدخل للشي المحاط بما يحجزه“ سے تعبیر کیا ہے یعنی مکانات میں داخل ہونے والا راستہ جیسے ہم کہتے ہیں باب المدينه (شہر کا دروازہ) باب الدار (گھر کا دروازہ)۔

(۳) کچھ حضرات نے یہاں باب کی تعبیر وَجْهٌ (جہت و صورت) سے کی ہے اذ کل باب وجه من وجوه الكلام (اس لئے کہ ہر باب کلام کی جہتوں اور صورتوں میں سے ایک صورت پر ہوتا ہے) شیخ عبدالرؤف المناویؒ فرماتے ہیں وجہ کے معنی میں باب کا استعمال بعید من المقام (مناوی

ص ۸) (اس مقام سے بعید ہے)۔

## باب کا اصطلاحی معنی:

اللفاظ المخصوصة باعتبار دلالتها على المعاني المخصوصة لانها توصل الى المقصود (مواہب ص ۶) (یعنی وہ مخصوص الفاظ جو اپنی دلالت کے اعتبار سے مخصوص معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ مقصود تک پہنچاتے ہیں)

## ایک اعتراض اور جواب:

بعض حضرات یہاں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ باب تو ”طائفة من الكتاب“ (کتاب کے ایک حصہ) کو کہتے ہیں جس کا اول و آخر معلوم ہو۔

لہذا باب کو کسی چیز کا مدخل نہیں قرار دیا جاسکتا بل ہی بیت من المعانی (بلکہ وہ تو معانی کا ایک کمرہ ہے) جواب یہ ہے کہ یہ تشبیہ المعقول بالمحسوس (ایک عقلی شئی کی تشبیہ محسوس اور مشاہد چیز کے ساتھ دینے) کے قبیل سے ہے۔

پس الكتاب مثل الدار (گھر) کے ہے جو مختلف کمروں پر مشتمل ہوتا ہے مسائل کی ہر ہر نوع گویا ایک مستقل کمرہ ہے اور اس نوع کے مسائل کا آغاز گویا اس کا دروازہ ہے جس سے علوم و معارف کے اس کمرے میں داخل ہونا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ الكتاب بمنزلة الجنس (کتاب بہ منزلہ جنس ہے) اور الباب بمنزلة النوع (باب بہ منزلہ نوع ہے) اور الفصل بمنزلة الصنف (فصل بہ منزلہ قسم) کے ہے۔

علامہ بیجوریؒ اور المناویؒ نے ابن محمودؒ شارح ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے کہ الباب کا استعمال سب سے پہلے تابعین کے زمانہ سے شروع ہوا۔ (مواہب ص ۶)

یہاں لفظ ”باب“ ماجاء کی طرف مضاف ہے۔ یعنی یہ باب حضرت محمد ﷺ کے علیہ مبارک کے بیان میں ہے۔ لفظ باب کو دو طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے (۱) پہلی صورت تو وہی ہے جو

کتاب میں درج ہے یعنی باب ماجاء الخ اور اگر اس کو دوسرے طریقے سے مبتداء اور خبر بنا کر پڑھیں گے تو یوں ہوگا ہذا باب ماجاء الخ ترکیب دونوں طرح درست ہے۔

ما جاء یعنی وہ احادیث جو خلق رسول اللہ ﷺ (حضور ﷺ کے حلیہ) کے بارے میں وارد ہوئی ہیں یہ لازم نہیں کہ وہ احادیث حضور ﷺ سے ہی منقول ہوں کیونکہ علم حدیث ایسی تمام منقولات پر صادق آتا ہے جن کی نسبت حضور اقدس ﷺ کی طرف کی گئی ہو یا صحابی کی طرف یا ان کے علاوہ دوسروں کی طرف

بانه علم يشتمل على نقل ما ضيف الى النبي ﷺ قيل او الى صحابي او الى من دونه قولاً اوفعلاً او تقريراً او صفه (مواہب ص ۶) (یعنی علم حدیث وہ علم ہے جو نبی کریم ﷺ یا صحابی یا تابعی کی طرف منسوب قول یا فعل یا تقریر یا صفت کے بیان پر مشتمل ہو) اس تعریف میں عموم ہے جبکہ علامہ کرمانیؒ نے فرمایا علم يعرف به اقواله وافعاله واحواله (مناوی ص ۱۰) (یعنی یہ وہ علم ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال پہچانے جاتے ہیں)۔

مصنفؒ نے باب خلق رسول اللہ ﷺ (حضور ﷺ کا حلیہ) نہیں کہا، بلکہ ماجاء کا اضافہ کیا اس لئے کہ باب کا موضوع خلق رسول اللہ ﷺ (حضور ﷺ کا حلیہ) نہیں بلکہ باب کا موضوع ”ما جاء في الخلق من الاحاديث الدالة على الخلق ہے (جمع ص ۹) (یعنی یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جو حلیہ مبارک پر دلالت کرتے ہیں) علامہ میرک شاہؒ فرماتے ہیں کہ (۱) علماء اور مشائخ سے منقول و معروف روایت تو یہی ہے کہ باب ماجاء الخ میں باب کی اضافت اپنے مابعد کی طرف کر کے مبتداء محذوف یعنی ”ہذا“ کی خبر بنا دیا جائے یا یہ مبتداء ہے اور خبر اس کی محذوف ہوئی ہے (۲) لیکن اظہر یہ ہے کہ حذفنا الى آخر الباب بتاويل هذا الكلام ہے۔ (جمع ص ۹) (حدثنا الى آخر الباب کی تاویل هذا الكلام سے کر کے باب ماجاء کی خبر ہو)

## لفظ باب کے اعراب :

(۱) باب پرتنوین پڑھی جائے تو وہ مبتداء محذوف کی خبر ہوگا اور ماجاء سے استیناف ہوگا گویا

جب طالب علم لفظ باب سنتا ہے تو ضرور اس کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی چیز ہے جو اس باب میں وارد ہو رہی ہے تو اس کو جواب دیا جا رہا ہے بقولہ ماجاء فی اخبار المروية فی بیان خَلْقِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ (اس قول کے ساتھ کہ یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جو رسول اللہ کے خلیہ مبارک کے بیان میں مروی ہیں) مگر اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ استیناف تو مستقل جملہ ہوتا ہے اور لفظ ماجاء صلہ موصول یا موصوف اور صفت ہیں دونوں صورتوں میں یہ جملہ تام نہیں لہذا اس کو جملہ متانفہ کہنا درست نہیں۔ جواب یہ ہے کہ (۱) یہاں مبتداء مقدر ہے یعنی المورود فی هذا الباب ماجاء الخ (کہ اس باب میں وارد شدہ وہ احادیث جو آپ ﷺ کے خلیہ مبارک کے متعلق ہیں) (۲) یہ بھی احتمال ہے کہ ماجاء جملہ استفہامیہ ہو بمعنی ای شئی جاء (کہ کیا چیز حضور اقدس ﷺ کے خلیہ کے بارے میں آئی ہے) جیسا کہ امام بخاری کی صنیع ان کی صحیح میں باب کیف کان بدء الوحی (کہ ابتداء وحی کیسے ہوتی تھی) میں منقول ہے۔

(۳) علامہ کرمانی شارح بخاری نے اس کی ایک تیسری توجیہ یہ بتائی ہے کہ باب بالوقف علی سبیل التعداد للابواب (ابواب کو بطور گنتی کے شمار کرنے کی غرض سے لفظ باب کو وقف (سکون) کے ساتھ پڑھنا) جائز ہے جب یہ معنی لیں گے تو اس کا محل اعراب نہیں رہے گا اور اس کا مابعد استیناف ہوگا (جمع ص ۹) شارح مناوی فرماتے ہیں ویجوز الوقف علی سبیل التعداد للابواب فلا یکون له محل من الاعراب و مابعدہ استیناف (مناوی ص ۹) (اور وقف (لفظ باب پر) ابواب کی گنتی کے شمار کرنے کی غرض سے جائز ہے تو اس وقت وہ محل اعراب نہیں رہے گا اور اس کا مابعد کلام متانفہ ہوگا)

مگر یہ توجیہ اس لئے مخدوش ہے کہ تعداد (بلغاء کے عرف میں) عدد کے منضبط اور محدود کرنے کے لئے ہوتی ہے بشرطیکہ عدد اور اجزاء معدودہ کے درمیان کوئی چیز فاصل نہ ہو جب کہ یہاں ماجاء فی خلق الخ کا فاصل موجود ہے۔

### لفظ خَلْق کی بحث:

خَلَقَ فَبُتِحَ الخاء وسكون اللام (خلق خاء کے فتح اور لام کے سکون کے ساتھ) لغت میں

”التقليد المستقيم الموافق للحكمة“ کو کہتے ہیں (جمع ص ۹) (یعنی سیدھا اور برابر مقدار و اندازہ کرنا جو حکمت کے موافق ہو) جیسے عرب کہتے ہیں ”خَلَقَ الْخَبَاطُ الثَّوْبَ“ جب درزی کپڑے کے کاٹنے سے پہلے اس کا اندازہ لگا لے۔ قرآن کی آیت ”فَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ“ (المؤمنون ۱۴) (سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے) میں یہی مفہوم مدلول ہے۔

(۲) اسی طرح لفظ خلق ”ابداع الشئ من غير اصل“ (بغیر نمونہ کے نئی چیز پیدا کرنا) اور ایجاد الشئ من شئ آخر“ (ایک چیز کو دوسری چیز سے پیدا کرنا) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ”أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ“ اور ”وَالصَّلَوةُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ“ کا یہی معنی ہے۔ یہاں انسان کی ظاہری صورت اور شکل و شباہت مراد ہے والمراد هنا صورة الانسان الظاهرة (مناوی ص ۹) بہر حال خَلَقَ باب نصرینصر سے مصدر ہے جس کا لفظی معنی پیدائش اور ایجاد کرنا ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (الصفات: ۱۶۱) یعنی تم کو بھی اور جو کچھ تم بناتے ہو سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے خَلَقَهُ مِنْ تَوَابٍ (آل عمران ۵۹) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا۔ لفظ خلق مخلوق کے معنی میں بھی آیا ہے هَذَا خَلْقُ اللَّهِ (لقمان: ۱۱) (یہ تو اللہ کی مخلوق ہے)

الغرض خلق کا معنی پیدائش بھی ہے اور مخلوق بھی، مگر یہاں حضور اقدس ﷺ کی ظاہری شکل و صورت مراد ہے جسے محدثین کرامؒ خلیہ مبارکہ سے تعبیر کرتے ہیں یہ لفظ خلیہ پڑھنا بھی درست ہے اور خلیہ پڑھنا بھی درست ہے

### لفظ خلق کی بحث:

لفظ خلق (بضم تین وبضم وسکون) (نہایۃ) (لفظ خلق خاء اور لام دونوں کے ضمہ یا خاء کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ) الطبیعة (عادت) السجیة (خصلت نرشت) اور الدین کو کہتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ صورت انسان کے باطن، نفس کے معانی اور اوصاف خاصہ کو خَلْقُ (بالضم) اور صورت انسان کے ظاہر اس کے معانی و اوصاف اور تمام لوازمات کو خَلْقُ (بالتفتح) کہتے ہیں۔

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں جن چیزوں کا ادراک باطنی کمال اور بصیرت سے معلوم ہو جیسے علم اور حلم اس کے لئے لَفْظُ خُلُقٍ (بضم تین) اور جو چیز ظاہری نظر اور بصارت سے معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ہیأت اور صور وغیرہ یعنی کسی چیز کا لمبا چوڑا یا سفید و سیاہ نظر آنا اس کے لئے لَفْظُ خَلْقٍ (بافتح) استعمال ہوتا ہے۔

خص الخلق بالهيئة والاشكال والصور المدركة بالبصر وخص الخلق بالقوى والسجايا المدركة بالبصيرة كما قال تعالى وَأَنْتَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ (المفردات كتاب الخاء ص ۱۵۸) (لفظ خلق آنکھوں سے نظر آنے والی چیزوں جیسے ہیئت اور شکل و صورت کی ساخت اور بناوٹ کے ساتھ خاص ہے اور خلق کا لفظ قوئی اور عادت و طبیعت کے ساتھ خاص ہے، جن کا ادراک فہم و فراست سے ہوتا ہے)

### تقديم صفات الظاهرة على الباطنة :

مصنفؒ حضور اقدس ﷺ کے اوصاف ظاہر (خلق) کو اوصاف باطن (خلق) پر مقدم لائے ہیں حالانکہ باطنی کمالات کو ظاہری کمالات پر فضیلت و ترجیح حاصل ہے۔ شارحین حدیث اس کی توجیہ میں فرماتے ہیں۔ (۱) ”الظاهر عنوان الباطن“ (یعنی ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے) ایک مستقل اصول ہے اور ظاہر ہے کہ عنوان معنوں پر مقدم ہوتا ہے۔

(۲) اس میں ترقی من الظاهر الى الباطن یا ترقی من غیر الاشرف الى الاشرف (یعنی ظاہر سے باطن یا غیر اشرف سے اشرف کی طرف ترقی) کی رعایت کی گئی ہے کتاب کا نام بھی ”شمایل“ رکھا گیا ہے یعنی ”می“ کے ساتھ جو ”شمال“ (فاء کلمہ کے کسرہ کے ساتھ) کی جمع ہے بمعنی ”عادت، خصلت“۔

بعض لوگ اسے شَمَال (بفتح الفاء) (فاء کلمہ کا فتح اور ہمزہ کے ساتھ) سے لیتے ہیں تو یہ شمال (بائیں) ضد الیمین (دائیں) سے ہوگا اور اس معنی میں لینا صریح غلطی ہے۔

(۳) اس میں ترتیب وجودی کو ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ ظاہر باطن سے وجود میں مقدم ہے۔

(۱) أَخْبَرَنَا أَبُو جَاءٍ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ اللَّهَ سَمِعَهُ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالْأَبْيَضِ وَلَا بِالْمَهْقِ وَلَا بِالْأَكْثَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَلَا بِالْسَّبُطِ بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ فَتَوَفَّاهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلَحْيَتِهِ عَشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ .

ترجمہ! قتیبہ بن سعید نے مالک بن انس سے اور وہ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن سے اور وہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ ربیعہؒ نے حضرت انسؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے نہ پستہ قد (جس کو ٹھگنا کہتے ہیں بلکہ آپؐ کا قد مبارک درمیانہ تھا) اور نیز رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے نہ کی طرح نہ بالکل گندم گوں کہ سانولا پن آجائے (بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن پر نور اور کچھ ملاحظہ لئے ہوئے تھے) حضور اقدس ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل پیچدار (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھنگھریالہ پن تھا) چالیس برس کی عمر ہو جانے پر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپؐ کو نبی بنادیا اور پھر دس برس مکہ مکرمہ میں رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ساٹھ سال کی عمر میں اس دنیا سے اٹھالیا، وفات کے وقت سر مبارک اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

راویان حدیث (۱) قتیبہ (۲) مالک بن انس (۳) ربیعہ اور (۴) انس بن مالک کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آئندہ بھی راویان حدیث کے تذکرے نمبر شمار کی ترتیب سے ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں درج کیے جا رہے ہیں۔

**متن حدیث سے قبل:**

حدیث کے اصل متن سے پہلے طلباء کو قراءت حدیث شروع کرتے وقت ”وبہ قال“، پڑھنا چاہئے نیز اذکار الفاظ بالسند المتصل من الی الامام الترمذی (ہم سے لے کر امام ترمذی تک متصل



سند کے ساتھ) کی تخفیف ہے کہ ہم یہ حدیث سند متصل کے ساتھ پڑھ رہے ہیں، سند متصل سے مراد وہ شیوخ ہیں جن کے واسطے سے آپ یہ حدیث پڑھ رہے ہیں۔

### اَخْبَرَنَا :

بعض نسخوں میں حَدَّثَنَا بھی منقول ہے اور کبھی محدثین اَنْبَاْنَا بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱) بعض محدثین تینوں کی مراد معنی واحد قرار دیتے ہیں یہی مسلک امام بخاریؒ کا ہے۔ لغوی معنی کے لحاظ سے تمام اہل علم بھی تینوں کا ایک معنی لیتے ہیں اہل مغرب کی بھی یہی رائے ہے اور ابن حاجبؒ نے اپنی مختصر میں اسے رائج قرار دیا ہے۔

(۲) تاہم بعض متاخرین اصطلاحی تعریف میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طریق تھل کے مطابق صیغ ادا بھی مختلف ہوتے ہیں۔ حَدَّثَنَا تب بولا جاتا ہے جب شیخ قراءت کرے اور تلمیذ نے اخبَرْنَا اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب تلمیذ پڑھے اور استاذ نے اور اَنْبَاْنَا سے اس صورت میں تعبیر کی جاتی ہے جب شیخ اپنے تلمیذ کو مشافہۃً حدیث کی اجازت دے۔

### رموز و اشارات :

محدثین کا کتابت حدیث کے وقت اختصار کا بھی معمول ہے کہ صیغ تحدیث لکھتے وقت اقتصار کرتے ہیں حدثا کی جگہ ”ثنا و دنا“ اخبَرْنَا کی جگہ ”انا اور نا اور اَنْبَاْنَا کی جگہ ”انبأ اور نا“ لکھتے ہیں یہ اقتصار صرف رسم الخط کے ساتھ خاص ہے، تلفظ میں پورا پڑھا جائے گا۔

### قراءت حدیث کا رائج طریقہ :

اب سوال یہ ہے کہ قراءت حدیث کا رائج طریقہ کیا ہے اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کیا قراءت علی الشیخ (شاگرد پڑھے اور شیخ نے) سماع عن الشیخ (شیخ پڑھے اور شاگرد نے) کے مساوی ہے یا اس سے رتبہ میں ادنیٰ ہے یا اعلیٰ، اس میں تین اقوال ہیں۔ (۱) دونوں رتبہ میں برابر ہیں، یہ مسلک امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کا ہے۔

(۲) قراءت علی الشیخ رائج ہے، یہ قول امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی ذئبؒ کا ہے۔

(۳) سماع من لفظ الشیخ رائج ہے زین الدین العراقيؒ بھی اسے صحیح قرار دیتے ہیں اس کی

وجہ ترجیح ظاہر ہے کہ یہی طریقہ عین سنت ہے حضور اقدس ﷺ، صحابہ کرامؓ اور دیگر علماء محدثین سے

ان کے تلامذہ اسی طرح سماع کیا کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ بھی اور صحابہ کرامؓ بھی حدیث سنایا

کرتے تھے اور تلامذہ سنا کرتے تھے۔ تاہم اس کا نفع متقدمین میں تو ظاہر ہے اس لئے کہ ان کی

استعدادیں قوی اور صلاحیتیں مضبوط تھیں اور وہ مجرد سماع سے اخذ حدیث کر لیا کرتے تھے جبکہ

متأخرین کے قوی کمزور اور استعدادیں ضعیف ہو گئی ہیں وہ صلاحیتیں ہی باقی نہیں رہیں، ان کے

ادراک کی رفتار بہت سست ہے لہذا ان کے حق میں قراءت علی الشیخ زیادہ بہتر ہے۔

### سَمِعَهُ کی بحث:

ای سَمِعَ رِبْعَةُ أَنَسًا اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ ربیعہ نے یہ حدیث حضرت

انسؓ سے بطریق التحدیث لی ہے، بطریق اخبار نہیں۔ وسمعه جملہ معترضہ لیان ان طریق

انس لربیعۃ السماع لا القراءۃ (مناوی ص ۱۲) (یعنی ”وَسَمِعَهُ“ جملہ معترضہ ہے اس بات کی

وضاحت کے لئے کہ ربیعہ کا حضرت انسؓ سے یہ حدیث لینا بطریق سماع تھا نہ کہ قرأت کے طور پر)۔

### ترکیب لفظ یقول:

یقول کی ترکیب میں مختلف توجیہات ممکن ہیں (۱) حال ہے (۲) بیان ہے (۳) بدل اشتمال

ہے فعل بمعنی مصدر کے ہے تو یہ اعجب بنی زیدؒ علمہ کے قبیل سے ہوگا۔ (۴) بعض حضرات کہتے

ہیں کہ یہ سَمِعَهُ کے لئے مفعول ثانی ہے اور سماع دو مفعولوں کو متعدی ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض حضرات

نے یہ تصریح کی ہے کہ سَمِعَ اگر صوت پر داخل ہو تو ایک مفعول چاہتا ہے جیسے کہا جاتا ہے سمعت

قول زیدؒ اور اگر غیر صوت پر داخل ہو تو متعدی الی المفعولین ہوتا ہے اور اس وقت لازم ہے کہ اس کا

مفعول ثانی فعل مضارع ہو۔

امام میرک شاہ فرماتے ہیں سماع کا تعلق قول کے ساتھ ہے اور لکھ من محذوف ہے ای سمع منه يقول ای هذا القول وهو محمول علی حذف المضاف ای سمع قوله وحینئذ يقول بیان لہ (جمع ص ۱۲) (خلاصہ یہ کہ ربیعہ نے حضرت انس سے یہ حدیث سنی) تو اس صورت میں یہ مضاف کے محذوف ہونے پر محمول ہوگا۔ اور اس وقت لفظ يقول الخ لفظ قولہ محذوف کا بیان ہوگا۔

### ایک اشکال کا جواب:

یہاں ایک اشکال یہ بھی وارد ہوتا ہے کہ سمع ماضی کے ساتھ قال صیغہ ماضی ہی مناسب تھا ماضی سے مضارع کی طرف عدول میں کیا فائدہ ہے؟ شارحین نے جواب میں لکھا ہے کہ مضارع کے صیغہ میں حاضرین کے لئے صورۃ القول (قول کی نوعیت) اور اس کی حکایت کا استحضار ہے گویا انہیں یہ دکھائی دے رہا ہے کہ وہ ابھی اور اسی وقت میں یہ حدیث بیان کر رہے ہیں اور راوی اس کو سن رہا ہے۔

اس سند میں عن کے ساتھ تمام مجرورات ابو زجاء کے احوال محذوفہ کے متعلق ہیں۔ ای ناقلاً ذالک عن مالک ناقلاً عن ربیعۃ ناقلاً عن انس (مناوی ص ۱۲) (یعنی ہمیں خبر دی ابو زجاء نے اس حال میں کہ وہ اس کو مالک سے نقل کر رہے تھے اور وہ ربیعہ سے اور ربیعہ حضرت انس سے نقل کر رہے تھے)

### لفظ کان کی قسمیں اور معنی:

کان کی دو قسمیں ہیں (۱) منقطعہ جس کی مثال کان زید قائماً فی قعد (زید کھڑے تھے پھر بیٹھ گئے) ہے۔ (۲) غیر منقطعہ جیسے كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (النساء: ۱۷) (اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں حکمت والے ہیں) پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب روئے زمین پر وجود مسعود رکھتے تھے تو اس وقت آپؐ ان آنے والے صفات سے متصف تھے۔ دوسری صورت میں مراد یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حکایت حال ماضی کے طور پر ہے یعنی ہر وقت اور ہر زمانہ میں آپؐ ان

صفات سے متصف ہیں۔ محققین کہتے ہیں کہ کان تکرار کا فائدہ نہیں دیتا مطلقاً لیکن امام رازیؒ ابن دقیق العیدؒ اور ابن حاجبؒ فرماتے ہیں کہ تکرار کا فائدہ دیتا ہے عرفاً۔

لفظ ”رسول اللہ“ اگرچہ لفظ عام ہے اور معنوی اعتبار سے ہر رسول اس کا مصداق ہے مگر حضرات محدثین کی اصطلاح میں یہ حضور اقدس ﷺ کا اسم علم ہو گیا ہے۔ بعض نسخوں میں لفظ رسول اللہ کی جگہ ”النبی“ منقول ہوا ہے تو حضرات محدثینؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں النبی میں الف لام عہدی ہوگا۔

### قدمبارک:

لیس بالطویل ... یہ جملہ کان کی خبر ہے اور لیس یہاں نفی مضمون جملہ کے لئے آیا ہے حالاً لا ماضیاً۔ اور یہاں یہی مناسب ہے۔ طویل کی جمع اطوال بھی آتی ہے اور بقلب الواو یاء (یہ کہ واؤ کو یاء سے بدل دیں) اطیال بھی منقول ہے۔

البائن ہمزہ کے ساتھ ہے بعض نے یا کے ساتھ لیا ہے جو صریح وہم ہے کیونکہ اسم فاعل میں اعلال واجب ہوتا ہے، جب اس کے فعلی میں اعلال ہوا ہو جیسے بائع اور قائل۔

(۱) یہ بان یبین بیاناً سے ہے (باب ضرب یضرب) (یعنی البائن صیغہ اسم فاعل از باب ضرب یضرب سے ہے اس کی ماضی بان مضارع یبین اور مصدر بیاناً) بمعنی ظہر کے آتا ہے۔ معنی یوں ہوگا کہ لیس بالطویل البائن ای الظاهر طولاً (یعنی آپؐ نمایاں لمبے قد والے نہیں تھے)

(ب) یا یہ بان یبون بوناً (بروزن قال یقول قولاً) سے ہے (باب نصر ینصر) جس کا معنی بعد بمعنی دوری کے ہیں پس بان بمعنی البعید کے ہوگا یعنی لیس بعید عن حد الاعتدال (آپؐ کا قد حد اعتدال سے ہٹا ہوا نہیں تھا یعنی قدمبارک معتدل تھا)

(ج) یا یہ ،، البین،، سے ہے بمعنی قطع (جدا) اور مفارقت کے کیونکہ جب درازی قد پر نظر پڑتی تھی تو یہی تصویر پیش ہوتا تھا کہ (۱) ان کلاً من اعضائه مبان عن الآخر (آپؐ کے بدن مبارک کا ہر عضو دوسرے سے واضح اور الگ تھا) (۲) اولانہ ظہر علی غیرہ (یا وہ دوسرے پر نمایاں تھے)

(۳) اوبسارق غیرہ فی الطول والقامة (یا قد مبارک لمبائی اور درازی میں دوسروں سے ممتاز تھا) (مناوی ص ۱۳)

ولا بالقصیر ..... یعنی حضور اقدس ﷺ پستہ قد بھی نہ تھے جس کے اعضاء ایک دوسرے میں متداخل نظر آئیں۔ یہ نفی پستہ قد ہونے کی ہے آپ کا قد مبارک درمیانہ اور معتدل تھا یعنی متوسط انداز میں، البتہ طول کی طرف میلان غالب تھا۔ قصر (باب نصر ینصر) بمعنی کوتاہی اور قصور کے آتا ہے قاصر اس کا اسم فاعل ہے اور قصر جب کرم کے باب سے ہو تو معنی اس کا پست قامتی کا ہوتا ہے اس کی صفت مشبہ قصیر آتی ہے، جمع اقصار اور مصدر قصر آتا ہے۔ یہ جملہ بالطویل پر عطف ہے اور کلمہ لا تاکیدی کے لئے ہے لہذا معنی یہ ہوگا کہ نہ کان متوسطاً بین الطول والقصر لازائد الطول ولا القصیر (جمع ص ۱۳) (یعنی قد مبارک متوسط اور میانہ تھا، نہ زیادہ طویل تھا اور نہ کوتاہ) قصیر کی صفت متدیر کے ساتھ نہیں لائی گئی جبکہ الطویل کی صفت البائن لائی گئی ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا قد مبارک طول کی طرف مائل تھا ورنہ کان الی الطول اقرب کما رواہ البیہقی (دلائل النبوة للبیہقی ج ۱ ص ۲۵۲) (جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا قد مبارک کچھ مائل بہ درازی تھا) چنانچہ ہند بن ابی ہالہؓ کی خبر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کان اطول من المربع واقصر من المشدب (دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۸۶) (یعنی درمیانہ قد سے ذرا لمبے تھے اور زیادہ دراز قد نہیں تھے)۔

نیز باب ہذا کی روایت نمبر ۶ میں لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالطویل الممغط (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد بہت زیادہ لمبا نہیں تھا) کے الفاظ منقول ہوئے ہیں۔

آپ کے قد مبارک کا یہ وصف ”اطول من المربع“ (درمیانہ قد سے ذرا لمبے تھے)

وکان ربعة من القوم (المرجع السابق: ۲۶۹) (اور آپ ﷺ لوگوں میں درمیانی قد والے تھے) کے منافی نہیں ہے کہ یہ وصف تقریبی ہے تحدیدی نہیں جیسا کہ حضرت براءؓ کی خبر میں ہے کان ربعة وهو الی الطول اقرب۔ (کہ آپ میانہ قد مائل بہ درازی تھے)۔

بیہقی اور ابن عساکر نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ

جب چلتے تھے تو سب سے دراز قد نظر آتے تھے اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ بعض اوقات دراز قد صحابہؓ آپؐ سے کندھا ملا کر چلتے تھے مگر آپؐ درازی قد میں ان پر غالب نظر آتے تھے۔

خصائص ابن سبع میں ہے جب حضور ﷺ اپنی جماعت میں تشریف فرما ہوتے تو آپؐ کے دونوں شانے مبارک سب سے اونچے اور غالب نظر آتے تھے۔ (کذا ذکر السیوطی فی "الخصائص الکبریٰ" ج ۱ ص ۱۱۶) (علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب خصائص الکبریٰ میں ایسا ہی ذکر فرمایا ہے)

محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صورت حال آپؐ کی درازی قد ہی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ یہ معجزہ تھا تا کہ حضور اقدس ﷺ سے جیسا کمالات معنوی میں کوئی بلند نہیں ہے اسی طرح صورت ظاہری میں بھی آپؐ سے کوئی غالب محسوس نہ ہو۔ علامہ ملا علی قاریؒ نے یہی مقصد اپنے ان الفاظ سے بیان کر دیا کہ ولعل السر فی ذالک انه لا يتطاول عليه احد صورة کمالاته لا يتطاول عليه معنی (جمع ص ۱۳)

### شہکار فطرت:

نہ پستہ قد نہ لمبے ہی کوئی مفہوم ہوتے تھے میانہ قد سے کچھ نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے مگر مجمع میں ہوتے تھے جب کبھی حضرت والاؒ نمایاں اور اونچا ہوتا تھا سر و قد بالا وہ قامت نخل طوبی بھی پئے تعظیم جھک جائے وہ ایک شہکار فطرت جس پہ خود خالق کو پیار آئے

### رنگ مبارک:

ولا بالا بیض الامہق (یعنی بالکل خالص سفید نہیں تھے) نفی قید (الامہق) پر وارد ہے مقید (الابیض) پر نہیں ابیض سفید کو کہتے ہیں۔ امہق کا مادہ مہق ہے (چونے کی طرح سفیدی) یہ افعال کے وزن پر باب سمع سے ہے ایسی سفیدی کو کہتے ہیں جو سرخی اور نورانیہ سے خالی ہو یعنی ابیض خالص یہ رنگ ناپسندیدہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو اس پر ابرص زدہ کا گمان ہوتا ہے جبکہ حضورؐ کے چہرہ مبارک کی رنگت سفیدی مائل بہ سرخی تھی (جیسے سفیدی میں سرخی ملی ہوئی ہو یہ رنگ بہت پسندیدہ خوش منظر اور ذوق جمال کی تسکین کا باعث ہوتا ہے) جس میں ملاحظہ بھی تھی اور نورانیت بھی

جاذبیت بھی تھی اور مجبوری بھی جیسا کہ ایک روایت میں کان ازہر اللون (آپ ﷺ) سے گندم گونی رنگ والے تھے) بھی منقول ہے۔

نمایاں حسن یوسف میں سفیدی تھی، صباحت تھی

یہاں سرخی تھی، گلگوں رنگ تھا جس میں ملاحت تھی

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امحق کے لفظ سے تکرار نہیں آتا کیونکہ یہ ایک مستقل اور علیحدہ معنی رکھتا ہے جو بیان کیا جا چکا ہے اور اگر تکرار بھی ہو تو اس سے مبالغہ مقصود ہوگا جیسے جاذ مجد میں ہے اور اگر مہق باب فتح سے لیں تو اس کا معنی دوڑنا آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آپؐ حسن یوسف رکھتے تھے تاہم ملاحت لیے ہوئے تھا۔ آپؐ کا رنگ نہایت ہی صاف شفاف چاندی کی طرح کھلتا تھا، رنگ میں سفیدی کے ساتھ لالی بھی چمکتی ہے اسی طرح آپؐ نہ بالکل سفید، جلے تھے نہ بالکل پیلے اور نہ لال بلکہ خالص صاف گندمی رنگ کے تھے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ آپؐ کے حسن و جمال کی تعریف میں اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

لَوْ كُنْتُ مِنْ شَيْءٍ سِوَى بَشَرٍ

كُنْتُ الْمُصْنَى لَيْلًا لُبْدٍ

(یعنی اگر آپؐ انسانوں کے علاوہ کسی اور مخلوق میں سے ہوتے تو یقیناً آپؐ چودھویں رات کے روشن اور چمکدار چاند ہوتے)۔ (دلائل النبوة ۱/۳۰۱)

## شدتِ بیاض کی توجیہات:

بعض روایات میں آپؐ کے رنگ مبارک کو شدید البیاض (سخت سفید) سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہ بزار کی خبر میں ہے عن ابی ہریرۃ کان شدید البیاض (یعنی آپؐ کا رنگ مبارک سخت سفید تھا) طبرانی کی خبر میں ہے عن ابی الطفیل ما انسی شدة بیاض وجهہ (ابو طفیل سے روایت ہے کہ میں آپؐ کی رنگ مبارک کی گہری سفیدی کو نہیں بھلا سکتا)۔ جبکہ روایت باب میں شدتِ بیاض کی نفی ہے تو بظاہر تعارض ہے۔

علماء نے اس کے جواب میں مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱) شدتِ بیاض (انتہائی تیز سفیدی) کی روایات بریق و لمعان، درخشانی، نورانیت، چمک اور جمال کے کمال پر محمول ہیں جیسا کہ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے۔ كَانَ الشَّمْسُ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ (شمائل) (گویا کہ سورج آپ کے چہرہ انور میں گھوم رہا ہے)۔ اسی طرح مصنف کی ایک روایت میں جو یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ امهق ليس بابيض (چونے کی مانند سفید تھے نہ سفید) علماء نے اس کے جواب میں بھی متعدد توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) امام داؤدی اور قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ محض وہم ہے۔ (۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ روایت مقلوب ہے اصل روایت یوں ہے ابیض ليس بامهق (آپ ﷺ سفید رنگت والے تھے نہ سفیدی مثل چونے کے) (۳) یہ روایت تاویل پر مبنی ہے کہ مهق کا اطلاق کبھی حُمْرَة (سرخ) پر بھی ہوتا ہے اور کبھی خُضْرَة (سبز رنگ) پر بھی۔

خلاصہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ چونے کی طرح سفید نہ تھا کہ لوگوں کو معیوب دکھائی دے، جس طرح برص زدہ ہوتا ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کا رنگ مبارک متوازن، معتدل اور حسین امتزاج کا نمونہ تھا جیسا کہ حضرات علماء فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں بہترین اور خوبصورت رنگ ”سفید سرخی مائل“ ہے اور آخرت کا بہترین اور خوبصورت رنگ ”سفید زردی مائل“ ہے اس لئے آپ ان دونوں بہترین اور خوبصورت رنگوں کا مرقع تھے۔

ولا بالآدم۔۔۔ آدم فعل صفتی کے وزن پر، مہموز الفا ہے یعنی اَنْدَمُ ایک ہمزہ جو فاکلمہ ہے تخفیف کے لئے الف سے بدل گیا آدم بنا جس کا معنی شدة السمرة ہے جو بیاض اور سواد کے درمیان ایک معتدل رنگ ہے ادمۃ کہتے بھی اس رنگ کو ہیں جس میں گندم گونی ہو یعنی سیاہی کا عنصر قدر غالب ہو، باب فتح وسمع سے آتا ہے۔ اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ بعض روایات میں اسمر اللون (گندم گونی رنگ والے) کہا گیا ہے اور یہاں اس کی نفی کی جارہی ہے جواب یہ ہے کہ ادمۃ اور سمرة دونوں مترادف نہیں ہیں بلکہ دودر جے ہیں۔



اردو زبان کی تنگی کی وجہ سے ان مدارج کی تعیین نہیں کی جاسکتی ادمۃ سفیدی مع سرخی کو کہتے ہیں جبکہ سرخی قلیل ہو اس سے پہلے سمرة کا مرتبہ ہے جس میں سفیدی مع کثیر سرخی کے ہو جبکہ اس سے قبل حمرة (خالص سرخی) ہے حمرة سے قبل بیاض (سفیدی) ہے ادمۃ کے معنی کدورت کے ہیں جبکہ کدورت کے بعد سواد کا درجہ ہے۔ ادمۃ باب ضرب سے بھی آتا ہے تو معنی محبت کرنے کے ہیں یا دم ای یا لف۔ (یعنی محبت کرتا ہے) خلاصہ یہ کہ ادمت یہ ہے کہ سفیدی سواد کے اقرب ہو تو اسے سمرة کہا جائے گا جو سواد کا ایک جزء ہوگا۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ سمرة کی نفی سے مراد شدة السمرة (سخت اور گہری گندم گونی جو مائل بہ سیاہی ہو) ہے مطلقاً سمرة کی نفی مقصود نہیں لہذا یہ اثبات سمرة کے منافی نہیں ہے جس طرح کہ بعض روایات میں سمرة ثابت ہے اور شدت سمرة کی نفی پر دلائل متعدد روایات ہیں جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کان ایض بیاضہ الی السمرة (آپ ﷺ سفید تھے اور رنگ مبارک کی سفیدی گندم گونی کی طرف مائل تھی) اور مسند احمد میں روایت منقول ہے جسمہ ولحمہ احمر (جسم اطہر اور گوشت کا رنگ سرخ تھا) ایک دوسری روایت ہے اسمر الی البیاض (گندم گون مائل بہ سفیدی)۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ تمام روایات سے ثابت ہوا کہ بیاض (سفیدی) سے مراد وہ بیاض ہے جس کے ساتھ حمرة (سرخی) مخلوط نہ ہو اور سمرة ثابتہ (سرخی ثابت شدہ) سے مراد وہ حمرة (سرخی) ہے جو مخلوط بالبیاض (سفیدی کے ساتھ ملی ہوئی) ہو۔

ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ اس شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو کہتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ کالا تھا۔ وجہ ظاہر ہے کہ یہ چیز آپؐ کے اوصاف کے بالکل خلاف ہے حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کا رنگ مبارک سرخ و سفید تھا جس میں کسی قدر گندم گونی پائی جاتی تھی۔

بال مبارک:

ولا بال جعد بہ حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک کی صفت ہے۔ یجد جیم کے فتح عین کے سکون کے ساتھ جمعودت سے ہے۔ جسم کی مضبوطی اور بالوں کی گھٹکھریا لے پن کے معنی میں آتا

ہے امام مناویؒ فرماتے ہیں والجعد یرد بمعنی الجواد والکریم والبخیل واللئیم ومقابل السبط (مناوی ص ۱۴) (یعنی جعد کا لفظ نخی، بزرگ، بخیل اور کمینے کے معانی میں استعمال ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں سبط) بالکل سیدھے بال (کا لفظ ہے) اس کا باب مضرب اور باب کرم ہے وہی فی الشعر ان لا یتکسر تکسراً تاماً ولا یسترسل (جمع ص ۱۴) (بالوں میں جعوت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مکمل طور پر گھنگھریا لے نہ ہوں اور بالکل سیدھے اور لٹکے ہوئے بھی نہ ہوں)۔

وفی المصباح جعد الشعر اذا کان فیہ التواء وانقباض (مواہب ص ۹) (بالوں کی جعوت سے مراد یہ ہے کہ وہ مڑے ہوئے ہوں اور اس میں سلوٹیں ہوں) القطط بفتح الحین وبکسر الثانی وهو شدة الجعودة (جمع ص ۱۴) (قطط دو فتحوں یعنی قاف اور طاء کا یا پھر طاء کا کسرہ ہو تو بالوں میں سخت پیچیدگی کے معنی میں ہے) قَطَطٌ قَطَطٌ اور قَطَطٌ بلا ادغام تین لغات ہیں تیسری لغت شاذ ہے کثیر الشعر بہت زیادہ بال اور جشیوں کی طرح بال وفي التهذیب القطط شعر الزنج (مناوی ص ۹) (اور تہذیب میں قطط کا معنی جشیوں جیسے بال کا ذکر ہے) الجعد القطط کا معنی بہت زیادہ گھنگھریا لے اور پیچدار بالوں کے ہوتے ہیں۔

چونکہ الجعد القطط کے ساتھ بھی معنی مراد متعین نہیں ہو سکتے تھے اسلئے مزید توضیح کے لئے ولا بالسبط (نہ بالکل سیدھے بال) کا اضافہ فرمایا سکون الباء وبفتح الحین اس میں بھی تین لغات ہیں جمع سباط آتی ہے سمع کا باب ہے بمعنی سیدھے بال اکڑے اور کھڑے بال۔

امام زنجیریؒ فرماتے ہیں الغالب علی العرب جعودة الشعر وعلی العجم سبوطة وقد احسن اللہ لرسولہ الشامیل وجمع فیہ ما تفرق فی غیرہ من الفضائل (مواہب ص ۹) (اکثر عربوں کے بالوں میں گھنگھریا لہ پن پایا جاتا ہے جبکہ عجمیوں کے بالوں میں سیدھا اور اکڑا پن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے شمائل اوصاف اور سرشت کو اتنا حسین اور جامع بنایا تھا کہ اس میں وہ تمام فضائل موجود تھے جو دوسرے انسانوں میں متفرق اور مختلف طور پر پائے جاتے ہیں) (مواہب ص ۹) خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے بال مبارک نہ تو مسترسل (سیدھے، لٹکے ہوئے) تھے

نہ جعد ققط (بہت زیادہ گھنگھریالے) تھے بلکہ درمیانی کیفیت میں معتدل تھے (و خیر الامور اوسطها) (سب کاموں میں میانہ روی بہتر ہوتی ہے) اس کی تائید حضرت انسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کان شعرہ بین الشعرین لا رجل سبط ولا جعد ققط (مواہب ص ۹) (کہ آپ ﷺ کے بال مبارک بالوں کی دونوں قسموں کے درمیانی کیفیت سے موصوف تھے نہ تو بالکل سیدھے لٹکے ہوئے اور نہ بہت زیادہ گھنگھریالے تھے)

### بعثت نبوی:

بعثہ اللہ تعالیٰ علی رأس اربعین سنة یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا۔ بعثہ، بقول کا معمول ہے بمعنی ارسلہ بالاحکام و شریعة الاسلام (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلامی شریعت اور احکام کے ساتھ بھیجا) (مواہب ص ۹) ویسے تو اس کا متبادر اور متعارف معنی ”سر“ ہوتا ہے۔ یہاں اس کے تین معنی محتمل ہیں۔

(۱) اول شئی (۲) آخر شئی (۳) وسط شئی

بعثت سے متعلق روایات بھی تین قسم کی منقول ہیں (۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا (۲) چالیسویں سال کے وسط میں (۳) اور چالیسویں سال کے آخر پر۔ اسی بناء پر شراح حدیث کا بھی اختلاف ہو گیا ہے کہ آپ چالیس سال کے اول میں یا آخر میں یا وسط میں مبعوث ہوئے۔

چالیسویں سال پر بہر حال سب کا اتفاق ہے مگر شروع اور انتہاء میں اقوال مختلف ہیں۔ قال شراح الحديث المراد بالرأس الطرف الاخير منه لما عليه الجمهور من اهل السير والتواريخ من انه بعث بعد استكمال اربعین سنة قال الطیبی الرأس معجاز عن آخر السنة كقولهم رأس الآیة ای آخرها وتسمية آخر السنة رأسها باعتبار انه مبدأ مثله من عقد آخر انتهى (جمع ص ۱۲) (شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ ”رأس“ سے مراد سال کا آخری حصہ ہے اس لئے کہ جمہور سیرت نگاروں اور اصحاب تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ عمر کے چالیس سال مکمل

ہونے کے بعد آپؐ مبعوث ہوئے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ”رأس“ سال کے آخر سے مجاز ہے جیسے کہا جاتا ہے ”رأس الآیة“ یعنی آیت کا آخری حصہ۔ سال کے آخر کو اس وجہ سے ”رأس“ کہتے ہیں کہ وہ اس جیسے دوسرے سال کے لئے مبداء ہوتا ہے)

### ماہ ربیع الاول اور پیر کے روز کی خصوصیات:

علماء فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پیر کے روز پیدا ہوئے، پیر کے روز آپؐ کی بعثت ہوئی، پیر کے روز آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی، مدینہ منورہ میں پیر کے روز داخل ہوئے اور وصال مبارک بھی پیر کے روز ہوا۔ ولادت کا مہینہ ربیع الاول کا تھا بعثت بھی ربیع الاول میں ہوئی رحلت بھی ربیع الاول میں ہوئی۔

### چالیس سال:

اس قول کی رو سے بعثت پورے چالیس سال پر ہوتی ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ آپؐ کی بعثت رمضان المبارک میں ہوئی تو اس صورت میں پھر پورے چالیس سال نہیں ہوں گے بلکہ ساڑھے انتالیس برس یا ساڑھے چالیس برس ہوں گے اس کی وجہ سے بعثت کے وقت عمر مبارک میں اختلاف بھی ہے۔ شارحین حدیث اختلاف کا جواب یا روایات میں یوں تطبیق کرتے ہیں کہ جن حضرات نے چالیس سال کہا انہوں نے کسر کو چھوڑ دیا اور پورا عدد ذکر فرمایا۔ بہر حال اربعین کا معنی چالیس سال کا مجموعہ ہے، چالیس سال کی عمر کو انسانی اوصاف، کمالات اور اخلاق و عادات کی اصلاح و تکمیل میں بڑا دخل ہے۔ حضرت امام غزالیؒ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔ مَنْ جَاوَزَ اَرْبَعِينَ سَنَةً وَمَا غَلَبَ خَيْرُهُ شَرُّهُ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (الحدیث) (یعنی جس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہوگئی، اور اس کا خیر اور بھلائی اس کے شر پر غالب نہیں ہوئی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کر لے)

### دو شبہات کا ازالہ:

چالیس سال کی عمر کو اعطاء نبوت کا معیار مقرر کیا گیا ہے البتہ اس پر بعض حضرات نے یہ شبہ

بھی کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو بچپن ہی سے نبوت مل گئی تھی ان کے بچپن کے اس ارشاد سے بھی یہ بات ثابت ہے ”قَالَ اِنِّي عَبْدُ اللَّهِ اَنْتَنِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا“ (۳۰: ۱۹) (وہ بولا میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو اس نے نبی بنایا ہے) محدثین فرماتے ہیں عام ضابطہ اور اصول تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اعطاء نبوت کا یہ معاملہ کسی خاص حکمت کی بنا پر کیا گیا جو عام ضابطہ سے مستثنیٰ ہے۔ ایک شبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی حدیث ہے کُنْتُ نَبِيًّا وَ اَدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم کی تخلیق پانی اور مٹی کے درمیان تھی)۔

شیخ ابن حجر بیہمی مکی فرماتے ہیں کہ بعثت کی دو قسمیں ہیں (۱) تقدیری (۲) حقیقی

جن روایات میں آیا ہے کہ آپؐ، حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے نبی تھے وہ تقدیری کا بیان و اظہار ہے یعنی آپؐ کی نبوت کا تقدیر میں مقدر ہونا اور اس کا فرشتوں پر اظہار بھی ہو چکا تھا جس کا تحقق بعد میں ہوا، گویا اربعین کی روایت سے اس کا تحقق ہوا اور رکت نبیاء کی روایت میں تقدیر کا اظہار ہوا۔

## مکہ میں قیام دس یا تیرہ سال:

فاقام بمکہ عشر سنين۔۔۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس ﷺ مکہ مکرمہ میں

تیرہ (۱۳) سال قیام پذیر رہے۔

(۱) لہذا علماء نے اس روایت کی یوں توجیہ کی ہے کہ فاقام بمکہ عشر سنين ای رسولاً وثلاث عشر سنة نبياً ورسولاً (جمع ص ۱۵) (یعنی آپؐ نے مکہ میں دس سال قیام فرمایا صرف رسول کی حیثیت سے، جبکہ مزید تین سال کو ملا کر مجموعی طور پر آپؐ تیرہ سال مکہ میں نبی اور رسول کی حیثیت سے قیام پذیر رہے)

(۲) اس بات کا بھی احتمال ہے کہ راوی نے کسر کو حذف کر دیا ہو حذف کسور محاورات میں ہوتا رہتا ہے جیسے بعثت کے متعلق بعض نے چالیس سال دس دن، بعض نے بیس دن اور بعض نے چالیس

سال دو ماہ کہا ہے لیکن کسر کو حذف کر کے محدثین چالیس سال ذکر کرتے ہیں، اس طرح یہاں بھی کسور کو ترک کر دیا گیا ہے۔

(۳) تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس روایت میں انقطاع وحی کے تین سال کو شمار نہیں کیا گیا۔ وحی کیوں منقطع رہی علماء نے اس کی بھی حکمتیں لکھی ہیں۔

(ا) آپؐ تکالیف اور مشقت کے عادی ہوں

(ب) اسباق مشکل تھے تاکہ آپؐ انہیں یاد کر لیں۔

(ج) انتظار میں شوق بڑھ جائے اور خوف جاتا رہے۔

تین سال کے انقطاع کے بعد نزول وحی کا تواتر رہا تو حضرت انسؓ نے گویا صرف رسالت کا زمانہ ذکر کر دیا اسلئے تو ملا علی قاریؒ نے اقسام رسولاً (کہ آپ ﷺ نے مکہ میں (دس سال تک) رسول کی حیثیت سے قیام فرمایا) سے توجیہ کر دی ہے۔ انقطاع وحی کے ایام کو زمانہ فترت بھی کہتے ہیں تین سال کے اس عرصہ میں آپؐ مخفی اور سبزی تبلیغ کرتے تھے اور مغموم رہتے تھے یہی وہ زمانہ تھا جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپؐ کی تسلی کے لئے وحی لائے ”مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ“ (الضحیٰ: ۳) (آپؐ کے پروردگار نے نہ آپؐ کو چھوڑا اور نہ آپؐ سے بیزار ہوا)

### عمر مبارک کی تعیین:

فتوفاہ اللہ علی رأس ستین سنہ۔۔۔ صحیح روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ تیرہ (۱۳) سال تک مکہ مکرمہ میں اور دس سال تک مدینہ المنورہ میں مقیم رہے اس لحاظ سے آپؐ کی عمر مبارک تریسٹھ (۶۳) سال بنتی ہے حدیث اور سیرت کی تمام کتب میں آپؐ کی یہی عمر مبارک منقول ہے جبکہ اس روایت میں ساٹھ (۶۰) سال ایک اور روایت میں پینسٹھ (۶۵) سال اور معروف روایات میں تریسٹھ (۶۳) سال نقل کی گئی ہے۔

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ تریسٹھ (۶۳) سال عمر مبارک پر جمہور علماء کا اتفاق ہے جبکہ ساٹھ اور پینسٹھ سال والی روایات کی توجیہات کی گئی ہیں (۱) عرب اپنے محاورات میں اصل عدد

کو لے کر کسور کو حذف کر دیتے ہیں اسلئے مکہ میں تیرہ سال کے قیام کو دس سال کہا گیا ہے اور آپؐ کی عمر مبارک کو بجائے تریسٹھ سال کے ساٹھ سال بتایا گیا ہے اور پینسٹھ سال والی روایات کی توجیہ یہ ہے کہ بعض اوقات عرب سال ولادت اور سال وفات کو بھی علیحدہ علیحدہ سال شمار کرتے ہیں۔ آپؐ کی صحیح عمر مبارک تو تریسٹھ سال ہی ہے اور جب سال ولادت کے چند ماہ اور سال وفات کے چند ماہ کو الگ الگ سال شمار کیا جائے تو وہ پینسٹھ سال ہو جاتے ہیں۔

ولیس فی راسہ ولحیتہ .... یعنی حضور اقدس ﷺ کی رحلت کے وقت آپؐ کے سر مبارک میں اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے بعض روایات میں سترہ اور بعض میں اٹھارہ منقول ہیں بعض نے کہا اگر گنے جاتے تو انیس (۱۹) ہوتے مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بیس سے متجاوز نہیں تھے حالانکہ بالوں کی سفیدی کے اسباب موجود تھے جیسے کہ حدیث میں آتا ہے ”شَيْبَتِي هُوَ ذُو الْوَاقِعَةِ وَالْمُرْسَلَتِ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ“ (رواہ الحاکم والترمذی فی الشمائل) یعنی ان سورتوں میں بیان کردہ آخرت کے ہولناک واقعات نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ آپؐ کے سر اور داڑھی کے بالوں میں شیب (بڑھاپا) نمایاں نہیں ہوا تھا دنیا کے لوگ شیب (سفید بالوں) کو عیب سمجھتے ہیں حالانکہ یہ وقار و نور اور عظمت کی علامت ہے اول من شاب ابراہیم (یعنی سب سے پہلے ابراہیمؑ کے بال سفید ہو گئے تھے) حضرت ابراہیمؑ سفید بال دیکھ کر حیران ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وقار کی علامت ہے پھر حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی اَللّٰهُمَّ زِدْنِي وَقَارًا (اے اللہ میرے وقار کو زیادہ کر) (مشکوٰۃ ص ۳۸۵) ایک روایت میں ہے لَا تَنْتِفُوا الشَّيْبَ فَإِنَّهُ نُوْرُ الْمُسْلِمِ الْخ“ (مشکوٰۃ ص ۳۸۲) (یعنی سفید بالوں کو نہ اکھیڑو یہ تو مسلمان کے لئے نورانیت کا سبب ہے) سفید بالوں والوں کو اللہ پاک خود شفقت و رحمت کی نظر سے دیکھتے ہیں تاہم خواتین اسے عیب سمجھتی ہیں معاشرے کے لوگ بھی اسے عیب سمجھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے خود حضور اقدسؐ کو بھی شیب سے محفوظ رکھا تا کہ لوگوں کی نظر میں تحقیر کا پہلو نہ نکلے اور لوگوں کے ایمان محفوظ رہیں بہر صورت جن روایات میں شیب (بالوں کی سفیدی) کا ذکر آیا ہے وہاں بیس سے کم بال مراد ہیں اور

جہاں نفی آئی ہے وہ مکمل شیب کی ہے تو شیب کی نفی اپنی جگہ پر صحیح ہے اور اثبات بھی صحیح ہے یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضور اقدس ﷺ کے شیب کو عیب اور مکروہ سمجھنا باعث کفر نہیں کیونکہ یہ کراہت طبعی ہے جو امور تکلیفیہ سے خارج ہے اور اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

(۲) حَدَّثَنَا حَمِيلُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبْعَةً لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ حَسَنَ الْجِسْمِ وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ وَلَا سَبْطٍ أَسْمَرَ اللَّوْنِ إِذَا مَشَى يَتَكَفَّأ.

ترجمہ: ”حمید بن مسعدہ بصری بیان کرتے ہیں کہ ہمیں عبد الوہاب ثقفی نے بیان کیا وہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں، حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا، آپ نہ تو نمایاں لمبے قد والے تھے اور نہ ہی کوتاہ قامت۔ آپ کا جسم مبارک بڑا حسین تھا، اور آپ کے بال مبارک نہ تو زیادہ گھنگھرے یا لے تھے اور نہ بالکل سیدھے، آپ کا رنگ مبارک ہلکا سا گندم گونی تھا، جب آپ چلتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ ڈھلوان کی طرف اتر رہے ہیں۔“

راویان حدیث (۵) حمید (۶) عبد الوہاب (۷) حمید الطویل کے حالات، تذکرہ راویان شمائل ترمذی، میں ملاحظہ فرمائیں۔

رُبْعَةً:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبْعَةً... کان کا اسم رسول اللہ اور رُبْعَةً اس کی پہلی خبر ہے۔ اس لفظ کو ربعا بھی پڑھتے ہیں اور ربعة بھی اس میں تا، تائے تانیث کی نہیں بلکہ یہ نقل من الوصفية الى الاسمية (وصفیت سے اسمیت) کے لئے ہے۔ ربعة درمیانہ نہ لمبا، نہ پست معتدل القامت کو کہتے ہیں مکان کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جمع رَبَعَات اور رَبَعَات اور مربوعات آتی ہے معناه المتوسط بين الطويل والقصير (مناوی ص ۱۶) (ربیع کا معنی متوسط اور معتدل قد و قامت والا نہ بہت دراز اور نہ کوتاہ)



عطرفروش کے ذبہ کو بھی ”الرבעۃ“ کہتے ہیں کہا جاتا ہے فصح العطار ربعہ یعنی عطرفروش نے اپنا ذبہ کھولایا یہاں بمعنی مربع الخلق کے ہے (درمیانہ قد کا انسان) عرب یوں بھی کہتے ہیں کہ رجل ربعۃ و امراۃ ربعۃ (معتدل قد و قامت والا مرد اور درمیانی قد والی عورت) مراد معتدل قد و قامت ہے۔

### طویل اور قصیر کا مفہوم:

لیس بالطویل... (یعنی قد مبارک بہت زیادہ طویل نہیں تھا لہذا یہاں ”البائن المفرط فی الطول (بہت زیادہ طوالت) کی نفی ہے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے یہ حدیث بھی، گذشتہ حدیث کے موافق ہے۔ لیس بالطویل ولا بالقصیر یہ ربعۃ سے بدل ہے یا عطف بیان ہے یا صفت ہے اور ایک روایت میں ولیس بالطویل (یعنی واؤ کے ساتھ) آیا ہے تو اس صورت میں یہ ربعۃ کے لئے عطف تفسیر قرار پاتا ہے (مناوی ص ۱۶)

### جسم مبارک کی خوبصورتی:

حَسَنُ الْجِسْمِ ... یہ کان کی دوسری خبر اور تعمیم بعد التخصیص (یعنی ایک چیز کو تخصیص کے بعد عام کرنے) کے قبیل سے ہے حسن کا معنی بہترین، خوبصورت، خوشنما اور متناسب کے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ حسن الجسم (متناسب جسم والے) تھے اسی لونا و نعومة واعتدالاً فی الطول واللحم (جمع ص ۱۷) (یعنی رنگ کے اعتبار سے ملائم ہونے کے اعتبار سے، اور گوشت اور درازی قد میں متناسب، خوبصورت اور خوشنما تھے) ویسے تو حسن ایک اضافی اور عارضی چیز ہے مختلف اقوام تہذیبوں، قوموں اور ملکوں کے حسن کے معیار بھی مختلف ہیں۔

تاہم مناویؒ نے لکھا ہے کل مبہج مرغوب (مناوی ص ۱۷) یعنی ہر بارونق اور مرغوب چیز حسین ہے مناویؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ معتدل الجسم متناسب الاعضاء تھے جسم سے مراد جسد ہے اور جسد بدن و اعضاء دونوں کا نام ہے یعنی آپ معتدل الخلق اور متناسب الاعضاء تھے نہ تو زیادہ موٹے تھے

اور نہ کمزور و ناتواں بلکہ آنحضرت ﷺ کا وجود اطہر نہایت ہی متناسب دیدہ زیب اور دلفریب تھا۔  
وکان شعره ... حدیث کے اس حصے کی تشریح ماقبل کی حدیث میں گزر چکی ہے یعنی آپؐ  
کے بال مبارک نہ بہت زیادہ پیچ دار اور مڑے ہوئے تھے اور نہ سبط (یعنی بالکل سیدھے) تھے  
بل کان بین ذالک وخیر الامور اوسطها (مناوی ص ۱۷)

### صباحت و ملاحت کا متناسب امتزاج:

اسمر اللون معمولی سے گندم گونی رنگ کو، جس میں سرخی کی ملاوٹ ہو سمرہ کہتے ہیں۔ بعض  
حمین والہین اسے سنہری رنگ سے تعبیر کرتے ہیں البتہ شدید گندم گون رنگ کو ادمت کہتے ہیں اور  
خالص ادمت کمال حسن و جمال کے منافی ہے۔ جبکہ حضور اقدس ﷺ کے رنگ مبارک میں سرخی اور  
سفیدی نمایاں تھی گویا صباحت اور ملاحت کا متناسب امتزاج تھا۔

وجاہت بھی فحامت بھی جمالِ دلبرانہ بھی جلال حسن بھی اور عظمت پیغمبرانہ بھی  
جہل و دلکش ایسے دور سے چوں مہر تابندہ جو ہوں نزدیک تو خوش منظر و شیریں و زیندہ

### لونِ اسمر و ابیض میں تطبیق:

ایک دوسری روایت میں رنگ مبارک کے بارے، „ازہر اللون“ کے الفاظ منقول ہیں  
جبکہ پندرہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو ابیض اللون سے موصوف کیا ہے علامہ احمد عبد الجواد الدومیؒ اپنی  
شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔

والتوفیق ان نقول المراد بالسمرۃ الحمرة المخلوطة بالبیاض وهذا یدخل فیہ  
”ازہر اللون“ وعلی ذالک فلا تعارض ولا تناقض (تحفۃ الربانیۃ ص ۱۳) (تطبیق کی صورت  
یہ ہے کہ گندم گونی سے مراد وہ سرخی ہے جس میں سفیدی کی آمیزش ہو اور اس میں „ازہر اللون“ بھی  
داخل ہے لہذا اب کوئی تعارض اور تناقض نہیں ہے) السمرۃ سے مراد وہ سرخی ہے جس کے ساتھ  
سفیدی ملی ہوئی ہو اور ازہر اللون کے بھی یہی معنی ہیں لہذا اب کوئی تعارض اور تناقض نہیں ہے۔

شارحین نے لکھا ہے کہ آپؐ کے ابیض اور اسمر ہونے میں منافات نہیں ہیں ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ آپؐ کے جن اعضاء مبارک پر سورج کی روشنی پڑتی تھی وہ اسمر تھے اور جو لباس سے پوشیدہ ہو گئے وہ ابیض تھے مگر اس پر بعض حضرات نے یہ شبہ کیا ہے کہ آپؐ پر تو ہمیشہ بادل کا سایہ رہتا تھا تو آپؐ پر دھوپ کیسے پڑتی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بادل کا سایہ قبل از نبوت بطور ارہاس کے ہوتا تھا بعد از نبوت اس کا ثبوت نہیں ہے بلکہ اس کا عکس ثابت ہے۔

چنانچہ جب آپؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ ایک پہاڑ کی چٹان کے سایہ میں آپؐ کو لے گئے اسی طرح جب آپؐ مدینہ منورہ پہنچے تو ناواقف لوگ آپؐ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے درمیان فرق نہیں کر سکتے تھے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی چادر سے سایہ کر دیا اگر بادل سایہ کرتا تو آپؐ نو وارد اور ناواقف پر ہرگز پوشیدہ نہ ہوتے (جمع ملخص ص ۱۷)

### رفقار مبارک:

اذامشی یتکفأ ... یہ بھی کان کی خبر ہے یعنی جب حضور ﷺ چلتے تھے تو سامنے کی طرف جھک کر ایسا معلوم ہوتا گویا ڈھلوان میں اتر رہے ہیں۔ ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کما ینحط من صبب ای منحدر من الارض (مناوی ص ۱۸) (گویا اونچائی سے نشیب میں اتر رہے ہیں) ای یتمایل الی قدام کالسفینۃ فی جریہا (جمع ص ۱۷) (یعنی چلتے وقت سامنے کی طرف جھک کر جاتے جیسے کشتی آگے کی طرف جھکی ہوئی چلتی ہے)

بعض روایات میں یتوکا منقول ہے اس سے مراد اعتماد اور تقبٹ ہے جو سرعت مشی کا مؤید ہے یتوکا کا معنی پاؤں پر اس قدر سہارا اور بھروسہ کرنا جس طرح عصا پر کیا جاتا ہے۔ یتکفأ کے تین معانی نقل ہوئے ہیں۔

(۱) تیزی سے چلنا (۲) آگے کی طرف جھک کر چلنا (۳) قدم اٹھا کر چلنا۔

حضور اقدس ﷺ کی رفقار مبارک میں یہ تینوں اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے یہ تینوں صفات

عجز و انکسار اور تواضع و عبدیت پر دلالت کرتے ہیں آپؐ کی رفتار میں غرور یا تکبر کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا کشادہ کشادہ قدم اٹھاتے، سینہ تان کر اکڑ کر نہ چلتے، نہایت ہی باوقار، عزت مند، انداز اور پسندیدہ چال چلتے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی یہ صفت قرآن پاک میں بیان فرمائی ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا (۲۵: ۶۳) یعنی خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر متکبر لوگوں کی طرح اکڑا کر نہیں چلتے بلکہ نہایت وقار کے ساتھ چلتے ہیں۔

ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ رفتار ”هون“ کا معنی یہ ہے کہ سکون و وقار کے ساتھ بلا تکبر کے اور بلا ہلائے کندھے کے چلے (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۵۸)

خلاصہ یہ کہ آپؐ تیز رفتاری کے ساتھ چلتے تھے سست اور مریل چال نہ چلتے اور آپؐ کے لئے زمین لپٹتی تھی یعنی معمولی رفتار سے بھی چلتے تو مسافت زیادہ طے ہوتی یہ آپؐ کا معجزہ تھا کہ آپؐ آگے نکل جاتے دوڑتے ہوئے بھی اصحاب آپؐ کے ساتھ شریک نہ ہو پاتے ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ آپؐ کی سرعت رفتار کمال قوت کی وجہ سے تھی۔

ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اس طرح چلنا عزم، ہمت و شجاعت کا چلنا ہے یہ سب سے بہتر رفتار ہے اور جسم کے لئے راحت بخش ہے (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۶۷)

(۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ يَعْنِي الْعَبْدِيَّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي اسْحَقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مَرُّ بَوْعًا بُعِيدَ مَا بَيْنَ الْمُنْكَبَيْنِ عَظِيمِ الْجُمَّةِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنِهِ عَلَيْهِ حُلَّةٌ حُمْرَاءُ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ.

ترجمہ! محمد بن بشار یعنی عبدی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ انہوں نے شعبہ سے روایت کی۔ شعبہ نے ابو اسحق سے روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازبؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرد میانہ قد تھے (قدرے درازی مائل) آپؐ کے دونوں

مونڈھوں کے درمیان قدرے اوروں سے زیادہ فاصلہ تھا (جس سے سینہ مبارک کا چوڑا ہونا بھی معلوم ہو گیا) گنجان بالوں والے تھے جو کان کی لوتک آتے تھے۔ آپؐ پر ایک سرخ دھاری کا جوڑا یعنی لنگی اور چادر تھی۔ میں نے آپؐ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

راویان حدیث (۸) محمد بن بشار عبدی (۹) محمد بن جعفر (۱۰) شعبہ (۱۱) ابوالفتح (۱۲) البراء بن عازبؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## یعنی کا فاعل کون؟

حدثنا محمد بن بشار یعنی العبدی ہمیں بیان کیا محمد بن بشار یعنی العبدی نے۔ امام ترمذی کے اس صبیح سے قدرے خلجان ہو گیا ہے کہ ”یعنی“ کا فاعل کون ہے؟ اس سلسلہ میں شارحین نے مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱) یعنی کی ضمیر بطور التفات خود امام ترمذیؒ کو راجع ہے اور ابویعقوب سکا کیؒ کے مذہب میں یہ جائز ہے کہ بطور التفات اپنے آپ کو غائب بنا دیا جائے اس صورت میں یعنی کے فاعل خود امام ترمذیؒ ہیں مگر یہ توجیہ کمزور ہے کیونکہ وہ تو خود سند بیان کر رہے ہیں۔

(۲) العبدی کا اضافہ امام ترمذیؒ کا نہیں بلکہ ان کے کسی تلمیذ کا ہے مقصد یہ ہے کہ امام ترمذیؒ محمد بن بشار سے مراد العبدی لیتے ہیں جن کا تعلق قبیلہ عبد قیس کے ساتھ تھا یہ تو صیح اس لئے ضروری تھی کہ محمد بن بشار کے نام سے اور افراد بھی تھے لہذا العبدی کہہ کر ان کو ممتاز کر دیا گیا۔ شارحین نے اس توجیہ کو رائج قرار دیا ہے۔

(۳) لفظ ”یعنی“ خود امام ترمذیؒ کی طرف منسوب ہے مگر مجہول طریقے سے یعنی خود امام ترمذیؒ نے کہا محمد بن بشار یعنی العبدی مقصد یہ ہے کہ یہ روایت محمد بن بشار سے منقول ہے جس سے معتمد بن بشار عبدی مراد لیا جائے۔

(۴) بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ لفظ یعنی لفظ ای کی طرح حرف تفسیر ہے مطلب یہ ہوگا کہ امام ترمذیؒ کہہ رہے ہیں حدثنا محمد بن بشار ای العبدی جس طرح لا کی جگہ لیس استعمال ہوتا ہے

اسی طرح ای کی جگہ یعنی بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

(۵) بعض حضرات نے کہا ہے کہ لفظ یعنی اصل میں اعنی یا یعنی تھا اس صورت میں یہ الفاظ خود امام ترمذی کے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ محمد بن بشار وہ ہے جو العبدی ہے گویا یہ لفظ اعنی یا یعنی تھا مگر کاتب نے اسے یعنی بنا دیا (ملخصاً از جمع ص ۱۸)

## لفظ رجلاً کی بحث:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلاً مربعاً... یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ میانہ قدم مرد تھے بعض حضرات نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ آنحضرت کے ساتھ رجلاً (مرد) کے لفظ کا استعمال کوئی موزون بات نہیں ہے اور نہ یہ کلمہ تعریف ہے۔ اس کے جواب میں شارحین حدیث نے متعدد وجہات بیان کی ہیں۔ (۱) اگرچہ آنحضرت ﷺ کا رجل اور مرد ہونا قابل بیان نہ تھا مگر یہاں یہ تمہیداً لبيان الصفة (ای مربعاً) (یعنی صفت (مربعاً) کے بیان کی تمہید ہے) ذکر کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ بھی ہے کہ بسا اوقات موصوف کو صفت بیان کرنے کے لئے ذکر کر دیتے ہیں (۲) یہ لفظ رجلاً (بضم الجیم) نہیں بلکہ رجلاً ہے یعنی جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے اور رجل کا معنی شکستگی اور ٹیڑھا پن یا گھٹنگھریالہ پن مراد ہے یعنی آپ کے بال مبارک کسی قدر گھٹنگھریالے تھے و یحتمل ان یروا به شعره الاظهر صلى الله عليه وسلم وكان هذا المعنى اصبوب (جمع ص ۱۹) یعنی یہ احتمال بھی ہے کہ ”رجلاً“ کے لفظ سے آپ کے بال مبارک مراد ہوں اور یہ معنی زیادہ صحیح ہے۔

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ عرب اپنی اصطلاح اور عرف میں لفظ رجل کو مدح و توصیف کے مقام میں بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ حماسہ کا مشہور شعر ہے۔

رَجُلًا إِذَا مَا النَّائِبَاتُ عَشِيْنَهُ  
أَكْفَى لِمُعْضَلَةٍ وَإِنْ هِيَ جَلَّتْ

وہ ایسا مرد ہے کہ جب اسے مصائب گھیر لیتے ہیں تو وہ کفایت کرتا ہے یعنی ان کا مقابلہ کرتا ہے اگرچہ وہ مصائب بڑے ہوں گویا یہاں پر لفظ رجل بطور مدح و توصیف کے استعمال کیا گیا ہے۔

(۴) لفظ رَجُل بطور ربط اور تمہید خبر کے بھی استعمال کیا جاتا ہے اگرچہ مستقلاً اس کی ضرورت نہیں ہوتی خود قرآن میں اصحابِ قریہ کی طرف مبعوث پیغمبروں کا کلام بھی اسی طور سے نقل کیا گیا ہے ”بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ“ (۱۹: ۳۶) (بلکہ تم ایک قوم ہو حد سے نکل جانے والے) اس سے مقصد تو صرف اتنا تھا کہ ان کو مسرفوں کہا جائے مگر یہاں پر قوم کا ذکر بطور ربط و تمہید کے ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) سب سے احسن توجیہ یہ ہے کہ رجل اپنے معنی مرادف یا معنی متعارف پر محمول ہے اور مراد اس سے کامل رجلیت (مردانگی) ہے والا حسن ان یحمل علی المعنی المرادف او علی المتعارف ویراد بہ کامل الرجلیۃ و هو کثیر فی العرف یقال فلان رجل کریم ورجل صالح (جمع ص ۱۹) (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ سب سے اچھی صورت یہ ہوگی کہ معنی متعارف پر حمل کرتے ہوئے اس سے رجلیت (مردانگی) میں کمال مراد لیا جائے اور یہ عرف عام میں کثیر الاستعمال بات ہے کہا جاتا ہے کہ فلان رجل کریم کہ فلاں شخص سخاوت میں کامل ہے (بڑا سخی ہے) اور فلاں بڑا نیک ہے)

### لفظ مربع منکبین اور بعید:

مربعاً... اس سے قبل کی روایت میں رُبْعَةً کا لفظ تھا یہاں مربعاً ہے دونوں کا مفہوم ایک ہے والمربع یرادف الرُبْعۃ (جمع ص ۱۹) (لفظ مربع رُبْعۃ کا مرادف (ہم معنی ہے) یعنی حضور اقدس ﷺ معتدل القامت اور میانہ قد تھے نہ زیادہ دراز قد اور نہ پستہ قد۔

وقد علمت انه تقریبی لا تحدیدی فلا ینافی انه بضرب الی الطول (جمع ص ۱۳) (اور یہ پہلے معلوم کر چکے کہ آپ ﷺ کے مربع ہونے کا وصف تقریبی ہے (کامل) تحدیدی نہیں تو یہ اس کے منافی نہ ہوا کہ آپ ﷺ قدرے مائل بہ درازی تھے) بلکہ حدیث میں صاف آیا ہے کان ربعة وهو الی الطول اقرب (مناوی ص ۱۴) (کہ آپ ﷺ میانہ قد قدرے مائل بہ درازی تھے)

بُعید ما بین المنکبین۔۔۔ لفظ بُعید کو مصغر بھی پڑھ سکتے ہیں اور بُعید یعنی کبیر بھی، بُعید کو اگر

مصغر پڑھیں گے تو معنی ” قدرے “ یا کسی قدر فاصلہ ہوگا۔ اشارۃ الی تصغیر البعد (جمع ص ۲۰) (یہ اشارہ بعد کی تصغیر کو ہے) اور اگر مکبر یعنی بعید پڑھیں گے تو معنی یہ ہوگا کہ آپ کے کندھوں کے درمیان فاصلہ تھا یعنی عامۃ الناس کی نسبت یہ فاصلہ ذرا زیادہ تھا بہر حال مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دو شانے مبارک نہ تو بالکل جڑے ہوئے تھے اور نہ بہت زیادہ کشادہ تھے بلکہ دونوں کندھوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا وهو مستلزم لعرض الصدر (جمع ص ۲۰) (اور کندھوں کے درمیان فاصلے کا ہونا سینے مبارک کی چوڑائی کو مستلزم ہے) چنانچہ اسی تناسب سے سینہ مبارک بھی عام لوگوں کی نسبت کشادہ تھا جو شجاعت، نجابت اور شرافت کی علامت ہے۔ وارادہ بعید ما بینہما السعة اذھی علامة النجابة وکنایة عن سعة الصدر وشرحه الدال علی الجود والوقار (جمع ص ۲۰) (دونوں کندھوں کے درمیان فاصلہ سے مراد فراخی اور وسعت کا ہونا ہے جو کہ نجابت و شرافت کی علامت اور سینے کی وسعت (فراخی) اور شرح صدر سے کنایہ ہے جو کہ شجاعت، سخاوت اور وقار نفس پر دال ہیں) منکبین، منکب کا تثنیہ ہے اور مناکب جمع ہے کندھا، شانہ، شانہ کی ہڈی، والمنکب مجمع العضلو الکف (مناوی ص ۲۰) (منکب کا معنی بازو اور کندھے اکٹھے ہونے کی جگہ)

### بال مبارک (وَفَرِهْ، لِمَّہْ، جُمَّہْ):

عظیم الجمۃ الی شحمة اذنیہ... حضور اقدس ﷺ کے سر کے بال بڑے تھے جو کانوں کی لوتیک آتے تھے بعض نے اس کے مفہوم میں کہا ہے کہ آپ کے بال مبارک گنجان تھے احادیث میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں کے متعلق تین حالتیں بیان کی گئی ہیں جُمَّہْ، لِمَّہْ اور وَفَرِهْ اہل لغت کا ان کی تشریح و تفسیر میں اختلاف ہے ذیل میں ہم راجح تطبیقی مفہوم نقل کر رہے ہیں۔

وہ بال جو شحمة اذنین (کانوں کی لو) تک پہنچیں ” وَفَرِهْ “ کہلاتے ہیں اور جو کانوں کی لو سے تجاوز کر کے گردن تک پہنچ جائیں ” لِمَّہْ “ کہلاتے ہیں یعنی منکبین سے اوپر اور اذنین سے نیچے ہوں اور جو بال منکبین تک پہنچ جائیں ان کو ” جُمَّہْ “ کہتے ہیں من الجموم الاجتماع وفی



النهاية ماسقط على المنكبين (منلوی ص ۲۰) (یعنی ”جمہ“ کا لفظ نجوم سے ہے، جس کا معنی ہے جمع ہونا اور نہایہ میں ہے کہ اس سے مراد وہ بال ہیں جو کندھوں پر پڑے ہوں) ج م م کے مادہ میں کثرت کے معنی ہیں مجمع البحر اور نہایہ میں یہی تفصیل موجود ہے۔

بعض شارحین حدیث نے تینوں قسم کے بالوں کو ولج کی مثال سے یوں سمجھایا ہے کہ ولج میں جس طرح واو پہلے ہے اسی طرح حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں وافرہ گویا حد اول ہے لام درمیان میں ہے لَمَّہ کی حد بھی درمیان میں ہے ج آخر میں ہے تو بالوں کی حد میں جمہ بھی انتہاء ہے البتہ ان کا ایک دوسرے پر اطلاق بھی ہوتا ہے جب کہ قرینہ موجود ہو۔ مختلف حالات اور اوقات میں حضور ﷺ نے بالوں کے مذکورہ تینوں صفات کو اختیار فرمایا ہے۔

بعض شارحین مزید تشریح و تطبیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب آپؐ نے بال بنوائے تو کانوں کی لوت تک رکھے جنہیں اصطلاح ولغت میں ”وافرہ“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور کبھی ایک ماہ تک بالوں کو چھوڑ دیا تو وہ بڑے ہو کر گردن تک پہنچ جاتے تھے جنہیں ”لَمَّہ“ کہا جاتا تھا اور بعض حالات میں کئی ماہ تک بھی بال مبارک چھوڑ دیا کرتے تھے تو بال مبارک مزید بھی لمبے ہو کر شانوں تک پہنچ جاتے تھے اسی حالت کو حدیث میں ”جمہ“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

و جمع القاضی عیاض بان ذلک لاختلاف الاوقات فکان اذا ترک تقصیرھا بلغت المنکب واذا قصرھا کانت الی الاذن او شحمتھا او نصفھا فکانت تطول وتقصر بحسب ذلک (جمع ص ۲۱) (حضور ﷺ کے بالوں کی جو مختلف صورتیں مذکور ہوئیں علامہ قاضی عیاضؒ ان کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی ہیئت کا اختلاف بوجہ مختلف اوقات کے ہوتا رہتا پس جب آپ ﷺ بالوں کو کترنا چھوڑ دیتے۔

تو وہ کبھی کندھوں تک بھی پہنچ جاتے اور جب کبھی کتر لیتے تو پھر کانوں یا کانوں کی لوت تک ہوتے یا کندھے اور کانوں کے درمیان (یعنی گردن) پر ہوتے تو بالوں کا بڑھنا اور لمبا ہونا یا چھوٹا ہونے کا مدار اسی وجہ سے ہوتا تھا)

## ایک اشکال اور اس کا جواب:

اشکال یہ ہے کہ روایت میں لفظ جَمَمَ مذکور ہے جو منکبین (کندھوں) تک پہنچے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں مگر آگے اسی روایت میں الی شحمة اذنیہ (کانوں کے لو تک) سے اس کی تحدید کر دی گئی ہے جسے اصطلاح میں وفروہ کہتے ہیں۔ اس کا جواب اوپر کی تشریح میں بھی آ گیا ہے کہ بعض اوقات اور بعض حالات میں یہ الفاظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں جب قرینہ موجود ہو اس مقام پر بھی وفروہ کی جگہ جَمَمَ کو استعمال کیا گیا ہے۔

شحمہ کا لغوی معنی چربی ہے اب اصطلاح میں اس کا اطلاق مالان من الاذن (کان کا نرم حصہ) پر ہوتا ہے وجہ شبہ بھی لیتیت اور نرمی ہے جبکہ مالان (کان کا نرم حصہ) موضع القروط (بالی کی جگہ) کو کہتے ہیں۔ شارحین نے الی شحمة اذنیہ کو ترکیب میں جَمَمَ کی صفت بنا کر مجرور قرار دیا ہے اس صورت میں معنی یہ ہوتا ہے عظیم الجَمَمَ الواصلة الی شحمة اذنیہ (آپؐ بڑے جَمَمَ والے تھے جو کانوں کے نرم حصہ تک پہنچا ہوا تھا) اس صورت میں جَمَمَ کا معنی وفروہ ہے اور یہ مجازاً استعمال ہوا۔ عظیم کا لفظ مرتبہ اور کیفیت میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے یہاں مجازاً کثرتِ کمیت اور تعداد میں استعمال کیا گیا ہے اور اس سے آپؐ کا طاقت ور ہونا ثابت کیا گیا ہے کیونکہ کثرتِ شعر طاقتوری پر دلالت کرتی ہے۔

## حَلَّہ کا مفہوم:

وکان علیہ حلۃ حمراء... لفظ علیہ، کان کی خبر ہے یا ضمیر کان سے حال ہے۔  
حلّۃ لغت میں (۱) چادر اور تہ بند و ازار کو کہتے ہیں (۲) یا وہ کپڑا جس کے دو تہ ہوں ثوبان او ثوب  
لہ بطنانہ (منادی ص ۲۱) یعنی دو کپڑے یا پھر ایک کپڑا جس کا استر ہو۔ (۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ  
حلّۃ خاص ان دو چادروں کا نام ہے جو یمن سے آتی تھیں وفي النہایہ ہی بردۃ الیمن ولا تسمی  
حلۃ الا ان یکونا ثوبین ومن جنس واحد (منادی ص ۲۱) (نہایہ میں ہے کہ حلّۃ یمنی دھاری دار

چادر کو کہتے ہیں اور وہ اس وقت حَلَّہ (جوڑا) کہلایا جائے گا جبکہ دو کپڑے اور ایک ہی قسم کے کپڑے سے بنے ہوئے ہوں) انبیاء اور صلحاء کا لباس یہی تھا حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اترے تو ان کا لباس بھی یہی تھا بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ احرام بھی اسی لباس کی یادگار ہے۔

## سُرخ کپڑے پہننے کا حکم:

باقی رہی یہ بات کہ سرخ کپڑے پہننے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ابن حجر کئی فرماتے ہیں کہ سرخ کپڑے پہننے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

(۱) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سرخ کپڑا اگر زعفران یا کسی دوسری نجس چیز سے رنگا ہوا نہ ہو تو اس کا پہننا جائز ہے اور احمر قانی (خالص سرخ) ہو یا مخطوط (دھاری دار) ہو یہ سب جائز ہیں حدیث زیر بحث ان کا متدل ہے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ استدلال درست نہیں۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے اس حَلَّہ حمراء کی زمین (سطح) سرخ نہ تھی بلکہ روایت اور تاریخ سے ثابت ہے کہ اس میں سرخ دھاریاں تھیں جیسا کہ جمع الوسائل میں ہے ہسی ثیاب ذات خطوط (جمع ص ۲۱) یعنی وہ (حَلَّہ) دھاری دار کپڑا تھا۔ حضور اقدسؐ سے خالص سرخ کپڑا پہننا ثابت نہیں ہے۔

(۲) احناف کے ہاں سرخ کپڑے پہننے کے بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ علامہ شامیؒ نے نو اقوال نقل کئے ہیں۔ (راجع رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۸) فقہاء کے اقوال میں غور کرنے سے یہ تفصیل سامنے آئی ہے اور جو مختار ہے کہ معصفر اور جو نجس چیز سے رنگا ہو وہ حرام ہے بالاتفاق اور جو معصفر نہ ہو اور نہ ہی کسی نجس چیز سے رنگا ہو تو اگر احمر قانی (سخت سرخ) ہو تو مرد کے لئے اس کا استعمال کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور جو مائل الی السواد (سیاہی کی طرف مائل) ہو جسے عنابی رنگ بھی کہا جاتا ہے وہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے اسی طرح اگر احمر قانی (سخت سرخ) نہ ہو بلکہ مخطوط (دھاری دار) ہو وہ بھی بلا کراہت جائز ہے البتہ خواتین کے لئے یہ سب رنگ جائز ہیں۔ اس جگہ حَلَّہ حمراء سے مراد مخطوط حَلَّہ ہو گا چنانچہ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جو یہ سمجھتا ہے کہ حَلَّہ بالکل ہی سرخ تھا اسے غلط فہمی ہوئی بلکہ سرخ جوڑا سے مراد دولبی چادریں تھیں، جن پر عام یعنی چادروں کی طرح سرخ اور سیاہ

لکیریں تھیں، ان سرخ دھاریوں کی وجہ سے ان کو سرخ چادروں سے موسوم کیا گیا، بالکل سرخ لباس تو اسلام میں بڑی سختی سے ممنوع ہے (ملخصاً از زاد المعاد)

## احناف کے دلائل:

(۱) حدیث میں مطلقاً سرخ لباس سے ممانعت آئی ہے اور اصول یہ ہے کہ حرمت اور اباحت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے (۲) حدیث باب میں احتمال تخصیص موجود ہے۔ (۳) ممکن ہے کہ یہ سرخ لباس تحریم اور نہی سے پہلے پہنا گیا ہو (۴) حمراء کا معنی مخطط بخطوط حمراء (سرخ لکیروں سے دھاری دار) بھی ہو سکتا ہے اور ایسا لباس بالاتفاق جائز ہے۔ والحاصل ان عندنا يؤول الحمراء بالنی لها خطوط حمراء او یعد من خصائصه صلی اللہ علیہ وسلم بعد تسلیم صیحة الحديث او یحمل لبسه علی ما قبل نهیه (جمع ص ۲۱) (حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک سرخ جوڑا سے مراد یہ ہے کہ جس میں سرخ دھاریاں ہوں یا اس روایت کو اپنے معنی پر برقرار رکھتے ہوئے یوں کہا جائے گا کہ سرخ جوڑا کا پہننا آپ کے ساتھ خاص تھا یا یہ ممانعت سے پہلے واقعہ ہے) (۵) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اس روایت میں محمد بن جعفر راوی ضعیف ہے۔

## حسن کامل:

مارائیت شیاً قط احسن منه... حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے حسین کوئی چیز کبھی نہیں دیکھی سبحان اللہ! حضور اقدس ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی محبت، شیفنگی اور عشق کا کیا عالم ہے کہ کائنات خداوندی کے اندر اگر کسی کا حسن ان کی آنکھوں میں سما سکا تو وہ صرف اور صرف ذات اقدس مجسمہ حسن و جمال، صاحب قاب قوسین او ادنیٰ، خاتم النبیین، صاحب شفاعت کبریٰ، رحمۃ للعالمین، مومنوں کے لئے رؤف، رحیم، احمد، مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا وجود مبارک ہے۔

(اے پروردگار! مخلوق میں سب سے بہتر، اپنے حبیبؐ پر ہمیشہ ہمیشہ رحمت اور سلامتی نازل فرما)  
 شیخ ابراہیم البیہقیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ”وقد صرحوا بان من کمال الایمان اعتقاد انه لم  
 یجتمع فی بدن انسان من المحاسن الظاهرة ما اجتماع فی بدنه ﷺ ذالک فلم یظهر  
 تمام حسنه والا لما طاقت الاعین رویتہ“، (مواہب ص ۱۴)

یعنی علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ کمال ایمان کے معتقدات میں ایک اعتقاد یہ بھی ہے کہ جو کچھ حسن  
 ظاہر، حضور سرِ ایا حسن و جمال کے وجودِ مبارک میں جمع کر دیا گیا ہے وہ کسی انسانی وجود میں ہرگز مجتمع  
 نہیں ہوا، باوجود اس اجتماعِ حسن ظاہری کے جو حسن آپؐ کا تھا تمام کا تمام ظاہر نہیں ہوا اور نہ دیکھنے  
 والوں کی آنکھوں میں اتنی طاقت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس حسن کو جی بھر کر دیکھ سکتے۔

احسن، صیغہ اسم تفضیل، شیئاً کی صفت ہے، تاہم ابلغ یہ ہے کہ جیسے ترتیب ہے ویسے کھا جائے یعنی  
 احسن کو دوسرا مفعول قرار دیا جائے اور رأیت کو رؤیت علمیہ پر حمل کیا جائے ان احسن  
 مفعول ثان لرأیت علی ان الرویة علمیة (جمع ص ۲۱) اس میں ایک مبالغہ اور بھی ہے کہ بجائے  
 رجلاً کے تعیم کے لئے شیئاً کہا گیا یعنی انسان ہو یا غیر انسان (چاند سورج وغیرہ) سب سے آپؐ  
 زیادہ حسین تھے۔ جیسا کہ علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں: وانما قال شیئاً دون انساناً لیشمل غیر البشر  
 كالشمس والقمر (مواہب ص ۱۴) تاہم اگر انسان کا لفظ بھی ہوتا تب بھی درست تھا کیونکہ مخلوقات  
 میں انسان سے احسن کوئی چیز نہیں اور آپؐ انسانوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔

### لفظِ قَطُّ کی بحث، امام اعظمؒ کے ایک شاگرد کی ذکاوت:

قط: عربی زبان میں نفی کی تاکید کے لئے عموماً دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ایک قط جو ماضی منفی کی  
 تاکید کے لئے آتا ہے ایک عوض جو مستقبل منفی کی تاکید کے لئے آتا ہے۔

قط میں پانچ لغتیں ہیں قَطُّ (بالتشدید) قَطُّ (بلا تشدید) قَطُّ (بضمین والتشدید) قَطُّ  
 (بسکون ثانی وضم الاول) قَطُّ (بفتح الاول وسکون الثانی) فہذہ خمس لغات  
 والاشہر منها الاولی (مواہب ص ۱۴)

شرح جامی میں ان ہی پانچ لغات کو ایک دوسرے طرز سے ضبط میں لایا گیا ہے ومنہا قط مفتوح القاف مضموم الطاء المشددة وهذا اشهر لغاته وقد تخفف الطاء المضمومة وقد تضم القاف اتباعاً لضممة الطاء المشددة او المخففة وقد جاء قط ساكنة الطاء مثل قط الذی هو اسم فعل فهذه خمس لغات (شرح جامی ص ۲۳۹) (اور ظروف مہیہ میں سے لفظ (۱) قَطُّ ہے جو قاف کے فتح اور طاء مضموم مشدہ کے ساتھ ہو اور یہ اس کی سب لغات میں مشہور ہے) (۲) اور کبھی طاء مضمومہ کو مخفف کیا جاتا ہے یعنی قَطُّ (فتح القاف اور سکون الطاء) (۳) اور کبھی قاف کو بھی ضمہ طاء مشدہ کی اتباع میں دیا جاتا ہے یعنی قَطُّ (۴) قاف پر ضمہ اتباع طاء مخففہ یعنی قَطُّ (۵) اور کبھی قَطُّ طاء ساکنہ کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے کہ قَطُّ اسم فعل تو یہ پانچ نغز تھیں ہوئیں) اور قط سے تعبیر کا مقصد یہ ہے کہ انہ کان کذا لک من المهد الى اللحد لان معنى قط الزمن الماضى ولا يستعمل الا فى النفى (موہب ص ۱۴) یعنی آپؐ جیسا حسن و جمال سے متصف شخص میں نے (گہوارہ سے لحد تک) یعنی زندگی بھر نہیں دیکھا (وہ غیر معمولی جمال و کمال اور سراپا حسن آپؐ ہی کے ساتھ خاص تھا) قَطُّ کا معنی زمانہ ماضی ہے اور یہ صرف نفی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ عیسیٰ بن موسیٰ (خلیفہ ابو جعفر منصور کا ایک درباری) چاندنی رات میں اپنے بیوی سے گفتگو کر رہا تھا اچانک اس نے اپنے بیوی سے یوں کہا اِنَّ لَّمْ تَكُونِيْ اَحْسَنَ مِنَ الْقَمَرِ فَانْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا یعنی اگر تو اس چاند سے زیادہ حسین نہ ہو تو تجھ پر تین طلاق۔ بات تو اس نے کہہ دی مگر اس کا نتیجہ دو دررس تھا بات خلیفہ کے دربار تک پہنچی کہ ایسا کہنے سے واقعی طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟ علماء سے فتویٰ لیا گیا تو سب نے کہا کہ طلاق پڑ گئی ہے کیونکہ عورت چاند سے حسین نہیں ہو سکتی۔

دربار میں امام ابو حنیفہؒ کے ایک شاگرد بھی موجود تھے خلیفہ منصور خاص طور پر ان کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہ بھی اپنی رائے دیں تو انہوں نے بسم اللہ شریف پڑھ کر ”سورہ تین“ کی ابتدائی آیات وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونَ وَطُورِ سَيْنِينَ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (۴۲:۲۱:۹۵) (قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کے اور اس شہر امن والے کی البتہ تحقیق پیدا

کیا ہم نے آدمی کو بیچ اچھی ترکیب کے) تلاوت کیں اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم میں ہونا بیان فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان جیسی حسین کوئی ہستی کائنات میں پیدا ہی نہیں کی تو چاند ایک انسان سے زیادہ بہتر کیسے ہو سکتا ہے لہذا عورت چاند سے حسین ہے اور اس پر طلاق نہیں پڑی یہ سن کر سب لوگ مطمئن ہو گئے (قرطبی ج ۲۰ ص ۷۷) حقیقت یہی ہے کہ انسان بہترین مخلوق ہے مگر اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض منہجی فطری امور کے مطابق ادا کرے

### نفی قید زائد کی بھی اور مساوی کی بھی:

یہاں ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ نفی ہمیشہ قید زائد کی طرف راجع ہوتی ہے تو یہاں نفی رویت احسن کی ہوئی مساوی فی الحسن (حسن میں برابری) کی نفی نہیں ہوئی حالانکہ مقام مدح اور حقیقت واقعہ میں مساوی کی نفی بھی ضروری ہوتی ہے۔ شارحین حدیث نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

(۱) اسم تفضیل بعض حالات میں زیادہ کے معنی سے مجرد ہو کر نفس صحت کے لئے ہوتا ہے جس کی مشہور مثال الخمر احلی من الخل (کہ شراب سرکہ سے میٹھی ہے) میں ہے کہ خل میں سرے سے حلاوت ہے ہی نہیں۔

”اصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا“ (۲۳:۲۵) (اہل جنت اس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ہوں گے) ”وہو اہون علیہ“ (اور وہ بہت آسان ہے اوپر اس کے) ان مثالوں میں اسم تفضیل زیادہ کے معنی سے مجرد ہو کر استعمال ہوا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ کیفیات میں قلت اور کثرت تو بیان ہو سکتی ہے لیکن کیفیات اور حالات میں مساوات کا علم و بیان محال ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کیفیات میں مساوات کا قول کرے تو اس کے قول کو باطل قرار دیا جاتا ہے۔ شرح جامی میں ہے وان قال کیفما تقرأ اقرأ فهذا القول باطل (اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ جس کیفیت سے تم پڑھتے ہو، میں بھی اسی کیفیت سے پڑھتا ہوں تو تساوی کا یہ دعویٰ باطل ہے) تو یہاں بھی بیان کیفیت ہے اور مساوات کیفیت ممکن نہ تھی اسلئے اس

کی نفی کی ضرورت نہ تھی البتہ زیادتی فی الحسن چونکہ شئی ممکن ہے لہذا اسکی نفی کرنی تھی کہ حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین کوئی نہیں ہے کم ہے تو ہے مساوی تو ممکن ہی نہیں۔

(۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِي لِمَةٍ فِي حُلَّةٍ حُمْرَاءَ أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالطَّوِيلِ .

ترجمہ! محمود بن غیلان بیان کرتے ہیں، انہوں نے وکیعؒ سے نقل کیا اور وہ سفیانؒ سے نقل کرتے ہیں، سفیانؒ نے ابواسحقؒ سے روایت کی ہے وہ براء بن عازبؒ سے روایت نقل کرتے ہیں، براء بن عازبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی پٹھوں والے کو سرخ جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ حضور اقدس ﷺ کے بال، مونڈھوں تک آرہے ہیں، آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا حصہ ذرا زیادہ چوڑا تھا اور آپ نہ زیادہ لمبے تھے نہ ٹھگنے۔

راویان حدیث (۱۳) محمود بن غیلانؒ (۱۴) وکیعؒ اور (۱۵) سفیان ثوریؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِي لِمَةٍ ... اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی جسمانی بلکہ آپ سے منسوب تمام اشیاء کو حسن و جمال، خوبصورتی اور کمال سے نوازا تھا حضور اقدس ﷺ کے اس مبارک حسن اور فطری جمال کو آپ کی حسین زلفوں اور سرخ دھاریدار حُلَّة نے مزید نور ”علیٰ نور“ بنا دیا تھا یہاں اگر روایت بصریہ مراد ہو تو من زائدہ ہوگا کیونکہ کلام غیر موجب ہے اور ذالِمَّة مفعول اول اور احسن اس کی صفت ہوگی اور اگر روایت قلبیہ مراد ہو تو ذالِمَّة مفعول اول اور احسن غیر منصرف مفعول ثانی ہے (تقریر ترمذی ۷۷۷)



## عظیم الجمة اور ذی لمة میں تعارض نہیں:

بہر حال یہ کوئی اعتراض نہیں کہ پہلی روایت میں عظیم الجمة کہا گیا تھا اور یہاں ذی لمة کی تصریح ہے۔ کہ تطبیق واضح ہے جو قاضی عیاض کے حوالے سے اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے کہ یہ حالات مختلف اوقات مختلفہ میں ہوئے ہیں۔

## بال مبارک کی مختلف روایات میں تطبیق:

لہ شعر یضرب منکبہ ... آپ کے بال مبارک آپ کے کندھوں تک پہنچتے تھے یہاں یضرب یصل کے معنی میں ہے والضرب کنایۃ عن الوصول (جمع ص ۲۴) (اور ضرب کنایہ ہے پہنچنے سے)

قاضی محمد عاقل تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے ما قبل کی حدیث کا مفہوم تو یہ تھا کہ آپ کے سر مبارک کے بال کانوں کی لو تک پہنچتے تھے جبکہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ لو سے گزر کر منکبین تک پہنچتے تھے ایک روایت میں آیا ہے کہ دونوں کانوں مبارک تک پہنچتے تھے اور صحیحین میں آیا ہے کہ دونوں کانوں مبارک کے آخر تک پہنچتے تھے لہذا یہ اختلاف روایات کس طرح حل ہوگا۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف روایات اختلاف اوقات پر مبنی ہے جس وقت حضور قصر (کترنا) فرماتے تو بال مبارک کانوں کی لو یا نصف کانوں تک پہنچتے اور جس وقت ترک قصر کرتے تو بال مبارک اتنے لمبے ہو جاتے کہ کندھوں مبارک تک پہنچتے یعنی جس حالت میں صحابہ کرام نے دیکھا اسی کیفیت کو بیان کر دیا۔ (حلاۃ المتعلمین قلمی نسخہ)

(۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا الْمَسْعُودِيُّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمٍ بْنِ هُرْمَزٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ شُنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَلَمَيْنِ ضَخْمُ الرَّاسِ ضَخْمُ الْكَرَادِيْسِ

طَوِيلُ الْمَسْرُوبَةِ إِذَا مَشَى تَكْفًا تَكْفًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ أَرَقْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ! محمد بن اسماعیل بیان کرتے ہیں، ان کے سامنے بیان کیا ابو نعیم نے، وہ مسعودی سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے عثمان بن مسلم بن ہرمز سے، انہوں نے روایت کی نافع بن جبیر بن مطعم سے جنہوں نے یہ روایت کی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ کوتاہ قد۔ ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پر گوشت تھے (یہ صفات مردوں کے لئے محمود ہیں اس لئے کہ قوت اور شجاعت کی علامت ہیں عورتوں کے لئے مذموم ہیں) حضور ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضاء کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ جب حضور اقدس ﷺ چلتے تھے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدسؐ جیسا نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔ راویان حدیث (۱۶) محمد بن اسماعیل (۱۷) ابو نعیم (۱۸) المسعودی (۱۹) عثمان بن مسلم (۲۰) نافع بن جبیر بن مطعم اور (۲۱) حضرت علی بن ابی طالب کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### ہتھیلیاں اور قد میں مبارک:

شَنْنُ الْكَفَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ ... یعنی ہاتھ مبارک اور پاؤں پر گوشت تھے۔ حدیث کے پہلے حصے کی تشریح گذشتہ احادیث میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ شَنْنُ (باب کرم یکوم) سے ہے شَنْنُ (بِسْكَوْنِ النَّاءِ) شَنْنُ (بِكَسْرِ النَّاءِ) صِنْوَنُ صَفْتِ ہے مصدر شَتْنُ وَشَتْنَةٌ اور شَتَانَةٌ آتا ہے یہاں شَنْنُ مرفوع ہے اور ہو محذوف کی خبر ہے یا کان محذوف کی خبر منصوب ہے جس پر قرینہ لم یکن موجود ہے جب باب کرم اور سمع سے ہو تو معنی موٹے ہونے کے ہوتے ہیں یعنی پر گوشت اتنا کہ بدنمانہ ہو۔ شَنْنُ الْكَفَيْنِ میں اِضَافَةُ الصِّفَةِ إِلَى الْمَوْصُوفِ (صفت کی اضافت موصوف کو ہے) ہے۔ بہر حال اس کا لفظی معنی کھر درے، گوشت سے بھرے ہوئے مضبوط اور قوی

ہونے کے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کھر درے نہ تھے بلکہ نرم اور ملائم تھے ہاتھ کی انگلیوں اور ہتھیلیوں کا پُر گوشت ہونا کہ رگیں ظاہر نہ ہوں مردوں کا حسن ہے مردوں میں یہ صفت محمود ہے کہ اس سے گرفت مضبوط ہوتی ہے لیکن عورتوں میں یہ صفت اچھی اور پسندیدہ نہیں ہے وهو مما یحمد فی الرجال لانه اشد لقبضهم وینم فی النساء (جمع ص ۲۶) ہتھیلیوں کا پُر گوشت ہونا مردوں میں بوجہ قوت اور شدت گرفت ہونے کے پسندیدہ صفت ہے اور یہ صفت عورتوں میں ناپسندیدہ شمار ہوتی ہے)

بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ شُشْن کا معنی ہے پوری انگلیاں جو موٹی اور مضبوط ہوں لیکن چھوٹی نہ ہوں شُشْن الکفین ای یمیلان الی الغلط من غیر قصر ولا خشونة (مناوی ص ۲۵) ہتھیلیوں کے پُر گوشت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ موٹائی کی طرف مائل تو ہوں لیکن نہ چھوٹی اور نہ کھردری ہوں) حضرت انسؓ سے روایت ہے مامسست خزا ولا حریر الین من کف رسول ﷺ (جمع ص ۲۵) یعنی میں نے دیا اور حریر بھی آپ ﷺ کی ہتھیلی سے بڑھ کر ملائم اور نرم نہیں دیکھا۔ یہ روایت حدیث زیر بحث کے خلاف نہیں کیونکہ جب انگلیاں اور ہتھیلیاں پُر گوشت ہوں گی تو اس وقت نرم و ملائم ہوں گی۔ بعض محدثین کا ارشاد ہے کہ نرمی جلد اور چمڑے میں تھی سختی اور مضبوطی ہڈیوں میں تھی جسم مبارک نرم اور ملائم مگر جوڑوں میں زور، مضبوطی اور قوت تھی۔

اسلئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فکان اذا عمل فی الجہاد او مہنة اہلہ صار کفہ خشنا للعارض المذکور و اذا ترک ذالک صار کفہ الی اصل جبلتہ من النعومة (جمع ص ۲۵) (جب آپؐ جہادی امور سرانجام دیتے یا گھر کا کام کاج کرتے تو ان عارضی امور کی وجہ سے ہتھیلیاں سخت اور کھردری ہو جاتیں اور جب یہ امور نہ ہوتے تو ہتھیلیاں فطری طور پر نرم اور ملائم ہو جاتیں)۔

### سر مبارک اور اعضاء و اندام کے جوڑوں کا بیان:

ضخم الراس (باب کرم یکرم) موٹاپن بڑائی ضخیم (بسکون الخاء و بکسرھا) اور ضخیم صفت کے صیغے ہیں یہاں بھی اضافة الصفة الی الموصوف (صفت کی اضافت موصوف کو ہے)

اور یہ دونوں مل کر فاعل ہے۔ قاضی محمد عاقل تحریر فرماتے ہیں کہ سر کا بڑا ہونا دماغ کے قوی ترین ہونے کی کامل ترین علامت ہے جو کہ فہم و فراست کی زیادتی کا سبب ہے اور اس میں بے شمار فائدے ہیں۔ علامہ ابراہیم اللیجوریؒ فرماتے ہیں وهو آية النجابة (المواہب ص ۱۶) یعنی یہ شرافت کی علامت ہے۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے وهو دال علی کمال القوى الدماغية وبکمالها يتميز الانسان عن غیرہ (جمع ص ۲۶) (یہ دماغی قوتوں کے کامل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور دماغی قوت کے کامل ہونے کی وجہ سے انسان دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے)

### المسربة:

طویل المسربة (باب سمع) بالوں کا طولانی خط جو سینہ سے لیکر ناف تک ہوتا ہے ہی الشعر الدقیق الذی یدى من الصدر ویتهی بالسرة (بالوں کی وہ بارک لکیر جو سینہ سے شروع ہو کر ناف پر ختم ہو جاتی ہے) آپؐ کے سینہ پر بالوں کی دھاری لمبی تھی عام تجربہ ہے کہ بعض لوگوں کے سینہ پر بال ہوتے ہی نہیں اور بعض کا سینہ بالوں سے بھرا ہوتا ہے مگر آنحضرتؐ کے سینہ مبارک پر ناف تک بالوں کی لمبی سی دھاری تھی جو نہایت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ شارحین نے تصریح کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے سینہ اور شکم مبارک پر سوائے ایک لمبی بالوں کی لکیر کے اور بال نہیں تھے جیسا کہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں له شعرات من سرتہ تجری کالقضیب لیس علی صدرہ ولا علی بطنہ غیرھا (منای ص ۲۶، جمع ص ۲۶، دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۰۴)

### انداز رفتار:

اذا مشی تکفأ۔۔ اس حصہ کی تشریح اس سے قبل احادیث میں بھی گزر چکی ہے کہ تکفأ تین صفات کی چال کو کہتے ہیں حضور اقدس ﷺ کی رفتار میں یہ تینوں صفات موجود تھے یعنی آپؐ تیز رفتار بھی تھے، قدم اٹھا کر چلتے تھے اور آگے کی طرف ذرا جھکاؤ ہوتا تھا جیسا کہ حدیث زیر بحث میں ہے کانما ینحط من صلب گویا آپؐ اوپر سے نیچے کی طرف ڈھلوان میں اتر رہے ہیں انحطاط کا

معنی النزول والاسراع (اترنا اور تیزی کرنا) ہے واصلہ الانحدار من علو الی سفلی (جمع ص ۲۷) قال فی شرح السنۃ یرید انہ کان یمشی مشیاً قویاً یرفع رجلہ من الارض رفعاً ثابتاً لا کمین یمشی اختیلاً و یقارب خطاہ تعماً (جمع ص ۲۷) (شرح السنۃ میں اس کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ آپؐ مضبوطی کے ساتھ چلتے تھے، پاؤں کو پوری طرح زمین سے اٹھاتے، آپؐ کا انداز رفتار ان لوگوں کی طرح نہیں تھا جو اتر کر چلتے ہیں اور نازکی وجہ سے قریب قریب قدم رکھتے ہیں)

### کمال جمال کی حسین تعبیر:

لم ار قبلہ ولا بعدہ مثله ﷺ ... حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ سے پہلے بھی اور آپؐ کے بعد بھی آپؐ جیسی شخصیت نہیں دیکھی۔ حضرت علیؑ نے اس ایک جملہ میں حضور اقدسؐ کے حسن و جمال اور خوبصورتی و کمال کا کتنا پیارے انداز میں تذکرہ فرمایا ہے عموماً ایسی عبارتیں مبالغہ میں آتی ہیں لیکن حضور اقدس ﷺ کے اوصاف میں یہ مبالغہ نہیں اس لئے کہ وہاں کمال جمال تعبیر سے باہر ہے اللہ پاک نے آپؐ کو کمالات باطنیہ کے ساتھ جمال ظاہری بھی علیؑ وجہ الائمہ (اکمل طور پر) عطا فرمایا تھا۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں۔

لَوَاحِیْ زُلَیْخَا لَوْ رَاَیْنِ جَبِیْنَهٗ لَا تُرْنَ بِقَطْعِ الْقُلُوبِ عَلٰی الْیَدِیْ

زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور اقدس ﷺ کا چہرہ انور دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کے کاٹنے کو ترجیح دیتیں۔

اور بعض حضرات اسی مفہوم کو ان الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔

لَوَ رَاَتْ طَاعِنَاتٌ زُلَیْخَا نُورَ حُسْنِہٖ لَا تُرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوبِ عَلٰی الْاَیْدِیْ

یعنی اگر زلیخا پر طعنے مارنے والی عورتیں آپؐ کے حسن کی روشنی دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ دیتیں۔

فارسی کے ایک شاعر نے جمال محمدؐ کا کچھ یوں ذکر کیا ہے۔

زنانِ مصر بہ ہنگامہ جلوہ یوسف      زروئے بے خودی از دستِ خویش بریدند  
مصر کی خواتین نے جمالِ یوسف کا نظارہ کیا      تو مدہوشی کے عالم میں اپنے ہاتھ کٹوا دیئے  
مقرر است کہ دل پارہ پارہ مے کردند      اگر جمال تو اے نور دیدہ مے بینند  
یہ بات طے ہے کہ وہ دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتیں      اے نورِ چشمان! اگر وہ آپ کے حسن و جمال  
کا نظارہ کرتیں۔

تجھ سے کبھی یوسف کو اگر بدلے زلیخا      زندان میں پڑوں پر کسی صورت سے نہ بدلوں

### رویت علیؑ پر اعتراضات اور جوابات:

لم اقبلہ ولا بعده ... اس میں تعظیم مراد ہے۔ بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت علیؑ چھوٹے تھے پھر قبلہ کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ شارحین حدیث جواب میں فرماتے ہیں کہ (۱) یہاں رویت قلبیہ مراد ہے ای لم اعتقد قبلہ ولا بعده (میرا عقیدہ یہ ہے کہ آپ جیسا نہ آپ سے پہلے گزرا ہے اور نہ آپ کے بعد کوئی ہو سکتا ہے) تو صغریٰ میں یہ امر ہرگز مستبعد نہیں ہے۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قبل اور بعد کے بعد مضاف الیہ محذوف ہے ای قبل وفاته وبعد وفاته مقصد یہ ہوا کہ آپ کی حیاتِ مبارک میں آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا تاہم یہ دونوں تو جیہات اصل مقصد اور ہدف کے لحاظ سے مخدوش ہیں کیونکہ حضرت علیؑ کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ آپ کی مثل نہ پہلے وجود میں آئی نہ بعد میں آئے گی۔ شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ جب کسی ایک جنس کی دو چیزوں کو متکلم ذکر کرتا ہے تو وہاں استغراق جنس مقصود ہوتا ہے وہی دو چیزیں مقصود نہیں ہوتیں ورنہ بہت سے معانی اور مقاصد میں خلل پڑتا ہے جیسے رب المشرق والمغرب (کہ وہ مشرق و مغرب کے رب (مالک) ہیں) میں استغراق ہے اور مراد رب الجهات کلھا (سب سمتوں کا مالک اور رب ہونا ہے) ہے جیسے نفی میں مثال مشہور ہے لاناقة ولا جمل یا لاخل لدی ولا خم (کہ نہ اونٹ ہے اور نہ اونٹنی یا نہ میرے پاس شراب ہے اور نہ سرکہ) دونوں کا معنی لاشی عندی (کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے) ہے تو اس اصول کے پیش نظر لم اقبلہ ولا بعده (کہ میں نے حضورؐ

جیسا نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا) کا معنی الم ارفی جمیع الازمنة (کہ سب زمانوں میں اس جیسا نہیں دیکھا) کے ہے۔ تستعمل هذه العبارة في نفی الشیبه من غیر ملاحظۃ القبلیۃ والبعدیۃ (جمع ص ۲۷) (اس قسم کی عبارت شبیہ اور مثل کی نفی کے لئے استعمال ہوتی ہے پہلے اور بعد کے مشاہدہ کرنے کا لحاظ اس میں نہیں ہوتا)

حَدَّثَنَا سَفِيْنُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ الْمَسْعُوْدِيْ بِهَذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ (ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ مجھے اپنے باپ نے مسعودی سے اسی اسناد کے ساتھ اسی معنی میں روایت کی ہے)

(راویان حدیث (۲۲) سفیان بن وکیع کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمادیں)

### مثله ، نحوہ اور بمعناہ :

نحوہ بمعناہ یعنی سفیان بن وکیع نے یہی حدیث ایسی سند اور معانی و مفہوم کے ساتھ نقل کی ہے جو اس روایت کے ہم معنی ہے مراد یہ ہے کہ الفاظ تو مختلف ہیں مگر معانی میں اس سے قبل والی حدیث کے ساتھ متفق ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ جب ایک حدیث لفظی اعتبار سے یا معنی و مفہوم کے اعتبار سے پہلی حدیث سے ملتی جلتی ہو تو اختصار کے پیش نظر حدیث کے پورے الفاظ دوبارہ لکھنے کی بجائے حضرات محدثین صرف اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون کچھلی حدیث سے ملتا جلتا ہے اس مقصد کی ادائیگی کے لئے مصنفین یا محدثین تین الفاظ استعمال کرتے ہیں (۱) مثله (۲) نحوہ (۳) بمعناہ۔ جب دوسری حدیث پہلی حدیث کے ساتھ الفاظ اور معانی میں مشترک ہو تو مثله کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جب الفاظ میں اختلاف اور معانی میں اشتراک ہوتا ہے تو نحوہ استعمال ہوتا ہے اور بمعناہ بھی اسی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ الفاظ مجازاً بھی ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں (جمع ص ۲۳) مطلب یہ ہوا کہ زیر بحث روایت کے الفاظ اگرچہ ہو پہلی روایت سے نہیں ملتے مگر مفہوم وہی ہے۔

ملا علی قاری ”تحریر فرماتے ہیں ”واعلم انه قد جرت عادة اصحاب الحديث ان الحديث

اذا روى باسنادين او اكثر وساقوا الحديث باسناد اولاً ثم ساقوا باسناداً آخر يقولون فى آخره مثله  
اونحوه اختصاراً والمثل يستعمل بحسب الاصطلاح فيما اذا كانت الموافقة بين الحليين فى  
اللفظ والمعنى والنحو يستعمل اذا كانت الموافقة فى المعنى فقط هذا هو المشهور فيما بينهم وقد  
يستعمل كل واحد منها مقام الآخر فعلى هذا قوله بمعناه لا رادة ان النحو يستعمل فى هذا المقام  
للمعنى دون اللفظ مجازاً، (جمع ص ۲۳)

(۶) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الصَّبِيِّ الْبَصْرِيُّ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَأَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ وَ  
هُوَ ابْنُ أَبِي حَلِيمَةَ وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالُوا حَدَّثَنَا عَيْسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ مَوْلَى  
غُفْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِنْ وَلَدِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ  
إِذَا وَصَفَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
بِالطَّوِيلِ الْمُمَغِطِ وَلَا بِالْقَصِيرِ الْمْتَرَدِّدِ وَكَانَ رُبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَلَا  
بِالسَّبِطِ كَانَ جَعْدًا رَجُلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلَّمِ وَكَانَ فِي وَجْهِهِ تَذْوِيرٌ أَيْضُ  
مُشْرَبٌ أَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ أَهْدَبُ الْأَشْفَارِ جَلِيلُ الْمَشَاشِ وَالْكَيْدِ أَجْرَدُ ذُو مَسْرَبَةٍ شَشُّ الْكَفَّيْنِ  
وَالْقَلَمَيْنِ إِذَا مَشَى تَقَلَّعَ كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ فِي صَبَبٍ وَإِذَا التَّقَّتْ تَقَفَّتْ مَعَا بَيْنَ كَيْفِيهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ  
وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ أَجْوَدُ النَّاسِ صُلْبًا وَأَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَأَلْيَهُمْ عَرِيكَةً وَأَكْرَمُهُمْ عَشِيرَةً  
مَنْ رَأَاهُ بَدَاهَةً هَابَةً وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ يَقُولُ نَاعَتَهُ لَمْ أَرِ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ.

ترجمہ : ہمیں بیان کیا احمد بن عبدہ بن عیسیٰ بصریؒ نے اور علی بن حجرؒ نے اور ابو جعفر محمد بن حسینؒ نے اور وہ  
ابن ابی حلیمہؒ ہے ان سب کا ایک ہی بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ بن یونسؒ نے بیان کیا اور انہوں  
نے یہ روایت عمر بن عبد اللہؒ سے لی تھی جو کہ غفرہؒ کا آزاد کردہ غلام تھا وہ کہتا ہے کہ مجھے روایت بیان کی  
ابراہیم بن محمدؒ نے، جو کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے وہ کہتا ہے کہ جب حضرت  
علیؑ حضور ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ



زیادہ پستہ قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لئے ہوئے تھے نہ آپؐ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے البتہ تھوڑی سی گولائی آپؐ کے چہرہ مبارک میں تھی (یعنی چہرہ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لمبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور اقدس ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا (حضور اقدس ﷺ کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں) (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے) اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی آپؐ کے بدن مبارک پر (کہیں بھی زائد) بال نہیں تھے۔ آپؐ کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی آپؐ کے ہاتھ اور قدم مبارک پُر گوشت تھے جب آپؐ تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں جب آپؐ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے۔ آپؐ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی آپؐ خاتم النبیین تھے۔ آپؐ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے اور سب سے زیادہ سخی زبان والے سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے آپؐ کو جو شخص یکا یک دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا اور جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا وہ (آپؐ کے اخلاق کریمہ اور اوصاف جمیلہ کا گرویدہ ہو کر) آپؐ کو محبوب بنا لیتا تھا آپؐ کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور اقدس ﷺ جیسا (باجمال و باکمال) نہ حضور اقدس ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

راویان حدیث (۲۳) احمد الفسیؒ (۲۴) علی بن حجرؒ (۲۵) ابو جعفر محمد بن الحسین (۲۶) عیسیٰ بن یونسؒ (۲۷) عمر بن عبداللہ اور (۲۸) ابراہیم بن محمدؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامک ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### انقطاع روایت کا اشکال:

اس روایت میں بظاہر ایک نقص بلکہ اشکال یہ ہے کہ راوی حدیث ابراہیم بن محمد کی حضرت علیؓ سے ملاقات ثابت نہیں بلا واسطہ یہ روایت منقطع ہے جیسا کہ خود امام ترمذیؒ نے بھی تصریح کر دی کہ

هذا الحديث بهذا الاسناد ليس اسناده بمتصل (جمع ص ۳۰) (یہ حدیث اس اسناد کے ساتھ متصل نہیں) کیونکہ درمیان کاراوی حذف ہے مگر امام ترمذی نے اس قدر واضح انقطاع کے باوجود اس روایت کو قبول کر لیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ احناف کے نزدیک منقطع روایت مُسْنَد سے بھی زیادہ معتبر ہے نیز سیرت اور تاریخ کی روایات میں ایسی چیزوں کو گوارا کر لیا جاتا ہے اور اس روایت میں بھی چونکہ عقائد اور اعمال کی بحث نہیں ہے بلکہ حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا بیان ہے لہذا ان میں ضعیف روایات اور منقطع روایات بھی معتبر ہوتی ہیں۔

## وُلِدَ عَلِيٌّ:

وُلِدَ (بضم الواو وسكون اللام) اور وَلِدَ (بفتح الحين) دونوں مفرد اور جمع کے لئے استعمال ہوتے ہیں، کوئی تخصیص نہیں ہے البتہ بکسر الواو وسكون اللام (واو کے کسرہ اور لام کے سکون یعنی وَلِدَ) شاذ ہے۔ الغرض اس کا اطلاق جمع اور اسم جنس دونوں پر ہوتا ہے۔

## الطويل الممغط:

قال كان عليّ اذا وصف رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم بالطويل الممغط۔۔۔ یعنی حضور اقدس ﷺ بہت طویل قد والے نہ تھے۔ وَصَفْ ووصف سے ہے بمعنی تعریف کرنا صفت بیان کرنا اور حلیہ بیان کرنا۔ الممغط ممغط مصدر سے ہے من مغط الحبل فانمغط اذا مده فامند (مناوی ص ۳۰) (الممغط یہ ممغط الحبل سے ماخوذ ہے بمعنی اس نے زور سے رسی کو کھینچا پھر وہ لمبی ہو گئی) الممغط کے معنی کھینچے ہوئے، کے ہوتے ہیں الطويل الممغط کا معنی بہت لمبے بے ڈھنگے لمبے اسم فاعل من الانمغاط من باب الانفعال ای المتناهی فی الطول من قولهم امغط النهار اذا امتد (جمع ص ۳۰) الممغط دوسری میم کی شد اور غین مجمرہ کے ساتھ اسم فاعل ہے اصل میں امغاط ہے امغاط بھی دراصل انمغاط تھا اسم

فاعل منمغط تھا نون کو از جہت مطاوعت منقلب کر کے میم بنادیا اور میم کو میم میں مدغم کر دیا تو امغاط بن گیا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والنون للمطاوعة فقلبت میماً وادغمت فی المیم هذا هو الصواب (جمع ص ۳۰) بعض حضرات نے مُمَغَّط پڑھا ہے (نہیں کی شد کے ساتھ) اور یہ تمغیط سے اسم مفعول بنا ہے معنی وہی ہیں کہ آپؐ کا قدم مبارک بے ڈھنگا لبا نہیں تھا فالمراد نفسی الطول البائن وقلة اللحم (جمع ص ۳۰) (تو مراد آپ ﷺ کے بہت طویل اور انتہائی لاغر ہونے کی نفی ہے) یہی مراد اس سے قبل والی حدیث میں بالطویل البائن کے الفاظ کے ساتھ نقل ہو چکی ہے۔

### القصیر المتردد :

ولا بالقصیر المتردد ... المتردد 'قصیر کی صفت ہے یعنی قصیر سے بھی بہت کم ہو کہ بعض اعضاء بعض میں گھسے ہوئے ہوں یعنی نہایت پست قد ٹھگنا آدمی، یہ چیز بھی حسن کے خلاف ہے جو حضور ﷺ میں نہیں پائی جاتی تھی۔ المتناهی فی القصر کانہ رد بعض خلقہ علی بعض وتداحلت اجزاءہ کذا فی النہایۃ (جمع ص ۳۰) (یعنی بہت کوتاہ قد کہ بعض اجزاء کا بعض میں گویا تذخل ہوا نہایت یہ میں اسی طرح قصیر متردد کا معنی مذکور ہے) حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ آپؐ صحابہ کرامؓ میں مائل بہ درازی قد تھے یعنی جب تنہا ہوتے تو معتدل القامت نظر آتے نہ لمبے اور نہ پست قد اور جس وقت آپؐ صحابہ کرامؓ میں تشریف فرما ہوتے تو سب سے بلند قامت دکھائی دیتے یہ آپؐ کا سب سے بلند نظر آنا دراز قامتی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ معجزانہ طور پر تھا جیسا کہ قاضی محمد عاقل نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے۔ "وایں در معنی معجزہ آن سرور است"

### ربعة ورجلاً :

وكان ربعة من القوم ... یعنی حضور اقدس ﷺ درمیانے قد والے تھے اور یہ بات تو پہلے کئی بار لکھی جا چکی ہے کہ ان وصفہ بالربعة للتقريب فلا ینافی انه کان اطول من المربع (مواہب ص ۱۸) (آپؐ کا درمیانہ قد والا ہونا وصف تقریبی ہے) (تحدیدی نہیں) تو یہ اس روایت کے منافی

نہیں جس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ درمیانہ قد سے ذرا لمبے تھے) آپ کے بال مبارک جمعہ القلط یعنی محض یا تمام تر گھٹھر یا لے نہ تھے اور نہ ہی سیدھے بالوں والے تھے بل کان بین ذلک قواماً (مواہب ص ۱۸)۔ بلکہ کان جعداً رجلاً یعنی نیم گھٹھر یا لے تھے رجلاً تھوڑی تھوڑی سی شکستگی کو کہتے ہیں فیہ تکسر یسر فکان بین السبوطۃ والجعودۃ (جمع ص ۳۰) (تو گویا آپ کے بال مبارک گھٹھر یا لے اور سیدھے پن کے درمیان ہی تھے)

### مطہم و مکثم :

لم یکن بالمطہم ولا بالمکثم ... مطہم، تطہیم سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی 'موٹا' پھیلا ہوا، فر بہ جسم یا کمزور و ناتوان اور نحیف جسم، یہ لفظ اضداد میں سے ہے اس کے دونوں معانی آتے ہیں قیل نحیف الجسم وقیل بادن الجسم وکثیر اللحم (اس کا معنی ہے کمزور جسم والا، اور فر بہ وہ گوشت جسم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے) مطہم اگر گھوڑے کی صفت ہو تو کامل فی صفات الفرسیۃ (ایسا گھوڑا جس میں گھوڑے کی تمام صفات موجود ہوں) کو کہتے ہیں۔

شیخ ابراہیم النجیویؒ فرماتے ہیں۔ وسیاتی تفسیرہ فی کلام المصنف بالبادن ای کثیر البدن متفاحش السمن وقیل هو المنفخ الوجه وقیل نحیف الجسم فیکون من اسماء الاضداد قیل طهمة اللون ان تمیل سمرته الی السواد ولا مانع من ارادة کل من هذه المعانی هنا (مواہب ص ۱۸) (مصنف نے خود آنے والے کلام میں مطہم کی تفسیر "فر بہ جسم" سے کی ہے، جو بہت زیادہ موٹا ہو اور بعض نے کہا ہے کہ مطہم "پھولے ہوئے چہرہ والے" کو کہتے ہیں اور بعض نے "کمزور جسم والا" سے اس کی تفسیر کی ہے پس یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔

بعض نے کہا کہ لون (رنگ) میں طہمہ کا معنی یہ ہے کہ گندی رنگ مائل بہ سیاہی ہو اور یہاں پر ان معانی میں سے ہر ایک معنی مراد لیا جا سکتا ہے)۔

ولا بالمکثم . مکثم اسم مفعول ہے اس کا مصدر کثمة ہے وفي الصحاح الکثمة اجتماع لحم الوجه (مناوی ص ۳۱) ("صحاح" میں ہے کہ کثمة چہرہ کا گوشت مجتمع ہونے کو

کہتے ہیں) درازی وجہ کو بھی کہتے ہیں جب منہ چپٹا اور گال پھولے ہوئے ہوں۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں معناه ملوڑ الوجه والمراد انه اسيل الوجه مسنون الخدين ولم يكن مستديراً غاية التدوير بل كان بين الاستدارة والاسالة هو احلى عند كل ذی ذوق سليم وطبع قويم ونقل النهی عن الحکیم ان استدارة الوجه المفرطة دالة على الجهل (مواهب ص ۱۸) اس کا معنی ہے چہرہ کا گول ہونا اور مراد ستواں چہرہ اور روشن رخسار والا، جو بہت زیادہ گول نہ ہو بلکہ گولائی اور لمبائی کے درمیان ہو، ایسا چہرہ ہر ذوق سلیم اور صحیح طبیعت کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے حکیمؒ سے نقل کیا ہے کہ چہرے کا بہت زیادہ گول ہونا جہالت پر دلالت کرتا ہے۔

### تدویر :

وكان في وجهه تدوير ... یعنی حضور اقدس ﷺ کے چہرہ مبارک میں کسی قدر گولائی تھی جو آنحضرت ﷺ کے حسن میں اضافہ کا باعث تھی۔ تدویر کتابی صورت کو کہتے ہیں جس میں نہ زیادہ گولائی ہو نہ زیادہ لمبائی بلکہ درمیان درمیان میں ہو۔ تدویر کا لفظ مصدر نہیں بلکہ حاصل مصدر ہے اس کا معنی گول کرنے کا نہیں بلکہ گولائی ہے اور اس پر تنوین تقلیل کے لئے ہے ای شى قليل منه (مناوی ص ۳۱) یعنی چہرہ مبارک میں تھوڑی سی گولائی تھی۔ والحاصل انه كان بين الاستدارة والاسالة (جمع ص ۳۱) خلاصہ یہ کہ چہرہ مبارک گولائی اور لمبائی کے درمیان تھا

### ابيض مشرب :

ابيض مُشْرَب ... یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای هو ابيض (مناوی ص ۲۶) (یعنی لفظ ابيض ہو مبتداء محذوف کی خبر ہے) اور لفظ مشرب اس کی صفت ہے اشرب سے ہے باب افعال ہے وهو بصيغة المفعول من الافعال (جمع ص ۳۱) (مشرب باب افعال سے صیغہ اسم مفعول ہے) اور جب باب افعال سے آتا ہے تو اس کے معنی ایک رنگ کا دوسرے رنگ کے ساتھ اختلاط کے ہوتے ہیں والاشرب خلط لون بلون (جمع ص ۳۱) (اشرب کا معنی ایک رنگ کا

’دوسرے سے مخلوط ہونا‘ مشرب بمعنی مزوج کے ہے، قرآن میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے  
 وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ (۲: ۹۳) اور ان کے دلوں میں اس پچھڑے کی محبت پیوست ہو گئی تھی)  
 ایضاً ’مشرب‘ کا معنی یہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ مبارک سرخی آمیز تھا گویا سفیدی  
 میں سرخی ملی ہوئی تھی جیسے گلاب کے پھول کا رنگ ہوتا ہے۔ فالبياض المثلث ماخالطه حمرة  
 والمنفى ما لا يخالطها و هو الذي تكرهه العرب (مناوی ص ۳۱) (جوسفیدی آنحضرت ﷺ کے  
 لئے ثابت ہے اس سے مراد وہ ہے جس میں سرخی ملی ہوئی ہو اور جس سفیدی کی آپؐ سے نفی ہے یہ  
 وہ ہے جس میں سرخی کی آمیزش نہ ہو اور ایسے ہی رنگ کو عرب ناپسند کرتے ہیں)۔

### ادعج العينين :

ادعج العينين .... ادعج کا مصدر دَعَج ”ہے بمعنی نہایت سیاہ، خوب کالا ہونا کشادگی کے  
 ساتھ ہو سواد العين مع سعتها (قاموس) (آنکھوں کی کشادہ اور خوب سیاہ ہونا) سمع کے باب  
 سے آنکھوں میں جو حصہ سفید ہے اس کی سفیدی تیز ہو اور جو سیاہ ہے اس کی سیاہی تیز ہو اس سیاہی  
 کے تیز ہونے کو دَعَج ”کہتے ہیں جیسا کہ مناوی میں ہے وقيل شلقة يياض الياض وسواد  
 السواد (مناوی ص ۳۱)

### اهدب الاشفار :

اهدب الاشفار .... خوبصورت لمبے لمبے ابرو۔ سمع کے باب سے ہے اس کی جمع  
 هَذَبُ بروزن فُعْلُ آتی ہے یعنی پلکوں کا دراز اور خمیدہ ہونا۔ اشفار، شفر کی جمع ہے جس کا معنی پلک  
 ہے یہ پلک کا معنی لینا مجاز اُپے کیونکہ اس کا لغوی معنی منبت الشعر (بال اُگنے کی جگہ) ہے اور ظاہر ہے  
 پلکوں کی پیدائش کی جگہ کی درازی کوئی وصف محمود نہیں ہے لہذا مجازاً ذکر محل کا ہے اور ارادہ حال کا ہے  
 یا مضاف حذف ہے ای اهدب شعر الاشفار (مواعظ ص ۱۸) پلکوں کے بال بڑے ہوں تو جمال بھی  
 ہے اور حسن بھی اور یہ قوت پر بھی دلالت کرتے ہیں والحاصل ان الاهدب هو الذي شعرا جفانه

کثیر مستطیل (جمع ص ۳۲) (یعنی اھدب اس کو کہتے ہیں جس کے پلکوں کے بال بڑے اور زیادہ ہوں) شب و روز کا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگوں کی پلکیں لمبی ہوتی ہیں جنہیں بعض اوقات کاٹنا پڑتا ہے بعض کی پلکیں چھوٹی ہوتی ہیں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ کسی مرض یا عارضہ کی وجہ سے ان کی پلکیں جھڑتی رہتی ہیں مگر حضور ﷺ کی پلکوں میں ایسا کوئی نقص نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ کے پلکوں کے بال اعتدال کے ساتھ لمبے تھے۔

### جلیل المشاش :

جلیل المشاش .... جلیل قوی اور مضبوط کو کہتے ہیں جلالت کا معنی لغت اور ادب کی کتابوں میں موٹے کو بان والا اونٹ اور اونٹنی کے ہیں یہاں موٹائی اور بلندی مراد ہے۔ جلالت کا معنی موٹائی، جلالتہ القدر کا معنی مجازاً بلند قدر کے ہیں۔ اسم جنس ہے مثل کرا دیس کے ہے وقیل رؤس العظام اللینیة یعنی نرم نرم ہڈیوں کے سر کو مشاش کہتے ہیں جمع مشاشۃ وہی رؤس العظام (مواہب ص ۱۸) ہڈیوں کے کنارے ہڈیوں کے جوڑوں کی ملنے والی ہڈیاں یعنی آپ کے ہڈیوں کے کنارے جلیل المشاش یعنی مضبوط تھے۔ ای عظیم رؤس العظام کالمرفقین والکفین والرکتین (جمع ص ۳۲) (یعنی ہڈیوں کے جوڑ (جیسے کہنیاں کندھے اور گھٹنے) مضبوط تھے)

الکتد دونوں شانوں کے درمیان کی جگہ انہ مجمع الکتفین (مواہب ص ۱۸) اس کی جمع اکتاد اور کتود ہے وهو يدل على غاية القوة وفخامة الشجاعة (جمع ص ۳۲) (اور وہ انتہائی قوت اور بہادری پر دلالت کرتا ہے) اجرد ای هو اجرد (جمع ص ۳۲) (یعنی لفظ اجرد مبتداء مخذوف ہو کی خبر ہے) یعنی بغیر بالوں کے بن بال، آپ کا جسم مبارک تقریباً بالوں سے خالی تھا یعنی جسم مبارک پر زیادہ بال نہیں تھے۔ شیخ ابراہیم البیجوری فرماتے ہیں اجرد ای غیر اشعر لکن هذا باعتبار اغلب المواضع لوجود الشعر فی مواضع من بدنہ (مواہب ص ۱۹) (اجرد کے معنی بالوں سے خالی تاہم یہ آپ کے بدن مبارک کے اکثر حصہ کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ آپ کے بدن کے کچھ حصوں پر بال بھی پائے جاتے تھے) وفى القاموس ان الاجرد اذا جعل وصفاً للفرس كان بمعنى

صغر شعره واما اذا جعل وصفاً للرجل فمعناه انه لا شعر عليه (جمع ص ۳۲) ("قاموس" میں ہے کہ اجرد جب گھوڑے کی صفت ہو تو بالوں کے چھوٹا اور کوتاہ ہونے کے معنی میں ہوتا ہے اور جب یہ انسان کی صفت واقع ہو تو اس کا معنی بالوں سے خالی ہوتا ہے) وقیل اجرد ای لیس فیہ غل ولا غش فهو علی اصل الفطرة (جمع ص ۳۲) (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجرد سے مراد یہ ہے کہ جس میں کوئی آمیزش، خیانت اور ملاوٹ نہ ہو اور وہ اپنے اصلی فطرت پر ہو) اور بعض حضرات نے کہا اجرد من كثافة البدن والروح کہ آپ "بدن اور روح کے میل یکجہل سے پاک تھے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ صوفیانہ معنی ہے اور اس پر تعریض کر گئے اور کہا کہ معنی تو عمدہ ہے لیکن اعضاء اور خلق کے بیان سے نکل جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے خود یہ توجیہ کی کہ اجرد مقابل اشعر کے ہے کہ آپ اشعر نہ تھے اشعر کا معنی ہے جس کے تمام بدن پر بال ہوں اجرد کا معنی اکثر بدن بالوں سے خالی تھا تو یہ معنی متعارف ہوئے لغوی نہ ہوئے لیکن عمدہ ہیں۔

ذو مسربة اور شن الکفین کا معنی اس سے قبل حدیث میں گزر چکا ہے۔

### تقلع کا معنی:

اذا مشی تقلع... تقلع کا معنی اکھڑنا اور مضبوط قدم لینا ای مشی بقوة (مواہب ص ۱۸)

(آپؐ قوت اور وقار سے چلا کرتے) وہی مشی اهل الجلادة والهمة لامن یمشی اختیال (مواہب ص ۱۸) (یہ مضبوط اور باہمت لوگوں کی چال ہوتی ہے، نہ کہ ان لوگوں کی رفتار جو اترا کر چلتے ہیں)۔ کانما ینحط فی صیب۔ کانما محل نصب میں صفت ہے مفعول مطلق محذوف کی۔ یعنی تقلع تقلعاً کانما انح اور یہ تقلع کے معنی کی تاکید ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی کہ آپؐ کی رفتار مبارک میں قدم اٹھا کر چلنا، جھک کر اور تیز رفتاری سے چلنا تینوں صفات پائی جاتی تھیں اور یہی معنی نکفا کا ہے فالقلع قریب من التکفی (جمع ص ۳۲) (توقلح اور تکلف کا معنی قریب قریب ہوا) فی صیب بمعنی من صیب کے ہے اور صیب بلند زمین کو کہتے ہیں چونکہ بلندی اور پستی امور اعتبار یہ میں سے ہیں اسلئے اگر فی کو اپنے معنی پر رکھا جائے تو بھی صحیح ہے۔



واذا التفت التفت معاً ای بجمیع اجزائه فكان اذا توجه الى شئ توجه بكلیته ولا یخالف  
 بعض جسده بعضاً کیلا یخالف بلنه قلبه وقصده مقصده فی ذلك من التلون وامارة الخفة وعدم  
 التصون (مناوی ص ۳۲) مراد یہ ہے کہ حضور اقدسؐ جس طرف بھی توجہ فرماتے تو وہ توجہ تام ہوتی اور مکمل  
 طور پر اس طرف متوجہ ہو جاتے تاکہ جسم و قلب اور قصد و مقصد میں مخالفت نہ ہو۔ یعنی جب کسی کی بات  
 سنتے یا کسی معاملہ کو نمٹاتے یا نمٹانے کا معاملہ فرماتے تو اس میں لاپرواہی کا اظہار نہ کرتے جیسا کہ عام  
 متکبر لوگ کرتے ہیں بلکہ تلون مزاجی اور اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھنے کی علامت ہوا کرتی و حاصلہ انہ اذا  
 توجه الى انسان للتکلم او غیره یلغى اليه بجمیعه ولا یتوجه اليه بلی العنق لانه فعل المختالین  
 (جمع ص ۳۲) (اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب آپؐ کسی کی طرف کلام وغیرہ کے لئے متوجہ ہوتے  
 تو پورے بدن اور پوری توجہ سے اس کی طرف التفات کرتے متکبرین کی طرح صرف گردن موڑ کر  
 ملتفت نہ ہوتے)

## خاتم النبوة :

بین کتفیه خاتم النبوة وهو خاتم النبیین ... یعنی حضور اقدس ﷺ کے دونوں  
 کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپؐ سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے تھے اس موضوع پر تفصیلی  
 بحث آئندہ باب میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں اجمالاً عرض ہے کہ بین الکتفین لغوی اعتبار  
 سے سینے کو بھی کہتے ہیں اور پشت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر محاورہ میں پشت کے حصے کو کہتے ہیں  
 لفظ نبوةؑ نبا سے ماخوذ ہے کہا جاتا ہے نبا السیف ای اذا ارتفع (عرب کے مقولہ میں نبا السیف  
 اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ وہ اپنی تلوار کو (دشمن کے مقابلہ میں) بلند کرے) اور نبوت میں نبی کو بھی  
 مخلوق سے بلند مختار اور برگزیدہ بنا لیا جاتا ہے یا نبا بمعنی بھاری خبر دینے سے ماخوذ ہے اور نبی بھی  
 بھاری خبریں دیتا ہے۔

## لفظ خاتم کی بحث:

لفظ خاتم کو تین طرح سے پڑھا جاسکتا ہے (۱) خیاتم (۲) خاتام (۳) خاتیم اس کی جمع

خواتیم اور خیاتیم آتی ہے یہ خاتم ایک گوشت کا ٹکڑا تھا جو باقی بدن سے مرتفع دونوں کندھوں کے درمیان تھا اور کبوتر جیسے پرندہ کے انڈہ کے بقدر تھا جیسے علامہ بیجوریؒ بھی نقل کرتے ہیں ای قطعۃ لحم کانت بارزۃ بین کتفیه بقلر بیضة الحمامۃ او غیرھا (مواہب ص ۱۹) جو آپؐ کی نبوت اور صداقت کی علامت تھا اور یہی علامت کتب سابقہ میں مذکور تھی وکان فی الکتب القدیمۃ منعوتاً بہذا الاثر فهو علامة علی نبوتہ (مواہب ص ۱۹) (اور کتب سابقہ ساوی میں بھی اسی علامت سے موصوف تھے تو گویا یہی آپ ﷺ کی نبوت کی علامت ہوئی) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ فرشتوں کے مقابلہ میں شیاطین ہیں، انبیاء کے مقابلہ میں دجالہ ہیں جیسے حضور خاتم النبیین ﷺ پر ایک خاتم یا مہر ختم نبوت تھی، اسی طرح جو خاتم الدجالہ ہوگا اس پر بھی ایک خاتم یا مہر لگی ہوگی جیسے کہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ اس کی پیشانی پر ک۔ف۔ر لکھا ہوگا (مشکوٰۃ ص ۴۷۳) وهو خاتم النبیین ای آخرهم فلا نبی بعده مبتدا نبوتہ فلا یرد عیسیٰ علیہ السلام لان نبوتہ سابقۃ لامبتدأ بعد نبینا ﷺ (مواہب ص ۱۹) (اور آپؐ خاتم النبیین ہیں سب سے آخر میں مبعوث ہوئے لہذا آپؐ کے بعد از سر نو کوئی نبی نہیں آئے گا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ورود سے اشکال نہ کیا جائے کیونکہ وہ سابقہ نبوت کی بنیاد پر تشریف لائیں گے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد وہ نئی نبوت کے ساتھ نہیں آئیں گے)۔

## اجود الناس صدراً :

اجود الناس صدراً ... حضور اقدس ﷺ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپؐ سینہ کے اعتبار سے تمام لوگوں میں سے زیادہ فیاض تھے آپؐ کے ہاں مال کی کثرت اور اعطاء مال سب سے زیادہ کا ثبوت نہ بھی ہو تب بھی قلب مبارک سب سے زیادہ سخی تھا کہ جو کچھ بھی میسر ہوتا خندہ پیشانی سے عطا فرماتے تھے اور یہ بھی آپؐ ہی کی خاصیت تھی ورنہ عموماً سخی لوگ بھی تنگ ہونے لگتے ہیں اور ہمیشہ خوش دل اور خوش رو ہونا مشکل ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ کے سینہ مبارک کو اجود کہا گیا اس لئے کہ سخاوت انشراح صدر سے ہوتی ہے

اور سینہ قلب کا محل ہے اور دراصل سخاوت قلب کی صفت ہے فیکون من تسمية شئ باسم محله او معجوره (جمع ص ۳۳) (تو اجود الناس صلواً میں ایک چیز کا نام اس کے محل اور مجاور کے نام سے مسمی کرنا ہے یعنی ذکر سینے کا ہے اور مراد قلب ہے) گویا اجود الناس قلباً کا معنی یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا دل مبارک اجود القلوب (سب دلوں سے زیادہ نخی) تھا والمراد ان جوده كان عن طيب قلب وشرح صدر وسجية طبع لاعن تكلف وتكلف (جمع ص ۳۳) (مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی سخاوت دل کی پاکیزگی، سینہ کی کشادگی اور طبعی عادت کی وجہ سے تھی، تکلف اور بناوٹ کی وجہ سے نہیں تھی)

(۲) او سعمهم قلباً یعنی آپؐ کشادہ دل والے تھے جیسا کہ ایک روایت میں اس کی تصریح بھی آئی ہے کان اجود الناس كفاً وارحب الناس صلواً والرحب بمعنى السعة (جمع ص ۳۳) (لوگوں میں سب سے زیادہ جود و سخا و الے اور کشادہ سینے والے تھے۔ رحب کے معنی کشادگی ہے)۔

(۳) تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ الجودة (بفتح الجیم) سے ماخوذ ہے اور جاد کا مصدر ہے اذا صار جيداً ای احسنهم قلباً بسلامته من كل رذيلة من بخل وغش وغيرهما (جمع ص ۳۳) (یعنی آپؐ کا قلب مبارک ہر قسم کے رذائل، بخل، دھوکہ وغیرہ سے سالم اور پاک تھا)

## اصدق الناس لهجة :

اصدق الناس لهجة .... یعنی حضور اقدس ﷺ طرز گفتگو کے لحاظ سے سب سے زیادہ سچے تھے آپؐ کے منہ مبارک سے کبھی بھی جھوٹی بات نہیں نکلتی تھی۔ لهجة (بفتح الہاء و سکونھا) اگر بال سکون ہو تو معنی زبان ہے اور اگر بالفتح ہو تو معنی تحریک لسان کا ہوتا ہے ای لساناً علی ما فی المہذب او تحریکہ علی ما فی الفائق (جمع ص ۳۳) (یعنی لهجة کا معنی زبان ہے جیسے کہ ”مہذب“ میں ہے یا زبان کی تحریک مراد ہے جیسے کہ ”فائق“ میں ہے۔ سمع کے باب سے ہے لهجت الريح یعنی ہوا آہستہ آہستہ چلی جس میں تحریک کا معنی مضمرب ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ لهجة دراصل مطلق آواز کے نکالنے کو کہتے ہیں یہاں مراد کلام ہے مگر صراحة کلام کا لفظ اس لئے

نہیں لایا گیا کہ آپؐ کے کلام میں صدق و سچائی کی تعیم مقصود ہے جس پر لفظ لہجۃ دلالت کرتا ہے جو لفظ کلام سے عام ہے بل بمعنی الکلام لانہ ہوا الذی یتصف بالصدق (مواہب ص ۱۹) (علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ لہجہ کا معنی اگر چغت میں زبان ہے لیکن اس سے یہی عضو مراد نہیں) بلکہ بمعنی کلام کے ہے اس لئے کہ کلام ہی سچائی سے موصوف ہو سکتا ہے (کلام میں صدق و سچائی حضور اقدسؐ کے تمام اوصافِ جلیلہ کی طرح ایک امتیازی وصف ہے جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف تھا حتیٰ کہ عام دنیوی معاملات میں بھی کسی کو آپؐ پر کذب کی تہمت کی جرأت نہیں ہوئی چنانچہ جب عقبہ بن ابی لہب کو حضور اقدس ﷺ نے بد عادی کہ تجھ پر اللہ پاک کوئی کتنا مسلط کرے گا تو وہ سفر میں نہیں جایا کرتا تھا اسے یقین تھا کہ حضرت محمد ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ زبان صدق و صفا ہے جو فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا پھر ہوا بھی ویسے جیسے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا۔ بالآخر ایک مرتبہ جنگل میں ایک سفر میں نکلا تو شیر نے اسے اچک لیا اور اٹھا کر لے بھاگا تو اس نے کہا تھا کہ میں نے محمد ﷺ سے اصدق لہجۃ (زیادہ راست گو) کوئی نہیں دیکھا۔ ایک توجیہ یہ بھی کی گئی کہ حضور اقدس ﷺ اداے کلام اور اداے مخارج میں صحیح اور موزوں تر لہجہ رکھتے تھے۔

فیتکلم بمخارج الحروف کما ینبغی بحیث لا یقدر علیہ احد (جمع ص ۳۲)  
(حروف کے مخارج کے مطابق کلام فرماتے، اس طور پر کہ کوئی دوسرا شخص اس جیسے کلام کے کرنے پر قادر نہیں ہوتا) آپؐ کی طرح پاکیزہ اور مناسب لہجہ کسی بھی دوسرے کا نہ تھا اسلئے مخلوق میں آپؐ افصح تھے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی تصریح بھی ہے۔ انا افصح العرب وان اهل الجنة یتکلمون بلغة محمد ﷺ میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اور اہل جنت محمد ﷺ کی زبان (عربی) میں باتیں کریں گے۔

### وضع المظهر موقع المضمرة :

اصدق الناس لہجۃ پر ایک شبہ یہ کیا گیا ہے کہ جب اس سے قبل اجود الناس صدر گذر چکا ہے تو اب ضمیر کا موقع تھا اصدقہم کہا جاتا اس ظاہر کی ضرورت نہیں تھی لیکن یہاں (ضمیر کی

جگہ پر اسم ظاہر ذکر) کیا گیا ہے۔ نیز اس کے بعد کے جملہ میں بھی ضمیر لائی گئی ہے الینہم اریہاں اسم ظاہر لانا تھا تو بعد والے جملے میں بھی اسم ظاہر لانا چاہئے تھا اور الین الناس کہا جاتا۔

شراحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ دراصل آپؐ کو لوگوں پر ترجیح دینے میں مبالغہ مقصود ہے اسلئے تاکید، الناس، کو صراحتہ ذکر کیا گیا اور جب اس جملہ میں ایک مرتبہ تاکید ہوگئی تو پھر الینہم میں تاکید کی ضرورت باقی نہیں رہی اسلئے حسب قاعدہ بعد والے جملے میں ضمیر لائی گئی۔

شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں السکنة هي زيادة الصمك كما في قل هو الله احد الله الصمد حيث لم يقل هو الصمد وبالحق انزلناه وبالحق نزل ما قال وبه نزل (مناوی ص ۳۳) یعنی اس میں تاکید کی زیادتی کا نکتہ ہے جیسا کہ ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ“ میں ہے، کہ یہاں پر (ضمیر کو ذکر نہیں کیا اور ”هُوَ الصَّمَدُ“ نہیں کہا) بلکہ اللَّهُ الصَّمَدُ کہا اسی طرح (وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ) فرمایا اور بہ نزل نہیں فرمایا۔

## الینہم عریکہ :

الینہم عریکہ ... یعنی حضور اقدس ﷺ نہایت ہی نرم طبیعت کے مالک تھے۔ الین اسم تفضیل ہے افعل من اللین ضد الصلابة (مناوی ص ۳۳) (یعنی الین مادہ لین سے اسم تفضیل ہے اور صلابة (ختی) کا ضد ہے) اس کا مصدر لین و لیان آتا ہے جس کا معنی نرمی ہے عریکہ بروزن فعيلة بمعنی اسم مفعول معروکہ کے ہے عریکہ کا معنی مزاج و طبیعت ہے والعریکہ الطیعة (مناوی ص ۲۸) معروکہ کا معنی رگڑی ہوئی چیز، مصدری معنی ”رگڑ“ کے ہوتے ہیں مراد مزاج اور طبیعت کے ہیں جو مختلف حالات و اطوار اور مراحل سے گزر کر رگڑ جاتی ہے تو معنی یہی ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کی طبیعت نرم تھی کسی پر ناراضگی اور انتقام کا خیال نہیں فرماتے تھے تاہم یہ ملحوظ رہے کہ ناحق فعل پر کسی کی رعایت کرنا یہ لین (نرمی) مطلوب نہیں ہے بلکہ مدابنت اور شرعاً گناہ ہے ومعنی لیسنا انقیادھا للخلق فی الحق فکان معهم علی غایة من التواضع والمسامحة والحلم مالم تستھک حرمان اللہ تعالیٰ (مواہب ص ۱۹) یعنی ”لین“ کا معنی یہ ہے کہ وہ حق کے معاملے میں

مخلوق کے موافق ہو، تو گویا وہ انتہائی تواضع اور صبر و برداشت سے ان کا ساتھ دیتا ہے، جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب نہ ہوں) جب کسی شخص سے ایسا فعل سرزد ہو جائے جو موجب اعراض و انکار ہو یا مستوجب سزا ہو یعنی شریعت کے خلاف ہو تو اس پر مواخذہ و تکلیف شرعاً مطلوب ہے البتہ ایسی حرکت جو موجب تکلیف، خلاف طبیعت اور باعث تکدر تو ہو مگر اس سے امور شرعیہ کا ترک نہ ہوتا ہو وہاں رعایت کرنے کو لین کہتے ہیں یہی لین حضور اقدس ﷺ کی فطرت تھی فَمَا رَحْمَةً مِنَ اللَّهِ لَئِنْ لَهُمْ (۱۵۹:۳) (سواللہ ہی کی رحمت ہے جو تو ان کو نرم دل مل گیا)۔

### خاندانی تفوق و امتیاز:

راکرمہم عشیرۃ --- حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نبی اور خاندانی حیثیت سے بھی سب سے زیادہ کرم، باعزت اور بزرگ تھے۔ لفظ عشیرۃ، 'عشر' سے ماخوذ ہے اور عشر جماعت ہے اسی سے قبیلہ کو بھی عشیرۃ کہا جاتا ہے بعض نسخوں میں عَشْرۃ کا لفظ نقل کیا گیا ہے جو معاشرہ کے معنی سے ماخوذ ہے معنی ہوگا مجالست اور صحبت و اجتماعی زندگی اور میل جول میں رعایت کرنا۔ علامہ مزاویؒ عَشْرۃ (بکسر عین) کا یہی معنی نقل کرتے ہیں بالكسر اسم من المعاشرة وہی المخالطة (مزاوی ص ۲۸)؛ اعلیٰ قارئی فرماتے ہیں وکلا المعین صادق فی حقہ ﷺ لان قبیلته اشرف القبائل ومخالطته اکرم من جمیع مخالطة الناس (جمع ص ۳۳) (اور دونوں معانی آپؐ پر صادق آتے ہیں اس لئے کہ قبیلوں میں آپؐ کا قبیلہ سب سے زیادہ معزز تھا اور لوگوں کے ساتھ آپؐ کا میل جول بھی انوکھا تھا)۔

علامہ ابن قیمؒ زاد المعاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ عباد (بندوں) سے اللہ تعالیٰ کا تعلق دو طرح کا ہے (۱) خلق کا (۲) اختیار کا۔ دوسرے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ خلق کے بعد اس میں سے کوئی چیز اللہ نے اپنے لئے پسند اور منتخب فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے اولاد اسمعیل یعنی عرب کو پھر عربوں میں سے بنی کنانہ (یعنی خزیمہ) کو پھر اولاد کنانہ سے قریش کو پھر قریش میں سے بنو ہاشم کے خاندان کو پھر بنو ہاشم سے سردار دو عالم محمد ﷺ کو منتخب فرمایا۔ علامہ ابن قیمؒ کے الفاظ یہ ہیں ومن هذا

اختیارہ سبحانہ ولد اسمعیل من اجناس بنی آدم ثم اختار منهم بنی کنانہ من خزیمہ ثم اختار من ولد کنانہ قریشا ثم اختار من قریش بنی ہاشم ثم اختار من بنی ہاشم سید ولد آدم محمد ا صلی اللہ علیہ وسلم ( زاد المعاد ص ۱۹ ج ۱ )

باقی رہا یہ سوال کہ عرب تو بعثت سے قبل تباہ حال تھے عاصی طاعی نافرمان اور گندے حالات میں تھے۔ غلام فرماتے ہیں کہ ان کی بربادیاں اور تباہیاں ان کے اعمال کی وجہ سے تھیں اور اعمال عموماً مجالس کے تابع ہوتے ہیں ان القرین بالقرین مقتدی ( کہ ایک مصاحب (ساتھی) اپنے مصاحب کا پیرو کار ہوتا ہے ) لیکن صلاحیتیں استعداد ملکات اور اخلاق فطری ہوتے ہیں عرب ان فطری خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ممتاز اور منتخب تھے عربوں پر اوپر کی دونوں باتیں صادق آتی ہیں وہ وہی ملکات قدرت صلاحتوں اور نداد استعداد اور فطری اخلاق کی وجہ سے اشرف ممتاز اور مکرم تھے۔ لیکن بد عملی معصیت و بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے عظمت و رفعت کے مقام ممتاز سے گر گئے تھے۔ جب نور ہدایت آیا اور ان کے قلوب نور علم سے منور ہوئے اور ان کے ملکات سے تاریکی کے پردے اٹھ گئے تو ان کے حقیقی اور باطنی فضائل ظاہر ہوئے اور ان کو اقوام عالم میں امتیازی مقام نصیب ہوا۔

### رعب بھی اور محبوبیت بھی:

من رآہ بديهة هابه ومن خالطه معزة احبه.. حضرت علیؑ فرماتے ہیں جو حضور اقدس ﷺ کو اچانک دیکھ لیتا ہے وہ ہبہ یعنی اس پر رعب اور ہیبت طاری ہو جاتی تھی لمافیہ من صفة الجلال وعلیہ الہیۃ الالہیۃ والفیوض السماویۃ (مناوی ص ۳۴) یعنی صفت جلال کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا آپؐ پر ہیبت الہی طاری رہتی اور آسمانی فیوض کا نزول ہوتا۔

یہ ہیبت اور رعب یا خوف حضور اقدس ﷺ کے تقویٰ پر ہیز گاری اور خوف خدا کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرتے ہیں تو جبرائیل سے فرماتے ہیں کہ تو بھی اس کے ساتھ محبت کرا۔ ان اللہ اذا احب عبدا دعا جبرائیل فقال انی احب فلانا فاحبہ الحدیث ( مشکوٰۃ ص ۴۲۵ ) ( بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب بناتے ہیں تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر

فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب بنا لے ( البتہ ایسے لوگ جن کی ہیبت یا عظمت کسی عہدہ دنیا یا حکمرانی اور ظلم و جبر کی وجہ سے ہو، عظمت و احترام احکام الہی کی وجہ سے نہ ہو تو وہ ہیبت نہیں بلکہ خوف اور دہشت ہے اس کی پہچان بھی آسان ہے وہ یوں کہ جس شخص سے پہلے پہل علماء اور صلحاء محبت کریں تو وہ من جانب اللہ ہے اور اگر اس سے محبت میں عوام کالا نعام (جو چوپائیوں کی مانند ہیں) پہل کریں تو یہ محبت من جانب اللہ (اللہ کی طرف) نہیں ہوگی

قال ابن القيم والفرق بين المهابة والكبر ان المهابة اثر من آثار امتلاء القلب بعظمة الرب ومحبة واجلاله فاذا امتلأ القلب بذلك حل فيه النور ونزلت عليه السكينة والبس رداء الهيبة فكلامه نور وعلمه نور ان سكت علاه الوقار وان نطق اخذ بالقلوب والابصار واما الكبر فانه اثر من آثار امتلاء القلب بالجهل والظلم والعجب فاذا امتلأ القلب بذلك تر حلت عنه العبودية وتنزلت عليه الظلمات الغضبية فمشيته بينهم تبخر ومعاملته لهم تكبر لا يبدأ من لقيه بالسلام وان رد عليه يريه انه بالغ في الانعام لا ينطق لهم وجهه ولا يسمعهم خلقه (مواهب ص ۱۹)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہیبت الہی اور کبر کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہیبت، دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت و بڑائی کے اثر سے پیدا ہوتی ہے اور جب دل کے اندر مذکورہ صفات آجائیں تو اس میں ایک خاص نور آجاتا ہے اور اس پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور وہ ہیبت کے لباس سے مزین ہو جاتا ہے پس اس کا کلام بھی پُر نور ہوتا ہے اور علم بھی پُر نور ہوتا ہے اگر وہ خاموش رہے تو اس کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے اور اگر وہ بولنے لگے تو دلوں اور نگاہوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور کبر کی پہچان یہ ہے کہ یہ عجب، تاریکی اور جہالت کے اثر سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جب دل کبر سے بھر جاتا ہے تو اس سے بندگی رخصت ہو جاتی ہے اور اس پر غضب کی تاریکی چھا جاتی ہے پس وہ لوگوں کے درمیان اکڑ کر چلتا ہے اور ان کے ساتھ تکبر کا معاملہ کرتا ہے، اپنے ملنے والوں پر سلام کرنے میں پہل نہیں کرتا اور اگر لوگوں کو سلام کا جواب دیتا ہے تو گویا ان پر ایک بڑا انعام کرتا ہے، لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش نہیں آتا۔ بدہ، بدہاۃ اور بدیہۃ کا معنی اچانک، کے آتے ہیں۔ رویدہ بدہاۃ (یعنی مضاف رؤیۃ محذوف ہے) تھی مضاف الیہ کو قائم مقام مضاف کے کیا گیا ہے۔



الامرای فاجا یعنی اچانک امر کا واقع ہونا اور مَنْ شرطیہ ہے جبکہ ہا سبہ جزاء ہے شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ای رویۃ بدیہۃ فہو مفعول مطلق یعنی فجآۃ من غیر سابقۃ مخالطۃ ومعرفۃ احوالہ او قبل النظر فی اخلاقہ العالیۃ و احوالہ السنیۃ (مناوی ص ۲۴) یعنی تقدیر عبارت یوں ہے رویۃ بدیہۃ پس یہ راۓ کا مفعول مطلق ہے مراد اچانک دیکھنا بغیر کسی سابقہ اختلاط و ملاقات اور حالات کے پہچان کے۔ یا آپؐ کے بلند اخلاق اور روشن حالات میں غور کرنے سے پہلے دیکھنا۔ ومن خالطہ جس نے آپؐ سے کثرت مجالست کی، قریب آیا تو وہ ہمیشہ آپؐ کے لئے بے تاب رہا، دل و جان سے فدا ہوا اور اسی مجلس و صحبت کو حاصل زینت قرار دیا یہی معنی ہے احبہ کا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں لکمال حسن معاشرۃ وبہر عظیم مؤلفۃ حباً شدیداً حتی صار عندہ احب الیہ من والدیہ و ولدہ والناس اجمعین (جمع ص ۳۴) یعنی آپؐ کی مثالی حسن معاشرت اور بے مثال الفت کی وجہ سے لوگ آپؐ کے گرویدہ ہو جاتے یہاں تک کہ آپؐ ان کو اپنے والدین، اولاد اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاتے۔ یقول ناعثہ ای واصفہ اجمالاً عجراً عن بیان جمالہ و کمالہ تفصیلاً (جمع ص ۳۴) (آپؐ کے جمال و کمال کو تفصیل سے بیان کرنے سے عاجز انسان اجمالاً آپؐ کی صفت یوں بیان کرتا تھا) شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں النعت الوصف بالجمیل والوصف اعم والمعنی من اراد ان یصفہ وصفاً تاماً بالغاً فیعجز عن وصفہ یقول الخ (مناوی ص ۳۴) (کہ لغت کا معنی کسی کو جمیل اور خوبصورت وصف سے بیان کرنا اور وصف عام ہے۔ یعنی نعت اور وصف میں عموم خصوص مطلق ہے اور معنی یہ ہوا کہ جو شخص آپ ﷺ کے انتہائی اوصاف تامہ کا تذکرہ کرے گا تو وہ اوصاف کاملہ بیان کرنے سے عاجز ہو کر کہے گا لم اقبلہ الخ) لم اقبلہ الخ ای لم اقبلہ ولا بعدہ من یساویہ صورۃ وسیرۃ وخلقاً وخلقاً (مواہب ص ۲۰) یعنی (آپؐ کی صفت بیان کرنے والا کہتا کہ) میں نے آپؐ کو بھیسی شخصیت نہ آپؐ سے پہلے دیکھی ہے نہ آپؐ کے بعد جو صورت، سیرت، اخلاق اور خلقت میں آپؐ کی ہم پلہ ہو۔ یہ چند حوالے اضافی اور طلباء حدیث کے افادہ کے لئے لکھ دیئے ہیں۔

حدیث کے اس حصہ کی بحث اس سے قبل کی روایت میں تفصیل سے آچکی ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى رَحِمَهُ اللَّهُ سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ الْحُسَيْنِ يَقُولُ سَمِعْتُ  
الْأَصَمْعِيَّ يَقُولُ فِي تَفْسِيرِ صِفَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَمْعُطُ الذَّاهِبُ طُولًا وَقَالَ  
سَمِعْتُ أَغْرَابِيًّا يَقُولُ فِي كَلَامِهِ تَمْعُطُ فِي نُشَابَتِهِ أَيْ مَلَهَا مَدًّا شَدِيدًا وَالْمُتَرَدِّدُ الدَّاحِلُ بَعْضُهُ  
فِي بَعْضٍ قِصْرًا وَأَمَّا الْقَطِطُ فَالشَّدِيدُ

الْجَعْفُورَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِي فِي شَعْرِهِ حُجُونَةٌ أَيْ تَشْتِ قَلِيلًا وَأَمَّا الْمُطَهَّمُ فَالْبَادِنُ الْكَثِيرُ اللَّحْمِ  
وَالْمُكَلَّثَمُ الْمُدَوَّرُ الْوَجْهِ وَالْمُشْرَبُ الَّذِي فِي بَيَاضِهِ حُمْرَةٌ وَالْأَدْعَجُ الشَّدِيدُ سَوَادِ الْعَيْنِ  
وَالْأَهْدَبُ الطَّوِيلُ الْأَشْفَارِ وَالْكَتِدُ مُجْتَمِعُ الْكَفَيْنِ وَهُوَ الْكَاهِلُ وَالْمَسْرُوبَةُ هُوَ الشَّعْرُ الدَّقِيقُ  
الَّذِي كَانَتْ قُضِيبٌ مِّنَ الصَّنَدِ إِلَى السَّرَّةِ وَالشَّنُّ الْغَلِيظُ الْأَصَابِعِ مِّنَ الْكَفَيْنِ وَالْقَلَمَيْنِ وَالْقَلْعُ  
أَنْ يَمْشِيَ بِقُوَّةٍ وَالصَّبُّ الْحَلُورُ يَقُولُ انْحَلَرْنَا فِي صُبُوبٍ وَصَبَّ وَقُولُهُ جَلِيلُ الْمَشَاشِ  
يُرِيدُ زَوْسَ الْمَنَاقِبِ وَالْعِشْرَةُ الصُّحْبَةُ وَالْعَشِيرُ الصَّاحِبُ وَالْبِدَاهَةُ الْمَفَاجَأَةُ يُقَالُ بَدَهَتْهُ  
بِأَمْرِ أَيْ فُجِئَتْهُ .

ترجمہ: ابو عیسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر محمد بن حسین سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے امام اصمعی سے سنا جو کہ حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کی تشریح میں یوں فرماتے تھے الْمَمْعُطُ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ لمبا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی آدمی کو سنا جو اپنے کلام میں کہہ رہا تھا کہ اس نے اپنے تیر کو چلے پر چڑھا کر خوب کھینچا اور مُتَرَدِّد کا معنی یہ ہے کہ انسانی اعضاء کے بعض حصے بعض میں ملے ہوئے ہوں کوتاہ ہونے کی وجہ سے اور قَطِط سے مراد بالوں کا شدت کے ساتھ گھنگھریالہ ہونا اور رَجُل کا معنی معمولی گھنگھریالے ہونا ہے مُطَهَّم بھاری جسم والے آدمی پر بولا جاتا ہے اور مُكَلَّثَم گول چہرے والے آدمی کو کہتے ہیں مُشْرَب اس رنگ کو کہتے ہیں کہ سفیدی میں سرخی کی ملاوٹ ہو اور اَدْعَج بالکل سیاہ آنکھوں والے آدمی پر بولا جاتا ہے اور اَهْدَب لمبی پلکوں والے آدمی

کو کہتے ہیں اور کِنْدُ دُونوں کِنْدھوں کے اکھٹے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں اور اس کو گاہِلُ کا نام بھی دیا گیا ہے اور مَسْرُوبَةُ باریک بالوں کو کہتے ہیں، گویا ایک پتلی لکیر جو سینے سے لیکر ناف تک چلی جائے اور شُشْنُ سے مراد دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کا پُر گوشت ہونا ہے اور تَقْلَعُ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی قوت کے ساتھ چل رہا ہے اور صَبَبُ سے مراد پستی یا ڈھلوان ہے جیسے تو کہتا ہے کہ ہم چُلی جگہ میں اُتر گئے اور راوی کے جَلِيلُ الْمُشَاشِ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کِنْدھوں کے کنارے بڑے تھے اور عَشْرَةَ کا معنی رفاقت اور عَشِيرُ سے مراد ساتھی ہے بَدِيْهَةٌ سے مراد اچانک ملاقات ہے جیسے کہا جاتا ہے میں اس کے پاس کوئی معاملہ لیکر اچانک آیا۔

### قال ابو عیسیٰ:

قال ابو عیسیٰ... شارحین حدیث نے اس میں دو تو جہات بیان کی ہیں (۱) یہ خود مصنف کا کلام ہے اور وہ اسی کنیت سے مشہور ہیں (۲) اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تلامذہ کا کلام ہو۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں عبر عن نفسه بکینہ لاشتہارہ بها ویحتمل کونہ من کلام الرواة عنه (منلوی ص ۳۴) (امام ترمذیؒ چونکہ اسی کنیت سے مشہور تھے اس لئے نام کے بجائے اس کو ذکر کیا اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ آپؐ سے روایت کرنے والے کا کلام ہو)۔

اس روایت میں مشکل الفاظ آئے ہیں۔ امام ترمذی ان مشکل الفاظ کے معانی، توضیح اور تشریح کرنا چاہتے ہیں یہ معانی و توضیح بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ معروف ائمہ لغت کے حوالے سے نقل کر دی ہیں مشکل الفاظ کے معانی و توضیح کے علمی کام کا نام ”غریب اللغات“ ہے جو فن حدیث کا ایک شعبہ ہے۔

امام ابوالقاسم جارا اللہ زمخشریؒ نے الفائق الحدیث کے نام سے اس موضوع پر عمدہ کتاب لکھی ہے امام ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ کی کتاب ادب الکاتب بھی معروف اور متداول ہے۔

(۲۹) امام اصمعیؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## فی تفسیر صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم :

ابو جعفرؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام اصمعیؒ سے سنا یقول فی تفسیر صفة النبی ﷺ یعنی امام اصمعیؒ حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک سے متعلق احادیث کے مشکل الفاظ اور غریب لغات کی توضیح میں یوں کہتے تھے ای فی تفسیر ماورد من الفاظ فی صفة النبی ﷺ (یعنی ان مشکل الفاظ کی تفسیر جو حضور ﷺ کے صفت کے بارے میں وارد ہوئے ہیں) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ای فی شرح بعض اللغات الواقعة فی الخبر المروى (جمع ص ۳۵) (لیکن بعض ان لغات کی شرح میں جو حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کی خبر (حدیث) میں واقع ہیں) دراصل یہ ایک اعتراض کا جواب ہے کہ مصنف نے امام اصمعیؒ سے جس طرح کلام سنا اسی طرح نقل کر دیا جبکہ امام اصمعیؒ نے یہ تفصیل صرف حدیث زیر بحث کی تشریح و توضیح میں بیان نہیں کی بلکہ انہوں نے مطلقاً صفة النبی (نبی علیہ السلام کی صفت) میں واقع الفاظ حدیث کی تفسیر بیان کی ہے ولقد بہ علیہ المصنف بقوله فی تفسیر صفة النبی دون ان یقول فی تفسیر هذا الحديث (جمع ص ۳۵) یعنی مصنف نے ”فی تفسیر صفة النبی“ کہہ کر مذکورہ بات پر متنبہ کیا ہے یہ نہیں کہا کہ یہ تفصیل اسی حدیث کی تفسیر میں ہے الممّعط الذّاهب طولاً... ممّعط سے متعلق پچھل حدیث میں تحقیق گزر چکی ہے۔

شیخ ابراہیم الیچو ریؒ فرماتے ہیں واصل الممّعط من مغطت الجبل فانمّط ای مدتہ فامتد (مواہب ص ۲۰) (الممّعط یہ دراصل مغطت الجبل الخ سے ماخوذ ہے بمعنی میں نے رسی کو زور سے کھینچا تو پھر وہ لمبی ہو گئی) ممّعط ایسی انسانی قد و قامت جو زیادہ دراز ہو پہلی روایت میں لیس بالطویل البائن سے بھی واضح کر دیا گیا کہ آپؐ کا قدم مبارک نمایاں دراز نہیں تھا جو معیوب سمجھا جاتا ہے پچھلی روایت کے الفاظ یہ تھے لیس بالطویل الممّعط۔

حضور اقدس ﷺ کا قدم مبارک قد راعت ال کے ساتھ درازی کی طرف مائل تھا امام ذہبیؒ کی یہ روایت اس سے قبل بھی نقل کی جا چکی ہے کہ وهو اقرب الی الطول (کہ آپ ﷺ قد و قامت میں مائل بہ درازی تھے) امام اصمعیؒ اپنے بیان کردہ اس معنی پر دلیل پیش کرتے ہوئے بیان فرماتے

ہیں وقال سمعت اعرابياً الخ بعض حضرات نے یہاں قال کی ضمیر کا مرجع ابو جعفر اور بعض نے مصنف قرار دیا ہے یہ محض وہم اور صریح غلطی ہے بلکہ قال کی ضمیر فاعل کا مرجع اصمعیٰ ہیں۔

امام اصمعیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی کو سنا حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں عرب کے دیہاتی لوگوں کی زبان کو معیار سمجھا جاتا تھا شہری ماحول میں اغیار کی آمد اور اختلاط کی وجہ سے عربی زبان محفوظ نہیں تھی چونکہ دیہاتی لوگ اس اختلاط سے محفوظ تھے اسی وجہ سے ان کی عربی بھی خالص اور معیاری سمجھی جاتی تھی اس وجہ سے مکہ کے معززین بھی اپنی اولاد کو پیدائش کے بعد کچھ عرصہ کے لئے دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے دیہاتوں کی بہتر آب و ہوا اور اصل عربی کی حفاظت کا فائدہ حاصل کیا جاتا تھا خود حضور اقدس ﷺ نے بھی اپنی عمر کے ابتدائی چار سال دیار بنی بکر میں حضرت حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں گزارے بہر حال اصمعیٰ فرماتے ہیں کہ دیہاتی نے اپنے تیر کو چلے پر چڑھا کر خوب کھینچا اور کہا تمغط فی نشابته ای ملہا مداً شدیداً اشارة الى لزوم المد والامتداد للكلمة (جمع ص ۳۵) (اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس کلمہ کے ساتھ ”خوب کھینچنے“ کا معنی لازم ہے) نشابہ تیر کو کہتے ہیں۔ جو مکان کے چلے میں چڑھا کر زور سے کھینچ کر چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے نشانے پر پہنچ جائے امام ابوالقاسم القشیریؒ، نصر بن شمیل مازنیؒ، کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام مازنیؒ جو علم حدیث صرف اور نحو کے امام تھے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک تہہ بند خریدا۔ فوجلدتہ قصیراً مگر اسے چھوٹا پایا اور میرے لئے مکمل ستر کا کام نہیں دیتا تھا مگر خرید چکا تھا اب واپسی مناسب نہ تھی یا ممکن نہ تھی فسالت رتی ان یمغط لی ذرعاً پس میں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ وہ اس تہہ بند کو ایک ہاتھ کے برابر کھینچ دیں تاکہ یہ مجھے مکمل فائدہ دے سکے۔

چنانچہ رب العالمین نے میری دعا قبول فرمائی اور میرا تہہ بند از خود ایک ہاتھ کے برابر بڑھ گیا الفاظ پر غور کیا جائے تو امام مازنیؒ، کے اس کلام سے بھی تمغط کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔

## قامت معتدل:

والمتردد الداخل بعضه فی بعض قصراً .... متردد، رد سے ماخوذ ہے جس کے معنی

متعدی ہیں رد کرنا اور متردد اس کا لازم ہے یعنی (رد ہونا) مراد گٹھا ہوا، انسان کے جسم کے بعض اعضاء بعض میں گھسے ہوئے ہوں فلشدة قصرہ کان بعض اعضائه دخل فی بعض فیردد الناظر اھو صبی ام رجل (مواہب ص ۲۰) یعنی بہت زیادہ کوتاہ ہونے کی وجہ سے بعض اعضاء دوسرے بعض اعضاء میں گھسے ہوئے ہوں تو دیکھنے والے کو شک ہوتا ہے کہ یہ بچہ ہے یا بڑا آدمی؟ یہ حالت ٹھگنے آدمی کی ہوتی ہے جس کو حقیر سمجھا جاتا ہے حضور اقدس ﷺ کی قد مبارک کے بارے میں گذشتہ حدیث میں صریح الفاظ منقول ہیں کہ ولا بالقصیر المتردد کہ نہ ہی اس قدر پست قامت تھے کہ آپ کے اعضاء ایک دوسرے میں گھسے ہوئے ہوں بلکہ آپ کا قد مبارک اعتدال کے ساتھ لمبائی کی طرف مائل تھا۔

واما القطط فالشدید الجودة والرجل الذی فی شعره حجونة ای تنن قليلا.. لفظ قطط کا معنی بہت شکستہ بال ہونا جبکہ اس سے قبل کی روایت میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں کی صفت میں آیا ہے لم یکن بالجعد القطط یعنی آپ بہت زیادہ شکستہ بالوں والے نہیں تھے ولا بالسبط تھے نہ ہی آپ کے بال مترسل تھے۔ بلکہ جعداً رجلاً یعنی قدرے گھنگھریالے تھے حجونة کا معنی ٹیڑھا ہونا اور محجن اس عصا کو کہتے ہیں جس کا سر ٹیڑھا ہو عربی میں باز کے پنجرے کو بھی محجن کہتے ہیں کہ اس کا سر ٹیڑھا ہوتا ہے تنن قليلاً.. تنن باب تفعّل کا مصدر ہے۔ دراصل تننی تھا پھر قاض کی طرح تنن ہو گیا تنوین تقلیل کے لئے ہے قليلاً اس کی تاکید ہے لفظ ای سے تفسیر یا تو امام اصمعیٰ کر رہے ہیں یا ابو جعفرؒ یا خود امام ترمذیؒ کر رہے ہیں۔

### جسم اطہر کی وضع مبارک:

وَأَمَّا الْمُطَهَّمُ فَالْبَادَنُ الْكَثِيرُ اللَّحْمِ.... مَطْهَمٌ بھاری جسم والے پر بولا جاتا ہے جو گوشت کی زیادتی کی وجہ سے وزنی ہو گیا۔ البادن اسم فاعل بمعنی ذی بدن اور کثیر اللحم اس کی تفسیر ہے۔ ضرب یضرب کے باب سے ہے نصر سے بھی آتا ہے بمعنی موٹا اور بڑے بدن والا حضور اقدس کے جسم مبارک میں نہ تو لحم کی حد اعتدال سے زیادتی تھی نہ مونائی، جس سے جسم بھدا معلوم ہو۔ المکثلّم کی مراد امام اصمعیٰ نے المدور الوجه سے بتائی ہے ایسا چہرہ جو درہم کی طرح بالکل گول

ہو آپؐ کا چہرہ ایسا بھی نہ تھا چہرہ انور میں گولائی بھی تھی مگر موزون اندازے میں درازی کی طرف بھی میلان تھا شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں ولا یكون الامع كثرة اللحم (مناوی ص ۳۶) (اور وہ (گولائی) نہیں ہوتی مگر گوشت کی کثرت کی وجہ سے) والمشرّب الذی فی بیاضہ حمرة یعنی حضور اقدس ﷺ کے سفید رنگ میں تھوڑی سی سرخی کی ملاوٹ تھی گویا رنگ مبارک سرخی مائل سفید تھا والا شراب حلط لون بلون آخر (جمع ص ۳۶) (اشراب اس کو کہتے ہیں کہ ایک رنگ دوسرے رنگ کے ساتھ ملا ہوا ہو) والا دُعُجُ کا مطلب امام اصمعی نے الشدید سواد العین بیان کیا ہے یعنی بہت زیادہ سیاہ آنکھوں والے ارباب ذوق کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ حسین آنکھیں وہ ہوتی ہیں جن کی پتلیوں میں بہت زیادہ سیاہی ہو جیسے کہ متنبی نے کہا ہے حضور اقدس ﷺ کی آنکھیں ایسی تھیں وقیل الدعج شدة سواد العین فی شدة بیاضها وهو الانسب (جمع ص ۳۶) (بعض لوگ الدعج کا معنی آنکھ کی سیاہی کی زیادتی کا آنکھ کی سفیدی کی زیادتی کے ساتھ ہونا اور یہی معنی زیادہ مناسب ہے) وقیل شدید بیاض البیاض وشدید سواد السواد (مواہب ص ۲۱) (اور بعض کہتے ہیں کہ سفید کی سفیدی کا شدید ہونا اور سیاہ کی سیاہی کا شدید ہونا) والاہدب، یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ طویل الاشفار لمبی پلکوں والے کو کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی پلکوں میں موزون درازی تھی مولف نے طویل الاشفار کہہ دیا جس سے وہم ہوتا ہے کہ اشفار ہی اہداب ہیں لیکن یہاں مضاف حذف ہے فہو علی حذف مضاف ای الطویل شعر الاشفار (جمع ص ۳۶) (تو یہاں مضاف شعر محذوف ہے یعنی اصل عبارت طویل شعر الاشفار ہوگی) یعنی پلکوں کے بال دراز تھے۔ او من تسمية الحال باسم المحل (جمع ص ۳۶) (یا یہ از قبیل تسمیہ حال باسم المحل یعنی نام رکھنا حال کا بنام محل کے ہے) والکند دونوں کندھوں کے اکٹھے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں جسے امام اصمعی مُجْتَمَعُ الْكَتْفَيْن سے تعبیر کرتے ہیں اس کو کابل کا نام بھی دیا گیا ہے جس کی جمع کو ابل آتی ہے وهو مقدم الظهر من العنق او معزز العنق فی المصلب او ما بین اصل العنق الی اصل الكتفین او اعلیٰ الکف (مناوی ص ۳۷) مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے کندھے ہڈیوں کے جوڑ

کہنیاں گھٹنے سب سے بڑے اور مضبوط تھے جو قوت کی علامت ہیں۔

المسربة، اس کی تفصیل بھی گزر چکی ہے امام اصمعیٰ فرماتے ہیں کہ یہ باریک بالوں کو کہتے ہیں گویا کہ ایک پتلی باریک لکیر جو سینے سے لیکر ناف تک چلی جائے۔ کانہ قضیب ای غصن نظیف اوسیف لطیف علی مافی القاموس اوسهم ظریف علی مافی المہذب (جمع ص ۳۷) (گویا کہ ایک صاف ستھری ٹہنی یا باریک تلوار ہے جیسے کہ قاموس میں ہے اور یا خوبصورت تیر جیسا کہ مہذب میں ہے) اگلی روایت میں اسے مزید واضح کر دیا گیا ہے۔ الششن کی بحث اس سے پہلے تفصیل سے گزر چکی ہے ششن کا معنی کھر درا ہونا ہے مگر یہاں پر مراد وہ ششن ہے جو الکشفین کی طرف مضاف ہے مطلب پُر گوشت ہونا ہے جو حسن و خوبی اور جسمانی قوت کی علامت ہے۔

تقلع کا معنی قوت کے ساتھ چلنا بیان کیا گیا ہے ان یمشی بقوة تفصیل تو پہلے گزر چکی ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کانہ یرفع رجله من الارض دفعا قویا لا کمشی المختالین والمتکبرین ولا کمشی النساء والمریضین (جمع ص ۳۷) یعنی آپؐ چلتے وقت پاؤں کو قوت کے ساتھ زمین سے اٹھاتے تھے، آپؐ کی چال مغرور اور متکبر لوگوں کی طرح نہیں تھی اور نہ ہی عورتوں اور بیمار لوگوں کی طرح چلتے تھے۔ الحدور ضد الصعود (اترنا چڑھنے کی ضد ہے) ہے

والصبب کا معنی ہے نچلی جگہ یعنی پستی اور ہلوان جیسے کہا جاتا ہے انحدرنا فی صوب و صوب (ای مکان منحدر) یعنی ہم نچلی جگہ میں اتر گئے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فالْمَقْصُودُ انْ مَشِیْہَ ﷺ کان علی سبیل القوۃ و علی وجہ التواضع لا علی طریق التکبر والخیلاء قال تعالیٰ وِعِبَادَ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلٰی الْاَرْضِ هَوْناً قال عز وجل وَاَقْصِدْ فِیْ مَشِیْکَ اِیْ تَوْسُطَ بَیْنَ الْاَسْرَاعِ وَالتَّوَانِی (جمع ص ۳۷) یعنی آپؐ کی چال قوت اور تواضع کے ساتھ ہوتی تھی، آپؐ کا اس طرح چلنا تکبر اور اتراہٹ کے طور پر نہیں ہوتا تھا باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں“ (۶۳:۲۵) نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر“ (۱۹:۳۱) یعنی جلدی اور آہستگی کے درمیان رفتار۔



جلیل المشاش کے ترجمے میں امام اصمعیؒ فرماتے ہیں یرید رؤس المناکب یعنی حضور اقدس ﷺ کے کندھوں کے کنارے بڑے تھے جو کہ حسن و قوت کی علامت ہیں۔

والعشرة عشر کا معنی باہمی میل جول رفاقت قربت اور صحبت ہے اور العشیر صاحب ساتھی اور قریبی رفیق کو کہتے ہیں عشیرۃ کا معنی خاندان ہے کہ خاندان کے افراد ایک دوسرے کے قریب اور مصاحبت میں بہت نزدیک ہوتے ہیں واما العشیرۃ فالقوم من جهة الاب والام وقوله والعشیر الصاحب ویطلق علی الزوج کما فی خبر ویکفون العشیر (مواہب ص ۲۱) یعنی ”عشیرۃ“ سے قوم کے وہ افراد مراد ہوتے ہیں جو باپ اور ماں کی جہت سے ہوں اور ”عشیر“ ساتھی کو بھی کہتے ہیں نیز یہ لفظ شوہر کے لئے بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ عورتیں اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہیں۔ والبدهة المفاجاة بدیہۃ سے مراد اچانک ملاقات ہے یقال فجأ ای جاء بغتۃ (مناوی) (کہا جاتا ہے فلان فجأ یعنی جب اچانک آ جاتا ہے) تفصیلی بحث اس سے قبل گزر چکی ہے شیخ عبدالرؤفؒ اس موقع پر تنبیہ کے عنوان سے لکھتے ہیں قال الحافظ ابو نعیم قد اختلف الفاظ الصحابة فی نعتہ وصفاته وذلك لما ركب فی الصلور من جلالته وحلاوته وعظیم مہابتہ وطلاوته ولما جعل فی جسده الشریف من النور الذی يتلأأ ویغلب علی بشرته فاعیاهم ضبط صفته ونعت حلیتہ حتی قال بعضهم کان مثل الشمس طالعة وقال بعضهم کان يتلا لا تلاؤ القمر لیلة البدر وقال بعضهم لم ارقبلہ ولا بعده مثله ولذلك کان اختلا فهم فی نعت خلقته ولونه

(مناوی ص ۳۷۳۸) حافظ ابو نعیم فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی توصیف و تعریف مختلف الفاظ میں بیان کی ہے۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ جب دلوں میں آپؐ کی آب و تاب، بزرگی، حلاوت اور جلالت شان پیوست ہو گئی اور جب آپؐ کا جسم اطہر اس نور سے منور ہو گیا جو آپؐ کے جسم پر بھی غالب آ گیا تھا لہذا اس سے وہ آپؐ کی صورت مبارک کی تعریف اور صفت بیان کرنے سے عاجز آ گئے تو بعض نے کہا کہ آپؐ مانند آفتاب کے چمک دار تھے اور کسی نے کہا کہ آپؐ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا اور کوئی یہ اعتراف کرنے لگا کہ میں نے آپؐ جیسا انسان نہ آپؐ سے پہلے دیکھا ہے اور نہ آپؐ کے بعد۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے آپؐ کی خلقت اور رنگ

مبارک کو بھی مختلف انداز میں بیان کیا۔

عِبَارَاتُنَا شَتَّى وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ

وَكُلُّهُ إِلَى ذَلِكَ الْجَمَالِ يُشِيرُ

ترجمہ! آپؐ کا بے پایاں حسن ایک ہی ہے اور اس کو بیان کرنے کے لئے ہماری تعبیریں مختلف ہیں تاہم یہ ساری تعبیریں اور عبارتیں اسی جمالِ بے مثال کی طرف راجع ہیں۔

(۷) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ حَدَّثَنَا جُمُعُ بْنُ عُمَيْرٍ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَجَلِيُّ إِمْلَاءً عَلَيْنَا مِنْ كِتَابِهِ قَالَ أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ مِنْ وَلَدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَلِيلِجَةَ يُكْنَى أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ أَبِي هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ خَالَي هُنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ وَكَانَ وَصَافًا عَنْ حَلِیَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا اتَّعَلَّقَ بِهِ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفْخَمًا يَتَلَا وَجْهَهُ تَلَا لَوِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ أَطْوَلَ مِنَ الْمَرْبُوعِ وَأَقْصَرَ مِنَ الْمَشْدَبِ عَظِيمِ الْهَامَةِ رَجُلٍ الشَّعْرُ إِنْ انْفَرَقَتْ عَقِيقَتُهُ فَرَقَ وَالْأَفْلَا يُجَاوِزُ شَعْرَهُ شَحْمَةً ذُنْبِهِ إِذَا هُوَ وَقَرَهُ أَزْهَرَ اللَّوْنِ وَاسِعَ الْجَبِينِ أَرْجَ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغٍ فِي غَيْرِ قَرْنٍ بَيْنَهُمَا عَرَقٌ يَدْرُهُ الْغَضَبُ أَقْنَى الْعَرَبِينَ لَهُ نُورٌ يَغْلُوهُ يَحْسِبُهُ مَنْ لَمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ كَثَّ الدِّحْيَةِ سَهْلَ الْخَدَّيْنِ صُلْبُ الْعَقْمِ مُفْلَجَ الْأَسْنَانِ دَقِيقَ الْمَسْرُوبَةِ كَانَ عُنُقُهُ جَيِّدٌ ذُمِيَّةٌ فِي صَفَاءِ الْفَضَّةِ مُعْتَدِلُ الْخَلْقِ بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ سَوَاءُ الْبُطْنِ وَالصُّدْرِ عَرِيضُ الصُّدْرِ بُعِيدَ مَا بَيْنَ مَنْكِبَيْنِ صَحْمُ الْكَرَادِيسِ أَنْوَرُ الْمُتَجَرِّدِ مَوْضُولٌ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَالشُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِي كَالْخَطِّ عَارِي الثَّدْيَيْنِ وَالْبُطْنِ مِمَّا سِوَى ذَلِكَ أَشْعَرُ الْبَرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَأَعَالِي الصُّدْرِ طَوِيلُ الزَّنْدَيْنِ رَحْبُ الرَّاحَةِ شَشْنُ الْكُفَّيْنِ وَالْقَلَمَيْنِ سَائِلُ الْأَطْرَافِ أَوْ قَالَ شَائِلُ الْأَطْرَافِ خَمَصَانُ الْأَخْمَصَيْنِ مُسِيحُ الْقَلَمَيْنِ يَبُوءُ عَنْهُمَا الْمَاءُ إِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا يَخْطُو تَكْفِيًا وَيَمْشِي هَوْنًا ذَرِيعُ الْمِشْيَةِ إِذَا مَشَى كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ وَإِذَا تَفَتَّ التَّفَتَّ جَمِيعًا خَافِضُ الطَّرْفِ نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَكْثَرُ

مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ جَلَّ نَظَرُهُ الْمَلَا حَظَّةً يَسُوقُ أَصْحَابَهُ يَبْدُءُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ .  
ترجمہ! ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جمیع بن عمیر بن عبد الرحمن عجمی نے بیان کیا اس طریقے سے کہ انہوں نے اپنی کتاب سے لکھوا دیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی بنی تمیم کے ایک شخص نے، جو ابی ہالہ کی اولاد میں سے تھا اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا (سابقہ) خاوند تھا اور جس کی کنیت ابو عبد اللہ تھی اس نے روایت بیان کی ابو ہالہ کے ایک فرزند سے۔ انہوں نے روایت نقل کی حضرت حسن بن علی سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کو بہت ہی کثرت سے اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے حجت اور سند بناؤں۔ ماموں جان نے حضور اقدس ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق یہ فرمایا کہ آپ خود اپنی ذات والا صفات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبہ والے تھے۔

آپ کا چہرہ مبارک ماہ بدر کی طرح چمکتا تھا آپ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن لمبے قد والے سے ذرا پست تھا، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا، بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے ورنہ آپ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے۔ جس زمانے میں حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک زیادہ ہوتے تھے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے۔

آپ کا رنگ مبارک نہایت چمکدار تھا اور پیشانی مبارک کشادہ تھی آپ کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے، دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی، آپ کی ناک مبارک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمب اور نور تھا ابتدا دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا (لیکن غور سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہیں تھی) آپ کی داڑھی مبارک بھرپور

اور گنجان بالوں کی تھی، رخسار مبارک ہموار ہلکے تھے، گوشت لٹکے ہوئے تھے، آپؐ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا (منہ تنگ نہ تھا) آپؐ کے دانت مبارک باریک آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا، سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، آپؐ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے اور رنگ میں چاندی جیسے صاف اور خوبصورت تھی، آپؐ کے سب اعضاء نہایت معتدل اور پُر گوشت تھے اور بدن گٹھا ہوا تھا پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھا لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا۔

آپؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے (یادہ فصل تھا، جوڑوں کی ہڈیاں قوی اور کلاں تھیں) (جو قوت کی دلیل ہوتی ہے) کپڑا اتارنے کی حالت میں آپؐ کا بدن روشن اور چمکدار نظر آتا تھا (یا یہ کہ بدن کا وہ حصہ بھی روشن اور چمکدار تھا، جو کپڑوں سے باہر رہتا تھا چہ جائیکہ وہ حصہ جو کپڑوں میں محفوظ ہو) ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کی طرح بالوں کی باریک دھاری تھی اس لکیر کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھے البتہ دونوں بازوؤں اور کندھوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر بال تھے، آپؐ کی کلاںیاں دراز تھیں اور ہتھیلیاں فراخ نیز ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز پُر گوشت تھے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تھیں۔

آپؐ کے تلوے قدرے گہرے تھے اور قدم ہموار تھے کہ پانی ان کے صاف ستر اور ان کی ملاست کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا فوراً ڈھل جاتا تھا جب آپؐ چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے اور آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے، قدم زمین پر آہستہ پڑتا زور سے نہیں پڑتا تھا۔ آپؐ تیز رفتار تھے اور ذرا کشادہ قدم رکھتے، چھوٹے چھوٹے قدم نہیں رکھتے تھے جب آپؐ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے۔ آپؐ کی نظر نیچی رہتی تھی آپؐ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔

آپؐ کی عادت شریفہ عموماً گوشہ، چشم سے دیکھنے کی تھی، یعنی غایت شرم و حیا کی وجہ سے پوری آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے، چلنے میں صحابہؓ کو اپنے آگے کر دیتے تھے اور آپؐ پیچھے رہ جاتے

تھے جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتدا فرماتے۔

راویان حدیث (۳۰) جمیع بن عمیر العجلی (۳۱) حضرت خدیجہؓ (۳۲) حضرت حسنؓ اور (۳۳) حضرت ہند ابن ابوالہ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### املاء کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

املاء علینا من کتابہ ... حضرات محدثین کے ہاں روایت بیان کرنے کے دو طریقے ہیں (۱) ایک صرف روایات کا پہنچا دینا۔ (۲) دوسرا یہ کہ حدیث کا متن، مالہ و ما علیہ نکات اور شرح و تفصیل سب کو بیان کر دینا۔ جیسے کہ ملا علی قاریؒ فرما رہے ہیں و قال بعض الشراح الاملاء عند المحدثین القاء الحدیث علی الطالب مع بیان ما یعلق بہ من شرح اللغات وتوضیح المعانی والنکات (جمع ص ۳۸) ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں اسی اسی ہزار طالبان حدیث جمع ہوا کرتے تھے۔ یہاں املاء کا اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لکھوانا مراد ہے والاملاء فی الاصل الالتقاء علی من یکتب (مواہب ص ۲۲) (در اصل املاء محدث اور شیخ کا اپنے تلامذہ کو احادیث کا لکھوانا اور املاء کروانا ہے)۔

یعنی جمیع بن عمیر عجل نے یہ روایت اپنی کتاب سے ہمیں لکھوا دی وهو الایق ہنا (مواہب ص ۲۲) (یہاں یہ تشریح مناسب ہے) ولما کان الاملاء اعم من ان یکون بحفظہ او کتابہ قیدہ بقولہ من کتابہ (جمع ص ۳۸) (چونکہ املاء کا لفظ عام ہے چاہے اپنی یادداشت سے ہو اور چاہے کتاب سے ہو اس لئے ”من کتابہ“ کی قید لگا کر واضح کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب سے املاء کرائی ہے) واضح رہے کہ یہ کلام سفیان ہے اور منصوب علی الحالیہ (یعنی املاء حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) سفیان فرماتے ہیں حدثنا جمیع حال کونہ مملیا او ملقیاً او قالیا (جمع ص ۳۸) (کہ ہمیں جمیع عجل نے بیان کیا اس حال میں کہ وہ املاء کرانے والے تھے یا القاء کرنے والے اور یا تلاوت کرنے والے (اپنی کتاب سے) دیکھنے والے) یعنی مصدر بمعنی اسم فاعل کے ہے اور من کتابہ حال متداخلہ ہوا۔ اور حال متداخلہ اس حال کو کہتے ہیں کہ پہلے حال کو اس کے لئے ذوالحال قرار دے کر اس کو اس

سے حال بنایا جائے جیسے کہ سند مذکور میں املاء کو ذوالحال قرار دیکر من کتابہ یعنی ناظرًا من کتابہ کو اس کا حال متداخلہ بنادیا گیا۔ یعنی ناظرًا من کتابہ یا املاء مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل فعل حدثنا ہے وجہ ظاہر ہے کہ املاء بھی ایک قسم گویا نوع تحدیث ہے ہی حدثنا تحدیث املاء (یعنی تحدیث کو محذوف کر کے املاء کو اس کے قائم مقام بنادیا گیا) یا املاء حدثنا سے تمیز ہے املاء من کتابہ سے احتیاط فی بیان الحدیث مقصود ہے تاکہ روایت کرنے میں حتی الوسع غلطی واقع نہ ہو۔ اپنی کتاب سے دیکھ کر املاء کرانا بعض محدثین تو اسے ترجیح دیتے ہیں اور بعض اس روایت کو رائج قرار دیتے ہیں جو راوی اپنی یادداشت میں سے بیان کرے بشرطیکہ وہ تام الضبط ہو۔ تو یہ افضل ہے مگر تغیر و تبدل سے محفوظ ہونے کی وجہ سے اور کمال احتیاط کے لحاظ سے املاء من کتابہ (اپنی کتاب سے لکھوانا) افضل ہے۔

سماع لفظ الشیخ وهو املاء وغیرہ ای تحدیث من غیر املاء و کل منهما یکون (من حفظ) للشیخ ومن کتاب له . علامہ جلال الدین سیوطیؒ نقل حدیث کے طریقے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اپنے شیخ کا حدیث بیان کرنا یا بطور املاء ہوگا یا بغیر املاء کے اور ہر دو صورتوں میں شیخ محترم یا اپنے حافظہ اور یادداشت سے املاء کراتا ہے یا اپنی کتاب میں سے اور یہی (یعنی کتاب سے املاء کرنا) جمہور کے نزدیک تحدیث کی ارفع اور اعلیٰ قسم ہے (و هو ارفع الاقسام عند الجماہیر) (تدریب الراوی ص ۲۳۹) املاء دراصل املا سے ہے دوسرے لام کو حرف علت سے اور پھر حرف علت کو ہمزہ سے بدل دیا جیسے تقضی البازی میں یاد سناھا میں ہے کہ اصل میں تقصض اور دسس تھا۔

املا کا معنی ایک آدمی بولتا یا پڑھتا جائے اور سامعین سنتے اور لکھتے جائیں اس میں تحدیث کا معنی ہے اسی وجہ سے املاء مفعول مطلق بن سکتا ہے۔

رجل بنی تمیم اور ابوہالہ کی وضاحت:

قال اخبرنی رجل من بنی تمیم من وُلِدَ ابی ہالۃ زوج خدیجۃ یکنی ابا عبد اللہ جمیع

بن عمیر کہتا ہے کہ مجھے بنی تمیم کے ایک شخص نے خبر دی ۔ جو کہ ابوہالہ کی اولاد سے تھا فہو تمیمی واسمہ یزید بن عمرو و قیل اسمہ عمرو قیل عمیر و هو مجهول الحال فالحدیث معلول (مواہب ص ۲۲) (رجل بنی تمیم کے متعلق علامہ بیہوئی لکھتے ہیں کہ وہ تمیمی ہیں اور اس کا نام یزید بن عمرو ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام عمر ہے اور بعض نے عمیر کا قول کیا ہے اور وہ مجهول الحال ہے اس لئے حدیث معلول ہوئی)

پھر اگلی عبارت میں اس کی وضاحت ہے کہ ابوہالہ سے مراد کون ہے؟ فرماتے ہیں زوج خدیجۃ یہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ کا پہلا خاوند ہے جس کا نام مالک یا ہندیا نباش بن زرارہ یا زرارہ بن نباش تھا ابی ہالہ موصوف اور زوج خدیجۃ صفت ہے بیان کرنے والے شخص کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ لفظ رجل موصوف ہے من بنی تمیم صفت اول من ولد ابی ہالہ صفت ثانیہ اور یکنی ابا عبد اللہ صفت ثالثہ ہے۔

### ابا عبد اللہ منصوب کیوں؟

یُکنی ابا عبد اللہ یہ رجل کی صفت ثالثہ ہے و یکنی بصیغۃ المجهول مخففاً ومشدداً (مواہب ص ۲۲) (یکنی اہ بصیغہ مضارع مجہول مخفف اور مشدد دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے) اس عبارت پر اشکال یہ کیا گیا ہے کہ لفظ یُکنی فعل مجہول ہے اور ظاہر ہے کہ فعل مجہول کے بعد اس کا نائب فاعل لفظ ابو (حالت رقی میں) آنا چاہئے۔ جبکہ عبارت بالا میں ابا (حالت نصی میں) لایا گیا ہے۔

شارحین نے اس اشکال سے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) ملا علی قاری فرماتے ہیں انہ منصوب بنزع خافض (ابا عبد اللہ منصوب ہے بوجہ دور کرنے جار کے) اور ما م قاعدہ مطابق حرف جارا کر منصوب پڑھ لیتے ہیں۔

(۲) ابا عبد اللہ نائب فاعل نہیں بلکہ یہ مفعول ثانی ہے اور اس کا نائب فاعل ہو ہے گویا عبارت یوں ہوئی یکنی ہو ابا عبد اللہ (وہ کنیت کیا جاتا ہے ابو عبد اللہ کے ساتھ) جب مفعول منصوب ہو

گیا تو لازماً اس کو ابا عبد اللہ ہی پڑھنا ہوگا۔

(۳) ملا علی قاریؒ نے ایک توجیہ یہ بھی نقل کی ہے کہ فی حتم ان یكون ابا عبد الله منصوباً بالمدح اعنی بتقدیر یعنی (جمع ص ۳۹) کہ یہ بھی ایک احتمال ہو سکتا ہے کہ ابا عبد اللہ منصوب بالمدح ہو مطلب یہ کہ لفظ یعنی مقدر کے ساتھ منصوب ہو)

### ابن لابی ہالہ :

عن ابن لابی ہالہ ابو عبد اللہ نے روایت کی ہے ابو ہالہ کے ایک فرزند سے جس کو ہند کہتے تھے نچلے ابو عبد اللہ کا نام بھی ہند تھا اور اس کی کنیت بھی ابو ہالہ تھی اور اس کو ابو عبد اللہ کی کنیت سے بھی پکارا جاتا تھا فلک الابن حفید لابی ہالہ واسمہ ہند و کذا لک ابوہ اسمہ ہند بل واسم جلدہ ایضاً ہند فہذا ابن وافق اسمہ اسم ایہ واسم جلدہ (مواہب ص ۲۲) یعنی یہ لڑکا ابو ہالہ کا پوتا ہے ان کا نام ہند ہے اور اسی طرح ان کے باپ کا نام بھی ہند ہے بلکہ ان کے دادا کا نام بھی ہند ہے لہذا یہ لڑکا اپنے باپ اور دادا کا ہم نام ہے۔

### انقطاع سند کا اشکال اور جواب :

مذکورہ روایت میں امام حسنؒ کا سوال ابو ہالہ کے حقیقی ابن سے ہے اس کے سند پر اشکال ہے چنانچہ حافظؒ فرماتے ہیں کہ اس سند میں انقطاع ہے وجہ ظاہر ہے کہ ابن ابی ہالہ کا نام ہند ہے جو آپؐ کی تربیت میں رہے ہیں جبکہ ابو عبد اللہ طبقہ سادہ میں سے ہیں جن کی ملاقات ہند بن ابی ہالہ سے ثابت نہیں ہے۔ ولقاءہ ابن ابی ہالہ منتف قطعاً لان الطبقة السادسة لم یثبت لهم لقاء الصحابة وابن ابی ہالہ من قلماء الصحابة لامحالة (جمع ص ۳۲) (اور ابو عبد اللہ کی ملاقات ابن ابی ہالہ سے یقیناً نہیں ہوئی اس لئے کہ چھٹے طبقہ کے راویوں کی ملاقات صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں حالانکہ ابن ابی ہالہ یقیناً متقدمین صحابہ میں سے ہیں) خلاصہ یہ کہ راویوں کے طبقہ سادہ کی ملاقات صحابہ کرامؓ کے ساتھ ثابت نہیں اور ابن ابو ہالہ یقیناً قدیم صحابہ نہیں سے ہیں۔



البتہ علمای قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں روایت میں ہند ابی ہالہ کا ذکر تو نہیں ہے بلکہ ابن لابی ہالہ ہے اور ابن کے لفظ کا جیسے صلیبی اولاد پر اطلاق ہوتا ہے ایسے ہی ابن الابن کو بھی ابن کہا جاتا ہے تو یہ جائز ہے کہ ابو ہالہ کے ابن الابن سے ابو عبد اللہ کی ملاقات ہوئی ہو تو اب سند میں انقطاع نہ رہے گا سئلے کہ ابو ہالہ کے پوتے سے طبقہ سادسہ کے رجال کی ملاقات ہو سکتی ہے ہندؒ اور حضرت فاطمہ الزہراءؑ اخیانی بہن بھائی ہیں لہذا ہندؒ حضرت حسنؑ کے خالو ہوئے تو اس سے واضح ہو گیا کہ عن ابن لابی ہالہ سے ہند بن ابی ہالہ مراد نہیں اگرچہ اس کا احتمال ہے کہ ابو ہالہ کے کسی دوسرے بیٹے سے روایت کرتے ہوں۔

## وكان وصافاً :

وكان وصافاً عن حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ وصافاً یہ حال ہے اور علت ہے سوال کی، بمعنی بہت وضاحت سے بیان کرنے والے لَوْصَفَ يَصِفُ وَصْفًا وَصْفَةً بیان کرنا تعریف کرنا اس کے متعدد معنی کیے گئے ہیں۔

مثلاً کثرت سے بیان کرنا، بار بار بیان کرنا اور مخرے لے لے کر بیان کرنا ای بحسن صفة المصطفى وفي القاموس الوصف العارف بالصفة واللائق تفسيره بكثير الوصف وهو المناسب في هذا المقام (موہب ص ۲۲) یعنی وہ حضور اقدس ﷺ کی صفت اچھے طریقے سے بیان کرتے تھے، قاموس میں ہے کہ وصف اس کو کہتے ہیں جو صفت و تعریف بیان کرنا جانتا ہو اور اس میں ماہر ہو اور اس کی تفسیر ”بہت زیادہ صفت بیان کرنے والا“ ہے جو اس مقام کے مناسب ہے۔

ہند بن ابی ہالہ حضور اقدس ﷺ کے ربیب تھے بچپن سے ہی آپ کی پرورش میں رہے اور بے تکلف تھے ظاہر ہے کہ انہیں آپؐ کے عادات، خصال اور حلیہ مبارک کا خوب علم ہوا ہوگا پھر تھے بھی تو عاشق صادق اور محب مخلص وہ بیان بھی تو خوب مزے لے لے کر کرتے ہونگے و كان هند قد امعن النظر في ذاته الشريفة في صغره فمن ثم خصص مع علي بالوصاف (موہب ص ۲۲) (اور یہ ہند بن ابی ہالہ چونکہ وہ آپ ﷺ کے ربیب تھے اس لئے لڑکپن ہی سے حضور ﷺ کی ذات شریفہ

میں گہری اور خصوصی نظر اور توجہ رکھا کرتے تھے اس لئے تو حضرت علیؓ کے ساتھ یہ بھی وصاف کے ساتھ مخصوص ہوئے)

## لفظ،،عن،، کی بحث:

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ وصف کا صلہ ”عن“ نہیں آیا کرتا کیونکہ وصف فعل متعدی بنفسہ ہے جیسے کہا جاتا ہے وصفته یا متعدی باللام ہوتا ہے ای وصفته لہ یہاں عن حرف جار،، ووصافاً، کے متعلق نہ ہوگا۔

شارحین کہتے ہیں کہ یہ یا تو سألت کے متعلق ہے والجار والمجرور متعلق بقولہ سألت لا بقولہ ووصافاً (مواہب ص ۲۳) (عن حلیۃ الخ جار مجرور سألت کے متعلق ہے نہ کہ ووصافاً کے) پس اگر سألتک کہا جائے تو معنی ہوگا تم سے سوال کیا اور اگر سألت عنک کہا جائے تو معنی یہ ہے کہ تمہارے متعلق پوچھا یا تضمین ہو کر حال بنا لیا جائے کان ووصافاً کاشفاً عن حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اور وہ ایسے صفت بیان کرنے والے تھے کہ آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کی پوری وضاحت فرمانے والے تھے) یا مفعول مطلق بنا لیا جائے کان ووصافاً ووصفاً ناشیاً عن حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اور وہ ایسے وصف کے وصاف تھے جو آپ ﷺ کی ذات اقدس سے نکلنے والا ہوتا یعنی آپ ﷺ میں موجود ہوتا تھا)

## حضرت حسنؓ کا سوال کیوں؟

یہاں بظاہر ایک شبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ اپنے ماموں سے سوال کیوں کر رہے ہیں جس کا انا اشتہی (کہ میں چاہتا ہوں) سے اظہار ہو رہا ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ گھر کے فرد ہو کر خود نہیں جانتے تھے۔ محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت حسنؓ کی عمر سات سال کی تھی بچپن تھا وہ پختگی اور ذوق علم کی عمر نہیں تھی اور نہ وہ ایسی عمر میں تھے جس میں انسان اپنے اکابر کے اخلاق و اعمال اور سیرت و کردار کے تمام گوشوں پر

نظر رکھنے کی استعداد رکھتا ہوں انما قال الحسنؒ ذلك لان المصطفى مات والحسن صغير لا يقتضى له التأمل فى الاشياء و يحفظ اوضاع الاشكال والاعضاء (جمع ص ۴۰) (ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت حسنؒ نے یہ سوال اس لئے کیا کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت آپؐ چھوٹے بچے تھے آپؐ کے اخلاق و اعمال اور اعضا و اشکال کی کیفیات و ہیئات کو اس عمر میں محفوظ اور یاد رکھنا مشکل کام تھا) اس لئے تو یہ سوال کر رہے ہیں کہ ان یصف لى منها شيئا اتعلق به حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ میری اپنی خواہش بھی یہ ہوتی ہے کہ میرے ماموں حضور اقدس ﷺ کے عادات اور خصائل اور حلیہ مبارک کے متعلق میرے سامنے کچھ بیان کریں۔ تاکہ میں ان سے محبت اور تعلق رکھوں شینا سے عموم مراد ہے خواہ ہیئت ہو سیرت ہو یا اخلاق و عادات اور اعمال ہوں قال ابن حجر و تنوينه للعظيم والتكثير او التقليل وهو الانسب بالسياق (جمع ص ۴۰) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ شینا کی تنوین تعظیم اور تکثیر کے لئے ہے یا تقلیل کے لئے ہے اور سیاق کلام کے ساتھ یہی انسب ہے) اس کا فائدہ اور نقد ثمرہ اتعلق به اى تعلق علم ومعرفة (مواہب ص ۲۳) (علم و معرفت کے حصول) کی صورت میں حاصل ہوگا خود بھی یاد کروں گا اقتداء بھی کروں گا اور دوسروں تک بھی پہنچاؤں گا ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اتشبت بذلك الوصف واجعله محفوظاً فى خزانة خيالى (جمع ص ۴۰) (کہ ان اوصاف و اخلاق جمیلہ پر کار بند بھی رہوں اور اپنے خیال کے خزانہ میں انہیں محفوظ بھی کر لوں)

### فخماً مفخماً :

فقال كان رسول الله ﷺ فَخْماً مُفَخَّماً۔۔۔ لفظ فقال کا عطف سأل پر ہے ضمیر ہند کو راجع ہے فَخْماً (بکسر الخاء) نصر اور کرم کے باب سے آتا ہے مراد وہ شخص ہے جو عزت و عظمت والا ہو اور جسامت اور ضخامت کے لحاظ سے بھی موزون ہو اور اگر جسامت اور ضخامت کے لحاظ سے موزون نہ ہو تو وہ فَخْماً نہیں کہلاتا۔ فَخْماً سے مراد فی الواقع ذاتی طور پر اور مفخماً سے مراد عند الناس ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ میرے ماموں ہند بن ابی ہالہ نے حضور اقدسؐ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ خود اپنی ذات میں بھی عظیم تھے اور دوسرے

معزز و رؤسا لوگوں کی نظر میں بھی معظم تھے۔ کسی بڑے سردار کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی تعظیم نہ کرے۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں ای عظیماً فی نفسه ومعظماً فی صدر الصدور وعین العیون لایستطیع مکابر ان لا یعظمہ (مواہب ص ۲۳) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کان معظماً فی الظاہر والباطن (جمع ص ۴۱) یعنی ظاہر اور باطن دونوں میں معظم تھے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں فحکم عظیم عند اللہ مفحکم معظم عند الناس (مناوی ص ۴۱) (اللہ کے نزدیک عزت اور عظمت والے تھے اور لوگوں کے نزدیک بھی محترم اور معظم تھے) اس سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ سے ایک دعا بھی منقول ہے۔ اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً (بزار عن یزید بن النخعیب) یعنی اے اللہ کر دے مجھے میری نظر میں چھوٹا اور لوگوں کی نظر میں بڑا)۔ لوگوں کی نگاہوں میں بڑائی و تعظیم دین کے حوالے سے ہے یا دفع مضرت کے لئے ہے! علماء فرماتے ہیں کہ مال تو جلب منفعت کے لئے ہوتا ہے اور جاہ دفع مضرت کے لئے، اگر یہ اس غرض اور ہدف تک محدود ہو تو یہ نعمت ہے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا ارشاد ہے۔

جاہ اتنا کہ نہ ہوں میں پامال مال اتنا کہ جس سے ہو خورد و نوش  
اس قدر جاہ کا حصول مباح ہے کہ اس سے دفع مضرت ہو سکے۔

### چہرہ النور:

یتلأ لاءٌ و جُھُہُ تلاءٌ لَوَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبُلَدِ... حضور اقدس ﷺ کا چہرہ انور بدر کمال کی

طرح چمکتا تھا آپ کے وصف مبارک کے بیان کا آغاز چہرہ انور سے کیا گیا و بدأ الوصاف بالوجه دون الھامة لانه اول ما یتوجه الیہ النظر واشرف ما فی الانسان وغیرہ من کل حیوان (مناوی ص ۴۱) (صفت بیان کرنے والے نے آپ کی صفت چہرہ سے شروع کی نہ کہ سر اور دھڑ سے اس لئے کہ نظر پہلے چہرہ پر پڑتی ہے اور انسان بلکہ ہر حیوان میں سب سے اشرف اور معزز حصہ چہرہ ہوتا ہے)۔ التلأ لَوَ ھو الاضاء والاشراق۔ یتلأ لا وجهہ ای یتستیر ویشرق ویضنی (مناوی

ص ۴۱) (اس کا چہرہ چمکتا تھا) خلاصہ یہ کہ ”تلاؤ“ روشنی اور چمک دمک کو کہتے ہیں۔

اس کو شاعرانہ تخیل پر حمل نہ کیا جائے یہ ایک حقیقت ہے۔ لؤلؤ خالص قدرتی طور پر پیدا ہونے والے عمدہ موتی کو کہتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ بارش ہونے پر سمندر میں موجود پیسی کا منہ قدرتی طور پر کھل جاتا ہے اور جب بارش کا کوئی قطرہ پیسی کے منہ میں داخل ہوتا ہے تو خدا کی قدرت سے پیسی کا منہ خود بخود بند ہو جاتا ہے اور مختلف مراحل اور تغیرات کے بعد ایک خاص مدت میں وہ قطرہ خود بخود ایک عمدہ اور شاندار موتی بن جاتا ہے یہ موتی خوبصورت روشن اور چمکدار ہوتے ہیں۔ حدیث زیر بحث میں آپؐ کو چودھویں کے چاند یعنی بدرِ کامل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ ثم تشبیہ بعض صفاته بنحو الشمس والقمر انما جرى على عادة الشعراء والعرب او على التقريب والتمثيل والا فلا شئ يعادل شيئاً من اوصافه اذ هي اعلى واجل من كل مخلوق (جمع ص ۴۱) (آپؐ کے بعض صفات کی تشبیہ سورج اور چاند جیسی چیزوں کے ساتھ دینا شعراء کی عادت اور عرب کے محاورہ کے مطابق تھا یا پھر یہ محض سمجھانے کے لئے اور تمثیل کے لئے تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی چیز آپؐ کے صفات کے برابر نہیں ہو سکتی اس لئے کہ وہ تو سارے مخلوق سے بلند و برتر تھے) تاہم ابن ابی ہالہ نے تشبیہ میں سورج پر ذکرِ قمر کو ترجیح دی ہے ملا علی قاریؒ اس کی توجیہ میں فرماتے ہیں لانه يتمكن من النظر اليه ويؤنس من شاهده بخلاف الشمس لانها تغشى البصر وتؤذيه (جمع ص ۴۱) (اس لئے کہ چاند پر نظر لگتی ہے اور دیکھنے والے کو اس سے انس پیدا ہوتا ہے بخلاف سورج کے کہ وہ نظر کو چندھیا تا ہے اور اسے تکلیف دیتا ہے)۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں لانه صلى الله عليه وسلم محاذي لظلمات الكفر كما ان القمر محاذي لظلمات الليل (مواعظ ۲۳) یعنی (چاند کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ) آپؐ نے کفر کے اندھیروں کو ختم کر دیا، جیسے چاند رات کی تاریکیوں کو ختم کر دیتا ہے۔

موزون قائمست:

اطول من المربع واقصر من المشدب .... حضور اقدس ﷺ کے قدم مبارک کی تفصیلی

بحث اس سے قبل عرض کی جا چکی ہے یہاں لفظ مشذب نیا آیا ہے باب تفعلیل سے ہے مجرد میں باب نصر سے آتا ہے دونوں کا معنی ایک ہے جب کسی درخت کی شاخیں کاٹ دی جائیں تو لمبا نظر آتا ہے کھجور کی زائد اور خشک شاخوں کے کاٹ دینے کو تشذیب کہتے ہیں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں واصله من النخلة الطويلة التي شذب عنها جريدها (جمع ص ۴۱) اسی تناسب سے تہذیب اخلاق کو بھی تشذیب کہتے ہیں طولِ قامت کو بھی تشذیب اسلئے کہتے ہیں کہ انسان شاخوں کٹے درخت کی مانند دراز قامت نظر آتا ہے تو مشذب کا معنی طویل باسن کے ہوگا۔

اطول من المربع یعنی پست قد سے قدر لمبے تھے۔ یہاں پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ پہلی روایات میں آپؐ کا مربع اور ربعہ ہونا ثابت کیا گیا تھا جبکہ اس روایت میں اس کی نفی ہے۔ شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں۔ کہ اعضاء کی مناسبت اور موزونیت کی وجہ سے آپؐ کا میلان طول کی جانب تھا، مگر درازی قد نمایاں نہ تھی جو ربعہ یا مربع سے بڑھ جائے البتہ دیگر مربوعین کی نسبت آپؐ کے قد کا میلان طول کی طرف تھا۔ وقد عرف ان وصفه فيما مر با لربعة تقریبی فلا ینافی انه اطول من المربع وقال بعضهم المراد بكونه ربعة فيما مر كونه كذلك فی بادی النظر فلا ینافی انه اطول من المربع فی الواقع (مواہب ص ۲۳)

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہی آپؐ کا معجزہ تھا جتنا بھی طویل سے طویل تر انسان آپؐ کے ساتھ چلتا آپؐ اس سے اونچے نظر آتے تھے ”و مامشی به احد الا كان اطول“ اور جب ساتھ چلنے والا آپؐ سے جدا ہو جاتا تھا تو وہی طویل نظر آتا تھا اور آپؐ اس سے کم نظر آتے تھے اسی طرح یہ بھی آپؐ کا معجزہ تھا کہ جب مجمع میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپؐ کا سر مبارک اور منکبین بلند معلوم ہوتے تھے ورفعنا لک ذکرک (۴: ۹۴) (اور بلند کیا ہم نے واسطے تیرے ذکر تیرا) سے بھی یہی مراد ہے کہ آپؐ کو ہر حیثیت سے رفعت دی گئی تھی والسر فی ذلک هو التبیہ علی انه لا یتطاوّل علیہ احد من الامة صورة کما لا یتطاوّلون علیہ معنی (جمع ص ۴۱) (اس میں راز یہ ہے کہ اس بات پر آگاہ کرنا ہے کہ جیسے معنی اور حقیقتاً کوئی آپؐ کا ہمسر نہیں ہے اسی طرح

صورتاً بھی امت میں سے کوئی آپ کے برابر نہیں ہے) خلاصہ یہ کہ وہو بمعنی لیس بالطویل البائن ولا بالقصیر المتردد (جمع ص ۴۲) (اطول من الموبوع الخ بمعنی لیس بالطویل البائن الخ کے ہے یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے اور نہ پستہ قد)

سر مبارک:

عظیم الہامہ ... یعنی حضور اقدس ﷺ کا سر مبارک موزون اور حد درجہ مناسب حد تک قدرتی طور پر اعتدال کے ساتھ قدرے بڑا تھا الہام اور الہامۃ دونوں کا معنی ایک ہی ہے جیسے التمر اور التمرۃ تخفیف میم کے ساتھ پڑھا جائے تو مراد سر ہے۔ وقال فی المہذب الہامۃ وسط الراس (جمع ص ۴۲) (مہذب میں ہے ہامۃ وسط سر کو کہتے ہیں) اور ظاہر ہے کہ یہاں پہلا معنی یعنی سر ہی مراد و مطلوب ہے یہ تو اطباء نے بھی لکھا ہے اور عام مشاہدہ اور تجربہ بھی یہی ہے کہ اگر سر قدرتی طور پر موزون حد تک بڑا ہوگا تو اس شخص کا دماغ بھی اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی بڑی ہوگی اور یہ خوبی کی علامت ہے وعظم الراس مملوح لانہ اعون علی الادراکات والکمالات (منلوی ص ۴۲) (اور سر کا بڑا ہونا قابل مدح صفت ہے اس لئے کہ وہ علوم اور کمالات کے حصول میں بڑا معاون اور مددگار ثابت ہوتا ہے)

رجل الشعر .... حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک قدرے گھنگھر یا لے تھے۔

ان انفرقت عقیقۃ فرق والا فلا انفراق کا معنی ہے مانگ نکالنا اگر سہولت آپ کے بال مبارک جدا ہو جاتے تو آپ بھی جدا کر دیتے یعنی مانگ نکال لیتے ورنہ ادھر تمام توجہ نہیں دیتے تھے اپنے عام معمول یا غسل کے بعد یا تیل لگانے کے بعد عموماً آپ بھی اپنے بالوں کو سنوارتے اگر بہ سہولت بہ ادنی توجہ بالوں میں مانگ نکل آتی تو فہا ورنہ لازمی طور پر ہمہ توجہی سے مانگ نکالنے پر وقت نہیں ضائع کرتے تھے فلا کا معنی بھی یہی ہے یعنی فلا یتکلف یعنی آپ مانگ نکالنے میں تکلف نہیں فرماتے تھے۔

عقیقہ سے مراد وہ بال ہیں جو ادلی ولات کے وقت مولود کے سر پر ہوتے ہیں پھر انہی بالوں

کے مونڈنے کو بھی عقیقہ کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات لفظ عقیقہ بول کر مطلق بال مراد لئے جاتے ہیں اس حدیث میں بھی مراد مطلق بال ہیں والعقیقة کا لحقیقة واصل العق القطع والشق ومن ثم قيل للذبيحة التي تذبح عن المولود يوم سابعه عقیقة لانها يشق حلقها وقيل للشعر الخارج على راس المولود من بطن امه عقیقة لانه يحلق ثم قيل للشعر النابت بعد ذلك عقیقة مجازا لانه منها ونباته من اصولها (مناوی ص ۴۲) (اور عقیقة بروزن حقیقة ہے اور عق کا لغوی معنی کاٹنے اور چیرنے کا آتا ہے اس لئے تو اس مذبحہ جانور جو نئے مولود کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے عقیقہ کہتے ہیں کیونکہ اس کا حلق کاٹا جاتا ہے اور بعض لوگ ان بالوں کو جو مولود کے سر پر پیدائشی ہوتے ہیں ان کو بھی عقیقہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی مونڈھے جاتے ہیں اور اس کے بعد پیدا ہونے والے بالوں کو عقیقہ کہنا بطور مجاز کے ہوتا ہے اس لئے کہ یہ بھی ان کی جڑوں میں سے پیدا ہوئے ہیں) اور حضور اقدس ﷺ کے بالوں کی تعبیر لفظ عقیقہ سے کی گئی ہے شارحین حدیث نے اس کی بھی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں

(۱) چونکہ اول ولادت میں آپ کا عقیقہ نہیں ہوا تھا وہی پیدائشی بال چلے آئے ہوں لہذا اسی مناسبت سے آپ کے بالوں کو لفظ عقیقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر بعض شارحین نے اس توجیہ کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عرب اور بالخصوص بنو ہاشم کے خاندانی روایات سے بعید ہے جو شرفاء کا خاندان تھا لہذا ایسے کام سے وہ کیونکر غفلت برت سکتے تھے۔ اس لئے کہ ان کی عادت یہ تھی کہ پیدائش کے ساتویں دن وہ بچے کے بال مونڈواتے اور بکری ذبح کر کے فقراء کو کھانا کھلاتے تھے۔ فانه مستبعد جدا في العادة فان عاداتهم حلق شعر المولود في السابع وكذا ذبح الغنم واطعام الفقراء (جمع ص ۴۲) (یہ عرب کے دستور و عادت سے انتہائی بعید ہے اس لئے کہ ان کی عادت مولود کے بالوں کو ساتویں دن مونڈھنے اور بکری وغیرہ کو ذبح کر کے فقراء کو کھانا کھانا ہوتا تھا)۔

(۲) بعض شارحین حدیث کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آپ کے بال مبارک بطور اعجاز کے باقی رہ گئے ہوں کیونکہ حضور اقدس ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ آپ کی پیدائش سے چھ ماہ قبل وفات



پاچکے تھے چنانچہ آپؐ کے بال مبارک باقی رکھے گئے تاکہ کوئی مشرکانہ رسم ادا نہ کی جاسکے۔  
 فرقیہا .... ای جعل شعرہ نصفین نصفاً عن الیمین ونصفاً عن الیسار قیل بالمشط وقیل بیدہ  
 (مناوی ص ۴۲) یعنی ”فرق“ کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کنگھی یا ہاتھ سے سر کے آدھے بال دائیں  
 طرف کر دیتے اور آدھے بائیں طرف کر دیتے۔

### شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کا ترجمہ و توجیہ:

محدث شہیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ اس حدیث کے ذیل میں ترجمہ و توضیح میں تحریر  
 فرماتے ہیں کہ، اکثر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے ورنہ آپؐ خود  
 مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے۔ یہ مشہور ترجمہ ہے تاہم اس پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ حضور اقدسؐ  
 کا قصد امانگ نکالنا تو بعض روایات سے ثابت ہے۔ اس اشکال کے جواب میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ  
 اس کو ابتدائے زمانہ پر حمل کیا جائے کہ اولاً حضور اقدس ﷺ کو اہتمام نہیں تھا، لیکن بندہ ناچیز کے  
 نزدیک یہ جواب اس لئے مشکل ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مشرکین کی مخالفت اور اہل کتاب کی  
 موافقت کی وجہ سے مانگ نکالنی شروع فرمائی تھی اس لئے اچھا ترجمہ جس کو بعض علماء نے ترجیح دی ہے  
 وہ یہ ہے اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی اور کنگھی وغیرہ کی  
 ضرورت ہوتی تو اس وقت نہ نکالتے، کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی نکال لیتے۔

### سر کے بال اور حضور اکرمؐ کا معمول:

یجاوز شعرہ شحمة اذنیہ ... یعنی حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک کانوں کی لو سے  
 تجاوز کر جاتے تھے مراد واضح ہے کہ اگر کسی وقت بال بنوانے میں دیر ہو جاتی تو وہ بڑھ جاتے۔  
 اذہو و فرہ یعنی آپؐ بالوں کو بڑھاتے تھے ورنہ عام معمول یہی تھا کہ بال کانوں کی لو تک رہتے  
 تھے۔ آگے مانگ نکالنے کے بارے میں شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں واعلم ان المصطفیٰ کان  
 اولاً لا یفرق اجتناباً لفعل المشرکین وموافقة لاهل الكتاب وهذا دابہ قبل الایحاء وفیما لم

یومر بہ ثم خالف اهل الكتاب وفرق واستمر عليه وقال الحافظ العراقي وكان صلى الله عليه وسلم لا يحلق راسه الا لاجل النسك وربما قصره (منلوی ص ۴۳) یعنی وحی کے نزول سے پہلے آپؐ کی عادت یہ تھی کہ مشرکین کی مخالفت اور اہل کتاب کی موافقت میں بالوں میں مانگ نہیں نکالتے تھے، آپؐ ہر اس امر میں یہ طریقہ اختیار کرتے جس کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، پھر آپؐ نے اہل کتاب کی مخالفت میں بالوں میں مانگ نکالنا شروع کیا اور اسی پر آپؐ بدستور عامل رہے۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حج و عمرہ کے موقع پر سر کے بال مونڈواتے یعنی حلق کرتے اور کبھی کبھار بالوں کو کاٹ دیتے یعنی قصر کرتے۔

حضور اقدس ﷺ کے سر کے بالوں کے متعلق احادیث مبارکہ میں تین قسم کا ذکر آیا ہے وفہ، جمہ اور لمہ (تفصیلی بحث کتاب ہذا کے صفحہ ۱۰۸ پر ملاحظہ ہو)۔

تینوں طرح بال رکھنا سنت ہے تاہم یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ آج کل بعض مرد بالکل خواتین کی طرح بال چھوڑ دیتے ہیں جو سینہ تک اور بعض اوقات اس سے بھی لمبے ہو جاتے ہیں وہ قطعاً خلاف سنت ہیں حضور اقدس ﷺ نے اس طرح بال رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ سر کے ایک حصہ پر تو (بناؤ اور سنگھار کے لئے) بال رکھے جائیں اور ایک حصہ سے ترشوا دیے جائیں۔

## ازھر اللون :

ازھر اللون ... حضور اقدس ﷺ کا رنگ مبارک سفید تھا جس میں سرخی ملی ہوئی اور ہلکی سی گندم گونی تھی اور یہی رنگ خوبصورت ہوتی ہے اس سے قبل بھی یہ بحث کتاب ہذا کے صفحہ نمبر ۱۰۲ پر گزر چکی ہے۔ ازھر اللون سفید چمکدار رنگ والے کو کہتے ہیں اس کی اصل زہرۃ ہے جس کے معنی سفیدی خوبصورتی تازگی حسن اور روشنی کے ہوتے ہیں الزہرة فی اللغة اشراق فی اللون بیاضاً وغیرہ (مواہب ص ۲۴) (زہرہ کا معنی لغوی رنگ میں چمک دمک چاہے سفیدی ہو یا کوئی دوسرا رنگ) ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں ای ابيضه بیاضاً نیراً مشرباً بحمرۃ وقیل معناه متلائمی اللون وفي المذهب الازهر الابيض المستتير (جمع ص ۴۳) (ابيضہ کا معنی ایسی روشن سفیدی

جو سرخی کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور بعض لوگ چمکدار رنگ کو کہتے ہیں اور ”مہذب“ میں ہے کہ الازھر کا معنی سفید چمکنے والا) وقال ابو حنیفۃ الزہرۃ اشراق فی الالوان کلھا (منای ص ۴۳) (امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زہرہ کا معنی سب رنگوں کی چمک اور روشنی) اس میں اضافت صیغہ صفت کی فاعل کی طرف ہے ای ازہر لونہ جبکہ ازہر صفت مشبہ کے لئے فتح کے باب سے بمعنی چمکدار رنگ ہونے کے آتا ہے۔

در اصل زہر گلاب کے پھول کو کہتے ہیں گلاب کے عرق کو بھی زہر کہتے ہیں رونق روشن اور چمک بھی اس کا معنی ہے مراد یہ ہے کہ آپؐ کا رنگ پر رونق اور روشن تھا یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب لونہ کو ازہر کا فاعل کہا جائے تو رنگ والے معنی سے اس کی تجرید کی جائے گی بعض حضرات نے کہا ہے کہ اللون مضاف الیہ کو تمیز کہا جائے ای ازہر لوناً (کہ آپ ﷺ رنگت کے لحاظ سے چمکدار تھے)

## واسع الجبین :

یعنی آپؐ کی پیشانی مبارک طولاً و عرضاً کشادہ تھی ای واضعہ و ممتدۃ طولاً و عرضاً (جمع ص ۴۲) یہ حسن کی علامت ہے۔ پیشانی کے بالوں کے نیچے بالکل سامنے والے حصے کو جہۃ کہتے ہیں اور سامنے سے دائیں بائیں والے دونوں حصوں کو جبین کہتے ہیں خلدین سے اوپر جبین ہے اور یہ اضافت بھی تمیز کی طرف ہے اور تمیز گویا محمول عن الفاعل ہے ای واسع جبیناً ای جبینہ۔ جبین کی جمع جُبُنْ، اَجْبُنْ اور اَجْبُنَةُ آتی ہے مراد یہ ہے کہ تخلیقی طور پر آپؐ کی پیشانی وسیع تھی یا اس سے مراد خوش خلقی کی علامت کشادہ روئی ہے وقیل کنایۃ عن طلاقۃ الوجه (جمع ص ۴۲) (یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”واسع الجبین“ خندہ روئی سے کنایہ ہے) جبکہ تخلیقی طور پر وسیع الجبین ہونا بحسن خلق پر دلالت ہے وسعة الجبین محمودۃ عند کل ذی ذوق سلیم (منای ص ۴۳) (اور ہر سلیم الذوق شخص کے خیال میں پیشانی کی وسعت اور فراخی پسندیدہ چیز ہے)

## ازج الحواجب :

ازج الحواجب سوا بغ من غیر قرن بینہما عرق یدرہ الغضب ... حضور اقدس کے ابرو مبارک باریک خمدار تھے وہ کامل تھے مگر آپس میں ملے ہوئے بھی نہیں تھے دونوں ابروؤں کے درمیان ایک باریک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر آتی تھی۔

زج باب نصر سے آتا ہے جس کا معنی دوڑنا اور نیزہ مارنا ہوتا ہے اسی طرح نیزے کے نیچے والے لوہے کو بھی زج کہتے ہیں اور زجاج شیشے کو بھی کہتے ہیں۔

صاحب قاموس نے ازج کا معنی استقواس الحاجبین مع طول (مواہب ص ۲۴) یعنی بھوؤں کا قوس کے مثل مع قدرے طول کے ہونا بتایا ہے اور صاحب صحاح الجوهری نے دقة الحاجبین بالطول (جمع ص ۴۳) (بھوؤں کا طویل اور باریک ہونے) کے معنی میں لئے ہیں وہی الاساس الدقة والاستقواس ویمکن الجمع (جمع ص ۴۳) یہاں دونوں معانی مراد ہو سکتے ہیں یعنی حضور اقدس ﷺ کے ابرو مبارک کمان کی طرح بھی تھے اور دقیق و باریک بھی تھے۔

حواجب جمع حاجب کی ہے دربان، چوکیدار اور محافظ کو کہتے ہیں بھوؤں کو بھی اس لئے حاجب کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں کے محافظ اور مانع ہیں۔ عام اصول کے مطابق انسانی جسم کے تمام دوہرے اعضاء مؤنث استعمال ہوتے ہیں مگر حواجب اس سے مستثنیٰ ہیں اور مذکر استعمال ہوتے ہیں۔ بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ حواجب کے بال ساتر بشرۃ (چمڑے کو چھپانے والے) ہیں مگر یہ توجیہ اسلئے درست نہیں قرار دی جاسکتی کہ اس کے پیش نظر پھر تو تمام بالوں کو حاجب کہا جائے گا کیونکہ بال تو سب کے سب ساتر بشرۃ ہوتے ہیں سب سے بہتر توجیہ امام غزالیؒ نے حکمت العین میں لکھی ہے کہ آنکھ جس پر نصف زندگی موقوف ہے اس میں بینائی کو سات پردوں میں رکھا گیا ہے اس کے بعد گوشت کا پردہ لٹکا دیا گیا اس میں عجیب و غریب چیز یہ رکھی گئی کہ وہ خود بند ہوتا اور خود کھلتا ہے جب بھی کوئی چیز آنکھ تک پہنچنے لگے تو پھر اس سے بچنے کے لئے انسان کے ارادہ کی ضرورت نہیں ہوتی آنکھ خود بخود بند ہو جاتی ہے اگر اس موقع پر کھولنا بھی چاہے تب بھی نہیں کھل سکتی اس کے اوپر

پلکیں حفاظت کے لئے رکھی گئی ہیں ان پر ہڈی رکھی گئی جس کی وجہ سے آنکھ چوٹ سے محفوظ رہتی ہے۔  
- خلاصہ یہ کہ بھویں آنکھوں کو مضرات اور نقصان دہ چیزوں سے روکنے والے ہیں اس لئے ان کو حاجب کہا جاتا ہے۔

حاجب کے لئے حسن کے اعتبار سے تین صفات بیان کی جاتی ہیں (۱) طویل ہونا (۲) دقیق ہونا (۳) بین الحاجبین (دونوں بھوؤں کے درمیان فُرجہ (فاصلہ) ہو۔ ازج کے لفظ میں اولین دو صفات کا مدلول موجود ہے یعنی طویل ہونا اور دقیق ہونا۔ سوابغ من غیر قرن (کامل ہوں اور آپس میں ملے ہوئے نہ ہوں) میں تیسری صفت آگئی۔

سوابغ، سابع کی جمع ہے بمعنی کامل کے یہ مزید توضیح کے لئے بڑھایا گیا ہے اس کا رفع خبریت کی بنا پر ہے اور منصوب علی الحالیۃ من الحواجب (اور حواجب سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے)۔

قرن بمعنی اقرون ہونے کے ہیں اقرون وہ شخص ہے جس کے حواجب بالکل متصل ہوں جبکہ یہ وصف مذموم ہے۔ قَرْنٌ یَقْرُنُ قَرْنًا جوڑنے کے معنی میں آتا ہے جج کی ایک قسم قران اسی سے ماخوذ ہے قرین جس کا معنی ساتھی ہوتا ہے اور قَرْنٌ باب سمع سے مقرون الحواجب کے معنی میں آتا ہے۔

### بینہما عرق :

بینہما عرق ... ہما کی ضمیر کا مرجع حواجب ہیں باعتبار حاجبین کے، جبکہ حواجب صیغہ جمع کثرتِ شعور اور مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے و وضع الحواجب موضع الحاجبین لان الثنیۃ جمع او للمبالغة فی امتداد ہما حتی صار کالحواجب (مواب ص ۲۴) (اور یہاں حواجب (جمع) کو حاجبین (ثنیۃ) کی جگہ استعمال کیا گیا کہ ثنیۃ بھی جمع ہوتا ہے کیونکہ مافوق الواحد جمع کہلاتا ہے) اور یا اس لئے کہ ان کے طویل ہونے کی وجہ سے مبالغۃ ان کو مثل حواجب (جمع) کے ساتھ تعبیر کر دیا) اور حقیقت میں ہوتے بھی تو حاجبین ہیں مراد یہ ہوگی کہ حضور اقدسؐ کے حاجبین خط مستقیم کی طرح نہ تھے بلکہ درمیان میں فوجہ (خالی حصہ) تھا جو محمود ہے۔ ام معبد کی روایت کہ

آپؐ کے ابرو ازج بھی تھے اور اقرن بھی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ متصل الحاجبین تھے بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے۔

شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ نئی والی روایت سے مقصد یہ ہے کہ درمیان میں زیادہ فاصلہ نہ تھا اور ثبوت روایت سے مراد یہ ہے کہ کچھ اتصال بھی تھا فهو ابلج فی الواقع اقرن بحسب الظاهر (مواہب ص ۲۴) (تو آپ ﷺ کے ابرو مبارک درحقیقت علیحدہ علیحدہ تھے لیکن بظاہر ملے ہوئے معلوم ہوتے تھے) عرق کا معنی پسینہ اور کشید شدہ پانی بھی ہوتا ہے نیز عرق کا معنی رگ اور جوڑ ہوتا ہے یہاں رگ مراد ہے۔ انسان کے وجود میں نظام جسم و حیات کے قیام و استحکام کے لئے بہت سی رگیں پھیلی ہوئی ہیں بعض رگیں غیر مجوف ہیں ان کو اعصاب اور جو رگیں مجوف ہیں ان کو عرق کہتے ہیں جن میں خون اور پٹے ہوتے ہیں والعرق بکسر العین وهو اجوف یکون فیہ الدم والعصب غیر اجوف (جمع ص ۴۴) (عرق بکسر العین ایسی مجوف رگیں جس میں خون ہو اور عصب ایسی رگیں جو مجوف نہ ہوں)

حضور اقدس ﷺ کے دونوں ابروؤں کے درمیان میں ایک ایسی باریک رگ تھی جو غصے کے وقت ابھر کر نظر آنے لگتی تھی یدرہ الغضب (غصہ اس کو ابھارتا اور ظاہر کر دیتا) یہ جملہ عرق کی صفت ہے ضرب کے باب سے بمعنی تھوڑا تھوڑا بہنا دودھ کو بھی اس لئے در کہتے ہیں۔ يقال در اللبن (کہا جاتا ہے کہ تھنوں سے) (تھوڑا تھوڑا) دودھ نکلا) بارش کو بھی در کہتے ہیں مدارا موسلا دھار بارش ادرار کا لفظ پیشاب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

بہر حال یدرہ الغضب کا معنی یہ ہے کہ غصے کے وقت وہ رگ پھول جاتی تھی اس پر غضب کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ صفت محمود ہے جو کمال قوت کی علامت ہے و هذا دلیل علی کمال قوته الغضبیۃ الی علیہا مدار حمایۃ الدیار وقمع الاشرار و کمال الوقار وتمکنہ من الغیظ (مناوی ص ۴۴) (اور یہی آپ ﷺ کی قوت غضبیہ کے کمال کی دلیل ہے۔ جس پر گھروں اور ملکوں کی حفاظت، شریروں کو قلع قمع، رعب اور دبدبے کا کمال اور غیظ و غضب کی

قدرت حاصل ہوتی ہے۔)

## ناک مبارک کا تذکرہ!

افنی العرنین ... عرنین کا معنی ناک اور بینی کا درمیانی حصہ ہے اور افنی بروزن افضل ہے از باب نصر بمعنی اکساب و جمع مال اور جب سمع سے ہو تو بمعنی لزوم کے ہے افنی وہاں بولتے ہیں جب ناک میں یہ تین چیزیں پائی جائیں (۱) طول (۲) دقت (۳) کچھ بلندی والقنا طول الانف ودقة ارنبتہ وحذب فی وسطہ (جمع ص ۴۴) حضور اقدس ﷺ کی ناک مبارک اونچی تھی بانسہ اونچا اور قدرے لمبا معلوم ہوتا تھا جس پر ایک نور اور چمک تھی جو شخص غور سے نہیں دیکھتا تھا وہ خیال کرتا تھا کہ آپؐ کی ناک مبارک اونچی ہے جبکہ فی الواقع ایسی نہ تھی۔ وحاصل المعنی ان الرائی لہ صلی اللہ علیہ وسلم یظنہ اشم لحسن قنایہ ولنور علاہ ولو امعن النظر لحکم بانہ غیر اشم (مواہب ص ۲۴) بلکہ آپؐ کی ناک مبارک بھی آپؐ کے دیگر جسمانی اعضاء کی طرح بالکل معتدل تھی آپؐ معتدل الخلق تھے لہ نور یعلوہ کی وجہ سے ناک مبارک نمایاں معلوم ہوتی تھی۔

یحبسہ سے بلندی کی حد کا بیان ہے۔ اشم، اشم بلا ادغام سے ماخوذ ہے بمعنی بلندی کے اشم کا لفظی معنی پہاڑ کی چوٹی ہے اور بلندی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ والشم ارتفاع القصبۃ مع استواء اعلاہا واشراف الارنبۃ قلیلاً (جمع ص ۴۵) (شم کا معنی ناک کے بانسہ کی بلندی معتدل کچھ اونچائی کے ساتھ) من لم یتأملہ! والتامل اعادۃ النظر فی الشی مرۃ بعد اخری حتی یعرفہ ویتحققہ (مناوی ص ۴۵) (تأمل کا معنی کسی چیز کو بار بار دیکھنا تاکہ اس کی پہچان اور تحقیق کر لے) حضور اقدس ﷺ کے چہرہ مبارک کو تا مل اور جی بھر کر نہ دیکھ سکنے کی وجہ آپؐ کی ہیبت، جلال اور رعب تھا۔ مراد یہ ہے کہ ناک مبارک بلا تا مل اونچی نظر آتی تھی مگر درحقیقت صفات ثلاثہ مذکورہ کی جامع تھی۔ لہ نور یعلوہ میں لہ کی ضمیر کا مرجع عرنین ہے یا حضور اقدس ﷺ ہیں۔

کث اللحیۃ ... حضور اقدس ﷺ کی داڑھی مبارک کھنی تھی کث یُکث کثاً کا معنی گھنا اور گنجان ہونا ہے واللحیۃ الشعر النابت علی الذقن وهو مجتمع اللحیین (مواہب ص

(۲۵) یعنی ٹھوڑی پر نکلے ہوئے بالوں کو داڑھی کہتے ہیں۔ نہایہ میں ہے کہ داڑھی کی کثافت یہ ہے کہ باریک اور لمبی نہ ہو بلکہ اس میں گنجان پنا اور محبوبیت ہو مجمع البحرين میں ہے یعنی چھوٹی داڑھی اور گھنی داڑھی وفي رواية كان كثيف اللحية وفي اخرى عظيم اللحية (جمع ص ۴۵) (ایک روایت میں ہے کہ آپؐ گھنی داڑھی والے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ عظیم اللحية (بڑی داڑھی والے) تھے وفي رواية كان كث شعر الراس واللحية (مناوی ص ۴۵) (ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ کے سر اور داڑھی مبارک کے بال گھنے تھے)۔

### رخسار مبارک:

سہل الخدین --- حضور اقدس ﷺ کے رخسار نرم، ہموار، صاف اور حسین تھے کیل چھائیوں داغ اور دھبوں سے پاک تھے۔ سہل (از باب کرم) کا لفظ بلند زمین کے مقابل بولا جاتا ہے سہل الخدین کا معنی غیر مرتفع الخدین (مواہب ص ۲۵) (نہ ابھری ہوئی رخساریں) اس طرف اشارہ ہے کہ آپؐ کا چہرہ اور رخسار مبارک اگرچہ پر گوشت تھے مگر غیر مناسب نہیں تھے وذلک اعلى واعلى واحلى عند العرب (مناوی ص ۴۵) یعنی عربوں کے نزدیک یہی سب سے اعلیٰ، محبوب اور پسندیدہ ہوتے ہیں۔

### دہن مبارک:

ضلیع الفم ... ضلیع کا معنی پیل ہوتا ہے اور قوی جانور کو بھی کہتے ہیں جس کی کوھیں بھری ہوئی ہوں یہاں ضلیع کا معنی عظیم ہے یعنی واسع الفم "الضلیع الذی عظمت اضلاعه فاتسع جنباه ثم استعمل فی العظیم فالمعنی عظیم الفم وواسعه" (مواہب ص ۲۵) یعنی ضلیع اس کو کہتے ہیں جس کی پسلیاں بڑی ہوں اور پہلو کشادہ ہو گئے ہوں۔

پھر یہ لفظ "عظیم" کے معنی میں استعمال ہونے لگا لہذا "ضلیع الفم" کا معنی بڑا اور کشادہ منہ ہے۔ یہ وسعت فم رجال میں محمود ہے اور خواتین میں مذموم ہے دہن مبارک کشادہ تھا نہ چھوٹا اور تنگ تھا



کہ منہ سے نکلی ہوئی بات میں فصاحت نہ رہتی اور نہ اعتدال و موزونیت سے بڑا تھا کہ بھدا نظر آتا، موزون معتدل اور مناسب کشادہ دھن سے موصوف تھے جو ایک عمدہ اور اچھی صفت ہے و فیہ ایماء الی قوة فصاحتہ وسعة بلاغته (جمع ص ۳۵) یعنی اس میں آپ کی قوت فصاحت اور وسعت بلاغت کی طرف اشارہ ہے۔

### دانت مبارک :

مفلج الاسنان ... تفلیج سے ہے دانت مبارک قدرے کشادہ تھے دانتوں میں مکمل اتصال نہیں تھا بلکہ درمیان میں معمولی سا فاصلہ تھا۔ مفلج اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دانت متصل ہوں مگر ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے نہ ہوں بلکہ درمیان میں تھوڑا سا فرق ہو۔

اس کے مقابلہ میں مراض الاسنان بولا جاتا ہے وہ شخص جس کے دانت ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوں اور بہت متصل ہوں۔ ایک اور لفظ ابلس بولا جاتا ہے جس کے دانتوں میں کافی فاصلہ اور زیادہ کشادگی ہو۔ انفراج جمیع الاسنان عیب عند العرب (مواہب ص ۲۵) تاہم دانتوں میں تھوڑا سا فاصلہ اور ہموار کشادگی عربوں میں محمود ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت سے متصف تھے۔

دقیق المسربة ... سینہ مبارک پر بالوں کی ایک باریک خوبصورت لکیر تھی جو سینہ سے شروع ہو کر ناف تک چلی گئی تھی۔ المسربة، سربة (باب کرم) سے ہے وہی الطريقة (مناوی ص ۳۶) و وصف المسربة باللقطة للمبالغة اذھی الشعر الدقیق (مواہب ص ۲۵) یعنی بالوں کی لکیر (المسربة) کی صفت باریکی (الدقة) لانا مبالغہ کے لئے ہے اس لئے کہ وہ باریک بال تھے۔ تفصیلی بحث صفحہ نمبر ۱۱۹ میں گزر چکی ہے۔

### گردن مبارک :

كان عنقه جيد دمية ... حضور اقدس ﷺ کی گردن مبارک ایسی تھی گویا کسی حسین و جمیل مورتی

کی گردن ہو۔ جید گردن یا گردن کا وہ مقام جہاں ہار پہنتے ہیں۔

دمیۃ پتلی کو کہتے ہیں وہ پتلی جو منقش اور مزین ہو اور اس میں خون کی طرح سرخی ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ دمیۃ ہاتھی دانت کی پتلی کو کہتے ہیں۔ عرب لوگ مثال کے طور پر کہتے ہیں احسن من الدمیۃ یعنی پتلی سے بھی زیادہ خوبصورت۔ عادت انسانی بھی تو یہ ہے کہ اپنے محبوب کو حسن کی تصویر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں چنانچہ زمانہ قدیم میں پتھر سے خوبصورت گڑیاں مورتیاں اور پتلیاں بنائی جاتی تھیں، صنم گری ایک فن تھا بدھ مذہب تو اس میں انتہاء کو پہنچا ہوا تھا کمال یہاں تک کہ ایک کاریگر نے چاول کے ایک دانہ پر مہاتما بدھ کا نہایت خوبصورت مجسمہ بنایا تھا۔ متنتی نے بھی اپنے محبوب کی تعریف میں کہا

صنمًا مِّنَ الاصنام لولا الروح

اگر میرے محبوب میں زندگی کی روح نہ ہوتی تو ایک حسین مجسمہ معلوم ہوتا۔ یہاں مذکورہ روایت میں بھی حضور اقدس ﷺ کے بارے میں یہی کہا گیا ہے کہ آپ کی گردن مبارک کسی خوبصورت مورتی کی طرح حسین تھی سرخ رنگ کی مناسبت سے اس کا نام دمیۃ رکھا گیا۔ پہلے عنق کہا گیا ہے پھر جید لائے ایک تو اس میں تفنن فی العبارة (الفاظ و عبارت میں تنوع) ہے و ارادة التفنن المعنوی (جمع ص ۴۶) دوسرا کمال ادب بھی ملحوظ ہے کیونکہ جید کا لفظ عام روزمرہ استعمال میں عشاق اپنے معشوق کے لئے جائز و ناجائز ہر صورت میں استعمال کرتے ہیں۔ راوی نے حضور اقدس کے وصف واقعی کے بیان میں صرف اس کلمہ کو استعمال کرنا مناسب نہ سمجھا اور عنقه کہا اور دمیۃ کے لئے جید کا لفظ لایا گیا فشہ عنقه الشریف بعنق الدمیۃ فی الاستواء والاعتدال وحسن الهيئة والکمال والاشراق والجمال (موہب ص ۲۵) یعنی آپ کی گردن مبارک کو منقش اور مزین پتلی کی گردن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یہ تشبیہ برابری، اعتدال، حسن ہیئت، کمال، تابانی اور جمال میں ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ عنق کی تخصیص کیوں کی گئی۔ شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ جو اعضاء مثلاً گردن وغیرہ کھلے رہتے ہیں ان پر میل و غبار پڑتا رہتا ہے لیکن جب یہ زیادہ صاف اور شفاف ہوں تو دیگر اعضاء تو بطریق اولیٰ صاف و شفاف ہوں گے۔ وفيه ايماء الى بياض عنقه الذى يبرز للشمس

المستلزم ان سائر اعضائہ اولی (جمع ص ۴۶) (اور اس میں اشارہ ہے آپ ﷺ کی گردن کی سفیدی کی جانب کہ اس پر باوجود دھوپ وغیرہ پڑنے کے اس میں صفائی ہے تو یہ باقی اعضاء کے صفائی کو مستلزم ہے)

فی صفاء الفضة ... یعنی صفائی بالکل چاندی جیسی تھی جب چاندی کے زیور یا برتن کو صاف کر کے پالش کر لیا جائے تو وہ صفائی اور حسن میں چمکتا اور دمکتا ہے۔ جنتیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِانِيَةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا ۝ قَوَارِيرٌ مِنْ فِضَّةٍ قَلْبَرُوهَا تَقْدِيرًا (۱۵: ۷۶) (اور ان کے پاس چاندی کے برتن لائے جائیں گے اور آنجورے جوشیشے کے ہوں گے، وہ شیشے چاندی کے ہوں گے جن کو بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا)۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں قیل صفة للدمية او لجيد دمية او خير بعد خبر لكان عنقه وهو الاولی (جمع ص ۴۶) یعنی ”فی صفاء الفضة“ پتلی کی صفت ہے یا پتلی کی گردن کی صفت ہے اور یا کائن کے لئے خبر بعد خبر ہے اور یہ تو جیبہ اولی ہے۔

## معتدل الخلق :

معتدل الخلق ... حضور اقدس ﷺ نہایت موزون اور متناسب جسم والے تھے۔ راوی کا یہ جملہ ماقبل کی نسبت سے اجمال بعد التفصیل اور مابعد کی نسبت سے اجمال قبل التفصیل ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ گذشتہ تمام صفات کو شامل ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں او المراد انه معتدل الصورة الظاهرة بمعنى ان اعضائه متناسبة غير متنافرة و كل متناسب معتدل و كل متوسط فی کم و کیف معتدل و كل مستقیم قویم معتدل (مناوی ص ۴۶) (یا مراد یہ ہے کہ آپ کی ظاہری صورت معتدل تھی یعنی اعضاء متناسب تھے اور ہر متناسب معتدل ہوتا ہے، اسی طرح کیمت و کیفیت میں متوسط چیز معتدل ہوتی ہے اور ہر مستقیم و استوار چیز معتدل ہوتی ہے) اور معتدل الخلق کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ غصہ کے وقت میں غصہ اور رحمت کے وقت میں رحمت فرماتے تھے۔

## بادن متماسک سواء البطن والصدر:

لفظ بادن، بدانة سے ماخوذ ہے بمعنی ذی بدانة کے۔ یعنی حضور اقدس ﷺ کا جسم بالکل نحیف و ضعیف نہیں تھا بلکہ اعتدال کے ساتھ بھاری، گٹھا ہوا اور مضبوط تھا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کہ حضور اقدس ﷺ کے جسم مبارک میں موٹاپا نہیں آیا تھا، سے اس کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ اس جگہ بدانة (موٹاپا) سے مراد وہ بدانة ہے جو حسن کے عین مناسب ہو اس لئے تو راوی نے بادن کے ساتھ متماسک کی صفت کا اضافہ کر دیا ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ولما كانت البدانة قد تكون من الاعضاء وقد تكون من كثرة اللحم والسمن المفرط المستوجب لرخاوة البدن وهو مذموم اردفه بما ينفي ذلك فقال متماسک (مناوی ص ۴۷) یعنی موٹاپا چونکہ کبھی اعضاء کے بڑے ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے یا بدن پر گوشت زیادہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور حد سے زیادہ موٹاپے سے بدن ڈھیلا پڑ جاتا ہے جو ناپسندیدہ ہوتا ہے اسلئے راوی نے بادن کے ساتھ متماسک کا لفظ لا کر ان مذموم صفات کی نفی کر دی بادن یعنی حضور اقدس ﷺ کا جسم مبارک ڈھیلا ڈھالا نہیں بلکہ مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔

متماسک کا معنی اعضاء کا ایک دوسرے کے ساتھ مضبوط اور جڑا رہنا اور اپنی جگہ پر قوی ہونا۔ حضور اقدس ﷺ کا بدن مبارک نہ زیادہ بھاری تھا اور نہ بالکل نحیف والحق انه لم یکن سمیناً قط ولا نحیفاً قط (مناوی ص ۴۷) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والحاصل انه تخصیص بعد تعمیم او تذیل و تتمیم (جمع ص ۴۷) (حاصل یہ ہوا کہ لفظ متماسک تعمیم کے بعد تخصیص ہے یا اور یا پھر تکمیل و تتمیم ہے)

سواء البطن والصدر... اس جملہ میں بھی حضور اقدس ﷺ کے بدن مبارک کی موزونیت اور اعتدال کا بیان ہے یعنی تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ خوب اور موزون تھے جسے پیٹ اور سینے کی برابری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سواء الشئ وسطه لاستواء المسافة اليه من الاطراف (نہایۃ) (سواء الشئ کا معنی اس چیز کا درمیان کیونکہ اطراف کی مسافت درمیان کو مساوی ہوتی ہے) والمعنی ان

بطنه و صدره الشریفان مستویان لایتناحلہما عن الآخر فلا یزید بطنه علی صدره ولا یزید صدره علی بطنه (مواہب ص ۲۶) (مطلب یہ کہ آپ ﷺ کا پیٹ اور سینہ مبارک بالکل مساوی اور معتدل تھے ان میں کوئی بھی اپنی جگہ سے ہٹا ہوا نہیں تھا۔ نہ تو پیٹ سینے پر زیادہ (پھولا) تھا اور نہ سینہ پیٹ پر زیادہ (ابھرا) ہوا تھا)

عریض الصدر ... یہ ماقبل کی تاکید ہے اور ایک روایت میں رجب الصدر (فراخ سینہ والے) بھی منقول ہوا ہے یعنی حضور اقدس ﷺ کا سینہ مبارک چوڑا تھا جو مردوں میں حسن و کمال، جمال، عظمت اور قوت کی علامت ہے علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں وذلك آية النجابة فهو مما يمتدح به فی الرجال (مواہب ص ۲۶) بعید المنکین کی بحث ۱۰۷ پر تفصیل سے لکھی جا چکی ہے۔

ضخم الكرادیس ... کرا دیس جمع ہے کر دوس کی۔ بروزن عصفور۔ اس سے جوڑوں کے کنارے یا ہڈیوں کو ملانے والے جوڑ مراد ہیں، یعنی حضور اقدس ﷺ کے جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط تھیں، جو باطنی قوتی کے کمال کو مستلزم ہیں (مواہب ص ۱۶)

### ظاہری اعضاء کی نورانیت:

انور المتجرد ... انور سے مراد روشن نورانی۔ المتجرد باب تفعل سے اسم فاعل ہے اور انور کا مضاف الیہ ہے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے وہ اعضاء مبارک جو خود بخود ظاہر اور کھلے ہوتے تھے مثلاً ہاتھ پاؤں، چہرہ مبارک وغیرہ وہ نہایت خوبصورت روشن نورانی اور چمکدار ہوتے تھے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ باب تفعل سے اسم مفعول ہے تو اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ آپؐ کے جو اعضاء کھلے اور ظاہر نہ تھے بلکہ لباس میں پوشیدہ تھے اگر وہ کسی صورت میں ظاہر اور مجرد ہو جاتے (لباس اتارتے) تو وہ روشن اور منور ہوا کرتے تھے وفی رواية لابن صاعد بن سراقه دنوت منه وهو علی ناقته فرايت ساقه فی غرزه کانها جمارة (منامی ص ۴۸) (ابن صاعد بن سراقہ فرماتے ہیں کہ میں آپؐ کے قریب آیا۔ آپؐ اونٹنی پر سوار تھے، رکاب کے اندر میں نے آپؐ کی پنڈلی دیکھ لی گویا کہ وہ ایک چمکدار اور روشن انگارہ تھا)۔

## لبہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر:

موصول مابین اللبۃ والسرۃ ... دقیق المسربۃ تفصیل میں جو بحث گذر چکی ہے یہ اس کی مزید توضیح و تشریح ہے یہاں مایا تو موصولہ ہے اور یا موصوفہ ہے۔

لبۃ سے مراد وہ گڑھا ہے جو حلقوم کے نیچے ہوتا ہے موضع القلادۃ سے بھی اس کا معنی بیان کیا گیا ہے وہی النقرة التي فوق الصدر (جمع ص ۴۸) یعنی یہ سینہ کے اوپر ایک گڑھا ہوتا ہے او موضع القلادۃ قولہ البعیر موضع نحرہ (مناوی ص ۴۸) (یا یہ اس حصہ کو کہتے ہیں جس پر ہار باندھا جاتا ہے اور اونٹ کا لبۃ اس کے ذبح کرنے کی جگہ ہوتی ہے)۔

سرۃ کا معنی ناف ہے وانما هی الموضع الذی قطع منه السر (بالضم) (مناوی ص ۴۸) یعنی ”سرۃ“ پیٹ کے اس مقام کو کہتے ہیں جس سے ناف کاٹتے ہیں۔

والمعنی وصل مابین لبۃ و سرۃ (مناوی ص ۴۸) سرۃ کی جمع سررُ سرّات آتی ہے۔  
 كالخط .. الخط الطريق ملا علی قاری فرماتے ہیں الطريقة المستطيلة فی الشی (جمع ص ۴۸) فکانہ جعل اللبۃ نقطة والسرۃ نقطة والشعر بینہما خط لاتصالہ بینہما (مناوی ص ۴۸) (تو گویا ”لبۃ“ کو ایک نقطہ قرار دیا اور ”سرۃ“ کو دوسرا نقطہ اور ان دونوں کے درمیان میں بالوں کی لکیر ان کو آپس میں ملاتی ہے)

## ثدیین، ذراعین اور زندین کی بحث:

عاری الثدیین والبطن ... بالوں کی باریک سی مذکورہ لکیر کے علاوہ آپ کی دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھا۔ عاری منصوب اور مناع دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے عری سے ماخوذ ہے سمع کے باب سے ہو تو بمعنی ننگے ہونے کے آتا ہے اور نصر کے باب (عرا یعرو) سے ہو تو بمعنی پیش آنے کے آتا ہے۔ دونوں ابواب سے اسم فاعل عاری آتا ہے جس کی جمع عراۃ ہے یہاں مراد بالوں سے ننگا ہونا ہے والمعنی لم یکن علی ثدیہ وبطنہ شعر غیر مسربۃ

ویؤیدہ موقوف فی حدیث ابن سعد لہ شعر من لبثہ الی سرتہ کالقضیب لیس فی بطنہ ولا صدرہ شعر غیرہ (جمع ص ۴۹) یعنی آپؐ کی چھاتیوں اور پیٹ پر بالوں کی ایک باریک لکیر کے علاوہ زائد بال نہیں تھے اور اس کی تائید ابن سعد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ آپؐ کے لبۃ اور ناف کے درمیان ٹہنی کے مانند بال تھے، آپؐ کے سینے اور پیٹ پر اس کے علاوہ مزید بال نہیں تھے۔

اشعر الذراعین ... اشعر کا معنی کثیر الشعر و طویلہ (قاموس) یعنی کثیر اور طویل بالوں کے ہے یہ اجرد کا ضد ہے الذراعین 'من المرفق الی الاصابع' (کہنیوں سے انگلیوں تک کے حصہ) کو کہتے ہیں۔ والمنکیین 'مجتمع راس الكتف والعصء (منکیین، کندھے اور بازو کے ٹام) کو کہتے ہیں اعلیٰ 'اعلیٰ' کی جمع ہے۔ اسی شعر ہذہ الثلاثة غزیر کثیر (جمع ص ۴۹) یعنی آپؐ کے دونوں بازوؤں، دونوں کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر کثیر اور گھنے بال تھے۔

طویل الزندین ... حضور اقدس ﷺ کی کلاںیاں اعتدال کے ساتھ دراز تھیں وفي المغرب هما طرفا عظم الساعدین (جمع ص ۴۹) زندین 'زند' کا تشبیہ ہے امام اصمعی کا مقولہ ہے لم یز احد اعرض زندا من الحسن البصری کان عرضه شبرا (مواہب ص ۲۶) یعنی حضرت حسن بصریؒ سے زیادہ چوڑا کلائی والا نہیں دیکھا گیا ہے۔ اس کی چوڑائی ایک باشت تھی۔

رحب الراحة .... رحب (کرم اور سمع) کے باب سے آتا ہے بمعنی ہتھیلی کی کشادگی اور وسعت اس سے خلقت کا بیان ہے تو ظاہر ہے اور اگر وصف کا بیان ہے تو سخاوت و جود سے کنایہ ہے تاہم وسعت رحب کا مدلول فیاضی ہے جو آپؐ میں تمام و کمال موجود تھی۔

قیل رحب الراحة دلیل الجود و ضیقھا دلیل البخل (جمع ص ۴۹) (ہتھیلی کی کشادگی سخاوت کی دلیل ہے جبکہ اس کی تنگی بخل کی دلیل ہے)

شنن الکفین والقدمین آپؐ کے ہاتھ اور پاؤں دونوں پر گوشت تھے تفصیلی بحث ۱۱۸ پر گذر چکی ہے۔

## انگلیاں، پوٹے، تلوے اور قدمین مبارک:

سائل الاطراف اور شائل الاطراف، آپ کی انگلیاں تناسب کے ساتھ دراز تھیں۔ راوی کو تردد ہے کہ استاد نے سائل کا لفظ ارشاد فرمایا تھا یا شائل کا۔ سائل سیلان سے ہے بمعنی پہننے کے اور شائل، شول سے ہے بمعنی ارتقاع کے۔ مراد لمبا اور فراخ ہونا ہے۔

الغرض سیلان ہو یا شول لغوی معنی اونٹ یا گھوڑے کی دم کا ابھرا ہوا ہونا ہے۔ اطراف کے معنی پوروں۔ مراد انگلیاں ہیں والسمعنی کان مرتفع الاطراف بلا احدید اب ولا انقباض (مواہب ص ۲۶) (مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے انگلیاں مبارک نہ بہت لمبی تھیں اور نہ سکڑی ہوئیں) خمصان الاخمصین یہ لفظ خمص اور خموص باب نصر سے ماخوذ ہے لغوی معنی ورم بیٹھنا، باریک تکلم، خالی پیٹ ہونا آتا ہے یہاں مراد تلوے کا وہ حصہ جو زمین کے ساتھ نہ لگے، انسانی پاؤں کا یہ حصہ گوشت سے خالی ہوتا ہے اور زمین سے نہیں لگتا واخمص القدم هو الموضع الذی لایمسہ الارض عند الوطنی من وسط القدم (مواہب ص ۲۷) (قدم میں انحص وسط قدم کی وہ درمیانی جگہ (تلوے) کہ جو زمین کے ساتھ نہ لگے) بخلاف اونٹ کے کہ اس کے تلوے گوشت سے بھر پور ہوتے ہیں اور پورا پاؤں زمین کے ساتھ لگتا ہے جبکہ حضور اقدس ﷺ کے دونوں پاؤں کے تلوے انسانی فطرت کے مطابق قدرے گہرے زمین سے مرتفع اور گوشت سے بھر پور نہ تھے اور ان کا درمیانی حصہ زمین کو نہیں چھوتا تھا۔

مسیح القدمین ... یعنی ہموار سپاٹ، تلوے والا نرم جس میں پھشن اور شگاف نہ ہو ای املسهما مستویہما لہما بلا تکسر ولا تشقق جلد (مناوی ص ۵۱) یعنی حضور اقدس ﷺ کے قدمین مبارک صاف روشن، چکنے اور معتدل اور ہموار تھے حتیٰ کہ اگر ان پر پانی بھی ڈالا جاتا تو وہ بہہ نکلتا ینبؤ نبا سے ہے بمعنی بہہ جانے کے یقال نبا تجافی وتقاعد وزایل وعلا وارتفع والاخیر هنا انسب (مناوی ص ۵۱) (علامہ مناویؒ نبأ کے مختلف معانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بمعنی دور ہونے کے، بیٹھنے، اپنی جگہ سے زائل ہونے، بلند و مرتفع ہونے کے اور یہی اخیر معنی زیادہ مناسب



(ہے) یہ مسیح القلمین کی توضیح اور دلیل ہے جب ینبؤ کا صلہ عن آئے تو وہ دور ہونے کے معنی میں آتا ہے بوجہ نرمی کے پانی کا ورود اور سیلان جلدی ہو جاتا ہے۔

بعض حضرات نے مسیح القلمین کا معنی یہ لیا ہے جس کا تمام قدم زمین پر لگے اور درمیان میں گہرائی نہ ہو اور قدم رکھتے وقت قدم کا درمیانی حصہ یعنی تلوے زمین سے جدا نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت بھی اسی مفہوم کی منقول ہے۔ اذا وطئ الارض بقلمه صلى الله عليه وسلم وطئ بکله لیس له اخمص۔ (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۷) یعنی آنحضرت ﷺ زمین پر پورا قدم رکھتے تھے، قدم کے تلوے زمین کے ساتھ لگتے تھے۔ تو اس روایت کا خمصان (کہ تلوے زمین کے ساتھ نہیں لگتے تھے) والے مفہوم سے تعارض ہے۔ شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے قدمین مبارک زمین سے زیادہ مرتفع نہیں تھے جو بغیر تامل اور امعان نظر کے معلوم ہو۔ لہذا جن حضرات نے امعان نظر اور تامل نہ کیا اور اول وهله میں اپنا مشاہدہ نقل کر دیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ تلوے زمین سے اٹھے ہوئے نہیں تھے، لیس له اخمص اسی حالت میں کہا گیا تھا ونفی الاخمص فی خبر ابی ہریرہؓ محمول علی نفی عدم الاعتدال (مواہب ص ۲۷) جن حضرات نے گہری نظر سے غور کیا اور تامل کے بعد اپنا مشاہدہ بیان کیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ تلوے زمین سے اٹھے ہوئے تھے اور خمصان الاخمصین کے دعوے پر قائم رہے فمن اثبت الخمص اراد ان فی قلمیه خمصاً یسیراً ومن نفاہ نفی شلته (جمع ص ۵۱) حاصل یہ کہ جس نے خمص کو ثابت کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ قدم رکھتے وقت تلوے زمین سے قدرے اوپر رہتے اور جس نے خمص کی نفی کی ہے تو اس نے زیادہ اٹھان کی نفی کی ہے، کہ تلوے زیادہ اٹھے ہوئے نہیں تھے۔

## چال مبارک:

اذا زال ... چال مبارک کا بیان ہے قلعا کا معنی زور سے اور قدم اٹھا کر چلنا۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں والقلع فی الاصل انتزاع الشی من اصله او تحویلہ عن محله وکلاهما صالح لان یراد هنا انه ینزع رجله عن الارض او یحولها عن محلها بقوة (مناوی

ص ۵۱) (قلع اصل میں کسی چیز کو جڑ سے نکالنے یا اس کو اپنی جگہ سے منتقل کرنے کو کہتے ہیں اور دونوں معانی یہاں مراد لینا درست ہے بایں طور کہ آپؐ چلتے وقت پیر کو اچھی طرح زمین سے اٹھاتے یا اس کو اپنی جگہ سے قوت کے ساتھ منتقل کرتے) حضور اقدس ﷺ قدم اٹھا کر چلتے تھے پاؤں کو زمین پر نہیں گھیٹتے تھے ای رفع رجله عن الارض رفعاً بائناً بقوة لا کمین یمشی اختیالاً وبقارب خطاه تبخراً (جمع ص ۵۱) (کہ آپ ﷺ اپنے قدم مبارک زمین سے پوری قوت سے اچھی طرح اٹھاتے تھے نہ اس شخص کی چال چلتے جو اکڑ کر چلے اور ناز و خرم کے ساتھ قدم قریب قریب رکھ کر چلے) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمعنی انه کان يستعمل الثبوت ولا یبتین منه حیثین استعجال ولا استمهال وهذا معنی قوله تعالیٰ واقصد فی مشیک (جمع ص ۵۱) یعنی آپؐ قدم کو اس طرح مضبوطی کے ساتھ اٹھاتے کہ جس سے جلد بازی اور ڈھیلا پن ظاہر نہیں ہوتا تھا اور یہی معنی ہے باری تعالیٰ کے ارشاد ”واقصد فی مشیک“ (۱۹:۳۱) کے یعنی اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر۔ اس سلسلہ کی مزید بحث صفحہ ۱۰۳ پر تفصیل سے کی گئی ہے ویخطو تکفیا یہ ماقبل کی تاکید ہے۔

ویمشی ہونا تفنن فی العبارة ہے اذا زال الخ میں کیفیة رفع رجله عن الارض (زمین سے پاؤں اٹھانے کی ہیئت اور کیفیت) کا بیان تھا یہاں کیفیة وضعهما علی الارض (زمین پر پاؤں رکھنے کے طریقے) کا بیان ہے (مواہب ص ۲۷) کہ حضور اقدس ﷺ چلتے وقت نہایت وقار کے ساتھ چلتے تھے والمراد انه یمشی برفق وسکينة وثبت ووقار وحلم واناة وعفاف وتواضع (مطلب یہ کہ آپ ﷺ انتہائی تثبت پر سکون، نرمی، حلم، وقار اور تواضع سے چلتے تھے) اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مشی ہون (عاجزی کے ساتھ چلنا) کے ساتھ تو قرآن نے عام صالحین کو بھی موصوف کیا ہے پھر حضور اقدس ﷺ کے ایسے وصف کے ذکر سے کیا فائدہ جس میں خواص امت بھی آپؐ کے ساتھ شریک تھے وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا (۶۳:۲۵) (اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں) جبکہ صفت کی غرض تو یہ ہوتی ہے کہ اس صفت میں موصوف کو خاص امتیاز اور فضل و تفوق حاصل ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ جواب میں لکھتے ہیں

قلت المراد انه اثبت منهم في ذلك واكثر وقاراً ورفقاً وسكينة (مناوی ص ۵۲) یعنی آپ دیگر انسانوں سے اس صفت میں وقار، نرمی اور سکون کے اعتبار سے بڑھے ہوئے تھے۔

ذریع المشیة ذرع بسط الید (ہاتھ لمبا کرنے) کو کہتے ہیں التذریع فی الشنی سے مراد تحریک الذراعین (کہنیوں کو حرکت دینا) ہے ذریع کا معنی سریع ہے امام راغب فرماتے ہیں ذریع کا معنی واسع الخطو (کشادہ قدم) ہے (المفردات ۱۷۸) مراد مشی معتاد یعنی عادت کے مطابق چلنا ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں اشارة الى سعة خطوه في المشی وهی المشیة المحموده للرجال واما النساء فانهن یوصفن بقصر الخطا (جمع ص ۵۲) یعنی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ چلتے وقت کشادہ قدم لیتے تھے اور یہ مردوں کے اعتبار سے پسندیدہ چال ہے جبکہ عورتوں کے لئے کوتاہ قدم لینا قابل صفت ہے۔

اذا مشی الخ رفتار مبارک سے متعلق بحث صفحہ نمبر ۱۱۹، ۱۰۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

### مبارک نگاہیں :

خافض الطرف نظره الى الارض اطول حضور اقدس ﷺ کی نگاہ مبارک زیادہ تر زمین ہی کی طرف جھکی رہتی تھی۔ خفض (نیچے) سے مراد ضد الرفع (اوپر) اور الطرف سے مراد آنکھ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی نگاہیں خشوع خضوع، حیا و کثرت خوف اور تواضع کی وجہ سے اکثر اوقات نیچی رہتی تھیں ہاں بوقت ضرورت نگاہیں آسمان کی طرف بھی اٹھ جایا کرتی تھیں۔

### ایک تعارض کا حل :

قد نرى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ (۱۳۴:۲) (بے شک ہم آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں) سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہیں آسمان کی طرف بار بار اٹھتی تھیں اور ابوداؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس يتحدث يكثر ان يرفع طرفه الى السماء یعنی حضور اقدس ﷺ جب گفتگو کے لئے

تشریف فرما ہوتے تو کثرت سے نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے جبکہ شامل کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نگاہیں اکثر نیچی رہتی تھیں، لہذا بظاہر تعارض ہے۔

شراحین حدیث جواب میں کہتے ہیں (۱) نگاہوں کا اٹھنا انتظارِ روحی پر محمول ہے۔

(۲) ابوداؤد کی روایت میں کثرة فی نفسه (اکثریت فی ذاته) کا بیان ہے اور شامل ترمذی کی روایت میں صرف نسبة الى الارض (کثرت نسبت زمین کے ہے) کا بیان ہے۔

(۳) شامل ترمذی میں حالت مشی (رفقار) کی اکثریت کا بیان ہے یعنی چلتے وقت نگاہیں نیچی رہتی تھیں اور ابوداؤد میں حالت جلوس و تحدیث (بیٹھنے اور بات چیت کرنے) کا بیان ہے۔

(۴) وقیل الاکثر لا ینافی الاکثار (جمع ص ۵۳) اور بعض کہتے ہیں کہ اکثر (بہت زیادہ) اور اکثار (بہت کرنا) میں منافات نہیں (

جل نظره الملاحظة .... جل کا معنی اکثر ومعظم اور الملاحظة 'الحاظ سے ہے بمعنی گوشہ چشم سے دیکھنا لحظ الیہ ای نظر الیہ بمؤخر العین (جمع ص ۵۳) الملاحظة کا معنی گوشہ چشم سے لا پر واہی سے دیکھنا مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کسی ایک جانب گھور گھور کر نہیں دیکھتے تھے بلکہ ایک ہی نظر میں حقیقت کو پا جاتے تھے اور یہی حضور اقدس ﷺ کا اکثر معمول تھا بظاہر اس کا بھی اذا التفت التفت جميعاً سے تعارض ہے۔ محدثین حضرات اس اشکال کے جواب میں کہتے ہیں۔

(۱) کہ جب حضور اقدس ﷺ قصد کسی چیز کو دیکھنا اور توجہ فرمانا چاہتے تھے تو اذا التفت التفت جميعاً (پوری طرح توجہ سے دیکھنے) کا معمول تھا متکبرین کی طرح گوشہ چشم سے نہیں دیکھتے تھے۔ اور جب کسی طرف توجہ نہ ہوتی تو نظریں نیچی رہتی تھیں پھر تبعاً گوشہ چشم سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اہل دنیا اور حریصوں کی طرح چیزوں پر نظر نہ ڈالتے اور نہ دنیا اور اس کے اسباب پر نپکتے تھے بل کان ينظر اليها في الجملة وبقدر الحاجة لا سيما الى الدنيا وزخرفها امتثالاً لا مر به لقوله ولا تملدن عينيك الى ما متعنا به الخ (۸۸: ۱۵) (مناوی ص ۵۳) یعنی آپ چیزوں کو خصوصاً

دنیا اور اس کی زیب و زینت کو سرسری نظر سے اور بقدر حاجت دیکھتے تھے۔ باری تعالیٰ کے اس ارشاد ”آپ اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھئے ان چیزوں کو جو ہم نے برتنے کے لئے دے رکھی ہے“ پر عمل کرتے ہوئے۔

### صحابہؓ کے ساتھ چلنے کی کیفیت :

یسوق اصحابہ ... سفر میں آپؐ کا معمول تھا کہ خود پیچھے چلتے تھے اور اپنے صحابہؓ کو آگے رکھتے تھے ای یقلمہم بین یدیه ویمشی خلفہم کانہ یسوقہم (جمع ص ۵۳) (یعنی آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو اپنے آگے اور سامنے رکھا کرتے اور خود حضور ﷺ ان کے پیچھے چلتے گویا کہ ان کے سائق (چلانے والے) ہیں) اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ (۱) چونکہ آپؐ تیز رفتار تھے صحابہ کرامؓ کو آپؐ کے ساتھ چلنا دشوار ہوتا تھا اس لئے آپؐ ان کو آگے آگے چلاتے تاکہ کوئی پیچھے نہ رہ جائے لان هذا شان الراعی (جمع ص ۵۳) (کہ یہی محافظ اور نگہبان کی شان ہے)

(۲) آپؐ کا ارشاد ہے خلوا ظہری للملاحکۃ یعنی میرے پیچھے کی جگہ ملائکہ کے لئے خالی کر دو کیونکہ آپؐ کے پیچھے فرشتے چل رہے ہوتے تھے لعلہ ما خود من قوله تعالیٰ وَالْمَلٰٓئِکَةُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظٰہِرٌ (۶۶:۴) (جمع ص ۵۳) یعنی ہو سکتا ہے کہ آپؐ کا مذکورہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس قول ”اور فرشتے آپؐ کے پیچھے مددگار ہیں“ سے ماخوذ ہو۔

(۳) یہ کمال تواضع کی بنا پر تھا کہ حضور اقدس ﷺ سب سے پیچھے اور سب سے آخر میں رہتے تھے تاکہ سب پہ نظر ہو اور جو تربیت کا مستحق ہو اس کی تربیت کی جائے، جو تکمیل کا محتاج ہو ان کی تکمیل کی جائے جو معاتبہ (ڈانٹنے) کے مستحق ہوں ان پر عتاب کیا جائے جنہیں تادیب کی ضرورت ہو انہیں ادب سکھایا جائے و هذا شان الولی مع المولیٰ علیہ (منادی ص ۵۳) (اور یہی حال مربی اور متولی کا ہوتا ہے ان لوگوں کے ساتھ جن کی ولایت اس کے سپرد کی گئی ہوتی ہے)

(۴) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وایماء الی مراعاة اضعفہم فیتاخر عنہم رعاۃ للضعفاء واعانة

للفقراء (جمع ص ۵۳) یعنی اس میں سب سے کمزور کی رعایت کرنے کی طرف اشارہ ہے تو آپؐ کمزوروں کی رعایت اور فقراء کی اعانت کی غرض سے ان کے پیچھے چلتے۔

### سلام میں پہل:

یسدر من لقی بالسلام... آپؐ کا یہ بھی معمول تھا کہ سلام کرنے میں پہل فرماتے تھے اور کسی کو بھی آپؐ سے پہل کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ سلام کرنے میں بچوں تک کو مخاطب فرماتے اور پہل کرتے اور یہ کمال تواضع و عبدیت کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص سلام میں پہل کرتا ہے وہ کبر سے بری ہوتا ہے البادی بالسلام بری من الکبر (رداۃ البیہقی)۔ ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ سلام کا جواب فرض ہے اور امت کو ادائے فرض کا ثواب ملنے کی غرض سے پہل فرماتے تھے۔ لان جواب السلام فرض و ثوابہ اجزل من ثواب السنۃ (مناوی ص ۵۴) (اس لئے کہ سلام کا جواب فرض ہے اور اس کا ثواب بھی بمقابلہ سنت کے بہت زیادہ ہے) اگرچہ ملا علی قاریؒ نے قلت هذا غفلة عن القاعدة المقررة ان الاثثار فی العبادات غیر محمود الخ فرما کر اس توجیہ کی حیثیت کو کم کر دیا (جمع ص ۵۴) یعنی اس توجیہ میں مقررہ قاعدہ ”عبادات میں ایثار ناپسندیدہ ہے“ سے غفلت برتی گئی ہے۔

بہر حال آپؐ صاحب خلق عظیم پر تھے ہر ملنے والے کے ساتھ حتیٰ کہ خواتین اور بچوں کے ساتھ بھی سلام میں پہل فرماتے، یہی کمال حسن اخلاق تھا اور اس میں تعلیم امت بھی تھی۔ الشیخ ابراہیم البجوریؒ فرماتے ہیں وفي هذه الافعال السابقة من تعليم امته كيفية المشى و عدم الانثناء وتقديم الصحب والمباذرة بالسلام ما لا يخفى على الموفقين لفهم اسرار احواله (مواہب ص ۲۸) یعنی آپؐ کے سابقہ افعال، چلنے کی کیفیت، ادھر ادھر التفات نہ کرنا، دنیا کے چیزوں سے بے رغبتی، آپؐ کا اپنے ساتھیوں کو چلنے میں آگے رکھنا اور سلام میں ابتدا کرنے میں امت کو تعلیم ہے اس سے آپؐ کے حالات کے اسرار و رموز کا سمجھنا واقفین پر مخفی نہیں۔

(۸) حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَمَاقِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيعَ الْفَمِ اشْكَالَ الْعَيْنِ مِنْهُوَسُ الْعَقِبِ قَالَ شُعْبَةُ قُلْتُ لِسَمَاقٍ مَا ضَلِيعُ الْفَمِ قَالَ عَظِيمُ الْفَمِ قُلْتُ مَا اشْكَالُ الْعَيْنِ قَالَ طَوِيلُ شِقِّ الْعَيْنِ قُلْتُ مَا مِنْهُوَسُ الْعَقِبِ قَالَ قَلِيلُ لَحْمِ الْعَقِبِ ..

ترجمہ: ہمیں ابو موسیٰ محمد بن ثنی نے بیان کیا ان کو محمد بن جعفر بن جعفر نے بیان کیا۔ انہیں شعبہ نے سماک بن حرب کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن سمرة کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہؐ فراخ دہن تھے آپؐ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ دورے پڑے ہوئے تھے ایڑی مبارک پر بہت کم گوشت تھا۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے سماک بن حرب سے پوچھا کہ ضلیع الفم سے کیا مراد ہے؟ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ منہ کا بڑا ہونا۔ میں نے عرض کیا کہ اشکل العین کیا ہے؟ فرمایا کہ آنکھ کی دراڑ کا کشادہ ہونا۔ میں نے پوچھا کہ منہوس العقب کیا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ ایڑیوں پر گوشت کا کم ہونا۔

راویان حدیث (۳۳) ابو موسیٰ محمد بن ثنی (۳۵) محمد بن جعفر (۳۶) شعبہ (۳۷) سماک بن حرب اور (۳۸) حضرت جابر بن سمرة کے حالات ”تذکرہ راویان شامک ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### چہرہ، آنکھ اور ایڑیاں:

ضلیع الفم اشکل العین منہوس العقب .... حدیث باب کے لفظی ترجمہ میں مراد واضح کر دی گئی ہے ضلیع الفم۔ آپؐ اعتدال کے ساتھ کشادہ دہن تھے اور عرب معتدل کشادہ دہن کو پسند کرتے ہیں جو فصاحت و بلاغت کی بھی علامت ہوتی ہے ایسا شخص محترم بزرگ اور محمود سمجھا جاتا ہے اس لئے اللہ پاک نے آپؐ کو یہ صفت محمودہ بھی عنایت فرمائی تھی۔ مزید بحث صفحہ نمبر ۱۶۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اشکل العین: محدثین ائمہ لغت اور شارحین حدیث کہتے ہیں کہ سماک بن حرب کو اشکل العین کا معنی بیان کرنے میں اشتباہ ہوا ہے سماک بن حرب نے اشکل العین کا معنی طویل شق العین

(آنکھ کے دراڑ کی درازی یا فراخ چشمی) سے کیا ہے جبکہ اس کے لئے عربی لغت اور محاورہ میں عین النجلاء (بڑی اور خوبصورت آنکھ) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں ”هذا التفسير خلت عنه كتب اللغة المتداولة ومن ثم جعله القاضي عياض وهما (اس سابقہ تفسیر سے لغت کی مشہور کتابیں خالی ہیں اسی لئے تو قاضی عیاض نے اس کو وہم قرار دیا ہے) خلاصہ یہ کہ ”أشکل العين“ کی مذکورہ تشریح درست نہیں ہے۔

اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ شکلاء، حموة فی بیاض العين کو کہتے ہیں یعنی آنکھ کی سفیدی والے حصہ میں سرخ ڈوریاں۔ جس آنکھ کے سفید حصہ میں سرخ ڈوریاں ہوں اس کو عین الشکلاء کہتے ہیں اور یہ آپ کے علامات نبوت میں سے ایک علامت بھی ہے۔ والصواب ان الشکلة حمرة فی بیاض العين وهي احدى علامات النبوة كما قال الحافظ العراقي والأشکل محمود محبوب قال الشاعر اور صحیح بات یہ ہے کہ شکلوہ سرخی، آنکھ کی سفیدی میں ملی ہوئی ہے اور یہ نبوت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے۔

جیسے حافظ عراقی نے فرمایا ہے اور اشکل شخص پسندیدہ اور محبوب ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے ۔

وَلَا غَيْبَ فِيهَا غَيْرُ شَكْلَةٍ عَيْنِهَا

كَذَلِكَ عِتَاقُ الْخَيْلِ شَكْلُ غَيْرِهَا

ترجمہ: اس میں صرف اتنا عیب ہے کہ اس کے آنکھوں کے سفید حصہ میں سرخ ڈوریاں ہیں جبکہ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں میں یہ صفت موجود ہوتی ہے۔ (مواہب ص ۲۹)

مگر حضرت سماک نے یہاں پر ترجمہ عین النجلاء والا کر دیا ہے جو ان سے علمی غلطی ہوئی ہے سرخ ڈورے والی آنکھ کو اشکل کہتے ہیں جو کہ حسن و جمال کی علامت ہے جس سے حضور اقدسؐ بدرجہ اتم متصف تھے۔

بیہقی میں حضرت علیؑ سے روایت ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم العینین اهدب الاشفار مشرب العين بحمرة آپؐ کی آنکھوں مبارک میں سرخ ڈورے تھے لمبے ابرو تھے سرخی اور سفیدی ملا ہوا یعنی سنہری رنگ مبارک تھا۔



خمار آلود آنکھوں پر ہزاروں میکدے قربان

وہ قاتل بے پئے ہی رات دن محمور رہتا ہے

شعبہ کے پوچھنے پر ان کے استاد سماک بن حرب نے منہوس العقب کا مفہوم سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا قلیل لحم العقب یعنی ایڑیوں پر کم گوشت ہونا۔ منہوس کا لغوی معنی دانتوں سے نوچنا یعنی آپ کے عقب مبارک سے گوشت نوچ لیا گیا تھا قلیل اللحم سے یہی مراد ہے عرب کہتے ہیں رجل منہوس القدمین والعقبین ای خفیف لحمہما (مناوی ص ۵۵) (یعنی جب ایڑیوں اور قدموں پر گوشت کم ہو جاتا) جبکہ ہش کا معنی ہے تمام دانتوں سے نوچنا یہاں مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ایڑیاں موٹی اور پُر گوشت نہیں تھیں بلکہ ان پر گوشت کم تھا۔

(۹) حَدَّثَنَا هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا عَبَثُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ سَوَّارٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةِ اضْحِيَّانٍ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حُمْرَاءُ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَالْيَ الْقَمَرِ فَلَهُوَ عِنْدِي أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ .

ترجمہ! ہمیں بیان کیا ہناد بن سری نے، انہیں بیان کیا عبث بن قاسم نے انہوں نے اشعث یعنی ابن سوار کے حوالے سے بیان کیا انہوں نے یہ روایت ابی اسحاق سے اور انہوں نے جابر بن سمرہ سے کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھ رہا تھا حضور اقدس ﷺ اس وقت سرخ جوڑا زیب تن فرماتے تھے میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ کو بالآخر میں نے یہ ہی فیصلہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ چاند سے کہیں زیادہ جمیل و حسین اور متور ہیں۔

راویان حدیث (۳۹) ہناد بن سری (۴۰) عبث بن قاسم اور (۴۱) اشعث کے حالات ”تذکرہ راویان شائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جمال محمد علیہ السلام:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةِ اضْحِيَّانٍ ... حضرت جابرؓ فرماتے

ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا۔ اضحیانِ لیلۃ کی صفت ہے جو مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مراد وہ رات ہے جس میں اول سے لے کر آخر رات تک چاندنی ہو ای لیلۃ مقمرۃ من اولھا الی آخرھا (مواہب ص ۲۹) اس کو لیلۃ ضحیا اور اضحیان و اضحیانۃ بھی کہتے ہیں۔ شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں فالمراد لیلۃ مضیئۃ لا ظلمۃ فیہا ولا غیم بل مقمرۃ نبوۃ من اولھا لآخرھا (مناوی ص ۵۶) (مراد ایسی رات جو روشن ہو اور اس میں کوئی بادل یا اندھیرا بالکل نہ ہو، بلکہ شروع سے آخر تک روشن اور چاندنی رات ہو)۔

وعلیہ حلۃ حمراء۔ حضور اقدس ﷺ سرخ دھاری دار یعنی لباس پہنے ہوئے تھے جس میں وہ بہت حسین و جمیل نظر آ رہے تھے والقصد بھا بیان ماوجب التامل وامعان النظر فیہ من ظہور مزید حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم حینئذ (مواہب ص ۲۹) (اس سے مقصود اس چیز کا بیان ہے جو آپؐ کے حسن و جمال کی طرف راغب اور متوجہ کرنے والا تھا)۔ باقی رہی یہ بحث کہ حلۃ حمراء سے مراد کیا ہے تو اس سلسلہ میں تفصیلی بحث صفحہ نمبر ۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

فجعلت انظر الیہ... حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں کبھی آپؐ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف دیکھتا میرے نزدیک حضور اقدس ﷺ چاند سے زیادہ حسین تھے۔ عندی کا لفظ احتراز کے لئے نہیں بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کے نزدیک یہی تھا لہذا یہ قید اتفاقی ہے کہ ہر انسان اپنا اپنا نظریہ بیان کرتا ہے لیسان الواقع ولا فتخارہ باعقاده لا للتخصیص والاحتراز عن غیرہ فانہ کذلک عند کل مسلم راہ بنور النبوة (جمع ص ۵۶) یعنی ”عندی“ کا قید بیان واقع کے لئے ہے اور اپنی اس عقیدت پر فخر کرنے کے لئے نہ کہ تخصیص اور دوسروں سے احتراز کے لئے بلکہ ہر مسلمان اسی طرح آپؐ کو نور نبوت سے متور دیکھتا۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کے حسن و جمال کے مقابلہ میں چاند کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے فنور وجہہ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی لا ینفک عنہ ساعة فی اللیالی والایام ونور القمر مکتسب مستعار ینقص تارة ویخسف اخری (جمع ص ۵۶) یعنی آپؐ کے چہرہ کی تابانی اور نور ذاتی تھا، آپؐ دن رات اس نور سے منور اور روشن رہتے جبکہ چاند کی روشنی تو ماخوذ اور

مستعار ہے کبھی گھٹ جاتی ہے اور کبھی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر عرفا حسن و جمال کے لئے چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

صحابی کا یہ قول محض حسن عقیدت یا محض جذباتِ محبت کا اظہار نہیں بلکہ حقیقت بھی یہ ہے کہ آپؐ سے زیادہ حسین کوئی شئی پیدا ہی نہیں ہوئی۔ جیسا کہ حضرت براء بن عازبؓ کا ارشاد ہے

مَارَايْتَ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ .

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں اور حضرت حسانؓ کا قول بھی کہ

وَ أَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي      وَ أَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ  
خُلِقْتَ مُبْرَأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ      كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

یعنی آپؐ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی بھی نہیں دیکھا اور آپؐ سے زیادہ خوبصورت انسان خواتین نے نہیں جنا۔ آپؐ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے تھے گویا آپؐ اپنی چاہت کے مطابق پیدا ہوئے تھے۔

نیز فارسی کے شاعر نے اپنے تخیلات کو اس انداز سے پیش کیا کہ

حَسَنُ يَوْسُفَ دَمِ عِيسَى يَدِ بِيضَادَارِي  
آنچه خواباں همه دارند تو تنهاداری

(۱۰) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الرَّوَّاسِيُّ عَنْ زُهَيْرٍ عَنْ أَبِي اسْحَقَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ أَكَانَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ السَّيْفِ قَالَ لَا بَلْ مِثْلُ الْقَمَرِ .

ترجمہ۔ سفیان بن وکیع نے حمید بن عبد الرحمن رواہی سے روایت کی ہے۔ وہ زہیر سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے ابی اسحق سے یہ روایت بیان کی ہے فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت براءؓ سے

پوچھا کہ کیا حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح شفاف تھا انہوں نے کہا نہیں بلکہ بدر کی طرح روشن گولائی لیے ہوئے تھا۔

راویان حدیث (۴۲) حمید بن عبد الرحمن الرواسی اور (۴۳) زہیر کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### چہرہ انور:

قال سال رجل ... کسی شخص نے حضرت براء بن عازبؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کا چہرہ انور (استنارة اور استطالة) یعنی تابانی اور لمبائی میں تلوار کی مانند تھا۔ فرمایا نہیں بل مثل القمر یعنی چاند کی طرح روشن اور گولائی لیے ہوئے تھا۔ وجہ شبہ لمعانیت و لمبائی یا استنارة اور استطالة ہے محاورہ بھی اسی کا متقاضی ہے جیسے حاتم طائی کا مشہور وصف سخاوت ہے تو تشبیہ بھی اس میں ہوگی۔ تلوار میں بھی دو صفتیں ہے لمعانیت اور استطالة۔ احتمال استطالة کی وجہ سے جواب نہیں دیا کہ یہ تو مذمت ہے البتہ استنارة وجہ تشبیہ ہو سکتی ہے، جواب آیا کہ مثل القمر نہیں بلکہ فوق القمر تھے

بل کان احسن منه ولله در القائل۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ حسین تھے اللہ جزائے خیر اور بھلائی دے اس قائل کو۔

إِذَا عِبَتْهَا شَبَّهَتْهَا الْبَلَدُ طَالَعَا  
وَحَسْبُكَ مِنْ عَيْبٍ لَهَا شِبْهُ الْبَلَدِ

(جمع ص ۵۷)

(جب تو اسے عیب لگائے تو پھر اسے تشبیہ دے دینا روشن چاند سے۔ اور تجھے اس کے معیوب کرنے کے لئے بدر (چودھویں کے چاند) کے ساتھ مشابہت دینا کافی ہے)

تلوار میں تو صرف چمک ہوتی ہے نورانیت نہیں ہوتی، لمبائی ہوتی ہے گولائی نہیں ہوتی، چاند میں نورانیت بھی ہے اور گولائی بھی۔ لہذا چاند کے ساتھ مشابہت زیادہ قرین قیاس ہے۔ تلوار میں روشنی کم اور زنگ آلودگی کی وجہ سے معرض زوال میں ہوتی ہے جبکہ چاند کی روشنی تمام اوقات بلکہ قیامت تک

باقی ہے اسلئے تلوار سے تشبیہ کی تردید کی گئی۔

نیز حضرت براءؓ کا اشارہ اس جانب بھی ہے کہ آپؐ کی قدر و منزلت، محبوبیت و عظمت ہر مسلمان کے دل میں ہے الفاظ بھی ایسے منتخب ہوں کہ وہ اس کی حقیقی نہ سہی تو قریبی تعبیر تو بن سکیں، لفظ سیف (از باب ضرب) ہلاک کرنے کے معنی میں آتا ہے اور حضور اقدس ﷺ کی بعثت انسانیت کے احیاء و بقا کے لئے ہے ہلاکت کے لئے نہیں جبکہ لفظ قمر (از باب نصر) بمعنی غالب ہونے کے ہے قرآن کریم میں لفظ اعنا کے ذریعے پکارنے سے بھی منع کیا گیا کہ اس میں سوء ادب کا احتمال تھا انظرنا میں قطعی ادب تھا اسلئے اس کے بولنے کی تعلیم دی گئی۔

در اصل بتانا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا رخ انور نہایت ہی خوبصورت انتہائی حسن و جمال لئے ہوئے کتاب نما تھا۔ صحیح مسلم میں ہے لا بل مثل الشمس والقمر یعنی ”اشراق و اضاءت میں سورج کے مشابہ تھا اور حسن و ملاحت میں چاند کی مانند۔ یہ تمام تشبیہات تقریبی ہیں ایک چاند کیا ہزاروں چاند حضور اقدس ﷺ کے ناخن پا کے ادنیٰ حسن و جمال کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سلی اللہ علیہ وسلم۔ مزید تنویر کے لئے صفحہ نمبر ۱۶۹ اور ۱۱۴ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۱) حَلَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْمَصَاحِفِيُّ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلَمٍ حَلَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي الْأَخْضَرِ عَنِ ابْنِ شَهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا كَأَنَّمَا صُبِغَ مِنْ فِضَّةٍ رَجُلَ الشَّعْرِ ...

ترجمہ: ہمیں بیان کیا ابو داؤد مصاحفی سلیمان بن سلم حَلَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ نے بیان کیا انہوں نے روایت بیان کی صالح بن ابی الاخضر سے اور انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے روایت کی ہے ابی سلمہ سے اور انہوں نے روایت کیا حضرت ابو ہریرہؓ سے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس قدر شفاف، حسین و خوبصورت تھے گویا کہ چاندی سے آپؐ کا بدن مبارک ڈھالا گیا ہے آپؐ کے بال مبارک قدرے خمدار گھونگریا لے تھے۔

راویان حدیث (۴۴) ابوداؤد المصطفیٰ (۴۵) نصر بن شمیل (۴۶) صالح بن ابی الاخضر (۴۷) ابن شہاب (۴۸) ابوسلمہ اور (۴۹) حضرت ابوہریرہ کے حالات ”تذکرہ راویان شامک ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## جمال جہاں آراء :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایض --- حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ کا رنگ مبارک سفید تھا۔ کانما صیغ من فضة۔ صیغ یعنی ڈھلا ہوا زیور صوغ سے ہے بمعنی سانچے اور قالب میں ڈھالنے کے ہیں اور فضہ سے مراد وہ چاندی ہے جو تازہ معدن سے نکلی ہو جس کی سفیدی تیز اور سخت نہیں ہوتی بلکہ قدرے سرخی مائل اور میلی سی ہوتی ہے جب چاندی کا یہ معنی لیں گے تو اسمر کے خلاف نہ ہوگا گویا حضور اقدس ﷺ چاندی کے زیور کی طرح بنائے گئے تھے یہ تشبیہ اس کی نرمی ملائمت اور چمک میں ہے خالص سفیدی کی وجہ سے نہیں۔ نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے تمام اعضاء متناسب اور موزون تھے چہرہ اقدس میں بھی اور وجود مقدس میں بھی حسن و جمال اور قدرتی نور اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر تھا۔ وفيہ ایماء الی تماسک اجزائه وتناسب اعضائه ونورانية وجهه وسائر بلنہ (جمع ص ۵۹) (اور حدیث میں آپ ﷺ کے اجزاء و اعضاء کے متناسب، قوی ہونے اور چہرے اور باقی جسم مبارک کی نورانیت کو اشارہ ہے)

رَجَلِ الشَّعْرِ۔ یعنی بال مبارک قدرے گھنگھریالے تھے (تفصیلی بحث صفحہ نمبر ۸۰ پر ملاحظہ فرمائیے)

(۱۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا اللَّهُثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غُرِضَ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ فَإِذَا مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ضَرْبُ مِنَ الرِّجَالِ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنْوَةَ وَرَأَيْتُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِذَا أَقْرَبُ مِنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهَا عُرْوَةَ بْنَ مَسْعُودٍ وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِذَا أَقْرَبُ مِنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهَا صَاحِبَكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ الْكَرِيمَةَ وَرَأَيْتُ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِذَا أَقْرَبُ مِنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهَا دَحِيَّةَ .

ترجمہ: ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ ہمیں لیث بن سعد نے ابوزبیر کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے روایت نقل کی صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پیش کیے گئے یعنی مجھے دکھائے گئے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا تو وہ ذرا پتلے دبلے بدن کے آدمی تھے گویا کہ قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں اور حضرت عیسیٰ السلام کو دیکھا تو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعود ان سے زیادہ ملتے جلتے معلوم ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوں۔

ایسے ہی جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ان لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں وحیہ کلیٰ ہیں۔

راویان حدیث (۵۰) قتیبہ (۵۱) لیث بن سعد (۵۲) ابوزبیر (۵۳) حضرت جابر بن عبد اللہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### حدیث مبارک کی تشریح:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عرض علی الانبیاء۔۔۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر انبیاء کرام کو پیش کیا گیا۔ غرض غرض سے ہے جس کے معنی پیش کرنا ظاہر ہونا دکھانا اور سامنے آنا وغیرہ ہیں۔

انبیاء کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جانا آپ کی سیادت اور قیادت کی طرف اشارہ ہے۔ کانوا کجنودہ فان الجیش یعرض علی السلطان ولا یعرض السلطان علیہ (مناوی ص ۶۰) گویا وہ انبیاء کرام آپ کے لشکر کی طرح تھے اس لئے کہ لشکر بادشاہ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور بادشاہ کو لشکر پر پیش نہیں کیا جاتا ولہذا قال بعض العارفين انه صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ القلب فی الجیش والانبیاء مقلمتہ والاولیاء ساقته والملائکۃ یمنے ویسرۃ متظاهرين متعاونين كما قال تعالیٰ والملائکۃ بعد ذلک ظہیر والشیاطین قطاع الطريق فی الدین (جمع ص ۶۰) یعنی بعض عارفین

فرماتے ہیں کہ آپؐ لشکر میں ”قلب“ کی طرح تھے، انبیاء کرامؑ اس کا ”مقدمہ“ تھے، اولیاء کرامؑ اس کا ”ساق“ اور ملائکہ اس لشکر کے ”میمنہ“ اور ”میسرہ“ تھے جو ان کے معاون اور مددگار ہوتے ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اور فرشتے اس کے پیچھے مددگار ہیں“ اور شیاطین دین کے راستہ کے ڈاکو ہیں۔

## مقام عرض کی تعیین:

اب سوال یہ ہے کہ یہ مقام عرض کونسا تھا جہاں انبیاء کرامؑ آپؐ کے سامنے پیش کیے گئے اور آپؐ کی انبیاء کرام کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ شارحین حدیث اس کے دو احتمال بیان فرماتے ہیں۔

(۱) معراج کے موقع پر ملاقات ہوئی۔ واقعہ معراج کی تفصیلات سیرت کی کتابوں میں منقول ہیں وذلک العرض لیلۃ الاسراء کما جاء فی روایات اخر کرویۃ ابی العالیۃ عن ابن عباس وروایۃ ابن المسیب عن علی وابی ہریرۃ کوشف لہ صور ابدانہم کما کانت (جمع ص ۶۰) یہ ملاقات معراج کی رات ہوئی تھی جیسا کہ ابو العالیۃ عن ابن عباس اور ابن المسیب عن علی وابی ہریرہ کی روایات میں ہیں۔ ان کے ابدان کی صورتیں جیسی تھیں ویسے آپؐ کو دکھائی گئیں۔

(۲) دوسری روایت خواب کی ہو سکتی ہے اسی عرضوا علی فی النوم بدلیل روایۃ البخاری ازانی اللیلۃ عند الکعبۃ فی المنام الحدیث (مواہب ص ۳۱) یعنی خواب میں مجھ پر انبیاءؑ پیش کئے گئے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو کعبہ کے قریب دیکھا الخ الحدیث۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو دیکھنا یا شب معراج میں ہوا ہے یا خواب کی حالت میں ہوا ہے بخاری شریف میں دونوں طرح کی روایات ہیں اور اس اختلاف میں کوئی اشکال نہیں ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ دونوں مرتبہ دیکھا ہو (خصائل)

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مشابہت :

حدیث زیر بحث میں حضور اقدس ﷺ نے ان چند انبیاء کا ذکر فرمایا ہے جن کی نسبت آپؐ سے زیادہ مستحکم تھی اور جن کی امتوں کے حالات بھی آپؐ کی امت کے حالات کے قریب قریب



تھے چنانچہ ارشاد فرمایا فاذا موسى عليه السلام ضرب من الرجال . ضرب صیغہ صفت ہے را کے سکون کے ساتھ ہو تو معنی 'خفيف اللحم' دبلے پتلے اور طاقتور آدمی کو کہتے ہیں اور جب رجال ضرب کے ساتھ آئے تو معنی کم گوشت، دبلے پتلے، اکھرے اور چھریرے طاقتور بدن والے کو کہتے ہیں سبعة معلقہ کا شعر ہے۔

اَنَا الرَّجُلُ الصَّرْبُ الَّذِي تَعْرِفُونَهُ خَشَّاشُ كَرَاسِ الْحَيَّةِ الْمُتَوَقِّدِ

یعنی میں چھریرے بدن کا چست و چالاک آدمی ہوں کاموں میں اس طرح گھس جاتا ہوں جیسے کہ سانپ کا چمکدار سر جو تنگ سے تنگ سوراخ میں گھس جاتا ہے۔

اذا، مفاجاة کے لئے ہے۔ لفظ موسیٰ موسیٰ سے معرب ہے فرعون کی بیوی آسیہ نے آپ کا یہی نام رکھا تھا۔ عبرانی زبان میں موپانی کو اور شعی درخت کو کہتے ہیں۔ حضرت آسیہ نے انہیں پانی اور شجر کے درمیان پایا تھا فهو بلغة القبط الماء بين الشجر (مناوی ص ۶۰) (پس موثیٰ قطبی لغت میں پانی درخت کے درمیان) کاناہ من رجال شنوءۃ جیسا کہ قبیلہ شنوءۃ کے جوان ہوتے ہیں اس قبیلہ کے لوگ مصر میں آباد تھے اور یمن کے علاقہ کی طرف بھی ان کی آبادیاں تھیں از دحجر اور ازد پشنوءہ بھی اسے کہتے ہیں امام طحاوی کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا اور عبد اللہ بن کعب بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے یہ لوگ پہلے زمانہ میں جسم کے دراز قامت اور چست و چالاک اور پھر تیلے ہوا کرتے تھے اور معتدل اللحم ہونے میں مشہور ہیں یمن کی قوم سبا سے بھی تعلق ہے قوم سبا کے انعامات میں ایک اعتدال اعضاء بھی ہے علاوہ ازیں یہ قبیلہ انتہائی پاکیزگی و نظافت، حسن و خوبصورتی اور نیکی و افعال حسنہ کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

### حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مشابہت:

ورایت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام فاذا اقرب من رایت به شبها عروة ابن مسعود شبهاش کے فتح اور کسرہ کے ساتھ دونوں جائز ہیں اقرب کی تیز ہے، میں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو دیکھا جو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعود ثقفی سے مشابہت میں

زیادہ قریب پایا یہ قبیلہ ثقیف کے سردار اور طائف کے رہنے والے تھے رئیس القوم تھے حضور ﷺ کی حلقہ غلامی میں داخل ہوئے۔

اہل مکہ میں خوب متعارف تھے یہ وہی عروہ ہیں جن کو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے حضور ﷺ کے پاس بھیجا تھا آپؐ کی طائف سے واپسی کے بعد ہجرت کے نویں سال مشرف بہ اسلام ہوئے وطن واپس لوٹے اور قوم کو اسلام کی دعوت دی ایک مرتبہ اذان دے رہے تھے کہ ان پر نیزہ سے حملہ کیا گیا اور اذان دیتے ہوئے شہید ہوئے جب حضور ﷺ کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو فرمایا۔ مثل عروہ مثل صاحب یسّ دعا قومہ الی اللہ فقتلہ (مواہب ص ۳۲)

عروہ کی مثال صاحب یسّ (حبیب نجار) کی طرح ہے جنہوں نے قوم کو اسلام کی دعوت دی مگر قوم نے ان کو شہید کر دیا۔

### حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت:

ورایت ابراہیم فاذا اقرب من رأیت بہ شبہاً صاحبکم یعنی نفسه الکریمۃ یعنی میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مشابہت رکھنے والا میں خود ہوں کہ ان کی شکل و صورت مجھ سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ نفسه الکریمۃ وهو من کلام جابر او من دونہ من الرواۃ (جمع ص ۶۲)۔ "نفسه الکریمۃ" یہ الفاظ یا تو حضرت جابرؓ کے ہیں یا آپؐ کے علاوہ کسی اور نیچے راوی کے ہیں۔

اس حدیث میں ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بھی یہی جملہ ہے کہ آپؐ کی صورت مبارک سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت مبارک کی مثل اور مشابہ تھی بلکہ حضراتِ اساتذہ فرماتے ہیں کہ آپؐ خَلَقاً اور خُلُقاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ تھے۔

### حضرت جبرائیل علیہ السلام کی مشابہت:

ورایت جبرائیل ... میں نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں دجیہ کلیبی کی

شکل و شباهت حضرت جبرائیل کی شکل و صورت سے زیادہ قریب ہے۔ حضرت جبرائیل کو حضور اقدسؐ نے اپنی زندگی میں دو مرتبہ دیکھا پہلی مرتبہ آغاز نبوت کے موقع پر جس کی تفصیل بخاری ج ۱ ص ۲ باب کیف کان بدء الوحي میں آئی ہے دوسری مرتبہ معراج کی شب سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا ان دو مواقع کے علاوہ حضور اقدس ﷺ حضرت جبرائیل کو کبھی انسانی شکل میں دیکھتے تھے اور کبھی وہ آپؐ کے دل مبارک سے رابطہ کر کے وحی القاء فرماتے تھے۔

انسانی شکل میں عموماً حضرت وحیہ کلبیؑ کی صورت میں نازل ہوتے تھے یہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں قبیلہ بنی کلب کے سردار ہیں۔ وحیہ کا معنی بھی رئیس الجند ( لشکر کے سردار ) ہے نہایت حسین و جمیل اور وجیہ شخص تھے حضور اقدس ﷺ کے معتمد اور مخلص جان نثار تھے حضورؐ کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے انہیں خط و دیکر بطور سفیر کے قیصر روم کے پاس بھیجا تھا انتخاب کی وجہ بھی یہی تھا کہ آپؐ کی شکل و صورت سے شرافت عظمت اور وجاہت ٹپکتی تھی۔ بعض اوقات کسی دوسرے اجنبی انسان کی شکل میں بھی حاضر خدمت ہوتے تھے۔

ورایت جبرائیل - یہ عرض علی الانبیاء پر عطف ہے عرض قصۃ علی قصۃ ( کہ ایک واقعہ کا عطف دوسرے واقعہ پر ہو ) کے قبیل سے ہے فلیس داخل فی عرض الانبیاء حتی یحتاج الی جعلہ منہم تغلیباً ( مواہب ص ۳۲ ) ( پس یہ عرض انبیاء میں داخل نہ ہوا تا کہ تغلیبی طور پر اس ( جبرائیل ) کو ان انبیاء ہی میں سے شمار کیا جائے ) ہاں چونکہ حضرت جبرائیل کی حضرات انبیاء کرام کے ساتھ مخالفت کثیر تھی اور وحی بھی وہی پہنچایا کرتے تھے اسلئے انبیاء کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے جس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے فسجد الملائکۃ کلہم اجمعون الا ابلیس ( ۲۰: ۱۵ ) ( ابلیس کے علاوہ سارے فرشتوں نے سجدہ کیا ) جبرائیل بھی سریانی زبان کا لفظ ہے معنایہ عبد اللہ او عبد الرحمن او عبد العزیز ( مواہب ص ۳۲ ) ( اس کا معنی عبد اللہ یا عبد الرحمن یا عبد العزیز ہے )

## تین انبیاء کا انتخاب کیوں؟

اس روایت میں تین انبیاء کرام کی مشابہت کا ذکر ہے اور چوتھے حضرت جبرائیل کا۔

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں وجہ الاقتصار علی الثلاثة المذكورین من بین الانبیاء لان سیدنا ابراہیم جد العرب وهو مقبول عند جمیع الطوائف وسیدنا موسیٰ وعیسیٰ رسولاً بنی اسرائیل والترتیب بین هؤلاء الثلاثة وقع تدلیاً ثم ترقیاً فانه ابتدا بموسى وهو افضل من عیسیٰ ثم ذکر ابراہیم وهو افضل منهما فهو بالنسبة الى الاول تدل وبالنسبة الى الاخير ترق (مواہب ص ۳۱) یعنی انبیاءؑ میں سے مذکورہ تین پر اکتفا کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ عرب کے جد ہیں اور سارے اقوام میں مقبول ہیں اور سیدنا موسیٰؑ اور سیدنا عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے رسول ہیں۔ اور ان انبیاءؑ کے ذکر کرنے میں ترتیب تدلی ہے پھر ترقی ہے، اس لئے کہ روایت میں حضرت موسیٰؑ سے ابتدا کی گئی ہے جو حضرت عیسیٰؑ سے افضل ہیں پھر حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ ہے جو ان دونوں حضرات سے افضل ہیں۔ پس ابراہیمؑ علیہ السلام کا ذکر بسبب موسیٰؑ علیہ السلام کے تدلی (تذلی) اور بہ نسبت عیسیٰؑ علیہ السلام کے ترقی ہوئی)

(۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَ سَفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ الْمَعْنِي وَاحِدٌ قَالَا أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ سَعِيدِ الْجُرَيْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الطُّفَيْلِ يَقُولُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا بَقِيَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ رَأَاهُ غَيْرِي قُلْتُ صَفَهُ لِي قَالَ كَانَ أَيْضًا مَلِيحًا مُقْصِداً .

ترجمہ: ہمیں بیان کیا سفیان بن وکیعؒ اور محمد بن بشارؒ نے جن کے بیان کا مفہوم ایک ہی ہے وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یزید بن ہارون نے سعید جریریؒ کے حوالے سے خبر دی۔ اُس نے کہا کہ میں نے ابو طفیلؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ کے دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا میں نے ان سے کہا کہ مجھ سے حضور اقدس ﷺ کا کچھ حلیہ بیان کیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ سفید رنگ تھے ملاحظہ کے ساتھ یعنی سرخی مائل اور معتدل جسم والے تھے۔

راویان حدیث (۵۴) یزید بن ہارونؒ (۵۵) سعید الجریریؒ اور (۵۶) حضرت ابو طفیلؒ کے حالاتِ زندگی ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## حضرت ابو طفیلؓ کی توصیف رسولؐ :

رأیت رسول اللہ ﷺ وما بقی علی وجه الارض احد راہ غیری۔۔۔ ابو طفیلؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا اور اس وقت روئے زمین پر بغیر میرے آپؐ کو دیکھنے والا کوئی بھی موجود نہیں۔ وما بقی الخ یہ کلمہ تفاخراً و تکبراً (بطور فخر، تکبر اور بڑائی کے) نہیں بلکہ اپنے بیان کی تاکید و توثیق اور صحت کے لئے فرمایا مقصد یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ میں اس وقت میرے سوا کوئی بھی حیات نہیں لہذا آپؐ کا حلیہ مبارک اور خصائل و اعمال مجھ سے پوچھے جائیں۔ ترکیب میں احمد موصوف ہے راہ جملہ اس کی صفت ہے دونوں مل کر مستثنیٰ منہ بنتے ہیں اور غیری مستثنیٰ ہے۔

تاریخی روایات اپنی جگہ مگر یہ حقیقت ہے اور متفق علیہ بات ہے کہ حضرت ابو الطفیلؓ ۱۰۰ھ تک زندہ رہے اس سے حضور اقدس ﷺ کی یہ پیش گوئی بھی صحیح ہو جائے گی جس میں آیا ہے کہ سوسال کے اندر موجودین میں سے کوئی نہ رہے گا۔ وقال العصام وهو آخر من مات من الصحابة وفاته بعد رسول اللہ ﷺ بمائة علی وفق اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم انه لا یبقی علی راس المائة علی وجه الارض من کان فی زمانہ وقیل مراده اصحابہ (جمع ص ۶۴) (عصام فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں یہی ابو طفیلؓ سب سے آخر میں وفات ہوئے۔ آپؐ کی وفات رسول اللہ ﷺ کی وفات کے سوسال بعد ہوئی۔ آپؐ کی اس پیش گوئی کے مطابق کہ ”سوسال بعد آپؐ کے زمانے کا کوئی فرد روئے زمین پر باقی نہ رہے گا“ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے آپؐ کے صحابہؓ مراد ہیں)۔

## ایک اشکال سے جواب :

بعض لوگوں نے یہاں پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ بعض صحابہؓ آپؐ کے بعد صدیوں زندہ رہے جیسے رتن ہندی کہ اس کی عمر (۵۰۰) سال تھی اور ۳۰۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ایسے معمر المغربی کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ صحابی تھے وہ بھی آپؐ کے بعد صدیوں زندہ رہے۔

محققین کہتے ہیں کہ تاریخی اعتبار سے یہ ثابت نہیں ہے محدثین کہتے ہیں کہ رتن ہندی کذاب تھا جو کہا کرتا تھا کہ میں نے آپؐ کو گود میں لیا ہے وزعم ان معمر المغربی ورتن الہندی صحابیان

عاشا الی قریب القرن السابع لیس بصحیح (مواہب ص ۳۳) یعنی بعض کا خیال ہے کہ معمر المغربی اور رتن الہندی دو صحابہ تھے جو ساتویں صدی کے قریب تک زندہ رہیں، یہ بات درست نہیں۔ دوسرا یہ کہ لا یبقی علی رأس المائة والی روایت سے اس کا تعارض ہے اس لئے محدثین اسے نہیں لیتے۔

شیخ ابراہیم البیہوقی فرماتے ہیں راہ غیرى اى من البشر فخرج الملك والجن وخرج بقوله على وجه الارض عيسى فانه لم يكن على وجه الارض وخرج النضر ايضا فانه لم يكن ممن خالطه كما هو المراد (مواہب ص ۳۳)

لا یبقی علی وجه الأرض الخ والی روایت کے فوائد قیود بیان فرما رہے ہیں کہ ”غیری“ سے مراد ”بشر“ ہیں لہذا اس قید سے فرشتے اور جنات نکل گئے اور ”علی وجه الأرض“ (روئے زمین) کی قید سے عیسیٰ نکل گئے اس لئے کہ وہ روئے زمین پر نہیں ہے (بلکہ آسمان پر ہیں) اور خضر بھی خارج ہو گئے اس لئے کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ اختلاط کیا ہو۔ اوکان حینئذ علی وجه الماء فی البحر (جمع ص ۶۳) یا حضرت خضرؑ اس وقت سمندر میں پانی کے سطح پر تھے۔

### جمال وکمال کا مرقع:

قلت صفه لی قال کان ابیض ملیحاً مقصداً۔۔۔ سعید جریریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو طفیلؒ سے درخواست کی کہ میرے سامنے حضور اقدس ﷺ کا حلیہ بیان کریں، اس سے سعید جریریؒ اور تابعین کا آپ سے کمال درجے کا عشق و محبت اور ذوق و شوق کا اندازہ ہوتا ہے جو آپ کا حلیہ مبارک معلوم کر کے، آپ کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ تعلق اور رابطہ قائم کر کے عشق و محبت اپنے اندر پیدا کرتے تھے اور اپنے قلب و دماغ میں اس کا نقش جماتے تھے اور یہی نجات اخروی کا وسیلہ اور قطعی ذریعہ ہے۔

تو جواب میں ابو طفیلؒ نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ کا رنگ مبارک سرخ و سفید تھا ملیح اور حسین و جمیل تھے اور قد مبارک درمیانہ تھا ابیض، ملیح اور مقصّد تیوں لفظوں میں آپ کے حسن و جمال

اور کمال کی تمام صفات آگئی ہیں۔ ملیحاً جس میں سرخی اور سفیدی ملی ہوئی ہو۔ ملیح الشی (بالضم) ای سہل و حسن لانہ کان ایضاً مشرباً بحمرة و کان ازہر اللون و ہذا غایۃ الملاحۃ (مواہب ص ۳۳) (علامہ بیجوریؒ حضور ﷺ کے ملیح ہونے کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ نرم، خوبصورت تھے اس لئے کہ آپ ﷺ میں سرخی اور سفیدی ملی ہوئی تھی ازہر اللون تھے اور یہی اعلیٰ ملاحۃ ہے) مناوی نے ملیح کا معنی 'سمین' (فربہ) بھی کیا ہے سمینیت میں افراط کے توہم کے ازالہ کے لئے مقصداً (درمیانہ) لایا گیا ہے۔

مقصداً۔ یہ باب تفعیل سے اسم مفعول ہے بمعنی متوسط کے کہا جاتا ہے رجل مقصداً ای متوسط (درمیانہ شخص) قصد کا معنی وسط آتا ہے قرآن میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے وعلی اللہ قصد السبیل ای وسطہ (اور اوپر اللہ کے پہنچتی ہے سیدھی راہ یعنی وسط سبیل) (درمیانہ راستہ) شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں۔

والمراد انہ صلی اللہ علیہ وسلم متوسط بین الطول والقصر و بین الجسامۃ والنحافۃ بل جمیع صفاتہ علی غایۃ من الامر الوسط فکان فی لونہ و ہیکلہ و شعرہ و شرعہ مائلاً عن طرفی الافراط والتفریط (مواہب ص ۳۳) یعنی مراد یہ ہے کہ آپ طول اور قصر کے درمیان، متوسط تھے اور جسامت و کمزوری کے درمیان تھے بلکہ آپ کے تمام امور میں انتہائی درجہ کا توسط اور اعتدال تھا۔ آپ کارنگ صورت اور بال وغیرہ سب افراط اور تفریط سے پاک تھے۔

(۱۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ ثَابِتِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ابْنُ أَخِي مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ الشَّيْتَانِ إِذَا تَكَلَّمَ رَأَى كَالنُّورِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَائِيهِ .

ترجمہ: عبد اللہ بن عبد الرحمن نے بیان کیا ان کو خبر دی ابراہیم بن منذر حزامی نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عبد العزیز بن ثابت زہری نے وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا اسماعیل بن ابراہیم نے جو موسیٰ بن

عقبہ کے بھتیجے ہیں انہوں نے روایت بیان کی موسیٰ بن عقبہ سے انہوں نے نقل کیا کریب سے اور انہوں نے ابن عباسؓ سے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے اگلے دانت کچھ کشادہ تھے یعنی ان میں کسی قدر ریخیں تھیں گنجان نہ تھے۔ جب حضور اقدس ﷺ تکلم فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔

راویان حدیث (۵۷) عبد اللہ بن عبد الرحمنؓ (۵۸) ابراہیم بن المنذر اخزمیؓ (۵۹) عبد العزیز بن ثابت زہریؓ (۶۰) اسماعیل بن ابراہیمؓ (۶۱) موسیٰ بن عقبہؓ (۶۲) کریبؓ اور (۶۳) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے حالات تذکرہ راویان شامل ترمذی میں ملاحظہ فرمائیں۔

### دانتوں کی نورانیت:

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افلج الشیئین... حضور اقدس ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں کے درمیان قدرے کشادگی تھی یعنی وہ قطعی متصل نہ تھے۔ ثنیتین سامنے والے دو دانتوں کو کہتے ہیں اور فلیج کا اطلاق آگے والے دونوں دانتوں کے فاصلہ پر ہوتا ہے والفلیج (بالتحریک) تباعد بین الاسنان (جمع ص ۶۷)۔ (دانتوں کے درمیان فاصلہ) دیگر متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دیگر دانتوں میں بھی فلیج تھا اس لئے یہاں ثنیتین سے مراد مافوق الواحد کا اعتبار کیا جائے گا۔

اذا تکلم رأی کا لنور یخرج من بین ثناہ۔۔۔ جب آپؐ گفتگو فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ سامنے کے دو دانتوں سے نور نکل رہا ہے۔ یہ نور معنوی تھا یا حسی۔ بعض حضرات نے اسے معنوی اور روحانی نور قرار دیا ہے۔ اس خیال سے کہ نور سے مراد آپؐ کے الفاظ مبارکہ بطور تشبیہ ہیں مگر یہ ان کا محض وہم اور تاویل بعید ہے۔ اور انہوں نے رأی کا مطلب نہیں سمجھا علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں ومن صار الی انہ معنوی زاعما ان المراد بہ لفظہ الشریف علی طریق التشبیہ

فقلوہم وما فہم قوله رأی (مواہب ص ۳۳)

مگر جمہور کہتے ہیں کہ یہ روایت محض عقیدت کی بنا پر نہ تھی صحابہ کرامؓ کو یہ نور فی الحقیقت نکلتا ہوا نظر آتا



تھا یہ روشنی اور نورانیت بطور خرقِ عادت و اعجاز نبوت کے سب کو نظر آتی تھی۔ اس کی ایک مثال ابو داؤد ج ۱ ص ۳۴۹ میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ شاہ حبشہ نجاشی (جس کا آپؐ نے غائبانہ جنازہ پڑھا تھا) کی قبر سے عرصہ دراز تک نور سا اٹھتا تھا جس کا صحابہ کرامؓ مشاہدہ کرتے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں کہ علماء کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ حضور اقدسؐ کے کلام کو جو دانٹوں کے درمیان سے نکلتا تھا اس کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے لیکن علامہ مناویؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی حسی چیز تھی جو بطور معجزہ حضور اقدس ﷺ کے دانٹوں سے نکلتی تھی۔

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا

حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بچا کر ادینا

(خصائل)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ النُّبُوَّةِ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کے بیان میں

مہر نبوت :

مصنفؒ نے اس باب میں مہر نبوت کے بیان میں آٹھ روایات نقل کی ہیں جن میں مہر نبوت کی ہیئت، شکل، رنگ، مقدار اور صفات کا بیان ہے فی تحقیق وصفہ من لونه ومقداره وتعيين محله من جسد النبی ﷺ (جمع ص ۶۷) یہ مہر نبوت آپؐ کے کتفین (دونوں کندھوں) کے درمیان (ذرا دائیں کندھے کے قریب) بیضوی شکل میں ابھری ہوئی تھی۔ ماقبل سے ربط بھی ظاہر ہے کہ مہر نبوت کا تعلق آپؐ کے جسم کے ساتھ ہے اسلئے اسے حلیہ مبارک کے بیان سے متصل ذکر کر دیا۔ اگرچہ مہر نبوت بذات خود حلیہ شریف ہی ہے اسلئے ان روایات کو بھی پہلے باب کا جزء ہونا چاہئے تھا مگر مہر نبوت کے بوجہ مستقل اعجاز و علامت نبوت ہونے کے علیحدہ باب قائم کر کے ذکر کیا جا رہا ہے۔

خاتم النبوة - لفظ خاتم تاکے فتح اور کسرہ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے جب کسرہ کے ساتھ فاعل کے وزن پر پڑھا جائے تو ظاہر ہے کہ معنی بھی فاعلی ہوگا مراد ما یتختم بہ ہوگا یعنی جس چیز کے ذریعہ مہر لگائی جائے اور وہ چیز مہر شدہ کر دی جائے قرآن مجید میں وَخِثْمَهُ مَسْک کی مراد بھی یہی ہے یعنی اہل جنت کا مشروب خاص مہر شدہ شراب ہوگی جس پر کستوری کی مہر لگی ہوگی اور جب تاکے فتح کے ساتھ خاتم پڑھا جائے تو مراد انگوٹھی ہے۔ خط کے آخر پر لکھنے والے کی مہر کو خاتم کہتے ہیں جس کے لئے امام ترمذیؒ نے علیحدہ باب قائم فرمایا ہے۔

مہر نسبت کے صحیح کرنے کی علامت ہے تو خاتم النبوة بھی آپؐ کی رسالت و نبوت کی علامت ہے خاتم الانبیاء ہونے کی علامت ہے حضور اقدس ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء آئے ہیں ان کے اجساد پر کوئی علامت نہ تھی۔ اسی طرح دجال اکبر سے قبل جتنے بھی دجالہ آئے ہیں یا آئیں گے ان

کے بدن پر کوئی علامت نہ تھی۔ خاتم الانبیاء ﷺ کے جسدِ اطہر پر علامت ہے اسی طرح خاتم الدجافلہ کی پیشانی پر علامت ہوگی۔ حضراتِ اساتذہ نے فرمایا یہ خاتم صرف نبوت ہی کی نہیں بلکہ خاتم النبیین کی بھی علامت ہے۔

### خاتم نبوت کی بیہیت یا حقیقت:

یہ تو پہلے عرض کیا جا چکا کہ یہ آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان گوشت کی ابھری ہوئی بیضوی شکل کی گلی تھی اور اس پر بال بھی تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سے جس جس صحابیؓ نے اس کو جس انداز سے مشاہدہ کیا اور سمجھا اور سمجھانے کے لئے جو پیرایہ اختیار کیا اور جو مثال بیان کی اس سے بظاہر اختلاف ہو گیا ورنہ درحقیقت مراد سب کی ایک ہے بعض نے اسے بند مٹھی سے تشبیہ دی گویا کسی نے جسدِ اقدس پر مٹھی بند کر کے رکھ دی ہو بعض نے بال دیکھے یا محسوس کیے تو کہا شعراتِ مجتمعات (جمع شدہ بال) کسی نے چکور اور کسی نے کبوتری کے بیضہ (انڈے) سے تشبیہ دی بعض نے دہن کی ڈولی اور بعض نے مسہری کے ساتھ لٹکنے والی گھنڈیوں سے تشبیہ دی کسی نے اسے کپڑے کے بنائے جانے والے موٹے بٹن کی مانند قرار دیا۔ خلاصہ یہ کہ حقیقت تو ایک ہی ہے مگر جس نے جو دیکھا محسوس کیا اور سمجھانے کے لئے جو تعبیر استعمال کی ان تشبیہات و تمثیلات کو اگر تعارض پر حمل کیا جائے تو بظاہر اختلاف ہو جاتا ہے مگر حقیقت میں اختلاف نہیں ہے قال القرطبی و عیاض کل الاحادیث تفید ان الحاتم شنی بارز فی جسدہ ﷺ (اتحافات ص ۵۴) یعنی قرطبیؒ اور قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ (مہر نبوت سے متعلق) تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ مہر آپؐ کے جسدِ مبارک میں ابھری ہوئی ایک چیز تھی۔

### کتب سابقہ میں اس کا ذکر:

نیز ایک بات یہ بھی ہے کہ اہل کتاب کی کتبِ سماوی میں اس خاتم نبوت کا ذکر موجود تھا اس زمانے کے اہل علم اہل کتاب اس خاتم کا پوچھتے اور دیکھتے تھے اور دیکھ کر ایمان بھی لاتے تھے۔

## مہر نبوت پر لکھائی:

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس خاتم نبوت پر کچھ مکتوب بھی تھا یا نہیں بعض نے کہا ”محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا تھا جو اس پر موجود بالوں سے بنا تھا بعض کہتے ہیں اس پر سِرْفَانِک الْمَنْصُور (آپ ﷺ) (تبلیغ احکام) کے لئے چلیں آپ ﷺ ہی کا میاب چلیں ہوں گے) تحریر تھا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں کہ یہ روایتیں ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچی ہیں۔

## مہر نبوت کب بنی؟

ایک بحث یہ بھی ہے کہ یہ خاتم النبوة پیدائشی تھی یا نبوت کے بعد جسم اقدس پر ابھری۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جب سینہ مبارک پہلی مرتبہ چاک کیا گیا اس وقت مہر نبوت بھی بنادی گئی۔ بعض کہتے ہیں پیدائشی تھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں کہ مہر نبوت بدن مبارک پر ولادت ہی کے وقت سے تھی جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بواسطہ یعقوب بن حسن حضرت عائشہؓ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور حضور اقدس ﷺ کی وفات میں جب بعض صحابہ کرامؓ کو شک ہوا تو حضرت اسماءؓ نے مہر نبوت کے نہ ہونے سے وصال پر استدلال کیا کہ اس وقت وہ نہیں رہی تھی (خصائل)۔

(۱۵/۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنِ الْجَعْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعَ فَمَسَحَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ وَتَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَظَنَرْتُ إِلَى الْخَاتَمِ الَّذِي بَيْنَ كَفْيَيْهِ فَإِذَا هُوَ مِثْلُ زَرِّ الْحَبَلَةِ.

ترجمہ! قتیبہ بن سعید نے بیان کیا انہوں نے خبر دی حاتم بن اسماعیل سے جنہوں نے یہ روایت جعد

بن عبد الرحمن سے اخذ کی۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے سائب بن یزیدؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ کو میری خالہ حضور اقدس ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا کہ یہ میرا بھانجا بیمار ہے حضور اقدسؐ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے دعائے برکت فرمائی میں اتفاقاً یا قصداً حضور اقدس ﷺ کے پس پشت کھڑا ہوا تو میں نے مہربوت دیکھی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی۔

راویان حدیث (۶۳) حاتم بن اسماعیلؒ (۶۵) جعد بن عبد الرحمنؒ اور (۶۶) حضرت سائب بن یزیدؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### حضرت سائبؓ کی بارگاہ نبوت میں حاضری :

ذہبت بی خالتی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... میری خالہ جو آپؐ کی صحابیہ ہیں مجھے آپؐ کی خدمت میں لے گئیں۔ قال العسقلانی لم افق علی اسم خالته وامامہ فاسمہا علیہ بنت شریح (مواہب ص ۳۴) ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کی خالہ کے نام کا یہ نہیں چلا البتہ ان کی ماں کا نام علیہ بنت شریح تھا۔ وقال الجزری ہی اخت النمر بنت قاسط الکندی (مناموی ص ۶۸) علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ یہ نمر بنت قاسط الکندی کی بہن تھی۔

### حضورؐ سے خطاب کے وقت درود کا حکم:

فقال یا رسول اللہ ان ابن اختی وجع ... عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرا بھانجا تکلیف میں مبتلا ہے۔ یہاں اولاً تو یہ بات ملحوظ رہے کہ جس کلمہ میں حضور اقدس ﷺ کو خطاب کیا گیا ہو اس موقع پر درود پڑھنا کیسا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں ایسے موقع پر آپؐ پر درود شریف نہ پڑھا جائے (فیض الباری) بعض حضرات نے اس کے خلاف قول کیا ہے۔ مگر علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ سلف سے بھی یہی منقول ہے کہ درود شریف نہ پڑھا جائے البتہ اس موقع کے علاوہ جہاں بھی آپؐ کا نام نامی، اسم گرامی آئے تو درود شریف میں بخل کرنا گناہ ہے۔

## لفظ وجع کی تشریح:

وجع کٹیف کے وزن پر صفت مشبہ ہے بمعنی درد مند کے ہے بخاری کی بعض روایات میں وجع بمعنی ساقط کے بھی آیا ہے دونوں سے مراد مریض ہے۔ بعض حضرات نے اسے وقع سمجھا ہے وقع بھی صیغہ صفت مشبہ ہے بعض نے کہا کہ یہ فعل ماضی وقع ہے جس کا معنی گر گیا تھا اور گرنے کی وجہ سے پاؤں میں تکلیف تھی۔ مگر زیادہ مشہور وجع ہے ای ذو وجع وهو يقع علی کل مرض (مواہب ص ۳۵) یعنی وہ تکلیف میں مبتلا تھے اور اس لفظ کا اطلاق ہر بیماری پر ہو سکتا ہے۔ بہر حال تھا تو مرض البتہ مرض میں اختلاف ہے رائج یہی ہے وقع کا معنی پاؤں کے تلووں یعنی نیچے گوشت میں درد کا ہونا والوقع، وجع القدمین (احافات ص ۵۲) جس کی وجہ سے پاؤں میں ورم تھا وکان ذلک الوجع فی قدمیہ بدلیل رواۃ البخاری (بخاری کی روایت کے مطابق ان کے قدمین پاؤں) میں درد تھا (مواہب ص ۳۵)

## سر پر ہاتھ پھیرنے کی علت؟

فمسح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راسی ودعا بالبرکۃ --- آپؐ نے میرے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی۔ یہاں پر بعض حضرات نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ درد تو پاؤں میں تھا پھر سر پر ہاتھ کیوں پھیرا۔ شارحین جواب میں کہتے ہیں کہ

(۱) آپؐ نے سر پر دست شفقت رکھا محبت فرمائی اور دعادی شفا دینا اللہ کا کام ہے اس سے صحابیؓ کو تسلی ہوئی اور آپؐ کی دعا سے مرض ختم ہوا، یہ توجیہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی پھر حضورؐ کی دعا کے برکات ظاہر ہوئے نہ صرف یہ کہ حضرت سائبؓ کا مرض ختم ہوا بلکہ انہیں عافیت حاصل ہوئی کہ حضور ﷺ نے انہیں بارک اللہ فیک (اللہ تعالیٰ تجھے برکت سے رکھے) فرمایا تھا قال السائب قد علمت انی ماتمتعت بسمعی وبصری الا ببرکۃ الدعاء النبی ﷺ (احافات ص ۵۲) مجھے یقین ہے کہ میری بصارت و سماعت کی سلامتی حضور اقدس ﷺ کی

دعا کی برکت سے رہی۔ حضرت سائبؓ نے ۸۴ سال عمر پائی اور آخر تک صحت برقرار رہی۔

(۱) بیہقی نے روایت کی ہے کہ آپؐ کے ہاتھ پھیرنے کا حضرت سائبؓ پر یہ اثر ہوا کہ لم یزل رأسہ اسود مع شیب ما سواہ یعنی سر کے بالوں کے سوا باقی بالوں میں بڑھاپے کا اثر سفیدی ظاہر ہوئی جبکہ سر کے بال سیاہ رہے۔

(۲) پاؤں کی طرح سر میں درد تھا ولا مانع ان یکون بہ المرضان (مواہب ص ۳۵) (اس میں کوئی مانع (رکاوٹ) نہیں کہ اس میں دو بیماریاں ہوں)

(۳) سب سے زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ سر تمام بدن کا مرکز ہے اور دماغ حیات کا مستقر ہے سر اور دماغ کا اثر سارے بدن تک پہنچتا ہے۔ سر پر ہاتھ رکھنا گویا تمام بدن کو اثر پہنچانا ہے۔ الشیخ ابراہیم الجوریؒ فرماتے ہیں و اثر مسح الرأس لان صرف النظر الی ازالة مرضه اہم اذ هو مدار البقاء والصحة ومیزان البدن ولا کذا لک القلمان (مواہب ص ۳۵) (کہ آپ ﷺ نے سر پر ہاتھ پھیرنے کو ترجیح دی کیونکہ اصل غرض اور توجہ سر کی بیماری کے ازالہ پر زیادہ اہم تھی کیونکہ سر تمام بدن کا مرکز ہے اور وہ صحت و سلامتی کا مدار ہے اور قدموں کو یہ حیثیت حاصل نہیں)

## دم کرنے کا مسنون طریقہ :

(۱) المواہب میں ہے یوحذمہ ان یس للراقی ان یمسح محل الوجع من المریض دم کرنے والے کے لئے یہ سنت ہے کہ بیمار کے درد کی جگہ ہاتھ پھیرے نیز دیگر احادیث میں بھی آیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنے بدن میں درد کی جگہ آپؐ کو بتاتے تو آپؐ اسے مسح فرما کر دعا کرتے صحت یابی نصیب ہو جاتی۔

## برکت کا مفہوم :

البرکۃ کا لفظی معنی زیادتی، نشوونما اور ثمرات میں اضافہ ہونا ہے اور عرفاً مقدس قسم کی زیادتی جس میں خیر ہی خیر ہو، اللہ کی نصرت ہو تقدس کا مفہوم اور اللہ پاک کا فضل شامل ہو۔

لغت میں برکۃ اذنوں کے بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں اذنوں کی بیٹھی ہوئی جماعت کو بارکۃ اور حوض کو برکۃ کہتے ہیں وفي الحديث دلالة على انه لا مانع من الاستشفاء بدعاء الصالحين (الانحافات ص ۵۲) (یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ صلحاء کی دعا سے شفا طلب کرنا درست ہے)۔

وتوضأ فشربت من وضوئه .... پھر حضور اقدس ﷺ نے وضو کیا اور میں نے وضو کا بچا ہوا پانی پی لیا۔ کیا حضور اقدس ﷺ کے وضو کرنے کی غرض بھی یہی تھی کہ مریض اسے پی لے یا واقعۃً حضورؐ کو وضو کی حاجت تھی؟ دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔

### لفظ وضوء کی تحقیق :

وضوء (بضم الواو) سے مراد فعل شرعی یعنی غسل الاعضاء یعنی عمل وضو جبکہ وضو (بفتح الواو) سے مراد وہ پانی ہے جس کے ساتھ وضو کیا جائے اور وہ پانی بھی مراد لیا جاسکتا ہے جو وضو کرنے کے بعد برتن میں بچ گیا ہو۔ یعنی ماء الوضوء سواء استعد للوضوء اوبقی او فضل بعد الوضوء او استعمل فی الاعضاء للوضوء (وضو کا پانی چاہے وضو کے لئے رکھا گیا ہو یا باقی رہ گیا ہو یا وضو کرنے کے بعد بچ گیا ہو یلو وضو کے لئے اعضاء پر استعمال کیا گیا ہو)۔

### حضور اقدس ﷺ کا ماء مستعمل اور صحابہ کا طرز عمل :

حضور اقدس ﷺ کا مستعمل پانی پاک بھی تھا اور تبرک بھی اگرچہ عام لوگوں کا مستعمل پانی مکروہ ہے مگر آپؐ کا مستعمل پانی مکروہ نہیں ہے یہ حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت تھی صحابہ کرام وضو کے دوران آپؐ کا مستعمل پانی گرنے نہیں دیتے تھے بلکہ تبرک سمجھ کر استعمال کر لیا کرتے تھے۔ اکابرین قریش نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) کو حضور اقدس ﷺ کے حالات معلوم کرنے کے لئے آپؐ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے واپس جا کر رپورٹ دی کہ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں مگر جو تعظیم و تکریم



حضور اقدس ﷺ کی ان کے صحابہ کرامؓ کو کرتے ہوئے دیکھی وہ کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی۔ خدا کی قسم! وہ تھوکتے ہیں تو تھوک بھی کسی نہ کسی صحابیؓ کے ہتھیلی پر ہوتی ہے جس کو وہ اپنے منہ اور جسم پر مل لیتے ہیں جب وہ کسی کام کے کرنے کا امر فرماتے ہیں تو سب کے سب اس کام کے لئے دوڑ پڑتے ہیں واذنا وضوا کا دوا یقتلون علی وضو نہ یعنی جب وہ وضو فرماتے ہیں تو صحابہؓ ان کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لئے یوں گرتے پڑتے ہیں کہ گویا ابھی لڑ پڑیں گے اور جب وہ گفتگو کے لئے لب کشائی فرماتے ہیں تو سب کے سب آپؐ کے حضور خاموش ہو جاتے ہیں اور آپؐ کی طرف تعظیماً نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

بخاری شریف میں ہے۔ حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے وضو کا پانی پی لیا اور لوگ اس پانی کو لینے کے لئے دوڑ رہے تھے جس کو اس پانی سے کچھ مل جاتا وہ اسے مل لیتا اور جس کو کچھ نہ ملتا وہ دوسروں کے ہاتھوں کی تری لیکر مل لیتا۔

### شرب وضو کے تین احتمال:

فشربت من وضوہ .... فیحمل ان یراد بہ فضل وضوہ بمعنی الماء الباقی فی الظرف بعد فراغہ وان یراد بہ ما اعد للوضوء وان یراد بہ المنفصل من اعضائه صلی اللہ علیہ وسلم وهذا الاخیار انسب بما قصدہ الشارب من التبرک (مواہب ص ۳۵) یعنی ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے وہ پانی مراد ہو جو وضو کرنے کے بعد برتن میں بچ گیا ہو یا اس سے وہ پانی مراد ہو جو وضو کے لئے رکھا گیا ہو یا وہ پانی مراد ہو جو استعمال کے بعد آپؐ کے اعضاء سے الگ ہو گیا ہو اور یہ آخری احتمال زیادہ رائج ہے اس لئے کہ پینے والا اسے تبرک کے طور پر پیتا تھا

### شوافعؒ کے استدلال سے احناف کا جواب:

شوافع حضرات حدیث باب کے مضمون یعنی حضرت سائبؓ کے شرب الوضوء سے ماء مستعمل کے ظاہر و مطہر ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ علماء احناف کہتے ہیں کہ

(۱) پہلے تو وضو کا معنی قطعی طور ماء مستعمل للوضوء نہیں لیا جاسکتا بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ماء فضل عن الوضوء (وہ پانی جو وضو سے بچ گیا ہو) مراد ہے۔

(۲) شرب ماء کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ ابھی ماء مستعمل کے استعمال سے ممانعت نہیں اتری تھی اس کے عدم طہارت کا حکم بعد میں نازل ہوا۔

(۳) ماء مستعمل کی عدم طہارت یا عدم طہوریت کا حکم احناف خلطِ ذنوب کی وجہ سے دیتے ہیں جیسا کہ احادیث میں واضح ہے کہ وضو کے پانی سے گناہ خلط ہو کر بہہ جاتے ہیں۔ جبکہ حضور اقدسؐ معصوم تھے ان سے تو گناہ کا تصور بھی گناہ ہے۔

(۴) حضور اقدس ﷺ کے تمام فضلات وغیرہ سب طاہر ہیں تو وضوء کے ماء مستعمل کو تو بطریق اولیٰ طاہر ہونا چاہئے۔ پھر شرب ماء الوضوء میں بھی احتمالات ہیں (۱) ممکن ہے حضرت سائبؓ نے وضوء سے قبل پانی پی لیا ہو (۲) فضالہ وضوء یعنی بچے ہوئے پانی سے پیا ہو (۳) متساقط وضوء یعنی ماء مستعمل پیا ہو۔ ان احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ روایت حضرات شوافع کا مستدل نہیں بن سکتی۔

## زرا الحجلة :

وقمت خلف ظہرہ ... راوی کا بیان ہے کہ میں آپؐ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہو گیا پھر میں نے آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کا مشاہدہ کیا فاذا هو مثل زر الحجلة پس میں نے اسے چکور کے انڈے جیسا پایا۔ چکور (دجاج البر) کا انڈہ کبوتری کے انڈے سے بڑا اور مرغی کے انڈے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ الحجلہ چھپر کھٹ کو بھی کہتے ہیں زر الحجلة یعنی چھپر کھٹ کی گھنڈی کی طرح حجلہ اس گھر کو بھی کہتے ہیں جو دلہن کے لئے قبلہ کی طرح بنایا جاتا ہے اس پر پردے وغیرہ لٹکا کر آراستہ کرتے ہیں جسے ہم لوگ اپنی زبان میں ڈولی کہتے ہیں۔ بہر حال حضرت سائبؓ مہر نبوت کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مہر نبوت کی تفصیلات اس سے قبل ذکر کی جا چکی ہے۔

(۱۶/۲) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ الطَّالِقَانِيُّ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ بْنُ جَابِرٍ عَنْ سَمَاقٍ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ الْحَاتِمَ بْنَ كُفَيْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُدَّةَ حُمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ .

ترجمہ! ہمیں سعید بن یعقوب طالقانی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ایوب بن جابر نے انہوں نے روایت کی سماک بن حرب سے اور انہوں نے جابر بن سمرة سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوت کو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا جو سرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جتنی تھی۔

راویان حدیث (۶۷) سعید بن یعقوب الطالقانی (۶۸) ایوب بن جابر اور (۶۹) سماک بن حرب کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### مہر نبوت کا رنگ اور حجم :

قال رايت الحاتم ... حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا جو غدة حمراء یعنی سرخ رنگ کی ایک گٹھی تھی جو بیضوی شکل میں کبوتری کے انڈے کے مشابہ تھی۔ غدة کی جمع غدائد آتی ہے اسے اردو میں غدود کہتے ہیں۔ گٹھی، پتولی اور رسولی کو کہتے ہیں انہا کل عقدة فی الجسد (ہر گرہ جو جسم میں ہو) المصباح میں ہے الغدة لحم يحدث بين الجلد واللحم يتحرك بالتحريك (مواہب ص ۳۶) یعنی ”غدة“ وہ گوشت ہے جو کھال اور جسم کے گوشت کے درمیان میں پیدا ہوتا ہے اور حرکت دینے سے وہ ہل جاتا ہے۔

حضرت جابرؓ مہر نبوت کا رنگ اور حجم بتا رہے ہیں جو جسم اطہر کے اوپر بڑھے ہوئے گوشت کا ٹکڑا جیسا تھا گویا ایک سرخ گٹھی ہے جس کا حجم کبوتری کے انڈے کے برابر ہے۔ رنگ کے بارے میں یہاں حمراء (سرخ) کی تصریح ہے جبکہ بعض دیگر روایات میں سوداء (کالا) بعض میں خضراء (سبز) بعض میں کلون جسده (آپ کے جسم کے رنگ جیسا) منقول ہوا ہے۔

شیخ ابراہیم البیہرؒ فرماتے ہیں ولا تدافع بین هذه الروایات لانه كان يتفاوت

باختلاف الاوقات فكانت كلون جسده تارة وكانت حمراء تارة وهكذا بحسب الاوقات .  
( مواہب ص ۳۶ ) ( ان روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ مختلف اوقات میں اس کا رنگ بدلتا رہتا تھا کبھی تو اس کا رنگ آپؐ کے جسم کے رنگ کی طرح ہو جاتا اور کبھی وہ سرخ ہو جاتا اسی طرح کبھی دوسرے رنگ میں تبدیل ہو جاتا )۔

اس روایت میں مثل بیضة الحمامة ( کبوتری کے انڈے جیسی ) کی تصریح ہے جبکہ روایت سابقہ میں مثل زرد الحجلة ( چکور کے انڈے کی طرح ) ابن حبانؒ کی روایت میں کبيضة نعامة ( شتر مرغ کے انڈے جیسا ) ، بیہقیؒ کی روایت میں كالنفاحة ( سیب جیسا )۔ ابن عساکرؒ کی روایت میں كالبلندقة ( مٹی کا ٹٹہ ) مسلمؒ اور مصنفؒ کی ایک روایت میں كانها ثاليل ( سر پستان کی طرح ) ، حاکمؒ کی روایت میں شعر مجتمع ( مجتمع بال ) اور مصنفؒ کی ایک روایت میں شعرات مجتمعات ( بالوں کا مجموعہ ) نقل ہوا ہے۔

اس تفصیل سے غرض یہ بتانا ہے کہ احادیث میں مہر نبوت کے مقدار اور رنگ میں قدرے اختلاف ہے۔ امام قرطبیؒ تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں انہ کان یکبر و یصغر فکل شبه بما سنع له ( مواہب ص ۳۶ ) یعنی مہر نبوت چھوٹی اور بڑی ہوتی رہتی تھی۔ ہر ایک نے جس حالت میں دیکھا اس جیسی چیز سے اس کو تشبیہ دے دی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ سب تشبیہات ہیں اور تشبیہ ہر شخص کی اپنے اپنے ذہن کے مطابق ہوتی ہے جو تقریبی حالت ہوتی ہے اور تقریب کے اختلاف میں اشکال نہیں ہوتا بندہ کے نزدیک یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے ( خصائل )

( ۱۷۳ ) حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ الْمَدَنِيُّ أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ الْمَاجِشُونِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ غَمَرِ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ جَدِّهِ رُمَيْثَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ أَشَاءَ أَنْ أَقْبَلَ الْخَاتَمَ الَّذِي بَيْنَ كَفَيْهِ مِنْ قُرْبِهِ لَفَعَلْتُ يَقُولُ لِسَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ يَوْمَ مَاتَ اهْتَزَلَتْ عَرْشُ الرَّحْمَنِ .. ترجمہ ! ہمیں ابو مصعب مدنی نے بیان کیا۔ ان کو خبر دی یوسف بن ماجشون نے اپنے باپ کے حوالے سے۔ انہوں نے یہ روایت عاصم بن عمر بن قتادہ سے لی۔ انہوں نے اپنی دادی

رمیثہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے یہ مضمون سنا اور میں اس وقت حضور اقدس ﷺ کے اتنی قریب تھی کہ اگر چاہتی تو مہر نبوت کو چوم لیتی۔ وہ مضمون یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سعد بن معاذؓ کے حق میں یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ان کی موت کی وجہ سے حق تعالیٰ جل شانہ کا عرش بھی ان کی روح کی خوشی میں جھوم گیا۔

راویان حدیث (۷۰) ابو مصعب المدنیؓ (۷۱) یوسف بن المہاشونؓ (۷۲) عن ابیہ (۷۳) عاصم بن عمر بن قتادہؓ اور (۷۴) حضرت رمیثہؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### موضع استشہاد :

قالت سمعت رسول اللہ ﷺ ولو اشاء ان اقبل الخاتم الذی بین کفیه من قرہ لفعلت حضرت رمیثہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا اور اگر میں چاہتی تو اس وقت آپ کے قریب ہونے کی وجہ سے آپ کے دونوں کندھوں مبارک کے درمیان مہر نبوت کا بوسہ لے لیتی روایت کا یہی حصہ ترجمۃ الباب سے متعلق ہے۔ اس باب میں اس حدیث کے لانے کا مقصد بھی حضرت رمیثہؓ کا مندرجہ بالا ارشاد ہے۔ من قرہ کے الفاظ قابل توجہ ہیں حضرت رمیثہؓ کی غرض مہر نبوت کے بیان کرنے سے اپنے قریب ہونے کا بیان ہے کہ اس بیان کے سننے اور سمجھنے میں مجھ سے کسی قسم غلطی یا غلط فہمی کا امکان نہیں ہے۔

بارگاہ نبوت میں جس طرح مردوں کو قرب خاص حاصل تھا اسی طرح بمقتضائے شان رحمۃ اللعالمین کے خواتین کو بھی یہ عزت وسعادت حاصل تھی

چنانچہ حضرت رمیثہؓ کا یہ جملہ کہ اگر میں چاہتی تو آپؐ کی مہر نبوت کا بوسہ لے لیتی حضور اقدس ﷺ کی ان پر انتہائی شفقت و رافت اور کمال عنایت و رحمت کا مظہر ہے۔ دوسرا یہ کہ اس نے مہر نبوت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

ع

نازم بخش خود کہ جمال تو دیدہ است

افتم پائے خود کہ بکویت رسیدہ است

(مجھے اپنی آنکھوں پر فخر ہے کہ جن سے میں نے آپ کے حسن و جمال کا نظارہ کیا ہے۔ پڑ جاؤں اپنے پاؤں پر کہ پہنچایا تیرے کو چرتک)

## ایک اشکال کا جواب:

حضرت رمیثہؒ اجنبیہ خاتون تھیں جس کی نظر اجنبی مرد کے لئے حرام ہے۔ شیخ ابراہیم اللجوریؒ یہی سوال اٹھا کر تفصیل سے جواب دیتے ہیں کہ لا یقال نظر المرأة الاجنبیة للأجنبی حرام لأننا نقول من خصائصه صلى الله عليه وسلم جواز نظر المرأة الاجنبیة له (مواہب ص ۳۷) یعنی یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اجنبی خاتون کا اجنبی مرد کو دیکھنا تو ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اجنبی خاتون کا آپؐ کو دیکھنے کا جواز آپؐ کی خصوصیات میں سے تھا۔

حضرت سعد بن معاذؓ - حضرت سعدؓ قدیم الاسلام اور عظیم جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت سعدؓ نے ہجرت مدینہ سے قبل مصعب بن عمیرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کیا انصار مدینہ سے تعلق ہے۔ ہجرت سے قبل انصار مدینہ کے کئی لوگ مختلف اوقات میں حج کے ایام میں منی کے مقام پر حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا حضرت سعدؓ بھی ان سعادتمند صحابہؓ میں سے ایک ہیں بلکہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ بارہ (۱۲) سرداروں کو اپنا نقیب مقرر فرمایا حضرت سعدؓ بھی اسی جماعت سے ہیں پھر ان ہی نقیبوں نے واپس جا کر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام کیا تو بہت سے خوش نصیب ایمان لائے پھر اسی جماعت نے آپؐ کو مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی آپؐ نے ان کی دعوت پر ہجرت کا فیصلہ کیا پھر وادی یشرب کو مدینۃ الرسول اور پہلا دارالاسلام بننے کا شرف حاصل ہوا۔ قد و قامت کے لحاظ بھی اونچے اور وجیہ تھے بدر میں شریک ہوئے ہجرت کے پانچویں سال جنگ خندق کے موقع پر زخمی ہوئے پھر ایک ماہ تک زندہ رہ کر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وفات پا گئے۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتوں نے شرکت کی تھی و شہد جنازۃ سبعون الف ملک (مواہب ص ۳۷)

ای فی شانہ و بیان منزلتہ و مکانتہ عند اللہ تعالیٰ یعنی آپ حضرت سعد بن معاذؓ کی شان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے بلند مرتبہ و مقام کے بارے میں فرما رہے تھے۔ حضرت سعدؓ وہی عظیم المرتبت صحابی ہیں جنہوں نے بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق فیصلہ دیا تھا کہ ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے ان کی خواتین اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنایا جائے یہی وہ موقع تھا جب اللہ کے نبیؐ نے فرمایا کہ سعد کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے۔ حضرت سعدؓ کی ۳۷ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

### انتباہ !

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کی اس قدر عظمت مقام اور بلند شان کے باوصف ایک حدیث کے مضمون کے مطابق قبر کی تنگی تھوڑی دیر کے لئے ان کو بھی پیش کی گئی بڑی عبرت کی جگہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے جتنے مناظر بھی دیکھے ہیں قبر کا منظر سب سے زیادہ ہولناک پایا (خصائل)۔

### اهتزله العرش کی تشریح :

حضرت رمیہؓ فرماتی ہیں کہ جس روز حضرت سعدؓ کا انتقال ہوا اسی روز اهتز له عرش الرحمن (رحمن کا عرش ان کے لئے ہل گیا) ہزار باب نصر بمعنی ہلانا اور حرکت دینا اهتز اس کا لازم ہے ہلنے اور متحرک ہونے کے معنی میں ہے قلوب کے فرحت و انبساط اور دل کی خوشی و مسرت کو بھی اهتزاز کہتے ہیں کہ خوشی کی وجہ سے دلوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ عرش الرحمن میں حرکت کیوں پیدا ہوئی۔ شارحین حدیث نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

(۱) یہ ہلنا استبشاراً بقدم سعدؓ تھا اس جنبش و حرکت کا مقصد حضرت سعدؓ کا استقبال تھا کہ اسلام کا حلیل القدر فرزند، نبیؐ کا جان نثار اور مخلص فداکار اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے ان کی

آمد روح کی خوشی میں عرش بھی جھوم اٹھا۔

علامہ البیہقی فرماتے ہیں ای استبشاراً و سروراً بقدم روحہ (یعنی آپؐ کی روح کی آمد کی خوشی میں عرش جھوم گیا) جس وقت انتہائی سرور و لطف اور وجدانی کیفیت میں جسم و جان اور روح جھوم جھوم اٹھتی ہے اسی جھومنے کو اهتزاز کہتے ہیں۔

(۲) یہ اهتزاز عرش غضباً علی فاتلہ (آپؐ کے قاتلوں پر غیظ و غضب کے اظہار کے لئے) تھا کفار کے ظلم، جبر اور نبی کریم ﷺ کے مخلص جان نثار کو بے دردی سے قتل کر دیئے جانے پر عرش رحمن میں غضب کی وجہ سے جنبش پیدا ہوئی اسے ان ظالم کفار پر غصہ تھا جنہوں نے حضور اقدس ﷺ کے مخلص شیدائی کو شہید کر دیا۔

(۳) یہاں پر مضاف محذوف ہے ای اهتزاز و فرح لقدومه حملة العرش کہ آپؐ کی روح کی آمد پر حاملین عرش خوش ہوئے اور خوشی سے جھوم جھوم اٹھے یہ مجازی معنی ہے تو حملة العرش سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین فرشتے ہیں قرآن مجید میں بھی ان کا ذکر ہے۔ اَللّٰیْنِ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہُ (۴۰:۷) (جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں) وَتَرٰی الْمَلَائِکَۃَ حَافِیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّہُمْ (۴۵:۳۹) (آپؐ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرد اگر دھلقہ باندھے ہوں گے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہوں گے)۔ خلاصہ یہ کہ حضرت سعدؓ کی وفات پر ان فرشتوں میں حرکت و جنبش پیدا ہوئی۔ جو حاملین عرش ہیں۔

(۴) یہ از قبیلہ اطلاق اسم المحلل علی الحال (محل بول کر حال مراد لینا) کے ہے جیسے واسئل القریۃ (۲۸:۱۲) گاؤں سے پوچھ لو، مراد یہ ہے کہ گاؤں کے باشندوں سے پوچھ لو۔ اس طرح یہاں بھی عرش سے اہل عرش مراد ہیں (۵) اهتزاز عرش یہ کنایہ ہے از عظمت شان وفات حضرت سعدؓ قیل وهو کنایۃ عن تعظیم شان وفاته والعرب تنسب الشئ المعظم الی اعظم الاشیاء فقول اظلمت الارض لموت فلان (جمع ص ۶۲) یعنی یہ حضرت سعدؓ کی وفات کی عظمت شان سے کنایہ ہے۔ عرب عظیم چیز کو سب سے بڑی چیز کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں فلان کی وفات سے زمین پر اندھیرا چھا گیا۔



## ایک ضعیف توجیہ کی تردید و دلائل:

یہ روایت بخاری میں بھی اهتز لہ العرش کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں العرش سے مراد عرش المیت ہے جنازہ میں لوگوں کی کثرت اور ازدحام کی وجہ سے حضرت سعدؓ کے سریر الجنائزہ (جنازہ کی چارپائی) کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا جس سے اس میں بہت حرکت پیدا ہوئی حضرت جابرؓ کی روایت میں صراحۃً عرش الرحمن کی تصریح ہے نیز حضرت جابرؓ فرماتے ہیں .. کان بین الحیشین ضغائن یعنی دونوں قبائل کے درمیان باہمی کینہ و ریاں تھیں۔ شارحین حدیث اس لفظ کی تشریح میں کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا اور حضرت براءؓ کا قبیلہ خزرج سے۔ دونوں قبائل زمانہ جاہلیت میں باہمی جنگ و جدال، عداوت اور کینہ و ریا میں مبتلا تھے اس قدیم عداوت کی بناء پر قبیلہ اوس کی عظمت و فضیلت کو خزرجی زائل کرنا چاہتے ہیں اس لئے وہ یہ تاویل کرتے ہیں۔

(۱) مگر یہ تاویل و توجیہ رحماء بینہم (کہ صحابہ کرامؓ آپس میں رحمدل ہیں) کی نص سے مردود ہے۔

(۲) اور یہ بھی ممکن نہیں کہ صحابہ کرامؓ آپس میں کسی سے کینہ کی بنا پر حضور اقدس ﷺ کے ارشاد میں تحریف کریں۔

(۳) یہ بھی ایک محقق امر ہے کہ حضرت براءؓ بھی قبیلہ بنی اوس سے تعلق رکھتے تھے خزرج سے نہیں دیکھیے تہذیب الکمال (ص ۱۹ ج ۳) اور تہذیب التہذیب (ص ۴۴۴ ج ۱)۔

ری: یہ بات کہ حضرت جابرؓ کا حضرت براءؓ کے اس قول اهتز السریر (کہ چارپائی نے حرکت کی) کے جواب میں یہ کہنا کہ کان بین الحیین ضغائن (کہ دونوں قبیلوں کے درمیان باہمی کینہ و ریاں تھیں) اس کا کیا مطلب؟ تو اس کی توجیہ بھی علامہ عسقلانیؒ نے ان الفاظ میں بیان کی۔ وانما قال جابر ذلك اظهارا للحق واعترافا بالفضل لاهله فكانه تعجب من البراء كيف قال ذلك مع انه اوسى ثم قال وانا وان كنت خزرجيا وکان بین الاوس والخزرج ما کان لم

یمنعنی من ذلک ان اقول الحق فذكر الحديث بلفظ اهتز عرش الرحمن باضافة العرش الى الرحمن (جمع ص ۶۲) (اور حضرت جابرؓ کا یہ کہنا صرف حق بات کے اظہار اور براء کے خاندان کی فضیلت اور شرافت میں بطور اعتراف کے تھا گویا کہ حضرت جابرؓ حضرت براءؓ سے تعجب و حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ براءؓ نے یہ کیسے کہا (کہ جنازہ کی چارپائی میں حرکت ہوئی) حالانکہ وہ بھی قبیلہ اوس میں سے ہیں (اور حضرت سعدؓ بھی اسی قبیلہ کے فرد ہیں) پھر حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں اگر چہ خزرجی ہوں اور قبائل اوس اور خزرج کے درمیان جنگ و جدال آپ سب کو معلوم ہے لیکن اس کے باوجود بھی مجھے اس حق بات کہنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے پھر حضرت جابرؓ نے حدیث کے الفاظ کو اهتز عرش الرحمن باضافة عرش لفظ الرحمن کو نقل فرمائے (یعنی حضرت سعدؓ کے موت کے دن عرش خداوندی حرکت میں آیا)

(۴) حضرت ابن عمرؓ بھی ایک مدت تک حضرت براءؓ کی طرح عرش سے مراد سریر میت لیتے رہے اور اسی کے قائل تھے حالانکہ وہ خزرجی نہ تھے اور اس میں قبیلہ کی نسبت کا کیا دخل؟  
شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس کو حضرت جابرؓ بیان فرما رہے ہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ محقق ہے اس میں کسی قسم کی زیادتی و تحریف نہیں ہے حضرت براءؓ کو پورے الفاظ یاد نہیں۔

کیونکہ میں خزرجی ہوں اور حضرت سعدؓ اوسی ہیں۔ اوس اور خزرج میں مدتوں کینہ رہا تو ایک قبیلہ والا دوسرے مقابل کے قبیلہ کے فضائل میں زیادتی نہیں کر سکتا بلکہ پورا بیان کیا ہے کہ عرش الرحمن کے الفاظ تھے (تقریر ترمذی)۔

تمتہ بحث :

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں قال الحاکم الاحادیث المصرحة باهتزاز عرش الرحمن منخرجة فی الصحیحین و لیس لمعارضها ذکر فی الصحیح (جمع ص ۶۲) (حاکم کہتے ہیں کہ جن

احادیث میں عرشِ رحمن کی حرکت کرنے کی تصریح ہے وہ صحیحین کی روایات ہیں اوان کے معارض مقابل روایات کا تذکرہ صحیح میں نہیں آیا)

### غیر ذوی العقول کا ادراک:

ایک اور اشکال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ عرش جو غیر ذوی العقول میں سے ہے کیونکر متحرک ہوا، جنبش و حرکت میں کیسے آیا؟ شارحین کہتے ہیں کہ دنیا میں عقل و شعور سے کوئی چیز خالی نہیں حتیٰ کہ جمادات اور شجر و حجر بھی اپنی اپنی عقل کے مطابق اپنے رب کا ذکر اور تسبیح پڑھتے ہیں۔

وان من شئی الا یسبح بحمدہ (۱۷: ۴۴) (اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو)۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

روح المعانی (ص ۸۳ ج ۱۵) قرطبی (ص ۲۶۶ ج ۱۰) معارف القرآن (ص ۷۵ ج ۵) اور سیرت کی کتابوں میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی تھی۔

علماء محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا میں ہر چیز شعور و ادراک رکھتی ہے وان من الحجارة لما یتفجر منه الانهار (۲: ۷۴) (اور پتھروں میں سے تو بعض پتھرا یسے بھی ہیں جن سے بڑی بڑی نہریں پھوٹ نکلتی ہیں) وان منها لما یهبط من خشية الله (اور بعض پتھرا یسے ہیں کہ خشیت خداوندی سے گر پڑتے ہیں)

مگر ہر ایک کے عقل و شعور میں فرق ہے تاہم جن و انس کا ادراک اور عقل و شعور اس قابل تھا کہ ان پر بارامانت ڈال دیا گیا باقی اشیاء کے ادراک میں وہ معیار نہیں تھا کہ ان پر بارامانت ڈالا جاتا۔

(۱۸/۴) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الصَّيِّ وَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ مَوْلَى عُفْرَةَ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِنْ وَلَدِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِذَا وَصَفَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوْلِهِ وَقَالَ بَيْنَ كَيْفِيَةِ خَاتَمِ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ .

ترجمہ! ہمیں بیان کیا احمد بن عبدہ ضی اور علی بن حجر اور بہت سے لوگوں نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عیسیٰ بن یونس نے اور انہوں نے روایت اخذ کی عمر بن عبد اللہ سے، جو غفرہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا ابراہیم بن محمد نے جو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ جب حضور اقدس ﷺ کی صفت بیان کیا کرتے تو یہ یہ صفتیں بیان کرتے اور حدیث مذکورہ سابق ذکر کی۔ من جملہ ان کے یہ بھی کہتے کہ حضور اقدس ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپؐ خاتم النبیین تھے۔

یہ ایک طویل حدیث ہے جو باب اول میں چھٹے نمبر پر درج ہے جس میں تفصیلی بحث اپنے مقام میں ہو چکی ہے۔

## محل مہر نبوت:

وقال بین کتفیه خاتم النبوة .... حضرت علیؑ نے حضور اقدس ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔

وهو خاتم النبیین - آپؐ سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی ہیں۔ مصنفؒ کی غرض حدیث کا یہ حصہ یہاں نقل کرنے سے یہ ہے۔ کہ وذكر ههنا الحديث لتعین مکان الخاتم وتأكيد وجوده (اتحافات ص ۵۷) یعنی مہر کی جگہ کا تعین اور اس کے موجود ہونے کی تاکید۔

ملا علی قارئیؒ فرماتے ہیں والمقصود من ایراده فی هذا الباب قوله بین کتفیه خاتم النبوة فانه يدل علی وجود الخاتم وتعین محله من جسده صلی اللہ علیہ وسلم (جمع ص ۷۶) (اس حدیث کو باب ۸ ہذا میں لانے کا مقصد یہ قول ذکر کرنا ہے ”بین کتفیه خاتم النبوة“ یعنی آپؐ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اس سے مہر کی موجودگی اور آپؐ کے جسم میں ان کے مقام کا تعین بھی معلوم ہو گیا)۔

(۱۹/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ أَخْبَرَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ حَدَّثَنِي عَلْبَاءُ بْنُ أَحْمَرَ أَلَشَّكْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو زَيْدٍ عُمَرُو بْنُ أَحْطَبٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا زَيْدٍ اُذْنُ مِنِّي فَاَمْسَحْ ظَهْرِيْ فَمَسَحْتُ ظَهْرَهُ فَوَقَّعْتُ اَصَابِعِيْ عَلَى الْخَاتَمِ قُلْتُ وَمَا الْخَاتَمُ قَالَ شَعْرَاتُ مُجْتَمِعَاتٍ .

ترجمہ! محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو عاصم نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عزہ بن ثابت نے خبر دی وہ کہتا ہے کہ مجھے علباء بن احمر (یشکری) نے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ میرے پاس بیان کیا (ابوزید) عمرو بن اخطب انصاری نے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے کمر ملنے کے لئے ارشاد فرمایا میں نے حضور اقدس ﷺ کی کمر ملنی شروع کی تو اتفاقاً میری انگلی مہر نبوت پر لگ گئی۔ علباء کہتے ہیں کہ میں نے عمرو سے پوچھا کہ مہر نبوت کیا چیز تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ چند بالوں کا مجموعہ تھا۔

راویان حدیث (۷۵) ابو عاصم (۷۶) عزرة بن ثابت بن ابی زید الانصاری (۷۷) علباء ابن احمد الیشکری اور (۷۸) حضرت عمر ابن اخطب الانصاری کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### حضرت ابوزیدؓ کو مس ظہر کا حکم:

قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا زید ... حضور اقدس ﷺ نے انہیں کنیت سے پکارا اور کنیت سے پکارنا عزت و احترام اور باعث شرف سمجھا جاتا تھا۔ اذن منی یعنی ذرا میرے قریب ہو جائیے فامسح ظہری اور میرے پشت پر ہاتھ پھیرئیے۔ حضور اقدس ﷺ نے کسی ضرورت (کھجلی، خارش وغیرہ) کے تحت صحابی کو قریب آنے اور پھر کمر پر ہاتھ پھیرنے کا حکم فرمایا اور عام معمول انسانی میں بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے جسم کی ایک جگہ کھجانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مگر وہ کھجانی نہیں سکتا دوسرے کی امداد کی ضرورت پڑتی ہے۔

شیخ ابراہیم السجوریؒ فرماتے ہیں یحتمل انہ صلی اللہ علیہ وسلم علم بنور النبوة ان

ابازید یرید معرفة کیفیة الخاتم فامرہ ان یمسح ظہرہ (مواہب ص ۳۸)

یعنی حضور اقدس ﷺ نے نور نبوت سے جان لیا کہ ابو زید مہر نبوت کی کیفیت معلوم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں لہذا ان کو اپنی پشت مبارک چھونے یا اس پر ہاتھ پھیرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

### حضور اقدس ﷺ کی حضرت ابو زید کے لئے دعا :

شیخ ابراہیم البیہوریؒ نے لکھا ہے کہ جامع المصنف میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کے لئے دعا بھی فرمادی تھی اللھم جملہ اے اللہ! ان کو زینت بخش دے۔

راوی کا بیان ہے فعاش مائة وعشرين سنة وليس فى راسه ولحيته الا شعرات بيض (مواهب ص ۳۹) ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی ہوئی۔ مگر سوائے چند بالوں کے ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید نہیں ہوئے۔ اور بیہقی کی روایت ہے کہ چہرہ پر ذرہ بھر شکن بھی نہ تھا بالکل صاف اور روشن جیسے جوانوں کا چہرہ ہوتا ہے۔

### مہر نبوت کی تفصیلات :

فمسحت ظهره ' راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی پشت پر ہاتھ پھیرا فوقعت اصابعى على الخاتم ہاتھ پھیرتے وقت میری انگلیاں مہر نبوت پر جا لگیں۔ قلت ' علباء بن احمر شاگرد عرض کرتا ہے وما الخاتم مہر نبوت سے مراد کیا ہے؟

حضرت ابو زیدؒ نے فرمایا شعرات مجتمعات گویا بالوں کا ایک مجموعہ تھا حضرت ابو زیدؒ کے اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مہر نبوت کو آنکھوں سے نہیں دیکھا صرف ہاتھوں سے چھونے کی سعادت حاصل کی اور جو محسوس کیا وہی بیان کر دیا وجواب ابی زید لعلباء يدل على انه لم يره بعينه ' و انما حكى مالمسه من الشعر بيده ' ولعله الشعر الذى حول الخاتم قال القسطلانى ظاهره انه لم ير الخاتم بعينه فاخبر عما وصلت اليه يده وهو الشعر (اتحافات ص ۵۷) (صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ ابو زید کے جواب جو کہ اس نے علباء کو دیا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مہر نبوت کو دیکھا نہیں تھا بلکہ اس نے اپنے ہاتھ لگانے سے جو محسوس کیا (کہ

وہ مہر نبوت بالوں کا مجموعہ ہے) اس کی حکایت کردی۔

امام قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ ابو زید نے بعینہ مہر نبوت کو دیکھا نہیں تھا بلکہ اس نے جہاں اس کا ہاتھ بالوں کو پہنچا اس کی خبر کردی)

### مہر نبوت کی روایات میں تطبیق :

شعرات مجتمعات کی تصریح سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت بالوں کا گچھا تھا اور گوشت کا ٹکڑا نہیں تھا جبکہ اس سے قبل کی روایات میں اور دیگر روایات میں جو حد تو اتر کو پہنچتی ہیں میں تصریح ہے کہ غدة حمراء (سرخ گٹھی) تھی۔

محدثین حضرات تطبیق یوں کرتے ہیں کہ وہ یقیناً ابھرا ہوا گوشت تھا جس پر بال پیدا ہو گئے تھے بعض روایات میں تصریح ہے مہر نبوت لحم (گوشت) تھا و علیہا شعرات جس پر بال تھے لہذا تقدیر عبارت یوں بنے گی ہو ذو شعرات او هو الذی علیہ شعرات او فیہ شعرات یعنی وہ بالوں والا تھا یا اس پر بال تھے یا اس میں بال تھے۔

مہر نبوت کے مقدار، حجم اور کیفیت کے متعلق بظاہر جو روایات کا تعارض ہے اور اس کا حل اور روایات میں تطبیق کی تفصیل صفحہ نمبر ۲۰۲ پر بیان ہو چکی ہے۔

### گٹھی جس پر بال اگے ہوں:

علی العموم یہ کہا گیا ہے کہ جس کی پیٹھ پر تل (گٹھی) اور اس پر بال اگے ہوئے ہوں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص زیادہ تکلیف اٹھانے والا ہوگا اور اس کے گھر والوں کو اس کی وجہ سے مصیبت اور تکلیف پہنچے گی اور اس کی موت زہر کی وجہ سے ہوگی اور واقعہ یہ بات ثابت ہے جیسا کہ اس کا نمونہ خود حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی ہے کہ آپؐ میں یہ ساری علامات پائی جاتی ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ زیادہ مشقت اور تکالیف اٹھانے والی ہستی تھی، غلبہ دین کے لئے مختلف قسم کے شدائد و مصائب برداشت کیے۔

(۲) حضور اقدس ﷺ کا خاندان خود حضور اقدس ﷺ کی وجہ سے مختلف النوع امتحانات اور مصائب کا ہدف بنا ہوا تھا۔

(۳) حضور اقدس ﷺ کا سانحہ ارتحال بھی بظاہر زہر کی وجہ سے ہوا جیسا کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے تھے فقد قال مازالت اكلة خيبر تعاودني فهذا اوان انقطاع ابهرى ( مواہب ص ۳۹ مناوی ص ۷۷ ) ہمیشہ خیبر والے لقمے ( زہر آلود ) کا اثر بار بار ظاہر ہوا کرتا پس یہی میری شہ رگ کٹنے ( یعنی موت ) کا وقت ہے )

(۲۰/۶) حَدَّثَنَا أَبُو عَمَارٍ الْحُسَيْنِيُّ بْنُ حَرْبٍ الْخَزَاعِيُّ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ بْنُ وَاقِدٍ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي بُرَيْدَةَ يَقُولُ جَاءَ سَلْمَانَ الْفَارِسِيُّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ بِمَائِدَةٍ عَلَيْهَا رُطْبٌ فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا سَلْمَانُ مَا هَذَا فَقَالَ صَدَقَةٌ عَلَيْكَ وَعَلَى أَصْحَابِكَ فَقَالَ ارْفَعْهَا فَإِنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ فَرَفَعَهَا فَجَاءَ الْغُلَامُ بِمِثْلِهِ فَوَضَعَهُ بَيْنَ يَدَيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هَذَا يَا سَلْمَانُ فَقَالَ هَدِيَّةٌ لَكَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صُحَابِيهِ ابْسُطُوا أَيْمَ نَظَرِ إِلَى الْخَاتَمِ عَلَى ظَهْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّنَ بِهِ وَكَانَ لِلْيَهُودِ فَاشْتَرَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَدَا وَكَدَا دِرْهَمًا عَلَى أَنْ يَغْرِسَ لَهُمْ نَخِيلًا فَيَعْمَلُ سَلْمَانُ فِيهِ حَتَّى تُطْعِمَ فَغْرِسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَ إِلَّا نَخْلَةً وَاحِدَةً غَرَسَهَا عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَحَمَلَتِ النَّخْلُ مِنْ عَامِهَا وَلَمْ تَحْمِلْ نَخْلَةً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَأْنُ هَذِهِ النَّخْلَةِ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا غَرَسْتُهَا فَغَرَسَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَرَسَهَا فَحَمَلَتْ مِنْ عَامِهِ .

ترجمہ! ابوعمار حسین بن حریش خزاعی نے بیان کیا، اُن کو خبر دی علی بن حسین بن واقد نے انہیں ان کے باپ نے روایت بیان کی اور اس نے عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی وہ کہتے ہیں



کہ میں نے اپنے باپ بریدۃؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک خوان لے کر آئے جس پر تازہ کھجوریں چنی ہوئی تھیں اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سلمان! یہ کیسی کھجوریں ہیں انہوں نے عرض کیا کہ آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھیوں پر صدقہ ہیں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے اس لئے میرے پاس سے اٹھا لو۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ سلمانؒ کھجور کا طباق لائے اور حضور اقدس ﷺ کے سوال پر سلمانؒ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کے لئے ہدیہ ہے حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ ہاتھ بڑھاؤ۔ پھر سلمانؒ نے حضور اقدس ﷺ کی پشت پر مہر نبوت دیکھی تو مسلمان ہو گئے حضور اقدس ﷺ نے ان کو بہت سے دراہم کے عوض خریدا (مجازاً خریدا کے لفظ سے تعبیر کر دیا ورنہ حقیقت میں انہوں نے سلمان رضی اللہ عنہ کو مرکاب بنایا تھا اور بدل کتابت بہت سے دراہم قرار پائے اور نیز یہ شرط طے ہوئی کہ) حضرت سلمان ان یہود کے لئے (تین سو) کھجور کے درخت لگائیں اور ان درختوں کے پھل لانے تک ان کی خبر گیری کریں پس حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے وہ درخت لگائے حضور ﷺ کا معجزہ تھا کہ سب درخت اسی سال پھل لے آئے مگر ایک درخت نہ پھلا تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ کا لگایا ہوا تھا حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک کا نہ تھا حضور اقدس ﷺ نے اس کو نکالا اور دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگایا حضور اقدس ﷺ کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ بے موسم درخت بھی اسی سال پھل لے آیا۔

راویان حدیث (۷۹) ابوعمار الحسینؒ (۸۰) علی بن حسین بن واقدؒ (۸۱) حدثنی ابیؒ (۸۲) عبداللہ بن بریدہؒ اور (۸۳) حضرت بریدہؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامک ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### ایک اشکال سے جواب:

سمعت ابی بریدہ یقول۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد بریدہؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ یہاں بظاہر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابی بریدہ ترکیب میں سمعت کا مفعول ہے تو قانون نحوی

کے لحاظ سے ابابریدة ہونا چاہئے۔

شیخ ابراہیم الجبوریؒ فرماتے ہیں وبریدة عطف بیان لابی او بدل منه لا مضاف الیہ کما قد یتوهم ( مواہب ص ۳۹ ) یعنی لفظ ابی بصورت مبدل منه وغیرہ کے سمعت کا مفعول ہے نہ کہ ابی بریدة بصورت اضافت بلکہ لفظ بریدة تو عطف بیان یا بدل ہے ابی کا جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ البتہ اگر سمعت کا مفعول ابی بریدة بطور کنیت (اضافت) استعمال ہوا ہوتا (تب معنی ہوتا میں نے ابی بریدة کو سنا) تو پھر بلاشبہ ابابریدة ہی آتا اور اشکال صحیح ہوتا۔ حالانکہ عبارت بالا میں لفظ ابی سمعت کا مفعول ہے اور اس کا اعراب تقدیری ہے۔

### سلمان فارسیؓ کا تذکرہ!

جاء سلمان الفارسی الی رسول اللہ ﷺ حین قدم المدینة ... جب حضور اقدس ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت سلمان فارسیؓ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فارس والے اسے را کے سکون کے ساتھ پڑھتے ہیں مگر عربی میں یہ را کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں ایران اور اس کے ماوراء کو فارس کہتے ہیں نسبتہ لفارس لکونہ منها او لغیر ذلک ( مواہب ص ۳۹ ) (سلمانؓ کو فارسی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ علاقہ فارس سے تھے یا کسی دوسری وجہ سے) ان کو سلمان الخیر بھی کہا جاتا ہے سنن عن ابیہ فقال انا سلمان بن الاسلام (مواہب ص ۳۹) یعنی کسی نے حضرت سلمانؓ سے ان کے باپ کا نام پوچھا تو جواب دیا کہ ”سلمان بن الاسلام“۔ الفارسی کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ فرسان سے ماخوذ ہے اور وہاں کے لوگ گھوڑ سوار تھے مگر یہ تو جیہ زیادہ قرین قیاس نہیں کیونکہ فرسان بھی عربی لفظ ہے بلکہ یہ پارس سے ماخوذ ہے اگرچہ سلمان اصفہانی تھے اور اصفہان فارس میں نہیں مگر عرب کے ہاں بعض اوقات ماسوائے عرب کو بھی فارسی کہا جاتا ہے جو عجبی کے مترادف ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابی ہیں وہو صحابی کبیر احد الذین اشتاقت لہم الجنة ( مواہب ص ۳۹ ) (یہ ان پڑھ مرتبے کے صحابہؓ میں سے ایک صحابی ہیں جن کے

لئے جنت بے تاب ہے) جناب سلمان فارسی، فارس کے رہنے والے تھے، فارس اصفہان کے علاقہ کو کہتے ہیں آج کل یہ ایران میں ہے، آپ کا تعلق مجوس آتش پرستوں سے تھا تاہم آپ ابتداء ہی سے عبادت گزار، زاہد اور راہبانہ طبیعت رکھتے تھے۔ تحقیق مذاہب پر کافی محنت کی صاحب علم تھے اسی لئے تلاش حق میں مصروف رہے آتش پرستی جھوٹ کر عیسائیت قبول کی ایران سے عراق آئے پادریوں اور راہبوں کی خدمت میں رہ کر وافر علم حاصل کیا۔ بغداد سے موصل، موصل سے نصیبین، نصیبین سے غمور یا الغرض مختلف عیسائی عاملوں اور راہبوں کی خدمت کی۔

### غمور یا کے پادری کے ہدایات:

غمور یا میں جس پادری سے تعلق جزا وہ پادری نہایت ہی خدا ترس، نرم دل اور کتب ساویہ کا بہترین عالم تھا جب وہ مرنے لگا تو جناب سلمان نے ان سے پوچھا کہ اب میں کس کے پاس جاؤں اس نے جواب دیا کہ عیسائی علماء ختم ہو چکے ہیں عرب میں دین ابراہیم کا داعی نبی آخر الزمان پیدا ہوگا اور مدینہ شریف کی تمام نشانیاں ان کو بتلا دیں اور کہا کہ اس پیغمبر کی یہ علامت ہے کہ وہ صدقہ نہیں کھائے گا، ہدیہ قبول کرے گا اور اس کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ جناب سلمان غمور یا سے نکل پڑے، اثنائے سفر میں چند تاجروں سے پالا پڑ گیا وہ ان کو مکہ مکرمہ لے آئے اور اپنا غلام ظاہر کر کے مدینہ منورہ کے بنی قریظہ کے قبیلے کے ایک یہودی زمیندار پر فروخت کر دیا اس یہودی کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ جناب سلمان فرماتے ہیں کہ جو نشانیاں غمور یا کے پادری نے بتائی تھیں مدینہ پاک میں وہ سب کی سب بعینہ موجود تھیں اب میرے دل میں وہی تلاش کا جذبہ اٹھ آیا اور میں دریافت کرتا رہا کہ آیا یہاں کوئی ایسا شخص ہے جو کہ حق کی معرفت عطا کرے اور ان علامتوں والی شخصیت مجھے مل جائے جو اس پادری نے بتلائی تھیں۔

### سلمان بارگاہ نبوت میں:

اس تلاش میں پتہ چلا کہ قبا میں ایک صاحب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے ہیں اور نبوت

کے داعی ہیں۔ میں اپنی شناخت کو پورا کرنے کے لئے ایک خوان میں تازہ کھجوریں لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کھجوریں پیش کر کے عرض کیا کہ،، یہ صدقہ آپ لے لیں،، تو آپ نے فرمایا،، اسے اٹھا لیں ہم صدقہ نہیں کھاتے،، دوسرے دن پھر اسی طرح کھجوریں حاضر کیں اور عرض کیا کہ،، یہ تحفہ ہے قبول کر لیں،، ارشاد فرمایا،، اے صحابہ! ہاتھ بڑھاؤ، یعنی کھاؤ اور سب میں تقسیم فرمائیں اب جناب کی دونوں شناختیں پوری ہو گئیں یعنی صدقہ نہیں لیا اور تحفہ قبول کر لیا اب تیسری شناخت باقی تھی کہ مہر نبوت کی زیارت سے مشرف ہوں حضور اقدس ﷺ بقیع کے قبرستان میں ایک جنازہ پر تشریف لے گئے تھے اور بیٹھے ہوئے تھے جناب سلمان آپ کی پیٹھ کی طرف سے آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے نور نبوت سے جناب سلمان کے قلبی ارادہ کو ملاحظہ فرمایا اور ازراہ شفقت و عنایت اپنی کمر مبارک سے کپڑا اٹھا لیا بس پھر کیا تھا جناب سلمان کی کیفیت بدل گئی۔

### سلمان مسلمان ہو گئے :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے فرمایا ہے کہ سلمان نے کہا کہ میں جوش میں اس پر (مہر نبوت) جھکا اور اس کو جو م رہا تھا اور رو رہا تھا،، جب جناب سلمان کی تسلی ہو گئی،، پس ایمان لے آئے،، حضور شفیق امت ﷺ نے کچھ دن گزر جانے کے بعد جناب سلمانؓ سے فرمایا کہ ابنے آقا سے اس غلامی کا مکاتبت پر فیصلہ کر لو چنانچہ جناب سلمانؓ نے دو باتوں پر یہودی سے فیصلہ کر لیا پہلی شرط یہ تھی کہ چالیس اوقیہ سونا ادا کرے دوسری شرط یہ تھی کہ اس یہودی کے باغ میں تین سو درخت کھجور کے بوئے اور جب تک وہ پکا کھانے کے قابل پھل نہ لائیں تو جناب سلمانؓ ان کی چوکیداری کریں جب ان کی دونوں شرطیں پوری ہوں تو پھر جناب سلمانؓ غلامی سے آزاد ہو جائیں گے۔ جناب سلمانؓ نے یہ دونوں شرطیں اپنے آقا و مولیٰ، طباء و ماویٰ، ہادی برحق ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیں آپ ﷺ خود بنفس نفیس اس یہودی کے باغ میں تشریف لے گئے اور جناب سلمانؓ ایک ایک پودا آنجنابؐ کی خدمت میں پیش کرتے اور حضور ﷺ اپنے بابرکت ہاتھوں سے وہ پودے لگاتے یہاں تک کہ سوائے ایک پودے کے تمام پودے لگا دیئے،، وہ ایک پودا جناب حضرت عمر فاروقؓ نے لگایا۔ یہ

آپ ﷺ کا معجزہ تھا کہ ایک برس کے اندر اندر آپ ﷺ کا لگایا ہوا باغ پھلا پھولا اور پھل دینے لگا مگر وہ ایک پودا جو عمر فاروقؓ نے لگایا تھا پھل نہ لایا، یہ حضور پاک ﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا جس نے مدینہ طیبہ کے لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ارشاد ہے کہ ”آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس درخت کو کیا ہوا،، جناب سیدنا عمر فاروقؓ نے عرض کیا،، یا رسول اللہ ﷺ اس کو میں نے بویا تھا،، سیدنا دو عالم ﷺ نے اس پودے کو اکھیر کر پھینک دیا اور پھر اپنے دست مبارک سے وہاں دوسرا پودا لگا دیا،“ فرماتے ہیں کہ ”وہ اسی سال پھل لے آیا“ سبحان اللہ۔

حضور اقدس ﷺ کے معجزات ہیں کہ بارانِ رحمت کی طرح برس رہے ہیں، ادھر آپ ﷺ کے خیال مبارک میں کوئی بات آئی ادھر معجزانہ طور پر وہ پوری ہو جاتی اس واقعہ میں یہ دوسرا معجزہ تھا اور تیسرا معجزہ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کچھ سونا آیا جو کہ تھوڑا تھا آپ ﷺ نے وہ سونا جناب سلمانؓ کو دے دیا کہ اس میں سے مالک کو چالیس اوقیہ دے دیں (ایک اوقیہ بروزن چالیس درہم ہے اور ایک درہم چار ماشے کا ہوتا ہے) جناب سلمانؓ نے عرض کیا کہ ”حضور یہ ناکافی ہے“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اسی سے پورا فرما دے گا،، جناب سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی سے چالیس اوقیہ سونا پورا کر کے اپنے یہودی مالک کو دے دیا ”گو یا حضور اقدس ﷺ نے ہی جناب سلمانؓ کی بدل کتابت خود ادا فرمائی۔

## مائدة کی حقیقت:

بمائدة علیہا رطب ... جب حضرت سلمان فارسیؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے پاس ایک خوان تھا جس پر کچھ تازہ کھجوریں چنی ہوئی تھیں۔ مائدة اسم فاعل ہے (ضرب کے باب سے) بمعنی میلان کے یعنی مائل ہونے والا۔ یہاں پر خوان کو مائدة کہا گیا یہ مجاز ہے کیونکہ خوان یعنی مائدة مائل نہیں ہوتا بلکہ لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ یعنی مائدة الیہا الناس وقال العسقلانی قد تطلق المائدة علی کل ما یوضع علیہ الطعام لانہا مما تمید ای تحرک۔ ولا تختص بوصفٍ مخصوص ای لیس بلازم ان تكون خواناً (جمع ص ۷۹) یعنی

جس کی طرف لوگ مائل ہوں اور عسقلانی فرماتے ہیں کہ کبھی مائدہ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس پر کھانا رکھا جاتا ہے نیز یہ کسی خاص صفت کے ساتھ مختص نہیں ہوتا لہذا ضروری نہیں کہ یہ خوان ہو۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمشہور عند رباب اللغة ان المائدة خوان علیہ الطعام فاذا لم یکن علیہ طعام فلا یسمی مائدة فعلی هذا قوله علیہا رطب لتعین ماعلیہا من الطعام (جمع ص ۷۹) یعنی اہل لغت اس خوان کو مائدہ کہتے ہیں جس پر کھانا چنا جائے جب دسترخوان پر طعام نہیں ہوگا تو اسے مائدہ بھی نہیں کہیں گے اس لئے ”علیہا رطب“ کہہ کر اس کی تعین کی جا رہی ہے کہ اس پر طعام تھا۔ بہر حال مائدہ تب مائدہ کہلاتا ہے جب اس پر کھانا چنا گیا ہو۔

### اختلاف اوصاف سے اشیاء کے اسماء بدل جاتے ہیں:

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں۔ قال ابن الانباری فی کلام العرب اشیاء تختلف اسماءها باختلاف اوصافها فمن ذلك انهم لا یقولون لما عد لتقدیم الطعام علیہ مائدة الا ان یوضع علیہا الطعام ولا یقال للبستان حديقة الا ان کان علیہ حائط ولا للقدح کاس الا اذا کان فیہ شراب ولا للبیر اربكة الا اذا کان فیہ ماء ولا یقال للذلو سجلا الا وفیہا ماء ولا یقال لہا ذنوب الا اذا كانت ملاولاً للاماء کوزا الا اذا کان لہ عروة ولا للمجلس ناد الا وفیہ اہلہ ولا للسریر رکیۃ الا وعلیہ حجلة ولا للمرأة طعینۃ الا مادامت راکیۃ فی الہودج ولا للستر خدرا الا اذا اشتمل علی امرأۃ ولا للقدح سہم الا اذا کان فیہ نصل وریش ولا للطبق مہدی الا مادامت فیہ الہدیۃ ولا للشجاع کمی الا اذا کان شاکی السلاح ولا للقناة رمح الا اذا ركب فیہا السنان ولا للصوف عہن الا اذا کان مصبوغاً ولا للسررب نفق الا اذا کان مخروفاً ولا للخیط سمط الا اذا کان فیہ نظم ولا للخطب وقدماً الا اذا وقدت فیہ النار ولا للثوب مطرف الا اذا کان فی طرفہ علماں ولا لماء الفم رضاب الا مادام فی الفم ولا للممرۃ عانس ولا عاتق الا مادامت فی بیت ابویہا (مناوی ص ۷۹) (ابن الانباری فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کے نام ان کے صفات کے بدلنے سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک مائدہ ہے کہ خوان کو اس وقت مائدہ کہتے ہیں جب اس پر کھانا چنا جائے اور بستان کو حدیقہ اس وقت کہتے ہیں جب اس کے گرد دیوار ہو،

قدح کو کاس تب کہتے ہیں جب اس میں مشروب ہو، کنویں کو اریکہ تب کہتے ہیں جب اس میں پانی ہو اور ڈول کو بھل اس وقت کہتے ہیں جس وقت اس میں پانی موجود ہو اور اس کو تب ذنوب کہتے ہیں جب وہ بھرا ہوا ہو، برتن کو کوز اس صورت میں کہتے ہیں جب اس میں دستہ لگا ہو، اور مجلس کو ناد اس وقت کہتے ہیں جب اس میں اہل مجلس جمع ہو، چار پائی کو رکیہ تب کہتے ہیں جب اس پر جملہ ہو، عورت کو ظعینہ اس وقت تک کہتے ہیں جب تک کہ وہ ہودج میں سوار ہو، پردہ کو خدر اس وقت تک نہیں کہتے جب تک اس کے اندر عورت نہ ہو، قدح اس صورت میں نیزہ کہلاتا ہے جب اس میں پھل اور پر لگی ہو، طبق کو مہدی تب کہتے ہیں جب اس میں ہدیہ ہو، شجاع (بہادر) کو کمی تب کہتے ہیں جب وہ ہتھیار بند ہو، قنات کو نیزہ تب کہتے ہیں جب اس میں پھل ہو، روئی کو عھن اس وقت کہتے ہیں جب وہ رنگا ہوا ہو، سرب کو سرنگ تب کہتے ہیں جب اس میں سوراخ ہو، دھاگے کو سمط تب کہتے ہیں جب اس میں دانے پروئے گئے ہوں۔

لکڑی کو وقد تب کہتے ہیں جب اس سے آگ بھڑکائی جائے، کپڑے کو مطرف تب کہتے ہیں جب اس کے کنارے پر نقش ہوں، منہ کے پانی کو رضاب اس وقت تک کہتے ہیں جب تک کہ وہ منہ کے اندر ہو اور عورت کو عانس اور عاتق اس وقت تک کہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوں۔

### کھجور طعام ہے یا فاکھہ:

جب یہ طے ہوا کہ خوان بغیر طعام کے ماندہ نہیں کہلایا جاتا تو علیہا رطب (کہ اس پر تر کھجور تھیں) (جو ماندہ کی صفت ہے) سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کھجور طعام ہے فاکھہ (پھل) نہیں، البتہ جو لوگ اسے فاکھہ کہتے ہیں تو وہ یہاں ماندہ کو مجازی معنی پر حمل کرتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وعلى القول بانہ من الفواکہ و لیس بطعام استعیرت المائدة هنا للظرف او

استعملت للخوان (جمع ص ۷۹)۔

## مختلف روایات کی تطبیق :

یہاں پر علیہا رطب کی تصریح ہے جبکہ مسند احمد اور طبرانی میں ہے فاحتطبت حطباً فبعته فصنعت طعاماً فاتیت به النبی ﷺ (میں نے نلڑیاں چن کر ان کو فروخت کیا اور اس کے پیسوں سے کھانا تیار کر کے آپؐ کی خدمت میں پیش کیا) طبرانی میں ایک دوسری روایت میں فاشتریت لحم جزور بدرهم ثم طبخته فجعلت قصعة ثريد فاحتملتها علی عاتقی ثم اتیت بها الخ (میں نے اونٹ کا گوشت ایک درہم میں خرید کر پکایا پھر اس کا ٹرید بنا کر اپنے کندھے پر اٹھا کر آپؐ کے پاس لے آیا) جبکہ طبرانی ہی کی ایک روایت میں وعلیہا تمر کہ اس خوان پر کھجور تھے نقل ہوا ہے۔

شارحین حدیث اس تعارض سے جواب دیتے ہیں۔

(۱) تعدد اشیاء، تعدد واقعه (چیزوں کا مختلف ہونا واقعہ کے متعدد ہونے) پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) ممکن ہے سب چیزیں رکھی ہوں وان المائدة كانت رطباً وثریداً ولحماء (کہ دسترخوان پر کھجور تھے، ٹرید بھی تھا اور گوشت بھی رکھا ہوا تھا) کسی نے ایک چیز بیان کی، کسی نے دوسری اور کسی نے تیسری۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں وخص الرطب لكونه المعظم واما رواية التمر فضعيفة (مناوی ص ۷۹) (یہاں رطب کا خصوصی طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ قابل قدر و عزت تھی اور جس روایت میں تمر (خشک کھجور) کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے)

## سلمان کو نام سے پکارا :

فوضعها بین یدی رسول اللہ ﷺ فقال یا سلمان ما هذا حضرت سلمانؓ نے وہ خوان حضور اقدس ﷺ کے سامنے رکھا آپؐ نے دریافت فرمایا۔ سلمان! یہ کیا چیز ہے؟ شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ یہ تو اولین ملاقات تھی پھر آپؐ نے سلمانؓ کا نام کیونکر لیا، ملا علی قاریؒ اس کی پانچ توجیہات بیان فرماتے ہیں۔



(۱) انوارِ نبوت کا فیضان تھا کہ آپؐ کو ان کا نام معلوم ہوا۔

(۲) حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کی آمد سے قبل آپؐ کو ان کا نام بتلادیا ہوگا۔

(۳) خود حضور اقدس ﷺ نے ان سے ان کا نام پوچھ لیا ہوگا (اور ہو سکتا ہے کہ از خود سلمان نے ملاقات کرتے ہی اپنا تعارف بھی کرادیا ہو اور نام بھی بتادیا ہو از مؤلف)۔

(۴) حاضرینِ مجلس جو حضرت سلمانؓ کو جانتے تھے ان کو دور سے دیکھتے ہی آپؐ سے ان کا تعارف کرادیا ہو۔

(۵) اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے قبل ان کی آپؐ سے ملاقات بھی ہوئی ہو اور جان پہچان بھی (جمع ص ۷۹)۔

## ماہذا؟ سے غرض سوال کیا تھی؟

اس استفہام سے خوان کی ماہیت یا طعام کی حقیقت سے سوال نہیں بلکہ یہ کیفِ جنت بہ (اس کو کیسے لائے ہو) کے معنی میں ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فالْمَقْصُودُ بِالسُّؤَالِ الْغَرَضُ الْبَاعِثُ لَهُ عَلَى اتِّبَانِهِ وَوَضْعُهُ (جمع ص ۸۰) یعنی اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ ان کو لانے اور رکھنے کا باعث اور غرض کیا ہے۔

## صدقہ اور ہدیہ کی بحث:

فَقَالَ صَلَاقَةُ عَلِيكَ وَعَلَى اصْحَابِكَ الْخِ سَلَمَانَ فَارَسَى نَعْرِضُ كَيْفَا حَضُورًا! یہ آپؐ کے لئے اور آپؐ کے اصحاب کے لئے صدقہ ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اس کو اٹھا لو ہم صدقہ نہیں کھاتے حضرت سلمانؓ نے وہ خوان اٹھا لیا اور اگلے روز ویسا ہی خوان لے کر حاضرِ خدمت ہوئے آپؐ کے سامنے رکھا آپؐ نے پھر پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کی ہدیہ لک آپؐ کے لئے ہدیہ ہے تب آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کھولو اور بچھا دو خود بھی تناول فرمایا اور جو صحابہؓ موجود تھے انہوں نے بھی کھانا کھایا۔

صدقہ مالی عبادت ہے جو مالی لحاظ سے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف جاتا ہے و تکون من الاعلیٰ الی الادنیٰ (جمع ص ۸۰)۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مالی حیثیت اور دولت دی ہوئی ہے وہ اپنی توفیق و استطاعت کے مطابق مساکین فقراء اور غرباء کی امداد کرتا ہے صدقہ میں تقرب الی اللہ اور رضاء الہی مقصود ہوتی ہے۔ زکوٰۃ بھی صدقہ ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین الآیۃ (بے شک صدقے فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) میں زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ہے اور زکوٰۃ کو صدقہ کہا گیا ہے۔ حد یہ علی العموم مالی لحاظ سے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف جاتا ہے جس کی غرض بزرگوں کی خوشحالی، محبت و مروت اور تجبب غیر ہوتا ہے یہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور بظاہر تجبب الی اللہ بالتبع ہے تجبب غیر اللہ کے لئے جائز ہے مگر تصدق لغیر اللہ جائز نہیں۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے افضل الاعمال بعد الفرائض ادخال السرور فی قلب المسلم یعنی فرائض کی بجا آوری کے بعد سب سے بہترین عمل کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنا ہے۔ اس بنیاد پر حد یہ میں ثواب تو ملتا ہے مگر اصل مقصود اعزاز مسلم ہے جبکہ صدقہ میں متصدق علیہ (جس پر صدقہ کیا گیا ہو) کا اعزاز مقصود نہیں ہوتا۔

### ایک علمی فائدہ:

قال صدقة عليك وعلى اصحابك اس میں عليك اور پھر اس کے بعد علی اصحابك کی توضیح اس لئے کی تاکہ آپؐ خود تاویل نہ فرماویں تو صحابہ کرامؓ کو دیدیں اور یہ بھی احتمال تھا کہ اگر فقط عليك کہا جاتا تو تکبر کے احتمال کی وجہ سے رد ہو جاتا اور نبوت کی پہچان نہ ہوتی کہ رد کس وجہ سے ہوا ہے آیا اس لئے ہوا کہ آپؐ نبی میں یا تکبر کی وجہ سے رد کیا ہے علی اصحابك کی تصریح سے تکبر نہ رد کا احتمال ختم ہو گیا کیونکہ یہ صدقہ خصوصی نہیں تھا۔

### صدقہ اٹھانے کی توجیہ:

ارفعها میں ضمیر مائدہ کو یا صدقہ کو راجع ہے۔ یہاں پر بھی یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب صدقہ آپؐ

کے لئے مخصوص نہ تھا تو اس کو اٹھانے کا حکم کیوں دیا گیا وہ صدقہ صحابہ کرامؓ کو کیوں نہیں دیا۔  
 شارحین کہتے ہیں کہ ارفعہا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے واپس لے جاؤ، کوئی بھی نہیں کھائے گا بلکہ  
 مقصد یہ ہے کہ میرے سامنے سے یا میرے پاس سے اٹھا لو۔ انہ قال عنی لا مطلقاً (مواہب ص ۴۰)  
 (کہ آپ ﷺ نے تو یہ فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھا تو مطلق اٹھانے کا حکم نہیں فرمایا)

### صیغہ جمع متکلم لانے کی توجیہات:

انا لا ناکل الصدقة (ہم صدقہ نہیں کھاتے) متکلم مع الغیر کے صیغہ سے تعبیر فرمائی۔

(۱) مراد معشر الانبیاء ہیں جو صدقہ نہیں کھایا کرتے ای نحن معاشر الانبیاء (جیسا کہ ایک قول  
 یہی ہے) بعض حضرات نے فرمایا کہ صدقہ نہ کھانا حضور اقدس ﷺ کا خاصہ ہے تو پھر لفظ فانا لا ناکل  
 (کہ ہم نہیں کھاتے) علی طریق التعظیم لایا گیا ہے۔

(۲) یا اس سے آپؐ اور آپؐ کے اقارب مراد ہیں او انا واقاربی من بنی ہاشم والمطلب  
 او الضمیر للعظمتہ (جمع ص ۸۰) (یا جمع متکلم سے مراد آپ ﷺ اور ان کے دوسرے رشتہ دار بنو ہاشم  
 و بنو عبدالمطلب مراد ہیں یا پھر ضمیر جمع متکلم آپ ﷺ کی عظمت کے لئے ہے)

### لفظ ابسطوا کا معنی و تشریح:

ابسطوا شارحین حدیث نے اس کے چار احتمال نکالے ہیں۔

(۱) الطعام مفعول مقدر ہے بسط بمعنی نشر کے ہے ای انشروا الطعام لیصلہ کل منکم فیکون من  
 بسطہ بمعنی نشرہ۔ یعنی طعام کو پھیلا کر رکھ دو تاکہ تم میں سے ہر ایک کو پہنچ جائے لہذا یہاں بچھانا،  
 پھیلانے کے معنی میں ہے۔ (۲) الایدی مفعول مقدر ہے ای مدوا یدیکم للطعام فیکون من بسط  
 یدہ ای مدھا یعنی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاؤ لہذا اس صورت میں بسط ید سے ہاتھ کا بڑھانا مراد  
 ہوگا۔ (۳) المجلس مفعول مقدر ہے ای وسعوا المجلس لیدخل بینکم سلمان فیکون من بسط  
 اللہ الرزق لفلان وسعہ۔ یعنی مجلس میں توسع پیدا کرو تاکہ سلمان بھی آپ کے درمیان میں بیٹھ جائے

لہذا اس صورت میں ابسطوا کا لفظ ”بسط اللہ الرزق لفلان“ کے قبیل سے ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے فلاں آدمی کے لئے رزق میں وسعت کی ہے۔

(۴) لفظ سلمان مفعول ہے ابسطوا بمعنی سروا کے ہے ای سروا سلمان باکل طعامہ فیكون من بسط فلان فلاناً سرہ (مواہب ص ۴۱) (کہ تم سلمان کو اس کا کھانا کھا لینے سے خوش کرو تو یہ از قبیل ”بسط فلان فلاناً“ کے ہوگا یعنی فلاں نے فلاں کو خوش کر دیا)

بعض روایات میں انشطوا آیا ہے بعض میں انشقوا منقول ہے (مواہب ص ۴۱)۔

بہر حال ان تمام روایات اور مذکورہ احتمالات کے باوصف یہ حقیقت مسلم ہے کہ حضور اقدسؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر یہ حدیہ تناول فرمایا۔

### ہدیہ لینے والے کے لئے عمل مستحب:

اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ حدیہ دیئے جانے والے کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ حاضرین مجلس کو بھی حدیہ میں شریک کرے۔ جیسا کہ ایک ضعیف حدیث کا مضمون بھی یہی ہے من اهدی لہ ہدیۃ فجلساءہ شرکاءہ فیہا (کہ جس شخص کو کوئی ہدیہ (تختہ) پیش کیا جائے تو اس کے ہم نشین اس میں اس کے شریک ہوں گے) جلساء سے مراد بھی ہمیشہ کے ہم نشین مجلس ہیں وقال الترمذی فی الاصول المراد بهم الذین یداون مجلسہ ویعتکفون بابہ ویفتقدون امورہ لاکل من جالس فی ذلک الوقت (جمع ص ۸۲) (امام ترمذیؒ الاصول میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ اس کی مجلس میں حاضر رہتے ہوں اور اس کے دروازے پر موجود ہوتے ہوں اور اس کی خدمت میں لگے رہتے ہوں نہ کہ اس وقت میں ہر شریک مجلس۔

### ہدایا میں اشتراک کا مسئلہ:

شارحین حدیث نے یہاں پر ایک بحث یہ بھی کی ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ صدقہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ صلۃ علیک وعلیٰ اصحابک (تجھ پر اور تیرے ساتھیوں پر یہ صدقہ ہے) جب دوسری دفعہ حاضر خدمت ہوئے تو عرض کیا ہدیۃ لک (یہ تیرے

لئے ہدیہ ہے) دوسری مرتبہ حضرت سلمانؓ نے صحابہ کرام کا نام نہیں لیا مگر آپؐ نے صحابہؓ کے ساتھ مل کر وہ کھانا تناول فرمایا اس سے ہدیہ میں اشتراک کی بات پیدا ہوئی کہ جب ہدیہ میں صراحۃً ہدیہ لک کہا گیا جو صرف آپؐ ہی کی ذات کے لئے تھا پھر اس میں صحابہ کرامؓ کو کیوں شریک کیا گیا۔ شارحین حدیث نے اس سلسلہ میں دو مسلک نقل کیے ہیں۔

(۱) مسلک اولیاء یا مسلک صوفیاء یہ ہے کہ ہدیہ میں اشتراک نہیں ہے۔

(۲) فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اگر ہدیہ کھانے پینے کی اشیاء پر مشتمل ہے تو اس میں اشتراک موجود ہے اگر درہم و دنانیر ہیں تو اس میں اشتراک نہیں ہے۔ لہٰذا رےؒ نے اسی سلسلہ میں بعض واقعات بھی نقل کیے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کسی ولی کے پاس ہدیہ لائے تو مجلس میں بیٹھے ایک صاحب نے کہا ”الهدایا مشترکۃ“ (کہ ہدیے اور تحفے مشترک ہوتے ہیں) تو اس بزرگ نے جواب میں کہا ”انا لانا حب الاشتراک“ یعنی ہم ہدایا میں اشتراک کو پسند نہیں کرتے۔ وہ سمجھا کہ یہ بزرگ ہمیں کچھ دینا ہی پسند نہیں کرتے اور سارا ہدیہ خود ہی رکھنا چاہتے ہیں ادھر یہ ایسی بات سوچ ہی رہے تھے کہ انہوں نے فرمایا اگر تم پسند کرو تو سارے کا سارا ہدیہ تم ہی لے جاؤ اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو کیونکہ یہی ہمارا مسلک ہے کہ ہدایا میں اشتراک نہیں ہوتا چنانچہ وہ صاحب اس پر راضی ہو گئے مگر ہدیہ بہت زیادہ تھا کہ خود نہیں لے جاسکتے تھے چنانچہ اس بزرگ نے اپنے خدام و متعلقین کو حکم دیا کہ سارا ہدیہ اس صاحب کے گھر تک پہنچادیں۔ اس تفصیلی قصہ سے مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ صوفیاء کے مسلک میں ہدیہ میں اشتراک نہیں ہے (مواعظ ص ۴۱)

دوسرا قصہ امام ابو یوسفؒ کا لکھا ہے کہ ان کے پاس کوئی صاحب ہدیہ لایا مگر یہ ہدیہ طعام نہیں تھا بلکہ نقدی تھی حاضرین مجلس میں کسی نے ”الهدیۃ مشترکۃ“ (ہدیہ تو حاضرین میں مشترک ہوتا ہے) کی آواز بلند کی فقال ان ”ال“ فی الهدیۃ للعہد والمعہود ہدیۃ الطعام (مواعظ ص ۴۱) یعنی الهدیۃ میں الف لام عہدی ہے اور معہود طعام ہے گویا ہدیہ میں اگر کھانے پینے کی اشیاء ہوں

تو اشتراک ہے اگر در اہم ودنا یرہوں نقدی ہو تو اس میں اشتراک نہیں ہے  
 شیخ ابراہیم اللچوریؒ فرماتے ہیں فانظر ما بین مسلک الاولیاء و مسلک الفقہاء من الفرق  
 (مواہب ص ۴۱) یعنی مسلک اولیاء اور مسلک فقہاء میں فرق کو ملاحظہ فرمائیے۔

## ہدیہ کہاں سے آیا؟

بعض حضرات نے یہاں یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ حضرت سلمانؓ تو غلام تھے ان کے پاس ہدیہ کہاں  
 سے آیا؟ آیا یہ ان کی ذاتی ملکیت بھی تھا یا نہیں اور اگر یہ ان کی ذاتی ملکیت نہیں تھا تو پھر آپؐ کو اس  
 کا کھانا کیونکر جائز ہوا؟ علماء نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

(۱) حضرت سلمان فارسیؓ اپنے مالک کی طرف سے عبد ماذون تھے۔ مگر یہ ایک امکانی یا احتمالی  
 توجیہ ہے۔

(۲) مالک نے ان پر روزانہ کی ایک مقرر مقدار کا وظیفہ مقرر کر لیا تھا کہ وہ خود کمائے اور ایک خاص  
 مقدار میں رقم مالک کو دے باقی جو بچے وہ اس کی اپنی ہو، یہ بھی امکان اور احتمال کی حد تک ایک جواب  
 ہے۔

(۳) تیسری توجیہ یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ اصلاً آزاد تھے دھوکہ (خداعاً) سے ان کو غلام بنالیا  
 گیا تھا اور ظاہر ہے کہ اگر آزاد مرد کو جبراً اور خداعاً غلام بنالیا جائے تو شرعاً وہ غلام نہیں کہلاتا لہذا حریت  
 کی صورت میں اپنی اشیاء پر اس کی ملکیت بھی درست ہوگی گویا انہوں نے اپنی ملکیت سے آپؐ کو  
 ہدیہ پیش فرمایا تھا۔

## ہدیہ کب قبول کرنا چاہئے؟

یہاں یہ مسئلہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سلمانؓ کا ہدیہ تحبب کے لئے تھا فقہاء نے اس سے یہ مسئلہ  
 مستنبط کیا ہے کہ جب تک حرمت کا یقین نہ ہو **ظَنُّوا الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا** (مومنوں پر نیک گمان رکھو) کی  
 رو سے ہر مسلمان کا ہدیہ قبول کرنا چاہئے (تقریر ترمذی)۔

## کیا سلمان فارسی کی خرید جائز تھی؟

یہاں پر یہ اعتراض بھی نہ کیا جائے کہ اگر وہ حرتھے تو پھر حضور اقدس ﷺ نے ان کو کیوں خریدا تھا؟ جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خرید حقیقی بیع نہ تھی بلکہ صلح کی غرض سے اور ظلم کے نجات کے لئے انہیں بظاہر خرید لیا تھا ورنہ درحقیقت یہ ایک تعاون کی صورت تھی۔

## مہر نبوت کی زیارت:

ثم نظر الی الخاتم ... پھر سلمان فارسیؓ نے حضور اقدس ﷺ کی پشت مبارک پر مہر نبوت کو دیکھا اور آپؐ پر ایمان لے آئے۔

اس طویل حدیث کے لانے سے یہی جملہ مقصود ہے کہ ترجمۃ الباب کا انعقاد بھی اسی مقصد کے لئے ہے ثم تراخی کے لئے ہے۔ مذکورہ دو علامات نبوت کے دیکھنے کے بعد اب تیسری علامت یعنی مہر نبوت کے دیکھنے کے لئے بے چین ہوئے اور انتظار کرنے لگے۔

ملا علی قاریؒ نے تفصیل سے لکھا ہے کہ نقباء انصار میں ایک صحابیؓ کا انتقال ہوا حضور اقدس ﷺ نے ان کے جنازہ کے ساتھ مشایعت کی اور بقیع الغرقہ (مدینہ شریف کا قبرستان) میں تشریف لے گئے پھر اسی جگہ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان کی تدفین کا انتظار کرنے لگے اس دوران حضرت سلمان فارسیؓ حاضر خدمت ہوئے اور پشت کے پیچھے سے آئے تاکہ مہر نبوت کی زیارت کر سکے حضور اقدس ﷺ نے ان کے ارادہ کو نبھانپ لیا یا آپؐ کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا گیا فالقی الرداء عن ظہرہ فنظر سلمان الی الخاتم (جمع ص ۸۳) یعنی آپؐ نے اپنے پشت مبارک سے چادر کو ہٹایا اور سلمان نے مہر نبوت کو دیکھ لیا۔ آپؐ آبدیدہ ہو گئے اور فرط محبت سے مہر نبوت کو چوم لیا۔ فامن بہ پس حضرت سلمان آپؐ پر ایمان لے آئے۔ یہاں پر فامسبق من الآیات الثلاث کے مجموعہ پر متفرع ہے یعنی تورات میں جو تینوں اوصاف بتائے گئے تھے وہ سب دیکھ لیے تو فوراً ایمان لے آئے فلما تمت الآیات وکملت العلامات آمن بہ (مواہب ص ۴۲)

## مسئلہ بیع و شرط:

حتیٰ تطعم اطعام (افعال) سے ہے اس کا ایک معنی تو معروف ہے یعنی کھانا کھلانا مگر جب یہ شجر کے ساتھ استعمال ہو تو معنی ہے پھلدار ہو جانا والمعنی حتیٰ تثمر یقال اطعمت النخلة اذا ثمرت (جمع ص ۸۴) یعنی حتیٰ تطعم کا معنی ہے ”یہاں تک کہ وہ پھلدار ہوا، کہا جاتا ہے اطعمت النخلة، جب وہ پھلدار ہو جائے۔ اس معاملہ پر بظاہر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی حدیث ہے نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع و شرط لہذا افتہاء اس کو ناجائز کہتے ہیں دوسرا یہ بھی ہے کہ اس معاملہ میں خدمت بھی مجہول ہے۔

محدثین حضرات اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہاں فاشتراہ میں لفظ اشتراء مجازاً واقع ہوا ہے درحقیقت یہ بیع اور شراء تھی ہی نہیں جیسے ابھی اس کی تفصیل گزر چکی ہے بلکہ یہ تو بدل کتابت تھی اور بدل کتابت میں یہ معاملہ ٹھہرا تھا جیسا کہ مسند احمد کی روایت،، وکاتب یا سلمان (اے سلمان تو مولیٰ کے ساتھ مکاتب بن جانے کا معاملہ کر لے) سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے جس میں بدل کتابت در اہم اور غرس قرار پایا چونکہ وہ خود ادا نہیں کر سکتے تھے حضور اقدس ﷺ نے ان کی مدد فرمائی

(۲۱/۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْوَضَّاحِ أَخْبَرَنَا أَبُو عَقِيلٍ الدَّورَقِيُّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ الْعَوْفِيِّ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ عَنْ خَاتَمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي خَاتَمَ النَّبِيِّ فَقَالَ كَانَ فِي ظَهْرِهِ بَضْعَةٌ نَاشِزَةٌ .

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بشر بن وضاح نے خبر دی۔ بشر کہتے ہیں کہ ہمیں ابو عقیل دورقی نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ابو نضرۃ عوفی سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سعید خدریؓ سے حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوت کا پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ آپ کی پشت پر ایک گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا تھا۔

راویان حدیث (۸۴) بشر بن الوضاح (۸۵) ابو عقیل الدورقی (۸۶) ابو نضرۃؓ اور (۸۷) حضرت



ابوسعید خدریؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### ابوسعید الخدریؓ کی وضاحت:

یعنی خاتم النبوة کے الفاظ سے توضیح کردی کہ خاتم سے مراد مہر ختم نبوت ہے اسی لا الخاتم الذی کان فی یدہ الشریفة (مواہب ص ۴۳) یعنی وہ انگوٹھی مراد نہیں جو آپؐ کی انگلی میں ہوتی تھی۔

### بضعة ناشرة کی توضیح:

فقال کان فی ظہرہ بضعة ناشرة .. حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ مہر نبوت حضور اقدس ﷺ کی پشت مبارک میں گوشت کا ابھرا ہوا لوتھڑا تھا۔ بضعة کا معنی گوشت کا ٹکڑا کیونکہ بضع کے مادہ میں قطع کا معنی موجود ہے درانتی کو اسی لئے مِبْعَضَة کہتے ہیں کہ وہ کاٹتی ہے۔ ناشرة کا معنی مرتفعة (ابھرا ہوا) ہے کہ ن ش ز کے مادہ میں ارتفاع ہے اسی سے وان خافت من زوجها نشوزاً او اعراضاً (۱۲۸:۴) (اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے) آیا ہے کیونکہ کل واحد من الزوجین یعلو صاحبه و یخالفه یعنی اختلاف کی صورت میں میاں بیوی ایک دوسرے پر بلند ہونے اور ایک دوسرے کی مخالفت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بضعة سے مراد ”قطعة لحم“ (گوشت کا ٹکڑا) اور الناشرة سے مراد المرتفعة ہے ولا تعارض بین ”فی ظہرہ“ و بین کفہ“ کما هو الظاہر (اتحافات ص ۶۱) (اور حدیث میں لفظ فی ظہرہ (کہ مہر نبوت پیٹھ میں تھی) یا بین کفہ (دونوں کندھوں کے درمیان تھی) میں کوئی تعارض نہیں جیسے کہ ظاہر ہے) (کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی مقام ہے)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں۔

- (۱) کان کی ضمیر خاتم کی طرف راجع ہے اور بضعة ناشرة موصوف صفت مل کر کان کی خبر ہے اور فی ظہرہ جار مجرور کان کے متعلق ہے۔ (۲) یا بضعة کان کا اسم ہے اور فاصلہ کی وجہ سے تذکیر کان جائز ہے اور فی ظہرہ اس کی خبر ہے (۳) یا بضعة کان کا اسم ہے اور ناشرة اس کی

خبر ہے اور فی ظہرہ ناشزۃ کے متعلق ہے (تقریر ترمذی)۔

(۲۲/۸) حَلَّتْنَا أَبْوَالَ شَعْبِ أَحْمَدَ بْنِ الْمُقْدَامِ الْعَجَلِيِّ الْبَصْرِيِّ أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَاصِمِ الْأَحْوَلِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرْجَسٍ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي نَاسٍ مِّنْ أَصْحَابِهِ فَلَمَرْتُ هَكَذَا مِنْ خَلْفِهِ فَعَرَفَ الَّذِي أُرِيدُ فَأَلْقَى الرِّدَاءَ عَنْ ظَهْرِهِ فَرَأَيْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلَى كَيْفِيهِ مِثْلَ الْجُمُعِ حَوْلَهَا خِيَلَانٌ كَأَنَّهَا ثَالِيْلٌ فَرَجَعْتُ حَتَّى اسْتَقْبَلْتُهُ فَقُلْتُ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ وَلَكَ فَقَالَ الْقَوْمُ اسْتَغْفِرْ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَلَكُمْ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ آيَةً وَاسْتَغْفِرُ لِنَبِيِّكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ..

ترجمہ! ہمیں ابوالاشعث احمد بن مقدم عجل بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی حماد بن زید نے عاصم الاحول کے حوالے سے۔ انہوں نے عبد اللہ بن سرجس سے یہ روایت نقل کی وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور اقدس ﷺ کے پاس اس وقت مجمع تھا میں نے اس طرح حضور اقدس ﷺ کے پس پشت چکر لگایا حضور اقدس ﷺ میرا منشاء سمجھ گئے اور اپنی پشت مبارک سے چادر اتار دی میں نے مہربوت کی جگہ کو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے ہمشکل دیکھا جس کے چاروں طرف تل تھے جو گویا مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے پھر میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے آیا اور میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ جل شانہ آپ کی مغفرت فرمائے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اللہ پاک تیری بھی مغفرت فرمائے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضور اقدس ﷺ نے تیرے لئے دعائے مغفرت فرمائی میں نے کہا ہاں اور تم سب کے لئے بھی اس لئے کہ اللہ جل شانہ نے حکم فرمایا کہ اے محمد ﷺ مغفرت کی دعا کرو اپنے لئے بھی اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے لئے بھی۔

راویان حدیث (۸۸) ابوالاشعث احمد بن مقدم (۸۹) حماد بن زید (۹۰) عاصم الاحول اور (۹۱) حضرت عبد اللہ بن سرجس کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## لفظ درت کا معنی !

فدوت ھکذا من خلفہ .. حضرت عبداللہ بن سر جسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس طریقے سے آپؐ کے پیچھے گھومنے لگا گویا صحابیؓ نے بالفعل چکر لگا کر دکھایا۔ درت، دوران سے ماخوذ ہے وہو الطواف بالشئی یقال دار حول البیت یدور دورانا طاف بہ ودوران الفلک تواتر حرکاتہ بعضہا اثر بعض من غیر ثبوت ولا استقرار (مناوی ص ۸۷) یعنی اس کا معنی ہے کسی چیز کے گرد گھومنا کہا جاتا ہے ”دار حول البیت“ جب اس کے گرد گھومنے لگے اور ”دوران الفلک“ فلک کے متواتر حرکات کو کہتے ہیں جس میں وقفہ اور ٹھہراؤ نہ ہو۔

## ھکذا کی مراد:

ھکذا سے مراد کی تعیین میں بھی شارحین نے توجیہات کی ہیں۔

(۱) اشارة لكيفية دورانه (۲) اس بات کا بھی احتمال ہے کہ راوی نے یہ حدیث مسجد نبویؐ میں بیان کی ہو جہاں بوقت ملاقات حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے اور ھکذا سے اس مکان کی طرف اشارہ کیا ہو جہاں سے وہ آپؐ کی جانب پشت کی طرف آئے تھے۔

## حضورؐ کو کیسے معلوم ہوا :

فعرّف الذی ارید پس حضور اقدس ﷺ نے میرے رویہ خاتم (مہر نبوت کو دیکھنے) کے ارادہ کو نور نبوت سے یا خود میرے مضطربانہ دوران (گھومنے) سے جان لیا ای بنور النبوة او بقرينة الدورة (جمع ص ۸۷)۔

## مہر نبوت ایک تھی:

فرأيت موضع الخاتم على كفيه الخ المراد بالخاتم هنا الطابع الذي ختم به جبرئيل حين

شق صدره الشريف فانه اتى به من الجنة وطبع به حينئذ فظهر خاتم النبوة الذي هو قطعة لحم

(مواهب ص ۴۴) یعنی اس عبارت میں ”خاتم“ سے وہ مہر مراد ہے جس سے حضرت جبرئیلؑ نے شق

صدر کے موقع پر (آپؐ کے کندھے کے قریب) مہر لگائی تھی۔ جبریلؑ اس مہر کو جنت سے لے کر آئے تھے۔ یہ مہر، مہر نبوت جو کہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اس عبارت کے الفاظ ”علیٰ کتفیہ“ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کتفین پر دو خاتم تھے چنانچہ بعض حضرات کا یہ قول بھی ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ بین کتفیہ سے یہاں پر راوی کی مراد یہی ہے کہ مہر نبوت ایک تھی جو کندھوں کے درمیان ابھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ایٰی بینہما کما فی اکثر الروایات وهو من باب ارادة المقید بالمطلق واکثر الروایات بالنسبة لکن ورد بالافراد (منوٰی ص ۸۸) یعنی کتفین سے مراد یہ ہے کہ مہر ان دونوں کے درمیان میں تھی جیسا کہ اکثر روایات میں ہے اور یہ مطلق بول کر مقید مراد لینے کے قبیل سے ہے۔ اکثر روایات میں (کتفین) تشبیہ کے صیغہ کے ساتھ ہے تاہم صیغہ مفرد کے ساتھ بھی آیا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمراد قریباً من کتفه الایسر وقال العسقلانی السرفی وضع الخاتم علی جهة کتفه الایسر ان القلب فی تلك الجهة (جمع ص ۸۷) (مطلب یہ ہے کہ مہر نبوت بائیں کندھے کے قریب تھی۔ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ بائیں کندھے کے قریب مہر رکھنے میں رازیؒ یہ ہے کہ دل اس طرف واقع ہوتا ہے)۔

ملا علی قاریؒ نے یہاں دو واقعات بھی نقل کیے ہیں۔

### شیطان کی جگہ کہاں ہے؟

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے شیطان کی جگہ دیکھنے کی درخواست کی تو اسے خواب میں ایک بلوری جسد دکھایا گیا جس کا اندر باہر سے صاف نظر آتا تھا اور شیطان بصورت مینڈک دکھایا گیا جو بائیں کندھے پر دل کے مقابل بیٹھا تھا اور چھڑکی طرح اس کی سونڈھ تھی جسے وہ اس کے دل میں داخل کر کے دوسوہ اندازی کر رہا تھا مگر جو نبی وہ اللہ کا ذکر کرتا شیطان اپنی سونڈھ کو سمیٹ لیتا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی رب تعالیٰ سے انسانی جسم میں شیطان کے قیام کی جگہ دیکھنے کی درخواست کی تو انہیں شیطان دکھایا گیا جس کا سانپ کی طرح سر تھا واضع رأسہ علی ثمرۃ القلب (کہ وہ اپنے سر کو انسان کے وسطِ دل پر رکھے ہوا تھا) جب بندہ ذکر کرتا ہے وہ اسے پیچھے ہٹا لیتا ہے اور جب ذکر ترک کر دیتا ہے تو وہ پھر اس قلب پر قبضہ جما لیتا ہے عن ابن عباس قال یولد الانسان والشیطان جائم علی قلبه فاذا ذکر اسم الله خنس واذا غفل وسوس (جمع ص ۸۸) (حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل پر قبضہ جمائے بیٹھا ہوتا ہے جب وہ اللہ کا ذکر شروع کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے اور جب انسان ذکر اللہ سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے)

### لفظ الجمع کی توضیح:

مثل الجمع، بند ٹھٹی مکا اور مشت کو جمع کہتے ہیں قال حماد جمع الکف وجمع حماد کفہ وضم اصابعہ (جمع ص ۸۸) بظاہر مقصد تشبیہ فی الہیئۃ ہے یعنی بیت میں کہیں کہیں خطوط بھی تھے اور کہیں ابھرا ہوا تھا ویفہم من ذلک ان فیہ خطوطاً کما فی الاصابع المجموعۃ (مواہب ص ۴۴) یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت پر لکیریں تھیں جیسا کہ تمام انگلیوں پر ہوتی ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے اس کو زیادہ وضاحت سے لکھا ہے ویحتمل ان یکون تشبیہاً بہ فی المقدار ویحتمل ان یکون تشبیہاً فی الہیئۃ المجموعۃ وهو انسب لیوافق قوله زرا الحجلۃ (جمع ص ۸۸) یعنی اس کا احتمال ہے کہ بند ٹھٹی کے ساتھ مقدار میں تشبیہ مقصود تھی یا مجموعی بیت میں اس کے ساتھ تشبیہ مقصود تھی اور یہ احتمال زیادہ رائج ہے تاکہ اس قول ”زرا الحجلۃ“ کے ساتھ موافق ہو۔

### خیلان و ثالیل کا معنی:

حولہا خیلان کائنہا ثالیل ... خیلان، خال کی جمع ہے وهو الشامۃ فی

الجسد (جمع ص ۸۸) جسے ہم اپنی زبان میں تل کہتے ہیں ثالیل، قنادیل کے وزن پر ہے ٹولول کی جمع ہے بمعنی مسہ گوشت کے تل برابر ابھرا ہوا حصہ جو چنے کے برابر بڑھا ہوا ہوتا ہے وہی الحبة النسی تظہر فی الجلد مثل الحمصة فما دونها (وہ چھوٹے دانے (تل) جو چنے یا اس سے کم جو چمڑے میں ظاہر ہوتے ہیں) حضور اقدس ﷺ کے مہر نبوت کے تل جسم سے ابھرے ہوئے تھے سیاہ کے بجائے سرخ رنگ کے تھے۔

### حضور کے لئے دعاء مغفرت کا مفہوم :

غفر اللہ لک یا رسول اللہ۔ حضرت عبداللہ بن سر جس فرماتے تھے کہ پھر میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے آ گیا اور میں نے یہی دعائیہ کلمات عرض کیے یہ دعاء عزت و اکرام اور ترحم کے لئے بھی آتی ہے امتی کی جانب سے حضور اقدس ﷺ کے لئے ان دعائیہ کلمات کی محدثین نے متعدد توجیہات کی ہیں (۱) خبر دینا غرض ہے تو یہ لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک کی طرف اشارہ ہے اس وقت یہ جملہ خبریہ ہوگا جس سے تصدیق نبوت کی طرف اشارہ ہے اور اسے جملہ دعائیہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں خبر مطابق لقوله تعالیٰ لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر او انشاء ارید بہ زیادة المغفرة او ثباتها له او المغفرة لامته المرحومة (جمع ص ۸۸) یعنی یا تو یہ خبر ہے باری تعالیٰ کے اس قول ”تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کرے“ (۳: ۲۸) یا یہ انشاء ہے اور اس سے مغفرت کی زیادتی مراد ہے یا آپ کے لئے اثبات مغفرت مراد ہے یا آپ کی امت مرحومہ کے لئے مغفرت کا اثبات مراد ہے۔

یہ دعائیہ کلمات عزت و ترحم کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں اور عربوں کا یہی محاورہ ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ باری تعالیٰ کی مغفرت غیر متناہی ہے تو معنی ہوں گے زائد مغفرت تک

### لفظ ولک کی تشریح:

فقال ولک ای وغفر اللہ لک بالخصوص ایضاً حیث استغفرت لی اوسعیت لرؤیة خاتمی او آمنت بی وانقدت لی وقیل هذا من مقابلة الاحسان بالا احسان ولا شک ان دعائه افضل

من دعائه حقيقة وان كان دونه صورة فلاينا فيه قوله تعالى واذا حييتم بتحية فحيوا باحسن منها (جمع ص ۸۸) یعنی آپؐ نے عبد اللہ بن سرجس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ آپؐ کی بھی مغفرت فرمائے بوجہ اس کے کہ آپؐ نے میرے حق میں استغفار میں کیا یا آپؐ نے میری مہر کو دیکھنے کی کوشش کی یا اس وجہ سے کہ آپؐ مجھ پر ایمان لائے ہیں۔۔ اور ایک توجیہ یہ ہے کہ یہ احسان کے مقابلے میں احسان کرنے کے قبیل سے ہے بلاشبہ آپؐ کی دعا ان کی دعا سے حقیقت میں افضل اور بہتر ہے اگرچہ ظاہر اس سے کم درجہ کی معلوم ہوتی ہے۔ لہذا یہ باری تعالیٰ کے اس ارشاد کے منافی نہیں ہے ”اور جب تم کو دعا دیدے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر (۸۶:۴)

فقال القوم استغفر لک رسول اللہ ﷺ... قوم سے مراد وہ جماعت ہے جن کے سامنے حضرت عبد اللہ بن سرجس نے بات کی تھی یا اس سے مراد اصحاب رسول ﷺ ہیں استغفر لک میں ہمزہ وصلی ہے مگر مراد استغفام ہے۔ بھمزة الوصل والقصد الاستفهام (مواہب ص ۴۴)۔

### حضرت عبد اللہؓ کی رؤیت و لقاء اور سماع :

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے یہ استفسار اس لئے بھی کیا کہ بعض نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن سرجس صحابی نہیں ہیں اور اگر حضور اقدس ﷺ کو ایمان کے ساتھ دیکھا ہے تو سماع ثابت نہیں اس لئے پوچھا گیا کہ کیا واقعی آپؐ کے لئے حضور اقدس ﷺ نے دعاء مغفرت کی ہے تو جواب میں فرمایا کہ میری ہی تخصیص کیا ہے فقال نعم ولکم یعنی تمہارے لئے بھی دعا کی پھر استدلال میں یہ آیت پڑھی کہ واستغفر لذنوبکم وللمؤمنین والمؤمنات وبالجملة المقصود من هذا الاستفهام والاستخبار تثبیت رؤیة عبد اللہ بن سرجس النبی ﷺ وصحبته معه . وقال ابو عمر لا یختلفون فی ذکرہ فی الصحابة ویقولون له صحبة علی منہم فی اللقاء والرؤیة والسماع (جمع ص ۸۹) یعنی ”آپؐ اپنی (اس ظاہری) خطا کی معافی مانگتے رہے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی“ (۱۹:۴۷)

خلاصہ یہ کہ اس استفہام اور استخبار سے مقصود یہ تھا کہ عبد اللہ بن سر جس نے بلاشبہ آپؐ کو دیکھا تھا اور آپؐ کی صحبت ان کو ملی تھی۔ ابو عمر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے ان کو شمار کرنے میں اختلاف نہیں ہے اور محدثین کے نزدیک عبد اللہ بن سر جسؓ کی آپؐ کے ساتھ ملاقات، آپؐ کی رویت اور سماع ثابت ہے۔ اور صحابی رسولؐ نے آیت اس لئے پڑھی کہ اللہ کے رسول پوری امت کے لئے استغفار پر مامور تھے۔

### حضور اقدس ﷺ کا استغفار:

باقی رہا یہ مسئلہ کہ حضور اقدس ﷺ تو صغیرہ و کبیرہ گناہ سے معصوم ہیں پھر قرآن کریم کی تصریح بھی ہے کہ لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک تو پھر واستغفر لذنبک (اور آپ ﷺ اپنی خطا کی بخشش مانگیے) سے مراد کیا ہوگی؟

ملا علی قارئی نے خوب تفصیلی اور تسلی بخش جواب لکھا ہے، فرماتے ہیں۔

(۱) شاید یہ آیت لیغفر لک اللہ الخ سے پہلے نازل ہوئی ہو۔

(۲) اس میں امت کے لئے تسلی اور امت کی تعلیم غرض ہے۔

(۳) او استغفاره من الخطرات القلبیة التي هی من لوازم البشريّة تنبیهاً علی انها بالنسبة الیه صلی اللہ علیہ وسلم کالذنب بالنسبة الی غیرہ ومنہ قول ابن الفارضؒ

وَلَوْ خَطَرْتُ لِي فِي سِوَاكَ ارَادَةً

(جمع ص ۹۰)

عَلَى خَاطِرِي سَهْوًا حَكَمْتُ بِرَدَّتِي

یعنی آپؐ کا استغفار کرنا ان قلبی و ذہنی خیالات میں سے ہے جو کہ ایک انسان کے لوازمات ہوتے ہیں، اس بات پر تنبیہ کے لئے کہ دوسروں کی بہ نسبت یہ آپؐ کی حق میں خطا کی طرح ہے۔ اسی قبیل سے ”ابن الفارضؒ“ کا یہ شعر بھی ہے۔

ترجمہ! اگر میرے دل میں بھول سے بھی آپؐ کے ماسوا کا خیال واردہ آ جائے تو میں اپنے مرتد ہونے کا حکم دے دوں گا۔



(۴) ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ استغفار سے عصمتِ موهوبہ پر ثبات و استحکام کی درخواست ہے وان كان مامون العاقبة رعاية لقاعدة الخشية فانها نهاية سلوك المخلصين وغاية عبودية المقربين (جمع ص ۹۰) یعنی اگرچہ آپؐ برے انجام سے مامون اور محفوظ تھے لیکن اس کے باوجود آپؐ استغفار کرتے تو یہ استغفار کرنا خشیت کے قاعدے کے مطابق تھا، کہ خشیت مخلصین کی منزل کی انتہاء ہوتی ہے اور مقربین کی عبادت کی معراج ہوتی ہے۔

(۵) استعمالِ مباحات سے استغفار کرتے تھے جیسا کہ قرآن حکیم میں بھی ہے ثم لتسئلن يومئذ عن النعيم (۸۰۳، ۸۰۴) (پھر البتہ پوچھے جاؤ گے تم اس دن نعمتوں سے)

(۶) عبادات جیسے کہ ان کا حق ہے، میں تقصیر کے تصور سے استغفار پڑھتے تھے ولذا قيل حسنات الابرار سينات المقربين (جمع ص ۹۰) (اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ نیکو کار لوگوں کی نیکیاں بھی مقربین بارگاہِ خداوندی کی سینات شمار ہوتی ہیں)

(۷) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ امت کے گناہوں سے استغفار کرتے تھے حضور اقدس ﷺ کا استغفار امت کے لئے بمنزلہ شفاعت کے ہے۔

(۸) شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں وقيل المراد ما كان من سهو وغفلة او ما تقدم لا بیک آدم مما يشبه الذنب وما تاخر من ذنب امتك (مناوی ص ۹۰) یعنی ”ذنب“ سے مراد یہ ہے کہ جو بھول چوک اور غفلت سے ہوئی ہو یا اس جیسی خطا کی طرح جو آپؐ کے باپ حضرت آدم سے سرزد ہوئی تھی اور جو خطائیں آپؐ کی امت سے ہونے والی ہیں۔

### مہرِ نبوت کی مزید تفصیل:

شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ولی اللہ حافظ ابوزرعہ عراقی سے پوچھا گیا کیا مہرِ نبوت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خصائص میں سے تھی اور کیا جب آپؐ پیدا ہوئے یہ اس وقت تھی اور جب ذہن ہوئے تو ساتھ تھی انہوں نے اثبات میں جواب دینا اور فرمایا کہ سوائے آپؐ کے کسی بھی دوسرے نبی کی یہ خصوصیت نہ تھی اور نہ ہی یہ مجوہ ہوئی کیونکہ آپؐ کے ساتھ ہی پیدا ہوئی۔

وورد ان جبرئیل علیہ السلام ختمہ واما دفنہ معہ فلا شک فیہ فانہ قطعة من جسدہ والاشارة به الی انہ خاتم الانبیاء واللہ اعلم - اور روایت ہے کہ جبرئیل نے آپؐ کو یہ مہر لگائی اور آپؐ کے ساتھ دفن ہوئی کیونکہ آپؐ کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا تھا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے واللہ اعلم۔

(مناوی ص ۹۰)

=====

## بَابُ مَا جَاءَ فِي شَعْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! باب رسول اللہ ﷺ کے بالوں کے بیان میں

(۲۳۱/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى نِصْفِ أُذُنَيْهِ .

ترجمہ! ہمیں علی بن حجر نے بیان کیا۔ ان کو اسماعیل بن ابراہیم نے حمید کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالک سے نقل کی، وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک نصف کانوں تک تھے۔

راوی حدیث (۹۲) اسماعیل بن ابراہیم کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں

### خلاصہ مضامین :

باب ماجاء .. اس باب میں امام ترمذی نے آٹھ روایات نقل کی ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک پر بالوں کی اس کیفیت کا ذکر ہے کہ وہ کتنے لمبے اور کتنے چھوٹے تھے زیادہ تھے یا تھوڑے نیز آپ کے بالوں پر تیل لگانے اور مانگ نکالنے کی کیفیت کا بھی ذکر ہے اگرچہ آپ کے بالوں مبارک کا بیان گزشتہ ابواب کی احادیث میں ضمناً گذر چکا ہے اب اس باب کے تحت مصنف ”مستقلاً“ ان کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

عقد الامام الترمذی هذا الباب لاختبار الواردة في شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم طولا وقصرا وكثرة وقلة وعن كيفية تسريحة او تفرقة (الاصحافات ص ۶۳) (امام ترمذی نے اس باب کا عنوان ان احادیث کے متعلق باندھا جو آپ ﷺ کے سر کے بالوں مبارک کے بارے میں

وارد ہوئے ہیں یعنی ان کی کیفیت بلحاظ قلت و کثرت اور لمبے چھوٹے ہونے، مانگ نکالنے، تیل لگانے وغیرہ کے بیان میں ہے۔

لفظ شعر (بال) باب نصر سے آتا ہے جمع شعرات آتی ہے۔

**سر کے بال اور حضور اقدس ﷺ کا معمول:**

شیخ ابراہیم اللیجوری نے ابن العربی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سر پر بال رکھنا زینت ہے ان کا چھوڑنا سنت ہے اور ان کا مونڈنا بدعت ہے قال ابن العربی والشعر فی الرأس زینة وترکہ سنة وحلقہ بدعة (مواہب ص ۴۵)۔

نیز انہوں نے شرح المصابیح کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ ہجرت کے بعد حضور اقدس ﷺ نے سوائے حدیبیہ کے عمرۃ القضاء اور حجۃ الوداع کے سالوں کے بال نہیں منڈوائے اور سوائے ایک بار کے بال کم نہیں کرائے (کما فی الصحیحین) (جیسے کہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں ہے۔

صاحب مواہب کے الفاظ یہ ہیں قال وفی شرح المصابیح لم یخلق النبی رأسہ فی سنی الہجرة الا فی عام الحدیبیة و عمرۃ القضاء وحجۃ الوداع ولم یقصر شعرہ الامرة واحدة کما فی الصحیحین (مواہب ص ۴۵)

**نصف کانوں تک بال:**

قال کان شعر رسول اللہ ﷺ الی نصف اذنیہ کہ حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک نصف کانوں تک تھے۔ دراصل جس صحابی نے حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک کی جو صورت دیکھی ویسے ہی بیان کر دی حضرت انسؓ نے نصف کان تک دیکھے تو ان کا ذکر کر دیا اس سے تطبیق بین الاحادیث بھی آ جاتی ہے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ والمراد من هذا الشعر هو الذی جمع و عقص وقیل المراد معظم شعرہ او فی بعض الاحوال اوحین لا یفرق شعرہ فلا ینافی الاحادیث الدالة علی کونه بالغاً منکیہ و واقعاً علیہما (جمع ص ۹۰) (اور بالوں کا نصف کانوں تک ہونے سے مراد وہ بال ہیں جو مجتمع اور اکٹھے کیے گئے ہوں اور یا مراد زیادہ بال ہیں یا پھر بعض اوقات واحوال

میں ایسے ہونے کا ذکر ہے یا اس وقت جس وقت مانگ نکلی ہوئی نہ ہوتی ہو اس لئے ان توجیہات کر لینے کی صورت میں یہ روایت ان روایات و احادیث کے منافی نہ ہوگی جن میں آپ ﷺ کے بالوں مبارک کا کندھوں تک پہنچنا یا کندھوں پر ہونا مذکور ہے)

اس موقع پر شیخ عبدالرؤفؒ نے لکھا ہے ففی الصحيح عن ابی سعید ان النبی ﷺ ذکر قومًا یكونون فی امتہ یخرجون فی فرقہ سیمامہم التحالق (مناوی ص ۹۰) (حضرت ابوسعید خدریؒ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک قوم کا ذکر فرمایا جو آپؐ کی امت میں ایک فرقہ کی صورت میں پیدا ہوں گے ان کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ سرمندوائے ہوئے ہوں گے)۔

(۲۴/۲) حَدَّثَنَا هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَةِ وَذَوْنُ الْوُقُورَةِ ..

ترجمہ! ہمیں ہناد بن سری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبدالرحمن بن ابی الزناد نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے اخذ کی اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے لی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اقدس ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک ایسے پٹھوں سے جو کان کی ٹوٹک ہوا کرتے ہیں ان سے زیادہ تھے اور ان سے کم تھے جو مونڈھوں تک ہوتے ہیں یعنی نہ زیادہ لمبے تھے نہ چھوٹے بلکہ متوربا درجہ کے تھے۔

راویان حدیث (۹۳) عبدالرحمن بن ابی الزناد (۹۴) ہشام بن عروہ (۹۵) عن ابیہ اور (۹۶) سنن عائشہ صدیقہؓ کے حالات ”مذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قالت كنت اغتسل أنا ورسول الله ﷺ من إناء واحد ... کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ افادت الحکایة الماضية بصيغة المضارع استحضاراً للصورة المتقدمة  
واشارة الى تكراره واستمراره اى اغتسلت مكرراً (جمع ص ۹۱) (کہ حضرت عائشہؓ کا گذشتہ  
واقعہ کو بصیغہ فعل مضارع نقل کرنے میں سابقہ (انتقال) کی صورت کا استحضار اور اس کے استمرار اور  
تکرار کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے یعنی (ہم دونوں کا ایک برتن سے غسل کرنا) کئی بار کیا ہے)

## زوجین کا ایک برتن سے غسل:

من اناء واحد کو امام بخاریؒ نے قدح سے تعبیر کیا ہے وحده البخاری بالقدرح (اتحافات  
۶۵) (امام بخاریؒ نے اناء کی تعبیر قدح (کاسہ) سے کی ہے) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

(۱) بعض علماء کرام نے مردوں کے لئے فضل المرأة (عورت کے بقیہ اور زائد) پانی سے غسل کرنا  
جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لئے بھی مردوں کا بچا ہوا پانی استعمال کرنا جائز ہے۔ وعلیہ  
الجمہور (جمع ص ۹۲) (جمہور علماء کا یہی مذہب ہے)

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ خواتین کے لئے فضل الرجل (مرد کے بقیہ) پانی کے ساتھ طہارت جائز  
ہے اور اس کے بالعکس ناجائز ہے۔

(۳) بعض نے عدم جواز کو ان کے علیحدہ علیحدہ خلوت میں پانی کے استعمال کی صورت میں بچے  
ہوئے پانی سے طہارت حاصل کرنے کی صورت پر حمل کیا ہے اور جواز کو اس صورت پر حمل کیا ہے  
جب دونوں اکٹھے غسل کریں۔

## تطبیق کی صورتیں:

وعلى تقدير صحة الجميع يمكن الجمع بحمل النهي على ما تساقط من الاعضاء  
والجواز على ما بقى فى الاناء بذلك جمع الخطاى وجمع بعضهم بان الجواز فيما اذا اغتر فامعاً  
والمنع فيما اذا اغتر فاحدهما قبل الآخر وبعضهم حمل النهي على التنزيه والفعل على الجواز  
وهو الظاهر والله اعلم بالسرائر (جمع ص ۹۲) یعنی اگر ان تمام نہی اور جواز کی صورتوں کو درست تسلیم  
کر لیا جائے تو بھی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نہی کو اس پانی کے استعمال پر محمول کیا جائے جو اعضاء (کے

دھونے) سے گر جائے اور جواز کو اس پانی پر محمول کیا جائے جو برتن میں بچ جائے، علامہ خطابی نے اسی طرح مختلف روایات کو جمع کیا ہے اور بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ میاں، بیوی کا ایک ساتھ ایک ہی برتن سے غسل کرنا تب جائز ہے جب دونوں ایک ساتھ چلو سے پانی اٹھائیں اور ممانعت اس صورت میں ہے جب ایک، دوسرے سے پہلے چلو بھر لے۔ بعض نے نبی کو مکروہ تنزیہی پر محمول کیا ہے اور آپؐ کے فعل کو جواز پر اور یہی ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ ہی بھیدوں اور حقیقتِ حال کو بہتر جانتے ہیں۔

## ایک برتن سے غسل اور مسئلہ ستر:

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

(۱) ایک برتن سے غسل میں اس بات کا احتمال ہے کہ یہ غسل یکے بعد دیگرے کیے ہوں۔ ومن المعلوم تقدمه صلى الله عليه وسلم كما هو شأن الادب . یعنی اس صورت میں آنحضرت ﷺ نے پہلے غسل کیا ہوگا جیسا کہ ادب کا تقاضا بھی یہی ہے۔

(۲) اور اگر یکجا غسل کرنے کی صورت فرض کر لی جائے تو یقیناً دونوں کے درمیان حجاب ہوگا۔ كما هو الظاهر من جمال حالها وكمال حياتهما (جیسا کہ یہی ان دونوں کے کمال حیا کا تقاضا بھی ہے اور ظاہر بھی)

(۳) اور تقدیر تکشف کی صورت میں یقیناً ایک دوسرے کی عورت پر عدم نظر ہوتی تھی جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے عن عائشة رضی اللہ عنہا ما رأيت فرج رسول الله صلى الله عليه وسلم (حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپؐ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا تھا) جبکہ حضور اقدسؐ تو سیدہ عائشہؓ سے زیادہ حیا والے تھے وقد ورد ايضاً في رواية عنها ما رأيت منه ولا رأي مني یعنی الفرج (جمع ص ۹۱) یعنی نہ تو میں نے آپؐ کی شرمگاہ کو دیکھا تھا اور نہ آپؐ نے میری شرمگاہ کو دیکھا تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہر دو

حضرات نگئے نہاتے تھے اسلئے کہ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کا محل ستر اور آپؐ نے میرا محل شرم کبھی نہیں دیکھا نیز برتن کے ایک ہونے سے بھی اس پر حجت نہیں اس کی کئی صورتیں ایسی بنتی ہیں کہ غسل بھی ہو جائے اور دوسرے کے سامنے نگا بھی نہ ہونا پڑے البتہ اس حدیث سے عورت اور مرد کا ایک برتن سے اکٹھے نہانا ثابت ہوتا ہے۔ (خصائل)۔

### شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد :

بعض معتزلی فکر رکھنے والے اور بعض منکرین حدیث، ایسی احادیث کو بہت ہی غلط معافی پہناتے ہیں جن سے ایک مومن کا دل دکھ جاتا ہے حضور اقدس ﷺ تو مجسمہ شرم و حیا تھے اللہ تعالیٰ ایسی بے ہودہ غلط عقیدوں اور باتوں سے اپنی امان میں رکھیں، مزید تنویر و توضیح کے لئے استاذی المکرم محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کا ارشاد گرامی بھی من و عن نقل کر دیا جاتا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ عورتیں اور مرد اکٹھے ایک برتن پر جمع ہو جاتے تھے اور بعض اوقات مرد پہلے وضو کر لیتے عورتیں بعد میں اور کبھی عورتیں پہلے اور مرد بعد میں جس کی بارہ صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں تین صورتیں اصل الاصول (بنیادی) ہیں۔

(۱) فضل طہور در جل (۲) فضل طہور مرأۃ (۳) فضل طہور ہما (۱) مرد کے طہور (وضو و غسل) کا بقیہ پانی (۲) عورت کے طہور کا بقیہ پانی (۳) دونوں کے طہور کا بقیہ پانی)

مذکورہ ہر صورتوں میں طہور عام ہے جو غسل اور وضو دونوں کو شامل ہے اس اعتبار سے چھ صورتیں متحقق ہوتی ہیں پھر ان چھ صورتوں میں مرأۃ (عورت) عام ہے جو اجنبی و غیر اجنبی دونوں کو شامل ہے لہذا ۶×۲ کے نتیجے میں ۱۲ صورتیں متحقق ہوتی ہیں اب اگر ایک برتن سے وضو کرتے وقت یا غسل کے وقت ایسے مرد و عورتیں جمع ہو گئے جو آپس میں محارم تھے یا زوجین تھے یا اجنبی تھے تو اس صورت میں سب کا وضو یا غسل بالاتفاق جائز ہے اور فضل طہور الرجل للمرأة (مرد کے طہور کا بقیہ پانی عورت کیلئے) کی صورت بھی بالاتفاق جائز ہے اور فضل طہور المرأة للرجل کہ عورت نے اس برتن سے وضو کیا یا غسل اس کے بعد مرد اسی کا سہ میں بچے ہوئے پانی سے غسل یا وضو کرنا چاہے تو اس صورت میں



اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ فضل طہور المرأة للرجل (عورت کے طہور (وضو غسل) کے بقیہ پانی کو مرد کے لئے) کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ فضل طہور المرأة للرجل (عورت کے طہور (وضو غسل) کے بقیہ پانی کو مرد کیلئے) کی دونوں صورتوں (وضو اور غسل) کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں گو بارہ صورتوں میں صرف دو صورتیں ایسی ہیں جن میں امام احمد بن حنبلؒ کا اختلاف ہے باقی دس صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔

جمہور اہل سنت والجماعت کا مسلک یہی ہے کہ اگر مرد اور عورتیں دونوں بیک وقت ایک برتن سے وضو یا غسل کریں تو جائز ہے۔ امام طحاویؒ اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں اس کی وجہ جواز تحریر فرماتے ہیں کہ جب رجال و نساء ایک جگہ پڑے برتن سے وضو کریں، چلو سے پانی لیتے ہیں یا کسی چھوٹے برتن سے اور اپنے بدن پر ڈالتے ہیں اولاً تو وہ ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہیں پانی کے بہانے میں محتاط رہتے ہیں اور اگر کسی فریق (مرد یا عورت) سے اس میں بے احتیاطی ہو جاتی ہے تو دوسرا اس کو ٹوک سکتا ہے لہذا اس صورت کے پیش نظر مرد و عورت دونوں کو اطمینان ہوتا ہے کہ پانی مستعمل نہیں ہوتا۔

كنت اغتسل انا ورسول الله ﷺ... حدیث باب عورتوں اور مردوں کے اکٹھا وضو کرنے کے جواز پر دال ہے اور اگر دونوں اجنبی تھے تو ان کا پردہ ضروری ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے یہ ایک مستقل بحث ہے جو اپنے مقام پر آئے گی۔

اغتسل سے گو "غسل" کا جواز ثابت ہو رہا ہے مگر یہ بھی اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وضو بھی جائز ہے کیونکہ غسل جائز ہے تو لا محالہ وضو تو بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

امام طحاویؒ نے اس حدیث سے طہور فضل الماء (بقیہ پانی کے پاک ہونے) کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ جب شارع علیہ السلام نے اجتماعی طور، معیت کی صورت میں وضو اور غسل کو جائز قرار دیا ہے تو یہ اس امر کو بھی مستلزم ہے کہ علیحدہ علیحدہ صورت میں عورت کا بچا ہوا پانی مرد کے لئے اور مرد کا فصل وضو عورت کے لئے جائز ہے کیونکہ معیت کی صورت میں ہر دونوں (مرد و عورت) جب

دوسرا چلو بھرتے ہیں تو وہ دوسرے کا فضل ہے جب کہ اجتماعی صورت میں تو اس کے جواز پر سب کا اجماع ہے تو انفرادی صورت میں بھی جوازِ فضل پر سب کا اجماع لازم آتا ہے (حائق السنن جلد ۱ ص ۲۷۲) ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں فضلِ ماء کا مسئلہ ہی نہ ہو بلکہ اناء واحد کا بتلانا مقصود ہو کہ غسل کے لئے ہم ایک ہی برتن استعمال کرتے تھے کہ اسی میں پانی ڈال کر پہلے آپؐ اور پھر دوبارہ اسی برتن میں پانی ڈال کر میں غسل کرتی تھی۔ کیونکہ من اناء واحد کے ساتھ بماء واحد ضروری نہیں۔

### فوق الجمّة دون الوفرة :

وكان له شعر فوق الجمّة ودون الوفرة ... حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک جُمّہ یعنی گردن سے اوپر اور وفرة یعنی کانوں کی لو سے نیچے ہوتے تھے۔ صفحہ نمبر ۱۰۸، ۱۰۹ پر اس کی تفصیل اور روایات میں تطبیق کی تفصیل گزر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر بال کانوں کی لو تک ہوں تو وفرة، گردن تک ہوں تو لَمّہ اور اگر کندھوں تک پہنچ جائیں تو جُمّہ کہلاتے ہیں۔ بہر حال بال ایک اضافی امر ہیں جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جب بال بنوانے میں تاخیر ہو جاتی تو بڑھ کر گردن تک آ جاتے کبھی مزید تاخیر ہوتی تو کندھوں تک یہ مختلف کیفیات مختلف روایات میں منقول ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

### روایات میں تطبیق :

(۱) احمد عبد الجواد الدومی لکھتے ہیں وهذه الرواية تخالف رواية ابي داود (فوق الوفرة ودون الجمّة) ولعل الجمع بينهما ان تقول ان رواية ابي داود بالنسبة لكثرة الشعر ورواية الترمذی بالنسبة لوصول الشعر، قال ابن حجر وهو جمع جيّد (اتحافات ص ۶۵) یعنی یہ روایت ابو داود کی روایت (فوق الوفرة ودون الجمّة) کے خلاف ہے (کیونکہ یہاں اس روایت میں فوق الجمّة دون الوفرة ہے)

ان دو روایات میں تطبیق کی صورت یوں ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں بالوں کی کثرت کی نسبت سے فوق الوفرة و دون الجمّة کا کہا گیا ہے اور ترمذی کی اس روایت میں وصول شعر کی نسبت سے فوق الجمّة دون الوفرة کا ذکر ہے۔ ابن حجرؒ نے اس تطبیق کو عمدہ قرار دیا ہے۔

اکثر محدثین کی بھی یہی رائے ہے کہ مقصد وفرة اور جمّة کے بین بین بیان کرنا ہے۔ ابوداؤد کی روایت (دون الجمّة فوق الوفرة) میں یا تو قلبِ راوی ہے اور روایت مقلوب ہے یا معنی ظاہری بھی صحیح ہو سکتے ہیں کہ کثرت اور قلت یعنی بالوں کی مقدار بتانا ہے کہ جمّة سے کم اور وفرة سے زائد تھے۔

(۲) لفظ فوق اور دون اضداد میں سے ہیں یعنی کم اور زیادہ کے معنی میں مستعمل ہو سکتے ہیں۔ تو روایت باب میں فوق الجمّة و دون الوفرة کے معنی یہ ہوں گے کہ جمّة سے کم اور وفرة سے زیادہ یعنی اس روایت میں فوق کا معنی کم اور دون کا معنی زیادہ ہوا اور ابوداؤد کی روایت فوق الوفرة و دون الجمّة کے معنی وفرة سے زیادہ اور جمّة سے کم۔ یعنی ابوداؤد کی روایت میں فوق کا معنی زیادہ اور دون کا معنی کم کا ہوا تو پھر بالوں کا محل ایک ہی ہوا کہ گردن سے اوپر اور کانوں کی لو سے نیچے (واللہ اعلم) گویا حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک وفرة اور جمّة کے بین بین ہوا کرتے تھے۔ علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں: کان (شعرہ) متوسطاً بین الجمّة والوفرة (مواہب ص ۴۶) (۳) بعض حضرات نے لفظ ”دون“ کو اپنے معروف معنی میں لیا ہے تو اس صورت میں معنی ہوں گے جمّة سے بھی کم اور وفرة سے بھی کم یعنی وہ انصافِ اذنین (کانوں کے نصف) تک ہوں گے جیسا کہ باب ہذا کی حدیث اول میں اس کی تصریح ہے اور بطور ترقی کے فوق الجمّة دون الوفرة (بتہ سے اونچے اور وفرة سے نیچے) کہا گیا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا ارشاد:

محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بال بڑھنے والی چیز ہے ایک زمانہ میں اگر کان کی لو تک تھے تو دوسرے زمانے میں اس سے زائد اس لئے حضور اقدس ﷺ کا سر

منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے تو جس نے قریب کا زمانہ نقل کیا اس نے چھوٹے بال نقل کیے اور جس نے بال منڈے ہوئے عرصہ ہو جانے کے وقت کو نقل کیا اس نے زیادہ نقل کیے۔ بعض علماء نے اس طرح پر بھی جمع فرمایا کہ سر مبارک کے اگلے حصہ کے بال نصف کانوں تک پہنچ جاتے تھے اور وسط سر مبارک اس سے نیچے تک اور اخیر سر مبارک کے مونڈھوں کے قریب تک (خصائل ۳۴)۔

(۲۵/۳) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ أَخْبَرَنَا أَبُو قُطَيْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوعًا بَعِيدَ مَابَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ وَكَانَتْ جُمُتُهُ تَضْرِبُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ ..

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا انہیں ابو قُطَيْب نے خبر دی اور انہیں شعبہ نے بیان کیا جنہوں نے ابو اسحق سے روایت کی ہے اور انہوں نے براء بن عازب صحابی رسول سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ متوسط القامة تھے۔ آپ کے دونوں شانوں کا درمیان وسیع تھا آپ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔

راویان حدیث (۹۷) احمد بن منیع اور (۹۸) ابو قُطَيْب کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## الجمّة کی مزید تشریح !

وكانت جمته تضرب شحمة اذنيه اور آپ کے بال مبارک کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔ حدیث کا یہی جملہ ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتا ہے۔

احمد عبد الجواد الدومی فرماتے ہیں فهذا يرجع لمعظمه اى الشعر ' واما المستدق منه فكان يصل الى المنكبين (اتحافات ص ۶۶) ملا علی قاری فرماتے ہیں وقيل لم يرد بالضرب البلوغ والانتها بل اراد انه كان يرسلها الى اذنيه ومحاذ اتهما ويحتمل ان يقال الجمّة في هذا الحديث بمعنى الوفرة كما ذهب اليه الزمخشري من انها مترادفان وان الجمّة هي الشعر الى الاذن ووقع في ديوان الادب

ان الجمۃ ہی الشعر مطلقاً (جمع ص ۹۳) یعنی ”الضرب“ کے لفظ سے بالوں کی غایت لمبائی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ بالوں کو دونوں کانوں اور ان کے محاذات (برابری) تک چھوڑتے تھے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اس حدیث میں ”جُمَہ“ بمعنی ”وفرہ“ کے ہو۔ جیسا کہ زمخشریؒ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے کہ یہ دونوں مترادف ہیں۔ پھر یہ کہ کانوں تک پہنچے ہوئے بالوں کو ”جُمَہ“ کہتے ہیں اور ”دیوان الادب“ میں ہے کہ ”جُمَہ“ مطلق بالوں کو کہتے ہیں۔

(۲۶/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ بْنُ حَازِمٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لَأَنْسَ كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبِطِ كَانَ يَلُغُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ.

ترجمہ! ہمیں بیان کیا محمد بن بشار نے۔ اُن کو وہب بن جریر بن حازم نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس میرے والد نے قتادہ کے حوالے سے بیان کیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک کیسے تھے انہوں نے فرمایا کہ نہ بالکل پیچیدہ نہ بالکل کھلے ہوئے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگھریالہ پن لئے ہوئے تھے جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔ راویان حدیث (۹۹) وہب بن جریرؒ (۱۰۰) حدیثی ابی اور (۱۰۱) حضرت قتادہؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### حدیث باب کی تشریح:

قال قلت لانس ... قتادہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ حضور اقدسؐ کے بال مبارک کیسے تھے قال لم یکن بالجعد ولا بالسبط آپؐ کے بال نہ تو شدید گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے یعنی ان میں کسی قدر گھنگھریالہ پن پایا جاتا تھا۔

اور آپؐ کے بال مبارک کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔ اس طوالت کو عرف میں وفرہ کہتے ہیں اس کی مفصل تشریح صفحہ نمبر ۱۰۸ پر لکھی جا چکی ہے۔

(۲۷/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أُمِّ هَانِيَةَ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا مَكَّةَ قَلْعَةً وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ .

ترجمہ! ہمیں محمد بن یحییٰ بن ابی عمر مکی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی سفیان بن عیینہ نے انہوں نے یہ روایت نقل کی ابن ابی نجیح سے اور انہوں نے مجاہد سے روایت اخذ کی۔ مجاہد نے ام ہانی بنت ابی طالب سے روایت لی۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہجرت کے بعد ایک مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کے بال مبارک چار حصہ مینڈھیوں کے طور پر ہو رہے تھے۔

راویان حدیث (۱۰۲) محمد بن یحییٰ بن ابی عمر (۱۰۳) سفیان بن عیینہ (۱۰۴) ابن ابی نجیح (۱۰۵) مجاہد (۱۰۶) اور حضرت ام ہانی کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### وله اربع غدائر کی تحقیق:

قالت قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم علينا مكة قلعمة وله اربع غدائر جب آپ مکہ المکرمہ میں ہمارے پاس تشریف لائے قلعمة ای مرة من القلوم۔ (قدمۃ کا معنی ایک بار جب آنا ہوا) اور یہ قدم فتح مکہ کے موقع پر ہے۔

غدائر، غدیرہ کی جمع ہے بالوں کی لٹیں، زلفیں، چوٹی اور مینڈھی جو گندھی ہوئی نہ ہوں بلکہ ویسے ہی کھلے طور پر تقسیم شدہ ہوں اس کے لئے صفائر اور ذائب کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے وقیل الغدیرہ ہی الذوائب والغدیرہ ہی العقیصہ (اتحافات ص ۶۷)۔ (اور بعض کہتے ہیں کہ غدیرہ وہ ذوائب ہے اور صفیرہ وہ عقیصہ) (قدرتی طور پر گندھی ہوئی) ہے) حضور اقدس ﷺ نے از خود کبھی بھی بالوں کی مینڈھیاں نہیں بنائیں بلکہ بعض اوقات قدرتی طور پر آپ کے بال مبارک چار حصوں میں تقسیم ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ مردوں کے لئے عورتوں کی طرح مینڈھیاں رکھنا مکروہ ہیں حدیث میں مینڈھیوں سے مراد وہی ہیں جن میں تشبہ۔ (عورتوں سے مشابہت) نہ ہو کیونکہ تشبہ کی آپ نے خود ممانعت فرمائی ہے۔

## مکہ شریف قدومِ میمنت :

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدمات اربعة لمكة عمرة القضاء وفتح مكة وعمرة الجعرانة ولحجة الوداع (جمع ص ۹۵)

گویا آپؐ نے مکہ المکرمہ تشریف آوری چار مرتبہ فرمائی اولاً عمرہ القضاء میں جو ہجرت کا ساتواں سال تھا پھر فتح مکہ کے موقع پر ۸ھ پھر اسی سفر میں عمرہ الجعرانة کے لئے جانا ہوا پھر ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع کے موقع پر۔ ام ہانئؓ کے گھر تشریف آوری فتح مکہ کے موقع پر ہوئی علامہ بیہقیؒ لکھتے ہیں وهذه المرة كانت في فتح مكة (موہب ص ۴۸) وحينئذ اغتسل و صلى الضحى في بيتها (جمع ص ۹۵) یعنی اس موقع پر آپؐ نے غسل فرمایا اور حضرت ام ہانئؓ کے گھر چاشت کے نوافل پڑھے۔

(۲۸/۶) حَدَّثَنَا سُؤَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتِ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ شَعْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِلَى انْصَافِ أُذُنَيْهِ ..

ترجمہ! ہمیں سوید بن نصرؒ نے بیان کیا، انہیں عبد اللہ بن مبارکؒ نے بیان کیا انہوں نے یہ روایت معمر سے لی اور معمر نے اخذ کی ثابت بنانی سے وہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے بال مبارک نصف کانوں تک ہوتے تھے۔

راویان حدیث (۱۰۷) سوید بن نصرؒ (۱۰۸) عبد اللہ بن مبارکؒ (۱۰۹) معمرؒ اور (۱۱۰) ثابت البنانیؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## ایراہ حدیث کا مقصد:

ان شعر رسول اللہ ﷺ کان الی انصاف اذنیہ یعنی حضور اقدس ﷺ کے بال مبارک آپؐ کے نصف کانوں تک تھے اس مضمون کی حدیث اس باب کے آغاز میں بھی آچکی ہے۔

شیخ ابراہیم البجوریؒ لکھتے ہیں باضافة الجمع الى المثنى كما فى قوله تعالى 'فقد صغت قلوبكما والمراد بالجمع مافوق الواحد (مواہب ص ۳۸) (کہ اس حدیث میں اضافت جمع (انصاف) کی تثنیہ (اذنیہ) کی طرف ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک کے لفظ قلوب کی اضافت کما ضمیر تثنیہ کو ہے اور جمع سے مراد ایک سے زائد ہونا ہے)

یعنی "انصاف اُذْنِيْہ" میں صیغہ جمع (انصاف) کی اضافت صیغہ تثنیہ (اُذْنِيْن) کی طرف ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کے ارشاد "فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا" میں ہے اور قلوبکما میں جمع سے مراد مافوق الواحد ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمقصود من ایراد هذا الحديث من رواية ثابت عن انس هنا مع ما تقدم من رواية حميد عنه فى اول الباب تقوية الحديث المذكور وانه روى باسناد ين وانتفاء ما يتوهم من تدليس حميد (جمع ص ۹۶) یعنی ثابت عن انس کی روایت سے اس حدیث کو یہاں لانا باوجود یہ کہ اسی طرح باب کے شروع میں حمید عن انس کی روایت مذکور ہے۔ دراصل اس کا مقصد حدیث مذکور کی تقویت اور یہ بات کہ یہ دو سندوں سے مروی ہے نیز "حمید" پر تدلیس کا جو توہم تھا، اس کا دفعیہ بھی مقصود ہے۔

(۲۹/۷) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْدِلُ شَعْرَهُ وَكَانَ الْمَشْرُكُونَ يَقْرَأُونَ رُءُوسَهُمْ وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُونَ رُءُوسَهُمْ وَكَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ بِشَيْءٍ ثُمَّ فَرَّقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ ..

ترجمہ! ہمیں سويد بن نصر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن مبارک نے خبر دی، انہوں نے یونس بن یزید سے اور انہوں نے زہری سے یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبید اللہ بن



عبداللہ بن عتبہ بن عبداللہ نے خبر دی اور انہوں نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اولاً بالوں کو بغیر مانگ نکالے پیچھے ڈال دیتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے اور اہل کتاب بغیر مانگ نکالے بالوں کو پیچھے ڈال لیتے تھے۔

حضور اقدس ﷺ ابتداءً ان امور میں جن میں کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے (لیکن اس کے بعد یہ منسوخ ہو گیا اسلئے کہ حضور اقدس ﷺ مخالفتِ اہل کتاب کرنے لگے) اور پھر آپؐ نے سر کے بالوں میں مانگ نکالنا شروع کر دیا تھا۔

راویان حدیث (۱۱۱) یونس بن یزیدؒ اور (۱۱۲) عبید اللہ کے حالات ”تذکرہ راویان شاکل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### سدل شعر کی صورت :

کان یسدل شعرہ .. مضمون حدیث تو ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ اپنے بالوں کو مانگ نکالے بغیر پیچھے ڈال دیا کرتے تھے۔ سدل یسدل کالفظی معنی ہے پیچھے ڈالنا و قیل السدل ان یرسل الشخص شعرہ من ورائہ ولا یجعلہ فرقتین وهو المناسب للمقابلة بقوله وکان المشرکون یفرقون (جمع ص ۹۶) یعنی بعض حضرات نے کہا ہے کہ سدل یہ ہے کہ بالوں کو ویسے ہی پیچھے چھوڑ دے اور اس کو دو حصوں میں تقسیم نہ کرے اور یہ تشریح مناسب ہے اس قول کے مقابلہ میں کہ ”مشرکین سر کے بالوں میں مانگ نکالتے تھے“۔

شیخ ابراہیم الیچوؒ فرماتے ہیں ای یرسل شعرہ حول راسہ (مواہب ص ۴۸) یعنی بالوں کو سر کے ارد گرد چھوڑ دیتے تھے اور ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ وقیل علی الجبین فیکون کالقصة (مواہب ص ۴۸)۔ (اور بعض کہتے ہیں کہ بالوں کو ماتھے پر گچھا کی مانند چھوڑ دیتے)

### مانگ نکالنے میں مشرکین اور اہل کتاب کا عمل :

وکان المشرکون یفرقون رؤسہم یعنی مشرکین لوگ اس زمانے میں سر کے بالوں میں فرق نکالتے تھے۔ یفرقون چاہے مجرد ہو چاہے باب افعال سے ہو یا باب تفعیل سے سب کا معنی ایک

ہے وقال العسقلانی الفرق قسمة الشعر والمفرق وسط الراس واصله من الفرق بين الشيتين (جمع ص ۹۶) (علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں: فرق، بالوں کے تقسیم ہونے کو کہتے ہیں جبکہ مفرق سر کے بچ کو کہتے ہیں)۔ اور اس کا مادہ اور بنیاد دو چیزوں کے درمیان فرق (فاصلہ) کرنا ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدوئیؒ نے لکھا ہے والفرق قسم الشعر قسمین علی الیمین والیسار وهو ضد السدل الذی هو الارسال من سائر الجوانب (اتحافات ص ۶۸) یعنی فَرَق بالوں کو دو حصوں، دائیں اور بائیں پر تقسیم کرنے کو کہتے ہیں اور یہ سدل کی ضد ہے، سدل سارے اطراف سے بال چھوڑنے کو کہتے ہیں۔

### موافقتِ اہل کتاب کی توجیہات:

وكان اهل الكتاب... یعنی اہل کتاب عام طور پر مانگ نہیں نکالتے تھے بلکہ بالوں کو پیچھے ڈال دیا کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ ایسے امور میں جن میں بذریعہ وحی کوئی حکم نہیں آتا تھا اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے جو مشرکین سے بوجہ اہل کتاب ہونے کے بہتر تھے۔

اہل کتاب کی موافقت پر علماء نے توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) یہ اھون البلیتین (دو مصیبتوں میں سے آسان کو) اختیار کرنے کے قبیل سے ہے کیونکہ مشرکین کے تو سب اعمال شیطانی ہوتے ہیں جب کہ اہل کتاب کے اعمال اور روایات میں آسانی ہونے کا احتمال بھی ہے۔ ایک اعتراض یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ بعض احادیث اس پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ اہل کتاب کی بھی مخالفت کی گئی ہے شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ۔

(۱) یہ تو اثرِ صحابی ہے اور وہ احادیث مرفوعہ صحیحہ ہیں لہذا اعتراض نہ ہوگا۔

(۲) یا اسے ابتداء اسلام پر حمل کیا جائے گا کہ آپؐ نے اہل کتاب کے تالیفِ قلوب کے لئے ان کے اعمال کی موافقت اختیار فرمائی، ان اعمال میں ایک عمل مانگ نکالنا بھی تھا لیکن پھر جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور اسلام مستغنی ہو گیا تو پھر خالفوہم (کہ ان کی مخالفت کرو) کا حکم دیا گیا تو یہ روایت منسوخ ہوگی۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں جن امور میں حضور اقدس ﷺ کو احکام نہیں ملے تھے اور وحی نازل نہ ہوئی تھی ان امور میں موافقت اہل کتاب کی علماء نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں ایک غرض تو تالیفِ قلوب اہل کتاب تھی (جیسا کہ پہلے بھی یہی عرض کیا جا چکا ہے) کہ بتوں کے پجاریوں کے خلاف ان کی انجنت کی جائے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں فلما اغناه الله تعالى عن ذلك واطهر الاسلام خالفهم في امور كصبغ الشيب وغير ذلك انتهى حيث ورد ان اهل الكتاب لا يصبغون فخالقوهم ومنها صوم يوم عاشوراء. ثم امر بنوع مخالفة لهم فيه بصوم يوم قبله او بعده ومنها استقبال القبلة ومخالفتهم في مخالطة الحائض ومنها النهي عن صوم يوم السبت وقد جاء ذلك من طرق متعددة في النسائي وغيره وصرح ابو داؤد بانه منسوخ وناسخه حديث ام سلمة انه صلى الله عليه وسلم كان يصوم يوم السبت ويوم الاحد يتحرى ذلك ويقول انهما يوما عيد الكفار وانا احب ان اخالفهم وفي لفظ مامات رسول الله ﷺ حتى كان اكثر صيامه يوم السبت. والاحد اخرجه احمد والنسائي و اشار بقوله يوما عيد ان السبت عيد اليهود والاحد عيد النصارى وقال آخرون يحتمل انه امر باتباع شرائعهم فيما لم يوح اليه بشئ وعلم انهم لم يدلوه (جمع ص ۹۷)

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اہل کتاب کی موافقت سے مستغنی کیا اور اسلام کو غالب کیا تو آنحضرتؐ نے کئی امور میں اہل کتاب کی مخالفت کی جیسا کہ (داڑھی کے) سفید بالوں میں مہندی لگانا وغیرہ۔ روایت میں ہے کہ اہل کتاب سفید بالوں میں مہندی نہیں لگاتے لہذا تم (مسلمان) ان کی مخالفت کرو، اسی طرح عاشوراء کے دن کے روزہ میں بھی آپؐ اہل کتاب کی موافقت فرماتے تھے پھر یوم عاشوراء سے ایک روز قبل یا ایک روز بعد کا ملانے کا حکم دیا تاکہ اہل کتاب کی مخالفت ہو جائے اسی طرح استقبالِ قبلہ، حائضہ عورت کے ساتھ نشست و برخاست اور ہفتہ کے دن روزہ رکھنے میں بھی ان کے ساتھ مخالفت کا حکم فرمایا۔ تاہم نسائی وغیرہ میں متعدد طرق سے یہ روایت مروی ہے کہ ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کا حکم منسوخ ہے۔ امام ابو داؤد نے اس کے ناخ کی تصریح کی ہے جیسا کہ ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ ہفتہ اور اتوار کے دن روزہ رکھنے کو پسند کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ دو

اگر ان کے گناہوں کو میری عاجزی و دعا کو قبول فرما کر معاف کر دیتا ہے تو یہ تیرا عین فضل ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا کھڑے ہونے میں اور رکوع سجدہ میں بھی اس آیت کو پڑھتے رہنا اور بار بار دہراتے رہنا اللہ تعالیٰ کی دو صفات عدل و مغفرت کے متحضر ہو جانے کی وجہ سے تھا کہ قیامت کا سارا منظر ان ہی دو صفتوں کا مظہر ہے۔

تمام رات سے مراد پچھلی رات کا قیام ہے، جو تہجد کے وقت آپ کا معمول تھا۔ ایک آیت کی مسلسل تلاوت یہ آپ کا امتیازی عمل تھا، خاص حالات و کیفیات اور وجدان کے پیش نظر ایسا ہو جاتا تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ ایک رات صرف ایک ہی آیت کی تلاوت کرتے کرتے صبح کردی۔ **وَأَمَّا زُورُ الْيَوْمِ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ**۔ (یسین: ۵۹) (اور جدا ہو جاؤ آج کے دن اے گناہگارو)۔

### اخذ مسائل :

شیخ ابراہیم اللججوریؒ فرماتے ہیں ، **وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَازُ تَكَرُّارِ الْآيَةِ فِي الصَّلَاةِ وَلَعَلَّ ذَلِكَ كَانَ قَبْلَ النَّهْيِ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ فَلَا يَنَافِيهِ خَبَرُ مُسْلِمٍ نَهَيْتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا وَسَاجِدًا عَلَى أَنْ النَّهْيَ لِلتَّزْيِيدِ فِيكَونُ فَعَلُهُ لِيَبَانَ الْجَوَازُ** (مواہب: ۲۱۰) (حدیث پاک سے ایک ہی آیت کا پوری نماز میں بار بار پڑھنے کا جواز معلوم کیا جاسکتا ہے اور شاید کہ یہ رکوع اور سجدہ میں قرآن پڑھنے سے منع کرنے سے پہلے کی بات ہے اس لئے یہ حدیث مسلم کی منافی نہ ہو) جس میں ہے کہ مجھے روکا گیا کہ میں رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھوں اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی (رکوع سجدہ میں) تہذیبی ہو تو آپ کا یہ فعل و عمل بیان جواز کے لئے ہوا) **أَوْ أَنَّ الْقِرَاءَةَ قَصْدُ بَهَا الدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَطَلَبِ الْمَغْفَرَةِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ** (اتحافات ص ۳۲۰) (یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرات سے ارادہ دعا، تضرع عاجزی اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی طلب کی درخواست ہو)

صاحب اتحافات کی توجیہ کو علامہ ملا علی قاریؒ نے دوسرے انداز میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ  
و يمكن ان يقال المعنى كان يركع ويسجد بمقتضى تلك الآية مما يتعلق بمبناها و يترتب

(۳۰/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ نَافِعٍ الْمَكِّيِّ عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَا صَفَائِرَ أَرْبَعٍ .

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشارؒ نے بیان کیا انہیں عبد الرحمن بن مہدیؒ نے خبر دی انہوں نے روایت ابراہیم بن نافع مکی سے نقل کی اور انہوں نے ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے۔ وہ مجاہد سے روایت بیان کرتے ہیں اور انہوں نے ام ہانیؓ کے واسطے سے روایت نقل کی ہے۔ ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو چار گیسوؤں والا دیکھا۔

راویان حدیث (۱۱۳) عبد الرحمن بن مہدیؒ اور (۱۱۴) ابراہیم بن نافع المکی کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### روایات باب میں تطبیق :

حضور اقدس ﷺ کے بالوں سے متعلق چونکہ روایات میں اختلاف ہے اس لئے ملا علی قاریؒ تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں فہذہ ست روایات الاولی نصف اذنیہ الثانیۃ الی شحمة اذنیہ الثالثہ بین اذنیہ وعاتقہ الرابعۃ انہ یضرب منکیہ الخامسة قریب منہ السادسة له اربع غدائر یعنی (بالوں کی درازی سے متعلق)۔

یہ کل چھ روایات ہیں پہلی روایت میں ہے کہ بال مبارک دونوں کانوں کے نصف تک تھے، دوسری روایت: کانوں کی لو تک تھے، تیسری روایت: کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے، چوتھی روایت: شانوں سے لگے ہوئے تھے، پانچویں روایت: شانوں کے قریب تھے، چھٹی روایت: اس کے چار مینڈھنیاں تھیں۔

شیخ ابراہیم البیہقیؒ تطبیق و توفیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقد جمع القاضي عياض بينهما بان من شعره ما كان في مقدم رأسه وهو الذي بلغ نصف اذنيه وما بعده وهو الذي بلغ شحمة اذنيه والذي يليه هو الكائن بين اذنيه وعاتقه وما كان خلف الراس

هو الذی یضرب منکیه او یقرب منه و جمع النووی تبعاً لابن بطلان باختلاف کان دائراً علی حسب اختلاف الاوقات فی تنوع الحالات فاذا قصره کان الی انصاف اذنیہ ثم یطول شیئاً فشیئاً و اذا غفل عن تقصیرہ بلغ الی المنکیین فعلى هذا ینزل اختلاف الرواة فکل واحد اخبر عما رآه فی حین من الاحیان و کل من هذین الجمعین لا یخلو عن بعد اما الاول فلان الظاهر ان من وصف شعره صلی اللہ علیہ وسلم اراد مجموعہ او معظمہ لا کل قطعتمہ و اما الثانی فلانہ لم یرد تقصیر الشعر منه صلی اللہ علیہ وسلم الا مرة واحدة کما وقع فی الصحیحین فالاولی الجمع بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حلق راسہ فی عمرتہ و حجتہ و قال بعض شراح المصابیح لم یحلق النبی راسہ فی سنی الهجرة الا فی عام الحدیثیہ ثم عام عمرہ القضاء ثم عام حجة الوداع فاذا کان قریباً من الحلق کان الی انصاف اذنیہ ثم یطول شیئاً فشیئاً فیصیر الی شحمة اذنیہ و بین اذنیہ و عاتقہ و غایة طولہ ان یضرب منکیہ اذا طال زمان ارسالہ بعد الحلق فاخبر کل واحد من الرواة عمار آہ فی حین من الاحیان و اقصرها ما کان بعد حجة الوداع فانه توفی بعدها بثلاثة اشهر (مواہب ص ۴۹) یعنی قاضی عیاض نے ان روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ سر مبارک کے اگلے حصہ پر جو بال تھے وہ کانوں کے نصف تک پہنچے ہوئے تھے اس سے متصل بال کانوں کے لو تک پہنچے ہوئے تھے اس کے نیچے حصہ کے بال کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے جبکہ سر کے پیچھے حصہ کے بال شانوں سے لگے ہوئے تھے یا ان کے قریب تھے۔ علامہ نووی نے ابن بطلان کی متابعت میں یوں تطبیق دی ہے کہ حالات اور اوقات کے اختلاف کی وجہ سے روایات میں اختلاف ہوا۔ پس جب آپ قصر فرماتے تو کانوں کی نصف تک ہوتے پھر تھوڑے تھوڑے بڑھ جاتے اور جب آپ بالوں کی قصر پر توجہ نہ دیتے تو وہ بڑھ کر کبھی کندھوں تک پہنچ جاتے اس طرز عمل کی وجہ سے راویوں میں بھی اختلاف ہوا، لہذا جس راوی نے آپ کے بالوں کو جس حالت (قصر یا درازی) پر دیکھا، اس طرح اس کو بیان کیا تاہم مذکورہ دونوں تطبیقات بعد سے خالی نہیں ہیں پہلی تطبیق تو اس وجہ سے کہ جس راوی نے آپ کے بالوں کی صفت بیان کرنا چاہی تو اس نے آپ کے مجموعی یا اکثر بالوں کی صفت بیان کی ہے نہ کہ سر کے ہر حصہ کے بالوں کی اور دوسری تطبیق میں بعد یوں ہے کہ آپ سے قصر ایک مرتبہ ثابت ہے جیسا کہ صحیحین میں

ہے۔ اب مختلف روایات میں جمع اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آپؐ نے حج و عمرہ میں بالوں کا حلق فرمایا۔ مصابیح کے بعض شراح فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے سالوں میں سر کا حلق نہیں فرمایا البتہ حدیبیہ کے سال حلق فرمایا تھا پھر عمرۃ القضاء کے سال اور آخر میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر حلق فرمایا پھر اگر حلق کرنے کے بعد کا زمانہ قریب ہوتا یعنی تھوڑا تو پھر وہ کانوں کے نصف تک ہو جاتے۔ پھر ہونے ہوتے بال بڑھ جاتے تو کانوں کی لوت تک پہنچ جاتے، پھر کانوں اور کندھوں کے درمیان تک پہنچ جاتے اور آپؐ کے بالوں کی زیادہ سے زیادہ درازی جب حلق کرنے کے بعد زیادہ وقت گزر جاتا، اتنی ہوتی کہ وہ شانوں تک پہنچ جاتے، تو ہر راوی نے جس وقت، جس حالت میں آپؐ کے بال دیکھے اس کے بارے میں اسی طرح خبر دی حجۃ الوداع کے بعد آپؐ کے بال سب سے زیادہ چھوٹے تھے کیونکہ حجۃ الوداع کے تین مہینے بعد آپؐ کا انتقال ہو گیا۔

=====

## بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْجُلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھی کرنے کا بیان

### احادیث باب کا مضمون:

اس باب میں حضور اقدس ﷺ کے مانگ نکالنے، کنگھی کرنے، تیل لگانے، سراقس کے مبارک بالوں کو پاک صاف اور آراستہ کرنے وغیرہ کی کیفیات کا ذکر خیر ہے۔

تَرْجُلٌ اور رَجُلٌ باب تَفْعَل اور تَفْعِيل دونوں سے آتا ہے۔ تَرْجُلٌ کا لغوی معنی پیدل چلنا اور تَرْجِيلٌ کا معنی کنگھی کرنا ہے اسی کو تَسْرِيحُ الشَّعْرِ بھی کہتے ہیں یعنی کنگھی پھیر کر بالوں کو سنوارنا رَجُلٌ کا ایک معنی باندھنا بھی ہے کہتے ہیں رَجُلْتُ شَاةً یعنی میں نے بکری باندھی۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ التَّرجُلُ والتَّرجِيلُ تَسْرِيحُ الشَّعْرِ وَتَنْظِيفُهُ وَتَحْسِينُهُ (جمع ص ۹۹) یعنی تَرْجُلٌ اور تَرْجِيلٌ دونوں کا معنی ہے بالوں میں کنگھی کرنا ان کو صاف کرنا اور سنوارنا۔ بعض احادیث میں لفظ تَرْجِيلٌ (باب تَفْعِيل) کے آنے کے باوجود مصنفؒ نے ترجمۃ الباب میں تَرْجُلٌ (باب تَفْعَل) کو اختیار فرمایا ہے یہ دونوں کے مترادف کو اشارہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس باب میں وارد احادیث میں باب تَفْعَل زیادہ استعمال ہوا ہے۔

کنگھی کرنا مندوب ہے:

علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ تَرْجُلٌ بابِ نِظَافَت سے ہے یعنی بالوں کا صاف ستھرا رکھنا درست کرنا، کنگھی دینا ستھرا پینا ہے اور یہ مندوب ہے۔



ارشاد باری تعالیٰ ہے خَلُّوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (سورہ اعراف ۳۱) (لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت) اور یہ کہ ظاہرِ باطن کا عنوان اور ترجمان ہوتا ہے ظاہرِ صاف ہوگا تو باطن متاثر ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ النِّظَافَةُ مِنَ الْاِيْمَانِ (پاکیزگی ایمان میں سے ہے) اور ایک ارشاد یہ بھی ہے اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی نَظِيْفٌ يُّحِبُّ النَّظَافَةَ وَفِيْ خَيْرِ اَبِيْ دَاوُدَ مِنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيَكْرِمْهُ (مواہب ص ۴۹) اللہ تعالیٰ پاک و صاف ہے اور صفائی، ستھرائی کو پسند کرتے ہیں ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جس کے بال ہوں تو اسے ان بالوں کی حفاظت کرنی چاہئے۔

موطا میں روایت ہے عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰ رَجُلًا ثَابِرَ الشَّعْرِ وَاللَّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ بِاصْلَاحِ رَاسِهِ وَلِحْيَتِهِ (جمع ص ۱۰۰)

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے تو آپؐ نے اسے سر اور داڑھی کے بالوں کو درست کرنے کا فرمایا۔ واما ماورد من النهی عن الترجیل فهو نهی عن المبالغة لاعن الاصل (اتحافات ص ۷۱) یعنی کنگھی کرنے سے جو ممانعت آئی ہے تو وہ اس میں مبالغہ کرنے سے منع کیا گیا ہے نہ کہ اصل کنگھی کرنے سے اس ترجمہ الباب کے تحت مصنفؒ نے پانچ احادیث درج فرمائی ہیں۔

(۳۱/۱) حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ مُوسَى الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيََ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اُرْجِلُ رَاسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ .

ترجمہ! ہمیں اہلق بن موسیٰ انصاری نے بیان کیا۔ انہیں معن بن عیسیٰ نے بیان کیا۔ انہیں بیان کیا مالک بن انس نے ہشام بن عروہ کے حوالے سے اور انہوں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت بیان کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

راویان حدیث (۱۱۵) اہلق بن موسیٰؒ اور (۱۱۶) معن بن عیسیٰؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل

ترمذیؒ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## حالت حیض میں خدمتِ زوج کا شرعی حکم:

قالت كنت ..... اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھی کرتی تھی اس حال میں کہ میں حائضہ ہوا کرتی یعنی ایام ماہواری میں ہوتی۔

وانا حائض ! یہ جملہ حالیہ ہے۔ حائضۃ (بہ صیغہ مؤنث) شاذ و نادر استعمال ہوتا ہے کیونکہ علامت تانیث تو تذکیر و تانیث میں فرق کے لئے آتی ہے عند خوف اللبس (التباس کے اندیشہ کے وقت) جبکہ یہاں خود التباس ہے ہی نہیں۔ کیونکہ حیض تو خاص ہے عورتوں کے ساتھ۔ فلا حاجة الی علامة التانیث الفارقة (مناوی ص ۱۰۰) لہذا فرق کرنے کے لئے علامتِ تانیث کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے ساتھ سوائے ہمبستری (مباشرت) کے مخالطت جائز ہے۔ علامہ شامیؒ اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”حیض کی حالت میں ناف سے گھٹنے تک عورت کے بدن کو مرد کا اپنے کسی عضو سے چھونا جائز نہیں۔۔۔ نیز ناف سے گھٹنے تک کے حصہ کو برہنہ دیکھنا بھی جائز نہیں“ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۸۶) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سر میں کنگھی کرنا مستحب ہے اور یہ خدمت اپنی عورت سے لینا جبکہ وہ حالتِ حیض میں ہو، تب بھی جائز ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں وفيه حل استخدامها في غسل وطبخ وخبز وغيرها برضاها لا بدون لان الواجب عليها تمكينه وملازمة بيته فحسب (مناوی ص ۱۰۱) یعنی اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنی عورت سے بدن دھلوانے اور کھانے پکانے کی خدمت لینا (اس کی رضامندی سے) جائز ہے۔ اس لئے کہ بیوی پر تو صرف خاوند کے گھر میں رہنا اور اس کو مباشرت پر قدرت دینا لازم اور ضروری ہے۔

## ایک تعارض اور اس کا جواب:

یہ بات تو آغازِ باب میں عرض کر دی گئی کہ ترجیح بابِ نظافت سے ہے یعنی صفائیِ مطہارت اور

پاکیزگی شریعت میں مطلوب ہے بظاہر اس کا البذاذۃ من الایمان (سادگی ایمان) کی علامات) سے ہے) اور رب اشعث اغبر لو اقسام علی اللہ لا یرہ (کبھی ایک پراگندہ بال اور غبار آلود شخص اگر اللہ کے نام پر قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا ہے) سے تعارض معلوم ہوتا ہے اس کی تطبیق بھی کسی حد تک اس سے قبل عرض کر دی گئی مگر یہاں ذرا تفصیل سے وضاحت مقصود ہے۔

حضرات محدثین کرامؒ نے ان روایات میں تطبیق کی صورت یوں بنائی ہے کہ بذاذۃ کا معنی، ہر وقت اور ہر حال میں گندہ رہنے کے نہیں ہیں بلکہ مراد سادگی ہے اور سادہ رہنا اور سادگی نظافت کے منافی نہیں ہے اسی طرح دوسری حدیث رب اشعث اغبر الخ سے بھی یہ مراد نہیں کہ اشعث اور اغبر رہنا باعث فضیلت ہے یا محمود ہے بلکہ حدیث میں ایسے شخص کے اخلاص اور للہیت کا بیان ہے کہ اس کا ظاہر تو فقر و غربت و ناداری کا ہے مگر باطن صفائی میں عظیم تر ہے اگر ایک شخص کو باطنی صفائی حاصل ہے مگر وہ اپنے ظاہری حالات اور مجبوریوں کے پیش نظر سادگی سے رہتا ہے اور رب اشعث اغبر الخ کا مصداق ہے پھر تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ سادگی نظافت کے ساتھ ہو تو وہ مطلوب ہے

(۳۲/۲) حَلَّتْنَا يَوْسُفُ بْنُ عِيسَى أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ صَبِيحٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبَانَ هُوَ الرَّقَاشِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْبِتُ فَهَنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِجَ لِحْيَتِهِ وَيَكْبِتُ الْقِنَاعَ حَتَّى كَانَ ثَوْبُهُ ثَوْبَ زَيْلٍ .

ترجمہ! ہمیں یوسف بن عیسیٰ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی وکیع نے۔ اُن کو خبر دی ربیع بن صبیح نے یزید بن ابان رقاشی کے حوالے سے۔ وہ روایت بیان کرتے ہیں انس بن مالکؓ سے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے اور اپنی داڑھی مبارک میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے اور اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے جو تیل کے کثرت استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔

راویان حدیث (۱۱۷) یوسف بن عیسیٰ (۱۱۸) ربیع بن صبیحؒ اور (۱۱۹) یزید بن ابانؓ کے حالات

”تذکرہ راویانِ شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## حضور اقدس ﷺ کا تیل، کنگھی کرنا:

قال کان رسول اللہ ﷺ یکتو دھن راسه وتسریح لحيته... حضور اقدس ﷺ سر کے بالوں میں کثرت سے تیل لگاتے تھے اور داڑھی مبارک میں کنگھی فرمایا کرتے تھے۔

یکتو اکتار سے ہے واللہن مایلدھن بہ من زیت وغیرہ (مناوی ص ۱۰۲) (علامہ مناویؒ دھن کا معنی یہ لکھتے ہیں کہ جو چیز بطور تیل لگانے کے استعمال کی جائے چاہے تیل ہو یا کوئی دوسری چیز) دھن اگر دال کے فتح کے ساتھ ہو تو مصدر ہے بمعنی تیل لگانے کے اور اگر دال کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اسم جامد ہے بمعنی ”تیل“ کے تو اس وقت مضاف محذوف ہوگا ای استعمال دھن راسه (یعنی وہ لفظ استعمال ہے مطلب یہ کہ آپ ﷺ اپنے سر مبارک میں تیل زیادہ استعمال کیا کرتے تھے) مقصود عام حالات کا بیان ہے یہ نہیں کہ ہر روز اور بالاتزام ایسا کرتے تھے لہذا جن روایات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ بالاتزام کی نفی پر محمول ہے کہ استعمال دھن کو لوگ اپنے یومیہ معمول میں لازمی طور پر شریک نہ کر لیں۔ تسریح کا معنی چرانا، چھوڑ دینا، رخصت کرنا، طلاق دینا، آسان کرنا، کھول دینا جب بالوں کے ساتھ تریح آئے تو مراد کنگھی کرنا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمراد تمشیطها وارسال شعرها وحلها بمشطها (جمع ص ۱۰۲) یعنی تریح سے مراد بالوں میں کنگھی کرنا اور کنگھی سے اسے کھولنا، پھیلا نا۔ اس سلسلہ میں ملا علی قاریؒ نے متعدد احادیث بھی نقل کی ہیں۔

(۱) عن انس قال کان رسول اللہ ﷺ اذا اخذ مضجعه من اللیل وضع له سواک و طهوره ومشطه فاذا هبہ اللہ عزوجل من اللیل استاک وتوضا وامتشط (جب آپؐ رات کو آرام فرمانے کے لئے لیٹ جاتے تو آپؐ کے لئے سواک، پانی اور کنگھی تیار رکھی جاتی تھی، جب آپؐ رات کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اٹھ کھڑے ہوتے تو سواک فرماتے، وضو کرتے اور کنگھی کرتے)۔

(۲) عن عائشةؓ قالت خمس لم یکن النبی ﷺ یدعهن فی سفر ولا حضر المرأة

والمكحلة والمشط والملراء (وفی روایة وقارورة دهن بدل الملراء) والسواک  
(حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں آپؐ کے ساتھ سفر و حضر میں ہمیشہ رہتی تھیں  
آئینہ، سرمہ دانی، کنگھی، ڈھیلا۔ اور ایک روایت مدراء کے بجائے تیل کی شیشی کا ذکر ہے۔ پانچویں چیز  
مسواک۔

(۳) عن عائشةؓ قالت کان لا یفارق رسول اللہ ﷺ سواکھ ومشطه وکان ینظر فی  
المراة اذا سرح لحيته (جمع ص ۱۰۲) یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مسواک اور کنگھی ہمیشہ  
آپؐ کے ساتھ ہوتے، جب آپؐ داڑھی میں کنگھی فرماتے تو آئینہ میں دیکھتے۔

### القناع کا استعمال:

ویکثر القناع، قناع نقاب گھونگھٹ، اور ہنی دوپٹہ اور سر بند کو کہتے ہیں خروقة تلقی علی الراس  
تحت عمامة بعد استعمال الدهن وقایة للعمامة من اثر الدهن واتساخها به شبيه بقناع المرأة.  
(جمع ص ۱۰۲) (وہ کپڑا جو تیل استعمال کرنے کے بعد عمامہ کے نیچے سر پر رکھا جاتا ہے، تاکہ عمامہ  
تیل کے اثرات اور میل کچیل سے محفوظ رہے، یہ عورت کے نقاب کی طرح تھا)  
حضور اقدس ﷺ تیل لگانے کے بعد اسے کثرت سے استعمال فرماتے تھے عرب بھی عموماً گرم آب  
وہوا کی وجہ سے باہر نکلتے وقت سر پر رومال وغیرہ ڈال لیا کرتے تھے جو نیچے گردن تک ڈھانپ لیا کرتا  
تھا جس سے وہ لوگ ٹو لگنے سے محفوظ رہتے تھے حضور اقدس ﷺ سر پر کثرت سے تیل استعمال کرتے  
تو تیل لگانے کے بعد عمامہ کے نیچے کپڑے کا استعمال کا معمول تھا۔

### ثوب زیات سے تشبیہ پر اعتراض کے جوابات:

کأن ثوبه ثوب زیات. زیات، زیون کے تیل بنانے والے اور بیچنے والے کو یا مطلق تیل بنانے  
کو کہتے ہیں یعنی آپؐ کا سر مبارک پر ڈالا ہوا کپڑا تیلی کے کپڑے کی طرح تیل آلود نظر آتا تھا۔  
بظاہر اس روایت پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ تو طیب اور نظیف تھے اور حدیث میں  
اس کی تصریح ہے کہ یحب النظافة یعنی نظافت کو تو پسند ہی کرتے تھے جبکہ روایت زیر بحث میں ہے

کہ آپ کے سر کا کپڑا ثوب زیات کی طرح تیل آلود اور میلا کچھلا ہوتا تھا۔

شارحین حدیث اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

(۱) اولاً یہ روایت ہی کمزور ہے اور اس کے بعض راویوں میں کلام کیا گیا ہے۔

راویوں کے متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے اگر اس روایت کو ضعیف تسلیم کر لیا جائے پھر تو مزید جواب کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک اصول ہے کہ اگر راوی متکلم فیہ ہے یا ضعیف ہے مگر

وضاع اور کذاب نہیں ہے تو اس کی روایت کو تسلیم کر لیا جانا چاہیے اس صورت میں محدثین حضرات یہ

توجیہ کرتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ آپ کا صرف وہ رومال، جو آپ عمامے کے نیچے

باندھا کرتے تھے مراد ہے تو صرف سر کے رومال کی آلودگی سے (اور وہ بھی جو صرف پاک تیل سے

آلودہ ہو) آپ کی مجموعی نظافت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۳) رومال کے استعمال کا مقصد بھی تو نظافت تھا کہ عمامہ آلودگی سے محفوظ رہے۔

(۴) ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حدیث میں کائن ثوبہ ثوب زیات (کہ آپ کے کپڑے تیلی

کے کپڑوں جیسے ہوتے) آیا ہے مقصد یہ ہے کہ آپ کا کپڑا تیلی کے کپڑے کے ساتھ مشابہ تھا کہ

تیل لگنے سے کپڑے کا رنگ بدل جاتا تھا اور اس پر تیل کا اثر نمایاں ہوتا تھا اور کسی کپڑے پر تیل کے

اثر کے نمایاں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ میلا کچھلا بھی ہو یا اس سے کسی کی طہارت و نظافت بھی

متاثر ہو۔

(۳۳/۳) حَدَّثَنَا هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ  
مُسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَحِبُّ  
التَّيْمَنَ فِي طُهُورِهِ إِذَا تَطَهَّرَ وَفِي تَرْجُلِهِ إِذَا تَرَجَّلَ وَفِي انْتِعَالِهِ إِذَا انْتَعَلَ .

ترجمہ! ہمیں ہناد بن سری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوالاحوص نے خبر دی۔ انہوں نے یہ

روایت اشعث بن ابی الشعثاء سے اور انہوں نے اپنے باپ سے بیان کی ہے وہ مسروق سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے یہ روایت اخذ کی ہے آپؐ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنے وضو کرنے میں، کنگھی کرنے میں، جوتا پہننے میں دائیں کو مقدم رکھتے تھے یعنی پہلے دائیں جانب کنگھا کرتے پھر بائیں جانب۔

راویان حدیث (۱۲۰) ابوالاحوصؒ (۱۲۱) اشعثؒ (۱۲۲) عن ابیہ اور (۱۲۳) مسروق بن اجدع کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### تیامن کی فضیلت:

قالت ان کان رسول اللہ ﷺ لیحب التیمن کہ حضور اقدس ﷺ دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے۔ یہاں اِنْ مخففة من المثقلة ہے اس کا اسم ضمیر شان ہے جو مخذوف ہے یعنی انه لیحب، اس میں لام دلیل ہے کہ اِنْ نافیہ نہیں بلکہ مخففة ہے واللام فی قوله لیحب ہی الفارقة بین المخففة والنافیة (موہب ص ۵۱)۔ (اور لیحب خبر پر لام کا داخل ہونا یہی ان مخففة من المثقلة اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے والا ہے) تیامن کا معنی یہ ہے کہ افعال میں دائیں طرف سے شروع کیا جائے خواہ دایاں ہاتھ ہو دایاں پاؤں ہو یا دایاں جانب۔ حضور اقدس ﷺ تیامن کو پسند فرماتے تھے البتہ التیامن فیما له شرف و کرامۃ (مناوی ص ۱۰۴) یعنی قابل تعظیم چیزوں میں تیامن کو پسند فرماتے تھے۔ ابوداؤد میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ کانت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیمنی لظہوره وطعامه و کانت الیسری لخلائه وماکان من اذی (رسول اللہ ﷺ دایاں ہاتھ کھانے، پینے جیسے امور میں استعمال فرماتے تھے جبکہ بائیں ہاتھ استنجاء اور گھسیا امور میں استعمال فرماتے)۔

شیخ ابراہیم الجوریؒ فرماتے ہیں ولذا لک قال النووی قاعلة الشرع المستمرة استحباب البداءة بالیمین فی کل ماکان من باب التکریم وماکان بضده فاستحب فیہ التیاسر (موہب ص ۵۱) یعنی علامہ نوویؒ اس روایت کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ شریعت کا ہمیشہ سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ جو کام قابل

قدر ہو، اس کو دائیں ہاتھ/طرف سے شروع کرنا مستحب ہے اور جو اس کے برعکس امور ہیں تو ان کو بائیں ہاتھ/طرف سے شروع کرنا مستحب ہے

### شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی توضیح :

محدث کبیر امیر المؤمنین فی الحدیث شیخ الحدیث استاذی الکریم حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے۔ کہ چونکہ قدرتی طور پر بعض امور افعال اور اشیاء حقیر خسیس اور گھٹیا پیدا کیے گئے ہیں اور بعض شریف اور اچھے اور اعلیٰ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دائیں ہاتھ کو بائیں سے افضل بنایا ہے مقصود دائیں ہاتھ کی تکریم اور بائیں ہاتھ پر فضیلت دینا ہے جیسے قرآن میں اہل جنت کو اصحاب الیمین (دائیں ہاتھ والے) اور اہل جہنم کو اصحاب الشمال (بائیں ہاتھ والے) کہا گیا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے بھی دائیں ہاتھ کو طعام اور کھانے پینے کے لئے استعمال فرمایا اور استنجاء و نجاست اور اعضاء فاحشہ کے مس کرنے سے محفوظ رکھا۔ بائیں ہاتھ کو نجاست اور بلین کی صفائی کے لئے مقرر فرمایا بلکہ شریعت نے تو مطلق نیک اور خیر کے جملہ امور مثلاً کپڑے پہننا، مسجد میں داخل ہونا، کنگھی کرنا، روں کھانا وغیرہ میں تیامن کو تفضیل و تقدیم دی ہے اس طبعی اور خلقی اور شرعی فطرت کے پیش نظر ضرور نا ہے کہ امور شریفہ کو اعضائے شریفہ سے اور امور خسیہ کو اعضائے خسیہ سے انجام دیا جائے۔ اس کا ترک گویا ایک امر مستحبہ اور وضع الہیہ کا ترک ہے جو اساعت اور قباحہ ہے۔

(حقائق السنن ص ۱۷۳)

### اختیار تیامن کی بعض دیگر توجیہات :

شارحین نے لیحب الیمین کی بھی متعدد وجوہات لکھی ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ اسے قال نیک سمجھتے تھے کہ واصحاب الیمین اهل الجنة یؤتون کبھم بایمانہم۔ یعنی اصحاب الیمین (اہل جنت) کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے



(۲) عدل کا تقاضا ہے جو چیز جس کام کے لئے بنی ہے اسے اسی کام میں استعمال کیا جائے۔  
 دایاں ہاتھ اس کا مقتضی ہے کہ اسے کارخیر اور شرافت کے کاموں میں اور تزیین و جمال کے کاموں میں  
 استعمال کیا جائے اور بائیں ہاتھ کو نظافت، صفائی اور استنجی میں استعمال کیا جائے ورنہ ظلم ہوگا اور ظلم  
 وضع الشئی فی غیر موضعه (کسی چیز کو اس کی اصل جگہ اور مقام میں استعمال نہ کرنے) کو کہتے ہیں  
 (۳) امام بخاریؒ نے اپنی روایت میں ما استطاع (جتنی قدرت ہو) کا اضافہ کیا ہے یہ اس امر  
 پر تنبیہ ہے کہ تیامن پر محافظت اور مداومت تب تک مطلوب ہے جب تک کوئی مانع نہ ہو فنبہ علی  
 المحافظة علی ذلک مالم یمنع مانع (جمع ص ۱۰۴) یعنی تیامن پر مواظبت اس وقت تک  
 ہے جب تک کہ کوئی مانع نہ ہو۔

### عمل تیامن میں وسعت:

فی طہورہ اذا تطہر وفي ترجلہ اذا ترجل وفي انتعالہ اذا تنعل یعنی تیامن کو پسند فرماتے،  
 طہارت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طہارت فرماتے اور کنگھی کرنے میں جب آپ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کنگھی کرتے اور جوتا پہننے میں جب آپؐ جوتا پہنتے۔

اذا تطہر ای وقت اشتغاله بالطہارة وهي اعم من الوضوء والغسل. وانما اتی بذلک لیدل  
 علی تکرار المحبة بتکرار الطہارة (مواہب ص ۵۱) یعنی طہارت میں مشغول ہونے کے وقت،  
 طہارت کا لفظ وضو اور غسل کو عام ہے اور طہارت کا صیغہ مکرر لائے، اس کی پسندیدہ عمل ہونے پر  
 دلالت کرنے کے لئے واذا فی الحدیث لمجرد الظرفیة والمعنی فی وقت اشتغاله بالطہارة  
 وهو شامل للوضوء والغسل والتیمم (جمع ص ۱۰۴) (حدیث میں ”اذا“ کا لفظ صرف ظرفیت  
 کے لئے ہے اور معنی یہ ہے کہ طہارت میں مشغول ہونے کے وقت آپؐ دایاں ہاتھ استعمال فرماتے  
 اور طہارت کا لفظ وضو، غسل، تیمم کو بھی شامل ہے)

حضور اقدس ﷺ کے تیامن کا معمول ان تین امور میں محدود نہیں تھا بلکہ ہر وہ چیز جو شرف و تکریم کی  
 ہوتی اس میں تیامن کو پسند فرماتے اور جو موجب اہانت ہوتی وہاں یسار اختیار فرماتے جیسا کہ صحیحین

میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔ عن عائشة قالت كان النبي ﷺ يعجبه التيمّن في تنعله وترجله وفي طهوره وفي شأنه كله (جمع ص ۱۰۴) (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو دائیں سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا جوتے پہننے میں، کنگھی دینے میں، طہارت کرنے میں اور سب (قابل تعظیم) چیزوں میں)

### ملا علی قاریؒ کی توضیح :

ملا علی قاریؒ نے اس موقع پر تسہیل اور تفصیل سے مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے چنانچہ لکھتے ہیں بل المراد انه كان يحب التيمّن في هذه الاشياء وامثالها مما هو من باب التكريم كالاخذوا لعلاء ودخول المسجد والبيت وحلق الراس وقص الشارب وتقليم الظفر ونفّ الابط والاكحال والاضطجاع والاكل والشرب والاستياك بالنسبة الى الفم واليد جميعاً بخلاف ما لا شرف فيه كخروج المسجد ودخول الخلاء واخذ النعل ونحو ذلك فانه باليسار كرامة لليمين ايضاً (جمع ص ۱۰۴) (مراد یہ ہے کہ ان اشیاء اور ان جیسی چیزوں میں تیامن کو پسند فرماتے تھے جو قابل تکریم ہوتی تھیں جیسے لیٹنا دینا، مسجد اور گھر میں داخل ہونے کے وقت، سر کے حلق کے وقت، مونچھیں کتروانے کے وقت، ناخن کاٹنے کے وقت، بغل کے بال اکھیڑتے وقت، سرمہ لگاتے وقت، بستر پر لیٹنے کے وقت، کھانے پینے کے وقت اور مسواک کرنے میں منہ اور ہاتھ دونوں میں تیامن اختیار فرماتے البتہ جن چیزوں میں کوئی شرف نہیں ہے مثلاً مسجد سے نکلنا، بیت الخلاء میں داخل ہونا، جوتے اٹھانا اور ان جیسے امور میں بائیں طرف کو اختیار کرتے ان میں دائیں ہاتھ کی کرامت مقصود تھی)۔

(۳۴/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرْجُلِ إِلَّا غَبَاً . . . ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا۔ اُن کو خبر دی تھی کہ بن سعید نے ہشام بن حسان کے حوالے سے۔ انہوں نے یہ روایت حسن بصری سے اور انہوں نے صحابی رسول عبد اللہ بن مغفلؓ سے نقل کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کنگھی کرنے کو منع فرماتے تھے مگر گاہے گاہے۔

راویان حدیث (۱۲۳) یحییٰ بن سعید (۱۲۵) ہشام بن حسان (۱۲۶) حسن بصری (۱۲۷) حضرت عبداللہ بن مغفل کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### تدہین و تسریح میں وقفہ:

قال نہی ... کہ حضور اقدس ﷺ نے متواتر کنگھی کرنے سے منع فرمایا مگر گاہے گاہے یا ایک روز کے وقفہ سے۔۔۔ بہر حال بار بار کنگھی کرنا تکلف ہے اور کنگھی لے کر بیٹھ جانا کارِ عبث ہے غباء کا معنی وقتاً بعد وقت (جمع ص ۱۰۷) (وقفہ وقفہ سے) ہے اصل میں غباء اونٹوں کو ایک روز چھوڑ کر دوسرے روز پانی پلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے پھر کسی کام کے ایک وقت کرنے دوسرے وقت ترک کر دینے، ایک روز انجام دینے اور دوسرے روز چھوڑ دینے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ اصلہ ورود الابل الماء یوماً وترکہ یوماً ثم استعمل فی فعلہ حیناً وترکہ حیناً فی فعلہ یوماً ویترکہ یوماً (مناوی ص ۱۰۷)

جیسا کہ حدیث میں زرغباً تزدد حباً (وقفہ وقفہ سے ملاقات کیا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے) سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔ حضور اقدسؐ نے ہمیشہ اور متواتر تدہین (تیل لگانے) اور تسریح شعر (کنگھی کرنے) سے منع فرمایا ہے۔

لان مواظبتہ تشعر بشدة الامعان فی الزينة والترفة وذلك شان النساء. (مواہب ص ۵۲) (اس لئے کہ اس پر مواظبت آرائش و زیبائش میں انہماک کی علامت ہے جو عورتوں کی عادت ہوتی ہے)

### ابن عربیؒ کا ارشاد :

ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ تیل کنگھی میں موالات اور متواتر تصنع ہے اس کا قطعاً چھوڑ دینا تدنس (میل کچیل کا جمع ہونا) اور کبھی ترک کبھی اختیار یعنی اغیاب سنت ہے۔ موالاتہ تصنع وترکہ تدنس

واغیابہ سنة (مناوی ص ۱۰۷)

## شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کا ارشاد:

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں کہ ممانعت تب ہے جب کوئی ضرورت اس کی مقتضی نہ ہو ورنہ کچھ مضائقہ نہیں ہے یہ ممانعت بطور کراہت تنزیہی کے ہے اور اس کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب بالوں میں پراگندگی نہ ہو، پراگندگی کی صورت میں روزانہ کنگھی کرنا مکروہ نہیں ہے (خصائل)

(۳۵/۵) جَلَّئْنَا الْحَسَنَ بْنَ عُرْفَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ الْأَوْدِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَرَجَّلُ عَبًا ..

ترجمہ! ہمیں حسن بن عرفہ نے بیان کیا انہیں عبدالسلام بن حرب نے بیان کیا۔ انہوں نے یزید بن ابی خالد سے اور انہوں نے ابو العلاء اودی سے یہ روایت نقل کی۔ انہوں نے یہ روایت حمید بن عبدالرحمن سے اخذ کی اور وہ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گاہے گاہے کنگھی کیا کرتے تھے۔

راویان حدیث (۱۲۸) حسن بن عرفہ (۱۲۹) عبدالسلام بن حرب (۱۳۰) یزید بن ابی خالد (۱۳۱) ابو العلاء الاودی (۱۳۲) اور حمید بن عبدالرحمن کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## جب سند میں صحابی مجہول ہو:

عن رجل ! رجل سے مراد صحابی رسول ہیں بعض حضرات نے کہا کہ وہ حکم بن عمرو ہیں بعض نے کہا عبداللہ بن سرجس ہیں بعض نے کہا ابن مغفل ہیں۔

روایت کی سند میں صحابی کا نام نہیں ہے لہذا یہ روایت بھی مجہول شمار ہوگی تاہم حضرات محدثین کا اصول ہے کہ اگر صحابی سے نیچے والا کوئی راوی مجہول ہے تو روایت کا حکم بھی مجہول کا ہوگا اور

اگر کسی صحابی کا نام نہیں ہوگا اور اس سے روایت ہوگی تو یہ روایت معتبر ہوگی اور صحابی کا نام مجہول ہونے کے باوجود مجہول راوی کا حکم نہیں لگایا جائے گا روایت ثقہ تسلیم ہوگی کہ سب صحابہ عدول ہیں اور ان سے کسی غلط بیانی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ علماء محدثین فرماتے ہیں وابہام الصحابی لا یضر لان کلہم عدول (مناوی ص ۱۰۷) یعنی روایت میں صحابی کا مبہم ہونا مضرت نہیں، اس لئے کہ سارے صحابہ عادل تھے۔

### کنگھی کرنے میں سنت طریقہ:

ان النبی ﷺ کان یترجل غباء ای کانت عادته انه لا یبالغ فی الترجل بل یفعله یوماً ویتبرکہ یوماً (مناوی ص ۱۰۸) یعنی نبی کریم ﷺ کنگھی کرنے میں مبالغہ نہیں کرتے بلکہ ایک دن کنگھی فرماتے اور ایک دن چھوڑ دیتے۔ وفی رواية النسائی عن حمید بن عبد الرحمن قال لقیتم رجلاً صاحب النبی ﷺ کما صحبه ابوہریرۃ اربع سنین قال نہانا رسول اللہ ﷺ ان یمتشط احلنا کل یوم (جمع ص ۱۰۷) (نسائی میں حمید بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ میری ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو آپ کی صحبت میں اس طرح رہا تھا جیسا کہ ابوہریرہؓ، وہ شخص کہنے لگا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ہم ہر روز کنگھی کریں) خلاصہ یہ کہ ہر روز کنگھی کرنے کے بجائے درمیان میں وقفہ بھی کیا جائے۔

=====

## بَابُ مَا جَاءَ فِي شَيْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور اقدس ﷺ کے سفید بالوں کے آجانے کے بیان میں

اس باب میں مصنف نے آٹھ (۸) حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ای باب ماجاء فی الاخبار الواردة فی تحقیق شبیہ (مناوی ص ۱۰۸) (یعنی باب ان احادیث کے متعلق جو آپ ﷺ کے شب (بالوں کی سفیدی) کے بارے میں وارد ہوئی ہیں) موضوع ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے بیان یہ کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر ہوئے تھے یا نہیں؟ سر اور داڑھی کے بالوں میں سفیدی آئی تھی یا نہیں؟ اور اگر آئی تھی تو کس قدر؟ کیا آپ نے ان میں خضاب لگایا تھا؟ اور ان مبارک بالوں کی سفیدی خوف خدا کی وجہ سے تھی، اس باب میں ان باتوں کی تفصیل ہے۔ -

### شيب کا معنی اور آثار:

الشيب اور الشيبة دونوں مصدر ہیں وهو ابيضاض الشعر الاسود ويطلق على الشعر الابيض يقال رجل اشيب والمشيب الدخول في حد الشيب (اتحافات ص ۷۶) یعنی الشيب کا مطلب کالے بالوں کا سفید ہونا، یہ لفظ سفید بالوں پر بولا جاتا ہے، کہا جاتا ہے سفید بالوں والا مرد اور مشيب بڑھاپے کی عمر میں داخل ہونے کو کہتے ہیں۔ ويؤخذ من القاموس انه يطلق على بياض الشعر وعلى شعر الابيض (موہب ص ۵۳) (اور قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ شيب کا اطلاق بالوں کے سفید ہونے پر اور سفید بالوں پر ہوتا ہے)

باب شيب کو باب الشعر کے بعد لائے لانہ من عوارضہ (جمع ص ۱۰۸) (اس لئے کہ سفیدی بالوں کے عوارض میں سے ہے)

اور ترجل کے بعد لائے لان الترجل عمل یقتدی بہ فیہ (مواہب ص ۵۳) (اس لئے کہ ترجل (کنگھی کرنا) ایسا عمل ہے جو بالوں ہی میں ہوگا) و آخر المصنف الشیب عن الترجل لان الترجل سنة (تحافات ص ۷۶) یعنی مصنف نے شیب (سفید بالوں) کا بیان ”باب الترجل“ سے مؤخر کیا اس لئے کہ ترجل (کنگھی کرنا) سنت ہے۔

شیب کا لغوی معنی بالوں کی سفیدی ہے جو بڑھاپے کے آثار میں سے ہے ویسے جب بڑھاپے کے آثار شروع ہو جائیں تو ہر ایک چیز کا اپنا نام ہے بدن میں ضعف آجائے تو هرم کہلاتا ہے بالوں میں سفیدی آجائے تو شیب ہے دماغ میں خلل پڑ جائے تو خرف ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں والمتحصل من الروایات أن شیبه رحمہ اللہ كان في ثلاثة مواضع في مفرق رأسه وفي الصدغين وفي العنقفة وهي ما بين النقرة والشفة السفلى (تحافات ص ۷۶) یعنی شیب سے متعلق روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ کے سفید بال تین مقامات پر تھے۔

۱۔ سر کے جس حصہ میں مانگ نکالی جاتی ہے

۲۔ کنپٹیوں پر

۳۔ ریش بچہ میں، جو ٹھوڑی اور نیچے ہونٹ کے درمیان میں ہوتا ہے

اسی پر علماء امت کا اتفاق ہے علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے سر اقدس اور داڑھی مبارک میں کل سترہ یا اٹھارہ سفید بال تھے۔

موئے مبارک اور حضرت ام سلمہؓ کا معمول :

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال، متبرک اور مبارک تھے تبرک اور حصول برکات کے لئے صحابہ کرامؓ اور امہات المؤمنینؓ اسے اپنے پاس رکھتے تھے۔

بخاری شریف اور مشکوٰۃ میں ہے حضرت عثمان بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میری بیوی نے مجھ کو پانی کا پیالہ دے کر ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا اور اس کا یہ عام معمول بھی تھا کہ جب کبھی کسی کو نظر لگتی یا کوئی مریض ہوتا تو میری اہلیہ برتن میں پانی ڈال کر حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیج دیا کرتی

کیونکہ ان کے پاس آپؐ کا موئے مبارک تھا فأخرجت من شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت تمسكه في جليل من فضة فخصخصته له فشرب منه تو حضور اقدس ﷺ کے موئے مبارک کو نکال لیتیں جو چاندی کی تلی میں رکھا ہوا ہوتا تھا اور پانی ڈال کر وہ پانی پلا دیتیں تھیں مریض وہ پانی پی لیتا جس سے اس کو شفا حاصل ہو جایا کرتی تھی۔ (مشکوٰۃ ص ۳۹۱)

### صحابہ کرامؓ کی موئے مبارک سے محبت :

صحابہ کرامؓ کو حضور اقدس ﷺ کے بالوں سے کتنی محبت تھی، کس حد تک عشق تھا مسلم شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے رأیت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم والحلاق يحلقه وطاف به أصحابه فمنا يريدون أن تقع شعرة إلا في يد رجل کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ جام آپؐ کے سر مبارک کے بال بٹا رہا تھا اور صحابہ کرامؓ آپؐ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے وہ یہی چاہتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کا جو بال بھی گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو۔

اسی طرح بخاری شریف میں حضرت ابن سیرینؒ سے روایت ہے قلت لعبيدة عندنا من شعر النبي صلى الله عليه وسلم أصبناه من قبل أنس ومن قبل أهل أنس فقال لأن تكون عندى شعرة منه أحب إلي من الدنيا وما فيها یعنی میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس حضور اقدس ﷺ کے کچھ موئے مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انسؓ یا اہل انسؓ سے پہنچے ہیں تو عبیدہ نے فرمایا میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا دنیا و ما فیہا سے محبوب تر ہے۔

(صحیح البخاری جلد اول ص ۲۹۔ نور محمد اصح المطابع دہلی)

(۳۶/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَنْسِ بْنِ مَالِكٍ هَلْ خَصَصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يُلْغِ ذَلِكَ إِنَّمَا كَانَ شَيْئًا فَنِي صُدَّغِيهِ وَلَكِنْ أَبُو بَكْرٍ خَصَصَ بِالْحِجَاءِ وَالْكَتَمِ ..

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا۔ اُن کو ابو داؤد نے خبر دی۔ انہوں نے ہمام سے اور ہمام نے قتادہ



سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ خضاب کیا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کے بالوں کی سفیدی اس مقدار ہی کو نہ پہنچی تھی کہ خضاب کی نوبت آتی۔ سفیدی حضور اقدس ﷺ کے صرف دونوں کپٹیوں میں تھوڑی سی تھی البتہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کتم سے خضاب فرمایا کرتے تھے۔

راویان حدیث (۱۳۳) ابوداؤد الطیالسیؒ اور (۱۳۴) ہام بن یحییٰ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### کیا حضور اقدس ﷺ نے خضاب لگایا تھا:

قال قلت لانس بن مالک هل خضب رسول الله صلى الله عليه وسلم - قتاده کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے دریافت کیا رسول اللہ ﷺ نے خضاب لگایا تھا؟ هل غير بياض رأسه ولحيته ولونه بالحناء ونحوه لأن الخضب كالخضاب بمعنى تلوين الشعر بحمرة (مواهب ص ۵۳) (کیا آپؐ نے سر اور داڑھی کے سفید بال اور اس کا رنگ مہندی وغیرہ سے تبدیل کیا تھا، کہ ”خضب“ کا لفظ خضاب کی طرح ہے بمعنی بالوں کو سرخی سے رنگنا)

یہ لفظ خَضَبَ (ضرب) کے باب سے ہے مصدر خَضَباً ہے یعنی سفید بالوں کو رنگ دینا۔ پہلے زمانے میں مہندی یا دسمہ سے رنگ دیا کرتے تھے اور کتم نامی ایک بوٹی سے بھی رنگ دیا جاتا تھا۔

### یبلغ میں ضمیر کا مرجع:

قال لم يبلغ ذلك، فرمایا اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی (۱) یبلغ میں فاعل کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راجع ہے فالضمیر فی یبلغ راجع للنبی صلی اللہ علیہ وسلم كما قاله بعض الشراح وهو الظاهر (مواہب ص ۵۳) (یبلغ کی مستتر ضمیر کا مرجع حضور ﷺ ہیں جیسے کہ بعض شارحین نے یہی کہا ہے اور بظاہر یہی مراد ہے)

(۲) ضمیر فاعل شعر کی طرف راجع ہے کیونکہ خَضَبَ کا مفعول شعر محذوف ہے والمحذوف

کالملفوظ (اور محذوف کا حکم ملفوظ جیسا ہوتا ہے)

(۳) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں و يجوز أن يكون الضمير المستكن راجعاً الى الشيب المذكور حكماً بقريّة خضب اى مابلغ شيبه ذلك مبلغاً يحتاج إلى الخضاب (جمع ص ۱۰۸) یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (یبلغ میں) ضمیر مستتر شیب کی طرف راجع ہو، جو کہ خضب کے قرینہ سے حکماً مذکور ہے (اب معنی یہ ہوگا کہ) آنحضرت ﷺ کے بالوں کی سفیدی اس مقدار ہی کو نہ پہنچی تھی کہ خضاب کی نوبت آتی۔

### صُدغین میں سفیدی:

إنما كان شيئاً في صُدغيه چونکہ صرف آپؐ پر کچھ سفیدی آئی تھی اور ان کی بھی صورت یہ تھی کہ ان چند گئے پُنے بالوں پر خضاب کی ضرورت ہی نہ تھی تو ظاہر ہے کہ آپؐ جب بھی ان بالوں پر تیل لگاتے تو وہ اوجھل ہو جاتے تھے اور اگر تیل نہ لگاتے تو پھر ظاہر ہوتے۔ وکان إذا دهن لم يتبين فان لم يلهن تبين (جمع ص ۱۰۹)

کان میں ضمیر شیب کی طرف راجع ہے قرینہ یہی ہے کہ خضاب شیب پر کیا جاتا ہے اُی إنما کان شيبه صلى الله عليه وسلم شيئاً قليلاً یعنی آپؐ کے بالوں میں سفیدی تھوڑی سی تھی اور بعض منخوں میں شینا کی جگہ شیباً نقل ہوا ہے۔

صُدغیہ یعنی کنپٹیاں، آنکھ اور کان کے درمیان کی جگہ کو صُدغ کہتے ہیں صُدغیہ تشبیہ صُدغ (بالضم) وهو ما بین لحاظ العين إلى أصل الأذن (مواہب ص ۵۳) صُدغیہ کا لفظ صُدغ کا تشبیہ ہے اس کا معنی وہ جگہ جو آنکھ کے گوشہ اور کان کی جڑ کے درمیان ہو (جو بال یہاں لٹکے ہوں اُن کو بھی صُدغ کہتے ہیں وهو من باب إطلاق المحل وإرادة الحال (جمع ص ۱۰۸) (یہ محل بول کر حال مراد لینے کے قبیل سے ہے) تو گویا یہاں صُدغ محل کا ذکر ہے اور مراد حال (اسی جگہ کے بال) ہیں۔

## صُدغین میں حصر کیوں؟

اس روایت میں تصریح بلکہ کلمہ إنما کے ساتھ حصر ہے کہ بیاض صرف صُدغین میں تھا جبکہ بخاری کی روایت میں ہے أن البیاض کان فی عنقته کہ ریش بچہ میں سفید بال تھے۔ اسی طرح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کان فی لحيته شعرات بیض یعنی داڑھی میں کچھ سفید بال تھے۔ صاحب مواہب نے تصریح کی ہے إنما کان البیاض فی عنقته وفي الصدغین وفي الرأس نبذ متفرقة (مواہب ص ۵۳) یعنی متفرق طور پر تھوڑے تھوڑے بال ریش بچہ، کنٹیوں اور سر مبارک میں تھے۔ سوال یہ ہے کہ روایت باب میں کلمہ إنما کا حصر کیوں کر درست قرار پائے گا۔

شارعین حدیث جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

(۱) چونکہ زیادہ سفید بال صُدغین پر تھے تو انحصار ان کے اعتبار سے ہوا۔ لحيہ (داڑھی) اور رأس (سر) کے اعتبار سے نہ ہوا۔

(۲) ولعل الحصر فی هذه الرواية اضافی فلا ینافی ما فی البخاری (مواہب ص ۵۳) (یہ احتمال بھی ہے کہ اس روایت میں حصر اضافی ہو، پس یہ بخاری کی روایت کے منافی نہیں ہے)۔

## خضاب کی نفی و اثبات، تعارض کا جواب:

حضرت انسؓ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں لگایا جبکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ حناء کے ساتھ خضاب کیا کرتے تھے جیسا کہ آئندہ باب الخضاب میں اس کی تفصیل آرہی ہے، محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ

(۱) حضرت انسؓ کی مراد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں اس قدر سفیدی نہیں تھی کہ خضاب کا احتیاج ہوتا ہو لاینافی الخضاب (جمع ص ۱۰۹) (اور یہ خضاب کرنے کے منافی نہیں) اسی توجیہ سے ابن حجرؒ کی اس توجیہ کا بھی دفعیہ ہو جاتا ہے کہ لم یخضب إنما قاله بحسب علمه (آپ ﷺ نے خضاب نہیں کیا بلکہ (حضرت انسؓ) نے اپنے علم کے مطابق یہ بات کہی تھی)

کیونکہ حضرت انسؓ سے خضاب کے نفی ہرگز مناسب نہیں جبکہ وہ تو حضور اقدس ﷺ کے خادم خاص آپ کے ساتھ لازم اور مخلص خدمت گزار تھے ان سے یہ بات بعید ہے کہ حضور اقدس ﷺ خضاب جیسا واضح عمل کرتے ہوں اور انہیں علم نہ ہو۔

(۲) صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصبغ بالصفرة یعنی میں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ زرد رنگ کی مہندی لگا رہے تھے۔

محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ یمحتمل أنه صبغ تلك الشعرات القليلة في حين من الاوقات وترکہ فی معظم الاوقات فاخبر کل بما رأی وکلاهما صادق یعنی یہ احتمال بھی ہے کہ بعض اوقات آپؐ نے ان تھوڑے سے سفید بالوں میں مہندی لگائی ہو اور اکثر اوقات اس کو ترک کیا ہو تو ہر راوی نے جس طرح دیکھا، اسی طرح خبر دی اور ہر ایک راوی اپنی جگہ پر درست ہے لہذا نفی ایک وقت کے اعتبار سے ہے اور اثبات دوسرے وقت کے اعتبار سے ہے کیونکہ خضاب ہمیشہ نہیں رہتا۔

(۳) بعض حضرات اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ تو صلاحیت کی نفی کر رہے ہیں وہ تو لم يبلغ کی تصریح کرتے ہیں تو محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ نفی ان بالوں کے اعتبار سے ہے جن میں صلاحیت نہیں تھی اور اثبات ان بالوں کے اعتبار سے ہے جن میں خضاب کی صلاحیت تھی (۴) ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ابھی چونکہ چند بالوں میں شیب کا اثر ہوا تھا لہذا القلیل کا لمعلوم (قلیل تھوڑا) معدوم (نہ ہونے) کے حکم میں ہوتا ہے (کی وجہ سے نفی کی گئی)۔

(۵) ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جس نے خضاب کی نفی کی ہے مراد بصفة الدوام والأغلیبة (اکثر اور غالب اوقات مہندی لگانے کی) ہے جس نے اثبات کیا ہے وہ بطریق الندرة (کبھی کبھار) کے ہے لہذا دونوں میں تعارض اور منافاة نہیں رہا۔

(۶) حضرت انسؓ کی نفی اس وجہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب بوجہ کثرت شیب کے استعمال نہیں کیا جیسا کہ ابو بکر صدیقؓ نے کثرت شیب کی وجہ سے استعمال کیا کیونکہ وہ اس عمر تک

پہنچ چکے تھے گویا مطلق خضاب کی نفی نہیں ہے۔

### خضاب کی جائز اور ناجائز صورتیں:

ولكن ابوبكر خضب بالحناء والکتم لیکن حضرت ابو بکر نے مہندی اور کتم کے ساتھ بالوں کا خضاب کیا ہے۔ مہندی تو مروج ہے سب جانتے ہیں کہ اس کے استعمال سے ہاتھ اور بال سرخ ہو جاتے ہیں اور کتم ایک بوٹی ہے جس کا رنگ سبزی مائل ہوتا ہے اسی کو وسمہ کہتے ہیں اگر اس کے پتوں کو رگڑ کر مہندی کے ساتھ ملایا جائے تو بال نہایت سیاہ ہو جاتے ہیں چونکہ شرعاً سیاہ خضاب کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اسلئے بالحناء والکتم میں واؤ بمعنی او کے ہے یا واؤ مطلق جمع کے لئے ہے کہ حناء اور کتم دونوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ خضاب کرنے کی اجازت ہے، استعمال میں جمع مراد نہیں۔ معنی السحیث انه خضب بكل منهما منفرداً عن الآخر لأن الخضاب بهما معاً يجعل الشعر أسود وقد صح النهی عن السواد فالمراد أنه خضب بالحناء تارة وبالکتم تارة (مواہب ص ۵۴) (حدیث شریف کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہر ایک (مہندی اور کتم) کے ساتھ علیحدہ علیحدہ خضاب کیا اس لئے کہ ہر دونوں کے ساتھ یکجا خضاب کرنا بالوں کو بالکل سیاہ کر دیتا ہے اور حضور ﷺ سے سیاہ خضاب کے متعلق نہی منقول ہے تو گویا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے کبھی تو صرف مہندی کا خضاب استعمال کیا اور کبھی صرف کتم (بوٹی) کا) یہ تفصیل اور حکم تب ہے جب دونوں کے یکجا کرنے اور ملانے سے بال خالص سیاہ ہو جائیں جو حضرات دونوں کے یکجا استعمال سے اس کی قطعی سوادیت (یعنی سیاہ ہونے) کا تجربہ رکھتے ہیں ان کے تجربہ کی روشنی میں دونوں کا یکجا استعمال ممنوع ہے۔

(۲) بعض حضرات کا تجربہ اور رائے یہ ہے کہ ان ہردو کے ملانے سے خالص سیاہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ حرۃ وسواد کا مجموعہ ہوتا ہے یعنی سیاہی ہوتی ہے مگر مائل بہ سرخی۔

فباستعما لهما معاً یوجب بین السواد والحرمة وعليه فلا مانع من الخضاب بهما معاً (مواہب ص ۵۴) (ان دونوں کا یکجا استعمال کرنا سرخی اور سفیدی کی درمیانی کیفیت پیدا کرتی ہے اگر ایسا ہو تو پھر ہر دونوں کا یکجا استعمال کرنا ممنوع نہ ہوگا)

## شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کا ارشاد:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سیاہ ہوتا ہے اور مہندی اس کے ساتھ ملا کر سرخ ہوتا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سبز ہوتا ہے اور مہندی اس کے ساتھ ملا کر مائل بہ سیاہی ہو جاتا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے اگر غلبہ کتم کا ہوتا ہے تو خضاب سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر غلبہ مہندی کا ہوتا ہے تو سرخ۔ الغرض خضاب دونوں سے جائز ہے مگر سیاہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ خالص سیاہ خضاب کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے۔ (خصائل)

(۳۷/۲) حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا عَدَدْتُ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَحِيَّتِهِ إِلَّا أَرْبَعَ عَشْرَةَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ ..

ترجمہ! ہمیں اسحق بن منصور اور یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبد الرزاق نے معمر کے حوالے سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ثابت سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں (۱۴) چودہ سے زائد بال نہیں گنے۔

راویان حدیث (۱۳۵) اسحق بن منصور (۱۳۶) یحییٰ بن موسیٰ اور (۱۳۷) عبد الرزاق کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں

## سفید بالوں کی تعداد میں اختلاف اور تطبیق:

قال ماعدت ... گویا حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میری گنتی و شمار کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور داڑھی مبارک میں سفید بالوں کی تعداد چودہ (۱۴) سے زیادہ نہ تھی۔

اس حدیث میں چودہ (۱۴) سفید بالوں کا ذکر ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں نحواً من عشرين شعرةً بیضاء یعنی بیس کے قریب آیا ہے بعض روایات میں سترہ (۱۷) اور بعض میں اٹھارہ (۱۸) کی تصریح ہے۔ محدثین اور شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ

(۱) یہ کوئی ایسا اختلاف نہیں جس کا اعتبار کیا جاسکے۔ مختلف احادیث میں محدثین نے یوں تطبیق کی ہے کہ مختلف اوقات میں دیکھنے والوں نے اپنے اپنے مشاہدہ کے مطابق مختلف خبر دی ہے حضرت انسؓ نے پہلے پہل جو بال دیکھے ان کا ذکر کر دیا اور جب آخر میں کچھ زیادہ یعنی سترہ (۱۷) دیکھے پھر انہی کا ذکر کر دیا۔

(۲) اربع عشرة پر نحواً من عشرين (چودہ پر بیس کے قریب ہونا) بھی صادق آتا ہے لکونہا اکثر من نصفها (مواہب ص ۵۴) (اس لئے کہ چودہ بیس کے نصف سے زائد ہیں)

(۳) پہلے بھی یہی عرض کیا کہ اربع عشرة (چودہ) ایک وقت کی حالت ہے اور نحواً من عشرين - (بیس کے قریب) دوسرے وقت کی حالت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ گنتے والے سے کوئی بال شمار میں رہ گیا ہو۔

(۳۸/۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَسْأَلُ عَنْ شَيْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ إِذَا ائْتَهُنَّ رَأَسَهُ لَمْ يَوْمَنْهُ شَيْبٌ وَإِذَا لَمْ يَلْهُنَّ رَأَى مِنْهُ .

ترجمہ! ہمیں محمد بن ثنی نے بیان کیا، اُن کو ابو داؤد نے اور اُن کو خبر دی شعبہ نے سماک بن حرب کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ جابر بن سمرہؓ سے کسی نے حضور اقدس ﷺ کے سفید بالوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب حضور اقدس ﷺ تیل کا استعمال فرماتے تھے تو وہ محسوس نہیں ہوتے تھے ورنہ کچھ سفیدی کہیں کہیں محسوس ہوتی تھی۔

## نحوی بحث:

فقہال کما اذا اذہن ... (۱) اگر دھن بغیر ہمزہ کے ہو تو باب ضرب سے متعدی ہے اور اگر ہمزہ کے ساتھ ہو تو باب افعال سے ماضی ہے اور رأسہ مفعول بہ ہے۔

(۲) یا اذہن افعال اور افعال سے ماضی مجہول ہے اس صورت میں دال مشدّد ہے اور رأسہ نائب فاعل بن کر مرفوع پڑھا جائے گا۔

(۳) اگر رأسہ اس صورت میں بھی (جب اذہن افعال یا افعال سے ماضی مجہول ہو) منصوب پڑھا جائے تو یہ منصوب بنزع الخافض ہوگا ای فی رأسہ۔ (یعنی اصل میں اذہن فی رأسہ تھا لفظ فی کو دور کر کے رأسہ کو نصب دیا گیا) یا تمیز بے گاجیے کہ الا من سفہ نفسہ ای نفساً (میں نفسہ منصوب بنا بر تمیز کے ہے یعنی الا من سفہ نفساً ہے) یعنی اذا اذہن شیئاً الخ (یعنی یہ بھی دراصل اذہن شیئاً ہوگا)

(۴) لم یر منہ شیب میں ضمیر مجرور منہ کا مرجع یا شعر رأسہ (آپ کے سر کے بال) ہے جو ما قبل سے مفہوم ہے یا منہ کا مرجع دھن ہے جو اذہن سے مفہوم ہے تو اس صورت میں من اجلہ ہوگا کہ عدم رؤیت شیب (سفید بالوں کا نہ دکھائی دینا) بوجہ استعمال دھن (تیل) کے تھی کہ اس سے چمک آجاتی تھی۔

## سفید بال بہت کم تھے:

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے مقصد یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سر کے بالوں میں تیل لگاتے تھے تو وہ چمک اٹھتے پھر وہ چند سفید بال دکھائی نہ دیتے لالتباس البیاض بسریق الشعر من الدھن (مواہب ص ۵۴) (سفید بالوں کا تیل لگے ہوئے بالوں کے ساتھ التباس کی وجہ سے) یا تیل لگانے کے بعد کنگھی کرنے سے دیگر بالوں کی تہوں میں سفید بال چھپ جاتے اسلئے کہ وہ بہت کم تھے۔ مقصد یہ بتانا ہے کہ آپ کے سفید بالوں کی تعداد بہت کم تھی۔

ووقع فی رواۃ مسلم والنسائی عن جابر ایضاً کان رسول اللہ ﷺ قد شط مقلّم رأسہ ولحیتہ



وكان اذا ادهن لم يتبين واذا شعث رأسه تبين قال الطيبى شعث اى تفرق شعر رأسه فربما هذا على انه عند الادهان كان يجمع شعر رأسه ويضم بعضه الى بعض وكانت الشعرات البصر من قلتها لا تبين فاذا شعث رأسه ظهرت (جمع ۱۱۲) (مسلم اور نسائی) کی روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ نے سر اور داڑھی کے سامنے والے حصے میں کنگھی کی تھی، جب آپؐ سر میں تیل لگاتے تو سفید بال واضح نہ ہوتے اور جب سر کے بالوں کو الگ الگ کرتے تو وہ ظاہر ہو جاتے۔ بقول طیبیؒ کے، شعث کے معنی سر کے بالوں کو الگ الگ کرنا تو اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تیل لگاتے وقت آپؐ سر کے بالوں کو اکٹھا کرتے تو سر کے سفید بال قلت کی وجہ سے ظاہر نہ ہوتے اور جب سر کے بالوں کو کنگھی سے الگ کرتے تو وہ سفید بال بھی ظاہر ہو جاتے۔

(۳۹/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ وَبْنُ الْوَلِيدِ الْكِنْدِيُّ الْكُوفِيُّ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ شَرِيكَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ شَيْبُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ اِمْنِ عَشْرَيْنِ شَعْرَةً بَيْضَاءَ ..

ترجمہ! محمد بن عمرو بن ولید کنذی کوفی نے بیان کیا۔ لکن کو خبر دی تھی بن آدم نے شریک کے حوالے سے۔ ان کو یہ روایت عبید اللہ بن عمر سے پہنچی جنہوں نے یہ روایت نافع سے نقل کی اور نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔

راویان حدیث (۱۳۸) محمد بن عمرؓ (۱۳۹) یحییٰ بن آدمؓ (۱۴۰) شریکؓ (۱۴۱) عبید اللہ بن عمرؓ (۱۴۲) نافعؓ اور (۱۴۳) عبد اللہ بن عمرؓ (۱۴۴) عاصم بن عمر کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### قلت شیب کی ایک توجیہ:

قال انما كان شيب رسول الله صلى الله عليه وسلم نحواً ... اى قريباً منها (مواهب ص ۵۵) اور یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ یہ روایت حضرت انسؓ کی روایت کے مخالف نہیں ہے

قاضی محمد عاقل شارح الشمائل لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سفید بال کم ہونے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات عورتیں سفید بالوں کو ناپسند کرتی ہیں اور اگر حضور اقدس ﷺ کی کسی چیز کو ناپسندیدگی سے دیکھا جائے تو کفر ہے نعوذ باللہ من ذلک ، لہذا حضور اقدس ﷺ کی ازواج مطہرات کی محافظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے بالوں کو زیادہ سفید نہیں ہونے دیا (حلاوة المتعلمین)

(۴۰/۵) حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ ثَبِتَ قَالَ شَيْبَةُ هُوَ ذَا الْوَاقِعَةِ وَالْمُرْسَلَتِ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ .

ترجمہ! ابو کریم محمد بن علاء نے ہمیں بیان کیا۔ اُن کو معاویہ بن ہشام نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت شیبان سے اور انہوں نے ابواسحق سے نقل کی، اُن کے استاد عکرمہ ہیں جنہوں نے عبد اللہ بن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہو گئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۃ ہود، سورۃ واقعہ، سورۃ مرسلات، سورۃ عم یتساءلون، سورۃ اذا الشمس کورت، ان سورتوں نے مجھے بوڑھا بنادیا۔ راویان حدیث (۱۳۵) ابو کریم (۱۳۶) معاویہ بن ہشام (۱۳۷) شیبان (۱۳۸) عکرمہ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**قیامت کے ہولناک مناظر نے بوڑھا کر دیا :**

قال ابو بکر یا رسول اللہ قد ثبت ... حدیث کا واضح مفہوم ترجمہ میں آچکا ہے حضرت ابو بکر کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہود، المرسلات، عم یتساءلون اور واذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔ طبرانی نے الحاقہ، ابن مردودہ میں ہل اُتاک حدیث الغاشیة، ابن سعد میں القارعة وسأل سائل اور اقتربت الساعة کا اضافہ ہے۔

ملا علی قاری ”مذکورہ سورتوں کے نام لے کر فرماتے ہیں واما لها مما يدل علی احوال

القیامۃ و اھوالھا (جمع ص ۱۱۳) یعنی ان جیسی سورتیں جو قیامت کے ہولناک حالات کے تذکرہ پر مشتمل ہیں۔ یہ اختلاف یا تو تعدد واقعات کی وجہ سے ہے یا روایت بالمعنی ہے یا اختصار پر محمول ہے اور جہاں صرف سورۃ ہود کا ذکر آیا ہے۔

اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں امر مشکل فاستقم کما امرت ہے (ثابت قدم رہیے جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے) جیسا کہ الاستقامۃ فوق ألف کرامۃ (استقامت ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے) سے واضح ہے۔

بعض حضرات نے شبہ کیا ہے کہ یہ امر تو سورۃ شوریٰ میں بھی ہے محدثین حضرات جواب میں کہتے ہیں سورۃ شوریٰ میں خصوصاً آپؐ کو حکم ہے واستقم کما امرت ولا تتبع اھواءہم (۲۲: ۱۵) (اور قائم رہ جیسا کہ حکم کیا گیا تو۔ اور مت پیروی کر خواہشوں ان کی) اور سورۃ ہود میں آپؐ کے ساتھ آپ کی امت کو بھی حکم ہے واستقم کما امرت ومن تاب معک (۱۱: ۱۱۲) (پس سیدھا رہ جس طرح سے حکم کیا گیا تو اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ) تو امت پر شفقت و رافت کی بنا پر آپؐ کو سورۃ ہود کی ہولناکیوں سے زیادہ تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ سوال بوجہ ان کے رفیق القلب ہونے اور آپؐ سے بے تکلف تعلق خاطر ہونے کے پیش نظر تھا اور آپؐ کا جواب بھی آپؐ کے امور آخرت میں فکر و اہتمام و کثرت حملہ لاعباء امتہ (اور اپنی امت کے زیادہ بوجھ اٹھانے کی وجہ سے) پر مشتمل تھا (اتحافات ص ۷۹)

### یا رب امتی :

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر آخرت اور فکر امت کا کس قدر اہتمام تھا، شیخ عبدالجواد الدومیؒ نے اپنی کتاب میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔

(۱) ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں ایک رات اٹھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر موجود نہ تھے پریشان ہوئی اور آپؐ کو تلاش کرتے کرتے جنت البقیع پہنچ گئی دیکھا تو آپؐ قیام کی حالت میں ہیں اور بارگاہ الہی میں گڑگڑا گڑگڑا کر تضرع و انتھال کے ساتھ

دعا کر رہے ہیں۔ زبان مبارک سے جو الفاظ نکل رہے ہیں وہ ذات کے لئے نہیں بلکہ امت کے لئے تھے یا رب امتی (اے رب میری امت) اور جب سجدے میں گئے تب بھی ”یا رب امتی“ کا ورد زبان پر تھا۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں یہ اضطراب انگیز منظر دیکھ کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ائین القرآن لقد نسبتہ لأجل هذه الأمة یعنی قرآن کہاں ہے اس سے تعلق خاطر نمایاں ہونا چاہئے آپؐ نے سجود و قیام میں گویا قرآن بھلا کر امت کی فکر اور امت کے ذکر کو اپنالیا۔

آپؐ نے سنا تو فرمایا یا عائشة! أتعجبین من هذا تمہیں امت سے میرے اس تعلق خاطر پر تعجب ہے اقول ما دمت فی الحياة یا رب امتی میں جب تک زندہ رہوں گا یا رب امتی کہتا رہوں گا فاذا دخلت القبر اقول یا رب امتی پھر جب قبر میں داخل ہوں تب بھی یا رب امتی کہوں گا فاذا نفخ فی الصور اقول یا رب امتی جب صور پھونکا جائے گا میں تب بھی یا رب امتی کہوں گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ کسوف کے لئے سجدے میں گئے اور دیر تک اسی حالت میں رہے اور بڑے تفرع، عجز و انکسار اور عاجزی سے دعا کرتے رہے الم تعدنی ان لا تعذبهم وأنا فیہم اے میرے رب کیا آپ نے میرے ساتھ یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ جب تک میں ان کے درمیان رہوں آپ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائیں گے۔

الم تعدنی ان لا تعذبهم وهم یستغفرون ونحن نستغفرک کیا آپ نے میرے ساتھ یہ وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے آپ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائیں گے اور ہم تو آپ سے استغفار کرتے ہیں۔

(۳) امام قرطبیؒ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے میں لکھا ہے۔ فاذا عصف الصراط بامتی جب میری امت کا پل صراط پر گزرنا سخت اور دشوار ہو جائے گا نادوا وامحمداه! وامحمداه! تو میری امت بے قراری سے چیخ اٹھے گی اور پکارے گی۔ وامحمداه، وامحمداه! فأبادر من شدة اشفاقی علیہم میں اپنی امت پر شدت اشتیاق اور تعلق خاطر کی وجہ سے ان سے آگے آگے ہوں گا۔

فکر آخرت میں نڈھال ہو جانے کی وجہ سے وجہیل آخذ بحجزتی۔ جبریل میری کمر پکڑے ہوئے ہوں گے فنادی رافعاً صوتی میں بارگاہ صمدیت میں بلند آواز سے دعا والتجا کروں گا یا رب امتی اے میرے رب! میری امت کی مغفرت فرما۔ لا اسئلک اليوم لنفسی ولا فاطمة بنتی، آج نہ تو میں اپنی ذات کے لئے کوئی سوال کرتا ہوں اور نہ اپنی نخت جگر فاطمہؑ کے لئے میری تو ایک ہی دعا ہے یا رب امتی (اتحافات ص ۷۹۔ ۷۰)

حدیث باب میں مذکورہ سورتوں میں مابہ الاشتراک فاستقم کما امرت ہے اور استقامت ہی اصل چیز ہے اور بہت مشکل ہے اس حدیث کی تشریح و توضیح میں ابن جوزیؒ نے مستقل رسالہ ”فیض الجود فی حدیث شیتی ہود“ کے نام سے لکھا ہے۔

قد شبت کا ایک معنی یہ کیا گیا ہے کہ ظہر فیک آثار الشیب من الثقل وضعف البدن ونحوہما فہو لا ینافی ماسبق من قلة الشیب ..... والصواب ما ذکرہ میرک من أن معناه ظہر فیک اثر الضعف والكبر انتھی (جمع ص ۱۱۳) یعنی آپؐ میں بڑھاپے کے آثار مثلاً بدن کا بوجھل اور کمزور ہونا اور ان جیسی علامات ظاہر ہو گئیں لہذا یہ قلت شیب (بمعنی سابق) کے منافی نہیں ہے، جس کا ذکر پہلے ہو گیا۔۔۔ اور درست تو جیہہ وہ ہے جس کو علامہ میرک نے ذکر کیا ہے کہ ”آپؐ میں بڑھاپے اور کمزوری کا اثر ظاہر ہو گیا ہے“۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم شیتی ای ضعفی ووهنت عظامی وارکانی لما وقعنی فی الهموم واکثرت احزانی (جمع ص ۱۱۳) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہود الخ نے بوڑھا کر دیا یعنی ان سورتوں میں مذکورہ قیامت کے ہولناک مناظر کے تصور نے مجھے کمزور کر دیا اور میرے اعضاء و جوارح کو شکستہ کر دیا، ان کی وجہ سے میرے غم و حزن میں اضافہ ہوا)۔

ملا علی قاریؒ نے شرح النہ کے حوالے سے نقل کیا ہے ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپؐ سے شیتی ہود (کہ مجھے سورت ہود نے بوڑھا کر دیا) کی روایت کی گئی ہے قال نعم فقلت بآیة آیة قال قوله فاستقم کما امرت انتھی (جمع ص ۱۱۳) (آپؐ نے فرمایا کہ ہاں تو دوبارہ میں نے عرض کیا کہ کنسی آیت نے آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ) کے اس قول (کہ تو جیسے حکم کیا گیا ویسے استقامت دکھلائے)

(۳۱/۶) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَرَاكَ قَدْ شَبَّتَ قَالَ شَيْئَتِي هُوْدٌ وَ أَخَوَاتُهَا .

ترجمہ! ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد بن بشر نے خبر دی انہوں نے یہ روایت علی بن صالح سے اور انہوں نے ابواسحق سے نقل کی۔ وہ ابو جحیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر کچھ بڑھاپے کا (ضعف) محسوس ہونے لگا حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۃ ہود جیسی سورتوں نے ضعیف کر دیا۔

راویان حدیث (۱۳۹) محمد بن بشر (۱۵۰) علی بن صالح (۱۵۱) حضرت ابو جحیفہ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### مضمون حدیث:

قال قالوا ای الصحابة اور نيسهم ابوبكر والجمع للتعظيم والاول اظهر وانما نسب اليهم مع ان القائل واحدا لاتفاقهم في معنى هذا القول فكان جميعهم قالوا (جمع ص ۱۱۵) يعني صحابه كرامؓ نے پوچھا یا ان کے رئیس حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔ اور جمع کا صیغہ (قالوا) تعظیم کے لئے ہے تاہم پہلی توجیہ زیادہ ظاہر ہے۔ سوال کرنے والا صحابی اگرچہ ایک تھا لیکن سوال سب کی طرف سے منسوب کیا گیا اس لئے کہ سارے صحابہؓ اس سوال کے مقصد پر متفق تھے تو گویا یہ سوال سارے صحابہؓ نے کیا۔ بہر حال صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔

### آپؐ کو بوڑھا کر دینے والی سورتیں:

ابن سعدؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مسجد نبویؐ میں منبر کے قریب تشریف فرما تھے اچانک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ سے باہر تشریف لائے اس حال میں اپنی داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ قال انس وکان ابوبکر رجلاً رقيقاً وکان عمرو رجلاً شديداً حضرت ابوبکر صدیقؓ انتہائی نرم تھے اور حضرت عمرؓ سخت مزاج تھے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا بابی وامی لقد اسرع فيك الشيب۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان!

آپؐ پر تو بڑھاپے نے جلدی کر دی ہے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی آنکھوں سے آنسو سیلاب کی طرح اُمڈ پڑے۔

ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اجل: شيتى هود واخواتها۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! مجھے سورۃ ہود نے اور اسی طرح دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے قال ابو بکر بابی وامی ما اخواتها؟ ابو بکرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان اسی طرح کی اور سورتیں کوئی ہیں۔ قال الواقعة والقارعة وسأل سائل واذا الشمس كورت (جمع ص ۱۵) (آپ ﷺ نے فرمایا سورہ واقعہ، القارعة، سأل سائل، اور اذا الشمس كورت ہیں)

(۴۲/۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَنَّنَا شُعَيْبُ بْنُ صَفْوَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ إِيَادِ بْنِ لَقِيطِ الْعَجَلِيِّ عَنْ أَبِي رَمْثَةَ التَّمِيمِيِّ تِيمَ الرَّبَابِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِيَ ابْنُ لَيْ قَالَ فَأَرَيْتُهُ فَقُلْتُ لَمَّا رَأَيْتُهُ هَذَا نَبِيُّ اللَّهِ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ وَلَهُ شَعْرٌ وَقَدْ عَلَاهُ الشَّيْبُ وَشَيْبَةُ أَحْمَرٌ.

ترجمہ! ہمیں علی بن حجر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعیب بن صفوان نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت عبد الملک بن عمیر سے اور انہوں نے ایاد بن لقیط عجلی سے نقل کی۔ وہ ابو رمثہ تمیمی تیم الرباب سے روایت نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو ساتھ لیے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہتے ہیں۔ کہ مجھے حضور اقدس ﷺ دکھائے گئے میں نے جب حضور اقدسؐ کو دیکھا تو مجھے معایہ کہنا پڑا کہ واقعی یہ اللہ کے سچے نبی ہیں۔

اس وقت حضور اقدس ﷺ دو سبز کپڑے پہن رہے تھے اور آپؐ کے چند بالوں پر کچھ بڑھاپے کے آثار غالب ہو گئے تھے لیکن وہ بال سرخ تھے۔

راویان حدیث (۱۵۲) شعیب بن صفوان (۱۵۳) عبد الملک بن عمیر (۱۵۴) ایاد بن لقیط اور (۱۵۵) حضرت ابو رمثہ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## هذا نبی اللہ :

قال اتيت النبي صلى الله عليه وسلم ومعى ابن لى ... ابورمثة كتهت هت كه مل حضور اقدس صلى الله عليه وسلم كى خدمت مل حاضر هوا مرے ساتھ اس وقت مر ایتنا بهى تھا۔ لم ىذكر اسمه ورواية الترمذى عن الاب وفى رواية ، ومعى ابى ، فتكون من الابن ، فلا تنافى (اتحافات ص ۸۱) (ابورمثة نے اس كا نام ذكر نهى كى اور ترمذى كى روايت باپ سے هے اور ايك روايت مل هے) كه ابورمثة كهتهت هت) كه مرے ساتھ مر اباب تھا تو پهر روايت مئى سے هو كى۔ اس لئى دونوں روايات مل منافات نهى هے) قال فاريتہ۔ كهتهت هت كه مل نے اپنے مئى كو دكهاى اس مل هو ضمير ابن كو راجع هے فاريتہ فعل مجهول هے اى جعلنى ابى او غيره راثيا رسول الله صلى الله عليه وسلم (جمع ص ۱۱۶) پهر جب مرے مئى نے آپ كو دكها فقلت لما رايته اى من غير تامل و تراخ (جمع ص ۱۱۶) پهر جب مل نے آپ كو دكها تو مجھے يه كهنا پڑا۔ هذا نبى الله معناه علمت يقينا انه نبى الله من نور جماله العلى و ظهور كماله الجلى حيث لا يحتاج الى اظهار معجزة و اتيان برهان و محجة (جمع ص ۱۱۶) (مل يقينى طور پر جان كىا كه يه الله كه نبى هت آپ كے نور جمال اور كمال جلى كے ظهور سے، جس كے لئى كسى معجزة ياد لىل و برهان كے لانے كى ضرورت نهى تهى) حضرت عبد الله بن سلام كا واقعہ بهى يهى مشهور هے جو يهوديوں كے بڑے عالم تھے وه خود كهتهت هت كه جونبى مل نے پہلى نظر مل آپ كو دكها تو بے اختيار پكار اٹھا عرفت ان وجهه ليس بوجه كذاب (شمائل ترمذى) (كه مل نے جان لىا كه آپ ﷺ كا چهره جھوٹے شخص كا چهره نهى)

## جمال رخ انور صلى الله عليه وسلم :

وقيل أريته مبنى للمعلوم ولعله أنس فقلت حين رأيتہ على البداة! هذا نبى الله 'لنور بهائه' و سلسلة جماله و ظهور كماله (اتحافات ص ۸۱) يعنى ايك قول يه هے كه أريته صيغه معروف كے ساتھ هے۔۔۔ آپ كو جونبى مل نے دكها تو كمال ظهور، بے پناه حسن و جمال اور حيران كن انوار كى وجہ سے مل بلا تامل كهتهت لگا كه يه تو الله كے نبى هت۔



## ایک امتی کا جمال اور جلال:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر ہیبت و اجلال کے آثار اور نبوت کے انوار تھے جن کو دیکھ کر بے اختیار انسان کے منہ سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے۔ ہم گناہ گاروں نے تو چودھویں صدی کے آپؐ کے ایک امتی، ایک سچے عاشق، ایک محب صادق، استاذی و استاذ العلماء محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے مبارک چہرہ کو دیکھا اور بار بار دیکھا کبھی سیری نہیں ہوتی تھی ہر بار نیا رنگ، نیا حسن، جمال ایسا کہ دیکھتے رہیں اور جلال ایسا کہ نگاہ اٹھتے ہی نظریں نیچے چلی جاتی تھیں نو وارد کہتا۔ واللہ! میں نے آج تک ایسا نورانی چہرہ نہیں دیکھا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا چہرہ ہی ان کی حقانیت اور صداقت کی دلیل ہے۔ جب چودھویں صدی میں آپؐ کے ایک ادنیٰ امتی کے چہرہ کے جلال و جمال کا یہ عالم ہو تو خود سرور عالم ﷺ کے چہرہ انور کے حسن و جمال کا منظر کیا ہوگا۔

## ثوبان اخضران کی تشریح:

وعلیہ ثوبان اخضران اس وقت دو سبز کپڑے آپؐ کے زیر تن تھے ایک تولنگی تھی اور دو سری چادر و ہما ازار و رداء مصبوغان بالخصرة (مواہب ص ۵۷) ای مصبوغان بلون الخصرة بتمامہا (جمع ص ۱۱۶) یعنی مکمل طور پر سبز رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

ملا علی قارئ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ويحتمل انهما كانا مخطوطين بخطوط خضر كما ورد في بعض الروايات بردان، بدل ثوبان والغالب ان البرود ذوات الخطوط (جمع ص ۱۱۶) (اس کا بھی احتمال ہے کہ ان دونوں پر سبز دھاریاں تھیں جیسا کہ بعض روایات میں دو کپڑوں کے بجائے دو چادروں کا ذکر ہے اور غالب یہ ہے کہ چادریں دھاری دار ہوتی ہیں)۔

شیخ ابراہیم السیو ریؒ فرماتے ہیں واللباس الاخضر هو لباس اهل الجنة كما في خبر ويدل عليه قوله تعالى ويلبسون ثياباً خضرأ (مواہب ص ۵۷) یعنی سبز لباس اہل جنت کا لباس ہے

جیسا کہ ایک روایت میں بھی ہے باری تعالیٰ کا قول ”اہل جنت سبز لباس میں ملبوس ہوں گے“ بھی اس دعویٰ پر دلالت کرتا ہے۔

### سبز لباس پہننے کا حکم:

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وما قبل فیہ أن لبس الثوب الاخضر سنة ضعفه ظاهر اذغایة ما یفہم منہ انه مباح انتہی و ضعفه ظاهر اذ الأشياء مباحة علی اصلها فاذا اختار المختار شیئاً منها بلبسه لا شک فی افادة الاستحباب واللہ اعلم بالصواب (جمع ص ۱۱۷) یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ سبز لباس پہننا سنت ہے اس قول کا ضعف ظاہر ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سبز لباس کا استعمال مباح ہے اور اس کا ضعف بھی ظاہر ہے اس لئے کہ اشیاء اصل کے اعتبار سے خود مباح ہیں، پس جب آپؐ نے ان میں سے کسی چیز کو لباس کے لئے اختیار کیا تو کم از کم اس کے مستحب ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔

### سفید بالوں کا سنہری منظر:

وله شعر الخ آپؐ کے بال مبارک نمایاں تھے وقد علاہ (ای غلبہ و شملہ) الشیب (وہذا فی حدود العدد الوارد)۔ (یہ بڑھا یا سفید بالوں کے عدد و وارد شدہ تک محدود تھا) جن سے بڑھا پے کی وجہ سے سفیدی ظاہر ہو رہی تھی۔ شعر پر توین تقلیل کے لئے ہے اس لئے اس کا ترجمہ ”چند موئے مبارک“ سے کرنا زیادہ موزون ہے و شبہ احمر یعنی یہ سفیدی سرخی مائل تھی اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔

(۱) یہ ایک فطری اور قدرتی بات ہے کہ جب بال سفید ہوتے ہیں تو پہلے سنہرا پن اختیار کر کے سرخی مائل ہو جاتے ہیں پھر سفید ہوتے ہیں صحابی نے آپؐ کے سفید بالوں کو اس وقت دیکھا ہو گا جب ان میں سنہرا پن آچکا تھا اور اس کے بعد ان پر سفیدی آنے والی تھی۔

(۲) اور دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ کے وہ محدود بال سفید ہو چکے ہوں اور آپؐ نے

مہندی کا خضاب استعمال کیا ہوا اور بال سرخ ہو گئے ہوں۔ شیخ ابراہیم البیہریؒ فرماتے ہیں۔

والشعر الابيض منه مصبوغ بالحمرة بناء على ثبوت الخضب منه صلى الله عليه وسلم ويحتمل ان المراد شعره الأبيض يخاطله حمرة في أطرافه لأن العادة أن الشعر إذا قرب شيه أحمر ثم أبيض (مواہب ص ۵۷) (اور آپ ﷺ کے سفید بال سرخی سے رنگے ہوئے تھے کیونکہ حضور ﷺ سے خضاب کرنا ثابت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کے سفید بالوں کے اطراف میں سرخی کی ملاوٹ معلوم ہوتی ہو کیونکہ عام عادت یہی ہے کہ جب بالوں میں بڑھاپا آتا ہے تو پہلے کچھ سرخ پھر سفید ہو جاتے ہیں)

(۴۳/۸) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ أَخْبَرَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ قِيلَ لَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَكَانَ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْبٌ قَالَ لَمْ يَكُنْ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا شَعْرَاتُ فِي مَفْرَقِ رَأْسِهِ إِذَا ادَّهَنَ وَارَاهُنَّ اللَّحْنُ..

ترجمہ: ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سرتج بن نعمان نے خبر دی۔ ان کو حماد بن سلمہ نے سماک بن حرب کے حوالے سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ جابر بن سمرہ سے پوچھا گیا کہ حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال تھے انہوں نے کہا کہ صرف چند بال مانگ پر تھے جو تیل لگانے کی حالت میں ظاہر نہیں ہوتے تھے۔

راویان حدیث (۱۵۶) سرتج بن نعمان (۱۵۷) حماد بن سلمہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں آسان، جبکہ بعض روایات میں هل کان ہے شعرات میں تخمین تقلیل کے لئے ہے مفروق رأسہ سے مراد محل الفرق من رأسہ (سر کا

وہ حصہ جس میں مانگ نکالی جاتی ہے) ہے اور مختار میں ہے المفرق وسط الرأس وهو الموضع الذي يفرق فيه الشعر وكذا في مفرق الطريق (مواہب ص ۵۷) یعنی مفرق سر کے وسط کو کہتے ہیں یہ وہ جگہ ہے جہاں سر کے بالوں میں مانگ نکالی جاتی ہے۔ اور ایسا ہی مفرق الطريق (اس چوگہ) کو کہتے ہیں جہاں سے راستہ جدا ہوتا ہے)

إذا آذهن ای استعمال الدهن ووضعه علی رأسه وازاهن من المواراة ای غیہن الدهن واخفاهن وسترهن بحيث لا يراها احد الا بتدقيق نظر وتعميق بصرو هو كناية عن قلتهن (جمع ص ۱۱۷) یعنی ”ادھن“ کا معنی یہ ہے کہ جب آپ تیل استعمال کرتے اور اسے سر کے بالوں میں لگاتے تو یہ تیل سر کے سفید بالوں کو چھپا دیتا اور بال ایسے چھپ جاتے کہ تعق اور غور سے دیکھے بغیر نظر نہ آتے اور یہ ان بالوں کے تھوڑا ہونے سے کتنا یہ ہے۔

### سفید بال اکھیڑنے کا حکم:

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ سفید بالوں کا اکھیڑنا اکثر علماء نے مکروہ قرار دیا ہے۔ شیخ ابراہیم اللجوریؒ بھی تنبیہ کے تحت فرماتے ہیں۔ وبكره تنف الشيب عند أكثر العلماء لحديث مرفوع لا تنتفوا الشيب فإنه نور المسلم رواه الاربعة وقالوا حسن (مواہب ص ۵۷) (اور اکثر علماء کے نزدیک سفید بالوں کا اکھاڑنا مکروہ ہے کیونکہ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ تم بڑھا پے (سفید بالوں کو) مت اکھاڑو یہ تو مسلمان کے لئے نور (روشنی) ہے۔ یہ حدیث اربعہ (چاروں صحاح) نے نقل کی ہے اور یہ کہا کہ یہ حدیث حسن ہے)

حدیث میں سوال بھی چونکہ سراقس کے بالوں کے بارے میں تھا اس لئے حضرت جابر بن سمرہؓ نے جواب میں بھی صرف سر مبارک کا ذکر کیا اور داڑھی اور کنپٹیوں کا ذکر نہیں کیا۔

=====

## بَابُ مَا جَاءَ فِي خِضَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

### باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کرنے کے بیان میں

#### خضاب کا معنی:

خضاب بروزن کتاب مایخضب بہ (جس چیز کے ساتھ خضاب لگایا جائے) کو کہتے ہیں کما فی القاموس تلوین پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے و هذا انصب للباب (اتحافات ص ۸۳) (اور یہی باب کے زیادہ مناسب ہے) مہندی، وسنہ، کتم اور کسی مرکب سے بالوں کو رنگا جائے خضاب کہلاتا ہے بمعنی تلوین الشعر بالحناء ونحوہ (مواہب ص ۵۸) بعض حضرات نے اس میں عموم کیا ہے کہ بالوں کے علاوہ انسانی اعضاء و اندام کو رنگنا بھی خضاب کہلاتا ہے۔

#### گذشتہ باب سے ربط:

گذشتہ باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سفیدی آئی تھی اور تقریباً اٹھارہ (۱۸) بال سفید ہو چکے تھے اس کے بعد باب ہذا کے انعقاد کی مناسبت یہ ہے کہ معلوم کیا جائے کہ آپؐ نے سفید بالوں کا خضاب کیا تھا یا نہیں مناسب اردافہ بیاب خضابہ لیعلم حالہ اثباتاً ونفیاً (مواہب ص ۵۸) (باب الشیب کے بعد باب الخضاب کا لانا اس لئے مناسب ہے کہ خضاب کے استعمال کا ثبوت یا نفی معلوم ہو سکے)

#### مسئلہ خضاب کی تفصیل اور شرعی حکم:

خضاب کے بارے میں تفصیلی بحث اس سے قبل بھی صفحہ ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱ پر گزر چکی ہے علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب فرمایا تھا یا نہیں اس اختلاف کی وجہ

مختلف روایات ہیں۔

## علماء احناف کا رجحان:

علماء کی اکثریت کا رجحان یہ ہے کہ آپؐ نے خضاب نہیں فرمایا تھا آپؐ کے بال مبارک جو سرخی مائل اور سنہری تھے وہ قدرتی تھے امام ترمذیؒ کا بھی یہی رجحان ہے احناف کا رجحان بھی اس طرف ہے چنانچہ احناف کی معتبر کتابوں مثلاً در مختار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ آپؐ کا عدم خضاب زیادہ صحیح ہے علامہ شامیؒ نے اس کی وجہ بھی یہی بتائی ہے کہ آپؐ کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں سترہ (۱۷) بال سفید تھے جو خضاب کو نہیں چاہتے تھے۔

صاحب مواہب جن کے حوالے بار بار اسی شرح میں نقل کیئے جا رہے ہیں اس کے قائل ہیں کہ آپؐ نے کبھی کبھی خضاب کیا اور اکثر نہیں کیا بآئہ صلی اللہ علیہ وسلم صبغ فی وقت وترکہ فی معظم الاوقات۔ فاجبر کل بمارأی وهذا التأویل کالمتعین کما قالہ ابن حجر (مواہب ص ۵۸) (دلیل میں ابن حجرؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بعض اوقات تو خضاب کیا لیکن اکثر اوقات میں اس کے ترک کرنے پر کاربند رہے اس لئے ہر شخص نے جس طرح دیکھا اس کی روایت کر دی اور گویا تطبیق کی یہی صورت متعین ہے)

حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان ذوالنورینؓ حضرات حسنینؓ نے خضاب کیا اور سرخ خضاب کے جواز بلکہ استحب پر علماء احناف کا اتفاق ہے سیاہ خضاب سوائے موقع جہاد کے مکروہ ہے الخضاب بالسواد قال عامة المشائخ انه مکروه (محیط) (عامۃ المشائخ کے نزدیک سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے)

## شوافع کا مسلک:

شوافع کے نزدیک خضاب سنت ہے اور سیاہ خضاب حرام ہے شیخ ابراہیم البجوریؒ فرماتے ہیں کہ ہم علماء شافعیہ کے نزدیک سیاہ خضاب حرام ہے اور بغیر سیاہ کے دوسرے خضاب سنت ہیں وھو عندنا معاشر الشافعیۃ بغیر السواد سنة وبالسواد حرام پھر واضح طور پر فرماتے ہیں کہ اس پر دلیل

وہ حدیث صحیحین ہے جس میں ارشاد ہے کہ فتح مکہ کے روز ابو قحافہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا گیا جبکہ اُن کی داڑھی اور سر مبارک کے بال سفید تھے تو آپؐ نے فرمایا غیروا هذا بشنی واجتنبوا السواد اس سفیدی کو کسی شئی سے بدل دو اور سیاہ کرنے سے بچو (مواہب ص ۵۸) شیخ ابراہیم بیجوریؒ نے اپنے موقف کو مزید احادیث سے مبرہن کیا ہے ذیل میں ان کا موقف اور مزید دلائل درج کیے جا رہے ہیں۔

وفی الصحيحین أيضاً عن ابن عمرؓ أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يصبغ بالصفرة زاد ابن سعد وغيره عن ابن عمر أنه قال فأنا أحب أن أصبغ بها ومارواه أحمد وابن ماجه عن ابن وهب قال دخلنا على أم سلمة فأخرجت إلينا من شعر النبي صلى الله عليه وسلم فإذا هو مخضوب بالحناء والكتم وعن أبي جعفر قال شمت عارضا رسول الله صلى الله عليه وسلم فخضب بحناء وكتم وعن عبد الرحمن الشامي قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغير لحيته بماء السدر ويأمر بتغيير الشعر مخالفة للأعاجم وفي حديث أبي ذر إن أحسن ما غير تم به الشيب الحناء والكتم أخرجه الأربعة وعن أنس دخل رجل على النبي صلى الله عليه وسلم وهو أبيض اللحية والرأس فقال ألسنت مؤمن قال بلى قال فاختضب لكن قيل إنه حديث منكر ولا يعارض ذلك ماورد أنه صلى الله عليه وسلم لم يغير شيه لتأويله جمعاً بين الأخبار بأنه صلى الله عليه وسلم صبغ في وقت وتركه في معظم الأوقات فأخبر كل بما رأى وهذا التأويل كالمتعين كما قاله ابن حجر . (مواہب ص ۵۸) صحیحین میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو زرد رنگ کی مہندی لگاتے ہوئے دیکھا۔ ابن سعد وغیرہ نے ابن عمرؓ کے حوالے سے اس روایت میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میں اس سے خضاب لگانے کو پسند کرتا ہوں۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے ابن وہب سے روایت بیان کی ہے کہ ہم ام سلمہ کے ہاں گئے تو انہوں نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کے بال دکھائے تو ان میں حناء اور کتم کا خضاب لگا ہوا تھا۔ ابو جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالوں میں کنگھی کی اور اس میں مہندی اور کتم کا خضاب لگایا۔

عبد الرحمن الشامی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی کے بالوں کو پیر کے پانی سے متغیر

کرتے اور عجمیوں کی مخالفت میں بالوں کی سفیدی کو متغیر کرنے کا حکم دیتے۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے کہ بہترین چیز جس سے تم بالوں کی سفیدی کو متغیر کرتے ہو وہ مہندی اور کتم ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جس کی داڑھی اور سر کے بال سفید تھے تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم مومن نہیں ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں مومن ہوں۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ ان بالوں میں خضاب لگاؤ۔ تاہم بعض حضرات نے اس حدیث کو ”منکر“ قرار دے دیا۔ یہ مذکورہ روایات اس روایت کے معارض نہیں ہیں جس میں ہے کہ آپؐ نے اپنے سفید بالوں کو خضاب سے متغیر نہیں کیا۔ اس لئے کہ روایات میں تطبیق دیتے ہوئے اس روایت کی تاویل کی گئی ہے۔ تطبیق یوں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی خضاب لگایا اور اکثر اس کو ترک بھی کیا تو ہر راوی نے جس حالت میں آپؐ کو دیکھا اس کو بیان کیا۔ بقول ابن حجر کے یہ تاویل متعین کی طرح ہے۔

(۴۴/۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمِيرٍ عَنْ إِيَادِ بْنِ لَقِيطٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو رُمَّةٌ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ ابْنِ لَيْ. فَقَالَ إِنَّكَ هَذَا فَقُلْتُ نَعَمْ أَشْهَدُ بِهِ قَالَ لَا يَجْنِي عَلَيْكَ وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ. قَالَ وَرَأَيْتُ الشَّيْبَ أَحْمَرَ قَالَ أَبُو عِيْسَى هَذَا أَحْسَنُ شَيْءٍ رَوَى فِي هَذَا الْبَابِ وَأَفْسَرُ لِأَنَّ الرِّوَايَاتِ الصَّحِيحَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْلُغِ الشَّيْبَ وَأَبُو رُمَّةَ رَفَاعَةُ بْنُ يَرْبُوعٍ التَّيْمِيُّ ..

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ اُن کو ہشیم نے خبر دی۔ اُن کو عبد الملک بن عمیر نے، ایاد بن لقیط سے روایت کرتے ہوئے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابورمہ نے خبر دی۔ کہنے لگے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک لڑکے کو ساتھ لے کر حاضر ہوا تو حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ کیا یہ تیرا بیٹا ہے انہوں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت یہ میرا بیٹا ہے کہ آپ اس کے گواہ رہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی جنایت کا بدلہ تجھ پر نہیں اور تیری جنایت کا بدلہ اس پر نہیں۔ ابورمہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے حضور اقدس ﷺ کے بعض بالوں کو سرخ دیکھا۔ امام



ترمذی کہتے ہیں کہ خضاب کے بارے میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور واضح ہے۔  
راوی حدیث (۱۵۸) <sup>ہشتم</sup> کے حالات ”تذکرہ راویان شائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

فقال ابنک هذا ... یہاں پر ہمزہ استفہام محذوف ہے فالاصل اهذا ابنک (مواہب ص ۵۸)  
یعنی کیا یہ تمہارا بیٹا ہے۔ دوسری وجہ استفہام یہ ہے کہ آپؐ کو یہ تو معلوم تھا کہ اُن کا بیٹا بھی ہے لیکن یہ  
معلوم نہ تھا کہ یہی اُن کا بیٹا ہے اس لئے دریافت فرمایا کہ کیا واقعہ یہی تمہارا بیٹا ہے۔ فاستفہم عن  
کون ابنہ هذا و قال ابنک هذا (مواہب ص ۵۸)۔

أشهدبه ... اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ صیغہ امر ہو ای کن شأهداً علی اقراری بانہ  
ابنی یعنی میرے اس اعتراف پر آپؐ گواہ رہیے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ صیغہ مضارع ہو ای  
أعترف وأقر به (مواہب ص ۵۸) (میں اس کا اقرار اور اعتراف کرتا ہوں)۔

### رسم جاہلیت کا بطلان :

لا یجنی علیک ... دراصل زمانہ جاہلیت میں عربوں کا طریقہ تھا کہ اگر باپ کسی قصور یا کسی جرم کا  
ارتکاب کرتا تو بدلے میں بیٹا پکڑا جاتا اور اگر بیٹے سے کوئی جرم صادر ہوتا تو باپ پکڑا جاتا تھا لہذا  
ابورمثہؓ نے یہ بات اسی نقطہ نظر سے کہی کہ یہ میرا اپنا صلیبی بیٹا ہے اگر مجھ سے کوئی جرم یا قصور صادر  
ہو جائے تو عربوں کے مذکورہ طریقہ کے مطابق میرے اس لڑکے ہی سے بدلہ لیا جائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے اس طریقہء جاہلیت کا کلیۃً رد فرمایا اور ارشاد  
فرمایا لا یجنی علیک ولا تجنی علیہ یعنی تیرے بیٹے کے جرم کا تجھ سے اور تیرے جرم کا اُن سے  
مواخذہ نہ ہوگا۔ بل جنایتہ علیہ وجنایتک علیک ولا تؤاخذ بذنبہ ولا یؤاخذہ بذنبک لان  
الشرع أبطل قاعدة الجاهلیة قال تعالیٰ ولا تزر وازرة وزر أخری (مواہب ص ۵۸) (بلکہ اس کے  
جرم کا وبال اور سزا اس پر ہے اور تمہارے جرم کا تجھ پر۔ اس کے گناہ کا مواخذہ تم سے نہیں ہوگا اور نہ وہ  
تمہارے گناہ پر ماخوذ ہوگا اس لئے کہ شریعت نے جاہلیت کے طریقہ کو مسترد کیا باری تعالیٰ کا ارشاد

ہے ”اور ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا“)

دین اسلام جو کہ دین فطرت ہے اب اس میں دور جاہلیت کا کوئی ظلم یا کسی بھی قسم کی زیادتی کا طریقہ جاری نہیں رکھا جاسکتا اور نہ ہی رہ سکتا ہے اسلام کا یہ طریقہ نہیں کہ جرم ایک کا ہو سزا دوسرے کو ملے۔

### ملا علی قاریؒ کی نقل روایات:

قال ورائیت الشیب احمر ... ابورمۃؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے آپؐ کے چند سفید بالوں کو سنہری یعنی مائل بہ سرخی دیکھا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ أحمرای لقربہ من البیاض۔ اوبسب الخضاب وهو المناسب للباب وزاد الحاکم من هذا الوجه وشیه احمر مخضوب بالحناء ولا بی داؤد وکان قد لطح لحیتہ بالحناء وعند احمد فاذا رجل له وفرة بهار د ع من حناء وفي رواية فرأيت برأسه ردع حناء واخرج ابن الجوزی فی کتاب الوفاء من طریق غیلان بن جامع عن ایاد بن لقیط عن ابی رمنة قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخضب بالحناء والکتم وھذا الروایة صریحة فی خضابه صلی اللہ علیہ وسلم (جمع ص ۱۱۹) یعنی سفیدی کے قریب ہونے کی وجہ سے یا خضاب کی وجہ سے وہ بال سنہری معلوم ہو رہے تھے اور یہی (آخری توجیہ) اس باب کے مناسب ہے۔ حاکم نے اسی طریق سے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ مہندی لگانے کی وجہ سے آپؐ کے سفید بال مائل بہ سرخی تھے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے داڑھی کو مہندی سے لتھیرا تھا۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ اچانک ایک شخص جلوہ افروز ہوئے جس کے بال کانوں کی لوت تک تھے اور وہ مہندی سے لت پت تھے۔ ایک روایت میں ہے (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے آپؐ کے سر کے بالوں کو مہندی سے لت پت دیکھا۔ ابن الجوزی نے ”کتاب الوفاء“ میں حضرت ابورمۃؒ کے حوالہ سے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہؐ مہندی اور کتم کا خضاب لگاتے۔ یہ روایت آنحضرت ﷺ کے خضاب بارے بالکل واضح ہے۔

### نفی اور اثبات کی روایت میں تطبیق:

لم یبلغ الشیب والی روایت اور زیر بحث خضاب والی روایت بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے

مگر حقیقت میں کوئی تعارض نہیں بلکہ تطبیق کی صورت واضح ہے کیونکہ نفی کی روایات میں کثرت کی نفی ہے کہ کثرت سے شیب نمایاں نہیں تھا اور اثبات کی روایات قلت پر محمول ہیں۔

## قال ابو عیسیٰ :

قال ابو عیسیٰ ! اس میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ تلامذہ کا اضافہ ہو مگر یہ احتمال بعید ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مصنف کا کلام ہے بناء علی غلبۃ کتبہ علی اسمہ وهو فی ذلک تبع لشیخہ ومقتداه وهو الامام ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل البخاری حیث عبر فی صحیحہ وسائر تصانیفہ ایضاً عن نفسه بابی عبد اللہ (جمع ص ۱۱۹) (اس بناء پر کہ آپ کے نام کے مقابلے میں کنیت کا استعمال غالب تھا اور اس سلسلے میں آپ اپنے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل البخاری کے متبع تھے۔ جنہوں نے صحیح بخاری اور اپنے دیگر تمام تصانیف میں اپنے آپ کو ”ابو عبد اللہ“ سے تعبیر کیا ہے) ولم یقل قال بالاضمار لخفاء المرجع والاشتباه بقال سابقاً (جمع و مناوی ص ۱۱۹) (اور امام ترمذی نے اپنے لئے اضمار کے ساتھ ”قال“ بھی استعمال نہیں کیا ایک تو مرجع مخفی رہتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ راوی کے سابقہ ”قال“ کے ساتھ اشتباہ پیدا ہو جاتا)۔

امام ترمذی نے اس روایت کو احسن اور زیادہ بہتر اسلئے کہا ہے کہ اس میں بالوں کے سرخ ہونے کا ذکر ہے کیونکہ بال سفید ہونے سے قبل قبل مائل بہ سرخی ہوتے ہیں مقصد واضح ہے کہ ابھی آپ کے بال سنہری تھے اور آپ سفید بالوں کی حد تک پہنچے ہی نہیں تھے۔ هذا احسن ای کثیرا ما یقول المصنف فی جامعہ هذا اصح شنی فی الباب ولا یلزم من هذه العبارة كما قاله النووي فی الاذکار صحة الحديث فانهم یقولون هذا اصح ما فی الباب وان كان ضعيفاً ومرادهم انه ارجح ما ورد فی الباب (حاشیہ عربی خصائل) (یہ روایت احسن ہے۔ مصنف اکثر اوقات اپنی جامع ترمذی میں فرماتے ہیں ”اصح شنی فی الباب“ تاہم اس عبارت سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ نووی نے ”الاذکار“ میں کہا ہے۔ اس لئے کہ محدثین حضرات ”هذا اصح ما فی الباب“ اس وقت بھی استعمال کرتے ہیں اگرچہ وہ روایت ضعیف ہو۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ باب میں وارد شدہ

احادیث میں یہ روایت سب سے زیادہ رائج ہے)

(۳۵/۲) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شَرِيكَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ سَمِعْتُ  
أَبُوهُرَيْرَةَ هَلْ خَضَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَبُو عِيْسَى وَرَوَى أَبُو عَوَانَةَ  
هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ فَقَالَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ..

ترجمہ! ہمیں سفیان بن وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں میرے باپ نے شریک کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے عثمان بن موهب سے یہ روایت نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا انہوں نے کہا کہ ہاں کیا۔  
راویان حدیث (۱۵۹) عثمان بن وہبؓ (۱۶۰) ابو عوانہ اور (۱۶۱) ام سلمہؓ کے حالات ”تذکرہ  
راویان شامک ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### متن حدیث کی اجمالی تشریح :

عثمان بن وہب نے یہ روایت اسی اسناد کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے سائل کا ذکر نہیں کیا  
لَعَلَّ تَعْلُقَ الْغَرَضِ بِغَيْسِهِ (مواہب ص ۵۹) یعنی اس کے تعین کے ساتھ غرض متعلق نہیں تھی۔  
نَعَمْ سے مراد یہ ہے کہ ابوہریرہؓ نے فرمادیا نعم یعنی خضاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَانِ  
نَعَمْ لِتَقْرِيرِ مَاقَبْلَهَا مِنْ نَفْيِ اَوْتِثَاتٍ (مواہب ص ۵۹) (جی ہاں یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
خضاب کیا تھا۔ اس لئے کہ ”نعم“ ماقبل کے مثبت یا منفی کلام کی تقریر کے لئے آتا ہے) اس حدیث سے  
خضاب کرنا مدلول ہے کہ آپؐ کا گاہے گاہے معمول ہے جبکہ دیگر بہت سی روایات سے یہ ثابت  
ہے کہ آپؐ نے اپنے بالوں کو رنگ نہیں دیا تھا تطبیق اس سے قبل عرض کر دی گئی کہ بانہ صلی اللہ  
علیہ وسلم خضاب فی وقت وترک الخضاب فی معظم الاوقات فاخبر بکل ما رأی (مواہب  
ص ۵۹) (کہ بے شک آپ ﷺ نے کسی وقت تو خضاب کیا لیکن اکثر اوقات میں اس کا ترک کیا  
ہے پر ہر راوی نے اپنی روایت (دیکھنے) کی خبر دی ہے)

## غرض قال ابو عیسیٰ :

قال ابو عیسیٰ... یہاں سے امام ترمذی روایت زیر بحث کے اضطراب کا تذکرہ کرتے ہیں وروی ابو عوانہ هذا الحديث عن عثمان بن عبد الله بن موهب فقال عن أم سلمة (کہ ابو عوانہ نے یہ حدیث بواسطہ عثمان بن عبد اللہ بن موهب حضرت ام سلمہؓ سے روایت کی ہے)

اس سے مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راوی کو شک ہو گیا کہ بجائے حضرت ام سلمہؓ کے ابو ہریرہؓ کہا تو گویا وہم راوی اور اختلاف رواۃ کو بیان کرنا ہے۔ نیز یہ احتمال بھی ہے کہ دوسری روایت کو بطور تائید کے پیش کرتے ہیں کہ جس طرح یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ اسی طرح یہ روایت حضرت ام سلمہؓ سے بھی مروی ہے وغرضہ ذکر طریق آخر لهذا الحديث (مواہب ص ۵۹) (اور اس سے غرض اس حدیث کو دوسرے طریق سے ذکر کرنا مقصود تھا) اور ایک فائدہ عثمان کے نسب کی تحقیق بھی ہے کیونکہ طریق اول میں وہ جد کو منسوب تھے۔

اور اس روایت میں اس کے والد کے نام کی تصریح ہے اور یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ عثمان نے تو دونوں طریق میں ابو ہریرہؓ اور ام سلمہؓ سے روایت نقل کی ہے مگر طریق اول میں شریک نے عثمان سے اور انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے جبکہ دوسرے طریق میں ابو عوانہ نے عثمان سے اور انہوں نے ام سلمہؓ سے روایت کی ہے۔

(۴۶/۳) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ اَنْبَاْنَا النَّضْرِيْنَ زُرَّارَةَ عَنْ اَبِيْ جَنَابٍ عَنْ اَيَادٍ بِنِ لَقِيْطٍ عَنِ الْجَهْلَمَةِ امْرَاةٍ بَشِيْرٍ بِنِ الْخَصَاصِيَّةِ قَالَتْ اَنَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ يَنْفُضُ رَأْسَهُ وَقَدْ اغْتَسَلَ وَبِرَأْسِهِ رَدْعٌ اَوْ قَالَ رَدْعٌ مِنْ حِنَاءٍ شَكَّ فِيْ هَذَا الشَّيْخُ ..

ترجمہ! ہمیں ابراہیم بن ہارون نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس حدیث کی خبر نصر بن زرارہ نے ابو جناب کے حوالے سے دی اور انہوں نے یہ روایت ایاد بن لقیط سے حاصل کی جنہوں نے اسے

زوجہ بشیر بن الخصاصیہؒ سے نقل کیا وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان سے باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرما رکھا تھا اس لئے سر مبارک کو جھاڑ رہے تھے اور آپؐ کے سر پر حنا کا اثر تھا۔

راویان حدیث (۱۶۲) ابراہیم بن ہارونؒ (۱۶۳) الضر بن زرارۃؒ (۱۶۴) ابوجنابؒ (۱۶۵) حضرت جھڈمہؒ اور (۱۶۶) بشیر بن الخصاصیہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

یَنْفَضُ وہ جھاڑتے تھے مضارع ہے اور نَفَضَ ماضی ہے نَفَضُ مصدر ہے جھاڑنا، ہلانا، لرزنا۔ ردع زعفران کو کہتے ہیں جس کپڑے میں لتھری ہوتی ہو اس کو ردع کہتے ہیں وہو لَطِخَ مِنَ الزعفران واثِر الطیب ردغ کیچڑ کے معنی میں آتا ہے وہو الوحل الشدید۔ (جمع ۱۲۲)

قال العسقلانی اتفق المحققون علی ان الردغ بالمعجمة غلط فی هذا الموضع لإطباق اهل اللغة علی انه بالمهملة لَطِخَ مِنَ الزعفران (مواہب ۶۰) (علامہ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ سب محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں لفظ ردغ (معجمہ) بالکل غلط ہے کیونکہ لغت والوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ لفظ ردع (مہملہ) ہے یعنی زعفران کے ساتھ آلودہ ہونا)

ابن حجرؒ کہتے ہیں ردع کا معنی الصبغ ہے اور ردغ کا معنی طین رقیق ہے تاہم یہ فرق اصل لغت کے اعتبار سے ہے والمراد هنا واحد وهو اثر صبغ وطیب۔ (مواہب ۶۰)

حلاوة المتعلمین میں ہے کہ علماء محققین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ردغ (غین معجمہ کے ساتھ) غلط ہے اور صحیح ردع (عین مہملہ کے ساتھ) ہے فرماتے ہیں کہ اہل لغت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ردع (مہملہ) کا معنی لعمہ ہے یا قطعہ ہے جو کہ زعفران یا حنا کا ہوتا ہے اور ردغ (معجمہ) کے معنی طین و کیچڑ کے ہوتے ہیں یہ دوسرا معنی قطعاً مناسب نہیں ہے۔

شک فی هذا الشیخ ... امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اُن کے شیخ ابراہیم بن ہارون کو شک تھا

کہ اس موقع پر راوی نے ردع کا لفظ استعمال کیا تھا یا ردغ کا ای شک فی انه ردع او ردغ  
(مناوی ص ۱۲۲)

(۴/۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا عُمَرُو بْنُ عَاصِمٍ أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ أَخْبَرَنَا  
حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوبًا قَالَ حَمَّادٌ وَأَخْبَرَنَا  
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ قَالَ رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ أَنَسِ بْنِ  
مَالِكٍ مَخْضُوبًا.

ترجمہ! ہمیں عبد اللہ بن عبد الرحمن نے بیان کیا۔ اُن کو عمرو بن عاصم نے خبر دی۔ اُن کو حماد بن سلمہ  
نے اور انہیں حمید نے حضرت انسؓ کے حوالے سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے بالوں کو خضاب کیا ہوا دیکھا۔ حماد کہتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن محمد بن عقیل نے خبر دی وہ  
فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک کے پاس رسول اللہ ﷺ کے خضاب کیے ہوئے بال دیکھے۔  
راویان حدیث (۱۶۷) عبد اللہ بن عبد الرحمنؓ (۱۶۸) عمرو بن عاصمؓ اور (۱۶۹) عبد اللہ بن محمد بن عقیلؓ  
کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## ایک اشکال سے جواب:

مضمون اور مفہوم حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے

اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ گذشتہ باب کی پہلی حدیث میں حضرت انسؓ کی یہ تصریح ہے کہ آپؐ  
کے بال خضاب کرنے کے معیار تک نہیں پہنچے تھے جبکہ اس روایت میں حضرت انسؓ ہی کے پاس  
آپؐ کے خضاب شدہ بالوں کا ذکر ہے۔ محدثین حضرات اس کے جواب میں فرماتے ہیں  
(۱) دونوں روایتیں مختلف اوقات کی ہیں اور دونوں اپنی جگہ درست ہیں۔

(۲) یہ روایت بھی خضاب کے بارے میں صریح نہیں ہے ہو سکتا ہے تعظیماً بال مندوانے کے بعد  
کسی نے خضاب دیدیا ہو جیسے بعد الانقطاع کی تائید حماد کے قول سے ہوتی ہے والروایۃ الثانیۃ النبی

تفید ان شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رُئی عند انس مخضوباً یحتمل انه من فعل انس لحفظ شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اتخافات ص ۸۶) یعنی حضرت انسؓ کے پاس جو خضاب کیا ہوا بال دیکھا گیا تھا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کی حفاظت کے خاطر خود اس کو خضاب لگایا ہو۔

### عبدالجواد الدومی کی تلخیص بحث:

شیخ عبدالجواد الدومی فرماتے ہیں اس باب میں چار احادیث مذکور ہیں اہل علم نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا خضاب کرنا بہتر ہے بوجہ حدیث شیخین کے 'ان اليهود والنصارى لا یصبغون فخالقوہم' (یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے تو تم ان کی مخالفت کرو) اسی لئے تو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرات حسنینؓ نے خضاب کیا تھا۔

یا ترک خضاب اولیٰ ہے بوجہ حدیث ترمذی کے عن کعب بن مرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من شاب شیئاً فی الاسلام کانت لہ نوراً یوم القیامۃ (حضرت کعب بن مرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص مسلمان ہونے کی حالت میں بڑھاپے کو پہنچے تو یہ اس کے لئے قیامت کے دن روشنی کا ذریعہ ہوگا) طبری نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یکرہ تغیر الشیب (نبی کریم ﷺ سفید بالوں کے متغیر کرنے کو ناپسند کرتے تھے) اس لئے تو حضرت علیؓ، حضرت سلمۃ بن اکوعؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ نے خضاب نہیں کیا۔ شیخ جوادؒ نے جمع بین الامرین کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قوله: ولعل الجمع بین الأمرین بأن من شأنه الشیب ینبغی لہ الخضاب، ومن لم یشنہ فلا یستحب لہ (اتخافات ص ۸۶) یعنی امرین میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ سفید بال عیب دار معلوم ہوتے ہوں اس کو خضاب لگانا چاہئے اور جس کے ساتھ معیوب نہ لگے اس کے لئے خضاب لگانا مستحب نہیں۔ بہر حال ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خضاب کا مسئلہ اور معاملہ وسیع ہے ولکنہ اولیٰ من علمہ لعموم الأحادیث الوارد قفی ذلک. (تاہم نہ لگانے کی بہ نسبت خضاب لگانا بہتر



ہے بوجہ وارد شدہ عمومی احادیث کے) امام احمدؒ خود بھی خضاب لگاتے تھے اور خضاب لگانے والے سے محبت کرتے تھے بعض علماء نے اس مسئلہ میں بھی عرف کا اعتبار کیا ہے۔ تاہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب اسود سے منع فرمایا ہے۔ لامرہ ابا جحیفۃ بن یغیر شیبہ و یجتنب السواد (اتحافات ص ۸۷) (کیونکہ آپ ﷺ نے ابو جحیفہؓ کی بالوں کی سفیدی کو تبدیلی کا حکم تو دیا لیکن ساتھ ہی سیاہ خضاب سے بچنے کا فرمایا) اور اسی طرح بہت سے روایات میں اس کی شناعیت اور برائی کو اشارہ ہے۔ جیسے کہ علامہ ملا علی قاریؒ نے فرمایا لحدیث ابن عباس ایضاً مرفوعاً یکون قوم فی آخر الزمان ینخضون بهذا السواد کحوامل الحمام لا یجلون رائحة الجنة رواہ ابو داؤد والنسائی وفی اسنادہ مقال (جمع ص ۱۲۳) (حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ آخری زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کبوتر کے پوٹے کی مانند اس سیاہی کے ذریعہ خضاب کریں گے، ایسے لوگ جنت کی بو بھی نہیں پائیں گے)۔ اسی ضمن میں ملا علی قاریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ومنہم من فرق فی ذلک بین الرجل والمرأة فاجاز لہا دون الرجل واختارہ الحلیمی واما خضب الیدین والرجلین فیستحب فی حق النساء ویحرم فی حق الرجال الا للتداوی (حوالہ بالا) یعنی بعض فقہاء نے سیاہ خضاب کے بارے میں مرد اور عورت میں فرق کیا ہے عورت کے لئے سیاہ خضاب کو جائز قرار دیا ہے جبکہ مرد کے لئے ناجائز، اسی کو حلیمی نے اختیار کیا ہے اور ہاتھوں، پیروں پر مہندی لگانا عورتوں کے لئے تو مستحب ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے البتہ تداوی کے لئے جائز ہے۔

### لون اصفر کی ترغیب و برکات:

شیخ ابراہیم البیجوریؒ نے المطامح وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ خضاب بالاصفر محبوب اور پسندیدہ عمل ہے اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی پسندیدگی اور مدح کی طرف انہا بقرة صفر آء فاقع لونہا تسر الناظرین (۶۹:۲) (وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے، خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو) سے اشارہ فرمایا ہے حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے ان من طلب حاجة بنعل اصفر قضیت لأن حاجة بنی اسرائیل قضیت بجلد اصفر فیتاکد جعل النعل من الاصفر (مواہب ص ۶۱)

(کہ جو شخص کسی حاجت کو زرد جوتے کے ذریعہ تلاش کرتا ہے تو وہ پوری ہو جائیگی اسلئے کہ بنی اسرائیل کی حاجت پہلے چمڑے کے ساتھ پوری کر دی گئی تھی اس لئے جو تازہ چمڑے سے بنانا مؤکد ہے) علامہ بیجوریؒ مزید لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہمیشہ نعال اصفر کے پہننے کی ترغیب دیا کرتے تھے کیونکہ صفرة ان الوان سے ہے جو انسان میں سرسٹیں پیدا کرتے ہیں۔ کما اشار الیہ جمہور المفسرین حضرت ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ صفرة (زرد رنگ) نفس میں انبساط پیدا کرتی ہے اور غم و غم کو دور کر دیتی ہے حضرت ابن زبیر اور یحییٰ بن کثیر نے کالے جوتوں کے پہننے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان کے پہننے سے غم بڑھتا ہے۔ وقال ابن حجر فی الفتاویٰ وجاء یا معشر الأنصار حمروا أو صفروا وخالفوا أهل الكتاب وكان عثمان یصفّر (مواہب ص ۶۱) (ابن حجرؒ نے فتاویٰ میں کہا کہ یہ بھی وارد ہے کہ اے گروہ انصار کا! تم (سفید بالوں کو) سرخ یا زرد (پیلا) کرو اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو اور حضرت عثمانؓ بھی بالوں کو زرد کیا کرتے تھے)

### سفید بالوں کے اکھاڑنے کا حکم:

اس سے قبل بھی صفحہ ۳۰۵ پر اجمالاً عرض کیا گیا تھا مزید توضیحاً عرض ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک سفید بالوں کا اکھاڑنا مکروہ ہے لحدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جده مرفوعاً لا تنتفوا الشیب فانہ نور المسلم رواہ الاربعة وقال الترمذی حسن (سفید بال نہ اکھیڑو کہ یہ مسلمان کا نور ہے) اور امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے بروایت قتادہؒ نقل فرمایا قال کان یکرہ نف الرجل الشعرة البیضاء من رأسه ولحیتہ وقال بعض العلماء لا یکرہ نف الشیب الا علی وجه التزین وقال ابن العربی واما نہی عن النف دون الخضب لان فیہ تغیر الخلقۃ من اصلہا بخلاف الخضب فانہ لا یغیر الخلقۃ علی الناظر الیہ واللہ الموفق للصواب۔ (سرور داڑھی کے سفید بالوں کو اکھیڑنا مکروہ ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ صرف تزین کی غرض سے اکھیڑنا مکروہ ہے۔ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ سفید بالوں کو اکھیڑنا ممنوع ہے نہ کہ مہندی لگانا اس لئے کہ اکھیڑنے میں اصل خلقت کی تبدیلی ہے اس کے برعکس خضاب میں خلقت کی تبدیلی نہیں ہے) (جمع ص ۱۲۲)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي كُحْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

### باب حضور اقدس ﷺ کے سرمہ کے بیان میں

امام ترمذیؒ نے اس باب میں مختلف طرق کے اعتبار سے چھ حدیثیں بیان فرمائی ہیں جو حقیقت میں چار حدیثیں بنتی ہیں۔ وفي الباب ستة احاديث باعتبار الطرق وهي في الحقيقة اربعة (موہب ص ۶۲) ان احادیث میں خود حضور اقدس ﷺ کا بنفسِ نفیس اپنی آنکھوں میں سرمہ ڈالنا، سرمہ کے استعمال کے بارے میں ہدایات اور سرمہ استعمال کرنے کے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ باب خضاب کے بعد باب الکحل کے لانے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ کحل کو بھی خضاب کے ساتھ ایک گونہ مشابہت ہے لشبه الکحل بالخضاب في أنه نوع من الزينة (موہب ص ۶۱) (اس لئے کہ سرمہ کو بھی خضاب کے ساتھ زینت کے اقسام میں سے ہونے میں مشابہت ہے)

### سرمہ کا استعمال شرعی حکم اور منافع:

والکحل (بالضم) کل ما يوضع في العين للاستشفاء (ہر وہ چیز جو حصولِ شفا کی غرض سے آنکھ میں رکھی جاتی ہے) والکحل (بالفتح) جعل الکحل في عينه (آنکھ میں سرمہ ڈالنے کو) کو کہتے ہیں (موہب ص ۶۱) اور کحل بفتحین بمعنی خلقی طور پر آنکھ کا سرملگن ہونا (تقریر ترمذی) فالفاعل كاحل والمفعول مكحول (مناوی ص ۱۲۵) (تو اس کا اسم فاعل کاحل اور اسم مفعول مکحول) کے وزن پر آتا ہے) سرمہ مختلف قسم کے حجریات (پتھروں) سیاہ، سفید، نیلے، پیلے اور سرخی مائل سے تیار کیا جاتا ہے جو کہ انسانی آنکھوں کے لئے مفید ذریعہ حفاظت اور زینت و جمال کا باعث ہے۔

سرمہ مستحبات میں سے ایک جائز ضرورت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود سرمہ استعمال فرماتے تھے جس سے تین فوائد حاصل ہوتے ہیں یعنی زینت، شفاء اور سنت وهو یكون للزينة أو التطيب أو الاستشفاء (اتحافات ص ۸۸) بہر حال سرمہ کا استعمال درجہ استحباب میں ہے اتباع سنت کی نیت سے ہو پھر تو عبادت ہی عبادت ہے۔

شیخ ابراہیم اللیجوریؒ فرماتے ہیں۔ والا کتحال عندنا معاشر الشافعية سنة للاحادیث الواردة فيه (مواہب ص ۶۲) ہم شافعیہ کے نزدیک بوجہ ان احادیث کے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں آنکھوں میں سرمہ ڈالنا سنت ہے۔

### حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

شیخ ابراہیم اللیجوریؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپؐ کے پاس اسکندرانیہ کی ایک ڈبیہ تھی جس میں شیشہ کنگھی سرمہ دانی، قینچی اور مسواک وغیرہ ہوا کرتے تھے اور آپؐ کے شیشے کا نام المدلة تھا کان لہ صلی اللہ علیہ وسلم ربعة اسکندرانیہ فیہا مرآة ومشط ومكحلة ومقراض ومسواک وکانت لہ مرآة اسمها المدلة (مواہب ص ۶۵)

### ابن عربیؒ کا ارشاد:

ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ سرمے کے استعمال میں دو فائدے ہیں۔

(۱) زینت جب حصول زینت کی نیت سے استعمال کیا جائے تو یہ شرعاً مطلوب ہے باعث اجر و ثواب بھی ہے اور یہ تصفعات مذمومہ میں داخل نہیں جو شرعاً ممنوع ہیں کحل زینت کے لئے شرعاً کوئی تحدید نہیں وہ بقدر حاجت ہے۔

(۲) تطیب جب تطیب کی نیت سے استعمال ہوگا فہو بقوی البصر وینبت الشعر البتہ (تو وہ نظر کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بالوں کی بڑھوتری کرتا ہے) کحل منفعت اور کحل تطیب کے لئے وقت متعین ہے۔ وقتہ صاحب الشرع کل لیلۃ (مواہب ص ۶۲) (صاحب شریعت نے اس کو ہر رات کے ساتھ وقت کیا ہے)

(۳۸/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ أَنَّهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ عَنْ عَبْدِ بْنِ مَنْصُورٍ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اكْتَحِلُوا بِالْأَثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَرَعِمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مُكْحَلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِي هَذِهِ وَثَلَاثَةً فِي هَذِهِ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن حمید رازی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو داؤد طیالسی نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت عباد بن منصور سے نقل کی اور انہوں نے عکرمہ سے۔ وہ اپنے استاذ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمہ کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرو اس لئے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو بھی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اگاتا ہے حضرت ابن عباسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے تین تین سلائی ہر رات آنکھوں میں ڈال کرتے تھے۔

راویان حدیث (۱۷۰) محمد بن حمید الرازیؒ اور (۱۷۱) عباد بن منصورؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### اثمد کی فضیلت و برکات:

اکتحلوا بالاثمد ارشاد ہے آنکھوں میں اثمہ سرمہ لگایا کرو ای دو موا علی استعمالہ (جمع و مناوی ص ۱۲۶) یعنی اس کو پابندی سے استعمال کرو۔ اثمہ ایک خاص قسم کا پتھر ہے جسے (پیش کر) سرمہ بنایا جاتا ہے۔ حجر یکتحل بہ (جمع ص ۱۲۶) توربشتیؒ نے فرمایا یہ حجر معدنی ہے بعض نے کہا۔ هو الکحل الاصفہانی (جمع ص ۱۲۶) (یہ اصفہانی سرمہ ہے)

اثمد کالا سرمہ ہے مگر سرخی مائل و هو اسود یضرب الی حمرة (مواہب ص ۶۲) اس میں بہت سے فائدے ہیں ینشف اللمعة والقروح ویحفظ صحة العین ویقوی عصابتها لا سیما للشیوخ والصیان (جمع ص ۱۲۶) (کہ آنسوؤں، پھوڑوں کو خشک کرتا ہے اور آنکھوں کی صحت مضبوطی تقویت کا ذریعہ بنتا ہے خصوصاً بوڑھوں اور بچوں کے لئے)

اٹمڈ سرمہ کے استعمال کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اسے خود حضور اقدس ﷺ نے استعمال فرمایا اور اس کے استعمال کرنے کا حکم دیا حالانکہ آپ ﷺ صرف بھلائی اور خیر کا ہی حکم دیتے ہیں ویکفی فی فضلہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثحل بہ وامر باستعمالہ وهو لا یأمر الا بخیر (تحافات ص ۸۸) ابن ماجہ میں روایت ہے کہ تمام سرموں میں بہترین سرمہ اٹمڈ ہے کہ روشن کرتا ہے نگاہ کو اور اگاگاتا ہے پلکوں کو (ابن ماجہ ص ۲۵۰) نیز اسی باب کی حدیث ۵۱/۲ صفحہ ۳۳۳ میں بھی یہی حدیث مذکور ہے۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاثمد والمروح عند النوم وقال لیقلہ الصائم (رسول اللہ نے سوتے وقت اٹمڈ سرمہ لگانے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ روزہ دار اس سے بچے) بیہقی میں ہے کان یکثحل بالاثمد وفی سندہ مقال یعنی آپ اٹمڈ کا سرمہ لگاتے تھے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے قالت کان لرسول اللہ اٹمڈ یکثحل بہ عند منامہ فی کل عین ثلاثا (جمع ص ۱۲۶) (نبی کریم ﷺ کے پاس اٹمڈ سرمہ تھا اور سوتے وقت ہر آنکھ میں اس سے تین سلائی لگاتے) تاہم اتنا یاد رہے کہ اس کے مخاطب صحت مند ہیں مگر جو آنکھ مریضہ ہو اسے اٹمڈ کا استعمال نقصان دیتا ہے اما العین المریضۃ فقد یضرہا الاثمد (مواہب ص ۶۲) فانہ یجلو البصر بصر کوروش کرتا ہے آنکھوں کی میل کچیل دور کرتا ہے انہ کی ضمیر کا مرجع اٹمڈ ہے یا اکثحل ہے یجلو اجلاء سے ہے یعنی اٹمڈ یا عمل اکثحل آنکھوں کو پاک و صاف کر دیتا ہے۔ مواد ردیہ جو سر سے آنکھوں میں نازل ہوتا ہے اسے دور کر دیتا ہے ویبلغ المواد الردینۃ المنحدرۃ الیہ من الرأس (مواہب ص ۶۲)

وبین الشعر... انبات سے ہے یعنی آنکھوں کی پلکوں کے بالوں کی افزائش کرتا ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ سرمہ کے استعمال سے دوران خون درست ہوتا ہے جس کی وجہ سے پلکوں کے بال لمبے اور گھنے ہو جاتے ہیں جب پلکیں کمزور ہوں تو آنکھوں کی صحیح حفاظت نہیں ہو پاتی تو بصارت پر اثر پڑتا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں المراد شعر اهداب العین الذی ینبت علی اشفارہا وعند ابی عاصم والطبری من حدیث علی بسند حسن علیکم بالاثمد فانہ منبتۃ للشعر لمنہبۃ للقلدی

مصفاة للبصر (جمع ص ۱۲۶) یعنی اس سے آنکھوں کے پلکوں کے بال مراد ہیں جو آنکھوں کے کنارے پر آگئے ہیں۔ ابو عاصمؒ اور طبریؒ سے سند حسن کے ساتھ روایت بیان کرتے ہیں فرمایا کہ : اشد سرمہ استعمال کیا کرو اس لئے کہ یہ پلکوں کے بال اُگاتا ہے، میل کچیل کو دور کرتا ہے اور بصارت کو صاف کر دیتا ہے۔

### بعض ائمہ متبوعین کے آراء و دلائل:

ابن حجرؒ فرماتے ہیں امر یہاں پر ندب کے لئے ہے کیونکہ سرمہ لگانا دنیوی منافع کے قبیل سے ہے بعض ائمہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ اکحال بالاثمد سنت ہے کیونکہ آپؐ نے اس پر پیشگی اور مواظبت کی ہے اور اس کی دعوت بھی دی ہے۔

امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ فقط زینت کے لئے سرمہ لگانا مکروہ ہے البتہ ان کے نزدیک امراض خفیفہ سے مداوی کے لئے سرمہ لگانا جائز ہے۔ وفي هذا اشارة الى أننا نقصد عند الاكحال التسنن ودوام الصحة والاستشفاء (اتحافات) (اس میں یہ اشارہ ہے کہ سرمہ کے استعمال کرنے کے وقت طلب شفا اور صحت اور سنت پر عمل کرنے کا ارادہ ہو)

### لفظ زعم کی بحث:

لفظ زعم سے قبل قولی حدیث تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے سرمہ اشد کے استعمال کی ترغیب دی اب آگے لفظ زعم کے بعد فعلی حدیث کا بیان ہے کہ سرمہ کے استعمال سے متعلق آپؐ کا اپنا معمول مبارک کیا تھا اس میں پہلی بات تو یہ ہے لفظ زعم کا معنی کیا ہے دوسرا یہ کہ اس میں ضمیر فاعل کا مرجع کون ہے؟

(۱) یہاں پر لفظ زعم بمعنی قال کے ہے دونوں ہم معنی ہیں اور ضمیر حضرت ابن عباسؓ کو راجع ہے ملا علی قاریؒ بھی فرماتے ہیں کہ ضمیر کا مرجع اگر ابن عباسؓ کو قرار دیا جائے۔ وہ اقرب وبالاتدلال انسب (جمع ص ۱۲۶) (یہی زیادہ راجح اور استدلال کے مناسب ہے) اور زعم بمعنی

قول محقق کے ہوگا والمراد به هناك القول المحقق (اتحافات ص ۸۹)

(۲) بعض حضرات نے کہا اگرچہ یہ قول ضعیف بھی ہے کہ زعم کی ضمیر کا مرجع محمد بن حمید ہیں تو پھر زعم اپنے لغوی معنی شک پر باقی رہے گا جو ضعف حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ درمیانی راویوں کو ساقط کر دیا گیا۔ علامہ ملا قاریؒ لکھتے ہیں فالزعم باق علی معناه المتبادر اشارة الى ضعف حدیثه باسقاط الوسائط بينه وبين النبي صلى الله عليه وسلم (جمع ص ۱۲۶)

(۳) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہاں لفظ زعم سے شک والی بات مراد ہی نہیں بلکہ قال اور زعم کو الگ الگ لانے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ قولی حدیث اور فعلی حدیث میں امتیاز کرنا چاہتے ہیں لفظ قال سے حدیث قولی اور لفظ زعم سے حدیث فعلی کو اشارہ ہے۔ اور ایک اشارہ اس امتیاز کو بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی حدیث مرفوع ہے اور دوسری موقوف ہے۔ وإيماء الى ان الاول حديث مرفوع والثاني موقوف او الاول قولی والثاني فعلی (جمع ص ۱۲۶)

### لفظ مکحلة کی بحث:

كانت له مكحلة ... آپ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں آپ سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے مکحلة اسم آلہ ہے قاعدہ کے لحاظ سے میم پر کسرہ آنا چاہیئے تھا مگر یہاں ضمہ ہے تاہم محدثین اور ائمہ لغت اسے اسم ظرف نہیں مانتے بلکہ اسم آلہ قرار دیتے ہیں جس کا ضمہ خلاف القیاس ہے اور نوادر و عجائب سے ہے اسم آلہ الکحل علی خلاف القیاس والمراد منها ما فيه الکحل (جمع ص ۱۲۷)

### رات کو سرمہ کے استعمال اور عمل تثلیث کی حکمت و برکت:

يكتحل منها كل ليلة ثلاثة ... آپ ہر رات اس سے سرمہ کیا کرتے تھے تین سلائی اس آنکھ میں اور تین سلائی اس آنکھ میں۔ رات کو سرمے کے استعمال میں فائدہ یہ ہے والحكمة فيه انه حينئذ ابقى للعين وامكن في السراية الى طبقاتها (جمع ص ۱۲۷) یعنی اس میں حکمت یہ ہے کہ سرمہ دیر تک



آنکھ میں رہتا ہے اور اچھی طرح آنکھ کے مختلف حصوں میں سرایت کر جاتا ہے۔

ثلاثة ای متوالية (جمع ص ۱۲۷) وحكمة التلثیت توسطه بین الاقلال والاكثر (مناوی ص ۱۲۷) تلثیت کی حکمت قلت اور کثرت کے درمیان متوسط عدد کو اختیار کرنا ہے)

### ایتار کی صورتیں اور حکمت و برکات:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من اکتحل فلیوتر (ابوداؤد) ایتار (طاق عدد) میں دو قول ہیں (۱) ہر آنکھ میں تین تین سلائی سرمہ کیا جائے۔ جیسا احادیث میں مذکور ہے لیکن فی کل عین یتحقق الایتار (جمع ص ۱۲۷) (تاکہ ہر آنکھ میں ایتار پر عمل ہو جائے)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں آنکھوں میں پانچ سلائیاں کی جائیں تاکہ مجموعی طور پر ایتار مکمل ہو۔ تین دائیں میں اور دو بائیں میں جیسے کہ شرح السنۃ میں مذکور ہے کہ اس صورت میں مناسب صورت استعمال سرمہ کی یہ ہو کہ ابتداء بھی اور انتہاء بھی دائیں سے۔ تفضیلاً لہا علی اليسار (جمع ص ۱۲۷) (دائیں کو بائیں پر فضیلت کی وجہ سے)۔

(۳) اور یہ بھی جائز ہے کہ ہر آنکھ میں دو دو سلائی سرمہ کیا جائے وواحدة بینہما تو بھی ایتار کی تکمیل ہو جائے گی۔

(۴) اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ دائیں آنکھ میں تین سلائی متعاقبۃ یکجا کی جائیں اور بائیں آنکھ میں دو سلائی فیکون الوتر بالنسبة الیہما جمیعاً (جمع ص ۱۲۷) (تو مجموعہ کی نسبت ایتار ہو جائے گا) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وأرجحہا الاول لحصول الوتر شفعامع انہ یتوصل ان یکتحل فی کل عین واحدة ثم وثم ویؤل امرہ الی الوترین بالنسبة الی العضوین (جمع ص ۱۲۷) (ان میں پہلی صورت زیادہ رائج ہے اس لئے کہ اس سے ہر آنکھ میں تین، تین سلائی دو مرتبہ ڈالنا حاصل ہو جاتا ہے چونکہ اعضاء یعنی آنکھیں دو ہیں لہذا اس سے ایتار یعنی دو مرتبہ ثابت ہو جاتا ہے) علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں - یمکن الجمع بین هذه الروایات باختلاف الاوقات ففعل کلاہی وقت (مواہب ص ۶۳) (ان مختلف روایات میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ یہ

مختلف اوقات پر محمول ہیں تو ہر ایک صورت کو آپ نے کسی نہ کسی وقت اختیار کیا ہے)

## شیخ عبدالرؤفؒ کی توضیح و تنبیہ:

شیخ عبدالرؤفؒ اپنی شرح شمائل میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ سرمہ لگانے کے دو فائدے ہیں (۱) زینت (۲) تطیب۔ اور جب اس کا استعمال زینت کے لئے ہو تو یہ ظاہری بناوٹ اور تصنع سے مستثنیٰ ہے اور وہ مذموم تصنع نہیں جو شرعاً ممنوع ہے مثلاً ”وصل“ اصلی بالوں کے ساتھ جعلی بالوں کا امتزاج، الوشم جسم کے حصوں پر سوئی گودنے اور ابھرنے کے ذریعہ نقش و نگار بنانا، تفلج دانتوں میں چیر نکالنا وغیرہ۔ سرمہ زینت کرنے والوں کے لئے رخصت اور اللہ کی رحمت ہے اور جب سرمہ تطیب کی نیت سے استعمال کیا جائے تو آنکھوں کو قوت و طاقت ملتی ہے ضعف و کمزوری کا ازالہ ہوتا ہے اوپر والے بال اگتے ہیں جو قوت باصرہ کو روشن کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور تیز شعاعوں سے نظر کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ہاں کحل برائے زینت کی کوئی شرعی حد مقرر نہیں ہے اس کے اظہار و اخفاء میں قدر حاجت کا اعتبار ہے البتہ کحل منفعت کے لئے شارع نے رات کا وقت مقرر کیا ہے فائدہ یہ ہے کہ رات کو سوتے وقت سرمہ آنکھوں کے پلکوں میں رہتا ہے آنکھ کی گرمی کو سکون بخشتا ہے آنکھوں کی گہرائیوں میں خود سیرایت کرتا ہے اور مقصود انتفاع میں اس کی تاثیر ظاہر ہوتی ہے۔

(مناوی ص ۱۲۷)

(۴۹/۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا إِسْرَءِيلُ بْنُ يُونُسَ عَنْ عَبْدِ بْنِ مَنْصُورٍ وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَنَّنَا عَبْدُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ بِالْإِيمِدِ ثَلَاثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ وَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ فِي حَدِيثِهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مَكْحَلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ.

ترجمہ! ہمیں عبداللہ بن صباح ہاشمی بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے اس

روایت کی خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسرائیل بن یونس نے عباد بن منصور کے حوالے سے یہ خبر دی (ح) اور ہمیں بیان کیا علی بن حجر نے۔ اُن کو بیان کیا یزید بن ہارون نے۔ انہیں خبر دی عباد بن منصور نے۔ انہوں نے یہ روایت عکرمۃ سے اور انہوں نے عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کی یہ صحابی رسول فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے قبل ہر آنکھ میں تین سلائی اشد کے سرمہ کے ڈالا کرتے تھے اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ ہی سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اشد کا سرمہ ضرور ڈالا کرو وہ نگاہ کو روشن بھی کرتا ہے اور پلکیں بھی خوب اگاتا ہے۔

راویان حدیث (۱۷۲) عبد اللہ بن صباحؓ (۱۷۳) عبید اللہ بن موسیٰؓ اور (۱۷۴) اسرائیل بن یونسؓ

”مذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## لفظ ح کی توضیح :

امام ترمذیؒ اس حدیث کو تقویۃً دو اسناد کے ساتھ لائے ہیں ایک سند سے دوسری سند کے انتقال کے لئے درمیان میں ح لایا گیا ہے کہ پہلی سند یہاں ختم ہوئی اب دوسری سند لائی جا رہی ہے مابہ الاتصال فی السند پر ح لکھ دیا جاتا ہے استدلال کے لئے ایک ہی سند کافی ہوتی ہے جبکہ تمام سندات کے لانے میں تطویل ہے۔ چونکہ اسناد کا تعدد حدیث کی تقویت کا باعث ہے اس لئے محدثین حضرات نے تطویل سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جہاں اسناد مختلفہ ہیں ایک راوی مابہ الاشتراک ہو تو وہاں ح مفردہ درج کر کے ایک سند سے دوسری سند کو انتقال کر لیتے ہیں۔

## ”ح“ کا تلفظ اور معنی :

محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ فرماتے ہیں ح کے تلفظ اور معنی میں اختلاف ہے علماء مغرب اس کی تعبیر تحویل سے علماء مشرق اس کو ح بالمد اور بالقصر پڑھتے ہیں مگر بالقصر پڑھنا اولیٰ ہے امام شعبہؒ فرماتے ہیں حروف تہجی اور ایسا ثنائی کلمہ جس کے آخر پر الف ہوتا ہے اگر ترکیب کلام میں آجائے تو وہ بالمد پڑھا جاتا ہے اگر بغیر ترکیب کے مفرد استعمال ہو تو بالقصر پڑھنا اولیٰ ہے جیسے باتا تا

وغیرہ۔ بعض حضرات نے اسے معجمہ ”خ“ بمعنی ’اشارۃ الی اسناد آخر قرار دیا ہے مگر زیادہ معرو ف اور صحیح ”ح“، مہملہ ہے بعض حضرات کے نزدیک اشارہ ہے الی آخر ماسیجینی کو بعض علماء مغرب اسے الحدیث سے ماخوذ اور اس کا بدل قرار دیتے ہیں مگر قول فیصل اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ ح محدثین کی اصطلاح میں تحویل سے کنایہ ہے یعنی ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہونا یہاں ایک فائدہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ محدثین حضرات کے عادات میں ایک یہ بھی ہے کہ جب متعدد طرق سے ایک حدیث لاتے ہیں تو متن حدیث اس سند کا درج کرتے ہیں جو عالی ہو۔

(حقائق السنن جلد اول ص ۱۰۳)

### آنکھوں میں سرمہ لگانے کا طریقہ:

قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم .... حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدسؐ سونے سے پہلے اشد سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے ہر آنکھ میں تین تین سلائی لگاتے۔  
وقال یزید بن ہارون الخ یزید بن ہارون اپنی روایت میں کہتے ہیں کہ آپؐ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپؐ سوتے وقت سرمہ استعمال کرتے تھے ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں سرمہ ڈالتے۔ گذشتہ روایت میں بھی آپؐ کا یہی معمول بیان ہو چکا ہے۔

### بیان اختلاف الفاظ:

والمقصود بیان اختلاف الألفاظ بین روایۃ اسرائیل وروایۃ یزید وقولہ انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لہ مکحلة یکتحل منها عند النوم ثلاثاً فی کل عین ہذہ روایۃ یزید بن ہارون المتاخر بعد التحویل فالحاصل ان کلاً من اسرائیل ویزید روی عن عباد بلفظ غیر الآخر فاللفظ الاول روایۃ اسرائیل عن عباد واللفظ الثانی روایۃ یزید (مواہب ص ۶۳) یعنی یہ روایت اسرائیل اور روایت یزید میں الفاظ کے اختلاف کو بیان کرنا مقصود ہے اور راوی کا یہ قول ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لہ الخ“ یہ یزید بن ہارون کی روایت ہے جو تحویل کے بعد ذکر ہے۔ حاصل یہ کہ اسرائیل اور یزید میں سے ہر ایک راوی نے عباد سے اپنے الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے تو ”ح“ سے پہلے کے

الفاظ روایت اسرائیل عن عباد کے میں اور ”ح“ کے بعد والے الفاظ روایت یزید کے ہیں۔

(۵۰/۳) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ أَنَّنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْإِثْمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ.

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ ان کو محمد بن یزید نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت محمد بن اسحاق سے لی اور انہوں نے محمد بن منکر سے سنی۔ وہ صحابی رسولؐ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثمہ کا سرمہ سوتے وقت ضرور ڈالا کرو وہ نگاہ کو روشن بھی کرتا ہے اور پلکیں بھی خوب اگاتا ہے۔

راویان حدیث (۱۷۵) محمد بن یزید (۱۷۶) محمد بن اسحاق (۱۷۷) محمد بن المنکدر اور (۱۷۸) حضرت جابرؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

علیکم بالاثمد عند النوم .. اپنے اوپر اثمہ سرمہ کو لازم پکڑ سوتے وقت۔ علیکم اسم فعل ہے بمعنی خذ وہ تو مرادی معنی یہ ہے کہ اکتھلوا بہ (جمع ص ۱۲۹) (اثمد کا سرمہ ڈالا کرو) ابن حجرؒ فرماتے ہیں والامر للندب اجماعاً (جمع ص ۱۲۹) یعنی یہاں امر بالاتفاق استحباب کے لئے ہے (عند النوم ای لانه حينئذ ادخل وأنفع) (مواہب ص ۶۳) (سوتے وقت اس کا سرمہ ڈالا کرو اس لئے کہ اس طرح آنکھ کے حصوں میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے اور زیادہ مفید ہے)

### منافع دنیویہ کے ساتھ تعلیل:

فانه يجلو البصر وينبت الشعر یہی مضمون گذشتہ حدیث میں بھی گذر چکا ہے اخبار عن اصل فائدة الاكثمال وكونه عند النوم ادخل في تلك الإفادة مناوی ص ۱۲۹

ملا علی قاریؒ نے اس مقام پر طویل بحث کی ہے جس کی تلخیص یہ ہے کہ حدیث میں سرمہ کے فوائد کی منافع دنیویہ کے ساتھ تعلیل اس کی سنیت کے منافی نہیں بالخصوص جبکہ اس پر حضور اقدس ﷺ کی مداومت اور ترغیبات قولیہ بھی موجود ہیں اور یہ منافع امور اخرویہ کے لئے وسیلہ بھی ہیں۔

کمعرفة الطهارة وتوجه القبلة وغير ذلك مما يترتب على منافع البصر حتى فضله بعضهم على السمع متعنا الله تعالى بهما (جمع ص ۱۲۹) یعنی جیسا کہ طہارت اور استقبال قبلہ وغیرہ معلوم کرنا جو نظر کے فوائد میں سے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے بصارت کو سماعت پر ترجیح دی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں کے فوائد سے بہرہ مند فرمائے۔ اور تعلیل سے ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ سرمہ لگانے والے جب تحصیل سنت کا ارادہ کریں تو اس کے لئے یہ بھی چاہیے کہ وہ معالجا اور دواء کی بھی نیت کرے عورتوں کی طرح مجرد زینت پر اکتفاء نہ کرے۔ ولذا ذهب الامام مالکؒ الی کراهة الاكتمال للرجال مطلقاً الا للتداوی (جمع ص ۱۲۹) (اس لئے تو امام مالکؒ کے نزدیک مردوں کے لئے بغیر تداوی کے سرمہ لگانا مطلق (باقی صورتوں میں) مکروہ ہے)

(۵۱/۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنَا بَشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خِثْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ خَيْرَ أَكْحَالِكُمْ الْأَمْتُ يَجْلُوا لُبَصْرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ.

ترجمہ! ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بشر بن مفضل نے خبر دی۔ انہوں نے عبد اللہ بن عثمان بن خثیم سے یہ روایت نقل کی انہوں نے سعید بن جبیر سے نقل کیا اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسولؐ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے سنی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے سب سرموں میں اشد بہترین سرمہ ہے آنکھ کو بھی روشنی پہنچاتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔

راویان حدیث (۱۷۹) بشر بن المفصلؒ (۱۸۰) عبد اللہ بن عثمانؒ اور (۱۸۱) سعید بن جبیرؒ کے حالات

”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

ان خیر اکحالکم الإثمذ الخ قال القسطلانی خیر یتہ باعتبار حفظہ صحۃ العین لافی مرضہا اذا الإکحال بہ لا یوافق الرمد فقد یکون غیر الإثمذ خیر الہا بل ربما ضرہا الإثمذ وقولہ یجلو لبصر الخ الجملة واقعة فی جواب سؤال مقلد فکان سائلاً قال ما السبب فی کونہ خیر الأكحال فقیل لہ یجلو البصر وینبت الشعر (مواہب ص ۶۴)

یعنی قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ اشد سرمہ کا بہترین ہونا آنکھ کی حفاظت کی وجہ سے ہے، آنکھ کی بیماری میں کارآمد نہیں اس لئے کہ آشوب چشم کی صورت میں سرمہ موافق نہیں ہوتا، بسا اوقات اس میں اشد کے علاوہ چیز بہتر ہوتی ہے بلکہ کبھی تو اشد آشوب چشم کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔ یجلو لبصر کا جملہ سوال مقدر کا جواب ہے کہ گویا کسی سائل نے پوچھا کہ اس میں بہتری کس وجہ سے ہے تو جواب دیا گیا کہ یہ بصارت کو روشن کرتا ہے اور پلکوں کو اگاتا ہے۔

(۵۲/۵) حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُسْتَمِرِّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ سَالِمٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْإِثْمِذِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ .

ترجمہ! ہمیں ابراہیم بن مستمر بصری نے بیان کیا۔ اُن کو ابو عاصم نے عثمان بن عبد المالك کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سالم سے اور انہوں نے اپنے استاذ عبد اللہ بن عمرؓ سے نقل کی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کیا کہ اشد ضرور ڈالا کرو وہ نگاہ کو بھی روشن کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔

راویان حدیث (۱۸۲) ابراہیم بن المستمرؒ (۱۸۳) عثمان بن عبد المالكؒ (۱۸۴) سالمؒ اور (۱۸۵) حضرت ابن عمرؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### ایرا و حدیث کا مقصد:

علیکم بالاثمد ... اس حدیث کا مضمون سابقاً گزر چکا ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اعلم ان فائدة ایراد هذا الحديث مكررا باسانيد مختلفة تقوية اصل الخبر وتأکید مصمونه فان عباد بن منصور ضعيف اتفاقاً و كان يلدس و رمى بالقلر (جمع ص ۱۳۰) یعنی اس حدیث کو مختلف اسانید کے ساتھ مکرر لانے کا فائدہ اصل روایت کی تقویت اور مضمون کی تاکید ہے اس لئے کہ راوی عباد بن منصور بالاتفاق ضعیف ہے وہ تدلیس کرتا اور اس پر قدریت کا الزام بھی تھا۔

=====



## بَابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے بارے میں

اس باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں، سفید لباس، کُرتے کی پسندیدگی، کُرتے کی ہیئت، چادر مبارک اوڑھنے، نیا کپڑا پہننے کے وقت دعا اور مختلف الوان کے لباس پہننے کے سلسلہ میں سولہ (۱۶) احادیث لائی گئی ہیں۔ باب ماجاء ای بیان ما ورد فی لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الأخبار (مواہب ص ۶۵) (باب ان احادیث کے بیان میں جو آپ ﷺ کے لباس کے متعلق وارد ہوئی ہیں)

### گذشتہ باب سے ربط :

گذشتہ ابواب میں ترجل، خضاب اور کحل کا بیان تھا ان کے بعد اب اس باب میں لباس کے سلسلہ میں وارد احادیث لائی جا رہی ہیں لمناسبة لها في أنه نوع من الزينة (مواہب ص ۶۵) (ان ابواب کے ساتھ وجہ مناسبت یہ ہے کہ، یہ بھی زینت کی ایک قسم ہے) وجاء هذا الباب عقب الخضاب والترجل لأنه مما يتزين به الانسان (اتحافات ص ۹۳) خلاصہ یہ کہ خضاب، کنگھی کرنا اور لباس ان میں جامع مناسبت ترین ہے۔

### لباس کی فضیلت :

اللباس بروزن کتاب ما يلبس فوق الجسم (جو جسم پر پہنا جاتا ہے) کو کہتے ہیں اسی طرح ملبس بروزن مذهب، لبس بروزن حمل، اور لبوس بروزن صبور کا بھی یہی معنی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لباس کی تخلیق میں دو مصلحتوں اور فوائد کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی ادم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سواکم و ریشاً (۲۶: ۷) اے اولاد آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے جو کہ تمہاری

ستر پوشی اور زینت کا ذریعہ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ارشاد ہے اللباس زینۃ والعری شین (لباس زینت کا باعث ہے اور رنگ ہونا عیب ہے) (حجة اللہ البالغة) لباس انسان کی فطرت ہے جب حضرت آدم وحواء علیہما السلام نے شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو ان کا جنتی لباس اتر گیا اور دونوں کو شرمندگی کا احساس ہوا وَطَفَقًا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ (۷:۲۲) تو انہوں نے جنت کے درختوں کے پتوں کے ساتھ اپنی ستر پوشی کی۔ خلاصہ یہ کہ ستر پوشی عین فطرت ہے اور عریانی خلاف فطرت ہے۔

## لباس کے پانچ اقسام و احکام:

شیخ عبدالجواد الدومیؒ نے لباس کے پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح واللباس تعتریہ الاحکام۔ الخمسة: فيكون واجباً كاللباس الذي يستر العورة ومنلوباً كالشوب الحسن للعيلين، والثوب الأبيض للجمعة ومحرمًا كالحرير للرجال ومكروها كالبس القديم البالي للرجل الغني ومباحاً وهو ما عدا ذلك (اتحافات ص ۹۳) یعنی واجب لباس وہ ہے جو ستر عورت کو چھپائے اور مندوب جیسا کہ عیدین کے موقع پر اچھا لباس پہننا یا نماز جمعہ کے لئے سفید لباس پہننا۔ اور حرام لباس جیسا کہ مردوں کے لئے ریشم کا لباس۔ اور مکروہ جیسا کہ مالدار آدمی پرانا اور بوسیدہ لباس پہننے۔ اور مباح وہ لباس جو ان کے علاوہ استعمال کیا جاتا ہے

## لباس میں اعتدال:

عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اختیارِ ثياب اور تائق میں اعتدال پسند تھے اور قرآن کے ارشاد کے مطابق لباس تقویٰ کی ترغیب دیتے تھے وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ (۲۶:۷) اور لباس پرہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے ایاکم ولبستین: لبسة مشهورة، ولبسة محقودة۔ دو قسم کے لباس سے بچتے رہو ایک شہرت کے لباس سے دوسرے حقارت کے لباس سے۔

وقال بعضهم أما الطعام فكل لنفسك ما اشتهيت واجعل لباسك ما اشتهاه الناس یعنی کھانے

میں اپنی پسند اور چاہت کا خیال رکھو اور لباس میں لوگوں کی پسند منتخب کرو۔ (جبکہ حرام لباس اور غیر اقوام کی مشابہت اس میں نہ ہو) اس لئے حضور اقدس ﷺ بھی اپنی قوم جیسا لباس پہنتے تھے اور لباس میں کسی پر بھی تفاخر اور امتیاز انہیں محبوب نہ تھا۔ فکان یلبس الکساء الخشن ویقسم اقبیۃ الخنز فی صحبہ آپ خود کھدر کا کھدر اچھے پہنتے تھے جبکہ صحابہ کرامؓ کو ریشمی کپڑے (جواز کی حدود کو ملحوظ رکھ کر) کی شیروانیاں تقسیم فرماتے تھے (اتحاف ص ۹۳)

(۵۳/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ أَنبَأَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى وَأَبُو ثَمِيلَةَ وَزَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَرِيدَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصُ .

ترجمہ! محمد بن حمید رازی نے ہمیں بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی فضل بن موسیٰ اور ابو تمیلہ اور زید بن حباب نے۔ انہوں نے یہ روایت عبد المؤمن بن خالد سے اور انہوں نے عبد اللہ بن بریدہ سے نقل کی اور وہ روایت ام المؤمنین ام سلمہ سے نقل کرتے ہیں۔ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سب کپڑوں میں گرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۱۸۶) الفضل بن موسیٰ (۱۸۷) ابو تمیلہ (۱۸۸) زید بن حباب اور (۱۸۹) عبد المؤمن بن خالد کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

قالت كان أحب الثياب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم القميص... حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو لباس کے کپڑوں میں قمیص بہت پسند تھی۔

باب کی پہلی تین روایات کا متن ایک ہی ہے سوائے تیسری حدیث کے کہ اس میں یلبسہ کا لفظ آیا ہے مگر چونکہ اسناد قدرے مختلف تھے اس لئے ایک ہی متن کو علیحدہ علیحدہ سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے

## لفظ قمیص کی لغوی، عرفی، نحوی تحقیق :

القمیص اس کی جمع قُمُصٌ، قُمُصٌ، اَقْمُص اور قُمُصَان آتی ہے۔ والقمیص اسم لما یلبس من المخیط الذی له کمان وجیب یلبس تحت الثیاب ولا یشکون من صوف کذا فی القاموس (مواہب ص ۶۶) (قمیص ایسے سلے ہوئے لباس کو جس کی آستین اور جیب ہوں اور اون سے بنا ہوا نہ ہو) قمیص کو قمیص کیوں کہتے ہیں۔ شارحین حدیث نے اس کی بھی توجیہات بیان کی ہیں۔ (۱) یہ قَمَمَص سے ماخوذ ہے بمعنی تَقَلَّب کے لتقلب الانسان فیہ (اس میں انسان گھومتا پھرتا ہے) (۲) بعض حضرات نے کہا یہ غلاف القلب کی جلد کے نام سے ماخوذ ہے فان اسمها القمیص (مواہب ص ۶۶) یعنی غلاف القلب کی جلد کو بھی قمیص کہتے ہیں۔

القمیص بالنصب والرفع دونوں طرح منقول ہوا ہے ترکیب کے لحاظ سے مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھنا درست ہے الغرض القمیص یا تو کان کی خبر ہے یا کان کا اسم ہے۔ اس موقع پر یہ تنبیہ بھی ضروری ہے کہ لفظ قمیص ہمارے معاشرے میں ایک خاص مروج وضع کے لباس پر بولا جاتا ہے تاہم یہ اصطلاح مستحدث ہے۔ مگر یاد رہے ہمارے ماحول میں جس چیز پر ”گرتے“ کا اطلاق کرتے ہیں اہل عرب اسے قمیص کہتے ہیں جو شرفاء اور معززین کا لباس ہے۔ علماء اور شرفاء کو صلحاء کا لباس پہننا چاہئے اور مردہ قمیص سے احتراز کرنا چاہئے۔

## قمیص مبارک :

قمیص کی مقدار کتنی ہو؟ روایات میں تصریح ہے کہ اس کی لمبائی نصف ساق تک ہو کر تھی نصف ساق سے نیچے بھی جائز ہے تاہم اگر کعبین کے نیچے ہو تو بالکل ناجائز ہے سنت بہر حال یہ ہے کہ زنانہ کے نیچے اور نصف ساق کے قریب ہو۔

حضور اقدس ﷺ کو قمیص اس لئے بھی زیادہ پسند تھی کہ وجہ احیۃ القمیص الیہ صلی اللہ علیہ وسلم انه أستر للأعضاء من الإزار والرداء ولانه اقل مؤنة واخف علی البدن ولا یسہ اکثر

تواضعاً (جمع ص ۱۳۲) (آپؐ کو قمیص پسند تھی اس لئے کہ تہبند اور چادر کی بہ نسبت یہ اعضاء کو اچھی طرح چھپاتی ہے، نیز اس کا خرچ بھی کم ہوتا ہے، بدن پر ملکی رہتی ہے اور اس کا پہننے والا زیادہ متواضع ہوتا ہے)۔

### ایک تعارض سے جواب:

بعض روایات میں آیا ہے کہ آپؐ کو خلہ یعنی یمنی چادریں پسند تھیں جو بظاہر اس روایت کے منافی ہیں اور بظاہر تعارض ہے حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

(۱) کہ خطب یعنی سلے ہوئے کپڑوں میں آپؐ کو قمیص پسند تھی اور غیر خطب یعنی اُن سلے کپڑوں میں خلہ یعنی چادریں پسند تھیں۔

(۲) اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ أحب الثیاب میں اسم تفضیل کی اضافت استغراق کے لئے نہیں ہے کہ تمام کپڑوں سے زیادہ پسند تھی بلکہ مطلق کپڑے مراد ہیں تو معنی یہ ہوگا کہ مطلق کپڑوں میں سے قمیص پسند تھی۔

شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں فہو (القميص) أحبها اليه لبساً والحبرة أحبها اليه رداء فلا تعارض بين حديثيهما او ذاك أحب المحيط وذا أحب غيره (مناوی ص ۱۳۱) یعنی لباس کے طور پر پہننے کے لئے تو قمیص زیادہ پسند تھی جبکہ چادر کے لئے یمنی چادر زیادہ پسند تھی لہذا دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں یا یہ کہ سلے ہوئے لباس میں قمیص زیادہ پسند تھی اور اُن سلے میں یمنی چادر زیادہ پسند تھی۔

مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ میں ایک توجیہ یہ بھی لکھی ہے کہ فالقميص أحب باعتبار الصنع والحبرة باعتبار اللون والجنس (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۳) (کہ قمیص آپ ﷺ کو باعتبار صنعت (بناوٹ) کے اور یمنی دھاری دار چادر باعتبار رنگ اور جنس کے)

### قمیص کیوں پسند تھی:

یہاں یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ آپؐ کو قمیص کس مادے سے بنی ہوئی پسند تھی۔ شیخ ابراہیم

اللیجورئی فرماتے ہیں۔ والظاهر ان المراد فی الحديث القطن والكتان دون الصوف لأنه يؤذى البدن ویلدر العرق ویثأذی بریح عرقه المصاحب (مواہب ص ۶۶) یعنی حدیث میں جس قمیص کا ذکر ہے اس سے بظاہر کٹن اور کتان کی قمیص مراد ہے نہ کہ اون کی۔ اس لئے کہ اون سے بدن کو تکلیف ہوتی ہے اور پسینہ کو لا تا اور جذب کر لیتا ہے جس کی بؤ دوسرے ساتھیوں کے لئے باعث تکلیف ہوتی ہے۔ ویسے آپؐ نے صوف سے بنے ہوئے کپڑے استعمال فرمائے ہیں والصواب ان افضل الطريق طریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النی سنہا وامر بها ورغب فیہا وداوم علیہا وہی ان ہدیہ فی اللباس ان یلبس ما تیسر من اللباس من الصوف تارة والقطن تارة والكتان تارة الخ (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۲) (صحیح بات یہ ہے کہ بہتر طریقہ، رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے جس کو آپؐ نے اختیار فرمایا، اس کا حکم دیا، اس میں رغبت دکھائی اس پر ہمیشگی فرمائی وہ یہ ہے کہ لباس میں آپؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جو لباس میسر آتا اس کو پہن لیتے، کبھی اون کا، کبھی کٹن کا اور کبھی کتان کا) قمیص یعنی کرتہ کے ساتھ تقریباً تمام بدن ڈھانپ لیا جاتا ہے بدن پر کرتہ ہلکا بھی محسوس ہوتا ہے اس کے استعمال میں تکبر اور فخر بھی نہیں پایا جاتا ہے اس سے بدن اچھا خوبصورت اور ستھرا نظر آتا ہے۔

### لباس میں کفایت شعاری:

حضور اقدس ﷺ نے لباس کے استعمال کے متعلق بھی انتہائی زہد و درویشانہ زندگی کو محبوب رکھا۔ چنانچہ شیخ ابراہیم الیجورئی فرماتے ہیں لم یکن له سوى قميص واحد (مواہب ص ۶۶) یعنی آپؐ کے پاس ایک کے سوا دوسری قمیص نہیں تھی۔ ففی الوفاء عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت مارفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قط غداء لعشاء ولا عشاء لغداء ولا اتخذ من شئ زوجین لا قمیصین ولا ردائین ولا إزارین ولا زوجین من النعال (مواہب ص ۶۶)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ صبح کے کھانے میں سے شام کے لئے اور شام کے کھانے میں سے صبح کے لئے کچھ بھی بچا نہیں رکھتے تھے (یعنی ایک سے دوسرے وقت کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑتے تھے سب تقسیم فرمادیتے تھے) اور بیک وقت آپؐ کے پاس کسی چیز

کے دو جوڑے نہیں ہوتے تھے نہ دو قمیصیں نہ دو چادریں نہ دو انگلیاں اور نہ ہی جوتوں کے دو جوڑے۔

(۵۴/۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصَ . ترجمہ! ہمیں علی بن حجر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں فضل بن موسیٰ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبدالمؤمن بن خالد سے اور انہوں نے عبد اللہ بن بریدہ سے نقل کی۔ انہوں نے یہ روایت ام المؤمنین ام سلمہ سے اخذ کی، وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سب کپڑوں میں گرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔

### دونوں روایات میں سند کا فرق:

اسی روایت کا متن پہلی روایت کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے لیکن سند حدیث میں قدرے فرق ہے اور وہ اس طرح کہ (۱) پہلی روایت میں امام ترمذی کے شیخ محمد بن حمید الرازی ہیں اور اس دوسری روایت میں علی بن حجر ہیں (۲) پہلی روایت میں محمد بن حمید نے اپنے تینوں شیوخ (فضل بن موسیٰ، ابوقمیلہ، زید بن حباب) کے واسطے سے عبدالمؤمن بن خالد سے روایت کی ہے اور دوسری روایت میں علی بن حجر نے صرف فضل بن موسیٰ کے واسطے سے عبدالمؤمن سے نقل کی ہے واللہ اعلم۔

مضمون حدیث بعینہم پہلی روایت والا ہے۔ المتن واحد والاسناد متعدد فذكره للحکم مؤکد (جمع ص ۱۳۲) (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ متن حدیث ایک ہے اور اسناد متعدد ہیں اور ان کا تذکرہ حکم کو مؤکد کر دیتا ہے)

(۵۵/۳) حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو تَمِيمَةَ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْقَمِيصَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَكَذَا قَالَ زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ فِي حَدِيثِهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ

أَمَّهُ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ وَهَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِي تَمِيمَةَ مِثْلَ رِوَايَةِ زِيَادِ بْنِ أَيُّوبَ وَأَبُو تَمِيمَةَ يَزِيدُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ عَنْ أَمِّهِ وَهُوَ أَصَحُّ ..

ترجمہ! ہمیں زیاد بن ایوب بغدادی نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوتیمیلہ نے بیان کیا۔ انہوں نے عبدالمؤمن بن خالد سے انہوں نے عبداللہ بن بریدہ سے ان کی والدہ کے حوالے سے اور انہوں نے ام المؤمنین ام سلمہؓ سے روایت بیان کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو سینے کے لئے سب کپڑوں میں سے گرتہ زیادہ پسند تھا۔

راویان حدیث (۱۹۰) زیاد بن ایوب البغدادیؒ (۱۹۱) امہ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### سند کی بحث اور سابقہ روایات سے فرق:

يلبسه القميص ... یہ جملہ حالیہ ہے اور القميص کان کی خبر ہے۔ اس روایت کی سند میں پانچ فرق ہیں۔

(۱) امام ترمذی کے استاذ بدل گئے۔ علی بن حجرؒ اور محمد بن حمید رازی کے بدلے زیادؒ کو لایا گیا۔  
(۲) صرف ابوتیمیلہ دوسرے مرتبہ پر ہیں جبکہ پہلی روایت میں بھی آپؐ دوسرے مرتبہ نہیں تھے لیکن اس کے ساتھ اس مرتبہ میں فضل بن موسیٰ اور زید بن حباب بھی شریک تھے اور یہ کہ آپؐ کا دوسری روایت میں تو تذکرہ بھی نہیں۔

(۳) عبداللہ بن بریدہ اور حضرت ام سلمہ کے درمیان امہ کا واسطہ ذکر ہوا جبکہ اس سے پہلے کی دونوں روایتوں میں نہیں ہے۔

(۴) اور یہ بھی اشارہ کر دیا کہ زیاد بن ایوب کی یہ روایت جو بواسطہ ابوتیمیلہ حضرت ام سلمہؓ سے ہے اس میں ”عن امہ“ کی زیادتی ابوتیمیلہ نے کی ہے اور یہی اصح بھی ہے بنسبت ابوتیمیلہ کی اس روایت کے جو کہ اس کے شاگرد محمد بن حمید الرازی نے نقل کی ہے۔

(۵) اور یہ بھی کہ ابوتیمیلہ سے اس زیادتی کے ساتھ روایت بہت سے رواۃ نے نقل کی ہے جیسے کہ



حدیث ۵۵/۳ کے آخر میں قال ابو عیسیٰ الخ سے یہ بات واضح ہے۔ امہ کا نام معلوم نہیں لہذا جہالت لازم آتی ہے مگر روایت اس سے متاثر نہ ہوگی اسلئے کہ ان کی والدہ بھی صحابیہ ہیں والصحابۃ کلہم عدول (اور صحابہ) (صحابیات) سب عادل ہیں) باب ہذا کی دوسری اور تیسری حدیث پہلی کے لئے تاکید ہے تیسری حدیث میں لفظ ”یلبسہ“ کا اضافہ ہے وقال البخاری: الحلیث الثالث أصح الثلاثة؛ وذلك لزيادة عن أمه في السند (تحافات ص ۹۵) (امام بخاریؒ) فرماتے ہیں کہ تیسری حدیث باب کی تینوں روایات سابقہ میں سے زیادہ فصیح ہے اور یہ اس لئے کہ اس روایت کی سند میں عن امہ کا اضافہ اور زیادتی ہے)

(۵۶/۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ الْحَجَّاجِ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ بُلَيْلٍ يَعْنِي ابْنَ مَيْسَرَةَ الْعُقَيْلِيَّ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ قَالَتْ كَانَ كُمْ قَمِيصَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّسْغِ .

ترجمہ! ہمیں عبد اللہ بن محمد بن حجاج نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معاذ بن ہشام نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بدیل عقیلی کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت شہر بن حوشب سے اور انہوں نے اسماء بنت یزید سے نقل کی۔ یہ صحابیہ رسولؐ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے کمرے کی آستین پہنچے تک ہوتی تھی۔

راویان حدیث (۱۹۲) عبد اللہ بن محمد بن الحجاج (۱۹۳) معاذ بن ہشام (۲۹۴) ابی (۱۹۵) بدیل (۱۹۶) شہر بن حوشب اور (۱۹۷) حضرت اسماء بنت یزید کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### آستین مبارک :

قالت كان كُمْ قَمِيصَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّسْغِ... حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی قمیص مبارک کی آستین کلائی کے پہنچے تک تھی اس حدیث میں حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قیص مبارک کا بیان ہے گرم آستین کو کہتے ہیں۔

الرسم بعض روایات میں ص کے ساتھ بھی آیا ہے الرسم جیسا کہ ایک حدیث میں ہے ان کمہ الی رسمہ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۴) (کہ آپ ﷺ کے قیص کی آستین پہنچے تک تھی) وہ جوڑ جو کلائی اور بازو یا ہتھیلی اور کلائی کے درمیان واقع ہو جسے عام اصطلاح میں پہنچا کہتے ہیں۔ ہو مفصل الساعد والكف (اتحافات ص ۹۵) (رسم بازو اور کلائی کے جوڑ کو کہتے ہیں اور اسی کا نام الکوع بھی ہے) ویسمی الکوع (جمع ص ۱۳۳)

### بیان حکمت:

علامہ بیجوریؒ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر آستین رسم ید سے بڑھ جائے تو پکڑنے اور ہاتھ کی سرعت حرکت سے مانع ہوتی ہے اور اگر رسم سے چھوٹی ہو تو پھر ہاتھ کا ظہور ہوگا اور اسے سردی گرمی وغیرہ سے تکلیف ہوگی۔ فکان جعلہ الی الرسم وسطاً وخیر الامور واسطہا (مواہب ص ۶۷) (تو آپ ﷺ کی قیص کے آستین پہنچوں تک رکھنا درمیانی طریقہ تھا اور یہ سب امور میں بہتر ہوتا ہے)

### ایک تعارض کا حل:

بعض روایات میں آستین الی أسفل الرسم (پہنچوں سے نیچے تک) آیا ہے اور بعض میں یساوی أصابعہ (کہ انگلیوں کے برابری تک) کی تصریح ہے شارحین حدیث نے جمع و تطبیق کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) ان روایات کو مختلف اوقات اور مختلف حالات پر حمل کیا جائے کہ کبھی یوں پہنی تھیں اور کبھی یوں و ماورد من أن الكم کان یصل الی الأصابع فلعلہ فی بعض الاحیان او فی الحضر (اتحافات ص ۹۵) (یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کی آستین انگلیوں تک لمبے ہوتے تو شاید یہ بعض اوقات کے اعتبار سے تھا یا حالت اقامت میں اس طرح ہوتے)

(۲) جب آستین سیدھی ہوتی تھی تو پہنچے سے نیچے تک پہنچتی تھی اور جب بار بار کے دھونے اور

استعمال سے سکر جاتی تھی تو پہنچے تک پہنچتی تھی۔

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ آستین کی تمام روایات اندازہ و تخمینہ پر حمل ہیں اس صورت میں تو کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا۔

(۴) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ”بذل المجہود“ میں تحریر فرمایا ہے کہ پہنچے کی روایات افضلیت پر محمول ہیں اور اس سے زیادہ کی روایات سے بیان جواز ثابت ہے۔

(۵) علامہ جزریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ گرتہ کی آستین میں سنت یہ ہے کہ وہ پہنچے تک ہو اور گرتہ کے علاوہ چونغہ وغیرہ میں نیچے تک لیکن انگلیوں سے متجاوز نہ ہو۔ قال الجزری فیہ دلیل علی ان السنة ان لا يتجاوز كم القميص الرسغ واما غير القميص فقالوا السنة فيه ان لا يتجاوز رؤس الاصابع من جبة وغيرها (جمع ص ۱۳۵) اخرج سعيد بن منصور و البيهقي عن علي رضي الله عنه انه كان يلبس القميص حتى اذا بلغ الاصابع قطع ما فضل ويقول لا فضل للكمين على الاصابع (مواهب ص ۲۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ گرتہ پہنتے تھے جب آستین انگلیوں سے بڑھے ہوئے ہوتے تو اس کو کاٹ دیتے اور فرماتے کہ آستینوں کو انگلیوں پر کوئی فوقیت حاصل نہیں)

(۶) شیخ ابراہیم اللیچو ریؒ تعارض اور اس کا حل تحریر فرماتے ہیں۔ وورد ايضا انه صلى الله عليه وسلم كان يلبس قميصاً وكان فوق الكعبين وكان كماه مع الأصابع وجمع بعضهم بين هذا وبين حديث الباب بأن هذا كان يلبسه في الحضرة وذاك في السفر (مواهب ص ۲۸) یعنی حضور اقدسؐ گرتہ پہنتے جو ٹخنوں سے اوپر ہوتا اور آستین انگلیوں کے برابر رہتے۔ بعض نے اس حدیث اور حدیث باب کو یوں جمع کیا ہے کہ آپؐ لمبی آستینوں والا گرتہ حالت اقامت میں پہنتے اور پہنچوں تک لمبا گرتہ حالت سفر میں پہنتے تھے۔

خلاصہ شیخ عبدالجواد الدویؒ کے الفاظ میں یوں ہے کہ القصر هو الغالب ولعل الطول كان لعارض أو لبرد أو لسبب غير ذلك (الحفلات ص ۹۵) آستینوں میں قصر غالب تھا اور پہنچوں سے لمبا ہونا کسی عارض یا سردی یا کسی اور وجہ سے ہوتا تھا)

علماء نے تصریح کی ہے کہ آستین کا انگلیوں سے آگے لگانا حرام ہے انگلیوں کی حد تک رہنا اس سے نیچے اور رسغ (پہنچے) تک یہ تینوں جائز ہیں اسلئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی شخص کی آستین رسغ سے آگے تک ہوں تو نماز میں رسغ تک ان کو کھول دے۔

(۵۷/۵) حَدَّثَنَا أَبُو عَمَارٍ الْحُسَيْنِيُّ بْنُ حُرَيْثٍ أَخْبَرَنَا أَبُو نَعِيمٍ أَخْبَرَنَا زُهَيْرٌ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُثَيْبٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِّنْ مُّزَيْنَةَ لِّبَنَائِعِهِ وَإِنْ قَمِيصُهُ لَمُطْلَقٌ أَوْ قَالَ زِرٌّ قَمِيصُهُ مُطْلَقٌ قَالَ فَأَذْخَلْتُ يَدِي فِي جَيْبِ قَمِيصِهِ فَمَسَسْتُ الْخَاتَمَ.

ترجمہ! ہمیں ابوعمار حسین بن حریش نے بیان کیا ان کو ابو نعیم نے خبر دی، انہیں خبر دی زہیر نے عروہ بن عبد اللہ بن قثیر کے حوالے سے۔ انہوں نے یہ روایت معاویہ بن قرۃ سے ان کے باپ کے حوالے سے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر ہوا۔ تو حضور اقدس ﷺ کے گرتے کا گریبان یا اس کا بٹن کھلا ہوا تھا میں نے آپ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر تیر کا مہر نبوت کو چھو یا۔

راویان حدیث (۱۹۸) عروہ بن عبد اللہ بن قثیر (۱۹۹) معاویہ بن قر اور (۲۰۰) ابیہ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ ”رہط“ کا معنی و تشریح:

قال اتیت ... صحابی رسولؐ بیان کرتے ہیں کہ میں قبیلہ مزینہ کے ایک گروہ (رہط) کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رہط، قوم، قبیلہ اور تین اشخاص سے لے کر سات یا دس یا تیس یا چالیس اشخاص تک کی جماعت کو کہتے ہیں جس میں عورتیں شامل نہیں ہوتیں۔ رہط قوم الرجل و قبیلته (الاحاطات ص ۹۶) یعنی ”رہط“ کسی آدمی کی قوم اور قبیلہ کو کہتے ہیں۔ رہط اسم جمع ہے لا واحد له (موہب ص ۶۸) اور هو جماعة من العشرة الى الاربعين او من ثلاثة الى العشرة

(جمع ص ۱۳۵) یہ اس روایت کے منافی نہیں ہے انہ جاء جماعة من مزينة وهم اربع مائة راكب واسلموا لانه يحتمل ان يكون معيّنهم رهطاً رهطاً اولانه مبني على انه يطلق على مطلق القوم (جمع ص ۱۳۵) (آنحضرتؐ کے پاس قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت، جو چار سو سواروں پر مشتمل تھی آئی اور اسلام لے آئی اس لئے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ گروہ گروہ ہو کر آئے ہوں یا یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ لفظ مطلق قوم پر بولا جاتا ہے) لفظ ”فی“ بمعنی ”مع“ کے ہے ای مع رهط جیسے کہ قرآن میں ہے ادخلوا فی امم ای مع امم (مواہب ص ۶۸) (کہ داخل ہو جاؤ جماعتوں کے ساتھ کہ یہاں آیت میں فی امم بمعنی مع امم کے ہے)

### بیعت کی تین قسمیں:

لنبایعہ: جار مجرور متعلق آیت کے ہے۔ یہ اسلام لانے کی بیعت تھی جیسا کہ علامہ بیہوریؒ نے لکھا ہے علی الاسلام (مواہب ص ۶۸) (کہ ہم اسلام لانے کی بیعت کریں) مزینہ، مصغر ہے مصغر قبیلہ سے ہے واصله اسم امرأة (مناوی ص ۱۳۵) (اصل میں ایک عورت کا نام تھا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تین قسمیں ثابت ہیں (۱) بیعت علی ارکان الاسلام (اسلام کے بنیادی ارکان پر بیعت) (۲) بیعت علی الجہاد (جہاد پر بیعت) (۳) بیعت علی الاعمال المخصوصة خاص خاص اعمال پر بیعت، موجودہ دور میں حضرات صوفیاء کرام جو بیعت لیتے ہیں وہ اسی تیسری قسم کے تحت میں آتی ہے جو اصلاح باطن کے لئے لی جاتی ہے مقصود اصلاح اعمال ہے جو فقہ ہی سے ہے۔

اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں اعمال ظاہرہ، اعمال باطنہ، جس طرح اعمال ظاہرہ کی اصلاح منصوص ہے ایسے ہی اعمال باطنہ کی اصلاح بھی مامور بہا (ضروری) ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں تکبر، حسد وغیرہ مذموم و ممنوع اور تواضع و عبدیت کی تلقین کی گئی ہے تو یہ بھی گویا فقہ کا ایک شعبہ ہوا۔ ابن جوزیؒ وغیرہ نے جو تصوف اور بیعت کا انکار کیا ہے تو وہ اس کے علاوہ مروجہ مبتدعہ طریق بیعت و تصوف ہے جو جاہل صوفیاء نے گھڑ رکھا ہے ورنہ اصل تصوف اور حقیقت بیعت سے

کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔

## گر بیان مبارک:

وان قميصه لمطلق ... اس وقت آپ کے کرتہ مبارک کا گریبان کھلا ہوا تھا ای غیر مقید بزر  
قال میرک ای غیر مشدود الازرار وقال العسقلانی غیر مزور (جمع ص ۱۳۵) مطلب  
ایک ہے کہ گریبان کھلا ہوا تھا۔ یا یوں کہا اوقال زر قميصه مطلق الخ کہ آپ کی قمیص کا بٹن کھلا ہوا  
تھا ای غیر مربوط (جمع ص ۱۳۵) (بندھا ہوا نہیں تھا)

او قال زر قميصه لمطلق (آنحضرتؐ کا گریبان کھلا تھا یا کرتے کا بٹن کھلا تھا)۔ قال  
العسقلانی الشک من شیخ الترمذی ای وهو ابوعمار لامن معاویة وقال بعض الشراح الشک  
من معاویة لامن دونہ کما وہم (مواہب ص ۶۸) عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ شک امام ترمذی  
کے شیخ ابوعمارؒ کو ہوا ہے نہ کہ معاویہؓ کو۔ بعض شارحین کے مطابق معاویہؓ کو شک ہوا ہے نہ کہ ان  
کے علاوہ (نیچے کے راوی کو)۔

## کمال محبت کے تقاضے:

عشق و محبت اور کمال اطاعت کے تقاضے کچھ اور ہی ہوتے ہیں پھر حضرات صحابہ کرامؓ تو اس کا کامل  
نمونہ تھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جس حالت میں دیکھتے اسی کو سنت سمجھ کر اپنا لیتے، ملکہ اس میں  
ذوب جاتے تھے چاہے وہ لباس ہی کی کسی ہیئت کا منظر کیوں نہ ہو۔

ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں - قال عروة فمارایت معاویة ولا اباه الا مطلقى الازرار فی  
شئاء ولا خریف ولا یزران ازرارہما (جمع ص ۱۳۶)

عروہ فرماتے ہیں کہ: میں نے معاویہ اور ان کے باپ کو کبھی نہیں دیکھا مگر دیکھا تو ایسی حالت میں کہ ان  
کے گریبان کی گھنڈی (بٹن) لگی ہوئی نہیں ہوتی تھی اگرچہ گرمی ہو یا سردی ہمیشہ ان کی گھنڈیاں (بٹن)  
کھلی رہتی تھیں۔ اطاعت و وفاداری، محبت و خلوص اور فناءیت وہ مقدس اور پاک جذبہ تھا جس کی وجہ  
سے آپؐ کی ایک ایک سنت اور ایک ایک عمل اور ادا محفوظ و محفوظ ہے۔

شاورانِ محبت تو سینکڑوں ہیں مگر  
جو ڈوب جائے وہ پکا ہے آشنائی کا

### لفظ ”جیب“ کی تشریح:

فأدخلت يدي في جيب قميصه... پس میں نے اپنا ہاتھ آپ کے گریبان میں ڈالا۔ جیب کا معنی ما يقطع من الثوب يخرج منه الرأس أو اليد أو غير ذلك ہے جیب کا اصل معنی قطع اور خرق ہے۔ ويطلق الجيب على ما يجعل في صدر الثوب ليوضع فيه الشئ (جمع ص ۱۳۶) ) جیب کا اطلاق اس حصہ پر بھی ہوتا ہے جو گرتہ میں سینہ کے اوپر بنایا جاتا ہے تاکہ اس میں کوئی چیز رکھی جائے۔ قال القسطلاني لكن المراد من الجيب في هذا الحديث طرف الثوب المحيط بالعنق. اس حدیث میں جیب سے مراد وہ گریبان ہے جو گردن کو گھیرے ہوئے ہو۔ (مناوی ص ۱۳۶)

### شق جیب صدر پر تھا:

شارحین فرماتے ہیں کہ ظاہر روایت سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کا شق جیب صدر پر تھا کیونکہ اگر شق جیب صدر پر نہ ہوتا تو ہاتھ داخل کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ قال العسقلاني قوله أدخلت يدي الخ يقتضي ان جيب قميصه كان في صدره (جمع ص ۳۶)

علامہ سیوطی نے شق الجیب پر مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں اس حدیث کو بھی لیا ہے تاہم اس حدیث میں تصریح نہیں ہے البتہ اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے۔ البحر الرائق میں کتاب الجنائز کے تحت قمیص اور درع میں فرق بیان کیا گیا ہے عورت کے گرتے کو درع جبکہ مرد کے گرتے کو قمیص کہتے ہیں کیونکہ اس کا گریبان سینے پر ہوتا ہے جبکہ عورتوں کا ستر کی وجہ سے مونڈھوں پر لہذا لفظ بھی قمیص اور درع میں فرق ہے۔

البحر الرائق (ج ۲ ص ۱۷۶) میں ہے قوله الدرع لانه يقال على قميص المرأة كما فسر به في القاموس وعلى ما تلبسه فوق القميص كما ذكره عن المغرب الخ (لفظ درع

کے لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ درع عورت کی قمیص کو کہا جاتا ہے جیسے کہ صاحب قاموس کہتے ہیں اور لغت کی کتاب ”مغرب“ میں ہے کہ درع ہر وہ لباس جو قمیص کے اوپر پہنا جاتا ہے)

### مسنون گریبان:

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بٹن اور گھنڈی لگانا بھی مسنون ہے اور کھلا رکھنا بھی سنت ہے معاویہ اور قرۃ نے تو کھلا رکھا کہ انہوں نے یہی دیکھا تھا مگر سنت دونوں ہیں کہ دونوں آپؐ سے ثابت ہیں۔

### گریبان میں ہاتھ کیوں؟

باقی رہی یہ بات کہ بے تکلفی کے بغیر انہوں نے آتے ہی گریبان میں ہاتھ کیوں ڈالا جبکہ آپؐ کی ہیبت و جلال کی وجہ سے حضرات شیخینؓ بھی نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ شارحین جواب میں کہتے ہیں کہ یہ نو وارد اور نو مسلم تھے، آداب سے واقف نہ تھے اور نہ کسی نے ان کو آداب سے آگاہ کیا تھا۔

دوسرا یہ کہ ان کی غرض بھی تو مس خاتم تھی جیسا کہ تصریح ہے فمستب الخاتم (کہ میں نے مہر نبوت کو ہاتھ لگایا) ہو سکتا ہے ان کی بھی یہ شرط ہو کہ ہم ایمان تب لائیں گے جب الخاتم کو مس کریں گے اور تحقیق مذہب کے لئے انہوں نے یہ جرأت کی ہو آپؐ نے بھی بغرض دعوت و تحقیق ان کو نہیں روکا۔

### صحابیؓ کی وارفتگی:

اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک صحابی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہانہ عشق تھا اور کس قدر غایت درجہ محبت تھی کہ انہوں نے جب آپؐ کا گریبان کھلا دیکھا تو بے صبری اور وارفتگی کے عالم میں ہر قسم کے آداب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گریبان مبارک کے اندر ہاتھ داخل کر کے مہر نبوت چھونے کی سعادت حاصل کر لی اور اس کی برکت و نورانیت سے اپنے وجود کو بابرکت اور منور بنا لیا اور آپؐ نے بھی ان کو مہر مبارک چھونے سے منع نہ فرمایا۔ علامہ البیہقیؒ فرماتے ہیں۔  
وانما قصد التبرک (مواہب ص ۶۸) یعنی ان کا ارادہ تبرک حاصل کرنا تھا۔



(۵۸/۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَهُوَ مُتَكِنٌ عَلَى أَسَافَةَ بْنِ زَيْدٍ عَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهِ فَصَلَّى بِهِمْ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ سَأَلَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَوَّلَ مَا جَلَسَ إِلَيَّ فَقُلْتُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ فَقَالَ لَوْ كَانَ مِنْ كِتَابِكَ فَقُمْتُ لِأُخْرِجَ كِتَابِي فَقَبِضَ عَلَيَّ ثَوْبِي ثُمَّ قَالَ أَمَلِهِ عَلَى فَاتِي أَحَافَ أَنْ لَا أَلْفَاكَ فَأَمَلَيْتُهُ عَلَيْهِ ثُمَّ أَخْرَجْتُ كِتَابِي فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ .

ترجمہ! ہمیں عبد بن حمید نے خبر دی۔ ان کے پاس محمد بن فضل نے اور ان کے پاس حماد بن سلمہ نے بیان کیا انہوں نے یہ روایت حبیب بن شہید سے اور انہوں نے حسن سے اخذ کی۔ وہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حضرت اسامہؓ پر سہارا لگائے ہوئے مکان سے تشریف لائے اس وقت حضور اقدس ﷺ پر ایک یمنی منقش کپڑا تھا جس میں حضور اقدس ﷺ لیٹے ہوئے تھے پس حضور اقدس ﷺ نے باہر تشریف لا کر صحابہؓ کو نماز پڑھائی۔ عبد بن حمید کہتے ہیں کہ محمد بن فضل کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ یحییٰ بن معین جب میرے پاس آ کر بیٹھے تو انہوں نے سب سے پہلے مجھ سے اسی حدیث کے متعلق سوال کیا۔ پس میں نے کہنا شروع کر دیا کہ مجھ سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا تو یحییٰ بن معین کہنے لگے کہ ناش یہ حدیث آپ اپنی کتاب سے پڑھ کر سنا تے۔ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ میں کتاب لینے کے لئے جانے لگا تو یحییٰ بن معین نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور پھر فرمایا مجھے زبانی ہی لکھوادو شاید میں آپ سے دوبارہ نہ مل سکوں چنانچہ میں نے یہ حدیث ان کو زبانی ہی سنا دی پھر میں اپنی کتاب لے آیا اور کتاب سے پڑھ کر سنادی۔

راویان حدیث (۲۰۱) عبد بن حمید (۲۰۲) محمد بن الفضل اور (۲۰۳) حبیب بن شہید کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں

بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ... حضور اقدس ﷺ پنے گھر سے باہر تشریف لائے وہو

متکئی علی اسماء بن زید اس حالت میں کہ آپ آرامۃ بن زید پر سہارا لیے ہوئے تھے متکئی کا لفظ الاتکاء سے ہے ومنہ قولہ تعالیٰ متکئین فیہا علی الارآنک (۱۳:۷۶) (تکیہ کے ہوئے بچ اس کے اوپر تختوں کے) اور ایک نسخہ میں متوکئی آیا ہے من التو کا ومنہ قولہ تعالیٰ اتو کا علیہا (۱۸:۲۰) (تکیہ کرتا ہوں میں اوپر اس کے) دونوں کا معنی ایک ہے یعنی اعتماد اور سہارا۔ بعض عرب یہ تکیہ تکبر اور نخوت کی وجہ سے لگاتے تھے مگر بارگاہ نبوت میں یہ چیز نہ تھی آپ کا تکیہ کسی غرض اور عذر پر تھا۔

کیونکہ یہ مرض الوفات کا واقعہ ہے جس کی تائید دوسرے طرق سے ہوتی ہے جیسا کہ دارقطنی میں ہے۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج بین اسماء والفضل بن عباس الی الصلواة فی مرضہ الذی مات فیہ۔ (حضور ﷺ مرض الوفات میں اُسامہ اور فضل بن عباس کے سہارے نماز پڑھنے کے لئے باہر تشریف لائے)

### حضرت اسماء بن زید :

حضرت اسماءؓ، حضرت زیدؓ کے صاحبزادے ہیں اور حضرت زیدؓ حضور اقدس ﷺ کے متبنی تھے حضرت اسماءؓ اور ان کے والد حضرت زیدؓ کو حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے صحابہ کرامؓ میں سے قرآن میں اگر کسی کا نام آیا ہے تو وہ صرف حضرت زیدؓ میں فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا (۲۴:۲۳) (پس جب پوری کر لی زید نے اس سے حاجت) دراصل سورۃ احزاب کا یہ سارا رکوع حضرت زیدؓ کے متبنی ہونے کی خصوصیت کے ازالہ کے لئے نازل ہوا۔ جس سے بظاہر ان کی دل شکنی ہوئی جس کے تذکر کے لئے قرآن میں ان کا ذکر ہوا۔ صرف لفظ، زید، پڑھنے سے تیس نیکیاں موعود ہیں حضرت اسماءؓ کا تعارف شیخ عبد الجواد الدومیؒ کے الفاظ میں یوں ہے۔

واسماء : هو ابن زید بن حارثة مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان اسماء ابن حب رسول اللہ وابن مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی ام ایمن۔ أمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی جیش فیہ عمرو کبار الصحابة وهو دون لعشرين وسیر ابو بکر هذا

الجیش بعد وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم لحرب الروم بالشام، وكان مسيرا مظفرا .  
 مات سنة اربع وخمسين عن خمس وسبعين سنة بالمدينة . (اتحافات ص ۹۷) (حضرت  
 اسامہؓ آپ ﷺ کے متبعی و محبوب حضرت زید بن حارثہؓ اور ام ایمنؓ کے بیٹے اور حضور ﷺ کے  
 محبوب تھے آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو ایک ایسے لشکر کا امیر مقرر کیا تھا جس میں حضرت عمرؓ اور  
 دوسرے اکابرین صحابہؓ موجود تھے۔ حالانکہ اس وقت ان کی عمر بیس (۲۰) سال سے بھی کم تھی اور اس  
 لشکر کو ابو بکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کی وفات مبارک کے بعد رو میوں سے جہاد کے لئے بھیجا تھا اور  
 یہ سفر ان کا بڑا کامیاب رہا مدینہ شریف میں پچھتر (۷۵) سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی)۔

### ثوب قطری کا معنی:

وعليه ثوب قطري یہ جملہ حالیہ ہے یا خبر ہے یہ قطر کی طرف منسوب ہے جو یمن میں ایک قریہ تھا  
 ملا علی قاریؒ نے مختلف آراء نقل کی ہیں . ”نوع من البرود، ضرب من البرود وفيه حمرة ولها اعلام  
 وفيها بعض الخشونة، حلل جياذ تحمل من قبل البحرين“ وقال العسقلاني ثياب من غليظ القطن  
 ونحوه (جمع ص ۱۳۷)

(۱) قطری یہ چادروں کی ایک قسم ہے۔

(۲) جس میں کچھ سرخی ہو اور ان پر کچھ نقش و نگار اور تھوڑا سا کھر دراپن بھی ہو

(۳) بحرین سے لائے گئے اچھے قسم کے جوڑے۔

(۴) اور امام عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ موٹی کپاس یا اس جیسی چیز سے بنائے گئے کپڑے)۔

### التوشح کا مفہوم:

توشح به، والتوشح بالثوب إلقاءه على عاتقه كالوشاح ولعل المراد هنا ادخال الثوب  
 تحت يده اليمنى واللقاءه فوق منكبه الأيسر كما يفعل المحرم (اتحافات ص ۹۸) (توشح بالثوب  
 کا معنی کپڑے کو کندھے پر (پٹیتے ہوئے ڈالنا) جیسے کہ گلے بند اور شاید کہ یہاں یہ معنی مراد ہوں کہ  
 کپڑے کو دائیں ہاتھ کی (بغل) کے نیچے سے داخل کر کے اس کو بائیں کندھے پر ڈالنا جیسے کہ محرم

شخص کرتا ہے)

## یہ واقعہ مرض الوفات کا ہے:

فصلی بہم 'ان الفاظ کا مدلول بھی یہی ہے کہ یہ واقعہ مرض الوفات کا ہے۔ أخرج ابن سعد من طریق ابی ضمرة اللیثی عن حمید انہ قال آخر صلوة صلاہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع القوم فی مرضہ الذی قبض فیہ فی ثوب واحد متوشحاً بہ قاعداً (اتحافات ص ۹۸) (ابن سعد نے ابی ضمیرہ لیثیؒ عن حمید کی سند سے یہ ذکر کیا ہے کہ اس نے کہا کہ آخری نماز جو حضور ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ اس بیماری جس میں آپ فوت ہوئے بیٹھ کر تو شح کرتے ہوئے پڑھی) امام بخاریؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ وعلیہ ملحفۃ متغطیاء بها (نبی کریم ﷺ اپنی اس بیماری جس میں فوت بھی ہوئے نکلے اور آپؐ ایک بڑی چادر اوڑھے ہوئے تھے) اس سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپؐ کے مرض الوفات کے یہی ایام تھے۔

## غلبہ ذوق حدیث:

سألنی یحییٰ بن معین " ... امام ترمذیؒ کے استاذ عبد بن حمید کہتے ہیں کہ محمد بن فضل نے کہا کہ یحییٰ بن معین نے بیٹھتے ہی مجھ سے اس حدیث کے متعلق دریافت فرمایا میں نے فوراً حدیث زبانی سنانا شروع کی فقال لو کان من کتابک ، تو یحییٰ بن معین نے کہا کیا اچھا ہوتا کہ یہ حدیث مجھے آپ کتاب سے سنا دیتے کہ زبانی غلطی کا امکان ہے مگر تحریر زیادہ مستحکم ہوتی ہے فقمت لاخرج کتابی میں اٹھ کھڑا ہوا تاکہ ان کے مطالبہ پر اپنی کتاب لے آؤں مگر انہوں نے فوراً مجھے دامن سے پکڑا فقبض علی ثوبی اور بیٹھایا پھر ارشاد فرمایا مجھے املا کر دیجیے اور ممکن ہے یہی میری زندگی کی آخری گھڑی ہو کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں آپ واپس آئیں اور ملاقات بھی نہ ہو سکے فانی اخاف ان لا الفاک۔ محمد بن فضل کہتے ہیں ان کے اصرار پر پہلے حدیث زبانی سنادی پھر کتاب لایا فقرأت علیہ پس یہ حدیث کتاب سے پڑھ کر بھی سنادی۔

اس سے یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ سلف صالحین کو حدیث سے کس قدر شغف تھا، کس قدر محبت تھی اور دنیا کی بے ثباتی پر کس قدر یقین تھا۔ فانی اخاف ان لا الفاک ای لانه لا اعتماد علی الحیاة فان الوقت سیف قاطع وبرق لامع وفيه کمال التحریض علی تحصیل العلم لتفیر من الأمل سیمافی الاستباق الی الخیرات (مواہب ص ۶۹) (مجھے تو ڈر ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکے اس لئے کہ زندگی پر کوئی اعتماد نہیں کیونکہ وقت تو تلوار کا ٹٹے والی یا بکلی چمکنے کی مانند ہے اور اس میں علم حاصل کرنے پر مکمل ابھارنا اور شوق دلانا ہے اور آرزوؤں سے نفرت دلانے خاص کر نیکیوں کی طرف سبقت کرنے میں)

### یحییٰ بن معینؒ!

یہ وہی یحییٰ بن معین ہیں جنہیں محدثین امام الجرح والتعديل کے نام سے یاد کرتے ہیں امام اعظمؒ کی توثیق کرنے والے ہیں امام بخاریؒ ان کے شاگرد ہیں المدنی العطفانی البغدادی ہیں مناقب شہیرہ سے موصوف ہیں ہزاروں حدیثیں اپنے ہاتھوں سے لکھی ہیں واتفقوا علی امامتہ وجلالہ فی القلیم والحلیث (مناوی ص ۱۳۸) (علماء کرام متقدمین و متاخرین آپؒ کی امامت اور علو شان پر متفق ہیں) امام احمدؒ کا مشہور مقولہ ہے کل حدیث لا یعرفہ یحییٰ بن معین فلیس بحديث وقال السماع من یحییٰ شفاء لما فی الصلور (مناوی ص ۱۳۸) (کہ ہر ایسی حدیث جس کی معرفت و تحقیق یحییٰ بن معین کو نہ ہو سکی تو گویا (وہ کوئی قوی) حدیث نہیں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ یحییٰ بن معینؒ سے سماع کر لینا دلوں کی تسکین کا ذریعہ ہے) ان کی عظمت اور فضیلت کا ایک شرف یہ بھی ہے کہ بعد الوفات انہیں اس تخت پر غسل دیا گیا جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا تھا اور اسی چار پائی پر اٹھایا گیا جس پر آپؐ کو اٹھایا گیا تھا۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں وتشرف بان غسل علی السریر الذی غسل علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحمل علی ما حمل علیہ صلی اللہ علیہ وسلم (مناوی ص ۱۳۸) ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۳ھ میں انتقال ہوا۔

(۵۹/۷) حَلَّتْنَا سُوَيْلُبْنَ نَصْرَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَيَّاسٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهِ عِمَامَةً أَوْ قَمِيصًا أَوْ رِدَاءً ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيهِ أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ حَلَّتْنَا هِشَامُ بْنُ يُونُسَ الْكُوفِيُّ أَنَبَانَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكِ الْمُزْنِيِّ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ ..

ترجمہ! ہمیں سوید بن نصر نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہمیں عبد اللہ بن مبارک نے خبر دی انہوں نے سعید بن ایاس جریری سے اور انہوں نے ابی نصرہ سے اور انہوں نے ابوسعید الخدریٰ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اظہارِ مسرت کے طور پر اس کا نام لیتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ کمرہ مرحمت فرمایا ایسے ہی عمامہ چادر وغیرہ پھر یہ دعا پڑھتے۔ اللھم لک الحمد کما کسوتنیہ اسألك خیرہ وخیر ما صنع له واعوذ بک من شرہ وشر ما صنع له۔

(ترجمہ) اے اللہ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اور اس کپڑے کے پہنانے پر تیرا ہی شکر ہے یا اللہ تجھی سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں (کہ خراب نہ ہو ضائع نہ ہو) اور ان مقاصد کی بھلائی اور خوبی چاہتا ہوں جن کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا۔ کپڑے کی بھلائی برائی تو ظاہر ہے اور جس چیز کے لئے بنایا گیا کا مطلب یہ ہے کہ گرمی سردی زینت وغیرہ جس غرض کے لئے پہنا گیا اس کی بھلائی یہ ہے کہ اللہ کی رضا میں استعمال ہو عبادت پر معین ہو اور اس کی برائی یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں استعمال ہو عجب و تکبر وغیرہ پیدا کرے۔

راوی حدیث (۲۰۴) سعید بن ایاس الجریری کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جب حضور اقدس ﷺ نیا کپڑا پہنتے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استجد ثوباً حضرت ابوسعید خدریٰ بیان کرتے ہیں

آپؐ جب نیا کپڑا پہنتے ای لبس ثوباً جدیداً واغرب من قال ای طلب ثوباً جدیداً ولعل المراد طلب لبسه او طلبه من اہلہ او خلمہ (جمع ص ۱۳۹) (جب آپؐ نیا کپڑا پہنتے اور زیادہ عجیب و غریب ہے جس نے یہ معنی کیا کہ آپؐ نے نیا کپڑا طلب کیا اور شاید کہ اس قائل کی مراد یہ ہو کہ آپؐ نے اس کا پہننا طلب کیا یا یہ مطلب کہ اپنے اہل (گھر والوں) یا خادموں سے طلب کیا ہو) ستمہ باسمہ تو اس کپڑے کو اس کے نام سے موسوم فرماتے مثلاً جب کپڑا پگڑی کے لئے متعین ہوتا تو اس کا نام عمامہ رکھ دیتے یا چادر کے لئے تعین ہوتی تو رداء نام رکھتے اسی طرح جو کپڑا جس غرض کے لئے استعمال ہوتا وہی نام متعین فرماتے۔

فالمقصود التعمیم مثل ان يقول رزقنی اللہ هذا القميص او كسانی هذه العمامة و اشباه ذلك (جمع ص ۱۳۹) (پس مقصود تعمیم ہے مثلاً یہ فرماتے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ قمیص عنایت فرمائی یا یہ عمامہ مجھے پہنایا۔ یا اس جیسے الفاظ سے (اس چیز کا نام لے کر دعا فرماتے) یا مراد یہ ہے کہ ہر ایک کپڑے کا بنفسہ مستقل نام تجویز ہوتا مثلاً آپؐ کے ایک عمامے کا نام اسباب تھا ہر دونوں صورتوں میں آپؐ کا مقصود اظہار نعمت و تشکر تھا اسلئے تو بے اختیار زبان پر اللھم لك الحمد الخ جاری ہو جاتا۔ وعلى كل حال فالقصد اظهار النعمة بدل التشكر والحمد (الحفاظات ص ۹۹) اے اللہ ساری تعریفیں آپؐ ہی کے لئے ہیں۔۔۔ پس ہر صورت میں مقصود نعمت کا اظہار بطور تشکر اور حمد کے ہوتا) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ نیا کپڑا پہنتے لبسہ یوم الجمعة (جمع ص ۱۳۹) (تو اس کو جمعہ کے دن پہنتے) ثم يقول ای بعد اللبس والتسمية وہی سنة اللھم لك الحمد كما كسوتینہ۔ (پھر اس کے تسمیہ اور پہننے کے بعد) (اور یہ سنت ہے) فرماتے اے اللہ تیرے ہی لئے ساری تعریفیں ہیں جیسے کہ آپؐ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا)

لفظ کاف کی توجیہ:

کما میں کاف تعلیل کے لئے ہے ای اللھم لك الحمد علی کسوتک لی (اے اللہ! تیرے لئے سب تعریفیں ہیں بوجہ پہنانے آپؐ ہی کے ذات کا مجھ کو) ایساہ یا تشبیہ فی الاختصاص کے لئے

ہے ای اللہم الحمد مختص بک کا اختصاص الکسوة بک (مواہب ص ۷۰) اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے ساتھ خاص ہیں جیسے (کسی کو) پہنانا بھی تیرے ساتھ خاص ہے) معشی مشکوٰۃ شریف نے مراقبۃ سے کما کسوتیہ کی توجیہات اس طرح نقل کی ہیں الکاف تعلیلیہ او بمعنی علی والضمیر راجع الی المسمى فقولہ اسئالک استیناف دعائہ بعد تقدیم الشاء او الکاف للتشبیہ وقولہ کما کسوتیہ مرفوع المحل بانہ مبتداء والخبر اسئالک الخ ای مثل کسوتیہ من غیر حول منی ولا قوۃ کذلک اسئالک خیرہ ان یوصل الی خیرہ (مشکوٰۃ ص ۷۵)

(لفظ کما میں) کاف تعلیلیہ ہے یا بمعنی علی کے ہے اور ضمیر (کسوتیہ) کی راجع مسمی (جس) کپڑے کا نام لیا تھا) کو ہے پس اللہ کی حمد و ثناء کے بعد اسئالک کے لفظ سے دعا شروع کر رہے ہیں یا کاف تشبیہ کے لئے ہے اور کسوتیہ بنا بر مبتدا ہونے کے محلاً مرفوع ہے اور اسئالک الخ اس کی خبر ہے۔ یعنی معنی یہ ہوگا جیسے کہ آپ نے بغیر کسی زور و طاقت اور استحقاق کے مجھے پہنایا اسی طرح اس کے خیر کا بھی طالب ہوں کہ میری طرف اس کے خیر و بھلائی کو پہنچا دے)

### دعاء مسنون کا مفہوم:

اسئالک خیرہ وخیر ماصنع لہ کپڑے کی خیر تو یہ ہے کہ جسم کے موافق ہو گرمی و سردی سے بچائے ستر پوشی اور زینت کا باعث بنے اور انسان یہ کپڑا پہن کر عبادت اور عبدیت کے فرائض پورے کر سکے غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر خود کو ہلاکت کی طرف نہ لے جائے۔

علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں۔ والخیر الذی صنع لاجلہ من التقویٰ بہ علی الطاعة و صرفہ فیما فیہ رضاک نظراً لصلاح نية صانعه (مواہب ص ۷۰) (وہ خیر و بھلائی جس کے لئے یہ بنایا گیا یعنی اس کے ذریعہ طاعت خداوندی پر تقویت اور اس کو تیرے رضا کے کاموں میں استعمال کرنے کی دعا کرتا ہوں بوجہ نظر رکھنے اس کے بنانے والے کی اچھی نیت پر) واعوذ بک من شرہ و شر ماصنع لہ کپڑے کا شر یہ ہے کہ وہ جسم کے ساتھ ناموافق ہو مضرت رساں ہو استکبار کا باعث ہو واعوذ بک من شرہ ومن شر ما یترتب علیہ مما لا ترضی بہ من التكبر والخیلاء (مواہب ص ۷۰) (اور تجھ سے



پناہ مانگتا ہوں اس کے شر اور ہر اس چیز کے شر سے جو اس پر مرتب ہو یعنی ایسے کام جو آپ کے ناپسندیدہ ہیں یعنی ریا اور تکبر سے)

### کپڑا پہننے کی دیگر دعائیں:

اس دعا کے علاوہ بھی ایسے موقع پر حضور اقدس ﷺ سے دیگر دعائیں بھی منقول ہیں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جس نے نیا کپڑا پہنا اور پھر کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَا وَاوَرٰی بِهٖ حَوْرِیَّۃَیْ ۙ ثُمَّ عَلَّمَنِیْ بِهٖ حَیَاتِیْ ثُمَّ عَمَدَ اِلَی الثَّوْبِ الَّذِیْ اَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهٖ کَانَ فِی حِفْظِ اللّٰهِ وَفِی کَفِّ النَّفْسِ وَفِی سِتْرِ اللّٰهِ حَیًّا وَمِیْتًا (ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں کہ مجھے ایسی چیز پہنائی جس کے ذریعہ میں نے اپنی ستر پوشی کی اور اپنی زندگی کو خوبصورت بنایا (یہ دعا پڑھ کر) پھر اس سابقہ پرانے کپڑے کو صدقہ کر دیا تو یہ شخص زندہ اور مردہ حالت (یعنی زندگی اور موت کے وقت) میں اللہ کی حفاظت سایہ اور ستر میں ہوگا) اسی طرح حضرت عاذ بن انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے جسے امام احمدؒ نے تخریج کیا ہے فرمایا جس شخص نے نیا کپڑا پہنا اور پھر کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هَذَا وَرَزَقْنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ وَلَا قُوَّةٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَرَاہُودَاؤُہُ دَنَیْ اِیْہَا اَیْکَ رَوَاہُتْ مِیْنُ "وَمَا نَاخِرُ" کو زیادہ بیان کیا ہے (مواہب ص ۷۰) (ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ پہنایا اور بغیر کسی زور و طاقت و استحقاق کے رزق عنایت فرمایا اس کے اگلے پچھلے سب گناہ اللہ تعالیٰ بخش دیگا)

### جب دوسرے شخص کو نیا کپڑے پہنے دیکھے:

اور جس کسی نے دوسرے شخص کو نئے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو مسنون یہ ہے کہ ات کہا جائے اَلْبَسَ جَدِیدًا وَعَشَ حَمِیدًا وَمَتَّ شَہِیدًا (تو نئے کپڑے پہن اور اچھی زندگی گزار اور شہادت کی موت نصیب ہو) کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمرؓ کو سفید جدید کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو یہی دعا دی۔ ولما رواہ ابو داؤد ان الصحابة رضی اللہ عنہم كانوا اذا لبس احدهم ثوبا جدیدا قیل له تبلی ویخلف اللہ تعالیٰ (مواہب ص ۷۱) (اور بوجہ روایت ابو داؤد کے کہ بے شک صحابہؓ میں سے اگر کوئی ایک نیا کپڑا پہنتا تو اس کو کہا جاتا۔ اس کو تو پرانا کرے اور اللہ تعالیٰ

اس کی جگہ دوسرا دے)

(۶۰/۸) حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُنُسَ الْكُوفِيُّ أَنبَأَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكِ الْمُزْنِيُّ عَنْ  
الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
نَحْوَهُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَنبَأَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ  
مَالِكٍ قَالَ كَانَ أَحَبُّ الْبَيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْحَبْرَةَ .  
ترجمہ! ہمیں بیان کیا محمد بن بشار نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی معاذ بن ہشام نے۔ وہ کہتے ہیں  
کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے قتادہ کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ  
سے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو یمنی منقش چادر کپڑوں میں زیادہ پسندیدہ تھی۔  
راویان حدیث (۲۰۵) ہشام بن یونس اور (۲۰۶) القاسم بن مالک المزنی کے حالات ”تذکرہ  
راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### الحبرۃ کا معنی اور تشریح:

كان أحب البياب ... حضور اقدسؐ کو پہنے جانے والے کپڑوں میں دھاریدار چادر زیادہ پسند تھی  
الحبرۃ بمعنی منقش دھاریدار چادر، تحبیر کا معنی ہے مختلف الوان سے لکھنا جس سے کپڑا منقش  
ہو جاتا ہے الحبرۃ کعبۃ وہی نوع برود الیمن تتخذ من قطن أو كتان، مخططة بخطوط  
حمر أو زرق أو خضر (اتحافات ص ۱۰۰) حبرۃ بروزن عنبۃ ہے یہ یمنی چادروں کی ایک  
قسم ہے جو کپاس یا کتان (ٹھس) وغیرہ جو سرخ اور نیلے اور سبز دھاریوں سے دھاریدار ہو بنایا جاتا  
ہے) والتحبیر هو التحسین (ای تزیین لا بسھا) ومنه قوله تعالى فهم فی روضة  
یحبرون (اتحافات ص ۱۰۰) تحبیر بمعنی تحسین کے ہے یعنی دھاریدار کپڑے کا پہننے والا  
خوبصورت ہو جاتا ہے اور اسی مادہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے (ترجمہ) کہ وہ لوگ (بہشت) کے  
باغ میں خوش و خرم (خوبصورت) ہوں گے) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلقاً سرخ کپڑا پہننا

مردوں کے لئے بہتر نہیں (بعض علماء نے ناجائز لکھا ہے) البتہ مخطوط دھاری دار کی اجازت ہے۔

## قمیص اور الحبرة کی اُحبیت میں تعارض اور جواب:

یہاں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ اس حدیث اور اس سے سابق حدیث احب الثیاب القمیص میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حضرات محدثین فرماتے ہیں۔

(۱) حدیث قمیص میں وضع کے اعتبار سے اُحبیت ہے اور الحبرة میں جنس کی اُحبیت ہے۔

(۲) حدیث قمیص میں اُحبیت اضافیہ ہے جبکہ فی نفسہ ، الحبرة احب ہے۔

(۳) القمیص سلع کپڑوں میں احب ہے جبکہ الحبرة فی الرداء میں پسند ہے۔ (جمع ص ۱۴۰)

(۴) قمیص تب پسند تھی جب آپؐ گھر تشریف فرما ہوتے اور الحبرة تب پسند تھی۔

اذا كان مع اصحابه (احفافات ص ۱۰۱) (جب آپؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ ہوتے) وحديث الحبرة أصح لاتفاق الشيخين عليه فلا يعارضه الحديث السابق (مواهب ص ۷۱)

(اور حدیث حبرة زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ متفق علیہ شیخین کی ہے تو اس کے ساتھ سابقہ حدیث معارض ومقابل نہ ہوئی)

## الحبرة کیوں پسند تھی:

(۱) شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو الحبرة اسلئے بھی پسند تھا کہ اس میں نرمی تھی جسم مقدس کو اس سے مناسبت تھی۔ فانہ کان علی غایۃ من النعومة واللين (مواہب ص ۷۱) (کیونکہ وہ انتہائی نرم و نازک تھی)

(۲) الحبرة یعنی چادروں میں ہے جس میں سرخ دھاریاں ہوا کرتی تھیں۔ وربما كانت بزرق ہی اشرف الثیاب عندهم تصنع من القطن ولذا كان احب (جمع ص ۱۴۰) (اور کبھی نیلی دھاریوں والی ہوتی تھیں یہ یمن والے لوگوں کے نزدیک انتہائی قیمتی ہوتے تھے اور یہ (چونکہ) کپاس سے بنائی جاتی تھیں اس لئے آپؐ کو زیادہ پسند تھیں)

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں یہ چادر سبز رنگ کی ہوتی تھی۔ وقیل نكونها خضراء وهى من ثياب اهل الجنة۔ (اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حبرہ سبز رنگ کی ہوتی تھی اور یہ جنت والوں کا لباس ہے)

(۴) جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو سَخِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرُؤْدِ جُبَّةٍ يَعْنِيْ اُپَّ پر ایک یعنی چادر ڈال دی گئی تھی ایک اور مقام پر ارشاد ہے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي اَطْعَمَنَا الْخَمِيْرَ وَ اَلْبَسَنَا الْحَبِيْرَ شکر ہے اللہ تعالیٰ جس نے ہم کو خیر کھلایا اور الحبیر پہنایا۔

(۵) اس لئے کہ اس میں زینت زیادہ نہیں اور میل پکیل بھی اس میں ظاہر نہیں ہوتا۔

قیل انما كانت هي احب الثياب اليه صلى الله عليه وسلم لانه ليس فيه كثير زينة ولانها اكثر احتمالا للوسخ (جمع ص ۱۳۰) بعض نسخوں میں یلبسہ کی جگہ یلبسہا بھی آیا ہے جیسے کان احب الثياب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يلبسها الحبرة۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۳) (حضور ﷺ کو اپنے پہنے جانے والے کپڑوں میں سے حبرہ (سرخ دھاریدار) آپ کو زیادہ پسندیدہ تھا)

(۶۱/۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ ابْنَانَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ ابْنَانَا سُفْيَانُ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَيْهِ حُلَّةٌ حُمْرَاءُ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَرِيقِ سَاقِيهِ قَالَ سُفْيَانُ أَرَاهَا حَبْرَةً.

ترجمہ! ہمیں محمود بن غیلان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر عبدالرزاق نے اور ان کو سفیان نے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت عون بن ابی جحیفہ سے ان کے باپ کے حوالے سے نقل کی۔ تو صحابی رسول ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو سرخ جوڑا پہنے ہوئے دیکھا حضور اقدس ﷺ کی دونوں پنڈلیوں کی چمک گویا اب بھی میرے سامنے ہے سفیان جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں جہاں تک سمجھتا ہوں وہ سرخ جوڑا منقش جوڑا تھا۔

راوی حدیث (۲۰۷) عون بن ابی جحیفہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمادیں

## حلة حمراء کا معنی و حکم:

قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وعليه حلة حمراء .... میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ سرخ جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھے۔ یہ روایت حجۃ الوداع کے موقع پر بطحاء مکہ میں ہوئی تھی جیسا کہ بخاری کی روایت میں اس کی تصریح ہے وعلیہ حلة حمراء جملہ جالیہ ہے حضرت سفیان حلة کی مراد متعین کرتے ہوئے کہتے ہیں قال سفیان اراها حبرة میرا خیال ہے کہ وہ نقش جوڑا تھا سفیان یہ تعبیر اسلئے کرتے ہیں کہ خالص سرخ کپڑے کی ممانعت آئی ہے۔

حلة : (۱) ازار اور چادر کو کہتے ہیں ای ازار و رداء کذا فی المہذب

(۲) یہ حلة دو کپڑوں ہی کا نام ہے کذا فی الصحاح

(۳) والمراد بالحلة الحمراء بردان یمانان منسوجان بخطوط حمر مع سود کسائر البرود الیمنیة وهی معروفة بهذا الاسم باعتبار ما فیها من الخطوط الحمر والا فالاحمر البحت منہی عنہ ومکروه لبسه (جمع ص ۱۴۱) (اور سرخ جوڑے سے مراد دو یمنی چادریں جو سرخ و سیاہ دھاریوں سے بنی ہوئی تھیں جیسے کہ باقی یمنی چادریں اور وہ حله حمراء کے ساتھ اسلئے مشہور ہے کہ اس میں سرخ لکیریں اور دھاریاں ہوتی تھیں۔ ورنہ خالص سرخ جوڑے کے پہننے سے منع وارد ہوئی ہے اور اس کا پہننا مکروہ ہے) ابوداؤد میں حدیث ہے کہ ایک شخص کا حضور اقدس ﷺ پر گزر ہوا وعلیہ حلتان حمراوان (اور اس پر دو کپڑے سرخ رنگ کے تھے) اس نے آپؐ پر سلام ڈالا مگر آپؐ نے جواب نہ دیا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ سرخ کپڑے اسلئے ناپسندیدہ ہیں۔ لانه زينة الشیطان وموجب للخیلاء والطغیان (جمع ص ۱۴۱) (کہ وہ شیطانی زینت ہے اور انسان میں غرور و تکبر پیدا ہو جانے کا ذریعہ ہیں) اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وعلیہ حلة حمراء اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے جیسا کہ بعض حضرات کی رائے بھی یہی ہے۔

تو پھر اسی صورت میں ملا علی قاریؒ نے اس کی دو توجیہات کی ہیں۔

(۱) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپؐ نے الاحمر البحت (خالص سرخ) پہنا ہے تو یہ قبل النہی

(یعنی حضور ﷺ کے منع کرنے سے پہلے کا واقعہ) تھا۔

(۲) یا بیان جواز کے لئے تھا۔

سرخ لباس کے مردوں کے لئے جواز و عدم جواز پر کتابوں میں کافی بحث کی گئی ہے فقہاء کرامؒ نے مکروہ لکھا ہے اگر دھاریدار ہو یا اس کا سوت رنگا ہوا ہو تو جائز ہے ابن جریر طبری نے مطلقاً جائز لکھا ہے مگر ثقاہت اور مروّت کے خلاف ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں خود حنفیہ کے اس میں مختلف اقوال ہیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ سرخ رنگ مرد کے لئے فتویٰ کے لحاظ سے جائز ہے اور تقویٰ کے لحاظ سے ترک کرنا اولیٰ ہے کہ یہ علماء میں مختلف فیہ ہے (خصائل)

### تہبند یا جامہ کا مسنون معیار:

کانی انظر الی بریق ساقیہ گویا میں اس وقت حضور اقدس ﷺ کی دونوں مبارک پنڈلیوں کی نورانیت دیکھ رہا ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کا تہبند مبارک نصف پنڈلی تک تھا۔ تہبند ہو یا جامہ نصف ساق تک سنت اور ٹخنوں تک ہونا مستحب ہے اگر ٹخنوں سے نیچے ہو جائے اگر از روئے تکبر ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ فیسن للرجل الی نصف ساقیہ ویجوز الی کعبیہ وما زاد حرم ان قصد الخیلاء والا کرہ (مناوی ص ۱۴۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد کی پنڈلی پر نظر پڑ جائے تو جائز ہے اور اسی پر اجماع ہے مگر یہ تب ہے جب فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں وندب تقصیر الثیاب الی انصاف ساقین (اور مستحب ہے کپڑوں کا نصف پنڈلیوں تک کوتاہ رکھنا) جیسا کہ مختلف روایت میں وارد ہے (۱) ارفع ازارک فانہ اتقی وانقی (اپنے تہبند کو اوپر باندھو کہ یہ زیادہ تقویٰ اور صفائی کا ذریعہ ہے)

(۲) طبرانی میں ہے کل شئی مس الارض من الثیاب فی النار (ہر وہ کپڑا جو زمین پر) بوجہ لبسا ہونے لگے وہ آگ میں ہے یعنی پہنے ہوئے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا اچھا نہیں)

(۳) بخاری میں ہے ما اسبل من الکعبین من الازار فی النار (ای محلہ فیہا فتجوز بہ عنہ للمجاورۃ) (مناوی ص ۱۴۲) (تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا ہو وہ آگ میں ہے) (یعنی اس کی سزا آگ ہے)

### صحابہ کرامؓ کے ذوقِ محبت کا اظہار:

حضراتِ صحابہ کرامؓ کو حضور اقدس ﷺ کی ذات والا صفات سے کتنا عشق و محبت والہیت اور پیار تھا کہ جب بھی آپؐ کی ذاتِ اقدس کا تذکرہ کرتے تو اپنی محبت و جنون اور وارفتگی چھپائے بھی نہ چھپتی اور چھلک پڑتی۔

حضرت ابو جحیفہؓ کا یہ جملہ ”گویا میں اب بھی آپؐ کی پنڈلی مبارک دیکھ رہا ہوں“ اسی ذوق و محبت کمال عشق اور مخلصانہ جذب و کیف کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے گویا آپؐ کے مبارک تصور سے اب بھی ان کا دل و دماغ اور ظاہر و باطن منور اور معطر ہو رہے ہیں۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یارؐ

جب ذرا گردن جھکالی دیکھ لی

شیخ عبدالجواد الدومنیؒ نے یہاں کچھ مزید روایات بھی نقل کی ہیں مذرا قارئین ہے۔

وفیہ ایضاً: ورأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ، ورأیت الناس یتلدرون بلل وضوئہ، ای مافضل من ماء وضوئہ، فمن أصاب منه شیئاً مسح به وجہہ، ومن لم یصب منه شیئاً أخذ من بلل صاحبه. وزاد من طریق شعبۃ عن عون عن أبیہ: وقام الناس فجعلوا يأخذون یدیه یمسحون بهما وجوہهم. قال: فأخذت یدہ فوضعتها علی وجہی، فاذا ہی أبرد من الثلج، وأطیب رائحة من المسک ”وعلیہ حلۃ حمراء“۔ (اتحافات ص ۱۰۱، ۱۰۲) (اور اسی طرح اس میں ہے کہ میں نے نبی علیہ السلام کو وضو کرتے دیکھا اور میں نے (اس دوران) اور لوگوں کو دیکھا کہ حضور ﷺ کے وضو، کے بقیہ پانی کی طرف جلد بازی کرتے تھے جس شخص کو اس میں سے کچھ مل جاتا تو اس کے ساتھ اپنے چہرے پر مسح کر لیتا (یعنی اس تری کو چہرہ پر ملتا) اور اگر اس سے نہ ملتا تو اپنے ساتھی سے کچھ پانی کی

تری لے کر اپنے چہرہ پر لگاتا۔ اور شعبہ عن ابیہ کی سند میں ہے کہ لوگ شروع ہوئے کہ آپ کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے چہروں پر ملتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے بھی حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرہ پر رکھا تو اچانک وہ برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا اور آپ پر ایک سرخ جوڑا تھا)

(۶۲/۱۰) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ أَحْسَنَ فِي حُلَّةٍ حُمْرَاءَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كَانَتْ جُمُتُهُ لَتَضْرِبَ قَرِينًا مِنْ مَنْكِبَيْهِ ..

ترجمہ! ہمارے سامنے علی بن خشرم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس نے خبر دی انہوں نے یہ روایت اسرائیل سے ابی اسحاق کے حوالے سے اخذ کی اور وہ صحابی رسول حضرت براء بن عازبؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی سرخ جوڑے والے کو حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا اس وقت حضور اقدس ﷺ کے ہاتھ حضور کے مونڈھوں کے قریب تک آرہے تھے۔

راوی حدیث (۲۰۸) علی بن خشرمؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمادیں۔ یہ حدیث باب اول میں تیسرے نمبر پر گزر چکی ہے۔ متعلقہ بحث وہاں ملاحظہ فرمادیں یہاں تو حلة حمرآء کی مناسبت سے دوبارہ لائی گئی ہے۔

(۶۳/۱۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ أَنبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِيَادٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي رَمْثَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ ..

ترجمہ! ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا عبد الرحمن بن مہدی نے۔ ان کو یہ روایت عبید اللہ بن ایاد سے ملی۔ انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے صحابی ابورمثہؓ



سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔  
راوی حدیث (۲۰۹) عبید اللہ بن ایاد کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔  
حدیث کی تشریح ۶۰/۸ میں تفصیل سے کی جا چکی ہے۔

(۶۴/۱۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حَسَّانَ الْعَنْبَرِيُّ عَنْ جَدَّتَيْهِ دُحْيَةَ وَعُلَيَّةَ عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ قَالَتْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ أَسْمَالٌ مُلَتَيْنِ كَأَنَّ بَرَعَفَرَانِ وَقَدْ نَفَضْتُهُ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ..

ترجمہ! ہمیں عبد بن حمید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عفان بن مسلم نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کے متعلق عبد اللہ بن حسان انبری نے اپنی دادی دُحیہ وعلیہ کے حوالے سے بتلایا۔ انہوں نے یہ روایت قیلہ بنت مخرمہ سے حاصل کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حضور والا پر دو پرانی لنگیاں تھیں جو زعفران میں رنگی ہوئی تھیں لیکن زعفران کا کوئی اثر ان پر نہیں رہا تھا اور اس حدیث میں ایک طویل قصہ بھی ہے۔

راویان حدیث (۲۱۰) عفان بن مسلم (۲۱۱) عبد اللہ بن حسان العنبري (۲۱۲) دُحیہ (۲۱۳) علیہ اور (۲۱۴) قیلہ بنت مخرمہ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

قالت رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وعليه أسمالٌ ملَتَيْنِ الخ حضرت قیلہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ نے دو پرانی چادریں پہن رکھی تھیں اسام سمل کی جمع ہے کہا جاتا ہے سمل الثوب یا ثوب ثَمِيل ‘پُرانا کپڑا‘ بوسیدہ کپڑا یہاں اسام صیغہ جمع کا ہے مراد مافوق الواحد ہے۔ بمعنی بوسیدہ کپڑے کے، وهو الثوب الخلق (جمع ص ۱۴۵) المِلَّة، الملاة کی تفسیر ہے بمعنی چادر کے جو یک بری ہو اور سلی ہوئی نہ ہو (غیر خیط) بلکہ اس کی نسج (بنائی) ایسی ہو کہ سلائے بغیر استعمال ہو سکے۔ وفي النهاية هي الازار وفي الصحاح

الملحفۃ (مناوی ص ۱۴۵) (اور نہایہ میں ہے کہ ملیۃ کا معنی تہبند ہے اور صحاح میں ہے کہ یہ بمعنی ملحفہ بڑی چادر کے ہے)

الملیۃ بھی واحد کا صیغہ ہے مُلَتَّین اس کا تثنیہ ہے بمعنی دو چادریں۔ یہ اضافت بیان یہ ہے یعنی آپؐ پر دو پرانی چادریں تھیں۔

کانتا بزعفران وقد نفضته یعنی دونوں چادریں زعفران سے رنگی ہوئی تھیں، مگر بوسیدگی کی وجہ سے زعفرانی رنگ زائل ہو چکا تھا۔

کانتا بزعفران ای مصبوغین بہ واما قول الحنفی ای مخلوطین ففیہ تسامح (جمع ص ۱۴۵) (یہ دونوں زعفران میں رنگی ہوئی تھیں اور خفی "کا یہ قول کہ ان میں زعفران کی ملاوٹ تھی تو اس میں اس سے تسامح ہوئی) وقد نفضته ای الأسمال او کل واحده من الملتین لون الزعفران ولم یبق اثر منه (جمع ص ۱۴۵) (اور بوسیدگی نے زعفرانی رنگ جھاڑ دیا تھا یا ہر ایک دونوں چادروں میں سے زعفرانی رنگ زائل ہو گیا اور کوئی اثر باقی نہ رہا) نفض کا اصل معنی غبار جھاڑنے کے لئے کسی چیز کو حرکت دینا ہے یہاں لون زعفران کے زوال سے کنایہ ہے لکونہ من لوازمہ (مناوی ص ۱۴۵) (کہ زائل ہونا جھڑنے کے لوازمات میں سے ہے)

### ایک تعارض سے جواب:

ایک حدیث میں ہے کہ نہی عن التزعفر للرجال (یعنی حضور اقدس ﷺ نے مردوں کے لئے زعفرانی رنگ منع فرمایا یعنی مرد اپنے اعضاء و اندام اور کپڑوں کو زعفرانی رنگ سے رنگنے سے پرہیز کریں) امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ مردوں کے لئے زعفرانی رنگ کثرت سے استعمال کرنے سے نہی آئی ہے کیونکہ تھوڑے زعفران کے استعمال کی رخصت حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی حدیث سے نکلتی ہے (لغات الحدیث ز۔ ص ۱۹)

بظاہر اشکال یہ ہے کہ جب آپؐ نے زعفرانی رنگ استعمال کرنے سے منع فرمایا تو خود اس رنگ کی چادریں کیوں اوڑھی ہیں بظاہر تعارض ہے۔

محدثین کرامؒ حضرات فرماتے ہیں (۱) کہ وقد نفضتہ سے اس کا جواب ہو جاتا ہے کہ ان چادروں کو کسی وقت زعفرانی رنگ ضرور دیا گیا تھا مگر وہ اس کے استعمال سے آہستہ آہستہ زائل ہو گیا تھا اور جب استعمال میں لائیں گئیں تو زعفرانی رنگ کا اثر باقی نہیں رہا تھا۔

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ نے یہ زعفرانی چادریں نبیؐ سے قبل پہنی ہوں جس پر حدیث میں مذکور طویل قصہ بھی دلالت کرتا ہے انہا کانت فی اول الاسلام (جمع ص ۱۴۶) (کہ آپؐ کا اس قسم کی چادروں کا پہننا اسلام کے ابتدائی دور میں تھا)

### لباس فقر اور لباس فاخرہ میں مدارِ نیت پر ہے:

زیر بحث حدیث میں تو بذاتۃ الہیئت اور رثائۃ اللباس کی طرف اشارہ ہے اور بعض روایات میں لباس فاخرہ بھی منقول ہے جیسا کہ خود حضور اقدس ﷺ نے ستائیس (۲۷) اونٹنیوں کے بدلے میں ایک جوڑا کپڑوں کا خریدا تھا اور پہنا بھی تھا جو اگرچہ ایک ضرورت کے پیش نظر وقتی اور عارضی چیز تھی ورنہ عام معمول کا لباس آپؐ کا معمولی درویشانہ اور بقدر کفاف ہوا کرتا تھا جس سے زینت و جمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے یہ تو عمل مبارک ہے اس طرح قول مبارک میں بھی دونوں قسم منقول ہیں

البذاتۃ من الایمان الرثائۃ من الایمان . ان اللہ یحب الجمال . ان اللہ یحب النظافۃ (آپؐ نے سادگی اور زینت کے عدم اہتمام کو ایمان کی علامت کہا ہے اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوبصورتی اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک و صاف ہیں اور صفائی کو پسند کرتے ہیں)۔ اصحاب السنن نے روایت نقل کی ہے۔ کہ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا۔ وعلیہ اطمار وفی رواۃ النسائی ثوب دون (جمع ص ۱۴۶) (اور اس کے بدن پر بوسیدہ کپڑے تھے اور نسائی کی روایت میں ہے کہ معمولی کپڑے تھے) آپؐ نے ان سے فرمایا کیا تمہارے پاس مال ہے؟ کہا جی ہاں فرمایا کس قسم کا مال ہے؟ عرض کیا اللہ کی ہر نعمت ہے جو اس نے عطا کی ہے اونٹ ہیں بکریاں ہیں وغیرہ آپؐ نے ارشاد فرمایا فکثر نعمتہ وکرامتہ علیک ای فاضل اثر نعمتہ بالحمد والشکر بلسان القال والحال لیكون سبباً للمزید فی الاستقبال والمآل قال تعالیٰ (واما بنعمة ربک فحدث) (جمع

ص ۱۴۶) تو پھر تو آپ اللہ تعالیٰ کے اس احسان و نعمت کا اظہار حمد و شکر کے ساتھ اپنے قول و عمل میں کرتا رہتا کہ مستقبل میں یہ (اللہ تعالیٰ) کے مزید انعامات اور احسانات کا سبب بنے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اپنے رب کریم کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیے (اور سنن میں یہ روایت بھی منقول ہے۔ ان اللہ بحسب ان یری اثر نعمته علی عبده ای لا نبأه عن الجمال الباطن وهو الشکر علی النعمة) جمع ص ۱۴۶) (اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ اپنی نعمتوں کا اثر اپنے بندوں پر دیکھیں اس لئے کہ بندہ کا نعمتوں کے اظہار سے اس کے اندرونی جمال یعنی نعمتوں پر شکریہ کرنے کی کیفیت کا پتہ چل جاتا ہے) علماء محققین اور حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ اس میں قول فیصل نیت ہے اچھا اور عمدہ کپڑا اگر تحدیثِ نعت کے طور پر ہے تو افضل اور موجبِ ثواب ہے جبکہ کتمانِ فقر کے لئے لباسِ فاخرہ پہننا افضل ہے اور اگر یہی لباس استکبار و ریا اور سمعة و شہرت کا باعث ہو تو پھر ناجائز ہے اسی طرح بذاتہ الہیة اور رفاۃ اللباس میں بھی نیت کا اعتبار ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں نیت کے مدار ہونے پر لکھا ہے کہ وکذا لیس لبس الدنئی من الثیاب یذم فی موضع و یحمد فی موضع فینم اذا کان شہرة و خیلاء و یمدح اذا کان تواضعا و استکانة کما ان لبس الرفیع من الثیاب یذم اذا کان تکبرا و فخرًا و خیلاء و یمدح اذا کان تجملا و اظهار النعمة اللہ فی صحیح مسلم عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة خردل من کبر ولا یدخل النار من کان فی قلبه مثقال حبة خردل من ایمان قال رجل یا رسول اللہ انی احب ان یكون ثوبی حسنا وعلی حسنا فمن الکبر ذاک فقال لا ان اللہ جمیل یحب الجمال الکبر بطر الحق و غمط الناس (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۲) (اسی طرح بوسیدہ اور غیر قیمتی کپڑے پہننا کبھی قابلِ مذمت و برائی اور کسی وقت قابلِ مدح و تعریف ہوتے ہیں۔ یعنی جب تکبر اور شہرت کے لئے پہنے جائیں تو پھر قابلِ مذمت اور برائی ہیں اور جب وہ تواضع اور ستر پوشی کی غرض سے ہوں تو قابلِ مدح و تعریف ہیں اور یہی حال اچھے اور قیمتی کپڑوں کا ہے کہ اگر بڑائی و فخر اور تکبر کی نیت سے ہوں تو برائی اور قابلِ مذمت ہیں اور اگر تجمل و خوبصورتی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار کے لئے ہوں تو پھر قابلِ مدح و تعریف ہوں گے۔ صحیح مسلم

میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہرگز جنت میں وہ شخص نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا تکبر اور بڑائی ہو اور دوزخ میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو۔ ایک شخص نے کہا کہ میرا تو دل چاہتا ہے کہ میرے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں کیا یہ بھی تکبر میں سے ہے آپؐ نے فرمایا نہیں! بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات خوبصورت ہے اور وہ خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں تکبر تو حق بات کو نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے)

### حضرت ابوالحسن شاذلیؒ کا ارشاد:

حضرت ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں نفس کے دھوکہ سے احتراز دونوں جانبوں میں ضروری ہے شکستہ حالت میں شہرت اور تواضع کے اظہار میں ریا و سمعہ اور عمدہ لباس میں تکبر و نخوت خطرناک امور ہیں ان ہی کے متعلق ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے نہایت ہی عمدہ لباس زیب تن کیا ہوا تھا کسی گدڑی پوش اور شکستہ حال نے ان پر اعتراض کیا تو آپؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

یا ہذا ہیئتہ فی ہذہ تقول الحمد للہ و ہیئتک ہذہ تقول اعطونی من دنیا کم شیئاً للہ (جمع ص ۱۴۶) (اے شخص میری یہ شکل وہیئت (یعنی اچھا لباس پہننا) (زبان حال) سے الحمد للہ کہتی ہے یعنی اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہو رہا ہے اور آپؐ کی یہ شکل وہیئت (گدڑی پوشی) زبان حال سے کہتی ہے کہ کچھ مال اللہ کے لئے مجھے دیدیتے (جس سے حرص و لالچ مٹ کر ہو رہا ہے)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں لا بد للسالک فیہما من تصحیح النیۃ و اخلاص الطویۃ فلا یلبس افتخاراً ولا یتبرک بخللاً و احتقاراً (جمع ص ۱۴۶) (اس لئے سالک کے لئے تصحیح نیت اور اپنے اندرونی معاملہ میں اخلاص انتہائی ضروری ہے پس (اس کو چاہئے) کہ اچھا اور عمدہ لباس بطور فخر و ریا کے نہ پہنے اور نہ ہی بخل اور حقارت سے اس کا تارک بنے)

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں - والفصل العدل ان جمال الهيئة اما محمود وهو ما اعان علی طاعة ومنه تجمل المصطفى للوفود واما مذموم وهو ما للدنيا او للخلاء (مناوی ص ۱۴۷) (حد فاصل اور اعتمدالی کیفیت یہ ہے کہ خوبصورتی یا محمود (قابل مدح) ہوگی۔ یعنی جو طاعت خداوندی پر معین

مندگار اور آمادہ کرنے والی ہو حضور ﷺ کے باہر کے وفود کے لئے تجل اسی غرض سے ہوتا تھا۔ اور یا خوبصورتی قابل مذمت ہوگی۔ اور وہ یہ ہے کہ دنیاوی اغراض تکبر اور بڑائی کے لئے ہو)

وفی الحدیث قصۃ طویلة اور اس حدیث میں ایک لمبا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے ملا علی قاریؒ بھی فرماتے ہیں کہ یہ قصہ تقریباً دو ورق کا ہے مگر اس کو آپؐ کے لباس سے کوئی مناسبت نہ تھی اسلئے ترک کر دیا گیا۔ وقال ابن حجر وترکھا لعدم مناسبتها لما هو فیہ (جمع ص ۱۴۷) (ابن حجرؒ) فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو مصنفؒ نے اس لئے چھوڑ دیا کہ اس باب کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت نہیں تھی (وہ قصہ مختصر یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں اپنے پاؤں پر گوشت مار کر یعنی دونوں رانوں کو پنڈلیوں کے ساتھ ملا کر) تشریف فرما تھے دست مبارک میں کھجور کی چھڑی تھی آپؐ بڑے متفکر نظر آرہے تھے ایک خاتون یا مرد حاضر خدمت ہوا آپؐ پر سلام کیا آپؐ نے جواب دیا آپؐ دو زعفران زائل شدہ پرانی چادریں اوڑھے ہوئے تھے

راوی کہتے ہیں جب آپؐ پر میری نظر پڑی تو آپؐ کے رعب و جلال سے مجھ پر ہیبت اور خوف طاری ہو گیا ارعدت من الفرق (میں خوف کے مارے لرز گیا) آپؐ نے میری طرف دیکھا فقال وعلیک السکینۃ فذهب عنی ما جدمن الروع (جمع ص ۱۴۷) پس آپؐ نے ارشاد فرمایا تجھ پر سکینہ و آرام ہوا آپؐ ﷺ کی اس قدر توجہ و عنایت اور ارشاد مبارک سے میرا خوف و ہیبت سکینہ اور طمینان سے بدل گیا۔

(۶۵/۱۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بَشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْبَيَاضِ مِنَ الثِّيَابِ لِيَلْبَسَهَا أَحْيَاءُكُمْ وَكَفَنُوفِيهَا مَوْتَاكُمْ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ..

ترجمہ! ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت بشر بن مفضل نے بیان کی انہوں نے عبد اللہ بن عثمان بن خثیم سے اخذ کی انہوں نے سعید بن جبیر سے اور انہوں نے صحابی رسول

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ سفید کپڑوں کو اختیار کیا کرو کہ یہ بہترین لباس میں سے ہے سفید کپڑا ہی زندگی کی حالت میں پہننا چاہئے اور سفید ہی کپڑوں میں مردوں کو دفن کرنا چاہئے۔

### سفید کپڑے کے استعمال کی ترغیب:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بالبیاض من الثیاب لوگو! تم پر لازم ہے کہ سفید کپڑے پہنا کرو علیکم اسم فعل ہے بمعنی الزموا کے ہے ای الزموا البس الابيض (مواب ص ۷۴) (یعنی تم اپنے اوپر سفید لباس پہننے کو لازم کرلو) وحمل البیاض علی المبالغة او علی حذف المضاف ومن الثیاب بیان له البیاض ای الثیاب البیض بولغ فیہا فکانہا نفس البیاض او البسوا ذا البیاض علی حذف المضاف (خصائل عربی حاشیہ) اور حدیث میں علیکم بالبیاض میں یا تو بیاض مبالغہ پر محمول ہے اور یا یہاں مضاف محذوف ہے اور لفظ میں من الثیاب یہ اس کا عطف بیان ہے یعنی الثیاب البیض (سفید کپڑے) اس میں مبالغہ کیا گیا گویا کہ کپڑے بعینہ سفیدی ہوئے اور یا البسوا ذا البیاض یعنی تم سفیدی والے پہنو تو یہاں حذف مضاف ہوا۔

لینبسہا احياء کم الخ یعنی تمہارے زندہ لوگ سفید کپڑے پہنیں اور مردوں کو بھی سفید کپڑوں میں کفن دیا کرو اس حدیث میں آپؐ کے سفید کپڑوں کے پہننے کا ذکر نہیں مگر امت کو حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب ترغیب دی جا رہی ہے تو خود بھی پہننا پسند تھا اور پہننا بھی ہے چنانچہ بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے۔ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ ثوب ابیض۔ (میں حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس پر سفید کپڑے تھے) چنانچہ علماء کرام اور صلحاء امت کا معمول بھی ہے اور ترغیب بھی کہ سفید کپڑے پہن کر جمعہ کے روز مسجد میں آنا یا قرأت قرآن اور علمی و دینی اور روحانی مجالس میں شریک ہونا ایک عمدہ اور بہتر عمل ہے عید کے روز بھی عمدہ اور اعلیٰ بلکہ نیا کپڑا پہننا (اگرچہ وہ سفید نہ ہو) انسب ہے۔

شیخ عبدالجواد الدہلی فرماتے ہیں۔ فی هذا الحديث یرغب نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی

البیاض .. ویحبہ لنا فی الحیاة وبعد الممات والتعلیل كما جاء فی الحدیث الآتی لانہا اطہر واطیب وقد ورد أن أحب الالوان إلى الله البیاض (اتحافات ص ۱۱۱) (اس حدیث میں ہمیں اپنے نبی کریم ﷺ سفید کپڑے پہننے کی ترغیب دے رہے ہیں اور انہی سفید کپڑوں کو ہمارے لئے زندگی اور موت کے بعد بھی پسند فرماتے ہیں اور اس کی علت اور وجہ آئندہ حدیث میں ہے۔ کہ یہ پاک و صاف اور اچھے رہتے ہیں اور یہ بھی احادیث میں ہے کہ رنگوں میں زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کو سفید رنگ ہے)

(۶۶/۱۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَنَّنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ أَبِي شَيْبٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُسْوَا الْبَيَاضُ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ وَكَفَنُوا فِيهَا مَوْتَانَا ..

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں عبدالرحمن بن مہدی نے خبر دی ان کو سفیان نے حبیب بن ابی ثابت کے حوالے سے نقل کیا۔ انہوں نے میمون بن ابی شیبہ سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے روایت بیان کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑا پہنا کرو اسلئے کہ وہ زیادہ پاک و صاف رہتے ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔

راویان حدیث (۲۱۵) حبیب بن ابی ثابت اور (۲۱۶) سمرۃ بن جندبؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**سفید کپڑا اطہر واطیب ہے:**

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم البسوا البياض الخ آپؐ نے ارشاد فرمایا لوگو! سفید کپڑا پہنو فانہا اطہر جب وہ اطہر و نظیف ہو کیونکہ اس پر جب میل کچیل لگ جائے فوراً نظر آتی ہے اور فوراً دھو کر صاف کر دی جاتی ہے گویا اطہر ہے ظاہر کے لحاظ سے واطیب یعنی احسن و انتقی باعتبار باطن



ہے لغلبہ دلائلہا علی التواضع والتخشع ولانہا بقی علی الحالة الی خلق علیہا فلیس فیہا تغیر خلق اللہ تعالیٰ (مواہب ص ۷۴) (اکثر سفید لباس کی دلالت خشوع و خضوع پر ہوتی ہے اور یہ رنگ اپنی خلقی حالت پر قائم دائم رہتا ہے۔ اس میں اللہ کی خلقت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی) کفوا فیہا موتا کم الخ علامہ عبد الجواد الدومیؒ لکھتے ہیں

جب زندہ لوگ مساجد جاتے وقت اور بڑوں کی ملاقات کے وقت سفید کپڑے پہنتے ہیں تو مردوں کو ان کا پہننا زیادہ انسب ہے اسلئے کہ یہ تو رب کریم اور ملائکہ مقربین کی ملاقات کے لئے جارہے ہیں دوسرا یہ کہ ان کی تیاری میں محنت کم اور تکلفات کا عدم ہوتے ہیں بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ سفید لباس میں کفنانے کے حکمت یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنے رب سے ملاقات کرے تو گناہوں سے پاک ہو سفید رنگ کی طرح صاف ستھرا ہو اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو جیسا کہ سفید لباس کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے (ملخصاً از اتحافات ص ۱۱۲)

(۶۷/۱۵) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ أَنَّ أَبَا يَحْيَىٰ بْنَ زَكَرِيَّا بْنَ أَبِي زَائِدَةَ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ مُصْعَبِ بْنِ شَيْبَةَ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِنْ شَعْرِ أَسْوَدَ..

ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ نے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس میرے باپ نے خبر دی انہوں نے مصعب بن شبیبہ سے صفیہ بنت شبیبہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت سماعت کی آپ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ صبح کو مکان سے باہر تشریف لے گئے تو آپ کے بدن پر سیاہ بالوں کی چادر تھی۔

راویان حدیث (۲۱۷) یحییٰ بن زکریا (۲۱۸) ابی (۲۱۹) مصعب بن شبیبہ اور (۲۲۰) صفیہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## سیاہ بالوں کی چادر :

قالت خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم .... سیده عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ باہر تشریف لے گئے وعلیہ مرط من شعر اسود آپؐ سیاہ بالوں والی کملی اوڑھے ہوئے تھے۔

مرط (نصر) کے باب سے ہے بمعنی اکھیڑنے اور کھینچنے کے یہاں مراد کملی ہے مرط عموماً خرز سے یا صوف سے یا کتان سے یا سیاہ بالوں سے بنائی جاتی ہے جو کشادہ اور طویل ہوتی ہے وہو کساء طویل واسع من خز او صوف او شعر او کتان یوتزر (جمع ص ۱۴۹) (یہ ایک لمبی کشادہ چادر ریشم یا اون یا بالوں اور کتان کی ہوتی ہے جو بطور تہبند استعمال ہوتی ہے) اسود، مرط ساری سیاہ نہ تھی یہ وصف بطور اغلب کے ہے۔ سیاہ رنگ کی اس نوعیت کی کملی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کالی کملی والے مشہور ہوئے ابوداؤد میں اس کی مزید تصریح ہے کہ بالوں (اون) کی بنی ہوئی چادر میں آپؐ کو زیادہ پسینہ آیا آپؐ نے تکلیف محسوس کی تو اسے اتار دیا۔

(۶۸/۱۶) حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عِيْسَى أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمَغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَسَ جُبَّةً رُومِيَّةً ضَيِّقَةً الْكُمَيْنِ ..

ترجمہ! ہمارے پاس یوسف بن عیسیٰ نے بیان کیا ان کے پاس وکیع نے اور ان کے پاس بیان کیا یونس بن ابی اسحاق نے اپنے باپ کے حوالے سے انہوں نے شععی سے اور انہوں نے عروۃ بن مغیرہ بن شعبہؓ سے اپنے باپ کے حوالے سے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک رومی جبہ زیب تن فرما رکھا تھا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔

راویان حدیث (۲۲۱) الشعمیؒ (۲۲۲) عروۃؒ اور (۲۲۳) ابیہؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## رومی جبہ :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبس جبۃ رومیۃ کہ حضور اقدس ﷺ نے روم کا بنایا ہوا جبہ پہنا تھا ضیقۃ الکمین جس کی آستین تک تھیں شارحین نے لکھا ہے یہ رومی جبہ پہننا سفر میں تھا اور یہ سفر غزوہ تبوک کا تھا۔ ای فی السفر قالوا وکان ذلک فی غزوہ تبوک (مناوی ص ۱۵۰)

## ایک تعارض سے جواب :

اس حدیث میں جبہ کے رومی ہونے کا ذکر ہے جبکہ بعض روایات میں شامی ہونے کا ذکر ہے۔ وفی اکثر الروایات کما قالہ الحافظ ابن حجر شامیۃ (مناوی ص ۱۵۰) (اور اکثر روایات میں ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ جبہ شامی تھا) بظاہر دونوں روایات میں تعارض۔ ملا علی قاریؒ جواب میں فرماتے ہیں۔

(۱) قال العسقلانی ولا منافاة بینہما لان الشام حینئذ داخل تحت حکم قیصر ملک الروم فکانہما واحد من حیث الملک (امام عسقلانیؒ فرماتے ہیں ان دو باتوں میں کوئی تعارض و منافات نہیں اس لئے کہ شام بھی اس وقت قیصر روم کے ماتحت تھا گویا وہ دونوں (روم و شام) ایک ہی مملکت تھی)

(۲) یا کپڑا روم کا ہوگا اور وضع شام کی ہوگی یا اس کے بالعکس ہوگا۔ ویمكن ان یکون نسبة ہیتہا المعتاد لبسہا الی احدہما ونسبة خیاطتہا الی الاخری (جمع ص ۱۵۱) (اور یہ بھی امکان ہے کہ اسکے پہننے معتاد کی نسبت ایک ملک کو اور اس کے سینے اور بنانے کی نسبت دوسرے کو ہو)

## غیر مسلم کے بنائے ہوئے کپڑے کا حکم :

علماء کرام اور فقہاء عظام یہاں یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ کپڑا فی الحقیقت پاک ہے اگرچہ اسے کافروں نے کیوں نہ بنایا ہو۔ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یمتنع من لبسہا (مواہب ص ۷۵) (بے شک نبی کریم ﷺ نے اس کے پہننے سے امتناع نہیں فرمایا)

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف کے فوائد میں یہ بھی ہے کہ جب تک نجاست ثابت نہ ہو جائے کفار کے بنے ہوئے کپڑوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے لانہ صلی اللہ علیہ وسلم لبس الجبة الرومية (جمع ص ۱۵۱) (بے شک آپؐ نے رومی جبہ پہنا ہے) ضیقة الکمین چونکہ آستین تنگ تھیں اسلئے بازوؤں کو وضو کے وقت آستین سے نکالنے میں دشواری پیش آتی تھی اور یہ کیفیت سفر میں تھی جیسا کہ بخاری کی روایت میں تصریح ہے . فلم یستطع ان یخرج ذرا عیہ منها حتی اخرجهما من اسفل الجبة (جمع ص ۱۵۱) (حضور ﷺ اپنے کہنیوں کو (بوجہ تنگی آستینیں) جبہ سے باسانی نہ نکال سکے بلکہ اس جبہ کے چلی طرف سے نکال لئے) اس کے پیش نظر شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے کہ سفر میں تو تنگ آستین کا استعمال مستحب ہے مگر حضر میں نہیں ورنہ حضرات صحابہ کرام کی آستین تو کشادہ ہوا کرتی تھیں (ملخصاً از مواہب ص ۷۵)

=====

## باب ماجاء فی عیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گزراں اوقات کے بیان میں

عیش گزراں، گزراوقات اور معاش کو کہتے ہیں قاموس میں ہے عیش عبارت ہے حیات اور طعام سے وفى التاج العیش الحیاة وما یكون به الحیاة (مناوی ص ۱۵۲) (یعنی تاج العروس میں ہے کہ عیش کا معنی زندگی اور ہر وہ چیز جس کے ذریعہ زندگی حاصل ہو)

عمدہ طریق سے رہنا، ایک خاص طرز پر زندگی گزارنا، مصدر عِیشٌ، مَعَاشًا اور مَعِيشًا آتا ہے اس باب کو امام ترمذی نے شمائل میں دو جگہ ذکر کیا ہے ایک یہاں اور دوسرا اواخر کتاب میں۔ بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ دو جگہ ذکر کرنے میں کوئی خاص مقصد نہیں ہے اسلئے بعض ناخین نے دونوں ابواب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ تاہم چونکہ باب دو جگہ نقل ہوا ہے اسلئے اکثر شارحین نے اس کی توجیہات بیان کی ہیں۔

- (۱) دو جگہ ایک ہی باب کا ذکر، سہو ناخ کی وجہ ہے جس نے کچھ یہاں اور کچھ وہاں لکھ دیا ہے۔
- (۲) اس باب میں محض نفسِ عمرت کا بیان ہے اسلئے یہاں صرف دو حدیثیں بیان ہوئی ہیں جبکہ دوسری جگہ آپؐ کی اس حالت کا بیان ہے کہ آپؐ نے ایامِ عمرت اور تنگی کی حالت میں کیا کیا چیزیں نوش فرمائیں اور کیا کیا چیزیں استعمال فرمائیں اور اسلئے اس دوسرے باب میں نو احادیث مذکور ہیں۔
- (۳) اس باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرامؓ کے ساتھ عیش کا بیان ہے جبکہ دوسرے باب میں آپؐ کا اپنے اہل و عیال کے ساتھ عیش کا بیان ہے۔

(۴) دونوں ابواب کی احادیث کا موضوع ”عیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ (نبی کریمؐ کے گزراں کا تذکرہ) ہے اسلئے دونوں کو یکجا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے مگر امام ترمذیؒ دونوں ابواب کو علیحدہ

علیحدہ لا کر اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اول زمانہ اور اخیر زمانہ دونوں وقتوں میں ذاتی اور معاشی حالت یکساں تھی آپؐ کی اول زندگی اور آخر زندگی سے متعلق احادیث کو دو ابواب میں تقسیم کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا القصد بیان انہ کان فی حیاتہ علی فقر مستمر (مناوی ص ۱۵۲) (اور اصل مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ آپؐ پوری زندگی میں فقر دائمی سے موصوف رہے)

(۵) بعض ملاحظہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی محنت، مشقت، مجاہدہ، ریاضت اور عسرت میں گزری، البتہ جب آپؐ مدینہ منورہ پہنچے اور اسلامی ریاست قائم ہوئی تو پھر آپؐ کی زندگی میں بھی تبدیلی آئی اور آپؐ نے حکمرانوں اور بادشاہوں جیسے زندگی گزاری مگر یہ توجیہ عقل و نقل سے مردود ہے۔

البتہ یہاں اس بات پر شارحین متفق ہیں کہ اس باب کو باب اللباس اور باب الخف کے درمیان لانا ہرگز مناسب نہیں ہے فایراد هذا الباب بین باب اللباس و باب الخف لغیر مناسب قال العسقلانی ولعلہ من صنیع النساخ (مناوی ص ۱۵۲) (پس اس باب کو باب اللباس اور باب الخف کے درمیان لانا مناسب ہے۔ علامہ عسقلانیؒ) (اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ شاید یہ کاتب کا کارنامہ ہو) اس کے باوجود علامہ ملا علی قاری حنفیؒ نے ایک توجیہ کا ذکر کر کے اس باب کا یہاں تذکرہ کرنا بھی مناسب بنا دیا فرماتے ہیں ثم لما كان الحديث الاول من هذا الباب مشتملا على توسع بعض الاصحاب في آخر الامر حتى لبس مثل ابی هريرة ثوبين ممشقين من الكتان ناسب ان يكون ذكره بعد باب اللباس مقلما على باب الخف (جمع ص ۱۵۲) (پھر جبکہ اس باب کی پہلی حدیث بعض صحابہؓ کے آخری دور میں ان کا اتنا صاحب وسعت اور مالدار ہونے پر مشتمل ہے کہ ابوہریرہؓ جیسے (مسکین) صحابی بھی کتان کے دو کپڑے (لنگی چادر) گیروی رنگ میں رنگے ہوئے پہنے تھے تو اس لئے مناسب ہے کہ اس باب کا تذکرہ باب اللباس کے بعد اور باب الخف سے پہلے ہو) نیز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے بھی کتاب اللباس سے اس باب کی مناسبت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کر دیا کہ گذشتہ باب جو لباس میں بعض ایسی چیزیں گذری ہیں جیسا کہ پرانی لنگی یا

تنگ آستین کاجہ وغیرہ جو عام معمول کے خلاف تھایہ اس وقت کی عام تنگ حالی (معیشت) کی وجہ سے تھا کہ ابتداً عمرت زیادہ تھی (خصائل ص ۵۷)

(٢٩/١) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَانٍ فَيَتَمَخَّطُ فِي أَحَدِهِمَا فَقَالَ بَخَ بَخَ يَتَمَخَّطُ أَبُو هُرَيْرَةَ فِي الْكَتَانِ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَا أَحِرُّ فِيمَا بَيْنَ مَبَرِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ مَعْشِيًا عَلَى فَيْحِيءَ الْجَانِي فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي يَرَى أَنَّ بِي جُنُونًا وَمَا بِي جُنُونٌ وَمَا هُوَ إِلَّا الْجُوعُ ..

ترجمہ! ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن زید نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت ایوب نے اور انہوں نے محمد بن سیرین کے حوالے سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ ابوہریرہؓ کے پاس تھے ان پر ایک لنگی اور ایک چادر تھی وہ دونوں کتان کی تھیں اور گیروی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں ابوہریرہؓ نے ان میں سے ایک سے ناک صاف کیا پھر تعجب سے کہنے لگے کہ اللہ اللہ آج ابوہریرہؓ کتان کے کپڑوں سے ناک صاف کرتا ہے اور ایک وہ زمانہ تھا کہ جب میں منبر نبوی اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان شدت بھوک کی وجہ سے بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجھ کو مجنون سمجھ کر میری گردن کو پاؤں سے دباتے تھے اور حقیقت مجھے جنون وغیرہ کچھ نہیں تھا۔ بلکہ صرف شدت بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہو جاتی تھی۔

راویان حدیث (۲۲۴) ایوب السخیتیؒ اور (۲۲۵) محمد بن سیرینؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**وعليه ثوبان ممشقان :**

قال کنا عند ابی ہریرۃؓ وعلیہ ثوبان مُمَشَّقان مِّن کنان محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں حاضر تھے اس وقت انہوں نے دو کپڑے پہن رکھے تھے وعلیہ ثوبان

ای ازار ورداء او ثوبان آخوان (جمع ص ۱۵۳) (اور ابوہریرہؓ کے بدن پر دو کپڑے یعنی لنگی اور چادر یا کوئی اور دو کپڑے تھے)

جو ممشق (گیروی) یعنی سرخی مائل رنگ سے رنگے ہوئے تھے مادہ مشق ہے معنی گل سرخ ہے باب تفعل سے اسم مفعول ہے متش بھی اس کے معنی آتے ہیں۔ ممشقان ای مصبوغان بالمشق وهو الطین الاحمر (جمع ص ۱۵۳) (ممشقان کا معنی ایسے دو کپڑے جو سرخ مٹی میں رنگے ہوئے ہوں) بعض حضرات نے کہا کہ اس سے تو اس حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے۔

جس میں ثوب احمر کے پہننے سے نہی آئی ہے۔ ابن حجرؒ جواب میں فرماتے ہیں یہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ والاظہر ان یقال ان النهی عن الحمرۃ معلل بانہ من زینۃ الشیطان والمصبوغ بالطین الاحمر لیس لہ ذلک الشأن (جمع ص ۱۵۳) (اور زیادہ واضح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ سرخ رنگ کے استعمال کی ممانعت کی علت یہی ہے کہ وہ شیطانی زینت کے اسباب سے ہے اور جو کپڑا سرخ مٹی میں رنگا ہوا ہو اس کی یہ شان نہیں)

### بخ بخ کا معنی اور تلفظ:

فیتمخط فی احلہما فقال بخ بخ .... حضرت ابوہریرہؓ ان کپڑوں میں سے ایک سے ناک صاف کر رہے تھے فیتمخط ای استنثرو طہرو انفہ (جمع ص ۱۵۳) پھر خود ہی کہتے واہ واہ کیا خوب۔ ابوہریرہؓ آج کتان سے بنے ہوئے کپڑے سے ناک صاف کر رہا تھلخ بخ نہایہ میں ہے

ہی کلمۃ تقال عند الفرح والرضاء بالشئی وتکرر للمبالغۃ وہی مبنیۃ علی السکون (جمع ص ۱۵۳) قال ابن حریذ معناه تفخیم الامر وتعظیمہ المراد بها هنا التعجب والاستغراب (جمع ص ۱۵۳) (بخ بخ کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نہایہ میں ہے کہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے کہ خوشی اور کسی چیز پر رضامندی اور مسرت کے وقت بولا جاتا ہے اور اس میں تکرار مبالغہ کے لئے ہے اور اس کا آخر سکون پر مبنی ہے۔ ابن دریدؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے کسی چیز کی بلندی شان و مرتبہ ہوتی ہے اور یہاں اس سے مراد تعجب و حیرانگی ہے) قوله بخ بخ بسکون آخرہ فیہما وکسرہ غیر



منون فیہما ایضا وبکسر الاول منونا وسکون الثانی وبضمہما مع تشدید آخرہما  
(مواہب ص ۷۶) (صاحب مواہب علامہ بیجوریؒ نخ نخ کے تلفظ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یا تو دونوں  
کے آخر کو ساکن پڑھو۔ یا صرف کسرہ کے ساتھ بغیر تنوین کے دونوں میں یا پہلے کو کسرہ تنوینی کے ساتھ  
اور دوسرے کو ساکن یا پھر ان دونوں کے آخر میں تشدید اور دونوں کو ضمہ کے ساتھ پڑھو) قال القاضی  
عیاض وروی بالرفع واذا کررت فالاختیار تحریک الاول واسکان الثانی یعنی اماراجعاً الی  
الاصل او مراعاة للوقف (جمع ص ۱۵۳)

(علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ان دونوں کے آخر میں رفع پڑھنا بھی  
مردی ہے البتہ جب تکرار کے ساتھ پڑھیں تو پھر پسندیدہ پہلے کی حرکت اور دوسرے کا اسکان ہے یا تو  
بوجہ اصل ہونے کے اور یا پھر وقف کا لحاظ کرتے ہوئے)

### ابوہریرہؓ حالت فقر و جوع میں:

لقد میں لام جواب قسم ہے۔ واللام فی جواب قسم مقلد ای واللہ لقد... (لفظ لقد میں لام قسم  
مقدر کا جواب ہے اصل عبارت واللہ لقد ہوگی)۔ لا تحز، خور سے مشتق ہے یعنی ہیئۃ ساجد  
کی طرح، میں زمین پر گر پڑا تھا اس کا مصدر خروا بھی آتا ہے حضرت ابوہریرہؓ اپنی عسرت کے حالات کو  
یاد کر کے فرماتے تھے کہ میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں بھی دیکھا ہے کہ میں مسجد نبوی میں منبر  
رسولؐ اور حجرہ عائشہؓ کے درمیان غش کھا کر گر پڑا تھا جب کہ ابن سعدؒ کی ایک روایت میں بین  
بیت عائشہ وام سلمہ (کہ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے کمرے کے درمیان) کے الفاظ منقول ہیں  
مناویؒ جواب میں فرماتے ہیں ولا منافاة لامکان التعدد (مناوی ص ۱۵۴) (کہ ان دونوں کے  
درمیان کوئی منافات اور تعارض نہیں کیونکہ واقعہ کے متعدد ہونے کا امکان ہے) منبر اور حجرہ عائشہؓ کے  
درمیان گرنے سے ادھر بھی اشارہ ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اشارة الی موضع الاحباب  
والاصحاب من غیر خفاء واحتجاب (جمع ص ۱۵۴) (یہ اشارہ ہے کہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں  
کی جگہ یعنی بالکل سامنے بغیر کسی آڑ اور پردے کے) کہ اس راستہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور

اصحاب رسول کے آمد و رفت ہوا کرتی تھی۔

فیجینی الجانی ... میرے قریب سے گزرنے والا کوئی شخص گذرتا اور مجھے بے ہوش پڑے دیکھتا تو اپنا پاؤں میری گردن پر رکھ دیتا کہ وہ سمجھتا کہ مجھے جنون ای نوعاً من الجنون وهو الصرع (جمع ص ۱۵۴) یعنی مرگی کا دورہ پڑ گیا ہے حالانکہ مجھے کوئی جنون کا دورہ نہیں ہوتا تھا وما هو الا الجوع بلکہ یہ تو بھوک کی وجہ سے مدہوشی کے دورے پڑتے تھے۔ ای اثره واستیلاءه علی (جمع ص ۱۵۴) (یعنی بھوک کا اثر اور میرے اوپر اس کا غلبہ) بہر حال بتانا یہ مقصود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب پر کمال درجے کی رحمت و شفقت فرماتے تھے یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کے وسائل ہوتے تو حضرت ابوہریرہؓ اس حال سے دوچار ہو جاتے۔

مگر حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آپ کی زندگی مبارک بنفس نفیس اسی طرح عسرت کی تھی علامہ ابراہیم البیہقیؒ فرماتے ہیں۔ انما ذکر هذا الحديث في باب عيشه لانه دل على ضيق عيشه صلى الله عليه وسلم بواسطة ان كمال كرمه ورافته يوجب انه لو كان عنده شئ لما ترك اباهريرة جائعا حتى وصل به الحال الى سقوطه من شدة الجوع (مواہب ص ۷۷) (اس حدیث کو باب العیش میں اس لئے ذکر کیا کہ یہ حضور ﷺ کی معاشی تنگی پر بایں معنی دلالت کر رہی ہے کہ آپ کے اخلاق کریمانہ کا یہ تقاضا تھا کہ اگر آپ کے پاس کوئی کھانے کی چیز ہوتی تو پھر ہرگز ابوہریرہؓ کو ایسے بھوک کی حالت میں نہ چھوڑتے کہ اس پر سخت بھوک کی وجہ سے گرنے کی نوبت آ جاتی)۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وانما اتصل الضمیران وهما لواحد حملاً لرأى البصرية على القلبية فان كون الفاعل والمفعول ضميرين متصلين من خصائص افعال القلوب ای علمتی لا رائت نفسی (جمع ص ۱۵۴) (لقد رأيتنی کے لفظ میں دو متصل ضمیریں لائی گئی حالانکہ ان کا مرجع ایک ہی ہے یعنی اس غرض سے کہ رویت بصری کو رویت قلبی پر محمول کیا جائے) (یعنی یہاں رویت قلبی مراد ہے) کیونکہ فاعل اور مفعول کی دونوں ضمیریں متصل ہونا افعال قلوب کی خاصیت ہے۔

یعنی یہاں بمعنی علمتی کے ہے نہ کہ بمعنی رائت نفسی کے ہے) (جو رویت بصری ہے)

## حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ فقر و غنی تھے:

شیخ ابراہیم البیہقیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

وقد جمع الله لحبيبه صلى الله عليه وسلم بين مقامى الفقير الصابر والغنى الشاكر فجعله غنياً شاكراً بعد أن كان فقيراً صابراً فكان سيد الفقراء الصابرين والأغنياء الشاكرين لأنه أصبر الخلق فى مواطن الصبر واشكر الخلق فى مواطن الشكر وبذلك علم انه لا حجة فى هذا الحديث لمن فضل الفقر على الغنى (مواهب ص ۷۷)

(اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فقیر صابر اور غنی شاکر کے مراتب جمع کر دیے یعنی آپ ﷺ کو فقیر صابر ہونے کے بعد غنی شاکر بنایا تو آپؐ سید فقراء الصابرين اور سید الاغنياء الشاكرين ٹھہرے کیونکہ آپؐ صبر کے مقامات میں سب مخلوق سے زیادہ صابر اور مقامات شکر میں سب مخلوق سے زیادہ شاکر تھے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل نہیں جو کہ مالدارى پر فقیری کو ترجیح دیتے ہیں)

(۷۰/۲) حَلَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ مَا شَبِعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبِرٍ قَطُّ وَلَا لَحْمٍ إِلَّا عَلَى ضَفْفٍ قَالَ مَالِكٌ سَأَلْتُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ مَا الضَّفْفُ قَالَ أَنْ يَتَأَوَّلَ مَعَ النَّاسِ ..

ترجمہ! ہمیں قتیبہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں جعفر بن سلیمان الضبعی نے مالک بن دینار کے حوالے سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ حضور اقدس نے کبھی روٹی سے اور نہ گوشت سے شکم سیری فرمائی مگر حالتِ ضفف پر۔ مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ایک بدوی سے ضفف کے معنی پوچھے تو اس نے لوگوں کے ساتھ کھانے کے معنی بتائے۔

راویان حدیث (۲۲۶) جعفر بن سلیمان الضبعیؒ اور (۲۲۷) مالک بن دینارؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

قال ماشیع رسول الله صلى الله عليه وسلم من خبز قط ولا لحم الا على ضفف خبز کی تنوین تنکیر کے لئے ہے فہو شامل لعیش الحنطة والشعیر (جمع ص ۱۵۵) (پس یہ شامل ہوئی گندم اور جو (دونوں کی روٹی) کو) قط کا معنی ہرگز ، بالکل ای ابدأ (جمع ص ۱۵۵) ولا لحم میں واو بمعنی مع کے ہے بعض نسخوں میں لا آیا ہے بعض میں نہیں جہاں لا مذکور ہے مراد نفی کی تاکید ہے ضفف کا معنی کثرت عیال مع قلت مال کے ہے وقال صاحب الصحاح الضفف كثرة العیال (جمع ص ۱۵۵) (صاحب صحاح فرماتے ہیں کہ ضفف کا معنی کنبے کا بڑا ہونا) مہمانوں کی کثرت کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے کہ مہمان کو پیٹ بھر کر کھلایا جائے اور خود بھی اس کے ساتھ آخر تک شریک رہے جیسا کہ دیہاتی نے بھی یہی معنی مراد لیا ہے قال ان يتناول مع الناس لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے کو کثرت ایدی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہاتھوں کی کثرت تب ہوگی جب دعوت ہو وقیل معناه اجتماع الایدی و كثرة الاکلین ای لم یا کل وحده ولكن مع الناس (جمع ص ۱۵۵) (اور بعض نے ضفف کا معنی ہاتھوں کا جمع ہونا اور کھانے والوں کی کثرت بھی بتایا ہے۔ یعنی آپ نے اکیلے نہیں کھایا لیکن لوگوں کے ساتھ)

فائق میں ہے کہ اس روایت میں ضفف آیا ہے جبکہ بعض دیگر روایات میں ضفف منقول ہے بعض میں ضظف ہے الثلاثة فی معنی ضیق المعیشتہ و قلتها و غلظتها (جمع ص ۱۵۵) (ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ تینوں (ضفف، ضظف، ضظف) ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں یعنی تنگی اور کمی معیشت وغیرہ کے لئے) شارحین حدیث نے اس کے مفہوم میں متعدد توجیہات کی ہیں۔

## شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی توجیہ:

ایک توجیہ تو یہ ہے کہ جب کسی جگہ دعوت کی نوبت آتی تو شکم سیر ہو کر تناول فرماتے مگر بعض شارحین حدیث نے اس کی شدت سے تردید فرمائی ہے کہتے ہیں کہ اس قسم کی بات کی نسبت آج بھی معاشرہ

میں کسی کی طرف جائے تو عیب بلکہ معیوب تر سخت ناگوار اور بے ادبی سمجھا جاتا ہے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات کی نسبت کیونکر گوارا ہو سکتی ہے مگر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں۔ بندہ ناچیز کے نزدیک اس مطلب میں کوئی مانع نہیں اسلئے کہ اس زمانے میں کسی کی طرف اس امر کی نسبت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے گھر پیٹ بھر کر نہیں کھاتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بخیل ہے اور اُس زمانے میں حضور اقدس ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرنے میں اس کا ایہام نہیں ہے اسلئے کہ اس وقت کی تنگئی حال سب کو معلوم ہے کہ کئی کئی وقت مسلسل فاقوں کی نوبت آتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ حضور اقدس ﷺ کا جو دوسرا جو کہ ہدیہ میں کہیں سے کچھ آ جاتا تھا اصحاب صفہ پر تقسیم کر دیا جاتا تھا ایسی صورت میں پیٹ بھرنے کی نوبت کہاں آ سکتی تھی۔

لیکن بعض شارحین حدیث اس مطلب کو غلط بتاتے ہیں ان کا ارشاد حجت ہے اسلئے اگر یہ مطلب غلط ہو تو اللہ جل شانہ اپنے لطف سے معاف فرماویں اعوذ باللہ ان اقول فی حقہ صلی اللہ علیہ وسلم ما لا یلیق بشانہ (خصائل)

(۲) بعض شارحین حدیث نے یہ توجیہ کی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود دعوت کرتے تھے تو مہمانوں کے ساتھ آخر وقت تک تھوڑا تھوڑا تناول فرماتے تھے جس کو بھرے پیٹ کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے مقصد یہ ہوتا کہ مہمانوں کو کھانے میں تکلف نہ ہو۔

(۳) تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ان بتناول مع الناس سے مراد عام ہے یعنی اپنے گھر میں ہو یا کسی دوسری جگہ ظاہر بات ہے جس اجتماع دعوت میں آپ شریک ہوں اور آپ ہاتھ کھینچ لیتے تو سب کے ہاتھ کھینچ جاتے لہذا آپ شرکاء دعوت کا لحاظ فرماتے اور آخر تک شریک رہتے اسی کو پیٹ بھر کر تناول کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تنبیہ:

شارحین حدیث نے اس کی تصریح کی ہے کہ حدیث میں جہاں جہاں بھی آپ کے پیٹ بھر کر کھانے کا ذکر ہے مراد یہ ہے کہ آپ دو تہائی پیٹ بھر کر کھانا تناول فرماتے تھے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں المراد بالشبع له صلى الله عليه وسلم اكله ملء ثلثي بطنه فانه صلى الله عليه وسلم لم ياكل ملء البطن قط (جمع ص ۱۵۵) (کہ حضورؐ کے بھرے پیٹ سے مراد آپؐ کا دو تہائی پیٹ بھر کر کھانا مقصود ہے کیونکہ آپؐ نے بالکل بھرے پیٹ کبھی نہیں کھایا)۔

جیسا کہ آپؐ کا ارشاد بھی ہے ثلث للطعام وثلث للشراب وثلث للنفس (آپ ﷺ نے پیٹ کے حصوں کے متعلق فرمایا) کہ کھانے کے لئے ایک تہائی، پینے کے لئے ایک تہائی، اور سانس کیلئے ایک تہائی)۔

=====

## بَابُ مَا جَاءَ فِي خُفِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موزہ کے بیان میں

اس باب میں دو احادیث نقل کی گئیں ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے پہننا، موزے پہننے کے بعد ان پر مسح کرنا اور پہننے سے پہلے ان کو جھاڑنے کا بیان ہے ای باب بیان ما ورد فی خف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الاخبار (مواہب ص ۷۸) یعنی حضور ﷺ کے موزوں کے بارے میں وارد شدہ حدیثوں کا بیان۔

خف کا معروف معنی (۱) وهو ما يستر الرجل الى الكعبين یعنی جو ٹخنوں سمیت پاؤں کو ڈھانپتے ہیں (۲) اونٹ کے پاؤں کے نیچے والے حصے کو بھی خف کہتے ہیں (۳) اور موزے کو بھی خف کہتے ہیں۔ جمع اس کی خفاف کتاب کے وزن پر ہے اور خف البعير کی جمع اخفاف آتی ہے جیسے قفل کی جمع اقفال آتی ہے و ذکر بعض اهل السير انه كان له صلى الله عليه وسلم عدة خفاف منها اربعة ازواج اصابها من خيبر (الحافات ص ۱۱۸) (بعض سیرت والوں نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے مختلف موزے تھے ان ہی میں سے وہ چار جوڑے جو غزوہ خیبر میں آپ کو ملے تھے)

موزوں کا جھاڑنا سنت ہے:

شیخ ابراہیم البیہقیؒ نے یہاں دو روایات نقل کی ہیں۔ (۱) طبرانیؒ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ذکر میں اوسط میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے جنگل میں دور تک تشریف لے گئے اور

وضو کرنے کے بعد ایک موزہ پہنا اسی اثنا میں ایک سبز پرندہ آیا اور دوسرے موزے کو اٹھا کر بلند کیا اور الٹ دیا فخرج منه اسود صالح تو اس سے ایک سیاہ سانپ نکلا فقال رسول اللہ علیہ وسلم ہذا کرامۃ اکرمنی اللہ بها اللهم انی اعوذ بک من شر من یمشی علی بطنہ ومن شر من یمشی علی رجلیہ ومن شر من یمشی علی اربع۔ آپؐ نے فرمایا یہ کرامت (معجزہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے نوازا ہے۔ اے اللہ! میں اس کاٹنے والے کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو پیٹ کے بل چلتا ہے اور اس کے شر سے جو دو پاؤں پر چلتا ہے اور اس کے شر سے بھی جو چار پاؤں پر چلتا ہے۔

(۲) ایک دوسری روایت ہے جس میں ابوالامہؓ فرماتے ہیں قال دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنخفیہ فلبس احلہما ثم جاء غراب فاحتمل الآخر فرمی بہ فخرجت منه حیۃ فقال من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یلبس خفیہ حتی ینفضہما آپؐ نے موزے منگوائے ان میں سے ایک پہنا اسی اثنا میں ایک کوا آیا دوسرا موزہ اٹھا کر لے گیا اور پھر اسے الٹ دیا تو اس میں سے سانپ نکلا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ جب تک دونوں موزوں کو جھاڑ نہ لے نہ پہنے۔ (مواعظ ص ۷۸)

(۷۱/۱) حَدَّثَنَا هَذَا بِنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا وَكَيْعٌ عَنْ ذَلْهَمِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ حُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَادَّ جَيْنِ فَلَبَسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ..

ترجمہ! ہمارے پاس ہناد بن سری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وکیع نے ذلہم بن صالح سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت حجیر بن عبد اللہ سے اخذ کی۔ انہوں نے ابن بریدہ سے اور انہوں نے اپنے باپ (بریدہ) سے روایت حاصل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ نجاشی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیاہ رنگ کے دو سادے موزے ہدیہ بھیجے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنا اور وضو کے بعد ان پر مسح بھی فرمایا۔

راویان حدیث (۲۲۸) ذلہم بن صالحؓ اور (۲۲۹) حجیر بن عبد اللہؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل



ترمذیؒ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## نجاشی کا قبول اسلام:

أَنَّ النجاشي اهتدى للنبي صلى الله عليه وسلم خفين اسودين ساذجين. (بے شک نجاشی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دوسادہ سیاہ موزے ہدیہ فرمائے تھے)۔

اس زمانے میں حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی (بفتح النون وکسرہا) کہا جاتا تھا انما قيل له النجاشي لا نقياد امره والنجاشة بالكسر الانقياد (مواہب ص ۷۸) (نجاشی کی وجہ سے تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ نجاشہ کے معنی تسلیم و تابعداری کے ہیں اور بادشاہ وقت کی بھی تابعداری کی جاتی تھی اس لئے ہر شاہ حبشہ کو نجاشی کہا جاتا تھا)۔

یہ ملوک حبشہ کا لقب ہے جیسے فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، روم کے بادشاہ کو قیصر، مصر کے بادشاہ کو عزیز، فرعون، ترک کے بادشاہ کو خاقان، یمن کے بادشاہ کو تبع، شام کے بادشاہ کو ہرقل اور ہندوستان کے بادشاہ کو راجہ کہا جاتا تھا نجاشی کا نام اصحمہ تھا بعض نے ان کا نام مکحول بن صعصعہ بتایا ہے جن بادشاہوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی یہ بھی ان میں سے ایک تھے ان کی طرف عمرو بن امیہ الضمریؓ آپؐ کا مکتوب مبارک لیکر گئے تھے جس میں ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں فاسلم سنة ست على قول الاكثر ومات سنة تسع من الهجرة على ما صرح به العسقلاني (اتحافات ص ۱۱۹) (نجاشی ۶ھ میں (اکثر حضرات کے قول کے مطابق) مسلمان ہوئے اور پھر ۹ھ میں وفات پائی جیسے علامہ عسقلانیؒ نے اس کی تصریح کی ہے)۔ اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق نجاشی ہجرت کے چھٹے سال مسلمان ہوا اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر ایمان لایا یہ اس دور کا واقعہ ہے جب مسلمانوں کی دو جماعتیں مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر حبشہ ہجرت کر گئی تھیں اس وقت اسی بادشاہ نے اسلام کی حقانیت کی تصدیق کی اور ایمان لایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا اسلئے صحابی کا مقام نہ پاسکا تاہم ایماندار اور صالح

مسلمان تھا۔ اور ۹۰ھ کو انتقال ہوا جیسا کہ علامہ عسقلانیؒ نے تصریح کی ہے۔

## غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:

شیخ ابراہیم النجوریؒ فرماتے ہیں ولما مات اخبر ہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بموتہ یوم موتہ وخرج بہم وصلی علیہ وصلوا معہ (مواہب ص ۷۸) (اور جب نجاشی فوت ہوئے نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کو ان کی موت کی خبر اسی دن ہی دیدی اور آپؐ صحابہؓ کے ساتھ باہر نکلے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی) یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے علماء احناف کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا اور پڑھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے دوسرے کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے جیسا کہ فقہ حنفیہ کی کتابوں میں مصرح ہے۔ احنافؒ کی طرف سے ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے غائبانہ نماز جنازہ پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ نجاشی کی میت (لاش) آپؐ کے سامنے تھی کما قال علی القاری فی المرقاة عن ابن عباس قال کشف للنبی صلی اللہ علیہ وسلم من سریر النجاشی حتی راہ وصلی علیہ انتہی کما ورد فی صلاہ صلی اللہ علیہ وسلم علی زید بن حارثہ وجعفر بن ابی طالب انہ کشف لہ عنہما اخرجه الواقدی فی کتاب المغازی ومما يدل علیہ مارواه الطبرانی ان جبرئیل علیہ السلام نزل بتبوک فقال یا رسول اللہ ان معاویہ بن معاویہ مات بالمدينة اتحب ان اطوی لک الارض فتصلی علیہ قال نعم فضرب بجناحہ علی الارض فرفع له سریره فصلی علیہ (الحلیث) (حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۶۷)

(ملا علی قاریؒ نے ابن عباسؓ کے حوالہ سے مرقات میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے نجاشی کی چارپائی (میت) ظاہر کی گئی آپؐ نے اس کو دیکھا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ جیسے کہ روایت میں بھی آیا ہے کہ آپؐ کے سامنے حضرت زید بن حارثہؓ اور جعفرؓ بن ابی طالب کی میتیں ظاہر کی گئیں اور آپؐ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی (بطور دلیل کے فرماتے ہیں) کہ امام واقدیؒ نے کتاب المغازی میں ایسے قسم کے واقعات کی دلیل میں لکھا ہے جسے امام طبرانیؒ نے روایت کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام تبوک میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ معاویہ بن معاویہ مدینہ شریف میں فوت ہو گئے کیا

آپؐ پسند فرماتے ہیں کہ آپ کے لئے زمین سمیٹ دی جائے تاکہ آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھیں  
آپؐ نے فرمایا ہاں! (کیوں نہیں) جبریل علیہ السلام نے اپنا ہر زمین پر مارا تو معاویہ بن معاویہ کی  
لاش حضور اقدس ﷺ کے سامنے کی گئی آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی

### بارگاہ رسالت میں نجاشی کے تحفے:

نجاشی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو موزے تحفے کے طور پر بھیجے دونوں سیاہ رنگ  
کے مگر سادے تھے یعنی ان پر کوئی نقش و نگار نہ بنا تھا وفي الروایات الاخری مع الخفین قمیص  
وسراویل وعطاف ای طیلسان (تحافات ص ۱۱۹) (دوسری روایات میں موزوں کے ساتھ قمیص  
شلوار اور عطاف (چادر) کا ذکر بھی ہے)۔

ملا علی قارئی نے ہشام بن عدی عن دھم کے طریق سے نقل فرمایا کہ ان النجاشی کتب  
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی قد زوجتک امرأۃ من قومک وہی علی دینک ام حبیبہ  
بنت ابی سفیان و اھل بیتک ہدیۃ جامعۃ قمیصا وسراویل وعطافا وخفین ساذجین الخ (جمع ص  
۱۵۶) (کہ بے شک نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا کہ میں نے تیری ہی قوم کی ایک عورت سے آپؐ  
کا نکاح کر دیا اور وہ آپؐ ہی کے دین اور مذہب پر ہے یعنی ام حبیبہ بنت ابی سفیان اور میں نے مکمل  
اور جامع ہدیہ قمیص شلوار عطاف (چادر) اور دو سادہ موزے الخ آپؐ کو بطور تحفہ دیئے ہیں)

### اسودین کا معنی :

اسودین ساذجین (بفتح الذال و کسرها) ای خالصین فی السواد کما حقق هذا المعنی ابو زرعة  
قال الشيخ الیجوری : و کلمۃ ساذج لم اجلها فی کتب اللغة ولا رأیت المصنفین فی غریب  
الحلیث ذکرہا (المواہب ص ۸۰) (اسودین ساذجین (یہ لفظ بفتح ذال اور بکسر ذال دونوں مستعمل  
ہے) یعنی بالکل سیاہ خالص امام ابو زرعة نے یہی معنی بطور تحقیق فرمایا ہے۔ شیخ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ  
ساذج کا کلمہ نہ مجھے لغت کی کتابوں میں ملا ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ مصنفین نے اس کا تذکرہ غریب  
الحديث میں کیا ہے) ساذج معرب سادہ ای غیر منقوشین (جمع ص ۱۵۶) (ساذج یہ معرب

سادہ کا ہے یعنی غیر نقش شدہ) وقد حقق ابن العربي نقلها عن الزين العراقي ان هذه الهدية كانت قبل اسلام النجاشي (اتحافات ص ۱۱۹) (اور علامہ ابن العربی نے تحقیق کرتے ہوئے زین العراقی سے نقل کیا ہے کہ (نجاشی کا) یہ ہدیہ اس کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے)۔

### غیر مسلم کے ہدیہ کا حکم:

فلبسهما ثم توضأ ومسح عليهما الخ نجاشی کے قبل قبول اسلام یعنی حالت کفر میں اس کے بھیجے ہوئے ہدیہ کو آپؐ نے قبول فرمایا معلوم ہوا کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے البتہ اس کے احکام مختلف ہیں اگر اسلام کی تقویت کا باعث ہوتا تو آپؐ کافر کا ہدیہ قبول فرما لیتے اور اگر دین کو مضرت پہنچنے کا احتمال ہوتا تو ایسا ہدیہ آپؐ قبول نہ فرماتے۔ امت کے لئے یہی اسوہ حسنہ ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ومع ذلك قبلهما النبي صلى الله عليه وسلم ولبسهما، تاليفا وتلطفا في المعاملة قال ابن حجر: وهذا القبول يدل على انما الاصل في الأشياء الطهارة، وان هدية اهل الكتاب تقبل (اتحافات ص ۱۲۰) (اور اس کے باوجود حضور ﷺ نے ان (موزوں) کو قبول فرمایا اور نرمی اور تالیف قلب کا معاملہ کرتے ہوئے ان کو پہنا بھی۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ کا ان کو قبول کرنا اس بات کی دلیل ہوئی کہ اصل اور بنیاد ہر چیز میں پاکی ہے۔ اور یہ بھی کہ اہل کتاب کا ہدیہ قبول کیا جاسکتا ہے)

### مسح علی الخفین:

احناف کے نزدیک مسح علی الخفین مطلقاً جائز ہے سفر میں بھی اور حضر میں بھی اس تفصیل کے ساتھ جو کثیر احادیث میں آئی ہے یہ مسلک جمہور اہل سنت والجماعت کا ہے حتیٰ کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں ما قلت بالمسح علی الخفین حتی جاءنی مثل ضوء النهار (کہ میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل اس وقت سے ہوا جب اس سلسلہ میں مجھے روز روشن کی طرح احادیث (دلائل) پہنچیں) بلکہ مسح علی الخفین تو اہل سنت والجماعت کا شعار ہے یہ بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مقولہ ہے۔ نفضل الشیخین ونحب الختین ونری المسح علی الخفین (کہ ہم سب (سب صحابہؓ)

میں شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی افضلیت اور دامادوں (عثمانؓ و علیؓ) کی محبت اور موزوں پر مسح کرنے کا یقین اور عقیدہ رکھتے ہیں)

اور یہ بھی امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ اخاف الکفر علی من لم یر المسح علی الخفین (موضیح السنن جلد اول ص ۳۳۱) (کہ مجھے تو اس شخص پر جو موزوں پر مسح کرنے کا عقیدہ نہ رکھے کفر کا خطرہ ہے) علامہ مناویؒ فرماتے ہیں وفی الروی فی المسح ثمانون صحابیا واحادیثه متواتره ومن ثم قال بعض الحنفیة احشی ان یکون انکاره ای من اصله کفراً (مناوی ص ۱۵۶) (موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں اُسی (۸۰) صحابہؓ نے روایت کی ہے اور احادیث کی تعداد اس سلسلہ میں درجہ تواتر کو پہنچی ہیں۔ اس لئے تو بعض احناف فرماتے ہیں کہ مجھے تو اس کے منکر پر کافر ہونے کا خطرہ ہے) بہر حال جو شخص مسح علی الخفین کو جائز نہ سمجھے تو وہ اہل بدعت میں سے ہے یہاں تک کہ انس بن مالکؓ سے اہل سنت والجماعت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ان تحب الشیخین ولا تطعن فی الخفین وتمسح علی الخفین (شرح عقائد ص ۱۱۸) (کہ اس کی محبت شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) سے ہو اور دونوں دامادوں (عثمانؓ و علیؓ) پر طعن نہ ہو اور موزوں پر مسح کرے) (یعنی مسح کرنے کا عقیدہ رکھے) حضرات ائمہ ثلاثہؒ، سفیان ثوریؒ، امام ابن المبارکؒ، امام اہلق بن راہویہ کا مسلک ہے کہ مسح کے لئے وقت مقرر ہے مقیم کے لئے ایک رات اور ایک دن اور مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں، امام ثوریؒ لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے صاحب تحفۃ الاحوذیؒ نے اس کو حق اور صواب قرار دیا ہے وهو الحق والصواب (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۹۸) البتہ ایک سوال یہ باقی رہا کہ پاؤں کا دھونا افضل ہے یا مسح علی الخفین؟ حافظ ابن مندہؒ اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ مسح افضل ہے کہ کہ اس میں اہل بدعت سے اختلاف اور امتیاز کے ساتھ ساتھ احقاق حق اور اظہار سنت نمایاں ہوتا ہے (احکام الاحکام ج ۱ ص ۲۰) جب کہ نوویؒ نے غسل کو ترجیح دی ہے کہ دھونے میں عزیمت ہے اور مسح میں برخصت ہے (شرح مسلم النووی ج ۱ ص ۱۳۲)

امام طحاویؒ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱) اپنی فقہی نظر میں فرماتے ہیں کہ یہ دو حکم جدا جدا ہیں ننگے پاؤں

ہوں تو دھونا ہے اور موزے پہننے ہوں تو مسح درست ہیں یعنی دونوں حکم اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور بافضلیت ہیں (توضیح السنن ج ۱ ص ۳۳۲) ابن قیمؒ نے اسی مسئلہ کو انہی الفاظ میں ذکر کیا ہے ولم یکن (علیہ السلام) یتکلف ضد حالۃ النی علیہا قلعاء بل ان کانت فی الخف مسح علیہما ولم یسنزعہما وان کانتا مکشوفتین غسل القلمین ولم یلبس الخف لیمسح علیہ . وهذا اعدل الاقوال فی مسئلۃ الافضل من المسح والغسل قالہ شیخنا (زاد المعاد ص ۱ ج ۱ ص ۶۹) (اور حضور اقدس ﷺ کے قدم مبارک جس حالت میں ہوتے ان کی مخالف حالت پر عمل کرنے کا تکلف ہرگز نہ فرماتے تھے بلکہ اگر قدم مبارک موزوں میں ہوتے تو ان پر مسح فرما لیتے اور ان کو پاؤں سے نہیں نکالتے تھے اور اگر پاؤں مبارک کھلے ہوئے ہوتے (موزے پہننے نہ ہوتے) تو پھر اپنے قدم مبارک دھو لیتے اور موزوں کو اس لئے نہیں پہنتے تاکہ ان پر مسح کریں۔ اور یہ سب اقوال (یعنی افضلیت مسح کرنے میں ہے یا دھونے میں) میں سے معتدل قول ہے اور یہی ہمارے شیخ اور استاد نے فرمایا۔

(۷۲/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عِمَاشٍ عَنْ أَبِي اسْحَقَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قَالَ الْمَغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ أَهْدَى دَحِيَّةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ فَلَبِسَهُمَا وَقَالَ إِسْرَائِيلُ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عَامِرٍ وَجَبَّةٌ فَلَبِسَهُمَا حَتَّى تَخْرَقَا لَا يَنْلِرِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِيكَيَّ هُمَا أَمْ لَا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا هُوَ أَبُو اسْحَقَ الشَّيْبَانِيُّ وَاسْمُهُ سُلَيْمَانُ ..

ترجمہ! ہمارے پاس بیان کیا قتیبہ بن سعید نے وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ نے۔ انہوں نے حسن بن عیاش سے نقل کیا۔ وہ ابواسحق سے اور وہ شعبی سے روایت بیان کرتے ہیں اور انہوں نے مغیرہ بن شعبہ سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دحیہ کلبی نے دو موزے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کیئے تھے۔ ایک دوسری روایت میں موزوں کے ساتھ جبہ کے پیش کرنے کا بھی ذکر ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنا، یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تحقیق نہیں فرمائی وہ مذبوح جانور کی کھال کے تھے یا غیر مذبوح کی۔

راوی حدیث (۲۳۰) الحسن بن عیاشؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمادیں۔

## حضرت دحیہ کلبیؓ :

اھدی دحیہ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خفین ... کہ حضرت دحیہ کلبیؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو موزے بطور تحفہ کے بھیجے اھدیؓ اھداء سے ہے بمعنی ارسال الھدیہ کے۔ دحیہ کلبیؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں بڑے وجیہؓ خوب رو اور قبیلہ بنو کلب کے رئیس تھے حضرت جبریل علیہ السلام اکثر ان کی صورت میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ کان یزل جبریل علیہ السلام بصورتہ فی بعض الاحیان (اتحافات ص ۱۲۰) (جبریل امین بعض اوقات حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں آتے تھے)۔

قال ابن سعد اسلم قلیماً ولم یشھد بئراً وشھد المشاہد وبقی الی خلافة معاویہ وکان رسول نبی اللہ الی قیصر (تہذیب ج ۳ ص ۱۷۹) (ابن سعد فرماتے ہیں کہ دحیہ کلبیؓ ابتدائی دور میں اسلام لائے تھے البتہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے اور باقی غزوات اور جنگوں میں حاضر رہے اور آپؐ امیر معاویہؓ کے دور خلافت تک زندہ رہے اور آپؐ حضور ﷺ کے قیصر روم کی طرف قاصد بھی تھے)۔

## حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خفین قبول فرما لیتے:

بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہؓ کے عطا کردہ خفین پہن لیے فلبسہما اس روایت کے ایک راوی اسرائیل بھی ہیں جو جابر اور عامر کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں وجبۃ یعنی موزوں کے علاوہ ایک جبۃ بھی آپؐ کو دیا گیا تھا فلبسہما حتیٰ تخرقوا آپؐ نے دونوں چیزیں یعنی موزے بھی اور جبۃ بھی پہنے یہاں تک کہ وہ اپنی عمر پوری کر کے پھٹ گئے بظاہر ضمیر تشنیع کی خفین اور جبۃ کی طرف راجع ہوتی ہے اور راجح بھی یہی ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ لبسہما کی ضمیر خفین کی طرف راجع ہے اور تخرقوا قرینہ ہے لیکن حافظ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ تخرقوا قرینہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جبۃ اور خف دونوں میں خرق ہوتا ہے ویراد حیثئذ بالجبۃ نوع نفیس من الفرو کما یستعملہ بعض العجم (جمع ص ۱۵۷) (اور اس وقت جبۃ سے پوتین کی ایک خاص نفیس قسم مراد ہوگی جیسے کہ بعض عجمی اس کو استعمال کرتے ہیں)

## اشیاء مجہولہ میں اصل طہارت ہے:

لایسوی اذکسی ہما ام لا یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ موزے کس کھال سے بنے ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمعنی انه صلی اللہ علیہ وسلم لم يعلم ان هذين الخفين كانتا متخلفتين من جلد المذکاة ام من جلد المیتة الملبوغ او غیر الملبوغ (جمع ص ۱۵۸) (اور مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ موزے کس چمڑے سے بنائے گئے کیا وہ مزبوحہ جانور کا تھا یا مردار کا دباغت شدہ (رنگا ہوا) یا غیر دباغت شدہ تھا) اس سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ اشیاء مجہولہ میں اصل طہارت ہے ذکی ذکوة سے ہے کبھی بمعنی ذبح کے اور کبھی بمعنی طہارت کے آتا ہے معنی عام طہارت ہے اور معنی خاص ذبح ہو کان الخ فان مجهول الحال هل هما من جلد مذکی او من جلد میتة وعلی کل ففیہ طہارة مجهول الاصل (اتحافات ص ۱۲۰) (اور ان دونوں موزوں کی حالت معلوم نہ تھی کہ کیا وہ مذبوحہ (پاک) چمڑے سے تھے یا مردار چمڑے سے، ہر صورت میں ان کی اصل مجہول تھی)۔

## دباغت کے بعد کھال کا استعمال جائز ہے:

علماء احناف کا مسلک یہ ہے کہ دباغت کے بعد مذبوح یا غیر مذبوح جانور کی کھال کا استعمال جائز ہو جاتا ہے یہ مسئلہ متعدد احادیث سے ثابت ہے ابو داؤدؒ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے اور انہوں نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہماری ایک آزاد کردہ لونڈی کو کسی نے بکری صدقہ میں دی وہ بکری مرگئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر گزر ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کو کیوں دباغت نہیں کیا انہوں نے عرض کیا وہ تو مردہ جانور کی ہے آپؐ نے فرمایا اس کا تو کھانا حرام کیا گیا ہے کھال کا دباغت کرنا تو حرام نہیں (نور الہدایہ)

=====



## بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوش مبارک کے بیان میں

### نعلین مبارک:

نعل جوئے، کفش اور پاپوش کو کہتے ہیں کل ماوقیت بہ القلم عن الارض (مواہب ص ۸۰) (یعنی ہر وہ چیز جس کے ذریعے قدموں کو زمین (مٹی) سے محفوظ کیا جائے) لفظ نعل کبھی مصدر اور کبھی اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے وہی ہنا محتملہ الاثنین (اتحافات ص ۱۲۱) (یہاں اس میں دونوں معنوں کا احتمال ہو سکتا ہے) ابن عربیؒ فرماتے ہیں نعل تو لباس الانبیاء ہے ولعلہ اخذہ من قولہ تعالیٰ فاخلع نعلیک (اتحافات ص ۱۲۱) (اور لفظ نعل غالباً اللہ تعالیٰ کے قول فاخلع نعلیک سے ماخوذ ہے)

اس باب میں گیارہ احادیث ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا بیان ہے کہ وہ بیچ سے باریک، پتلی، ایڑی دار اور زبان کی شکل کی طرح کی تھیں۔ آپؐ بالعموم بالوں سے صاف چمڑے کے جوئے استعمال کرتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو تاجپیل نما ہوتا تھا جس کے اوپر آر پار تسمے لگا دیئے جاتے اور ہر تسمہ دوہرا ہوتا تھا روایات میں مذکورہ تفصیل کے مطابق آپؐ کا جو تاج مبارک ایک بالشت اور دو انگلی کے برابر لمبا ہوتا تھا جوئے کی ایڑی والا حصہ سات انگلی چوڑا اور درمیانی حصہ پانچ انگلی اور اگلا حصہ چھ انگلی چوڑا ہوتا تھا اس پیمائش کے بنے ہوئے چمڑے کے تلے کے اوپر آر پار دو تسمے یا قبائلے ہوا کرتے تھے۔

نعل خف سے علیحدہ چیز ہے اسلئے اس کے لئے مستقل باب کا انعقاد کیا ہے کبھی کبھی حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم جوتے پہنے بغیر بھی چل پڑتے تھے وربما مشی حافياً فی بعض الاحیان (الحافات ص ۱۲۱) (آپؐ بعض اوقات ننگے پاؤں بھی چلے ہیں) تواضعاً وطلباً لمزید الاجر کما اشار الی ذلک الحافظ العراقي بقوله

یمشی بلا نعل ولا خف الی عیادة المریض حوله الملاء

(مواہب ص ۸۰)

(اور یہ ننگے پاؤں چلنا تواضع عاجزی اور زیادتی اجر و ثواب کی طلب کے لئے ہوا کرتا۔ جیسے کہ حافظ العراقي نے اس شعر میں اشارہ فرمایا ہے کہ آپؐ بغیر جوتے اور موزے پہنے کسی مریض کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے بڑی جماعت کی معیت میں)

## نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف:

ابن سعدؒ نے طبقات میں روایت کی ہے کہ وقد كانت نعله صلى الله عليه وسلم منحصرة معقبة ملسنة (مواہب ص ۸۰) یعنی حضور اقدس کے نعلین مبارک کی تین امتیازی صفات تھیں۔

(۱) منحصرة تھے یعنی باریک کمر یا باریک پشت والے تھے ہی النی لها خصر دقیق (۲) معقبة یعنی آپؐ کے جوتوں کا عقب تھا یعنی اخیر میں پیچھے والا حصہ یعنی وہ تسمہ جس کے ساتھ ایڑی باندھی جاتی ہے۔

(۳) ملسنة جوتوں کی وہ قسم جن کا اگلا حصہ زبان کی طرح نکلا ہوا ہو ہی النی فی مقدمها طول علی هيئة اللسان آپؐ کے پاؤں کی سبابہ انگلی تمام انگلیوں میں لمبی تھی اسی وجہ سے نعل مبارک کا اگلا حصہ بھی لمبا بنایا گیا تھا تاکہ جوتے کی لمبائی سبابہ مبارکہ کے ساتھ لمبائی میں متناسب اور متوازن ہو (مواہب ص ۸۰)

## تکثیر نعال کا حکم:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا استکثروا من النعال فان الرجل لا یزال راکباً ما نعل یعنی جوتے پہنا کر آدمی جب تک جوتے پہنے ہوئے ہوتا ہے سوار سمجھا جاتا ہے۔ وکان ابن مسعود

صاحب النعلین والوسادة والسواک والطهور وکان یلبسه نعلیه اذا قام واذا جلس جعلهما فی ذراعیه حتی یقوم (جمع ص ۱۵۸) (اور آپ کے جوتوں، تکیہ مسواک، لوٹے وغیرہ کے منتظم عبد اللہ بن مسعودؓ تھے آپ جب قیام فرماتے تو وہ آپ کو جوتے پہناتے اور جب بیٹھ جاتے تو جوتوں کو اپنے پاس بازو میں آپ کے کھڑے ہونے تک محفوظ رکھتے)

### حضور اقدسؐ جوتے کس طرح پہنتے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف سے جوتا مبارک پہنتے، دونوں جوتے پہنتے۔ حضرت انسؓ کے پاس آپ کے جوتے مبارک محفوظ تھے جن کی زیارت صحابہ کرامؓ اور دیگر اصحاب کرتے رہتے علامہ یوسف نبہانیؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ایک خاص قسم کا جوتا بھی پہنا جسے تاسومہ کہا جاتا تھا۔

### نقش نعل کے فضائل و برکات:

آپؐ کے نعل مبارک کا نقشہ اور اس کے برکات و فضائل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے، زاد السعید، میں بہ عنوان ”نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ“ تفصیل سے تحریر فرمائے ہیں جو من و عن درج ذیل ہیں۔

بعدا لحمد والصلوة یہ ناچیز اشرف علی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ہم لوگوں کی کثرتِ معاصی سے جو کچھ ہجومِ بلیاتِ صوریہ و معنویہ ہے ظاہر ہے اس کا علاج بجز اصلاحِ اعمال و توبہ و استغفار کے کچھ نہیں ہے مگر ہم لوگوں کے قلب و زبان کی جو کیفیت ہے معلوم ہے البتہ اگر کوئی وسیلہ قوی ہو تو اس کی برکت سے حضورِ قلب بھی میسر ہو سکتا ہے اور امید قبول بھی قریب ہے مجملہ ان وسائل کے تجربہ بزرگانِ دین نقشِ نعل مقدس حضور سرورِ عالم خیرِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت قوی البرکت سرِ بلع الاثر پایا گیا ہے اسلئے اسلامی خیر خواہی باعث اس کی ہوئی کہ تمثال خیر النعال صلی اللہ علی صاحبہ فوق عدد الرمال حسب روایت امام زین الدین عراقیؒ محدث مسلمانوں کی نذر کی جائے کہ اپنے پاس رکھ کر برکات حاصل کریں اور اس کے توسل سے اپنے حاجات و معروضات جنابِ باری تعالیٰ میں قبول کرائیں اس نقشہ شریف کے آثار و خواص و فضائل کو کون شمار میں لاسکتا ہے مگر اس مقام پر نہایت اختصار کے

ساتھ کتب معتبرہ علماء محدثین و محققین سے چند برکات اور کچھ ابیات مشتمل بر ذوق شوق نقل کیے جاتے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعشق اور محبت پیدا ہوا اور بوجہ غلبہ محبت بلا تکلف آپ کا اتباع نصیب ہو جو اصل مقصود اور سرمایہ نجات دنیوی و اخروی ہے۔

### طریق توسل:

بہتر ہے کہ آخر شب میں اٹھ کر وضو کر کے تہجد جس قدر ہو سکے پڑھے اس کے بعد گیارہ بار درود شریف گیارہ بار کلمہ طیبہ گیارہ بار استغفار پڑھ کر اس نقشہ کو باادب اپنے سر پر رکھے اور بتضرع تام جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے کہ الہی میں جس مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ نعل شریف کو سر پر لئے ہوئے ہوں ان کا ادنیٰ درجے کا غلام ہوں الہی اس نسبت غلامی پر نظر فرما کر برکت اس نعل شریف کے میری فلاں حاجت پوری فرمائیے مگر خلاف شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے پھر سر پر سے اس کو اتار کر اپنے چہرے پر ملے اور اس کو بحجت بوسہ دے اشعار ذوق و شوق بغرض از یاد عشق محمدیؐ پڑھے انشاء اللہ تعالیٰ عجیب کیفیت پائے گا۔

### بعض آثار و خواص نقشہ نعل شریف:

علامہ محدث حافظ تلمسائیؒ "کتاب فتح المتعال فی مدح خیر النعال میں فرماتے ہیں کہ نقشہ شریف کے منافع ایسے کھلم کھلا ہیں کہ بیان کی حاجت نہیں منجملہ ان کے ابو جعفرؑ کہتے ہیں کہ میں نے ایک طالب علم کے لئے یہ نقشہ بنوادیاتھا وہ میرے پاس ایک روز آ کر کہنے لگا کہ میں نے شب گذشتہ میں اس کی عجیب برکت دیکھی کہ میری بی بی کو اتفاقاً ایسا سخت درد ہوا کہ قریب بہ ہلاکت ہو گئی میں نے یہ نقشہ شریف درد کی جگہ رکھ کر عرض کیا یا الہی مجھ کو صاحب نعل شریف کی برکت دکھلائیے اللہ تعالیٰ نے اسی وقت شفا عنایت فرمائی۔

قاسم بن محمدؒ کا قول ہے کہ اس کی آزمائی ہوئی برکت یہ ہے کہ جو شخص اس کو تمبر کا اپنے پاس رکھے ظالموں کے ظلم سے دشمنوں کے غلبے سے شیطان سرکش سے حاسد کی نظر بد سے امن وامان میں رہے

اور اگر حاملہ عورت دروزہ کی شدت کے وقت اس کو اپنے داپنے ہاتھ میں رکھے بفضلہ تعالیٰ اس کی مشکل آسان ہو۔

شیخ ابن حبیب النبیؒ روایت فرماتے ہیں کہ ان کو ایک دُمل نکلا کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا نہایت سخت درد ہوا کسی طبیب کی سمجھ میں اس کی دوا نہ آئی انہوں نے یہ نقش شریف درد کی جگہ رکھ لیا معاً ایسا سکون ہو گیا کہ گویا کبھی درد ہی نہ تھا ایک اثر خود میرا (یعنی صاحب فتح المتعال) مشاہدہ کیا ہوا ہے کہ ایک بار سفر دریائے شور کا اتفاق ہوا ایک دفعہ ایسی حالت ہوئی کہ سب ہلاکت کے قریب ہو گئے کسی کو بچنے کی امید نہ تھی میں نے یہ نقشہ نا خدا کے پاس بھیج دیا کہ اس سے توسل کرے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا فرمائی اور محمد الجزریؒ سے منقول ہے کہ جو شخص اس نقش شریف کو اپنے پاس رکھے خلأق میں مقبول رہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہو اور یہ نقش شریف جس لشکر میں ہو۔ اُس کو شکست نہ ہو اور جس قافلے میں ہو لوٹ مار سے محفوظ رہے جس اسباب میں ہو چوروں کا اس پر قابو نہ چلے جس کشتی میں ہو غرق سے بچے اور جس حاجت میں اس سے توسل کریں وہ پوری ہو۔

یہ تمام مضامین کتاب القول السلید فی ثبوت استبراک بنعل سید الاحرار والعبید سے نقل کیے گئے ہیں اور کتاب المرتجی بالقبول فی خلدۃ قدم الرسول میں علماء محققین و صلحاء معتبرین سے بہت آثار و خواص و حکایات نقل کئے ہیں جس کو شوق ہو دیکھ لے اب چند اشعار شوقیہ مع ترجمے کے لکھے جاتے ہیں کہ ان کو پڑھ کر سمجھ کر اپنے شوق و محبت کو بڑھادیں۔

### قال الامام ابو الخير محمد بن محمد الجزری علیہ الرحمة

يَا طَلِبَا تَمَثَّلْ نَعْلَ نَبِيِّهِ هَا قَدْ وَجَدْتُ اِلَى اللِّقَاءِ سَبِيلًا

اے طلب کرنے والے نقش نعل شریف اپنے نبیؐ کے آگاہ ہو جا تحقیق پالیا تو نے اس کے ملنے کا راستہ

فَاجْعَلْهُ فَوْقَ الرَّأْسِ وَاخْضَعْ لَهُ وَتَعَالَ فِيهِ وَ اُولِدِ التَّقِيْلَا

پس رکھ اس کو سر پر اور خضوع کر اس کے لئے اور مبالغہ کر خضوع میں اور پیالے اس کو بوسے دے

مَنْ يَذِي الْحُبَّ الصَّحِيحَ فَإِنَّهُ يَثْبُتُ عَلَى مَا يَدُّ عَلَيْهِ دَلِيلًا  
جو شخص دعوے کرے سچی محبت کا پس بے شک وہ قائم کرتا ہے اپنے دعوے پر دلیل کو

## عن السيد محمد الجمازى الحسینی المالکی

- (۱) لَمَّا رَأَيْتُ مِثَالَ نَعْلِ الْمُصْطَفَى  
جس کی وضع سند صحیح سے بتلائی ہوئی ہے جب دیکھا میں نے نقشہ نعل شریف حضرت مصطفیٰ کا
- (۲) فَمَسَحْتُ وَجْهِي بِالْمِثَالِ تَبَرُّكًا  
تو میں نے نل لیا اپنے چہرہ پر اس نقش کو واسطے برکت کیلئے
- (۳) وَظَفَرْتُ بِالْمَطْلُوبِ مِنْ بَرَكَاتِهِ  
اور پہنچ گیا میں مطلب کو اس کی برکتوں سے
- وَوَحَّدْتُ فِيهِ مَا أُرِيدُ مِنَ الصَّفَا  
اور پایا میں نے اس میں جو کچھ میں چاہتا تھا صفائی سے

(۷۳/۱) حَلَلْنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَلَلْنَا أَبُو دَاوُدَ حَلَلْنَا هَمَامٌ عَنْ قَتَادَةَ قُلْتُ لَا نَسِ بْنِ مَالِكٍ  
كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمَا قِبَالَانِ ..

ترجمہ! ہمیں محمد بن بشار نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمیں ابوداؤد نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم کو ہام نے قنادہ کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا۔ کہ حضور اقدس ﷺ کے نعل شریف کیسے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ ہر ایک جوتہ میں دو دو تسمہ تھے۔

## نعل مبارک سے محبت:

کیف کان نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لهما قبالان۔ شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ وكان القياس ان يكون كيف كانت النعل لان النعل مؤنثة ولما كان التانيث غير حقيقي جازا لتذكير باعتبار الملبوس (اتحافات ص ۱۲۲)

کیف کان نعل ... کے متعلق شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں قانون نحوی کی رو سے عبارت كانت النعل ہونی چاہئے تھی۔ اس لئے کہ لفظ نعل مؤنث ہے (اور فعل کا فاعل جب مؤنث

ہو تو فعل میں علامت تانیث ہوگی۔ جواباً لکھتے ہیں) لیکن چونکہ نعل مؤنث غیر حقیقی ہے تو اس میں تذکیر فعل بھی جائز ہے باعتبار ملبوس کے یعنی کیف کان ملبوس رسول اللہ ﷺ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاپوش مبارک کے بارے میں سوال سے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اطاعت اور عشق و الہیت کا کتنا پیارا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے وہ اپنی زندگی کے کسی بھی کام میں اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے وہ اتباع سنت کو حقیقی معراج سمجھتے تھے وہ آپؐ کے اقدام میں منت لزوم کے نیچے اور انہی مقدس جوتوں کی صدقہ ہی میں نجات اور بخشش سمجھتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں مبارک سے محبت آپؐ ہی کی محبت کا ایک حصہ ہے اس مقام پر پہنچ کر بڑے بڑے محدث بھی آپؐ کی تعظیم و محبت کے انتہائی مقام کو پالیتے ہیں۔

حافظ عراقی نے الفیۃ الحدیث میں لکھا ہے۔ کہ

وَنَعْلُهُ الْكَرِيمَةُ الْمَصُونَةُ طُوبَى لِمَنْ مَسَّ بِهَا جَبِينَهُ

آپؐ کے نعلین مبارک کس قدر باعزت اور بابرکت ہیں کس قدر مبارکباد کا مستحق ہے وہ شخص جسے ان نعلین کو اپنی پیشانی کے ساتھ لگانے کا شرف حاصل ہو گیا۔

**نعل بلالؓ کا ٹوٹا تسمہ عثمان علی خان کے تاج کا افتخار:**

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حیدر آباد دکن گئے نواب عثمان علی خان نے آپؐ کا وعظ سننے کی خواہش کا اظہار کیا چنانچہ ریاست کے بڑے بڑے علماء فضلاء امراء اور عوام کے عظیم اجتماع کا انعقاد ہوا۔ نواب دکن شیعیت کی طرف مائل تھا مگر علماء اور بزرگوں کا قدردان تھا علامہ عثمانیؒ نے جامع مدلل مفصل اور عالمانہ خطاب فرمایا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی خاص طور پر مدح فرمائی۔ دوران بیان جب یہ ارشاد فرمایا کہ بھائی! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ اور خلفاء راشدینؓ کی بات چھوڑیں ان کے رتبہ و مقام کو کون پہنچ سکتا ہے میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر آج آپؐ کے ایک ادنیٰ صحابی بلال حبشیؓ کے جوتے کا ایک

ٹوٹا تمہ بھی مل جائے تو نواب عثمان علی خان جیسے صاحب اقتدار نواب بھی اسے تبرک جان کر اپنے تاج میں ٹانک لیں یہ جملہ سن کر نواب حیدر آباد وجد میں آگئے اور بے اختیار ہو کر فرمانے لگے کیوں نہیں؟ اگر خدا تعالیٰ مجھے حضرت بلالؓ کے جوتے کا تمہ بھی نصیب کر دے تو میں ضرور اسے اپنے تاج میں جگہ دیدوں اس تمہ کے مقابلے تاج میں جڑے ہوئے ہیروں اور جواہرات کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے

## ایک نعل میں دو تمہ:

کان نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ ”ہر ایک جوتہ مبارک“ کے الفاظ سے امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق کیا گیا ہے وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں ان نعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لہا قبلاں بالافراد (جمع ص ۱۵۹) ہر جوتہ میں دو تمہ کی مراد یہ ہے کہ ایک تمہ انگوٹھ اور اس کی ساتھ والی انگلی میں تھا دوسرا تمہ درمیان والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں ہوتا تھا۔ شیخ ابراہیم السیوٹیؒ فرماتے ہیں وکان صلی اللہ علیہ وسلم یضع احد القبالتین بین الابهام والنئی تلیہا والاخر بین الوسطی والنئی تلیہا (مواہب ص ۸۰)

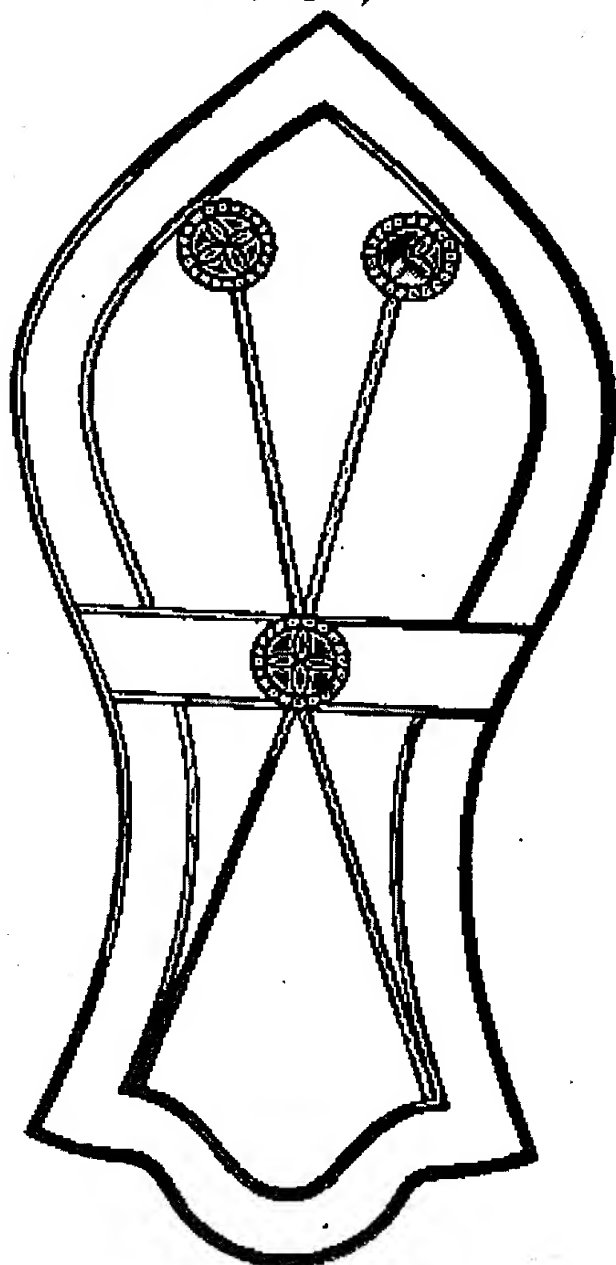
(اور نبی کریم ﷺ جوتے کے دو تمہوں میں سے ایک کو انگوٹھے اور اس کی ساتھ والی انگلی میں رکھتے تھے اور دوسرے تمہ کو درمیان والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں رکھتے)

قبلاں، قبلاں کا ثنیہ ہے مراد وہ تمہ ہے جو آگے رکھا جاتا ہے اور عرض رجل میں جوتہ ہو اسے شراک کہتے ہیں اور جو انگلیوں کے بیچ میں ہوتا ہے اسے قبالہ کہتے ہیں۔

لہما قبلاں ای لكل واحد منهما قبلاں یا تقسیم الاحاد علی الاحاد ہے کہ ہر ایک نعل کے لئے ایک قبالہ تھا لغوی لحاظ سے دونوں مراد ہو سکتے ہیں مگر بخاری کی مندرجہ بالا روایت اور نقشہ نعل مبارک کے مطابق ہر نعل میں دو قبالے تھے۔



## نقشہ نعل شریف



(۷۴/۲) حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّمُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ خَالِدِ بْنِ الْحَدَّادِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَانِ مَثْنَى شِرَاكُهُمَا..

ترجمہ! ہمیں ابو کریم محمد بن علاء نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو وکیع نے سفیان کے حوالہ سے نقل کیا۔ انہوں نے خالد بن حذاء سے نقل کیا اور انہوں نے عبد اللہ بن حارث سے۔ وہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کے تسمے دوہرے تھے۔

راوی حدیث (۲۳۱) خالد بن الحذاء کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوہرے تسمے:

كان لنعل رسول الله صلى الله عليه وسلم قبلان مثنى شراكهما يعني حضور اقدس صلى الله عليه وسلم کے جوئے مبارک کے وہ تسمے جو پشت قدم پر پڑتے تھے دوہرے تھے گویا ہر جوئے میں دو دو تسمے اور ہر تسمہ دوہرا تھا یعنی دو دو دھاگوں کو ملا کر بنایا گیا تھا۔

(۷۵/۳) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ أَحْمَدُ بْنُ الزُّبَيْرِ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ قَالَ أَخْرَجَ الْيَاقُوتُ بْنُ مَالِكٍ نَعْلَيْنِ جَرْدًا وَبَيْنَ لُهُمَا قَبْلَانِ قَالَ فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ بَعْدَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُمَا كَانَتَا نَعْلَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع اور یعقوب بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابو احمد الزبیری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ بن طہمان نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت انسؓ نے ہمیں دو جوئے نکال کر دکھلائے ان پر بال نہیں تھے مجھ سے اس کے بعد حضرت ثابتؓ نے یہ بتایا کہ وہ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف تھے۔

راویان حدیث (۲۳۲) یعقوب بن ابراہیمؒ (۲۳۳) ابو احمد الزبیریؒ اور (۲۳۴) عیسیٰ بن طہمانؒ

کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

نعلین جردا وین لهما قبالین الجرد بغیر نباتات والی جگہ کو کہتے ہیں جردا وین وہ جوتے جن پر بال نہ ہوں الجرداء جرد کی مؤنث ہے الجرد اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی گردن پر بال نہ ہوں یا کم بال ہوں اور جرداء وہی التی لا شعر علیہا جرداء اس چمڑے کو بھی کہتے ہیں جس پر بال نہ ہوں (جمع ص ۱۶۰) استعیر من ارض جرد لا نبات فیہا۔

### تبرک باتار الصالحین :

انہما کانتا نعلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت بنانی نے مجھے بتایا کہ یہ دونوں نعلین مبارک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اس مقام پر شیخ احمد عبد الجواد الدومی نے تبرک باتار الصالحین کی تفصیلی بحث کی ہے۔

فرماتے ہیں ویوخذ من الحلیث ندب حفظ آثار الصالحین (اتحافات ص ۱۲۳) (اس حدیث سے نیکوکار لوگوں کے آثار کو محفوظ رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے) ذیل میں اسی تفصیل کی تلخیص اور دیگر کتب حدیث سے بھی ما حاصل نذر قارئین ہیں۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس اور دیگر پہناوے کو محفوظ رکھتے ان کی زیارت کرتے کرواتے اور ان سے تیمم و تبرک اور شفاء حاصل کرتے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس آپؐ کے چند ملبوسات تھے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو بردہؓ فرماتے ہیں اخرجت الینا عائشہ کساء ملبداً وازاراً غلیظاً فقالت قبض روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ہذین۔ جناب عائشہ صدیقہؓ نے ایک کمبلی جس پر بہت زیادہ پیوند لگے ہوئے تھے اور ایک موٹا تہبند نکال کر ہمیں بتایا اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں وصال فرمایا تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک عورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک چادر لیکر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے آپ خود بنفس نفیس اسے پہنیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے لیا اور پھر اس کا تہبند باندھ کر صحابہ کرامؓ کے پاس

تشریف لے آئے۔ صحابہ کرامؓ میں سے ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے پہنا دیجیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا۔ آپؐ کچھ دیر مجلس میں تشریف فرما ہونے کے بعد چلے گئے اور پھر اس چادر کو لپیٹ کر واپس آئے اور اس صحابی کو بھیج دی جس نے وہ مانگی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے اس صحابیؓ سے کہا کہ تو نے یہ چادر مانگ کر کچھ اچھا کام نہیں کیا حالانکہ تجھے علم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک کا بھی سوال رو نہیں فرماتے۔ اس صحابیؓ نے جواب دیا واللہ ما سئلہا الا لتکون کفنی یوم اموت مجھے اللہ جل شانہ کی قسم! کہ یہ سوال تو میں نے صرف اسلئے کیا ہے کہ میرے مرنے پر یہ چادر جو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم انور اطہر اور مقدس کے ساتھ لگ چکی ہے میرا کفن بنے۔

جناب سہلؓ فرماتے ہیں کہ وہی بردہ پاک اس کا کفن بنا۔ حضرت امام مالکؒ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بال مبارک ملے تھے جب آپؐ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو وصیت فرمائی کہ ایک موئے مبارک میری داہنی آنکھ پر دوسرا موئے مبارک میری بائیں آنکھ پر اور تیسرا موئے مبارک میرے منہ پر میرے مرنے کے بعد رکھ دینا۔ جناب ابوہریرہؓ نے حضرت امام حسنؓ کو کہا کہ آپ اپنے بدن مبارک کی وہ جگہ مجھے بتائیں جس جگہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چوما تھا۔ حضرت امام حسنؓ نے اپنی ناف مبارک ان کو بتائی تو ابوہریرہؓ نے تبرکاً وہاں بوسہ دیا۔ جناب ثابت البنانیؓ حضرت انسؓ کے ہاتھ کو اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک کہ اس کو بوسہ نہ دے لیتے اور فرماتے یتلمست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۛ یہ وہ ہاتھ ہے جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوا تھا۔

حضرت ابو عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میرے دادا کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاف تھا جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنے تو انہوں نے میرے والد کو کہلا بھیجا کہ مجھے اس لحاف کی زیارت کروائیں چنانچہ میرے دادا اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے اس لحاف کو اپنے چہرے پر خوب ملا (تاریخ صغیر امام بخاری)

جنابہ اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارک تھا۔ مسلم شریف میں ہے۔ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلبسہا فتحن نغسلہا للمرضی یتشفی بہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ مبارک کو پہنا کرتے تھے ہم اس کو دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلاتے ہیں اور شفا ہو جاتی ہے۔

شفا شریف میں ہے کہ امام ابن مامونؒ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالوں میں سے ایک پیالہ ہمارے پاس تھا۔ فکنا نجعل فیہا الماء للمرضی فیستشفون بہا۔ ہم اس پیالے میں پانی ڈال کر بیماروں کو پلاتے تو اس پانی سے بیمار صحت یاب ہو جاتے۔

### اکابرین دیوبند کا معمول:

استاذ محترم مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ راوی ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے خزانہ میں ایک رومال جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک مکمل ایک سال تک خلافت ترکیہ کے زمانہ میں لپٹی رہی اور خلافت کے خلاف جنگ کے زمانہ میں اکابرین دیوبند کی اپیل پر مسلمانان متحدہ ہندوستان نے ۱۹۱۴ء میں ایک خطیر رقم چندہ کر کے بھیجی جس کے شکریہ میں اراکین خلافت نے یہ رومال اور قسطنطنیہ شرح بخاری بطور ہدیہ کے دارالعلوم بھیجی جس کی زیارت ہر سال کے اختتام پر بطور تبرک کے کروائی جاتی تھی۔

جس سال میں دارالعلوم میں دورہ حدیث شریف میں شریک تھا اور یہ غالباً ۱۹۳۹ء یا ۴۰ء ہوگا یہ مشہور کر دیا گیا کہ اس سال رومال کی زیارت نہیں کرائی جائیگی کیونکہ ازدھام کی وجہ سے پورا ادب ملحوظ نہیں رکھا جاسکتا چنانچہ طلباء اور تمام شائقین انتہائی افسردہ ہوئے بات حضرت شیخ مدنیؒ تک جا پہنچی چنانچہ آپؒ نے بڑی شفقت فرماتے ہوئے کہا کہ اہتمام میں درخواست دے دیں کہ میرے زیر نگین پورے آداب کا لحاظ کرتے ہوئے زیارت کا موقع فراہم کیا جائے چنانچہ خود حضرت کی موجودگی میں طلبہ اور بہت سے دور دراز کے شائقین رومال مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

## شیخ احمد عبد الجواد کی تنبیہ:

اس بحث کے اختتام پر شیخ احمد عبد الجواد الدومی فرماتے ہیں وَلَكِنَّ التَّبَرُّكَ بِالْأَثَارِ لَا يَصِحُّ أَنْ يَصِلَ إِلَى دَرَجَةِ الْمَبَالِغَةِ أَوْ الْعِبَادَةِ فَإِنَّ الْعِبَادَةَ لِلَّهِ وَحْدَهُ وَالنَّافِعَ وَالضَّارَّ هُوَ اللَّهُ وَحْدَهُ مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ .

( لیکن تبرک بہ آثار صالحین میں اتنا مبالغہ بھی نہ کیا جائے کہ وہ درجہ غلو یا عبادت کو پہنچے کیونکہ عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اور وہی نفع و نقصان دینے کے مالک ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دینا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور وہ جو کچھ روکنا چاہیں تو پھر اس کے سوا کوئی دینے والا نہیں وہی غالب اور حکمت والے ہیں )۔

(۷۶/۴) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ قَالَ أَخْبَرَنَا مَعْنُ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ عُيَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ قَالَ لَا بَيْنَ عُمَرَ رَأَيْتَكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السَّبْيِيَّةَ قَالَ إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعْرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا فَإِنَّا أَحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا .

ترجمہ! ہمیں اسحاق بن موسیٰ انصاری نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو معن نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مالک نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو سعید بن ابوسعید مقبری نے بیان کیا۔ انہوں نے عبید بن جریج سے روایت کی۔ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ آپؐ بغیر بالوں کے چمڑے کا جوتہ پہنتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی جوتہ پہنتے ہوئے اور اس میں وضو فرماتے ہوئے دیکھا ہے اسلئے میں ایسے ہی جوتے کو پسند کرتا ہوں۔

راویان حدیث (۲۳۵) سعید بن ابی سعید المقبریؓ اور (۲۳۶) عبید بن جریجؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## سبیتیہ کا معنی:

قال لابن عمر 'عبید بن جریج نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا میں دیکھتا ہوں کہ آپ بالعموم سبیتیہ جوتا پہنتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے سبیتیہ سبت سے ہے یعنی بال مونڈنا سبیتیہ وہ جوتا جس پر بال نہ ہوں یوم سبت کو بھی اسی وجہ سے سبت کہا جاتا تھا کہ یہود کے نزدیک اس میں سب دنیاوی تعلقات سے انقطاع کر لیا جاتا تھا اور سبت (بکسر السین) اس چمڑے کو کہا جاتا ہے جو بالوں سے صاف ہو۔

التی لا شعر علیہا نسبة لسبت (بکسر السین) وهو جلود البقر الملبوغة لان شعرها سبت وسقط عنها بالدباغ (مواہب ص ۸۲) السبیتیہ کا معنی یہ کہ اس پر بال نہ ہوں یہ لفظ بکسر سین ہے اور ان کا اطلاق نیل گائے کے (مدبوغہ) رنگے ہوئے چمڑوں پر کیا جاتا ہے کیونکہ دباغت کے عمل کی وجہ سے ان سے بال گر جاتے ہیں)

## منشأ سوال:

سوال کرنے کا منشأ یہ تھا کہ عربوں میں تمدن اور تنعم کی یہ ترقی نہ تھی غربت، ناداری اور فقر و افلاس تھا غرباء، فقراء و مساکین بلکہ عام لوگ اور متوسط طبقہ میں بالوں سمیت چمڑے کا جوتا پہننا مروج تھا جبکہ بالوں سے صاف چمڑے کا جوتا امراء لوگ پہنتے تھے یا یہود میں مروج تھا بخاری شریف کی مفصل حدیث ہے وفيه انه قال لابن عمر رايتك تصنع ارباعاً من احداً من اصحابك يصنعها فذكر منها لبسه للنعال السبیتیہ (اس میں ہے کہ عبید بن جریج نے عبد اللہ بن عمرؓ سے کہا کہ تو چار ایسے کام کرتا ہے کہ تیرے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی میں نے کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور ان چار میں سے بغیر بالوں کے جوتے پہننے کا ذکر بھی کیا) غرض سوال یہی تھی کہ اس قدر قیمتی جوتے کے استعمال کی حکمت کیا ہے۔ اور عام مروج جوتا چھوڑ دینے کا سبب کیا ہے پھر اسی جوتے پر مواظبت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے جبکہ صحابہؓ نے کبھی بھی کسی ایک قسم کے جوتے پر مداومت نہیں کی۔

حضرت ابن عمرؓ کا جواب تھا کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی جوتے پہنتے ہوئے دیکھا ہے حضرت ابن عمرؓ قبیح سنت تھے حتیٰ کہ امور طبعیہ میں بھی اتباع سنت کا اہتمام کرتے تھے آپ

نے صاف کہہ دیا کہ یہود و مشرکین کی مشابہت غرض نہیں اور نہ ہی امراء کی متابعت مقصود ہے مقصود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے آپؐ کو میں نے یہی جوتے پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ فانا احب ان البسھا ای لمتابعة الهدی لا لموافقة الهوی (جمع ص ۱۶۲) میں بھی یہ پسند کرتا ہوں کہ ایسے جوتے پہنوں یعنی سنت کی تابعداری میں نہ کہ اپنی نفسانی خواہش کی موافقت میں)

**جوتے پہنے ہوئے پاؤں دھونا یا کیلے پاؤں جوتوں میں رکھنا:**

یتوضأ فیہما مقصد یہ ہے (۱) کہ جب جوتوں میں بے تکلف پاؤں دھل سکتے تھے اور نقصان بھی نہیں ہوتا تھا تو آپؐ جوتوں میں پاؤں دھولیا کرتے تھے بیان جواز کے لئے بھی اور امت کی سہولت کے لئے بھی۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ وضو کے بعد پاؤں خشک کیے بغیر فوراً جوتے پہن لیتے تھے تاکہ یہ بھی امت کو معلوم ہو جائے کہ وضو کے بعد فوراً تر پاؤں جوتے میں ڈالنے سے نقض وضو لازم نہیں آتا علامہ نوویؒ فرماتے ہیں معناه انه يتوضأ ويلبسها بعد ورجلان رطبان. فانا احب ان البسھا حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں اسلئے میں ایسے ہی جوتے کو پہننا پسند کرتا ہوں تاکہ آپؐ کی اقتداء و اتباع حاصل رہے وکان ابن عمر حريصاً على اتباع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الجليل من الامور والصغير قال ابن عبد البر من صريح الايمان محبة ما كان المصطفى صلى الله عليه وسلم يحبه واتباع ما كان يفعله حتى المأكول والمشروب والملبوس (تحفاته ص ۱۲۵) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور اکرم ﷺ کے چھوٹے بڑے کاموں کی اقتداء اور تابعداری میں انتہائی حریص تھے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ صریح اور خالص ایمان کی علامات میں سے یہ ہے کہ جن چیزوں اور کاموں سے آپؐ کو محبت ہو، ان کاموں سے محبت کی جائے اور جو افعال آپؐ کرتے تھے ان کی ان افعال میں اتباع کی جائے حتیٰ کہ ماکولات مشروبات اور ملبوسات میں بھی)

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تا ضرور پہننا چاہئے البتہ احترام مسجد اور احترام مقبرہ میں اتار لینا بہتر ہے وقال احمد يكره لبسها فى المقابر (مواہب ص ۸۲) (امام احمد فرماتے ہیں کہ



قبرستان میں جو توں کا پہننا مکروہ ہے)

(۷/۷۷) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ أَبِي ذَنْبٍ عَنْ صَالِحِ مَوْلَى الثَّوَامَةِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ لِنَعْلٍ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَانِ ..

ترجمہ! ہمیں اسحاق بن منصور نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبد الرزاق نے معمر کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے ابن ابی ذنب سے اور انہوں نے الثوامة کے آزاد کردہ غلام صالح سے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کے دو تھے تھے۔

راویان حدیث (۲۳۷) ابن ابی ذنبؓ اور (۲۳۸) صالحؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث کی شرح و بیان باب ہذا کی پہلی حدیث میں تفصیل سے ہو چکا ہے

(۶/۷۸) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ السَّيِّدِيِّ حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ يَقُولُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْنِ مَخْصُوفَتَيْنِ ..

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابو احمد نے سفیان سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے سدی کے حوالے سے خبر دی۔ سدی کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بیان کیا جس نے عمرو بن حریشؓ سے یہ روایت سماعت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدسؐ کو ایسے جو توں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جن میں دوسرا چمڑا سلا ہوا تھا۔

راویان حدیث (۲۳۹) السدیؓ (۲۴۰) من سمع اور (۲۴۱) عمر بن حریشؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**مخصوصفتین کا معنی:**

روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ

ایسی جوتیوں میں نماز پڑھ رہے تھے جن کو پیوند لگے ہوئے تھے مخصوصین، خصف سے ہے معنی جوتے پر مزید چمڑا چڑھانا، سینا، ٹانگن اور جمانا ہے ضرب کے باب سے ہے مخصوص ٹوٹے ہوئے اور گٹھے ہوئے جوتے کو بھی کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ نعلین کے چمڑے دوہرے سلے ہوئے تھے یعنی تلی دوہری تھی یا ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں المخصوصتان کا معنی المخرو زتان ہے یعنی ستال (آر) سے سے ہوئے نیز فرماتے ہیں کہ المخصوصتان کے معنی المرقعتان بھی ہیں جن کے معنی، پیوند لگے ہوئے، بھی ہوتے ہیں (اتحافات ص ۱۲۶)

### حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیوند لگے جوتے:

اگرچہ حدیث باب کی یہ سند مجہول ہے مگر دیگر روایات سے اس کی تصحیح و تصدیق اور تائید ہو جاتی ہے حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخیط ثوبه ویخفف نعله ویرفع دلوہ (جمع ص ۱۶۲)

آپؐ اپنے کپڑے خودی لیتے اور اپنے جوتے کو خود پیوند لگا لیتے اور کنویں سے (دلو کے ذریعے) پانی نکالتے اور خفف سے مراد پیوند لگانا ہے وفی شرح ان المراد به المرقعة، اخرجه ابن حبان والحاکم۔

### نعلین میں نماز:

یصلی فی النعلین سے مراد یا تو نماز جنازہ ہے اور اگر نماز پنجگانہ مراد لیں تو جوتے ایسے تھے جو نجاست سے پاک تھے ویوخذ من الحلیث جواز الصلوۃ فی النعلین ان کاننا طاهرین (اتحافات ص ۱۲۶) (حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جوتے پاک ہوں تو اس میں نماز جائز ہے)

### نعلین مبارک کا طول، عرض، حجم اور مقدار:

شعبہ الروفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شارحین حدیث میں ایسے نہیں دیکھے ہیں جنہوں نے نعل

مبارک کی صفت یعنی طول و عرض، حجم اور مقدار کا بیان کیا ہو۔ البتہ حافظ عراقیؒ نے اس کو منظوم کیا ہے

ونعله الکریمة المصونة طوبی لمن مس بها جینه  
(اور آپؐ کے نعل مبارک کس قدر باعزت اور بابرکت ہیں۔ کس قدر مبارک بادی کا مستحق ہے وہ شخص جسے ان نعلین کو اپنی پیشانی کے ساتھ لگانے کا شرف حاصل ہو گیا)

لها قبالة بسیر وهما سبتان سبتوا شعرهما  
(نعل مبارک کے دو تسمے ہیں۔ اور وہ دونوں بالوں سے صاف کیے گئے ہیں۔)

وطولها شبر و اصبعان وعرضها مما یلی الکعبان  
(اور اس کی لمبائی ایک بالشت اور دو انگل۔ اور اس کے ایڑی والے حصہ کی چوڑائی)

سبع اصابع و بطن القدم خمس وفوق ذا فست فاعلم  
(سات انگل اور قدم کا درمیانی حصہ۔ پانچ انگلی اور اس سے اوپر پس چھ انگلی جان لے)

ورأسها محدد وعرض ما بین القبالتین اصبعان اضبطهما  
(اور اس کا سر محدود ہے اور چوڑائی۔ دو تسموں کے درمیان دو انگلیاں تھیں ان کو یاد کر لے)

(مناوی ص ۱۶۳)

(۷۹/۷) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ أَخْبَرَنَا مَعْنُ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْشِيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ لِيَنْعَلَهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيُخَفِّهَهَا جَمِيعًا حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ نَحْوَهُ.

ترجمہ! ہمیں اسحاق بن موسیٰ الانصاری نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معن نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مالک نے ابوزناد کے حوالے سے خبر دی۔ انہوں نے اعرج سے اور انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک جوتہ پہن کر کوئی نہ چلے یا دونوں پہن کر چلے یا دونوں نکال دے۔

راوی حدیث (۲۴۲) الا اعرج کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## تعلیم اخلاق یا شفقت نبوی :

قال لا یمشین احدکم الخ ۔۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی ایک جوتا پہن کر نہ چلے دونوں جوتے پہنے یا دونوں اتارے و ہذا نفی صورتہ و نہی معنی و هو ابلغ من النہی الصریح (جمع ص ۱۶۳) (اور یہ (لا یمشین ...) بصورت نفی ہے اور دراصل حقیقت میں نہیں ہے اور یہ (صورت) زیادہ بلیغ ہوتی ہے نہی صریح سے) لیحفہما، حفی سے ہے معنی ننگے پاؤں چلنا

جب ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا ننگا ہو:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صاحب خلق عظیم تھے اور امت پر شفیق تھے جو تے پہننے کے طریقے بھی امت کو تعلیم فرمائے اور ایک جوتا پاؤں میں اور ایک پاؤں ننگے ہو کر چلنے سے منع فرمایا۔  
 شارحین حدیث نے اس کی متعدد وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) وقار کے منافی ہے استہزاء کا باعث ہے ایسے شخص کو لوگ احمق کہیں گے۔

(۲) ابن العربیؒ فرماتے ہیں العلة فیہ انہا مشیۃ الشیطان (اس کی وجہ اور علت یہ ہے کہ یہ شیطانی چال ہے)

(۳) قیل لانہا خارجۃ عن الاعتدال (اور بعض نے کہا کہ ایسا چلنا حد اعتدال سے خارج ہے)

(۴) باری تعالیٰ کی نعمت کا کفران لازم آتا ہے کہ استطاعت کے باوجود خود کو نعمت رب سے محروم کر رہا ہے۔

(۵) ایک پاؤں اوپر ہوگا ایک نیچے، گرنے، پھسلنے اور پاؤں میں موج پڑنے کا اندیشہ ہے۔

(۶) لوگوں کے لئے خندہ استہزاء کا ہدف بنتا ہے اور یہ گناہ ہے وقال البیہقی الکراہۃ للشہرة

فتمتد الابصار لمن یرئ ذلک منه وقد ورد النہی عن الشہرة فی اللباس (جمع ص ۱۶۳)

(امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ایسے چلنے (کہ ایک پاؤں میں جوتا ہو اور دوسرے میں نہ ہو) کی کراہت بوجہ شہرت ہونے کے ہے یعنی یہ کہ ایسے چلنے والے کی طرف لوگوں کی آنکھیں اٹھیں گی۔ حالانکہ لباس

شہرت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے)

## امام اعمشؒ کا سبق آموز لطیفہ:

حضرت امام اعمشؒ عظیم محدث شیخ اور جید عالم گذرے ہیں طبعاً ظریف تھے اور ظرافت میں حقائق بیان فرمادیتے تھے ان کے پاس ان کا ایک شاگرد آیا جو پاؤں سے لنگڑا تھا جبکہ آپ آنکھوں سے اعمش (چندھے) تھے امام اعمشؒ نے ان سے فرمایا تم آ کر ہمارے پاس ٹھہر گئے ہو ہم دونوں کے اجتماع پر لوگ استہزاء کریں گے شاگرد نے عرض کیا ہمیں ثواب ملے گا گناہ جھڑیں گے۔

امام اعمشؒ نے فرمایا ہمیں دین یہ نہیں سکھاتا کہ لوگوں کو گناہ میں مبتلا کر دیں اور خود ثواب کمائیں البتہ واضح رہے کہ یہ نہی کراہت کے لئے ہے جبکہ بغیر کسی وجہ اور ضرورت کے ایسا کرے اگر کسی عذریہ ضرورت کے وقت کرتا ہے تو پھر کراہت نہیں ہے کہ عذر عذر ہوتا ہے۔

## حدثنا قتیبہ :

حدثنا قتیبہ ہناد الخ اسقط ہنا الاعرج فهذا الحديث مرسل لاسقاط الاعرج وابی هريرة منه بالنظر لاسقاط الصحابي (مواہب ص ۸۴) (حدثنا قتیبہ ہناد ... اس سند میں یہاں اعرج کا ذکر چھوڑ دیا گیا اس لئے یہ حدیث مرسل ہے بوجہ ساقط کرنے اعرج (راوی) کے اور ابوہریرہ کے بوجہ ساقط کرنے صحابی کے)

اور زیادہ واضح عبارت منادویٰ کی ہے کہ هذا منقطع ومرسل لاسقاط الاعرج وابی هريرة (کہ یہ منقطع اور مرسل ہے کیونکہ اعرج اور ابوہریرہ کو درمیان سند سے ساقط کر دیا گیا)۔

البتہ ملا علی قاریؒ نے اس سند کو ذکر کر کے نحوہ کے بعد یہ تفصیل لکھ دی کہ ہو سکتا ہے کہ یہ سند بھی پہلی سند جیسے مرفوع ہو فرماتے ہیں نحوہ ای مثله فی المعنی دون اللفظ المتعلق بالمتن والظاهر انه یرید بنحوہ نحو الاسناد المقدم فکانہ قال الی آخر الاسناد فلا یرد مقالہ العصام من ان حدیث قتیبہ منقطع ومرسل لاسقاط الاعرج عن الاسناد واسقاط ابی هريرة نعم کان یکفی ان یقول عن مالک ویزید بهذا الاسناد (واللہ اعلم) (جمع ص ۱۶۵) (نحوہ یعنی یہ اس کے مثل ہے معنی میں نہ کہ

الفاظ میں جن کا تعلق متن حدیث سے ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ واضح یہ بات ہے کہ نحوہ سے مراد پہلی جیسی سند کے مانند گویا کہ یہ کہا کہ یہ اس جیسے ہے آخر سند تک اس لئے اب وہ اعتراض وارد نہ ہوگا جو عصام کہتے ہیں کہ حدیث قتیہ منقطع اور مرسل ہے بوجہ ساقط کرنے سند سے اعرج اور ابوہریرہ کو البتہ یہ کافی تھا کہ پھر سند میں یہ کہتے عن مالک ویزید بهذا الاسناد

(۸۰/۸) حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا مَعْنُ أَخْبَرَنَا مَالِكُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَأْكُلَ يَغْنَى الرَّجُلُ بِشِمَالِهِ أَوْ يَمْسِسَ فِي نَعْلِ وَاحِدَةٍ..

ترجمہ! ہمیں اسحق بن موسیٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو معن نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مالک نے خبر دی۔ انہوں نے ابوہریرہ سے نقل کیا اور وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک جوتہ پہنے۔

بائیں ہاتھ کے ساتھ کھانے سے نہیں:

نہیٰ ان یا کل یعنی الرجل بشماله الخ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا صرف ایک جوتا پہن کر چلے حنابلہؒ اور مالکیہؒ کے نزدیک بائیں ہاتھ سے کھانا یہ کراہت تحریمی ہے امام شافعیؒ اسے کراہت تنزیہی قرار دیتے ہیں مسلم شریف میں ہے کہ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کل بيمينک یعنی دائیں ہاتھ سے کھا اس نے کہہ دیا کہ میں طاقت نہیں رکھتا لا استطعت آپؐ نے فرمایا لا استطعت تو طاقت نہ رکھ پھر کیا تھا کہ داہنا ہاتھ شل ہو گیا اور منہ تک نہ پہنچ سکا فما رفعها الرجل الى فيه بعد ذلك (اتحافات ص ۱۲۷)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ ارشادات استنباطی ہیں یعنی حرام نہیں ہیں تاہم بعض اصحاب ظاہر نے اسے ناجائز بتایا ہے (خصائل) یعنی الرجل حدیث میں رجل کا ذکر شرافت و تکریم کے لئے آیا ہے خواتین سے احتراز نہیں ذکر الرجل لانہ الاصل والا

شرف لا الاحتراز (مواہب ص ۸۴) (روایت میں رجل کے لفظ کا ذکر بوجہ اس کے اشرف اور اصل ہونے کے ہے نہ کہ (عورت) سے احتراز کرنے کے لئے (یعنی یہ حکم مرد اور عورت دونوں کے لئے ہے) عورتوں کو بھی یہی حکم ہے ہے او یمشی میں لفظ اوتقسیم کے لئے ہے شک کے لئے نہیں ہے واو للتقسیم لا للشک (مواہب ص ۸۴)

(۸۱/۹) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ ح وَآخِرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ قَالَ إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ فَلْيَتَّكِنِ الْيُمْنَى أَوْ لَهَا مَا تَنْعَلُ وَآخِرُهُمَا تَنْزَعُ.

ترجمہ! ہمیں قتیبہ نے مالک کے حوالے سے بیان کیا (تحویل) انہیں اسحق بن موسیٰ نے اور ان کو معن نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مالک نے ابو زناد سے اور انہوں نے اعرج کے حوالے سے نقل کیا۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے جوتا پہنے تو دائیں سے ابتدا کرنی چاہئے اور جب نکالے تو بائیں سے پہلے نکالے دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہونا چاہئے اور نکالنے میں مؤخر۔

### جوتا پہننے اور نکالنے میں مسنون طریقہ:

قال اذا انتعل ... حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں طرف سے ابتدا کرے اور جب جوتا اتارے تو پہلے بایاں پاؤں نکالے تاکہ جوتا پہنتے وقت دائیں طرف اولیت ہونی چاہئے اور جوتا اتارنے میں اسے مؤخر کرنا چاہئے اور بایاں پہلے ہونا چاہئے لان السنوع من باب التقیص والشمال لعلم شرفها تقلم فی کل مکان من باب التقیص (کیونکہ جوتے کا نکالنا یہ تنقیص (نقصان) کے قبیلہ سے ہے اور بایاں پاؤں بوجہ عدم شرافت کے ہر اس جگہ مقدم اور پہلے کیا جائے گا جو باب تنقیص سے ہو) تکریم و تعظیم اور شرف و خیر اور زینت کے تمام امور میں تین مسنون ہے حدیث زیر بحث میں اس کی ترغیب ہے لان السنعل من باب التکریم والیمین لشرفها تقلم فی کل

ماکان من باب التکریم (مواہب ص ۸۳) اور چونکہ جوتے کا پہننا یہ عزت اور تکریم کے قبیلہ سے ہے اور دایاں پاؤں ہر اس جگہ مقدم اور آگے کیا جائے گا جواز قبیلہ تکریم و شرافت کے ہو) بعض لوگوں نے اس پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ بعض جگہوں پر نزع باب تنقیص سے نہیں بلکہ عین تکریم ہوتی ہے تو جواب میں بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے۔

(۱) الیمین اقویٰ من الیسار مگر یہ توجیہ بمنزلہ توجیہ کے ہے اسے ترجیح حاصل نہیں۔

(۲) فالاولی قول الحکیم الترمذی الیمین مختار اللہ ومحبوہ من الاشیاء فاهل الجنة عن یمین العرش يوم القيامة واهل السعادة يعطون كتبهم بايمانهم وكانت الحسنات على الیمین وكفة الحسنات من المیزان عن الیمین فاستحقت ان تقدم الیمین واذا كان الحق للیمین فی التقلیم اخر نزعها لبقی ذلك الحق لها اکثر من اليسری (مواہب ص ۸۳)

(پس حکیم ترمذی) کا یہ قول بہتر ہے کہ اشیاء میں سے دایاں اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور محبوب ترین ہے کیونکہ جنتی لوگ قیامت کے دن عرش معلیٰ کے دائیں طرف ہوں گے اسی طرح نیک بخت لوگوں کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھوں میں دیا جائے گا اور نیکیاں بھی دائیں طرف پر ہوں گی اور تر از اعمال میں نیکیوں کا پلڑا بھی دائیں طرف ہوگا۔ تو اس لئے پہننے میں دایاں زیادہ مستحق ہے اور جب کہ مقدم کرنے میں دایاں زیادہ مستحق ٹھہرا تو اس لئے اس کے نکالنے کو مؤخر کیا گیا تاکہ اس کا وہ حق بائیں سے زیادہ دیر تک قائم اور باقی رہے۔

(۸۲/۱۰) حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا اشْعَثُ هُوَ ابْنُ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيْمَنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي تَرَجُلِهِ وَتَعْلِيهِ وَطُهُورِهِ ..

ترجمہ! ہمیں ابو موسیٰ نے بیان کیا انہوں نے محمد بن ثنیٰ سے نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو شعبہ نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر اشعث نے دی جو کہ ابن ابی الشعثاء ہیں وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے مسروق سے اور انہوں نے



ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کنگھی کرنے میں اور جوتہ پہننے میں اور اعضاء وضو کے دھونے میں حتی الوسع دائیں سے ابتدا فرمایا کرتے تھے۔

### تیمن، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حتی المقدور تیمن کو پسند فرماتے تھے کنگھی فرمانے میں، جوتا پہننے میں اور وضو کرنے میں ایک اور روایت میں حجامت بنوانے اور مسجد میں داخل ہونے کا ذکر بھی آیا ہے۔

اس میں بھی آپؐ کو تیمن پسند تھا ولس المراد التخصیص بهذه الثلاثة (مواہب ص ۸۵) (اور ان تین مذکورہ چیزوں کے ساتھ تخصیص مقصود نہیں) بلکہ ہر کار خیر و کار شرافت میں تیمن کو تقدم حاصل ہوتا تھا۔

ما استطاع کمال سعی سے کنایہ ہے یا قید احترازی ہے مقصد یہ ہے کہ جہاں استطاعت ہو وہاں ضرور تیمن اپنایا جائے۔ البتہ اگر عذر ہے تو بائیں کے استعمال کی بھی شرعاً اجازت ہے۔ اذا للضرورات تبیح المحظورات (جمع ص ۱۶۶) (عذر اور ضرورت ممنوعہ چیزیں مباح کر دیتی ہیں) ما استطاع علی نحو قوله تعالى فاتقوا الله ما استطعتم وہی تفید جواز المساعدة بالشمال اذا كانت هناك ضرورة لذلك فقد ورد ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اكل القثاء والرطب باليدین معا، لتساعد احدهما الاخری (اتحافات ص ۱۲۹) (حدیث شریف میں ما استطاع کی قید ایسے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول فاتقوا الله ما استطعتم۔ اس لئے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر ضرورت ہو جائے تو بائیں سے کام لیا جاسکتا ہے جیسا کہ منقول ہے کہ نبی کریمؐ نے کٹڑی اور کچھو روئوں ہاتھوں سے اکٹھی کھائیں بوجہ ان دونوں کے موافقت کے)۔

ملا علی قاریؒ ما استطاع کے تحت لکھتے ہیں والذی یظهر عندی ان مراده والله اعلم انه صلی اللہ علیہ وسلم کان یکفی بالیمین فیما لم یتعسر احتراز عن نحو غسل الوجه اولم یتعسر بان کان یرید

مثلاً ان یاخذ العصا والكتاب فيعين ان ياخذ احدهما باليمين والاخر باليسار (جمع ص ۱۶۷)  
(اور وہ جو اس سے مجھے واضح ہو رہی ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ حضور ﷺ صرف دائیں ہاتھ پر اکتفا  
اس وقت فرماتے جب کوئی مشکل درپیش نہ ہوتی۔ یہ احتراز ہوا مثلاً منہ دھونے سے (کہ اس میں  
دونوں ہاتھ استعمال ہوں گے) یا کوئی عذر پیش نہ ہو جاتا جیسے مثلاً کتاب اور لٹھی اٹھانے کا ارادہ  
کرتے تو پھر ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں کے ساتھ اٹھانے کو متعین کر لیتے)  
تنعل اور ترجل کے بعد طہور کا ذکر تخصیص بعد تعیم ہے۔

(۸۳/۱۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْزُوقٍ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ قَيْسٍ أَبُو مُعَاوِيَةَ أَنبَأَنَا  
هَشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبْلَانِ وَأَبْيَ  
بَكْرٍ وَعَمْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا وَأَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَاحِدًا عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ..  
ترجمہ! ہمیں محمد بن مرزوق ابو عبد اللہ نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو عبد الرحمن بن قیس  
ابو معاویہ نے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہشام نے محمد کے حوالے سے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت  
ابو ہریرہؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کے دو تسمے تھے ایسے  
ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے جو تسمے میں بھی دو ہر تسمہ تھا ایک تسمہ کی ابتداء  
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔

راویان حدیث (۲۴۳) محمد بن مرزوق ابو عبد اللہ اور (۲۴۴) عبد الرحمن بن قیس ابو معاویہ کے  
حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**حضرت عثمانؓ نے ایک تسمے والے جوتے پہنے:**

كان لنعْلِ رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ يعني حضور اقدس صلي الله عليه وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور  
حضرت عمرؓ کے جوتوں کے دو دو تسمے ہوا کرتے تھے واول من عقد الخ پھر دو کے بجائے ایک تسمے  
کا آغاز خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے کیا۔

حضرت عثمانؓ نے یہ بات بھی تعلیم اختیار فرمائی تاکہ لوگ دو تسموں کو فرض و واجب کا درجہ نہ دے دیں بلکہ یہ تو محض مستحبات میں سے ہے ہر شخص کی اپنی مرضی اور اپنی صوابدید پر ہے وہ چاہے تو دو تسمے استعمال کرے اور چاہے تو ایک تسمہ۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ اشارة الى بيان الجواز وان لبسه صلى الله عليه وسلم كان على وجه المعتاد لا على قصد العبادة (جمع ص ۱۶۸) (اس میں جوتے کا ایک تسمہ رکھنے کے جواز کی طرف اشارہ ہے اور بے شک حضور ﷺ کا (دو تسموں والا جوتا) پہننا بطور عادت تھا نہ عبادت کے ارادہ سے) شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں لعل الخليفة الثالث افادنا باتخاذ القبال الواحد جواز ذلك (تحافات ص ۱۳۰) (خليفة ثالث حضرت عثمانؓ کے اس عمل سے ہمیں ایک تسمہ والے جوتے بنانے کا جواز معلوم ہو گیا)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال چار قسم پر ہیں مباح، مستحب، واجب اور فرض، ہر فعل کی توضیح ضروری ہے تاکہ اسے اپنے اپنے درجہ میں رکھا جائے وہ علم ان ترک لبس النعلین ولبس غیرہما غیر مکروہ ایضاً (جمع ص ۱۶۸) (اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جوتوں کے پہننے کو چھوڑ دینا اور ان کے علاوہ کسی اور چیز کو پہننا مکروہ نہیں)

=====

## باب ماجاء فی ذکر خاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

### باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگٹھی کے بیان میں

اس باب میں آپؐ کا انگٹھی پہننے کا بیان ہے کس قسم کی انگٹھی پہنی، اس پر کیا نقش تھا، انگٹھی بطور مہر نبوت کے استعمال ہوتی تھی، بیت الخلاء میں جاتے وقت اتار لیتے تھے تاکہ بے حرمتی نہ ہو، آپؐ کی یہ منقوش انگٹھی آپؐ کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس تھی ان کے بعد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھ آئی ان کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کو پہنچی پھر ان سے کنویں میں گر گئی۔

اس باب میں آٹھ احادیث ہیں ای باب بیان الاخبار الواردة فی ذلک (اس باب میں ان احادیث کا بیان ہوگا جو آپؐ کی انگٹھی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں)۔ (مواہب ص ۸۵)

### باب ہذا میں لفظ ”ذکر“ کا اضافہ:

البتہ اس باب میں لفظ ”ذکر“ کا اضافہ ہے جبکہ دیگر تراجم میں یہ لفظ مذکور نہیں ہے شارحین فرماتے ہیں (۱) لفظ ذکر کو اس باب میں زائد لانے سے اس امر پر تنبیہ مقصود تھی علی تمييز هذه الترجمة من الترجمة المقلمة ای باب خاتم النبوة (اس ترجمہ الباب (عنوان) کو سابقہ عنوان باب ختم النبوة سے ممتاز کرنے کیلئے اس میں لفظ ذکر کا اضافہ کیا ہے) کیونکہ پہلے ترجمہ الباب میں خاتم سے بضعة ناشرة عند الکف مراد ہے اور اس ترجمہ الباب میں مراد آلہ مھر ہے جس سے خطوط پر مھر لگائی جاتی ہے۔

وفی لفظ الخاتم خمس لغات وقيل عشر والافصح كسر التاء (خصائل) (اور لفظ خاتم میں پانچ لغتیں ہیں اور بعض نے دس کا قول کیا ہے اس میں زیادہ فصیح لغت تاء کا کسرہ ہے)

## انگوٹھی مبارک کی صفت:

علامہ بیہقی لکھتے ہیں کہ زین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی مبارک کی جامع صفت کسی نے بھی بیان نہیں کی کہ کیا وہ مربع تھی؟ مثلث تھی؟ مدور تھی البتہ لوگوں کا معاملہ اس سلسلہ میں مختلف رہا ہے (مواہب ص ۸۶) کتاب اخلاق النبوة میں منقول ہے انہ لایدری کیف ہو قالوا والخاتم حلقة ذات فص من غیرها فان لم یکن لها فص فہی فتحة (مواہب ص ۸۶) (کہ انگوٹھی کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ وہ کیسے تھی۔ خاتم کی تعریف میں کہتے ہیں کہ کسی (دھات) کا حلقہ ایسے جو نگیں والا ہو جو کہ حلقہ کے جنس سے نہ ہو اگر اس حلقہ کا نگیں نہ ہو تو پھر اس کو عربی میں فحہ کہتے ہیں)۔

## انگوٹھی کے احکام:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں اور کبھی بائیں کی چھنگلی انگلی میں پہنی ہے گویا دونوں ہاتھوں میں پہننا مباح ہے بعض علماء نے اسے مطلق سنت قرار دیا ہے بعض صحابہؓ سے انگوٹھی پہننا ثابت ہے یہ مہر کے لئے بھی استعمال ہوتی تھی اور زینت کے لئے بھی، بعض فقہاء مطلقاً زینت کے لئے استعمال کی اجازت دیتے ہیں جبکہ بعض فقہاء بغیر ضرورت کے اس کے استعمال کو مردوں کے لئے غیر ادلی قرار دیتے ہیں البتہ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ انگوٹھی کسی ضرورت مثلاً حاکم، قاضی، مفتی کے مہر لگانے کے لئے تو جائز ہے مگر محض زینت کے لئے بہتر نہیں ہے بلا ضرورت ترک اولیٰ ہے وجہ ظاہر ہے کہ آپؐ نے بھی تب بنوائی جب سلاطین کو خطوط لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔

واختلف فی حکم الخاتم کما بسط فی المطولات وفي الدر المختار ترک التختم لغیر السلطان والقاضی وذی حاجة الیه کمتول افضل قال ابن عابدين اشار الی ان التختم سنة لمن یحتاج الیه کما فی الاختیار (عربی حاشیہ خصائل) انگوٹھی کے حکم میں فقہاء کرامؒ کا اختلاف ہے جیسے کہ فقہ کی مطول کتب میں اس کو مفصل بیان کیا گیا ہے اور درمختار میں ہے کہ بادشاہ، قاضی، اور دیگر صاحب حاجت حضرات جیسے متوتی وغیرہ کے علاوہ لوگوں کے لئے انگوٹھی کا نہ پہننا افضل ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ نے کہا کہ اس میں صاحب مختار نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ انگوٹھی پہننا صاحب حاجت لوگوں (سلطان وغیرہ) کے لئے سنت ہے جیسے کہ کتاب الاختیار میں ہے)۔  
جمہور کے نزدیک انگوٹھی چاندی کی ہونی چاہئے پیتل اور لوہے کی انگوٹھی حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

### انگوٹھی کا اجمالی تاریخی پس منظر:

انگوٹھی کے لئے عربی لفظ خاتمہ بھی درست ہے اور خاتم بھی، مایختم بہ کو کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں دومرتبہ انگوٹھی بنوائی ہے سونے کی بھی اور چاندی کی بھی۔ جب مردوں کے لئے سونا پہننا حرام ہوا تو آپؐ نے سونے کی انگوٹھی کا استعمال ترک فرمایا۔ پھر آپؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی مگر بعد میں اسے بھی اتار دیا البتہ اتارنے کی وجہ معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے اس میں آپؐ کو تکلف محسوس ہوتا ہو۔ تاہم چاندی کی انگوٹھی کا استعمال ایک خاص مقدار میں کیا مردوں کے لئے ممنوع نہیں ہے۔ ہجرت کے چھٹے سال صلح حدیبیہ کے معاہدے کے بعد آپؐ نے مختلف سربراہان ممالک کو دعوتی خطوط لکھے تو ضرورت مہر کی وجہ سے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس سے مکتوبات پر مہر لگانے کا اہتمام ہوتا تھا انگوٹھی بنانے کی ضرورت انجام دینے والے یعلیٰ بن امیہ تھے اس میں نگینہ بھی لگایا اور نگینہ میں مہر ختم نبوت ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ بھی کندہ کئے۔ جب کسی مکتوب یا دعوتی تحریر یا اہم خط پر مہر لگانی ہوتی تو آپؐ انگوٹھی اتار کر اس سے مہر بھی لگا دیا کرتے تھے۔

### مشاہیر کی انگوٹھیوں کے نقش:

احقر مولف کی طالب علمی کا زمانہ تھا استاذ محترم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب مدظلہ کے دامن رشد و ہدایت میں اللہ نے پہنچا دیا تھا مدرسہ عربی نجم المدارس کلاچی اپنی مادر علمی تھی ان اکابر اساتذہ سے ان کے خاندانی بزرگوں کی مہر وغیرہ کے بارے میں لطائف سنا کرتا تھا۔ مثلاً فرماتے ہمارے ایک خاندانی بزرگ قاضی محمد اکرم کی مہر پر جوہر الفاظ کندہ تھے وہ یہ تھے ”در ہر دو جہان است محمد اکرم“ قاضی صاحبان کے جدا مجد جو تین سو سال قبل

کلاچی تشریف لائے تھے کا نام ”اصل دین“ تھا مہر پر یہ الفاظ کندہ تھے ”زود شہادتین احمد اصل دین است“ ان کے ایک اور خاندانی بزرگ کا نام احمد تھا، ان کی مہر پر یہ مصرع نقش تھا ”دارو امید شفاعت ز محمد احمد“ ان ہی ایام میں انہی اساتذہ کرام سے یہ بھی سنا تھا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی مہر کے الفاظ ”از گروہ اولیاء اشرف علی“ تھے اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی کی مہر کا نقش ”الہی عاقبت محمود گرواں“ تھا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں احقر بھی اپنے اساتذہ کے ساتھ پابند سلاسل تھا سنٹرل جیل ڈی آئی خان ہمارا مسکن تھی ایک روز صبح کی نماز کے بعد حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب مدظلہ کا بیان تھا فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ کی انگٹھی پر جس مفہوم کا نقش کندہ تھا اس کا مضمون کسی نے فارسی میں منظوم کیا ہے اور بہت خوب ہے۔

دیدہ کہ در نگین سلیمان چہ نقش بود

خطے بہ زر نوشتہ کہ این نیز بگردد

بچپن کا لاشعوری دور تھا طالب علمی کے بالکل ابتدائی سال تھے مہر کیا ہوتی ہے؟ مصرع کسے کہتے ہیں؟ ان فارسی مصرعوں کا معنی کیا ہوتا ہے؟ ان امور سے کیا غرض تھی؟ بس بات اتنی تھی کہ اساتذہ کرام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جس انداز سے مزے لے لے کر انہوں نے بیان فرمائے زمانہ طالب علمی کی لاشعوری عمر میں دل و دماغ نے وہ لے لئے اساتذہ کا وہ انداز ہی اتنا پیارا تھا کہ تب سے اب تک یاد ہے۔ بعض اوقات اکابر اساتذہ اور بزرگوں کی نقل میں بھی برکت ہوتی ہے اور آج اس کی یہ برکت ظاہر ہو رہی ہے کہ مشاہیر اہل اسلام کی مہر اور انگٹھیوں سے متعلق جستجو ہوئی اور علوم و معارف کے نئے نئے خزانے سامنے آئے اور سب سے بڑی برکت یہ ظاہر ہو رہی ہے کہ اس کا تب الحروف کو اللہ کریم نے مہر نبوت اور شمائل نبوی پر قلم اٹھانے کی توفیق ارزانی فرمائی۔

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھوائے جاتے ہیں

بہر حال مشاہیر کی انگٹھیوں کے جو نقش مل سکے نذر قارئین ہیں۔

بعض شارحین حدیث نے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی انگٹھی پر یہ الفاظ درج

تھے ”کفی بالموت واعطاء“ حضرت علیؓ کی انگٹھی پر ”لله الملك“ حضرت حذیفہؓ کی انگٹھی پر ”الحمد لله“ امام باقرؑ کی انگٹھی پر ”العزة لله“ امام نجفیؑ کی انگٹھی پر ”الثقة بالله“ حضرت مسروقؑ کی انگٹھی پر ”بسم الله“ حضرت آدمؑ کی انگٹھی پر ”لا اله الا الله محمد رسول الله“ حضرت موسیٰؑ کی انگٹھی پر ”لکل اجل کتاب“ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگٹھی پر ”انا الله لا اله الا انا محمد عبدی ورسولی“ کے الفاظ کندہ تھے (ملخصاً از مواہب ۸۸)

مگر یہ ملحوظ رہے کہ ان روایات کی حیثیت تفسیری اور تاریخی روایات کی ہے ان میں کوئی بھی چیز مرفوع روایت سے ثابت نہیں ہے۔

(۸۴/۱) حَلَسْنَا قَتِيْبَةَ بَنِي سَعِيْدٍ وَغَيْرِ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ خَاتِمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرَقٍ وَكَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا.

ترجمہ! ہمیں قتیبہ بن سعید اور دوسرے بہت سے اساتذہ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبد اللہ بن وہب سے بیان کی، انہوں نے یونس سے، انہوں نے ابن شہاب سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔

راوی حدیث (۲۳۵) عبد اللہ بن وہبؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامک ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں

انگٹھی اور اس کا نگینہ:

کان خاتم النبى صلى الله عليه وسلم من ورق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگٹھی مبارک چاندی کی تھی جب ورق (نفتح الرءاء) بولا جائے مراد درخت کا پتہ اور (بکسر الرءاء) پڑھا جائے تو مراد چاندی ہے ای فصۃ وفي الاصل النقرة المضروبة وقيل النقرة مطلقاً مضروبة اولاً (خصائل) (ورق بکسر راء کا معنی چاندی اور اصل میں چاندی مضروبہ (عمل شدہ) کو کہتے ہیں۔ اور بعض نے مطلقاً چاندی کو کہا ہے چاہے مضروبہ ہو یا نہ ہو) وکان فصۃ حبشیا انگٹھی کا نگینہ حبشی تھا فص کی ف پر فتح زیادہ فصیح ہے



ضمہ اور کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاسکتا ہے مگر غیر اولیٰ اور غیر فصح ہے۔ حبشیا میں یائے نسبت ہے والمراد بالفصّ هنا ما ينقش عليه اسم صاحبه (مواہب ص ۸۶) (یہاں فص سے مراد وہ نگینہ ہے جس پر اس کے مالک کا نام کندہ کیا گیا ہو) نگینہ کو حبش کی طرف منسوب کرنے کی مختلف تو جیہات کی گئی ہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں ای حجر منسوب الى الحبش وقيل كان فصه عقيقا (جمع ص ۱۶۹) یا مراد یہ ہے کہ چونکہ وہ حبشہ سے لایا گیا تھا اس لئے اسے حبشی کہا گیا حبشیوں کی طرح اس کا رنگ بھی کالا تھا ای احمر یمیل الى السواد (مناوی ص ۱۶۶) یا اس کے صنایع یعنی بنانے والے حبشی تھے یا اس کا نقش تیار کرنے والا حبشی تھا یا اس کی کانٹ چھانٹ اور بناوٹ حبشی صفت کے مطابق ہوئی تھی۔ ومعنى حبشيا جنس به من الحبشة او كان اسود لون الحبشة او صانعه او صانع نقشه من الحبشة (جمع ص ۱۷۰) (اور نگینہ کے حبشی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ حبشہ سے لایا گیا تھا یا اس کے حبشیوں کی طرح اس کا رنگ بھی کالا تھا۔ یا اس کے بنانے والا حبشی تھا یا اس کا نقش تیار کرنے والا حبشی تھا) وذهب السيوطي الى ان الحبشي هو نوع من الزبرجد يكون ببلاد الحبشة لونه مائل الى الخضرة قالوا من خواصه انه يجلوا العين (اتحافات ص ۱۳۱) (اور علامہ سیوطی کا خیال ہے کہ فص حبشی زبرجد (پتھر) کی ایک قسم ہے جو حبشہ کے ملک میں ہوتی ہے)۔

خلاصہ یہ کہ حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ کی انگوٹھی مبارک چاندی سے بنی ہوئی تھی اور اس کا نگینہ عمدہ اور اعلیٰ قسم کا پتھر تھا اس کے بعد تیسری حدیث میں فصہ منہ کی بھی تصریح آئی ہے یعنی انگوٹھی کا نگینہ اسی جنس سے بھی ہو سکتا ہے جس سے انگوٹھی بنائی گئی ہے جس کی مزید تفصیل و تشریح اور مکمل توضیح باب ہذا کی تیسری حدیث کے ذیل میں کر دی جائے گی انشاء اللہ۔

واما ما روى في التخمم بالعقيق من انه ينفي الفقر وانه مبارك وان من تحتهم به لم يزل في خير فكلها غير ثابتة على ما ذكره الحفاظ وفي خبر ضعيف ان التخمم بالياقوت الاصفر يمنع الطاعون (جمع ص ۱۷۰) (اور وہ جو مروی ہے کہ عقیق کے نگینہ والی انگوٹھی پہننا فقر و افلاس کو دور کر دیتی ہے اور یہ بڑی مبارک ہے اور جو کوئی بھی اس کی انگوٹھی پہنے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ خیر و برکت میں رہے گا یہ سب حفاظ حدیث کے نزدیک غیر ثابت شدہ باتیں ہیں اور ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ پیلے یا قوت کی انگوٹھی

پہننا طاعون کور وکتا ہے)

(۸۵/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بَشِيرٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِصَّةٍ فَكَانَ يَخْتَمُ بِهِ وَلَا يَلْبَسُهُ قَالَ أَبُو عَيْسَى أَبُو بَشِيرٍ اسْمُهُ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي وَحْشِيَّةٍ.

ترجمہ! ہمیں قتیبہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابو عوانہ نے خبر دی 'انہوں نے ابو بشر سے روایت نقل کی اور انہوں نے نافع سے۔ وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی اس سے خطوط وغیرہ پر مہر فرماتے تھے پہنتے نہیں تھے۔

راویان حدیث (۲۳۶) ابو عوانہؒ اور (۲۳۷) ابو بشرؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامک ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### انگوٹھی پہننے میں معمول مبارک:

اتخذ خاتماً... حدیث میں تصریح ہے کہ آپؐ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی غرض مہر لگوانی تھی ولا یلبسہ اور اکثر اسے پہنا نہیں کرتے تھے ای ولا یلبسہ دائماً بل غباءً (منای ص ۱۷۱) (یعنی حضور اقدس ﷺ اس کو ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی بکھار پہنا کرتے) اس کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں تصریح ہے کہ انہ کان یلبسہ فی یمینہ دوسری حدیث میں ہے اذا دخل الخلاء نزع خاتمه تیسری حدیث میں ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتختم فی یسارہ (رواہ ابو داؤد) اور یہ بھی مدلول معلوم ہے جیسا کہ شارحین نے تصریح بھی کی ہے کہ آپؐ کی دو انگوٹھیاں تھیں ایک اسلئے تھی کہ اس سے تحریروں اور دعوتی خطوط پر مہر لگاتے تھے۔ وکان لا یلبسہ والثانی کان یلبسہ لیقتدی بہ فیہ (منای ص ۱۷۱) (اور حضور اقدس ﷺ اس کو) (یعنی جو انگوٹھی مہر کے لئے بنوائی گئی تھی) نہیں پہنتے تھے اور دوسری کو اس لئے پہنتے تھے کہ اس کے پہننے میں اس کی اتباع کی جائے (مہر لگوانے کے لئے آپؐ نے انگوٹھی ہجرت

کے ساتویں سال بنوائی اسلئے کہ انہی سنیں میں آپؐ نے بادشاہوں کے نام اپنے مہر شدہ مکتوبات بھیجے۔ علامہ اللیجوریؒ فرماتے ہیں قال ابن العربی وکان قبل ذلک اذا کتب کتاباً ختمه بظفره (مواہب ص ۸۷) (ابن العربیؒ فرماتے ہیں اور اس سے پہلے (یعنی جبکہ انگوٹھی نہیں بنوائی تھی) جب کوئی خط لکھتے تو اس کو اپنے ناخن سے مہر کر دیتے تھے)

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں والمراد انه لا یلبسه علی سبیل الاستمرار واللوام بل فی بعض الاوقات ضرورة الاحتیاج الیه للتختم به کما هو مصرح به فی بعض الاحادیث (جمع ص ۱۷۱) (اور مقصد یہ ہے کہ آپؐ انگوٹھی کو ہمیشہ اور دائمی طور پر استعمال نہیں فرماتے تھے بلکہ حسب ضرورت بعض اوقات مہر لگانے کے لئے اس کو استعمال میں لاتے تھے جیسے کہ اس کی تصریح بعض احادیث میں ہے)

## ایک تعارض کا دفعیہ:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ روایات بالا سے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انگوٹھی پہننا دونوں ہاتھوں میں ثابت ہو رہا ہے جو بظاہر متعارض ہیں حاشیہ مشکوٰۃ شریف میں مرقاۃ سے منقول ہے کہ لا تعارض بینہما لجواز انه فعل الامرین فکان یتختم فی الیمنی مرة وفی الیسری اخرى حسب ما اتفق ولیس فی شنی منهما ما یدل علی المداومة صریحا والاصرار علی واحد منهما کذا قال القاضی قلت وقد صرح البیهقی بان التختم فی الیمین منسوخ وخرج ابن عدی وغیره انه صلی اللہ علیہ وسلم یتختم فی یمینہ ثم حوله فی یسارہ فکان من فعل خلافہ لم یصل الیه النسخ واقلہ ان یقال التختم فی الیسری افضل کما هو الصحیح من ملہنا لانه ابعد من الاعجاب والزہو لجعل فصہ مما یلی کفہ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۷۸) (ان دو باتوں (یعنی دائیں اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے) میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ آپؐ نے دونوں کام کیے ہوں کہ کبھی دائیں ہاتھ اور کبھی بائیں ہاتھ میں حسب اتفاق پہنی ہوں کیونکہ احادیث میں کہیں یہ تصریح موجود نہیں کہ آپؐ نے کسی ایک ہاتھ میں انگوٹھی پہننے پر مداومت یا اصرار کیا ہو۔ اسی طرح قاضی نے فرمایا (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں)

کہ میں کہتا ہوں کہ امام بیہقیؒ نے تصریح کی ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا منسوخ ہے اور امام بن عدیؒ وغیرہ نے تخریج کی ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے پھر اس سے تبدیل کر کے بائیں ہاتھ میں استعمال شروع کر دیا گویا جو شخص آپؐ کے اس فعل کے خلاف عمل کرتا ہے (یعنی دائیں ہاتھ میں استعمال کرتا ہے) اس تک اس کا منسوخ ہونا نہیں پہنچا ہوگا۔ اس سے کم از کم یہ کہا جاسکتا ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا افضل ہے جیسے کہ ہمارے مذہب میں صحیح یہی ہے اس لئے کہ یہ صورت فخر و تکبر اور بڑائی کے اظہار سے زیادہ بعید ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کرے گا۔

### انگوٹھی کے نہ پہننے میں حکمت:

باقی رہا یہ سوال کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی نہ پہننے میں راز اور حکمت کیا تھی۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں (۱) شاید اس میں راز اظہار تواضع و ترک الاراءۃ والکبر ہے کیونکہ انگوٹھی پہننا اور مہر لگانا تکبر و خیلاء کے لئے ناشی ہے (جمع ص ۱۷۱)

### مردوں کے لئے سونا چاندی کے استعمال کا حکم:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پوری امت کے لئے نمونہ اور رحمت ہے مردوں کے لئے سونے چاندی لوہے اور تانبے کی انگوٹھیاں پہننا، تکبر، غرور، ریا اور رعونت کا باعث ہیں لہذا ان افعال ذمہ سے بچنے کے لئے آپؐ نے امت کو ان کے استعمال سے منع فرمایا۔ شرح وقایہ کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ ”مرد کو زیور چاندی اور سونے کا پہننا حرام ہے۔“

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ آپؐ نے دائیں ہاتھ میں سونا اور بائیں ہاتھ میں حریر (ریشم) لیا اور فرمایا کہ میری امت کے مردوں پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں (ابوداؤد)

### انگوٹھی کس دھات سے ہونی چاہئے:

علامہ یوسف نبھانیؒ نقل فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر

ہوا اس نے پتھر کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب پتھروں سے بت بنائے جاتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ارشاد فرمایا مالی اجد منک ریح الاصلنام (مجھے تو آپ سے بتوں کی بدبو آ رہی ہے) اس شخص نے وہ انگوٹھی اتار کر پھینک دی کچھ روز بعد پھر آیا اس وقت اس نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالی اری علیک حلیۃ اهل النار (میں تو تجھے یردہ زخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں) یہ تو اہل دوزخ کا زیور ہے اس نے اس انگوٹھی کو بھی اتار کر پھینک دیا اور من کی یا رسول اللہ! کس چیز کی انگوٹھی پہنوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چاندی کی ٹکرایک مشقال سے زیادہ وزنی نہ ہو (وسائل الوصول الی شامل الرسول)۔

(۸۶/۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيلَانَ أَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عُيَيْدٍ هُوَ الطَّنَافِئِيُّ أَخْبَرَنَا زُهَيْرٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِصَّةٍ فِصَّةٍ مِنْهُ . ترجمہ! ہمیں محمود بن غیلان نے بیان کیا ان کے پاس حفص بن عمر بن عبید نے یہ روایت بیان کی جو دریاں بنانے والے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ابویثمہ زہیر نے حمید کے حوالے سے بیان کی انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالک سے اخذ کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا ٹکینہ بھی اس ہی کا تھا۔  
راوی حدیث (۲۳۸) حفص بن عمر بن عبید الطنافسی کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### فصہ منہ کی تشریح:

قال كان خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم من فِصَّةٍ فِصَّةٍ مِنْهُ مِنْ تَبْعِيضٍ كَلِّهِ هِ اَوْ ضَمِيرِ خَاتَمٍ كِي طَرَفٍ رَاجِعٍ هِ اِي فَصِّهِ بَعْضِ الْخَاتَمِ بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَ حَجْرًا فَانَّهُ مُنْفَصِلٌ عَنْهُ مُجَاوِرٌ لَهُ (جمع ص ۱۷۲) (یعنی اس کا ٹکینہ اسی انگوٹھی کے جنس ہی کا حصہ تھا) (یعنی چاندی کا تھا) بخلاف اس کے کہ اگر کسی پتھر کا ہوتا تو اس سورت میں اس سے جدا ہوتا اور بطور مجاورت کے اس میں

رکھا گیا ہوتا) فصہ منہ یعنی اس کا نگینہ بھی اسی کا تھا شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں ای فصہ من بعضہ لا انہ حجر منفصل عنہ مجاور لہ (مناوی ص ۱۷۲) (یعنی اس کا نگینہ انگوٹھی کا ایک حصہ تھا نہ کہ وہ کوئی پتھر سے تھا کہ پہلے علیحدہ تھا اور اب اس میں رکھا گیا) ابوداؤد کی روایت ہے من فصۃ کللہ یعنی پوری کی پوری انگوٹھی چاندی کی تھی دونوں روایات میں تطبیق اس سے قبل بھی عرض کر دی گئی ہے کہ آپ کے پاس دو انگوٹھیاں تھیں ایک حبشی نگینہ والی اس سے مھر کا کام لیا جاتا تھا یہ معقیب کے پاس ہوتی تھی۔ دوسری انگوٹھی صرف چاندی کی تھی جسے آپ کبھی کبھار استعمال فرماتے ہوئے نہ پہنتے اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔

(۲) نگینہ کا موضع چاندی کا تھا نہ خود نگینہ وقیل معنی کونہ فصہ منہ ان موضع فصہ منہ فلا ینافی کون فصہ حجراً (مرفاۃ بحوالہ حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۷۸) (بعض حضرات اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ نگینہ کے رکھنے کی جگہ اس سے (چاندی) سے تھی (نہ کہ نگینہ) تو اس صورت میں یہ اس کے منافی نہ ہوگا کہ نگینہ سی پتھر کا ہو)

شیخ عبدالرؤف نے اپنی شرح میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل خاتمہ فی یمینہ ثم انہ نظر الیہ وهو یصلی ویدہ علی فخذہ فترعہ ولم یلبسہ (مناوی ص ۱۷۰) (کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے اپنی انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنی پھر اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جبکہ آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک ران پر تھا تو اس کو نکال دیا اور نہیں پہنا)

### مختلف روایات میں تطبیق:

انگوٹھی کے بارے میں متعدد اور مختلف روایات منقول ہیں۔ (۱) حلقہ اور نگینہ دونوں چاندی کے نہ تھے (۲) دونوں چاندی کے تھے (۳) ابوداؤد کی روایت خاتم من حدید اور اس پر فضہ کا خول چڑھا ہوا تھا (۴) سونے کی انگوٹھی بھی بنوائی تھی پھر اسے پھینک دیا اور چاندی کی بنوائی۔

صفات استعمال میں بھی اختلاف ہے (۱) دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے (۲) بعض روایات میں ہے کہ بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے (۳) خلاء کے وقت نکالتے تھے (۴) لا یلبسہ یعنی نہیں پہنتے تھے۔

(۵) ابوداؤد میں ہے خود نہیں بنوائی بلکہ حضرت عمرؓ سے مستعار لی (۶) حضرت خالدؓ سے لی۔

شاریحین تطبیق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ اوائل میں جب ضرورت پیش آئی تو حضرات صحابہؓ سے مستعار لی اور جب ضرورت شدید ہوئی تو بیتل اور پھر لوہے سے بنوائی پھر جب اسے اہل ناز کا زیور قرار دیا گیا تو آپؐ نے اسے ترک فرمایا اور سونے کی انگوٹھی بنوائی جب مردوں کے لئے سونے کے استعمال کی ممانعت آئی تو آپؐ نے اسے بھی چھوڑ دیا اور چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔

### ایک روایت میں انگوٹھی کی اجمالی تاریخ:

قال دخل عمرو بن سعيد بن العاص حين قدم من الحبشة على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما هذا الخاتم في يدك يا عمرو قال هذه حلقة يا رسول الله قال فما نقشها قال محمد رسول الله قال فاخذه رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان في يده حتى قبض ثم في يد ابي بكر حتى قبض ثم في يد عمر حتى قبض ثم لبسه عثمان فبينما هو يحضر بئر ا لاهل المدينة يقال لها بئر اريس فبينما هو جالس على شفتها يأمر بحفرها سقط الخاتم في البئر وكان عثمان يكثر اخراج خاتمه من يده وادخاله فالتمسوه فلم يقدروا عليه فيحتمل ان هذا الخاتم هو الذي كان فمه حبشياً حيث اتى به من الحبشة . (جمع ص ۱۷۲) (حضرت عمرو بن سعيدؓ جب حبشہ سے آئے تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا اے عمرو! تیرے ہاتھ میں یہ کیسے انگوٹھی ہے اس نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ ایک حلقہ (گول چیز) ہے آپؐ نے فرمایا کہ اس کا نقش کیا ہے عمروؓ نے عرض کیا کہ ”محمد رسول اللہ“ حضور ﷺ نے ان سے وہ انگوٹھی لے لی اور آپؐ کے پاس ان کی وفات مبارک تک رہی پھر حضرت ابو بکرؓ کے پاس اس کی وفات تک پھر حضرت عمرؓ کے پاس اس کی وفات تک پھر اس کو حضرت عثمانؓ نے پہنا پس اس دوران جبکہ آپؐ مدینہ والوں کے لئے کنواں کھدوا رہے تھے جسے بئر اریس کہا جاتا تھا تو آپؐ کنویں کے کنارے بیٹھے اس کی کھدوائی کا حکم کر رہے تھے کہ اچانک وہی انگوٹھی کنویں میں گر گئی ادھر حضرت عثمانؓ کی عادت تھی کہ انگوٹھی پہنتے اور نکالتے تھے پس اس کو بہت تلاش کیا لیکن وہ نہ ملی۔ تو اس انگوٹھی کے متعلق یہ احتمال ہے کہ یہ وہی انگوٹھی تھی جس کا نگینہ حبشی تھا کیونکہ

یہ عمرو بن سعید نے حبشہ سے لائی تھی)

بشر ادیس مدینہ منورہ اور قبا کے درمیان ایک کنواں ہے بعض روایات میں ہے کہ وہ کنواں خراب ہو گیا تھا حضرت عثمانؓ اس کی مرمت کرا رہے تھے من پر بیٹھے تھے کہ وہ انگوٹھی ان سے کنویں میں گر گئی اور بعض روایات میں ہے کہ ان کے غلام معقیبؓ سے گر پڑی یہ انگوٹھی حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے دور سے چلی آرہی تھی وہ اس کی حفاظت کرتے تھے اور مھر لگاتے وقت ان سے طلب کر لی جاتی تھی بظاہر صورت یہ پیش آئی ہوگی کہ انگوٹھی معقیبؓ محافظ کے ہاتھ میں تھی اور وہ بھی کنویں کے کنارے (من) پر بیٹھے تھے ایک ادھر ایک ادھر ایک دوسرے کو لیتے دیتے گر گئی ہوگی۔

(۸۷/۴) حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ قِيلَ لَهُ إِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا فَكَانَتِي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي كَفِّهِ

ترجمہ! ہمیں اسحق بن منصور نے بیان کیا۔ ان کو معاذ بن ہشام نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے قتادہ کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے اس حدیث کی سماعت حضرت انس بن مالکؓ (خادم رسول) سے کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہل عجم کو تبلیغی خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ عجم بغیر مہر والے خطوط کو قبول نہیں کرتے۔ اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی جس کی سفیدی اب گویا میری نظروں کے سامنے پھر رہی ہے۔

امراء عجم کو دعوتی خطوط:

قال لما اراد رسول الله صلى الله عليه وسلم... والمراد بالعجم ما عدا العرب فيشمل الروم وغيرهم (مواهب ص ۸۷) (یعنی عجم سے مراد عرب کے علاوہ سب ملک مراد ہیں اس لئے روم وغیرہ سب کو شامل ہو گئے) عجمی بادشاہوں کو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعوتی) خطوط لکھنے کا



ارادہ فرمایا یہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد ہجرت کے چھٹے یا ساتویں سال کا قصہ ہے تو آپؐ نے مختلف سربراہان ممالک کو دعوتی خطوط تحریر فرمائے ملک فارس کے حکمران (کسریٰ) کو عبد اللہ بن حذافہ سمیٰ خط لے کر گئے روم کے حکمران ہرقل یعنی قیصر کے نام حضرت وحیہ کلبی خط لے کر گئے اور حبشہ کے حکمران اصحمتہ یعنی نجاشی کے نام عمرو بن امیہ الضمریٰ خط لے کر گئے۔ واول من ارسل الکتاب وختمها سیدنا سلیمان حین ارسل کتابه الی بلقیس (اتحافات ص ۱۳۴) (پہلا وہ شخص جس نے خطوط مہر شدہ بھیجے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں جبکہ اس نے اپنا خط ملکہ بلقیس کو بھیجا)

### مہر بنوانے کا مشورہ:

قیل له ان العجم لا یقبلون ... یعنی وہ لوگ بغیر مہر کے خطوط دستاویزات کو توجہ و اعتماد کی حیثیت نہیں دیتے اور جس خط پر مہر ہو وہ اسے قابل احترام اور لائق توجہ سمجھتے ہیں۔

فاصطنع خاتما فالترکیب علی حد قولہم بنی الامیر المدینۃ والصانع کان یعلی بن امیہ (مواہب ص ۸۷) (پس آپؐ نے انگوٹھی بنوائی تو یہاں فاصطنع خاتما کی ترکیب اور عبارت عرب کے محاورہ بنی الامیر المدینۃ جیسے ہوئی (یعنی نسبت الی الامر کے قبیل سے ہوئی) اور حضور ﷺ کے انگوٹھی بنانے والے یعلیٰ بن امیہ تھے) تو حضور اقدس نے ان کا مشورہ قبول فرمایا ویدل علی حسن استماع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لمشورۃ اصحابہ وتنفیذھا فوراً فیما یعود علی الاسلام من نفع کبیر او صغیر (اتحافات ص ۱۳۴) (حدیث مذکور اس پر دلالت کر رہی ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کے مشورہ کو اچھی طرح سنتے اور اس میں دین اسلام کا تھوڑا بہت نفع بھی ہوتا تو فوراً اس پر عمل کرتے ہوئے نافذ فرمادیتے) اور اپنے نام مبارک کی انگوٹھی بنوائی جس کی سعادت حضرت یعلیٰ بن امیہ کے حصہ میں آئی۔ دارقطنی میں ہے کہ یعلیٰ بن امیہ نے فرمایا انا صنعت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتما لم یشرکنی فیہ احد نقشت فیہ محمد رسول اللہ (کہ میں نے حضور ﷺ کے لئے انگوٹھی بنائی اس کے بنانے میں میرے ساتھ کوئی شریک نہ تھا اس میں ”محمد رسول اللہ“ کا نقش میں نے بنایا۔

شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں وفيہ ندب معاشرۃ الناس بما یحبون وترک ما یکرہون واستیلاف

العلو بما لا يضرو ولا محذور فيه شرعاً (منلوی ص ۱۷۴) (اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ان چیزوں میں جو کہ وہ پسند کرتے ہیں اور چھوڑنا ان کی ناپسندیدہ چیزوں کو اور دشمن کے ساتھ نرمی اور محبت کا ایسا برتاؤ جس میں نہ دین کا نقصان اور نہ کوئی خلاف شرع بات ہو مستحب ہے)

### حضرت انسؓ کا اتقان اور کمال استحضار:

فکسانی انظر الی بیاضہ فی کفہ حضرت انسؓ کے دل و دماغ اور اتقان و استحضار اور خلوص و محبت کا کیا کہیے گویا اس وقت بھی وہ سفیدی ان کی نگاہوں میں جلوہ آ رہا ہے۔

علامہ اللیجوریؒ فرماتے ہیں وفی ہذا اشارۃ الی کمال اتقانه واستحضاره لہذا الخبر حال الحکایۃ کانہ یخبر عن مشاہدۃ (مواہب ص ۸۷) (اور اس میں اشارہ ہے کہ حکایت کرتے وقت بھی وہ خبر اور حدیث اس کو متحضر اور یاد ہے گویا وہ بالکل مشاہدہ کر کے خبر دے رہا ہے) اس روایت سے یہ بھی واضح ہے کہ وہ انگوٹھی تمام کی تمام چاندی سے تھی۔

### تنبیہ:

ہذا الحدیث رواہ جمع منهم ابن عدی عن ابن عباس باتم من ہذا ولفظہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یکتب کتاباً الی الاعاجم یدعوہم الی اللہ تعالیٰ فقال رجل یا رسول اللہ! انہم لا یقبلون الا کتاباً محتوماً فامر ان یعمل لہ خاتم من حلید فجعلہ فی اصبعہ فاتاہ جبریل فقال انبذہ من اصبعک فنبذہ من اصبعہ وامر بخاتم آخر یصاغ لہ فعمل لہ خاتم من نحاس فجعلہ فی اصبعہ فقال لہ جبریل انبذہ فنبذہ وامر بخاتم آخر یصاغ لہ من ورق فجعلہ فی اصبعہ فافقرہ جبریل (منلوی ص ۱۷۴) (یہ حدیث ایک بڑی جماعت سے مروی ہے جن میں سے ابن عدیؒ نے ابن عباسؓ کے حوالے سے اسے ذرا مفصل بیان کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ نے عجمی بادشاہوں کو خطوط لکھنے کا ارادہ کیا جس میں ان کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینا مقصود تھا تو ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! کہ وہ لوگ بغیر مہر کے خطوط قبول نہیں کرتے آپؐ نے لوہے کے انگوٹھی بنانے کا

حکم فرمایا پھر اس کو اپنی انگلی مبارک میں پہنا پس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اپنی انگلی سے نکال کر پھینک دے آپؐ نے تعملاً وہ پھینک دی اور فرمایا کہ دوسری انگٹھی تیار کی جائے پھر آپؐ کے لئے تانبے کی انگٹھی بنائی گئی آپؐ نے اپنی انگلی میں پہنی پھر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اس کو بھی پھینک دے آپؐ نے اس کو بھی پھینک دیا اور ایک اور انگٹھی چاندی کی بنانے کا حکم فرمایا پھر اس کو اپنی انگلی مبارک میں پہنا حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے برقرار رکھا

(۸۸/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ نَقَشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُولُ سَطْرٌ وَاللَّهُ سَطْرٌ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن یحییٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو محمد بن عبد اللہ انصاری نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے ثمامہ کے حوالے سے بیان کی اور انہوں نے یہ حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگٹھی کا نقش محمد رسول اللہ تھا اس طرح پر کہ محمد ایک سطر میں تھا رسول دوسری سطر میں لفظ اللہ تیسری سطر میں۔

راویان حدیث (۲۳۹) محمد بن عبد اللہ الانصاری (۲۵۰) ابی یعنی عبد اللہ بن المثنیٰ اور (۲۵۱) ثمامہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### نقش مہر ختم نبوت:

قال كان نقش خاتم النبي صلى الله عليه وسلم ....

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ظاہر روایۃ البخاری ان محمد فی السطر الاول ورسول فی السطر الثانی ولفظ الجلالة فی السطر الثالث (اتحافات ص ۱۳۵) بخاری شریف کی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ”محمد“ پہلی سطر میں اور لفظ ”رسول“ دوسری سطر میں اور لفظ ”اللہ“ تیسری سطر میں

محدث شہیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مہر نبویؐ

کی صورت اللہ  
رسول  
محمد کی تھی کہ اللہ کا نام سب سے اوپر تھا مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ ظاہر الفاظ سے محمد  
رسول  
اللہ معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

(۸۹/۶) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ أَبُو عَمْرٍ وَ أَبَانَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ قَسَاةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى كَسْرَى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيلَ لَهُ إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابًا إِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلَقْتُهُ فِصَّةً وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ..

ترجمہ! ہمیں نصر بن علی الجہضمی ابو عمرو نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس روایت کی خبر نوح بن قیس نے خالد بن قیس کے حوالے سے دی انہوں نے یہ حدیث قتادہ سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انسؓ سے سنی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کے پاس تبلیغی خطوط لکھنے کا قصد فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور یہ لوگ بدون مہر کے خطوط کو قبول نہیں کرتے اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہر بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور اس میں محمد رسول اللہ منقوش تھا۔

راویان حدیث (۲۵۲) نصر بن علی الجہضمیؒ (۲۵۳) نوح بن قیسؒ اور (۲۵۴) خالد بن قیسؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**کسریٰ، قیصر اور نجاشی کو دعوتی خطوط:**

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی کسریٰ و قیصر و النجاشی ....  
کسریٰ ملک فارس کے بادشاہ کا لقب ہے اور قیصر ملک روم کے اور نجاشی ملک حبشہ کے بادشاہ کا۔

کسری شاہ فارس کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا والا نامہ عبد اللہ بن حذافہ سہمی کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا کسری نے آپ کے والا نامہ مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر بدعا فرمائی کہ حق تعالیٰ جل شانہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے فرما دے چنانچہ ایسا ہی ہوا شاہ روم کے پاس دجیہ کلی کے ہاتھ گرامی نامہ اقدس ارسال ہوا۔ وہ باوجود یقین نبوت کے ایمان نہیں لایا۔ نجاشی شاہ حبشہ کے پاس عمرو بن امیہ ضمیری کے ہاتھ خط لکھا جیسا کہ مواہب لدنیہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے یہ وہ نجاشی نہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے جن پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الجنازہ پڑھی۔ یہ اور نجاشی ہیں ان کے اسلام کا حال جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے معلوم نہیں ہوا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ جات تو متعدد ہیں جو کتب سیر و حدیث میں مفصل مذکور ہیں۔ گرامی نامہ جات کو بعض لوگوں نے مستقل تصانیف میں جمع بھی کر دیا ہے حدیث بالا میں تین والا نامہ جات کا ذکر ہے جن کا مختصر ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

### مکتوب مبارک کسریؒ پر ویز کے نام:

ایک والا نامہ کسری کے نام ہے فارس کے ہر بادشاہ کا لقب کسری ہوتا تھا اس کسری کا نام پرویز تھا جو نو شیر و اس کا پوتا تھا والا نامہ کا مضمون حسب ذیل تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی کسری عظیم فارس سلام علی من اتبع الهدی وامن باللہ ورسولہ وشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمد عبده ورسولہ ادعوک بدعاۃ اللہ فانی انا رسول اللہ الی الناس كافة لینذر من کان حیا و یحق القول علی الکافرین اسلم تسلم فان تولیت فان علیک اثم المجوس (زر قانی)

ترجمہ! بسم اللہ الرحمن الرحیم کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسری کے نام جو فارس کا بڑا اور سردار ہے (سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو ہدایت اختیار کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں میں تجھ کو اللہ کی پکار (یعنی کلمہ شریف) کی دعوت

دیتا ہوں اسلئے کہ میں اللہ کا وہ رسول ہوں جو تمام جہان کی طرف اسلئے بھیجا گیا ہے کہ ان لوگوں کو ڈرائے جن کے دل زندہ ہیں (یعنی ان میں کچھ عقل ہے کہ بے عقل آدمی بمنزلہ مردہ کے ہے) اور تاکہ اللہ کی حجت کافروں پر پوری ہو جائے (اور کل قیامت میں یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم کو علم نہ ہو سکا) تو اسلام لے آ۔ تاکہ سلامتی سے رہے ورنہ تیرے اتباع مجوس کا بھی وبال تجھ پر ہوگا کہ وہ تیری اقتدار میں گمراہ ہو رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو یہ خط دیکر روانہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ کسریٰ کا گورنر جو بحرین میں رہتا ہے اس کے ذریعہ سے کسریٰ تک پہنچا دیں چنانچہ اسی ذریعہ سے وہاں تک خط لیکر پہنچے کسریٰ نے یہ والا نامہ پڑھوا کر سنا اور اس کو چاک کر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ حضورؐ کو اس کا علم ہوا تو حضورؐ نے اس کے لئے بددعا فرمائی اور اس کے بیٹے شیرویہ نے بری طرح سے اس کو قتل کیا جس کا قصہ کتب تواریخ میں مذکور ہے۔

### مکتوب مبارک شاہِ روم قیصر کے نام:

دوسرا والا نامہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے قیصر کے نام تھا جو روم کا بادشاہ تھا اس کا نام مؤرخین کے نزدیک ہرقل تھا یہ والا نامہ حضرت دجیہ کلبیؓ کے ہاتھ بھیجا گیا مسلمان تو قیصر بھی نہیں ہوا لیکن حضور اقدسؐ کے والا نامہ کو نہایت اعزاز و اکرام سے رکھا حضورؐ کو جب ان دونوں واقعات کا علم ہوا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کسریٰ نے اپنے ملک کے ٹکڑے کر لئے اور قیصر نے اپنے ملک کی حفاظت کر لی اس والا نامہ کا مضمون حسب ذیل تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ہرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فانی ادعوک بدعاۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثما الیریسین ویا اهل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضا ربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون .  
(بخاری اعلام السائلین) (یا اہل الکتاب سے اخیر تک قرآن پاک کا مضمون ہے جو سورہ آل عمران

(کے چھٹے رکوع میں ہے)

ترجمہ! بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ہر قل کی طرف جو روم کا بڑا (اور سردار) ہے سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو ہدایت اختیار کرے حمد و صلوٰۃ کے بعد میں تجھ کو اسلام کے کلمہ (یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی طرف دعوت دیتا ہوں تو اسلام لے آتا کہ سلامتی سے رہو اور حق تعالیٰ جل شانہ دوہرا اجر تجھ کو عطا فرمائے

(کہ اہل کتاب کے لئے دوہرا اجر ہے جیسا کہ قرآن پاک میں سورہ حدید کے ختم پر اس کا ذکر ہے) اور اگر تو روگردانی کرے گا تو تیرے ماتحت زراعت پیشہ لوگوں کا وبال بھی تجھ پر ہوگا اے اہل کتاب آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ توحید ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائے (جیسا کہ احبار اور رحبان کو بنایا جاتا تھا اور اگر اس کے بعد بھی اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانو! تم ان سے کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں) ہم تو اپنے مسلک دین اسلام کا صاف اعلان کرتے ہیں اب تم جانو اور تمہارا کام)

حضرت دجیہ جب اس والا نامہ کو لیکر گئے اور قیصر کے سامنے پڑھا گیا تو اس کا جھتجا بھی وہاں موجود تھا وہ نہایت غصہ میں بھر گیا اور کہنے لگا کہ اس خط کو مجھے دو۔ چچا یعنی قیصر نے کہا تو کیا کریگا۔ اس نے کہا یہ خط پڑھنے کے قابل نہیں ہے اس میں آپ کے نام سے ابتداء نہیں کی اپنے نام سے کی ہے پھر آپ کو بادشاہ کے بجائے روم کا بڑا آدمی لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔

قیصر نے کہا تو بے وقوف ہے یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے شخص کے خط کو پھینک دوں جس کے پاس ناموس اکبر (حضرت جبرائیل) آتے ہوں اگر وہ نبی ہیں تو ان کو ایسے ہی لکھنا چاہئے اس کے بعد حضرت دجیہ کو بڑے اعزاز و اکرام سے ٹھہرایا قیصر اس وقت سفر میں تھا واپسی پر اس نے اپنے ارکان و امراء سلطنت کو جمع کیا اور جمع کر کے ان سے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جو سراسر خیر و فلاح ہے اور ہمیشہ کے لئے تمہارے ملک کے بقا کا ذریعہ ہے بے شک یہ نبی ہیں

ان کا اتباع کر لو اور ان کی بیعت اختیار کر لو اس نے ایک بند مکان میں جہاں سب طرف کے کواڑ بند کرائے گئے تھے اس مضمون پر ایک لمبی تقریر کی وہ لوگ اس قدر متوحش ہوئے کہ ایک دم شور و شغب ہو گیا ادھر ادھر بھاگنے لگے مگر کواڑ سب بند تھے دیر تک ہنگامہ برپا رہا۔ اس کے بعد اس نے سب کو چپ کرایا اور تقریر کی کہ درحقیقت ایک مدعی نبوت پیدا ہوا ہے میں تم لوگوں کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ تم اپنے دین میں کس قدر پختہ ہو اب مجھے اس کا اندازہ ہو گیا وہ لوگ اس کے سامنے اپنی عادت کے موافق سجدے میں گر گئے اس کے بعد ان کو شاباشی وغیرہ دیکر رخصت کیا بعض روایات میں ہے کہ اس نے خط کو پڑھ کر چوماسر پر رکھا اور ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور پوپ کو طلب کیا اس سے مشورہ کیا اس نے کہا بے شک یہ نبی آخر الزمان ہیں جن کی بشارتیں ہماری کتاب میں موجود ہیں قیصر نے کہا مجھے بھی اس کا یقین ہے مگر اشکال یہ ہے کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور میری سلطنت جاتی رہے گی۔ (اعلام السالکین)

### قیصر روم (ہرقل) کا تجارتی قافلہ سے مکالمہ:

جس وقت یہ والا نامہ سفر کی حالت میں قیصر کے پاس پہنچا تھا وہ اس وقت اپنی مذہبی ضرورت کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا وہاں مکہ مکرمہ کا ایک بڑا تجارتی قافلہ بھی گیا ہوا تھا اس نے تحقیق حالات کے لئے اس قافلہ کے سرداروں کو بھی طلب کیا تھا جس کا مفصل قصہ بخاری شریف میں موجود ہے۔

یہ اس زمانے کا قصہ ہے جب عمرہ حدیبیہ کے بعد حضور اقدس ﷺ کے درمیان اور اہل مکہ کے درمیان چند سال کے لئے ایک عہد نامہ اور صلح نامہ تیار ہوا تھا کہ آپس میں لڑائی نہ کی جائے ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہتے ہیں کہ اس صلح کے زمانے میں ملک شام میں گیا ہوا تھا کہ اس اثنا میں ہرقل کے نام حضور کا والا نامہ بھی پہنچا جس کو دوحیہ کلیٰ لیکر گئے ہرقل کے پاس جب گرامی نامہ پہنچا تو اس نے اپنے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اس شہر میں کوئی شخص اس کا واقف ہے جو مدعی نبوت پیدا ہوا ہے ان لوگوں نے کہا کہ ہاں کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں اس پر ہماری طلبی ہوئی چنانچہ میں قریش کے چند لوگوں کی ہمراہ اس کے پاس گیا اس نے ہم سب کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ اس شخص کے ساتھ



جوبوت کا دعویٰ ارہے تم میں سب سے زیادہ قریب رشتہ داری کس کی ہے میں نے کہا کہ میں سب میں زیادہ قریب ہوں اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور باقی ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا اور ان سے یہ کہا کہ میں اس سے چند سوالات کرتا ہوں تم سب غور سے سنتے رہنا اور جس بات کا جواب جھوٹ بتائے تو تم اس کو ظاہر کر دینا ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے اپنی بدنامی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ بعد میں مجھے جھوٹ سے بدنام کریں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا مگر خوف بدنامی نے سچ بولنے پر مجبور کیا اس کے بعد اس نے اپنے ترجمان کے ذریعے سے مجھ سے حسب ذیل سوالات کیے۔

### ابوسفیان سے سوالات اور ان کے جوابات:

س: یہ مدعی نبوت نسب کے اعتبار سے تم میں کیسے شخص سمجھے جاتے ہیں؟ ج: ہم میں بڑا عالی نسب ہے س: ان کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہے؟ کوئی نہیں ہوا۔ س: نبوت کے دعوے سے قبل تم کبھی ان کو جھوٹ بولنے کا الزام دیتے تھے؟ ج: کبھی نہیں۔ س: ان کے متبعین قوم کے شرفاء ہیں یا معمولی درجے کے آدمی؟ ج: معمولی درجے کے لوگ۔ س: ان کے متبعین کا گروہ بڑھتا جا رہا ہے یا کم ہوتا جاتا ہے؟ ج: بڑھتا جاتا ہے۔ س: ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے بدل ہو کر کوئی دین سے پھر بھی جاتے ہیں یا نہیں؟ ج: نہیں۔ س: تمہاری ان کے ساتھ کبھی جنگ ہوئی ہے یا نہیں؟ ج: ہوئی ہے۔ س: جنگ کا پانسہ کیسا رہا؟ ج: کبھی وہ غالب ہو جاتے کبھی ہم غالب ہو جاتے س: کبھی انہوں نے بدعہدی کی ہے؟ ج: نہیں۔ لیکن آج کل ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہے نہ معلوم وہ اس کو پورا کریں گے یا نہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس ایک کلمہ کے سوا کسی چیز میں بھی مجھے موقع نہ ملا کہ کچھ اپنی طرف سے ملا دوں۔ س: ان سے قبل کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا؟ ج: نہیں۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ہرقل نے پوچھا کہ بدعہدی کا کیوں خوف ہے تو ابوسفیان نے کہا کہ میری قوم نے اپنے حلیفوں کی اس کے حلیفوں کے خلاف مدد کی ہے اس پر ہرقل نے کہا کہ جب تم ابتداء کر چکے ہو تو تم زیادہ بدعہد ہوئے۔

## ابوسفیان کے جوابات پر ہر قل کا تبصرہ:

اس کے بعد ہر قل نے از سر نو سلسلہ شروع کیا اور کہا کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے بارہ میں سوال کیا تم نے عالی نسب بتایا انبیاء اپنی قوم کے شریف خاندان ہی میں پیدا ہوتے ہیں میں نے پوچھا کہ ان کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے تم نے کہا نہیں مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ شاید اس بہانے سے اس بادشاہت کو واپس لینا چاہتے ہیں میں نے ان کے متبعین کے بارے میں سوال کیا کہ شرفاء ہیں یا کمزور لوگ۔

تم نے جواب دیا کہ کمزور لوگ ہیں ہمیشہ سے انبیاء کا اتباع کرنے والے ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں (کہ شرفاء کو اپنی نخوت دوسروں کی اطاعت سے روکتی ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس دعویٰ سے قبل تم دروغ گوئی کا الزام ان پر لگاتے تھے یا نہیں تم نے انکار کر دیا میں نے یہ سمجھا تھا کہ شاید لوگوں کے متعلق جھوٹ بولتے بولتے اللہ پر ہی جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہو (مگر جو شخص لوگوں کے متعلق جھوٹ نہ بولتا ہو وہ اللہ کے متعلق کیا جھوٹ بول سکتا ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس کے دین میں داخل ہو کر اس سے ناراض ہو کر کوئی مرتد ہوتا ہے تم نے اس سے انکار کر دیا۔ ایمان کی یہی خاصیت ہے جس کی بشارت دلوں میں گھس جائے میں نے پوچھا کہ وہ لوگ بڑھتے رہتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں تم نے کہا کہ بڑھتے جاتے ہیں۔

ایمان کا خاصہ یہی ہے کہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ میں نے ان سے جنگ کے بارے میں سوال کیا تھا تم نے کہا کبھی وہ غالب کبھی ہم غالب۔ انبیاء کے ساتھ ہمیشہ یہی برتاؤ رہا لیکن بہتر انجام انہی کے لئے ہوتا ہے میں نے بدعہدی کے متعلق سوال کیا تم نے انکار کیا یہی انبیاء کی صفت ہوتی ہے کہ وہ بدعہد نہیں ہوتے۔ میں نے پوچھا تھا کہ ان سے قبل کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تم نے اس سے انکار کیا میں نے خیال کیا تھا کہ اگر کسی نے ان سے قبل یہ دعویٰ کیا ہو گا تو میں سمجھوں گا کہ یہ اسی قول کی تقلید کرتے ہیں جو ان سے پہلے کہا جا چکا ہے۔

## بے شک وہ نبی ہیں:

اسکے بعد ہر قل نے ان لوگوں سے پوچھا کہ ان کی تعلیمات کیا ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ نماز پڑھنے کا صدقہ کرنے کا صلہ جی کا عفت و پاکدامنی کا حکم کرتے ہیں ہر قل نے کہا اگر یہ سب امور سچ ہیں جو تم نے بیان کیے تو وہ بے شک نبی ہیں مجھے تو یہ یقین تھا کہ وہ عنقریب پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ یقین نہیں تھا کہ تم میں سے ہوں گے اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکتا ہوں تو ان سے ملنے کی خواہش کرتا (مگر اپنے قتل و سلطنت کے زوال کے خوف سے جا نہیں سکتا) اور میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔ بلاشبہ ان کی سلطنت اس جگہ تک پہنچنے والی ہے جہاں میں ہوں۔ ہر قل کے اور بھی بہت سے قصے حدیث کی کتابوں میں ہیں۔ یہ اپنی کتاب کا بھی ماہر تھا اور نجوم میں بھی مہارت رکھتا تھا اسلئے اس کو پہلے سے اس قسم کے خیالات ہو رہے تھے اور تحقیقات کر رہا تھا بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اس نے اس والا نامہ کو نہایت احتیاط سے صندوق میں سونے کی ایک نگلی میں محفوظ رکھا جو نسلًا بعد نسل اسی طرح اس کی اولاد میں منتقل ہوتا چلا آیا۔

## مکتوب بنام نجاشی :

تیسرا والا نامہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے نجاشی کے نام تھا یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بادشاہ حبشہ میں گزرے ہیں پہلے کا نام اصمہ تھا یہ مسلمان ہو گئے تھے ابتدائے اسلام میں صحابہ کرامؓ نے ان کی سلطنت حبشہ میں اس وقت ہجرت کی تھی جب کہ یہ مسلمان بھی نہ ہوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمیریؓ کے ہاتھ ان کے پاس بھی خط بھیجا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی النجاشی ملک الحبشة سلم انت فانی احمد الیک اللہ الذی لا اله الا هو الملک القلوس السلام المومن المہيمن واشہدان عیسیٰ بن مریم روح اللہ وکلمۃ القاہا الی مریم البتول الطیبة الحصینۃ فحملت بہ فخلقہ من روحہ ونفخہ کما خلق ادم بیلہ وانی ادعوک الی اللہ وحدہ لا شریک لہ والموالاة علی طاعته وان تبعنی وتومن

بالذی جاءنی فانی رسول اللہ وانی ادعوک وجنودک الی اللہ عزوجل وقد بلغت ونصحت  
فاقبلوا نصیحتی والسلام علی من اتبع الهدی۔

ترجمہ! بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی  
کے نام۔ تم صلح پسند ہو میں اس اللہ کی تعریف تمہارے پاس پہنچاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے  
وہ بادشاہ سب عیبوں سے پاک ہے ہر قسم کے نقص سے محفوظ ہے (یا بندے اس کے ظلم سے محفوظ ہیں)  
امن دینے والا ہے نگہبان ہے (کہ بندوں کی آفات سے حفاظت فرماتا ہے) اور میں اس کا اقرار کرتا  
ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی ایک روح اور اس کے وہ کلمہ تھے جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے  
پاک و صاف کنواری مریمؑ کی طرف بھیجا تھا پس وہ حاملہ بن گئیں۔ حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت  
عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی ایک خاص روح سے پیدا کیا اور ان میں جان ڈال دی جیسا کہ حضرت آدم علیہ  
السلام کو (بغیر باپ) کے اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا میں تمہیں اسی وحدہ لا شریک لہ کی بندگی کی  
دعوت دیتا ہوں اور اس کی اطاعت پر تعاون کی طرف بلاتا ہوں اور اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تم  
میرا اتباع کرو اور جو شریعت میں لیکر آیا ہوں اس پر ایمان لاؤ۔ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کی  
طرف تم کو اور تمہارے سارے لشکروں کو بلاتا ہوں میں حق بات تم تک پہنچا چکا ہوں اور نصیحت کر چکا  
ہے۔ تم میری نصیحت قبول کرو اور سلام (یا سلامتی) اس شخص پر جو حدایت کا اتباع کرے۔

محدثین کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نجاشی پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اس والا نامہ پر انہوں  
نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسی وقت مسلمان ہوئے بہر حال انہوں نے اس  
والا نامہ کے جواب میں ایک عریضہ لکھا جس میں اپنے ایمان کا اقرار کیا اور اس کا اقرار کیا کہ آپ نے  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ لکھا وہ حرف بہ حرف صحیح ہے اور اپنے لڑکے کے ہاتھ ساٹھ نفری  
ایک جمعیت کے ساتھ اپنا عریضہ خدمت اقدس میں بھیجا مگر افسوس کہ راستہ میں وہ کشتی سمندر میں غرق  
ہو گئی اور ان میں سے کوئی بھی خدمت اقدس میں نہ پہنچ سکا خود ان نجاشی کا وصال بھی حضورؐ کی حیات  
ہی میں ہو گیا تھا اور حضورؐ نے غائبانہ ان کی جنازہ کی نماز پڑھی (غائبانہ نماز کا مسئلہ ایک فقہی مسئلہ کی  
بحث ہے جس کی یہ جگہ نہیں ہے بہت سی وجوہ سے حنفیہ کے نزدیک ان کی خصوصیت تھی)

## دوسرے نجاشی کے نام مکتوب مبارک:

ان کے بعد ان کی جگہ دوسرا نجاشی بادشاہ ہوا اس کے پاس بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے والا نامہ ارسال فرمایا جو حسب ذیل ہے۔

هذا كتاب من النبي صلى الله عليه وسلم الى النجاشي عظيم الحبشة سلام على من اتبع الهدى  
وامن بالله ورسوله وشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له لم يتخذ صاحبة ولا ولدا وان  
محمدا عبده ورسوله وادعوك بدعاية الله فاني انا رسوله فاسلم تسلم يا اهل الكتاب تعالوا الى  
كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون  
الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون فان ابیت فعليك اثم النصاری .

ترجمہ! یہ خط اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی کے نام ہے جو حبشہ کا بڑا سردار ہے  
سلام اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس کا اقرار  
کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ذات ہے نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ بیوی ہے اس کے لئے  
نہ اولاد اور اس کا اقرار کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں اللہ کی  
پکار یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ کی تجھ کو دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا سلامتی سے رہے گا اے اہل کتاب! آؤ  
ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں اللہ  
کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے اللہ کے سوا اگر اس کے بعد  
بھی اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانو! تم کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو اس کے کہ ہم مسلمان ہیں (بے  
دھڑک اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں) اے نجاشی! اگر تو میری دعوت کے قبول کرنے سے انکاری ہو  
تو نصاریٰ کا گناہ بھی (بوجہ اس کے کہ وہ تیرے متبع ہیں) تجھ پر ہوگا۔ فقط

اس خط میں غالباً حسب معمول بسم اللہ بھی ہوگی مگر میں نے جہاں سے نقل کیا ہے اس میں  
نہیں ہے ان نجاشی کے متعلق یہ محقق نہ ہو سکا کہ یہ اسلام لائے یا نہیں ان کا کیا نام تھا اکثر محدثین کی  
راے یہ ہے کہ حدیث بالا میں تیسرا خط جو نجاشی کے نام ہے وہ یہی نجاشی ہیں چنانچہ بعض روایات میں

نجاشی کے نام کے ساتھ یہ لفظ بھی ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں ہے جن کے جنازہ کی نماز حضورؐ نے پڑھی اور یہی صحیح ہے اگرچہ بعض محدثین نے صرف پہلے ہی نجاشی کے خط کا ذکر کیا اور بعض نے صرف دوسرے کا (خصائل)

(۹۰/۷) حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ اَنْبَاَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ وَالْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْخُلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ.

ترجمہ! ہمیں اسحق بن منصور نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سعید بن عامر اور حجاج بن منہال نے خبر دی انہوں نے یہ روایت ہمام سے اور انہوں نے ابن جریج سے نقل کی۔ وہ یہ روایت زہری سے اور وہ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو اپنی انگٹھی نکال کر تشریف لے جاتے۔

راویان حدیث (۲۵۵) سعید بن عامرؒ (۲۵۶) حجاج بن منہالؒ اور (۲۵۷) ابن جریجؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### انگٹھی پہنے ہوئے بیت الخلاء جانے کا حکم:

ان النبي صلى الله عليه وسلم كان اذا دخل الخلاء... الخلاء قضاء حاجت کی جگہ کو کہتے ہیں الخلاء في الاصل المحل الخالي ثم استعمل في المحل المعد لقضاء الحاجة (مناوی ص ۱۷۷) (خلاء اصل میں خالی جگہ کو کہتے ہیں پھر عرف میں قضاء حاجت (بول و براز) کی جگہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے) آپؐ کی انگٹھی کی مہر مبارک میں کندہ الفاظ متبرک تھے وہ اسم معظم بلکہ جملۃ من القرآن پر مشتمل تھے اسلئے ان کا بیت الخلاء میں ساتھ لے جانا نا پسندیدہ تھا نام معظم کی حرمت احترام ادب اور عظمت کی وجہ سے انگٹھی کو جانے سے پہلے اتار لیتے تھے اس لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ ایسی انگٹھی جس میں متبرک نام ہو بیت الخلاء لے جانا مکروہ ہے۔ بعض نے مکروہ تنزیہی اور بعض نے مکروہ تحریمی

قرار دیا ہے۔

(۹۱/۸) حَلَّتْنَا اسْحَقَ بْنَ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَرَقٍ فَكَانَ فِي يَدِهِ ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ حَتَّى وَقَعَ فِي بئرِ أَرَيْسَ نَقَشُهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ..

ترجمہ! ہمیں یہ روایت اسحاق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبد اللہ بن نمیر نے خبر دی۔ ان کو عبید اللہ بن عمر نے حدیث کی خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت نافع سے اور انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی حضور کے دست مبارک میں رہی، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں رہی، پھر حضرت عمرؓ کے، پھر حضرت عثمانؓ کے۔ پھر ان ہی کے زمانے میں بئر اریس میں گر گئی تھی۔ اس انگوٹھی کا نقش محمد رسول اللہ تھا۔

راوی حدیث (۲۵۸) عبد اللہ بن نمیرؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### خاتم نبوی، خلفاء کے پاس:

اتخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم خاتما من ورق فكان في يده ... یہ انگوٹھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی اس کے دو معنی محتمل ہیں - (۱) آپؐ ہاتھ میں پہنتے تھے۔ کما ذکرہ المناوی ای فی خنصر یدہ الیمنی فہو من باب اطلاق الکمل وارادة الجزء (مناوی ص ۷۸) وکما يدل عليه الحديث السابق كان اذا دخل الخلاء نزع خاتمه (جیسے مناویؒ نے ذکر کیا ہے یعنی دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں تو اس صورت میں یہ از باب اطلاق الکمل وارادة الجزء کے قبیل سے ہوگا یعنی ذکر کل کا اور اس سے مراد جز ہے یعنی یہاں ذکر ہاتھ کا ہے اور مراد انگلی ہے اور جیسے کہ اس پر پہلی حدیث بھی دال ہے کہ جب آپؐ بیت الخلاء جاتے تو اپنی انگوٹھی نکال لیتے تھے)

(۲) یا وہ آپؐ کے قبضہ تصرف میں تھی حسب ضرورت اس سے مہر لگایا کرتے تھے اگلے باب کی

روایت کے مطابق وہ آپ کے بدری صحابی حضرت معقیبؓ کی تحویل میں رہتی تھی اور آپؐ نے ان کو اس کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت (تقریباً دو سال تین ماہ) میں ان کے تصرف میں رہی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت (دس سال چھ ماہ) میں ان کے زیر استعمال رہی۔

پھر امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت (بارہ سال) میں چھ سال تک ان کے قبضہ و تصرف میں رہی و ثم هنا للتراخی فی الرتبة (مواہب ص ۹۰) (ثم یہاں تراخی رتبہ کے لئے ہے) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تینوں خلفاء کرام اس خاتم مبارک سے مہر کا کام لیتے تھے اور تبرک کا بھی ای للسخم بہ و للتبرک (مہر اور تبرک کے لئے) امام نوویؒ اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں وفي الحديث التبرک بأثار الصالحین ولبس ملا بسهم والیمن بها (منای ص ۱۷۸) (اور حدیث شریف سے تبرک بہ آثار صالحین حاصل کرنا اور ان کے ملا بس (انگوٹھی کپڑے وغیرہ) پہننا اور ان سے برکت حاصل کرنا معلوم ہو رہا ہے)

### انگوٹھی کا بئر اریس میں گرنے کا واقعہ:

حتی وقع فی بئر اریس یہاں تک کہ وہ اریس کے کنویں میں گر گئی مسجد قباء کے قریب اریس کا کنواں ہے۔ ہوستان معروف والبئر قرية من مسجد قباء وکان سیدنا عثمان جالساً علیہا (اتحافات ص ۱۳۷) (یہ ایک مشہور کنواں مسجد قباء کے قریب ہے حضرت عثمانؓ اس کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے) ونسب الی رجل من اليهود اسمہ اریس (مواہب ص ۹۰) (اور یہ کنواں یہودیوں میں سے ایک شخص جس کا نام اریس تھا کو منسوب ہے) حضرت عثمانؓ نے مسلسل تین روز تک اس سے پانی نکلوایا اور بالکل تہہ تک صاف کر دیا مگر انگوٹھی نہ ملی

شیخ ابراہیم البیجوریؒ فرماتے ہیں - وفي وقوعه اشارة الى ان امر الخلافة کان منوطاً به فقد تواصلت الفتن وتفرقت الكلمة وحصل الهرج ولذلك قال بعضهم کان فی خاتمه صلی اللہ علیہ وسلم مافی خاتم سلیمان من الاسرار لان خاتم سلیمان لما فقد ذهب ملکہ وخاتمه صلی اللہ



علیہ وسلم لما فقد من عثمان انتقض علیہ الامر وحصلت الفتن التي افضت الى قتله واتصلت الى اخر الزمان (مواہب ص ۹۰) (حضرت عثمانؓ سے انگوٹھی گر جانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت (محفوظ) اس کے سہارے معلق تھی پس اس کے بعد پے در پے فتنے اور مسلمانوں میں تفرقہ بازی شروع ہوئی اور خرابی و فسادات پیدا ہوتے گئے اس لئے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی اس انگوٹھی میں وہی اسرار و رموز تھے جو حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی میں تھے اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی جب گم ہوئی تو اس کی بادشاہی ختم ہو گئی اور جب حضور ﷺ کی انگوٹھی حضرت عثمانؓ سے گم ہوئی تو اس کی خلافت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگی اور ایسے فتنے و فساد شروع ہوئے جن کی نوبت آپؐ کی شہادت تک پہنچی اور پھر آخر تک یہ سلسلہ رہا)

قال جلال الدين السيوطي "و لعل سقوط الخاتم من يد عثمان هو سبب مالا قاه عثمان من فتنه وبلاء والله اعلم (تحفاته ص ۱۳۷) (امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ شاید حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے انگوٹھی کا گرنا یہی سبب بنا ان فتنوں اور مصیبتوں کا جو آپؐ کو پہنچیں)

دنیا میں اشیاء کی تاثیر خواص کے اعتبار سے ہے اہل السنۃ والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ عادت یوں ہی جاری ہے لازم و ملزوم کوئی چیز نہیں ورنہ آگ حضرت ابراہیمؑ کو جلادیتی، چھری اسماعیلؑ کو ذبح کر دیتی ایسے اسی خاتم نبویؐ کا خاصہ غلبہ امن و سلامتی تھا جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا خاصہ "سلطنت" تھا انگوٹھی کے گرنے پر یہی مقدر بعلم اللہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے دور سے شرور و فتن شروع ہوں گے اسلئے انگوٹھی کو ضائع کروادیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب

=====

باب ما جاء في ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يمينه

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے

گذشتہ باب میں مہربنوی کی حقیقت اور نقش مہربنوت کا بیان تھا اس باب میں مہربنوت کے استعمال کا بیان ہے ومن هذا الباب بیان کیفیت لبسہ (مواہب ص ۹۰) (اور اس باب میں حضور ﷺ کے (انگوٹھی) پہننے کی کیفیت کا بیان ہے)

### تختم فی الیمین افضل ہے:

تختم: لبس الخاتم کو کہتے ہیں اس ترجمۃ الباب کے انعقاد سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک تختم فی یمینہ کی روایات تختم فی اليسار سے رائج ہیں بل قال فی جامعہ روی عن انس ان النبي صلى الله عليه وسلم تختم في يساره وهو لا يصح (مواہب ص ۹۰) (بلکہ مصنفؒ نے اپنی تصنیف جامع ترمذی میں حضرت انسؓ کی اس روایت کے متعلق کہ حضور ﷺ نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے کہا کہ یہ غیر صحیح ہے) تاہم جمہور محدثین کے نزدیک تختم فی اليسار کی روایات بھی ساقط الاعتبار نہیں ہیں کہ وہ ناقابل احتجاج ہوں۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ ابتداء میں تختم بالیمین کرتے تھے اواخر میں تختم باليسار ہو گیا اس کا شاہد انہوں نے ایک حدیث پیش کی۔ کان النبی صلى الله عليه وسلم يتختم في يمينه ثم حول الى يساره آخر الامرین (کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے پھر آخر میں ہاتھ کو تبدیل کر دیا) گویا تختم باليسار ہوا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں فقہاء کرامؒ کا دونوں صورتوں کے جواز پر اجماع ہے اختلاف صرف اولویت اور فضیلت میں ہے باقی رہا یہ سوال کہ جب آپؐ ہمیشہ تیامن کو پسند فرماتے تھے تو انگوٹھی پہننے میں یسار کو کیوں اختیار کیا گیا تو وجہ اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ

ترتین مقصود نہیں ہونا چاہئے یمین میں تو ترتین کے لئے پہنا جاتا ہے اسلئے آپ نے تختہ بالیمین کو ترک فرمایا اور تختہ بالیسار کرنے لگے ترتین سے احتراز کی خاطر گنبد کو بھی تو اندر کی طرف رکھتے تھے شعائر و افض ہونے کی توجیہ کی تردید:

در مختار میں قہستانیؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ داہنے ہاتھ میں انگٹھی پہننا روافض کا شعار ہو گیا تھا اسلئے علماء نے کہا کہ اس سے احتراز واجب ہے اور فساق کی تشبیہ سے بھی احتراز ضروری ہے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں یہ توجیہ قابل اعتناء نہیں و کونہ صار شعائر الروافض لا اصل له (مواہب ص ۹۱) (اور یہ کہہ دینا کہ (دائیں ہاتھ میں انگٹھی پہننا) روافض کا شعار ہو گیا تھا اس قول کی کوئی بنیاد اور اصل نہیں ہے)

باب میں نو احادیث ہیں ای باب بیان اخبار الواردة فی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبس الخاتم فی یمینہ (مواہب ص ۹۰) (یعنی یہ باب ان احادیث کے متعلق ہے جن میں حضور ﷺ کے دائیں ہاتھ میں انگٹھی پہننے کا بیان ہے) خلاصہ یہ کہ اس باب میں توسع ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دائیں ہاتھ میں اور کبھی بائیں ہاتھ میں انگٹھی پہنی ہے۔ وکان التختہ فی الخنصر فی الحالین (اتحافات ص ۱۳۸) (اور حضور ﷺ کا انگٹھی پہننا دونوں حالتوں (چاہے دائیں ہاتھ میں یا بائیں میں) چھنگلی میں ہوتا)

(۹۲/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُهَيْلٍ بْنُ عَسْكَرِ الْبَغْدَادِيِّ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ شَرِيكَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ خَاتَمَهُ فِي يَمِينِهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ شَرِيكَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ أَبِي نَمِرٍ نَحْوَهُ.

ترجمہ! ہمیں محمد بن سہیل بن عسکر بغدادی اور عبد اللہ بن عبد الرحمن نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں

کہ ہم کو یحییٰ بن حسان نے اس روایت کی خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن بلال نے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کے حوالے سے اس حدیث کی خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت ابراہیم بن عبداللہ بن حنین سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اخذ کی۔ وہ یہ روایت حضرت علی بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے

راویان حدیث (۲۵۹) محمد بن سہل البغدادی (۲۶۰) یحییٰ بن حسان (۲۶۱) سلیمان بن بلال (۲۶۲) شریک بن عبداللہ (۲۶۳) ابراہیم بن عبداللہ (۲۶۴) عن ابیہ اور (۲۶۵) احمد بن صالح کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک:

كان يلبس خاتمه في يمينه حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگوٹھی مبارک دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے کیونکہ انگوٹھی پہننا نوع تکریم سے ہے لہذا دایاں ہاتھ اس کے لئے بہتر اور زیادہ مستحق ہے لان التختم فيه نوع تشریف وزينة واليمين بهما اولیٰ (مناوی ص ۱۸۶) اس لئے کہ انگوٹھی پہننے میں ایک قسم کی شرافت اور زینت ہے اور دایاں ہاتھ ان دونوں باتوں کے ساتھ زیادہ مناسب ہے (مصنف نے امام بخاری سے نقل کیا ہے ان التختم فی اليمين اصح شنی فی هذا الباب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مواہب ص ۹۱) (کہ بے شک نبی کریم ﷺ سے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا اس باب میں زیادہ اصح صورت ہے) اور ظاہر ہے کہ تختم فی اليمين اصح ہے فلا وجه للعدول عن ترجیح افضلیتہ (مواہب ص ۹۱) (اس کو دائیں ہاتھ میں پہننے) کی افضلیت کے رائج ہونے میں کوئی وجہ عدول کی نہیں)۔

باقی رہا روایات کا اختلاف تو ان میں تطبیق اس سے قبل بھی عرض کر دی گئی ہے کہ (۱) دونوں قسم کے روایات (روایات یمن و روایات یسار) کا تعلق مختلف احوال و حالات سے ہے۔ (۲) یا آپ کی دو انگوٹھیاں تھیں جیسا کہ مافصہ حبشی (جس کا نگینہ حبشی تھا) اور وما فصہ منہ (جس کا نگینہ اسی حلقہ) کے جنس سے تھا) کے درمیان تطبیق کی گئی ہے۔

## مذہب مختار اور حافظ عراقی کے اشعار:

ملا علی قاریؒ دائیں ہاتھ میں پہننے کی افضلیت کے قائل ہیں لکھتے ہیں وہو ملہبنا المختار لما تقلم من الآثار فعليه الجمهور من العلماء الابرار (جمع ص ۱۸۶) (اور یہی ہمارا پسندیدہ مذہب ہے بوجہ ان احادیث کے جو گزدرچکی ہیں اس پر ہی جمہور علماء ابرار ہیں)

وقد احسن الحافظ العراقي حيث نظم ذلك فقال

یلبسہ کما روی البخاری	فی خنصر الیمین اویسار
کلاهما فی مسلم وجمع	بان ذا فی حالتین یقع
او خاتمین کل ذلک بید	کما بفص حبشی قد ورد

(مناوی ص ۱۸۶)

(علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ حافظ عراقیؒ نے بہت اچھا کیا کہ اس کو منظوم کر کے پیش کیا فرماتے ہیں، حضور ﷺ انگوٹھی پہنتے تھے جیسے کہ بخاریؒ نے روایت کی ہے دائیں بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں، دونوں روایتیں مسلم شریف میں ہیں اور ان کی تطبیق یہ ہے کہ (دائیں اور بائیں چھنگلی میں پہننا) دو حالتوں میں واقع ہوئی ہیں یا پھر انگوٹھیوں کو ہر ایک ہاتھ میں پہنا ہے جیسے کہ روایت فص حبشی وارد ہوئی ہے۔ علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ مردوں کے لئے درمیانی انگلی اور سبابہ میں انگوٹھی پہننا مکروہ ہے اور خنصر میں پہننا سنت ہے جبکہ خواتین کے لئے تمام انگلیوں میں بلا کراہت پہننا جائز ہے۔

## دوسری سند سے روایت:

حدثنا محمد بن یحییٰ ... اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے دوا سند کے ساتھ نقل کیا ہے پہلی سند محمد بن سہل سے شروع ہو کر حضرت علیؒ پر ختم ہوئی ہے دوسری سند محمد بن یحییٰ سے شروع ہو کر عبد اللہ بن ابی نمر تک پہنچتی ہے چونکہ دونوں روایات کا مضمون یکساں ہے اسلئے مصنف علامؒ نے دوسری سند کے ساتھ مضمون حدیث نقل نہیں کیا۔

(۹۳/۲) حَلَّتْنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي رَافِعٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

ترجمہ! ہمیں احمد بن منیع نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یزید بن ہارون نے حماد بن سلمہ کے حوالے سے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی رافع کو دیکھا کہ وہ انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے پس میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن جعفرؓ کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا اور وہ یہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

راوی حدیث (۲۶۶) ابورافع کے حالات ”تذکرہ راویان شامک ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### انگوٹھی دائیں ہاتھ کی خنصر انگلی میں پہننا سنت ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يتختم في يمينه ... اس حدیث کے لانے سے امام ترمذیؒ کی یہی غرض ہے کہ آپؐ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے تاہم ان احادیث سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپؐ دائیں ہاتھ کی کونسی انگلی میں پہنا کرتے ہیں۔

شیخ البیہقیؒ فرماتے ہیں لم یسن فی هذه الاحادیث فی ای الاصابع وضعه فیها لكن الذی فی الصحیحین تعین الخنصر فالسنه جعله فی الخنصر فقط وحكمته انه ابعد عن الامتحان فیما یعطاه الانسان بالید وانه لا یشتغل الید عما تراوله من الاعمال بخلاف مالو کان فی غیر الخنصر

(مواہب ص ۹۱ .. و مناوی ص ۱۸۷) (کہ ان احادیث میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ آپؐ نے انگوٹھی کو انگلیوں میں سے کونسی انگلی میں پہنا لیکن جو صحیحین میں مذکور ہے اس سے خنصر (چھنگلی) ہی کی تعیین ہوتی ہے۔ پس سنت یہی ہے کہ اس کو صرف چھنگلی میں پہنا جائے اور اس کی حکمت و غرض یہی ہے کہ یہ انگلی ان معاملات میں جو انسان ہاتھوں کے ساتھ کرتا ہے دور رہے گی اور ایسی صورت میں وہ ہاتھ کے کام کرنے میں رکاوٹ بھی نہ ہوگی بخلاف اس وقت کہ جب انگوٹھی خنصر کے علاوہ دوسرے انگلیوں میں ہو

(۹۴/۳) حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ يَحْيَى أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ أَنْبَأَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْفَضْلِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدٍ ابْنِ عَقِيلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ. ترجمہ! ہمیں موسیٰ بن یحییٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبد اللہ بن نمیر نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم بن فضل نے عبد اللہ بن محمد بن عقیل کے واسطے سے اس روایت کی خبر دی اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگٹھی پہنا کرتے تھے۔

راوی حدیث (۲۶۷) ابراہیم بن الفضل کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يمينه زاد في رواية ويقول اليمين احق بالزينة من الشمال (مواهب ص ۹۲) (کہ بے شک نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ میں انگٹھی پہنتے تھے اور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آپؐ فرماتے کہ دایاں زینت کے ساتھ زیادہ حقدار (مناسب) ہے بہ نسبت بائیں کے) کو نقل المصنف فی الجامع عن البخاری انه قال اصح شي ورد في هذا الباب ای التختم باليمين (جمع ص ۱۸۷) اور مصنف نے جامع ترمذی میں بخاری سے نقل کیا ہے کہ اس باب میں وارد شدہ احادیث میں سب سے زیادہ اصح وہ دائیں ہاتھ میں انگٹھی پہننا ہے)

اسلئے حافظ ابن حجرؒ جو فن حدیث کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے احادیث کے دیکھنے سے جو محقق ہوا وہ یہ کہ اگر زینت کے ارادہ سے پہنے تو دایاں ہاتھ موزون ہے اور اگر مہر لگانے کے ارادہ سے پہنے تو بایاں ہاتھ موزون ہے کہ بائیں ہاتھ سے اس کو نکال کر مہر لگانے میں سہولت ہے اور احادیث میں دونوں ہاتھوں میں پہننا وارد ہے۔

(۹۵/۴) حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَيْمُونٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ابو الخطاب زیاد بن یحییٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن میمون نے خبر دی انہوں نے یہ روایت جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی وہ صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگٹھی پہنا کرتے تھے۔

راویان حدیث (۲۶۸) ابو الخطاب (۲۶۹) عبداللہ بن میمون (۲۷۰) جعفر بن محمد اور (۲۷۱) عن ابیہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتختم فی یمینہ ... مضمون حدیث تو وہی ہے جو اس سے قبل روایات میں آگیا ہے سید اصیل الدین فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہہ اس روایت کی اسناد میں لین ہے میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ راوی عبداللہ بن میمون متکلم فیہ ہے امام بخاری نے انہیں ذاہب الحدیث ابو زرعہ نے واہی الحدیث خود مصنف نے منکر الحدیث ابو حاتم نے متروک قرار دیا ہے ابن حبان نے کہا لا یجوز الاحتجاج بہ (جمع ص ۱۸۷) مگر اس حدیث کے کثرت سے شواہد ہیں جن کی وجہ سے یہ قوی ہو جاتی ہے لہذا وخرجت عن نکارتہ (یہ روایت بیہ شواہد کثیرہ کے منکر ہونے سے نکل گئی) (جمع ص ۱۸۷)

(۹۶/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَقَ عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ وَلَا إِخَالَه إِلَّا قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن حمید رازی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت جریر نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے نقل کی۔ انہوں نے یہ روایت صلت بن عبداللہ سے اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ دائیں ہاتھ میں انگٹھی پہنتے تھے اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی داہنے ہاتھ میں پہنتے تھے۔

راوی حدیث (۲۷۲) الصلت بن عبداللہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ



فرمائیں۔

قال کان ابن عباسؓ ... صلت بن عبد اللہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے ظاہر ہے کہ صلت کی ملاقات حضرت ابن عباسؓ سے ہوئی ہوگی تب دیکھا ہوگا لہذا صلت تابعین کے مقام پر فائز ہیں۔

### ابن عباسؓ کا معمول:

ولا احوالہ ... احوال ہمزہ کے کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے مگر کسرہ سے زیادہ استعمال ہوا ہے اور ارفع ہے ظاہر السباق ان قائل ذلک هو الصلت ويحتمل ان يكون لواحد ممن قبله ولم توجد هذه الجملة في بعض الاصول (جمع ص ۱۸۸) (کس سباق کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اس کا یعنی (لا احوالہ قال) کا قائل صلت بن عبد اللہ ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ جو اس سے قبل راوی مذکور ہیں ان میں سے کسی کا قول ہو اور یہ جملہ بعض اصول میں نہیں پایا گیا) ان کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا عمل حضرت محمدؐ کے عمل کے مطابق تھا چونکہ آپؐ کا معمول دائیں ہاتھ کا تھا اسلئے حضرت ابن عباسؓ بھی اتباع سنت میں دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں واخرجه ابو داؤد من الوجه عن محمد بن اسحق قال رأيت علي الصلت بن عبد الله خاتما في خنصره اليمنى فقال رأيت ابن عباس ذكره عن النبي صلى الله عليه وسلم (جمع ص ۱۸۸) (اور ابو داؤد نے دوسری سند کے طریق سے محمد بن اسحق سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے صلت بن عبد اللہ کی دائیں چھنگلی میں انگوٹھی دیکھی تو اس نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ اس حالت کو (یعنی دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں پہننا) حضور ﷺ سے نقل کرتے تھے)

(۹۷/۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ وَجَعَلَ فِيهِ مِمَّا يَلِي كَفَّهُ وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَنَهَى أَنْ يَنْقَشَ أَحَدٌ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِي سَقَطَ مِنْ مُعْقِبٍ فِي بَنِي أَرَيْسَ .

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ روایت ہم کو سفیان نے ایوب بن موسیٰ اور انہوں نے نافع کے واسطے سے بیان کی انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن عمرؓ سے سنی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی اس کا گنینہ ہتھیلی کی جانب میں رہتا تھا اس میں محمد رسول اللہؐ کندہ کرایا تھا اور لوگوں کو منع فرمایا دیتا تھا کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر یہ کندہ نہ کرائے یہ وہی انگوٹھی تھی جو معقیب سے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بزازیس میں گر گئی تھی۔

راویان حدیث (۲۷۳) ابن ابی عمرؓ اور (۲۷۴) ایوب بن موسیٰؓ کے حالات ”تذکرہ شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### ایک تعارض میں تطبیق:

اتخذ خاتما من فضة الخ وفي رواية اتخذ خاتما من فضة رواية باب کے الفاظ ہیں وجعل فصة مما يلي كفه وفي رواية لمسلم مما يلي باطن كفه یعنی ہتھیلی کی پیٹ کی طرف رکھا ہوا تھا وہی تفسیر للاولیٰ (مواہب ص ۹۲) کہ حضور ﷺ نے اس کے گنینے کو ہتھیلی کی جانب رکھا اور مسلم کی روایت میں مما يلي باطن كفه --- اور یہی پہلے معنی کی وضاحت ہے) ابوداؤد کی ایک روایت سے ہاتھ کی پشت کی طرف گنینہ کا ہونا ظاہر ہوتا ہے من رواية الصلت بن عبد الله قال رايت ابن عباس يلبس خاتمه هكذا وجعل فصة على ظهرها (مواہب ص ۹۲) (اور صلت بن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ میں نے ابن عباسؓ کو دیکھا کہ اپنی انگوٹھی اس طرح پہنتے تھے اور اس نے اس کے گنینے کو ہاتھ کی پشت پر کیا ہوا تھا)

دونوں روایات میں محدثین کرامؒ نے توفیق و تطبیق کی ہے علامہ اللیجوریؒ تحریر فرماتے ہیں کبھی تو ہتھیلی کی طرف اور کبھی ہاتھ کی پشت کی طرف انگوٹھی کا گنینہ ہوتا وقد یجمع بما قاله الزین العراقی من انه وقع مرة هكذا ومرة هكذا (مواہب ص ۹۳) (اور ان کی تطبیق کی صورت وہ ہو سکتی ہے جو علامہ زین العراقیؒ نے کہا کہ کبھی ایسے واقع ہوا (یعنی ہتھیلی کی جانب گنینہ تھا) اور کبھی ویسے ہوا کرتا کہ (پشت کی جانب گنینہ ہوتا)

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں ہتھیلی کی طرف اس کے ہونے کی روایت اصح ہے اور افضل ہے امام نوویؒ اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں بانہ ابعده عن الزهو والعجب (مواہب ص ۹۲) (کہ یہ حالت اور صورت فخر و ریاء اور عجب سے زیادہ بعید ہوتی ہے)

### مرد و خواتین کے لئے انگوٹھی استعمال کرنے کا سنت طریقت:

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ انگوٹھی کو سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلی) میں پہننا سنت ہے اور اس کے سنت ہونے پر سب کا اجماع ہے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ انگوٹھی سب سے چھوٹی انگلی میں ہونی چاہئے اور نگینہ مردوں کی انگوٹھی میں ہتھیلی کی طرف ہونا چاہئے اور عورتوں کی انگوٹھی میں اوپر کی جانب کہ اس کا پہننا زینت کے لئے ہوتا ہے۔

### مہر نبوت کا استعمال دوسروں کے لئے ممنوع قرار دیا:

ونہی ان ینقش احد علیہ ... ذوق اتباع اور شوق اطاعت اور کمال عشق و محبت میں ایسا نہ ہو کہ سب انگوٹھیاں بنا کر مہر نبوت اس میں کندہ کر کے مہریں لگاتے پھریں کہ اصل مہر خلط ملط اور مشکوک ہو جائے۔ والحکمة فی النہی عن ذلک انه لو نقش غیرہ مثله لادی الی التباس والفساد (مواہب ص ۹۳) (اور اس سے (انگوٹھی کی مہر میں محمد رسول اللہ کندہ کرانے) منع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اگر آپؐ کے علاوہ باقی لوگ بھی انگوٹھی میں محمد رسول اللہ کندہ کروانا شرعی کر دیں تو پھر التباس (خلط ملط) اور فساد پر منتج ہوتا)

بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے اتخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من فضة ونقش فیہ محمد رسول اللہ وقال انی اتخذت خاتما من ورق ونقشت فیہ محمد رسول اللہ فلا ینقش احد علی نقشہ (مواہب ص ۹۳) (کہ نبی علیہ السلام نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں ”محمد رسول اللہ“ کندہ فرمایا کہ میں نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ بھی کندہ کروائے ہیں اس لئے کوئی شخص بھی (اس جیسے الفاظ) انگوٹھی پر کندہ نہ کروائے) اور بعض روایات میں جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپؐ نے حضرت معاذؓ کو مہر نبوت کے الفاظ اپنی انگوٹھی میں کندہ

کرنے کی اجازت دیدی تھی وہو غیر ثابت وبفرض ثبوتہ فهو قبل النهی وان النهی خاص بحیاتہ  
صلی اللہ علیہ وسلم (مواہب ص ۹۳) (یہ بات ثابت نہیں اور بالفرض اگر یہ ثابت ہو بھی جائے تو وہ  
(حضرت معاذ کو اجازت) آپ کے منع کرنے سے پہلے کی بات ہے اور یہ نبی حضور ﷺ کی زندگی کے  
ساتھ مخصوص تھی)

وهو الذی سقط ... اس کی بحث تفصیل سے گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے تاہم اتنی بات یاد رہے کہ  
انگوٹھی کس سے گری اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں بعض میں ہے کہ حضرت عثمانؓ سے گری اور بعض  
میں ہے کہ حضرت معقیبؓ سے گری محدثین تطبیق فرماتے ہیں کہ ہزاریس کے من پر بیٹھے وہ حضرت  
عثمانؓ کو انگوٹھی دے رہے تھے یا ان سے لے رہے تھے کہ انگوٹھی پھسل گئی اور کنویں میں گر گئی

(۹۸/۷) حَلَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ  
كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَتَخْتَمَانِ فِي يَسَارِهِمَا .

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے حاتم بن  
اسماعیل نے خبر دی انہوں نے جعفر بن محمد سے یہ روایت نقل کی جنہوں نے یہ حدیث اپنے باپ سے  
امام باقرؑ سے سنی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں  
انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

### حدیث باب اور ترجمۃ الباب:

كان الحسن والحسين رضي الله عنهما يتختمان في يسارهما یعنی حضرات حسینؑ

انگوٹھیاں بائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے بظاہر یہ حدیث ترجمۃ الباب کے خلاف ہے شارحین حدیث  
نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) ترجمۃ الباب کے خلاف روایت کے اندراج سے اس روایت کے ضعف اور اس سے  
استدلال کرنے والوں کے مسلک ضعیف کو اشارہ ہے۔

- (۲) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں بندہ ناچیز کے نزدیک باب میں داہنے ہاتھ کی قید بیان افضلیت کے لئے اور اس نوع کی روایات بیان جواز کے واسطے ہیں (خصائل)
- (۳) ترجمۃ الباب میں حضرات محدثین کے طریقہ کے مطابق کلمہ ام فی یسارہ محذوف ہے اگر اسی توجیہ کو تسلیم کر لیا جائے تو کوئی روایت بھی ترجمۃ الباب کے خلاف نہ ہوگی۔

(۹۹/۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى وَهُوَ ابْنُ الطَّبَّاعِ حَدَّثَنَا عِبَادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عُرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ .

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عُرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَرَوَى بَعْضُ أَصْحَابِ قَتَادَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخَتَّمُ فِي يَسَارِهِ وَهُوَ حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ أَيْضًا .

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبد اللہ بن عبد الرحمن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر محمد بن عیسیٰ طباع نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت عباد بن عوام نے سعید بن ابی عروبہ کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت قتادہ سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالک سے نقل کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگلی پہنتے تھے اور حضرت انسؓ ہی سے یہ بھی بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہاتھ میں انگلی پہنتے تھے۔

راویان حدیث (۲۷۵) محمد بن عیسیٰ (۲۷۶) عباد بن عوام اور (۲۷۷) سعید بن عروبہ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### امام ترمذی کی تحقیق:

قال ابو عيسى! امام ترمذی اپنی تحقیق سے محدثین اور فقہاء اور طلباء حدیث کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں۔

مضمون حدیث تو ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے یہاں پر امام ترمذیؒ اپنی تحقیق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں حضرات محدثین اسناد حدیث کے ساتھ ساتھ متن حدیث کے بھی ہر ہر لفظ پر نظر رکھتے ہیں کہ کونسی حدیث میں کونسا مضمون صحیح ہے اور کونسا مضمون مطلوبہ معیار سے کمزور ہے اگرچہ بائیں ہاتھ کی احادیث بھی مسلم و ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہیں۔

چنانچہ امام نوویؒ دونوں قسم کی روایات (یکمین و یسار) کو صحیح بتاتے ہیں مگر باوجودیکہ متن حدیث صحیح ہے مگر خاص اصول اور قواعد تحقیق کے وہ معیار پر پورا نہیں ہوتیں تو پھر اسی خاص اصول اور طریقہ حدیث پر محدثینؒ کلام کرتے ہیں چنانچہ قال ابویسٰیؒ سے امام ترمذیؒ نے بھی کلام کیا ہے۔

(۱۰۰/۹) حَلَفْنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْمُحَارِبِيُّ حَلَفًا عَبْدَ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَكَانَ يَلْبَسُهُ فِي يَمِينِهِ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ مِنْ ذَهَبٍ فَطَرَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَا الْبَسَةَ أَبَدًا فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ہمارے استاذ محمد بن عبید اللہ المحاربؒ نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبد العزیز بن ابی حازم نے بیان کی انہوں نے یہ روایت موسیٰ بن عقبہ سے اور انہوں نے نافع سے اخذ کی۔

وہ یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنائی جس کو اپنے داہنے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے صحابہؓ نے بھی اتباعاً سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے منسوخ ہونے کے بعد وہ انگوٹھی پھینک دی اور یہ فرمایا کہ میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا۔

راویان حدیث (۲۷۸) محمد بن عبید المحاربؒ اور (۲۷۹) عبد العزیز بن ابی حازمؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## مردوں کے لئے سونے کے استعمال کی حرمت پر اجماع:

مضمون حدیث ترجمہ میں واضح ہے اور اس سے قبل بھی مضمون حدیث ذکر ہوتا رہا حضورؐ بھی اور آپؐ کی اتباع میں صحابہ کرامؓ بھی سونے کی انگوٹھیاں پہننے لگے ایک روز آپؐ منبر پر تشریف فرما تھے کہ مردوں کے لئے وحی کے ذریعہ سونے کی حرمت کا اعلان آ گیا تو آپؐ نے وہ انگوٹھی پھینک دی اور اعلان فرمایا لا البسہ ابدا (میں اس کو کبھی بھی نہیں پہنوں گا) تو دوسرے لوگوں نے بھی سونے کی بنی ہوئی انگوٹھیاں اتار پھینکیں اور کمال اتباع کا ثبوت دیا۔

ایک دوسری صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک ہاتھ میں سونا لیا اور ایک ہاتھ میں ریشم لیا اور ارشاد فرمایا ہذان حرامان علی ذکور امتی ای حل لانا ثھا یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور میری امت کی عورتوں پر حلال ہیں۔

شیخ احمد عبد الجواد الدؤنیؒ فرماتے ہیں حکمی النوویؒ الاجماع علی تحریمہ (اتحافات) (امام نوویؒ) نے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے (سونے کے (مردوں کے لئے حرام ہونے پر) اجماع ہے فحرم التختم بالنہب مجمع علیہ الآن فی حق الرجال کما قالہ النوویؒ الا ما حکى عن ابن حزم انہ اباحہ واما حکى عن بعضهم انہ مکروہ لا حرام قال وہذان باطلان وقاتلہما محجوج بالاحادیث التی ذکرہا مسلم مع اجماع من قبلہ علی تحریمہ (مواہب ص ۹۳) اب اس وقت مردوں کے حق میں سونے کی انگوٹھی بنانے کی حرمت متفق علیہ ہے جیسے کہ امام نوویؒ نے فرمایا مگر صرف امام ابن حزمؒ کہ اس نے اس کو مباح کہا ہے اور وہ جو بعض لوگوں سے یہ منقول ہے کہ یہ مکروہ ہے حرام نہیں (اس پر کہتے ہیں) کہ یہ دونوں مذہب باطل ہیں اور ان قائلین کے خلاف ان احادیث سے استدلال کیا گیا جن کو امام مسلمؒ نے ذکر کیا ہے۔ اور بوجہ اجماع ہو جانے اس کی حرمت پر (ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ سونے کی حرمت جمیع الاحوال میں قائم ہے اگر کسی پر اچانک جنگ آ جائے اس کے لئے بھی پہننا اسی طرح حرام ہے جس طرح عام حالات میں حرام ہے اذا تعلق له بالحرب بخلاف الحروب (مواہب ص ۹۳) (اس لئے کہ اس کا (سونے کا) تعلق جنگ سے نہیں بخلاف ریشم کے)

## باب ما جاء في صفة سيف رسول الله صلى الله عليه وسلم

### باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے بیان میں

صفة کا معنی بیان کرنا، تعریف کرنا، وَصَفَ، يَصِفُ وَصْفًا وَصْفَةً (یہ ضرب یضرب کے باب کا مصدر ہے اس کی ماضی، مضارع، مصدر بروزن و وصف یصف و صفًا و صفة آتا ہے) صفت! وصف، کشف اور تبیین کو کہتے ہیں والمراد بصفة السيف حالته التي كان عليها (اتحافات ص ۱۴۴) (اور تلوار کی صفت اور بیان سے اس کی وہ حالت اور کیفیت مراد ہے جس پر وہ تھی) مصنف نے آلات حرب میں اولاً سيف سے آغاز فرمایا لانه نفعها وبسرھا واغلبھا استعمالاً (جمع ص ۱۹۲) (اس لئے کہ جنگی ساز و سامان میں سے یہ زیادہ نافع آسان اور استعمال کے لحاظ سے غالب ترین چیز ہے)

باب الخاتم کے بعد باب السيف کا انعقاد بھی اس جانب اشارہ ہے کہ اللہ پاک نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص اسوہ حسنہ، نظام العمل، اجتماعی قیادت و سیادت اور نظم ریاست کے قیام و استحکام کے لئے ایک خاص دستور السلطنت دیا تھا کہ اولاً سلاطین اور سربراہان ممالک کو دعوتی، اصلاحی اور تبلیغی خطوط ارسال کیے جائیں ان خطوط کی عظمت و اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے ان پر مہر لگا دی جائے اگر وہ اسلام قبول کریں، آپ کی نبوت کو تسلیم کر لیں تو انہیں اپنی حالت حکومت پر برقرار رکھا جائے بصورت دیگر جب وہ انکار کر دیں تو طاقت، قوت، جہاد اور تلوار سے غلبہ اسلام کی جدوجہد کی جائے اشارة الى انه دعاهم الى الاسلام اولاً فلما امتعوا حاربهم (جمع ص ۱۹۲) (یہ اس طرف اشارہ ہے کہ پہلے تو آپ نے ان کو اسلام لانے کی دعوت دی اور جب انہوں نے اس سے انکار کیا تو



پھر ان سے جہاد اور جنگ کی

## حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلواریں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دس تلواریں تھیں (۱) الماثور و ہواول سیف، ملکہ عن ایہ (۲) القضب (۳) القلعی، نسبة الى قلع، موضع بالبادية (۴) البتار (۵) الحنف (۶) المخلم بکسر المیم (۷) الرسوب (۸) الصمصامة (۹) اللحیف (۱۰) ذوالفقار بفتح الفاء وکسرہا لان فی ظہرہ فقرات (ای حفر صغار) کفقرات الظہر (اتحافات ص ۱۴۴) جن کے نام یہ ہیں (۱) ماثور یہ پہلی وہ تلوار جس کے آپؐ آباء و اجداد سے وارث ہوئے (۲) قضیب (۳) قلعی وہ منسوب قلع جو جنگل میں ایک جگہ کا نام ہے (۴) البتار (۵) حنف (۶) مخذم (میم اول کے کسرہ کے ساتھ) (۷) رسوب (۸) صمصامہ (۹) لحیف (۱۰) ذوالفقار (فاء کا کسرہ اور فتح دونوں پڑھے جاسکتے ہیں) اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ اس میں پشت (پیٹھ) کی طرح جوڑ تھے اس لئے اس کو ذوالفقار کہا جاتا تھا) اس تلوار میں چھوٹے چھوٹے خوبصورت گڑھے تھے یا پشت کی ہڈیوں کی طرح جوڑ تھے حضور اقدس ﷺ نے یہ تلوار حضرت علیؓ کو مرحمت فرمائی تھی اور جس وقت مکہ المکرمہ فتح ہوا تو آپؐ کے ہاتھ میں یہی تلوار تھی۔ یہ ذوالفقار وہی تلوار تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور نفل جنگ بدر میں لی تھی اور یہی وہ تلوار تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے وقت ایک خواب اس سلسلہ میں دیکھا تھا ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں و اخرج ابن سعد عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنفل سیفا لنفسه يوم بدر يقال له ذوالفقار وهو الذي رأى فيه الرؤيا يوم احد (جمع ص ۱۹۳) (اور مؤرخ ابن سعد ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بدر کے (فتح) کے دن اپنے لئے بطور نفل کے ایک تلوار لی تھی جسے ذوالفقار کہا جاتا تھا اور یہ وہی تلوار تھی جس کے متعلق آپؐ نے جنگ احد کے وقت ایک خواب دیکھا تھا) (کہ اس کی دھار میں ٹوٹ پھوٹ ہے)

## دو معجزاتی تلواریں ”العون“ اور ”العرجون“:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید دو تلواریں معجزانہ شان کی مظہر تھیں (۱) العون (۲) العرجون

غزوہ بدر میں حضرت عکاشہؓ حاضر خدمت ہوئے عرض کیا تلوار ٹوٹ گئی۔ تو آپؐ نے جنزل حطب یعنی ایک خشک شاخ ان کو عطا فرمائی اور حکم فرمایا اضر ب بہ کہ جاؤ اور جہاد کرو فعدا فی یدہ سیفاً صارما طویلاً بیض شدید المتن فقاتل بہ ثم لم یزل عنده یشہد بہ المشاهد الی ان استشهد (مواہب ص ۹۵) پس جب وہ خشک لکڑی (چھڑی) ان کے ہاتھ میں گئی وہ ایک نہایت شاندار لمبی چمکدار مضبوط اور تیز تلوار بن گئی تو انہوں نے اس کے ساتھ قتال کیا پھر وہ ان کے پاس رہی اور ہمیشہ اس کے ساتھ جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قتال اہل ردۃ میں شہید ہو گئے۔

وکان هذا السیف یسمی العون اس تلوار کا نام العون تھا اسی طرح جنگ احد میں لڑتے لڑتے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی تلوار ٹوٹ گئی فاعطاه النبی صلی اللہ علیہ وسلم عسیاً من نخل فرجع فی یدہ سیفاً (مواہب ص ۹۵) آپؐ نے ان کو کھجور کی ایک شاخ عطا فرمائی جب وہ ان کے ہاتھ میں گئی تو نہایت عمدہ تلوار بن گئی اس کا نام عرجون تھا اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ زندگی بھر اسی سے جہاد کرتے رہے۔

(۱۰۱/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ أَنَّنَا أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ كَانَ قَبِيعَةُ سَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِصَّةٍ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ہمارے استاذ محمد بن بشار نے بیان کی انہوں نے یہ حدیث وہب بن جریر سے اخذ کی وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ روایت اپنے باپ سے سنی انہوں نے حضرت قتادہ سے اور قتادہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

لفظ قبیعة کی تشریح:

قال كان قبیعة سيف رسول الله صلى الله عليه وسلم من فضة  
قبیعة، لفظ طبیعة کے وزن پر ہے تلوار کے قبضہ پر چاندی یا لوہے کی گرہ کو قبیعة کہتے ہیں جسے عموماً بند

شمشیر بھی کہا جاتا ہے اس کا مادہ قبیع ہے بمعنی ٹوپی کے، تلوار کو جہاں سے پکڑا جاتا ہے مقبض کہلاتا ہے نیچے کے حلقے کو شارب کہتے ہیں مقبض اور شارب کے نیچے پستان نما زائد قطعہ کو قبیعہ کہتے ہیں۔ علامہ طیبیؒ نے فرمایا قبیعہ وہ ہے جو قبضہ کے اس جانب کی طرف ہو جو دھار کی طرف ہوتا ہے چاندی کا ہو یا لوہے کا۔ القبیعۃ ما علی رأس مقبض السیف من فضة او حديد او غیرهما کذا قالہ الجوہری (اتحافات ص ۱۳۵) (قبیعہ وہ ہے جو تلوار کے پکڑنے کی جگہ کے شروع میں ہو چاہے چاندی کا یا لوہے کا یا کسی دوسری (دھات) کا ہو۔ اسی طرح امام جوہریؒ نے کہا ہے) سیف سے مراد وہ تلوار ہے جس کا نام ذوالفقار ہے وکان لا یکاد یفارقہ (موہب ص ۹۵) (اور حضور ﷺ اس کو ہمیشہ ساتھ ہی رکھتے تھے)

اس خبر میں تو صرف قبیعہ کے ذکر پر اقتصار کیا گیا ہے ابن سعد عن عامر کی روایت میں ہے قال اخرج الینا علی بن الحسین سیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا قبیعۃ من فضة وحلقته من فضة اور جعفر بن محمد عن ابیہ کی روایت ہے کان نعل سیف رسول اللہ ای اسفلہ وحلقته و قبیعۃ من فضة. (منای ص ۱۹۳) (کہ حضرت علی بن حسینؑ ہمارے پاس حضور ﷺ کی ایک تلوار لائے کہ اس کا قبیعہ چاندی کا اور حلقہ چاندی کا۔۔۔ کہ نبی کریم ﷺ کی تلوار کا نعل یعنی اس کا نچلا حصہ اور حلقہ اور قبیعہ چاندی سے تھے)

(۱۰۲/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ قَالَ كَانَتْ قَبِيعَةُ سَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت معاذ بن ہشام نے اپنے باپ کے حوالے سے بیان کی انہوں نے یہ حدیث معاذہ سے اور انہوں نے سعید بن ابی الحسن (بصری) سے سماعت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ کی مٹھ چاندی کی تھی۔

راوی حدیث (۲۸۰) سعید بن ابی الحسنؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں

## مردوں کے لئے آلاتِ حرب میں چاندی کا استعمال:

مضمونِ حدیث تو پہلی حدیث والا ہے دونوں احادیث کا مدلول یہ ہے تحلیۃ آلۃ الحرب بفضۃ (کہ جنگی ساز و سامان کو چاندی کے ساتھ مزین کرنا) مردوں کے لئے جائز ہے سونے کے ساتھ جائز نہیں والتحلیۃ بذلک من خصائص الامۃ المحمديۃ العظیمۃ (اتحافات ص ۱۳۵) (اور چاندی کے ساتھ مزین کرنا بھی امت محمدیہ کی بڑی خصوصیات میں سے ہے)

(۱۰۳/۳) حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ صُلْرَانَ الْبَصْرِيُّ أَخْبَرَنَا طَالِبُ بْنُ حُجْبِرٍ عَنْ هُوْدٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ جَدِّهِ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَى سَيْفِهِ ذَهَبٌ وَفِصَّةٌ قَالَ طَالِبٌ فَسَأَلْتُ عَنِ الْفِصَّةِ فَقَالَ كَانَتْ فِيعَةُ السَّيْفِ فِصَّةً.

ترجمہ! ہمیں ابو جعفر محمد بن صدران بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی طالب بن حجر نے بواسطہ ہود کے جو عبد اللہ بن سعید ہیں وہ اپنے نانا سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو حضورؐ کی تلوار پر سونا اور چاندی تھا طالبؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ سے پوچھا کہ چاندی کس جگہ تھی تو انہوں نے فرمایا کہ قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

راویان حدیث (۲۸۱) ابو جعفر محمد بن صدران البصریؒ (۲۸۲) طالب بن حجرؒ (۲۸۳) ہود بن عبد اللہؒ اور (۲۸۴) جدہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## تلوار میں سونے کے استعمال کا حکم:

جمہور علماء کے نزدیک تلوار میں سونا لگانا ممنوع ہے بظاہر اس روایت باب سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے جمہور محدثین و فقہاء کہتے ہیں کہ یہ حدیث استعمالِ ذہب کے جواز کے لئے مستدل نہیں بن سکتی جس کے متعدد وجوہات ہیں۔

(۱) محدثین نے اس روایت کو ضعیف بتایا ہے ہذا الحدیث ضعیف کما قالہ القطان بل منکر فلا تقوم به الحجة علی حل التحلیۃ باللہب (مواہب ص ۹۶) (یہ حدیث ضعیف ہے جیسے کہ امام قطان کہتے ہیں بلکہ منکر ہے اس لئے اس حدیث سے سونے کے ساتھ کسی چیز کو مزین اور خوبصورت بنانے پر دلیل قائم نہیں کی جاسکتی)

(۲) علامہ توربشتی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی سند قابل اعتماد نہیں ہے وقال التوربشتی هذا الحدیث لا يقوم به حجة اذلیس له سند يعتمد به (جمع ص ۱۹۴) (توربشتی کہتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل اور حجت نہیں بن سکتی اس لئے کہ اس کی کوئی ایسی سند نہیں جس پر اعتماد کیا جاسکے)

(۳) یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکة يوم الفتح الح مكة المکرمۃ کو فتح کر کے بحیثیت فاتح داخل ہوئے یہ واقعہ ہجرت کے آٹھویں سال رمضان المبارک کا ہے اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت نصب تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں چھڑی تھی اور ہر ایک بت پر آیت کریمہ جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً (حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل ہمیشہ مٹے گا) پڑھ کر چھڑی سے اشارہ فرماتے تو وہ گر جاتا چونکہ یہ فتح کا موقع تھا تو کہا جاسکتا ہے کہ فضة ملمع باللہب تھی خالص سونا نہیں تھا۔ بہر حال جمہور فقہاء اور علماء کے نزدیک تلوار میں سونے کا استعمال جائز نہیں ہے۔

(۴) چونکہ سونا ممنوع تھا اس لئے راوی نے بھی صرف چاندی کی تحقیق کی کہ وہ کس جگہ تھی سونے کے متعلق پوچھا تک نہیں کہ وہ کہاں تھا ولعل السؤال حين كان عن الفضة دون اللہب فيه اشارة للذلک (اتحافات ص ۱۴۷) (اور جب کہ سوال صرف چاندی سے تھا نہ کہ سونے سے تو یہ بھی خود اس طرف اشارہ ہے) (کہ سونا ممنوع تھا)

(۵) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ قبیحۃ تو چاندی کا تھا موضع ذهب مقبض سے اوپر تھا جس میں احتمال ہے کہ مسمار (میخیں) سونے کے ہوں جس کی فقہاء اجازت دیتے ہیں واللہ اعلم۔

(۱۰۴/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُجَاعٍ الْبَغْدَادِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ  
عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ صَنَعْتُ سَيْفِي عَلَى سَيْفِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ وَزَعَمَ سَمُرَةُ أَنَّهُ صَنَعَ سَيْفَهُ  
عَلَى سَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ حَنْفِيًّا. حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا  
مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَعْدٍ بِهَذَا الْأَسَانِدِ حَوْه

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن شجاع بغدادی نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو  
ابو عبیدہ حداد نے عثمان بن سعد کے حوالے سے خبر دی اور انہوں نے یہ روایت ابن سیرین سے نقل کی  
وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار سمرۃؓ کی تلوار کے موافق بنوائی اور وہ کہتے تھے کہ ان کی تلوار حضور  
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے موافق بنوائی گئی ہے اور وہ قبیلہ بنو حنیفہ کی تلواروں کے طریق پر تھی۔  
راویان حدیث (۲۸۵) محمد بن شجاع البغدادی (۲۸۶) ابو عبیدہ الحداد اور (۲۸۷) عثمان بن سعد کے  
حالات ”تذکرہ راویان شاکل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### لفظ حنفیاً کی تشریح:

وكان حنفياً الخ حنفياً قبیلہ بنو حنیفہ کی طرف نسبت ہے مسلمان کذاب اس قبیلہ سے تھا یہ لوگ تلواروں  
کے عمدہ بنانے میں مشہور تھے اس سے قبل بھی کان حبشیاً گذرا ہے جس کا ایک معنی ہم نے ”حبشی  
الصفة“ کیا تھا یہاں بھی مراد یہ ہے کہ بنو حنیفہ کی صنعت والی ان کی بنائی ہوئی۔

شیخ ابراہیم الیچو ریؒ فرماتے ہیں فیحتمل ان صانعه کان منهم ویحتمل انه اتی به من عندهم وهذه

الجملة من كلام سمرۃ فیما یظهر ویحتمل انها من كلام ابن سيرین علی الارسال

(مواہب ص ۹۶) (پس یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا کارگیر بنو حنیفہ میں سے تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ  
تلوار ان کے ہاں سے لائی گئی ہو، بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ سمرۃ کے کلام سے ہے اور یہ بھی  
احتمال ہے کہ یہ ابن سیرین کا کلام بصورت حدیث مرسل ہو)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں قال المؤلف فی جامعہ هذا حدیث غریب لانعرفه الا من هذا الوجه (جمع  
ص ۱۹۵) اور مصنفؒ نے اپنی جامع میں کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو بغیر اس سند کے نہیں

جانتے ہیں)

روایت مذکورہ کو مؤصّفؒ نے دوسری سند سے بھی نقل فرمایا ہے فرماتے ہیں ہمارے پاس عقبہ بن مکرم بصری نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمارے پاس محمد بن بکر نے عثمان بن سعد کے حوالہ سے اس جیسی خبر دی۔ محمد بن بکر کے بعد روایت سابقہ ہی کے راوی ہیں۔

=====

## باب ماجاء فی صفة درع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ! باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کے بیان میں

### لفظ درع کی تشریح:

لفظ درع (دال کے کسرہ کے ساتھ) مذکر بھی آتا ہے اور مونث بھی اس کی جمع دروع آتی ہے یہاں پر مضاف مقدر ہے ای فی صفة لبس درعه (یعنی زرہ کے پہننے کی صفت کے بیان میں تو گویا (لبس) مضاف محذوف ہے) تاکہ ترجمۃ الباب دونوں حدیثوں کے مطابق ہو جن میں نفس درع کی صفت کا بیان نہیں ہے بلکہ صفت لبس درع کا بیان ہے ہی جبۃ من حلید تصنع حلقاً حلقاً وتلبس للحرب (مواہب ص ۹۷) (درع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ زرہ لوہے کی ایک قمیص ہے جسے حلقہ حلقہ یعنی کنگنیوں کی شکل میں بنایا جاتا ہے اور جنگ میں (حفاظت) کے لئے پہنا جاتا ہے جسے ہم اردو میں زرہ کہتے ہیں یہ لوہے کی قمیص ہے جسے جنگجو لڑائی میں حفاظت کے لئے پہنتے ہیں تاکہ دشمن کے وار کے وقت جسم براہ راست متاثر نہ ہو بلکہ زرہ اس کے لئے مانع ہو اور جسم اسکی زد سے محفوظ رہے یلبس علی الصدر للوقایۃ من ضربات السلاح (اتحافات ص ۱۳۸) (یہ ہتھیاروں کے وار سے بچنے کے لئے سینے پر پہنا جاتا ہے)۔

### حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہوں کا بیان:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگ میں زرہ پہنی ہے کان درع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لها حلقتان من فضة عند موضع الثدي اوقال عند موضع الصدر وحلقتان خلف ظهره (اتحافات



ص ۱۴۸) (اور نبی کریم ﷺ کے زرہ کے دو حلقے (گنگنیاں) پستان کی جگہ یا یہ کہا کہ سینے کی جگہ تھیں اور دو حلقے پیٹھ کے پیچھے تھے) بلکہ احادیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنی زندگی میں متعدد زرہیں استعمال کی ہیں جن میں سے سات کے نام گنوائے گئے ہیں۔

(۱) ذات الفضول! اس کا ذکر احادیث کی کتابوں میں ملتا ہے سمیت بذلک لطولها وہی النی رہنھا عند ابی الشحم الیہودی (مواہب ص ۹۷) و ذکرُوا ان سعد بن عبادہ اهداھا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر (اتحافات ص ۱۴۸) (۲) ذات الوشاح (۳) ذات الحواشی (۴) فضة (۵) السُغدیہ! قبل ہی درع سیدنا داؤد علیہ السلام الی لبسھا لقتال جالوت (۶) البتراء (۷) الخرنق (مواہب ص ۹۷) (۱) ذات الفضول ..... اس کو اس نام سے بوجہ اس کے لمبے ہونے کے مسمیٰ کیا جاتا تھا اور یہ وہی زرہ ہے جس کو آپؐ نے ابو ثعمم یہودی کے پاس بطور رہن رکھا تھا اور مؤرخین نے یہ بھی ذکر کیا کہ یہی زرہ سعد بن عبادہؓ نے بدر کے دن حضور ﷺ کو بطور ہدیہ دی تھی)

(۲) ذات الوشاح (۳) ذات الحواشی (۴) فضة (۵) سُغدیہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی زرہ تھی اور جالوت کے ساتھ جنگ کے لئے اس کو پہنا تھا (۶) بتراء (۷) خرنق) اس باب میں دو احادیث ہیں جن میں آپؐ کے زرہ پہننے کا بیان ہے ای باب بیان الاخبار الواردة فی صفة درع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مواہب ص ۹۷) (یعنی باب حضور ﷺ کے زرہ کے اوصاف کے متعلق وارد شدہ احادیث کے بیان میں)

(۱۰۵/۱) حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ الْأَشْجِيُّ أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَادٍ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَامِ قَالَ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ فَتَهَضَّ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَأَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهُ وَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى اسْتَوَى عَلَى الصَّخْرَةِ قَالَ فَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَوْجَبَ طَلْحَةُ ..

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ابوسعید عبداللہ بن سعید اشجی نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ

ہمیں یونس بن بکر نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت یحییٰ بن عباد بن عبد اللہ بن زبیر سے ان کے والد اور دادا کے واسطے سے اخذ کی۔ تو حضرت زبیر بن العوامؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر احد کی لڑائی میں دوزرہ تھیں (ایک ذات الفضول۔ دوسری فضہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹان کے اوپر چڑھنے کا ارادہ فرمایا مگر (وہ اونچی تھی اور دوزرہوں کا وزن نیز غزوہ احد میں وہ تکلیفیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تھی کہ جن کی وجہ سے چہرہ مبارک خون آلود ہو گیا تھا غرض ان وجوہ سے) حضورؐ اس چٹان پر نہ چڑھ سکے اسلئے حضرت طلحہؓ کو نیچے بٹھا کر ان کے ذریعہ سے اس چٹان پر چڑھے۔ زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ طلحہؓ نے (جنت کو یا میری شفاعت کو) واجب کر لیا۔

راویان حدیث (۲۸۸) ابو سعید عبد اللہ بن سعید الاشجؓ (۲۸۹) یونس بن بکرؓ (۲۹۰) یحییٰ بن عبادؓ (۲۹۱) ابیہ (۲۹۲) جدہ عبد اللہ بن الزبیرؓ اور (۲۹۳) الزبیر بن العوامؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### جنگ احد حضرت طلحہؓ اور دو زرہ ہیں:

کان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد درعان ... حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے روز اوپر نیچے دو زرہیں پہن رکھی تھیں آپؐ ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے مگر ہمت نہیں پارہے تھے یوم احد احد پہاڑ سے منسوب جنگ ہے عرب حسب عادت اپنی لڑائیوں کو امکنہ اور ازمنہ کی طرف منسوب کرتے تھے احد بھی ایک پہاڑ ہے جن کی طرف یہ جنگ منسوب ہے جو ۳ھ میں قریش مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لڑی گئی۔

جنگ احد میں معاملہ بہت سخت تھا تین ہزار کفار کے لشکر جرار نے یلغار کر دی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کے بعد شہر سے باہر جبل احد کے دامن میں کفار کو روک کر یہ جنگ کی یہی وہ موقع تھا کہ منافقین نے بھی دھوکہ دیا اور تیر اندازوں کی غلطی سے فتح شکست میں بدل گئی آپؐ کو اگر چہ زرہ پہننے کی ضرورت نہ تھی مگر تعلیم امت کے لئے ظاہری اسباب اختیار فرمانا بھی

ضروری تھا چنانچہ آپؐ نے ذاتی دفاع کے لئے دو زرہیں (ذات الفضول اور فضة) پہنی ہوئی تھیں اسی سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستبط کیا ہے کہ حسب ضرورت اسلحہ کا استعمال جائز ہے اور یہ تو کل کے منافی نہیں۔ اسی غزوہ میں آپؐ شدید زخمی ہوئے آپ کے سر اور پیشانی مبارک سے کافی خون بہا کہ پتھر لگا تھا، دانت مبارک ٹوٹے، نچلا ہونٹ مبارک زخمی ہوا، چہرہ مبارک زخمی ہوا، گال مبارک میں زرہ کی کڑی دھنس گئی ووقع فی حفرة من الحفر التي عملها ابو عامر ليقع فيها المسلمون (اتحافات ص ۱۴۹) اور آپؐ غاروں میں سے ایک غار میں گرے جن کو ابو عامر نے اس لئے کھودا تھا کہ اس میں مسلمان گریں) یہاں تک کہ ابن قمرۃ نے بلند آواز سے اعلان کر دیا کہ (نعوذ باللہ) آپؐ قتل ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ میں یہ جھوٹی افواہ پھیلا دی گئی اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آپؐ کسی بلند چٹان پر چڑھ جائیں تاکہ صحابہ کرامؓ آپؐ کو دیکھ لیں اور ان کو آپؐ کی حیات طیبہ کا یقین ہو جائے آپؐ نے چٹان پر چڑھنا چاہا۔ فلم يستطع لقتل الدرعين و كثرة جهده (اتحافات ص ۱۴۹) پھر دونوں زرہوں کے بوجھ اور (اس دن) کی تکلیف اور سخت مشقت کی وجہ سے (چٹان) پر نہ چڑھ سکے) پھر حضرت طلحہؓ کو بٹھایا ان کو سہارا بنا کر چٹان پر چڑھ گئے اور جب اطمینان و استقامت سے آرام فرما ہوئے اور صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو زندہ و سلامت دیکھا تو وہ مطمئن ہو گئے تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اوجب طلحة۔ طلحہؓ نے اپنے اوپر واجب کر لی اس کے تین معانی محتمل ہیں (۱) جنت واجب کر لی (۲) میری شفاعت واجب کر لی (۳) یا بڑا ثواب واجب کر لیا یعنی لنفسه الجنة او الشفاعة او المثوبة العظيمة بفعله هذا او بما فعل ذلك اليوم حيث جعل نفسه فداء رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى شلت يده (جمع ص ۱۹۷) (یعنی حضرت طلحہؓ نے اپنے لئے جنت یا شفاعت یا اجر عظیم واجب کر لیا اپنے اس فعل کی وجہ سے یا جو اس دن اس نے اہم کارنامہ سرانجام دیا کہ اپنے آپ کو حضور ﷺ پر قربان ہو جانے کے لئے پیش کیا اتنے تک کہ اس کا ہاتھ بھی شل (ناکارہ) ہو گیا)

یہ اللہ کی طرف سے حضرت طلحہؓ کی دلیری، جوانمردی، بہادری، شجاعت اور بے مثال ایثار

و قربانی کا انعام تھا وہ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نثار کرنے کے لئے مردانہ وار لڑتے رہے حضرت طلحہؓ اس روز حضور اقدسؐ سے بار بار عرض کرتے تھے یا نبی اللہ! بابی انت وامی لا تشرف یصحبک سهم من سهام لقوم فتحی دون نحروک (اتحافات ص ۱۵۰) (اے اللہ کے پاک نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ اپنے سر وغیرہ کو ظاہر اور اونچا نہ کر کہ کسی دشمن کا تیر نہ لگ جائے میری یہ گردن قربانی کے لئے آپ کے لئے پیش خدمت ہے) حضرت طلحہؓ پر اس روز کچھ اوپر اسی زخم آئے تھے کہ وہ ڈھال بن کر آپؐ پر برسنے والے تیروں کو روکتے رہے اور آپؐ کی مدافعت میں تیر اندازی بھی کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ اس روز حضرت طلحہؓ کا ایک ہاتھ بھی شل ہو گیا۔ حضرت طلحہؓ کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے خیر شہید یمشی علی الارض (اتحافات ص ۱۵۰) (زمین پر چلنے (رہنے) والوں میں سے بہترین شہید) حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت طلحہؓ کی اس دن کی ہمت و استقامت اور آپؐ پر جان نثاری و فداکاری دیکھ کر ارشاد فرمایا ذلک الیوم کلہ لطلحہ (اتحافات ص ۱۵۰) (یہ دن سب طلحہؓ کا ہوا) (یعنی تمام درجات اس نے سمیٹ لیے) جمل کی لڑائی میں شہید ہوئے اور بصرہ میں مدفون ہوئے حضرت طلحہؓ کا واقعہ تفصیل سے عرض کر دیتا کہ مسلمانوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ کی محبت والہیت اور اخلاص و کمال عشق کا اندازہ لگ سکے۔

(۱۰۶/۲) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانٌ قَدْ ظَاهَرَ بَيْنَهُمَا..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں (احمد) ابن ابی عمر نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سفیان بن عیینہ نے یہ روایت بیان کی انہوں نے یہ حدیث یزید بن خصیفہ سے سائب بن یزید کے حوالے سے نقل کی وہ کہتے ہیں کہ جنگ احد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر دو زرہیں تھیں جن کو اوپر نیچے پہن رکھا تھا۔

راوی حدیث (۲۹۴) یزید بن خصیفہؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامک ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## ظاہر بینہما کی تشریح:

حدیث کا مضمون تو وہی ہے جو باب کی پہلی روایت میں گزر چکا ہے البتہ اس روایت میں قد ظاہر بینہما کے الفاظ کا اضافہ ہے ظاہر کا معنی اوپر نیچے یاد دہا ہونا ظاہر بین الثوبین اوپر نیچے پہننا شیخ احمد عبد الجواد الدومنیؒ فرماتے ہیں ای لبس در عا ثم لبس فوقها ظہارة ثم لبس الدرع الاخری (احصافات ص ۱۵۰) یعنی ایک زرہ پہنی اور پھر اس کے اوپر ظہارۃ (کپڑے کی ابرا) پہنی پھر اس کے اوپر دوسری زرہ پہنی (یہ بتانا ہرگز مقصود نہیں کہ آپؐ کے پاس دو زرہیں تھیں جو آپؐ بدل بدل کر کبھی ایک اور کبھی دوسری علی سبیل البدلیۃ پہنا کرتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ آپؐ نے تعلیم امت اور دفاع میں استحکام کی ترغیب اور اہتماماً بامر الحرب (مواہب ص ۹۸) (جنگی امور کی اہمیت کے پیش نظر) دو زرہیں اوپر تلے پہنی تھیں ظاہر کا یہی معنی عربی لغت اور شعراء نے بھی لیا ہے جبکہ سبعة المعلقة الثانیہ میں ہے۔

مُظَاهِرُ سَمَطِي لُؤْلُؤٍ وَ زَبَرَجِدٍ

میرے محبوب نے موتی اور زبرجد کے دو ہار اوپر نیچے پہن رکھے تھے

## توکل کی حقیقت:

جیسے کہ پہلی حدیث میں بھی عرض کیا تھا اس میں اس توکل کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ توکل وہی ہے کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد رب الاسباب پر اعتماد کر لیا جائے۔ وَاِشَارَةُ اِلَى اَنَّهُ يَنْبَغِي اَنْ يَكُونَ التَّوَكُّلُ مَقْرُونًا بِالتَّحَصُّنِ لَا مَجْرَدًا عَنْهُ فَلِهَذَا لَمْ يَرِزْ لِلْقِتَالِ مَنَكْشَفًا مَتَّوْكَلاً وَلِذَا لَمْ يَنْقَلِبْ اَعْقَلُهَا وَتَوَكَّلْ (مواہب ص ۹۸) (اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ توکل حفاظت کے اسباب کے ساتھ مقرون ہونا چاہئے نہ کہ اسباب کو بالکل چھوڑ کر اس لئے تو آپؐ بھی محض اللہ کے بھروسے خالی ہاتھ (بغیر اسباب کے استعمال) جنگ کے لئے نہیں نکلے اور اسی لئے تو آپؐ نے ایک صحابیؓ کو ارشاد فرمایا کہ اونٹ کا پاؤں باندھ کر پھر توکل کیجئے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یا ایہا الذین امنوا  
 خلوا حلقکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا (نساء) اے ایمان والو! کافروں کے مقابلے میں اپنی  
 احتیاط رکھو پھر ان سے مقابلہ کے وقت متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو) حفاظت کا حسب ضرورت  
 وحسب موقع سامان لینا آیت شریف کا امتثال ہے اور آپؐ سے زیادہ ارشادات۔ خداوندی پر عمل  
 کرنے والا کون ہو سکتا ہے لہذا زرہ خود تلوار وغیرہ کا استعمال سب احتیاطی سامان کا استعمال ہے۔  
 (خصائل)

یہ حدیث مرا سیل صحابہؓ سے ہے:

یہ حدیث صحابہ کرامؓ کے مرا سیل میں سے ہے کہ حضرت سائبؓ جنگ احد میں موجود نہ تھے کیونکہ وہ  
 اپنے والد کے ہمراہ حجتہ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے  
 تھے جبکہ اس وقت ان کی عمر صرف سات برس تھی۔

شیخ ابراہیم اللیچو ریؒ نے ابوداؤد کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ عن السائب عن  
 رجل قد سماہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر یوم احد بین درعین (مواہب ص ۹۸) کہ  
 یہ روایت حضرت سائبؓ سے اور اس نے اس شخص سے روایت کی جس کا نام لیا تھا (جس کا سابقہ  
 روایت میں ذکر نہیں) کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن دوزر ہیں نیچے اوپر پہن رکھی تھیں) اس  
 تصریح کے بعد یہ مرا سیل سے نکل جاتی ہے اور غالب یہی ہے کہ عن رجل سے مراد حضرت زبیر بن  
 عوامؓ ہوں کیونکہ اس باب کی پہلی روایت اسی معنی میں ان سے منقول ہے۔

=====

## باب ماجاء فی صفة مغفر رسول الله صلى الله عليه وسلم

ترجمہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خود مبارک کے بیان میں

### مغفر کی حقیقت و صفت:

انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکة وعلیه مغفر ..

مغفر کا معنی خود اس کا مادہ و مصدر غَفَرَ ہے بمعنی ڈھانپنے کے چھپانے اور برتن کے اندر ڈھانپنے کو غفر کہتے ہیں والمغفر کمنبر من الغفر وهو الستر (مواہب ص ۹۸) مغفر بروزن منبر ہے یہ مادہ غفر سے مشتق ہے بمعنی ستر اور پردے کے ہے (غفران کا بھی یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت انسان کے گناہوں کو مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لیتی ہے۔ چونکہ مغفر (خود) بھی انسان کے سر کو دشمن کے حملے سے اور چوٹ سے بچاتی ہے اسے بھی مغفر کہتے ہیں یہ بھی اسلحہ کی ایک قسم ہے لان السلاح يطلق علی ما یقتل به وعلی ما یدفع به وهو مما یدفع به (مواہب ص ۹۸) (یہ اس لئے کہ سلاح کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کے ساتھ یا تو قتل ہو (یعنی آلہ قتل) یا پھر مدافعت اور حفاظت کا ذریعہ ہو اور مغفر (خود) بھی ان چیزوں میں سے ہے جس کے ساتھ مدافعت کی جاتی ہے۔ اس باب میں دو احادیث وارد ہیں جن میں آپؐ کی صفت مغفر کا بیان ہے ای بساب بیان الاخبار الواردة فی صفة مغفر رسول الله صلى الله عليه وسلم (مواہب ص ۹۸) (یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جو حضور ﷺ کے خود کے بارے میں وارد ہوئی ہیں)۔

فتح کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے تو خود پہنے ہوئے تھے آپؐ کے خود مبارک کے نام (۱) موشح اور (۲) ذوالسبوغ تھے۔

## حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آلاتِ حرب:

امام ترمذیؒ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر آلاتِ حرب کا ذکر نہیں کیا شیخ احمد عبد الجواد الدوئیؒ نے آپؐ کے متعدد آلاتِ حرب ذکر کیے ہیں لکھتے ہیں کہ آپؐ کے چھ عدد قوس وکمان تھے جن کے اپنے نام تھے الزوراء، الروحاء، الصفراء، شوحط، الکوم، السداد آپؐ کی ترکش کا نام الکافور تھا ایک ڈھال مبارک کا نام الذلوق تھا دوسری کا نام القنق تھا ایک ڈھال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کی گئی مگر اس پر عقاب، یا کبش (مینڈھے) کی تصویر تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصویر پر ہاتھ رکھا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ہاتھ مبارک کی برکت سے اسے محو کر دیا ابن قیمؒ نے شوحط کی بجائے البیضاء کا ذکر کیا ہے نیز الکوم کے متعلق لکھا ہے کسرت یوم احد فاخذها قتادة بن نعمان (زاد المعاد ج ۱ ص ۴۹) (کہ وہ جنگ احد کے دن ٹوٹ گئی تو اسے قتادہ بن نعمان نے اٹھایا) آپؐ کے سات گھوڑے تھے۔

گھوڑوں کے بھی اپنے نام تھے السکب، المرتجز، الطرب، اللحیف، اللزاز، الورد، سبحة۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق الشافعی نے ان سات متفق علیہ گھوڑوں کا ذکر اس شعر میں کیا ہے۔

والخیل سکب لحیف سبحة بطرب

لزاز مرتجز ورد لها اسرار

(زاد المعاد ج ۱ ص ۵۰)

(اور حضور ﷺ کے گھوڑے سکب لحیف سبحة اور ضرب لزاز۔ مرتجز۔ ورد ان کے اپنے خاصیات تھے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تیر مبارک کا نام المثنوی تھا ایک لمبا سانیزہ تھا جس کا نام البیضاء تھا ایک خیمہ تھا۔ جس کا نام الکسن تھا ایک ٹیڑھے سروالی لکڑی تھی جو تقریباً گز برابر لمبی تھی جس کو معجن کہتے ہیں ایک لاٹھی مبارک تھی یعنی منحصر جس کا نام العرجون تھا (اتحاف ۱۵۳/۱۵۴)

علامہ یوسف نبھانیؒ نے شامل الرسول میں لکھا ہے کہ آپؐ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا اس کا رنگ سیاہ تھا ایک جھنڈا زرد رنگ کا بھی تھا اور ایک سفید رنگ کا تھا جس کے اندر سیاہ دھاریاں تھیں حضور



اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکیزہ کا نام صادر تھا زین کا نام داج تھا، مٹی کا نام قصوی اور غضباء تھا  
 نجر کا نام دلدل گدھے کا نام یعفور تھا جس بکری سے دودھ نوش فرما۔ اس کا نام عینہ تھا۔ مذکورہ  
 آلات حرب کے علاوہ بھی ابن قیمؒ نے چند دیگر اشیاء کا بھی ذکر کیا ہے فرمایا۔ و کانت له ثلاث  
 جبات يلبسهما في الحرب فيها جبة سندس اخضر... و کانت له حربة تسمى النبعاء و کان له  
 محجن يسمی اللون و کان له ترس ابيض يسمی الموجز (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۰) (آپ کے  
 تین جتے تھے جن کو جنگ و جہاد میں پہنتے تھے ان میں ایک جبہ سبز سندس کا تھا اور آپ کا ایک نیزہ تھا  
 جسے نبعاء کہا جاتا تھا اور ایک محجن (ٹیڑھے سروالی لکڑی) جس کا نام الدون تھا اور آپ کی ایک سفید  
 ڈھال بھی تھی جسے موجز کہا جاتا تھا)

(۱۰۷/۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ  
 أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ مَغْفَرٌ فَقِيلَ لَهُ هَذَا ابْنُ خَطْلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ  
 الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوهُ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ روایت بیان کی ان کو مالک بن انس نے یہ  
 روایت بیان کی انہوں نے یہ حدیث ابن شہاب سے نقل کی اور وہ خادم رسولؐ حضرت انس بن مالکؓ  
 سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو  
 آپ کے سر مبارک پر خود بھی حضور جب خود اتار چکے اور اطمینان ہو گیا تو کسی نے آ کر عرض کیا  
 کہ یا رسول اللہ! یہ ابن خطل کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے ہے حضورؐ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔

### خلاصہ مضمون:

حدیث میں دو چیزیں بطور خاغل مذکور ہیں (۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی  
 مغفر (خاص جنگی ٹوپی جسے خود کہتے ہیں) اپنی حیات مبارکہ میں سر پر پہنی ہے (۲) دوسری بات یہ کہ  
 فتح مکہ کے روز ایک شخص عبد العزیٰ بن خطل نے استار کعبہ پکڑ کر جان کی امان چاہی مگر حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف نہ فرمایا اور قتل کا حکم دے دیا۔

### مغفریا عمامہ؟ تعارض کا جواب:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکة... یہاں شارحین حدیث نے ایک تعارض اور اس کے جواب کو اہتمام سے بیان فرمایا ہے تمام رواۃ و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کا یہ دخول فتح مکہ کا مراد ہے اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ دخول مکہ کے وقت آپ نے خود مبارک پہن رکھی تھی و علیہ مغفر کی تصریح ہے۔

مگر اس کے بعد والے باب ”ما جاء فی عمامۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کی پہلی روایت میں ”و علیہ عمامۃ سوداء“ کی تصریح ہے بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے بعض محدثین اور شارحین حدیث کو تذبذب ہوا کہ دونوں روایات میں کونسی زیادہ صحیح اور درجہ صحت کو پہنچتی ہے مگر درحقیقت دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے محدثین حضرات نے دونوں روایات کا اپنا اپنا محمل بیان کیا ہے جس کی وجہ سے تعارض باقی نہیں رہتا۔

(۱) حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آغاز میں جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سر پر خود مبارک تھا آپ کے لئے تھوڑی دیر کے لئے حرم میں قتل و قتل حلال کر دیا گیا تھا و انت حل بہذ البلد چونکہ جنگ اور قتال میں اپنا دفاع بھی لازمی تھا اس لئے آپ نے خود مبارک پہن رکھی تھی۔

مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حرم کو مستقل معرکہ کارزار یا میدان جنگ نہیں بنانا چاہتے تھے چنانچہ دخول مکہ کے فوراً بعد آپ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے مامون ہے اپنے گھر میں داخل ہو جائے مامون ہے اور جو ہتھیار ڈال دے وہ بھی مامون ہے اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے مامون ہے جب دخول مکہ کے بعد جنگ کا احتمال باقی نہ رہا اور لوگوں نے آپ کی ہدایات کے مطابق امن لینا شروع کر دیا تو آپ نے خود اتار دی اور سر پر عمامہ تھا۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دخول مکہ کے وقت آپ کے سر پر عمامہ بھی تھا اور اس کے اوپر مغفر

یعنی خود بھی تھی اور یہ لوگوں کا معمول بھی تھا جیسا کہ علیؑ رأسہ عصابة کی تصریح بھی ہے اور اس سے مقصد عمامہ کا چھوٹا ہونا بتانا ہے حافظ ابن حجر جمع بین الروایات کی اس صورت کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی قرین قیاس بھی ہے کیونکہ مغفرتو بھاری ہوتا ہے اور ہوتا بھی تو لوہے کا ہے ظاہر ہے کہ اس نے سر کو تکلیف بھی دینی ہے نیچے پگڑی رہے تو سر کو راحت ملے گی۔

## ایک تعارض اور اس کا حل:

وعلیہ مغفر کا اس خبر سے بھی تعارض نہیں ہے جس میں تصریح ہے کہ لا یحل لاحدکم ان یحمل بمکة السلاح جیسا کہ اسے مسلمؑ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کیونکہ شارحین حدیث نے اس کی متعدد توضیحات کی ہیں۔

(۱) شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں کان دخول نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالمغفر والسلاح فی الساعة التي حلت فیها مکة له وهی ساعة تطهیر الکعبة من الاصنام وتطهیر مکة من الشزک والوثنية وبذلك فلاتنا فی بین هذا الحديث وحديث مسلم عن جابر الخ (اتحافات ص ۱۵۱) حضور ﷺ کا مکہ کو اسلحہ اور خود سمیت داخل ہونا یہ اس تھوڑے وقت کے لئے تھا جس میں آپؐ کے لئے قتل و قتل مکہ میں جائز قرار دیا گیا تھا اور اس وقت میں کعبہ شریف کو بتوں اور مکہ شریف کو شرک و بت پرستی سے پاک و صاف کرنا مقصود تھا تو اس توجیہ سے اس حدیث میں اور حضرت جابرؓ کی وہ حدیث جو مسلم میں ہے (کہ نہیں تم میں سے کسی کے لئے جائز کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے) کوئی تعارض اور منافات نہیں۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکہ مکرمہ میں قتال ایک ساعت کے لئے حلال کر دیا گیا ولم تحل لاحد بعده (اور آپؐ کے علاوہ) مکہ اور حرم میں) کسی کے لئے اس کے بعد قتال جائز اور حلال نہیں کیا گیا) اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں متہیاً للقتال (جنگ کی تیاری کر کے) داخل ہوئے تھے۔

(۳) نہیں اور ممانعت خاص ہے اس صورت میں جب حمل سلاح کی ضرورت نہ ہو ولذا دخل عام

عمرة القضاء ومعہ ومع المسلمین السلاح فی القرباب . (اور اسی لئے تو آپؐ عمرۃ القضا کے سال مکہ شریف گئے اور آپؐ اور مسلمانوں کے ساتھ اسلحہ نیام وغیرہ میں تھا)

(۴) المراد من النهی حمل السلاح للمحاربة مع المسلمین . (تہتیار اٹھانے سے منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے لئے تہتیار اٹھائے جائیں)

(۵) ویجوز ان یکون النهی بعلمه صلی اللہ علیہ وسلم علی انہ یجوز لہ مالا یجوز لغيرہ ) جمع ص ۱۹۹ (اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور ﷺ کے اس دفعہ تہتیار اٹھانے کے بعد نہیں ہوئی ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ کے لئے کوئی کام جائز ہو اور آپؐ کے علاوہ لوگوں کے لئے ناجائز ہو ، یعنی حضور ﷺ کی خصوصیت ہو)۔

(۶) وجمع آخرون بان النهی عن السلاح فی الامور العادیة فاذا دعت ضرورة لحمله ارتفع النهی (تحفافات ص ۱۵۱) (اور بعض دوسرے حضرات نے یہ تطبیق بھی کی ہے کہ تہتیار اٹھانے کی یہی امور عادیہ میں ہو اور جب کبھی تہتیار اٹھانے کی ضرورت پڑ جائے تو نہیں ختم ہو جاتی ہے)۔

## ابن خطل کے قتل کا حکم:

فقیل لہ هذا ابن خطل متعلق باستار الکعبة ... یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اتارنے کے بعد بتایا گیا یہ ابن خطل ہے جو استار کعبہ کو پکڑے ہوئے اس کے ساتھ چمٹا ہوا ہے ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

فتح مکہ کے موقع پر عفو عام کے باوصف گیا رہ مرد اور چھ عورتیں ایسی تھیں جن کے جرائم ناقابل عفو تھے آپؐ نے ان کے خون ہدر کر دیئے تھے اور عفو عام سے ان کو مستثنیٰ قرار دے دیا تھا پھر ان میں سے سات مرد اور دو عورتیں مسلمان ہو گئے تھے ان کو معافی مل گئی تھی چار مرد اور چار عورتیں باقی رہیں جو قتل کر دیئے گئے ابن خطل بھی ان میں سے ایک تھا ابن خطل اولاً بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا عبد اللہ نام رکھا وحی کی کتابت کا کام بھی کیا کرتا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبیلہ سے زکوٰۃ لینے کے لئے اسے بھیجا اس نے راستے میں اپنے ایک مسلمان غلام کو اس لئے قتل کر دیا کہ اس۔

کھانا پکانے میں غلطی ہوئی تھی۔

وكان معه مولیٰ یخلمه و كان مسلماً فنزل منزلاً و امر مولاہ ان یذبح تیساً ویصنع له طعاماً و نام فاستیقظ و لم یصنع له شیناً فعدا علیه فقتله (جمع ص ۲۲۰) (اور اس کے ساتھ ایک غلام تھا جو اس کی خدمت کرتا تھا اور وہ (ابن نطل) مسلمان تھا سفر کرتے جب ایک منزل پر اترے تو اپنے غلام کو کہا کہ بکرا ذبح کر کے کھانا تیار کر دے اور خود سو گیا جب بیدار ہوا اور غلام نے ابھی تک کھانا تیار نہیں کیا تھا تو اس غلام پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا)

پھر خود قصاص کے خوف سے مدینہ منورہ نہ لوٹا کہ قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگ نکلا وہاں پہنچ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوکیا کرتا دو باندیاں خریدیں جو آپؐ کے حق میں بھو یہ اشعار کہہ کہہ کر ابن نطل کو خوش رکھا کرتی تھیں آپؐ نے اس کا خون ہدر کر دیا اسلئے باوجود استار کعبہ کے پکڑنے کے اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور قتل کر دیا گیا۔ فقال اقتلوه امرہم بقتلہ علی سبیل الکفایۃ فکل من قتلہ منهم حصل بہ المقصود (مواہب ص ۹۹) (آپؐ نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو آپؐ نے اس کے قتل کا حکم (کسی خاص شخص کو مخاطب کر کے نہ کیا) بلکہ علی سبیل الکفایۃ فرما دیا یعنی یہ کہ جو کوئی بھی اس کو قتل کر دے گا اصل مقصد حاصل ہو جائے گا)

### ابن نطل اور استار کعبہ:

بعض حضرات نے یہاں یہ بھی کہا ہے کہ خانہ کعبہ میں داخل ہوا اور استار کعبہ کے ساتھ چٹ گیا متمسکاً بان من دخلہ کان امناً (اللہ تعالیٰ کے اس قول سے وہ دلیل پکڑ رہا تھا کہ جو کوئی حرم میں داخل ہو جائے وہ امن پر ہوگا) مگر حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں اس کے دخول کعبہ اور امن دخلہ کان امناً سے تمسک کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

در اصل استار کعبہ سے چپٹنے کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں جو کوئی بھی کعبۃ اللہ کے استار سے چٹ جاتا لوگ اس کی تعظیم کرتے اور جرائم معاف کر دیے جاتے لہذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن نطل کو قتل کرنے کا حکم آپؐ کے اس ارشاد کے منافی نہیں ہے کہ من دخل المسجد فہو امن ومن

دخل دار ابی سفیان فهو آمن ومن اغلق عليه بابہ فهو آمن لانه من المستثنین کیونکہ دار قطنی میں روایت ہے قال صلی اللہ علیہ وسلم اربعة لا اؤمنہم لافى حل ولا فى حرم الحویث بن نقید وھلال بن خطل ومقیس بن صبابہ وعبداللہ بن ابی سرح وفى حدیث سعد بن ابی وقاص قال اربعة نفرو امرأتان وقال اقلوھم وان وجلتھم متعلقین باستار الکعبۃ (جمع ص ۱۹۹) کہ جو کوئی مسجد میں داخل ہو وہ امن پر ہوگا جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے وہ امن سے ہوگا۔ اور جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا وہ امن میں ہوگا۔ اس لئے کہ (ابن خطل) امن سے متشتی شدہ لوگوں میں سے تھا۔۔۔۔۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چار آدمیوں کو نہ میں زمین حل میں اور نہ حرم میں امن دیتا ہوں (۱) حویث بن نقید (۲) ھلال بن خطل (۳) لمقیس بن صبابہ (۴) عبداللہ بن ابی سرح اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی مروی حدیث میں ہے کہ چار مرد اور دو عورتیں اور آپؐ نے فرمایا کہ ان کو قتل کر دو اگرچہ تم ان کو غلاف کعبہ پکڑتے ہوئے بھی پاؤ

### ابن خطل کو کس نے قتل کیا:

چنانچہ یہ شخص مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان ابو برزہ سلمیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ البتہ شیخ ابراہیم اللیجوریؒ فرماتے ہیں فقال اقلوھ واستبق الی قتله عمار بن یاسر وسعید بن حریث فسبق سعید وقتله وقيل قتله ابو برزۃ ویجمع بان الذی باشر قتله اولا ابو برزۃ وشارکہ سعید وقتلوہ بین زمزم والمقام (موہب ص ۹۸) (پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو (ابن خطل) کو قتل کر دو تو اس کے قتل کے لئے دوڑ پڑے عمار بن یاسر اور سعید بن حریث تو حضرت سعید نے اس کے قتل کرنے میں سبقت حاصل کر کے قتل کر دیا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس کو ابو برزہ نے قتل کیا ان کی تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ دراصل شروع اور ابتدائے قتل ابو برزہ نے کیا اور پھر اس کے ساتھ سعید بھی شریک ہو گئے اور انہوں نے زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کو قتل کر دیا۔

احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں کہ ابن خطل کے قاتل کی تعیین میں اختلاف ہے حاکم کی روایت میں ہے کہ وہ سعید بن زید ہے بزار میں سعد بن ابی وقاصؓ دار قطنی میں زبیر بن العوام بتلایا گیا

ہے قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ابوہریرہؓ سلمیٰ ہیں ولعل الجميع تسابقوا الي قتله ولكن الذي باشره بالقتل ابوہریرة فضرب عنقه بين الركن والمقام (تحافات ص ۱۵۲) (اور شاید کہ سب نے اس کے قتل کے لئے مسابقت کی لیکن جس نے قتل کیا وہ ابوہریرہ تھے اس نے اس کی گردن رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان توڑ دی یعنی قتل کر دیا)

### شاتم رسول کا حکم:

جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے گا لیاں بکے اور توہین کرے اور مرتد ہو جائے ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شاتم رسول کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے جس طرح نعوذ باللہ کوئی شخص اللہ رب العزت کو گالیاں دے، شرک کرے اور مرتد ہو جائے پھر توبہ کر لے تو اس کی توبہ بالاتفاق قبول ہوتی ہے تو شاتم رسول جو مرتد ہو جائے اس کی توبہ بھی قبول ہونی چاہئے قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔

باب کہ یہ روایت ائمہ ثلاثہؒ کے مسلک کا مستدل اور مؤید ہے امام ابن تیمیہؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل مفصل اور جامع کتاب ”الصارم المسلول علی شاتم الرسول“ کے نام سے لکھی ہے جس میں ہر دو مذاہب کے دلائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے جب دونوں جانب کے مسالک اور دلائل و اہداف کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ محققین احنافؒ اور محققین شوافعؒ کے درمیان کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے اور نہ کوئی تعارض ہے بلکہ صرف نزاع لفظی ہے مقصد ایک ہے دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب له (کہ گناہ سے حقیقہ توبہ کرنے والا اس شخص کے مانند ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو) کے مطابق شاتم رسول کی توبہ بھی عند اللہ قبول ہوگی تاہم حاکم وقت، قاضی اور عامل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ شاتم کو توبہ کی وجہ سے معاف کر دے بلکہ وہ اسے سیارۂ قتل کر سکتا ہے تاکہ آئندہ کسی کو جرات نہ ہو احنافؒ کا مسلک بھی یہی ہے ابن نخل کا قتل اس کا ثبوت ہے کہ وہ سیارۂ قتل کئے گئے۔

باقی رہی یہ بات کہ قتل کر دینا مصلحت ہے یا توبہ قبول کر لینا تو وہ موقع اور محل کے لحاظ سے

فیصلہ کیا جاسکتا ہے جہاں تک ابن خطل کے قتل کا واقعہ ہے تو اس کے متعدد وجوہ محتمل ہیں (۱) حدیث میں ابن خطل کی توبہ کا کوئی ذکر نہیں (۲) یہ عین ممکن ہے کہ ابن خطل نے توبہ نہ کی ہو اور آپؐ نے بوجہ ارتداد کے اس کے قتل کا حکم دیا ہو (۳) یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے توبہ کی ہو مگر صدق دل سے نہ ہو اور آپؐ کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا گیا ہو۔

(۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا قتل قصاصاً ہو جیسے کہ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں۔ فقطہ قصاصاً بالمسلم الذی قتلہ یروشد الی ذلک ان ابن سرح کان کابن خطل فیما ذکر فلما اسلم ترک (مناوی ص ۲۰۰) پس ابن خطل کا قتل (در اصل) اس مسلمان کی قصاص میں تھا جس کو اس نے قتل کیا تھا اس کا اندازہ آپؐ اس سے کر سکتے ہیں کہ ابن سرح کا حکم بھی ابن خطل جیسا تھا جیسے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے لیکن جب وہ اسلام لائے تو اس کو چھوڑ دیا گیا)

(۱۰۸/۲) حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ أَحْمَدَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهَبٍ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمَغْفَرُ قَالَ فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ ابْنُ خَطْلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلُوهُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَبَلَّغْنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ مُحَرِّمًا..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عیسیٰ بن احمد نے بیان کی۔ ان کو عبد اللہ بن وہب نے یہ روایت بیان کی وہ کہتے ہیں کہ مجھے مالک بن انس نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سنی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو حضورؐ کے سر مبارک پر خود تھی جب حضورؐ نے اس کو اتار دیا تو ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن خطل کعبہ کے پردہ سے لپٹا ہوا ہے حضورؐ نے فرمایا کہ وہ امن والوں میں سے نہیں اس کو قتل کر ڈالو۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور



اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس روز محرم نہیں تھے۔

وبلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یومئذ محرماً حدیث کا مضمون اور تفصیلی بحث تو گذشتہ حدیث میں گذر چکی ہے البتہ یہ جملہ اضافی ہے جو اسی روایت میں نقل کیا گیا ہے۔

## دخول مکہ کے وقت احرام کا مسئلہ:

ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن محرم نہیں تھے احرام نہیں باندھا تھا بلکہ خود مبارک اتار کر سیاہ عمامہ زیب اس فرمایا تھا۔ خطب الناس وعلیہ عمامۃ سوداء (آپؐ نے لوگوں کو) (یوم فتح مکہ) خطبہ دیا اور آپؐ کے سر پر سیاہ عمامہ (پگڑی) تھی) بلکہ اس سے قبل جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سر مبارک پر خود تھا جو احرام کے منافی ہے یہ حدیث بھی بظاہر شوافع کا مستدل اور مؤید ہے اور اس کو سند بنا کر بغیر احرام کے دخول مکہ کو جائز قرار دیتے ہیں مگر حنفیہ حضرات بغیر احرام کے دخول مکہ کو جائز قرار نہیں دیتے تفصیلی بحث اور دلائل تو اپنی جگہ آئیں گے مگر حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث شوافع کا مستدل اور حجت اسلئے نہیں بن سکتی کہ اس روز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فتح مکہ کی غرض سے حرمت اٹھا دی گئی تھی وہ روز آپؐ کے لئے حلال تھا۔

احنافؒ بھی کہتے ہیں دخول مکہ بغیر احرام کے اس وقت ناجائز ہے جب اطمینان ہو امن ہو اندیشہ قتل و قتل اور فکر مزاحمت نہ ہو مگر فتح مکہ کے موقع پر کتنے کتنے اندیشے لاحق تھے مکہ میں داخل ہونے کا یقین نہیں تھا احنافؒ کہتے ہیں کہ لبس مخیط اور ستر رأس ضرورۃً (کہ بوجہ ضرورت اور مجبوری کے سلتے ہوئے کپڑوں اور سر چھپانے) سے احرام معدوم نہیں ہوتا اور زیادہ سے زیادہ دم لازم آئے گا جس سے عدم احرام کا ثبوت بہت مشکل ہے۔

## باب ماجاء فی عمامة النبی صلی اللہ علیہ وسلم

### باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مبارک کے بیان میں

#### عمامة کی فضیلت و برکات:

الْعِمَامَةُ (بکسر العين) ما یعتَم به فوق الرأس (العمامة عین کے کسرہ کے ساتھ ہر اس چیز کو جو سر کے اوپر بطور پگڑی کے لپیٹی جائے) کو کہتے ہیں عمامہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ و مستمرہ ہے والعمامة سنة لا سیما للصلاة وبقصد التجل لا خبار كثيرة فيها (مواہب ص ۹۹) (عمامہ (پگڑی) سنت ہے خصوصاً نماز کے لئے یا خوبصورتی حاصل کرنے کی غرض سے بوجہ ان احادیث کثیرہ کے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں) آپؐ نے خود بھی عمامہ پہنا ہے اور اس کی تعریف بھی فرمائی ہے ترغیب بھی دی ہے اس باب میں مصنفؒ نے پانچ احادیث درج کی ہیں ای باب بیان الاخبار الواردة فی صفة عمامة رسول الله صلى الله عليه وسلم (مواہب ص ۹۹) (یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جو حضور ﷺ کے عمامہ مبارک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ،،عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے (فتح الباری)

یعنی شرح بخاری میں ہے کسی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کہ کیا عمامہ باندھنا سنت ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں عمامہ باندھنا سنت ہے مزید یہ بھی فرمایا،،عمامہ باندھا کرو کہ اسلام کا نشان ہے مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے۔

شیخ بیہقویؒ فرماتے ہیں ففی الخبر فرق بیننا و بین المشرکین العمام علی القلائس و الملبس القلنسوة و حلها فہو زی المشرکین (مواہب ص ۹۹) (حدیث شریف میں ہے کہ ہمارے اور

مشرکین کے درمیان فرق ٹوپوں کے اوپر پگڑیوں کے باندھنے میں ہے اور صرف ٹوپی کا اکیلا پہننا تو یہ (ایک قسم) مشرکین کی شکل و ہیئت ہے)

### سیاہ عمامے کا حکم:

تاہم یہاں اتنا یاد رہے کہ لباس بذاتہ ممنوع نہیں ہوتے بلکہ کسی دوسری قوم یا فرقہ ضالہ سے مشابہت کی وجہ سے انہیں خاص حالات اور مشابہت کے قطعی احتمالات کی وجہ سے مکروہ قرار دیا جاتا ہے مثلاً کالی پگڑی یا سیاہ لباس بنفسہ ممنوع نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی قباحت ہے مگر محرم کے ایام میں شیعہ لوگ سیاہ لباس پہنتے ہیں ان دنوں میں سیاہ لباس پہننا گویا ان سے مشابہت بظاہر شیعیت کا فروغ و ترویج ہے لہذا ان ایام میں سیاہ پگڑی اور لباس سے اجتناب بہتر ہے۔ ایک دور میں سیاہ لباس پہننا عباسی خلفاء کا شعار ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ علماء کرام کے چپے اور عمامے بھی سیاہ ہوا کرتے تھے وجہ یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ سوداء حضرت عباسؓ کو عطا فرمایا تھا جو ہر تخت نشین کے سر پر بطور تبرک کے رکھا جاتا تھا حضرت امام ابو یوسفؒ ذاتی طور پر اس رنگ کو پسند فرماتے تھے چنانچہ ایک عید کے موقع پر جبہ عمامہ اور گھوڑا بھی سیاہ رنگ کا تھا۔ پھر وہ اس رنگ کو فضیلت دینے لگے مقابلہ میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے انہوں نے اسے روافض کا شعار قرار دیا جو بطور حداد (غم) کے وہ استعمال کرتے تھے علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس موضوع پر بھی رسالہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ لونِ اسود بھی سنت ہے اور لونِ ابیض بھی مگر بیاض کو فضیلت حاصل ہے۔

### عمامہ پر قطعی مواظبت ثابت ہے:

یہاں یہ مسئلہ بھی خصوصیت سے واضح رہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ نے عمامہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور اس پر انہوں نے مواظبت کی ہے اور یہ مواظبت قطعی ثابت بھی ہے اس وجہ سے بعض لوگوں نے پگڑی کو سنت مکدہ قرار دیا مگر اس کا پس منظر بھی ہے وہ یہ کہ عرب عمامہ کے عادی تھے وہ بغیر عمامہ کے ٹکنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ یہ ان کا معمول تھا جیسا کہ اب بھی

سرحد و بلوچستان میں بعض قبائل بالخصوص وزیرستان وغیرہ میں یہ قطعی مروج ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور صحابہ کرامؓ بھی صلوٰۃ اور غیر صلوٰۃ میں عرب دستور کے مطابق عمامہ اور رداء کو لازماً پہننا کرتے تھے لہذا عمامہ و رداء عادت مبارک تھی بہر حال رائج یہی ہے کہ نماز پڑھتے وقت عمامہ زیب اس ہو مگر بغیر عمامہ کے بھی نماز بلا کراہت جائز ہے اگر ننگے سر نہ ہو فقہاء کا یہی فتویٰ ہے کراہت اس چیز سے آتی ہے جہاں کوئی ممانعت ہو یا کراہت منقول ہو عادت کے موافق نہ ہونا یہ کوئی جرم نہیں ہے

### مقدار عمامہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ مبارک کی مقدار کیا تھی؟ اسی سلسلہ میں محدثین نے تصریح کی ہے کہ مشہور روایات میں مقدار عمامہ مذکور نہیں ہے طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آئی ہے وقال ابن حجر لا اصل له (مواہب ص ۹۹) (ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی کوئی بنیاد نہیں ہے)

علامہ جزریؒ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں میں خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی (خصائل)

لكن نقل عن النووي انه كان له صلى الله عليه وسلم عمامة قصيرة وكانت ستة اذرع وعمامة طويلة كانت اثني عشر ذراعاً (مواہب ص ۹۹) (لیکن امام نوویؒ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کی ایک کوتاہ (چھوٹی) پگڑی جو چھ ذراع (ہاتھ) تھی اور ایک لمبی پگڑی وہ بارہ ہاتھ تھی)

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ علامہ ابن القیمؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں لم تكن عمامته صلى الله عليه وسلم كبيرة يوذى الرأس حملها ولا صغيرة لا تقي الرأس من حر ولا برد . بل كانت وسطاً بين ذلك وخير الامور الوسط (اتحافات ص ۱۵۵) (حضور ﷺ کی پگڑی نہ اتنی لمبی تھی کہ سر کو اٹھانے سے تکلیف ہو اور نہ اتنی چھوٹی کہ سر کو سردی اور گرمی سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ بلکہ درمیانی تھی اور درمیانی امر میں بہتری ہوتی ہے)۔

(۱۰۹/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ (ح) وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ.

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبد الرحمن بن مہدی نے یہ روایت بیان کی ان کو یہ روایت حماد بن سلمہ کے واسطے سے پہنچی (تحویل) ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی انہوں نے وکیع سے اور انہوں نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے ابن ابی زبیر کے حوالے سے نقل کی۔ انہوں نے جابر سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں جب شہر میں داخل ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

### مغفر یا عمامہ یا دونوں:

دخل النبي صلى الله عليه وسلم مكة يوم الفتح وعليه عمامة سوداء زاد مسلم بغير احرام وزاد مسلم في رواية و ابو داود قد ارخصي طرفيها بين كفيه (مناوی ص ۲۱۴) (آپ فتح مکہ کے دن مکہ شریف داخل ہوئے اور آپ کے سر مبارک پر کالی پگڑی تھی۔ مسلم نے یہ زیادتی کی ہے کہ آپ غیر محرم تھے اور مسلم نے ایک دوسری روایت میں اور ابو داؤد نے یہ زیادتی بھی کی کہ پگڑی کے دو طرف (کنارے) حضور ﷺ نے کندھوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے)۔

اس سے قبل باب میں گزرا کہ دخل مكة وعليه مغفر (کہ حضور ﷺ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کے سر پر خود تھی) دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ (۱) نیچے خود ہو اوپر عمامہ فالعمامة قد تكون فوق المغفر (اتحافات ص ۱۵۵) (پس پگڑی کبھی خود کے اوپر ہوتی ہے) یا عمامہ چھوٹا ہو اور اس پر خود ہو (۲) یا داخلہ کے وقت خود مبارک سر پر تھی کہ احتمال مزاحمت کا تھا لیکن دخول کے متصلاً عمامہ باندھ لیا جو بظاہر دخول کا وقت ہی تھا اسلئے وقت دخول کی طرف نسبت ہوئی (۳) بعض حضرات یہ توجیہ بھی کرتے ہیں کہ خود تو لوہے کا ہوتا ہے ظاہر ہے پہننے والے کو اذیت بھی ہوتی ہوگی اذیت سے بچنے کے لئے خود کے نیچے پگڑی پہن لی ہوگی۔ وفي الحديث اشارة الى ان العمامة افضل من غيرها (اتحافات

ص ۱۵۵) (اور حدیث شریف میں اشارہ کہ عمامہ (پگڑی) دوسری چیزوں سے افضل ہے) وقال الجزری و فیہ اشارة الى ان هذا الدين لا يتغير كالسواد بخلاف سائر الالوان (جمع ص ۲۰۴) (امام جزریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ اس دین اسلام میں تغیر تبدیل نہیں ہوگا جیسے کالا رنگ (کہ اس میں تبدیلی نہیں ہوتی) بخلاف دوسرے رنگوں کے) قال الزین العراقی اختلف الفاظ حدیث جابر فی المكان والزمان الذی لبس فیہ العمامة السوداء فالمشهور انه يوم الفتح وفي رواية البيهقي في الشعب يوم ثنية الحنظل وذلك يوم الحديدية قال ويجاب ببيان ان هذا ليس اضطراباً وانه لبسها في الحديدية وفي الفتح معاً اذ لا مانع من ذلك الا ان الاسناد واحد فليتامل (مناوی ص ۲۰۵) (حافظ زین الدین العراقیؒ نے کہا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث کے الفاظ اس مکان (جگہ) اور زمان (وقت) کے متعلق مختلف ہیں جن میں حضور ﷺ نے کالی پگڑی پہنی۔ پس مشہور تو یہ ہے کہ وہ فتح مکہ کا دن تھا اور امام بیہقیؒ کی روایت میں ثنیۃ الحنظل (یوم حدیبیہ) کا دن تھا (تو گویا روایت میں اضطراب ہوا) زین العراقیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ جواب دیا گیا کہ یہ کوئی اضطراب نہیں بلکہ بے شک (یہ ہو سکتا ہے) کہ آپؐ نے حدیبیہ اور فتح مکہ کے دونوں ایام میں کالی پگڑی پہنی ہو اس لئے کہ اس میں کوئی امر مانع نہیں البتہ یہ بات (کھٹکتی ہے) کہ سند تو ایک ہی ہے فلیتامل)

(۱۱۰/۲) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُسَاوِرِ الْوَرَّاقِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِمَامَةً سَوْدَاءَ.

ترجمہ! ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی انہوں نے یہ روایت سفیان سے اور انہوں نے مساور وراق سے اخذ کی وہ یہ روایت جعفر بن حریشؒ سے اور وہ اپنے باپ عمرو بن حریشؒ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ دیکھا۔

راویان حدیث (۲۹۵) مساور الوراقؒ اور (۲۹۶) جعفر بن عمروؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## سیاہ عمامہ اور بعض صحابہ کا معمول:

قال رایت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمامۃ سوداء - مضمون حدیث تو پہلی حدیث میں گزر چکا۔ شیخ عبدالرؤف لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے بھی بہت سوں نے سیاہ رنگ کا عمامہ استعمال کیا ہے حضرت علیؓ نے شہادت عثمانؓ کے روز حضرت حسنؓ سیاہ لباس اور سیاہ عمامہ میں خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے حضرت ابن زبیرؓ سیاہ عمامہ باندھ کر خطبہ ارشاد فرماتے حضرت انسؓ حضرت عبداللہ بن جریرؓ حضرت عمارؓ بھی سیاہ عمامہ پہنا کرتے تھے (مناوی ص ۲۰۴)

وکان سعید بن المسیب یلبسها فی العیدین (اتحافات ص ۱۵۷) (اور حضرت سعید بن المسیب بھی کالی پگڑی عیدین (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) میں پہنا کرتے تھے) مگر بایں ہمہ علماء کرام اور فقہاء عظام نے جمعہ وعیدین یا خطبہ میں سیاہ عمامہ پہننا ضروری قرار نہیں دیا۔ وفی شرح الزیلعی وکیف ماکان الافضل فی لبسها البیاض وصحة لبس المصطفیٰ للسواد ونزول الملائكة يوم بلر بعمائم صفر لا یعارضه لانه لمقاصد ومصالح اقتضاها خصوص ذلک المقام کما بینہ بعض العلماء الا علام فلاینا فی عموم الخبر الصحیح الامر بلبس الابيض وانه خیر الالوان فی الحیاة والممات (مناوی ص ۲۰۴) (اور زیلعی کی شرح میں ہے اور صورت جو بھی ہو پس افضل سفید عمامہ اور پگڑی ہے دوسری جانب حضور ﷺ کے کالی پگڑی پہننے کی صحت اور فرشتوں کا جنگ بدر کے دن زرد (پیلی) پگڑیاں پہنے اتنا اس کے معارض اور منافی اس لئے نہیں ہے کہ یہ تو بعض ایسے مقاصد اور مصالح کی وجہ سے تھا جو اس مقام کی خصوصیات کی مقتضی تھیں جیسے کہ اس کو بعض بڑے علماء حضرات نے بیان کیا ہے۔ تو اس لئے یہ اس حدیث صحیح کے عموم کے منافی نہ ہوا جس میں سفید لباس کے پہننے کا حکم ہے اور یہ کہ سفید رنگ زندگی میں بھی اور وقت موت بھی دوسرے رنگوں سے بہترین رنگ ہے)

امام اوزاعیؒ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ سیاہ رنگ کو کیوں استعمال نہیں کرتے تو ناپسندی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لانه لا یجلی فیہ عروس ولا یلی فیہ محرم ولا یکفن فیہ میت والظاهر مراد ہ غیر العمامۃ (مناوی ص ۲۰۴) (کہ اس (کا لے رنگ) کے لباس میں دلہن کو جلوگاہ میں نہیں بٹھایا

جاتا اور نہ ہی اس میں محرم شخص تبلیہ پڑھتا ہے اور نہ اس میں میت کو کفن دیا جاتا ہے اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ امام اوزاعیؒ کی مراد اس عمامہ (پگڑی) کے علاوہ دیگر لباس ہے)

حدیث کا مدلول یہ بھی ہے کہ صرف دخول مکہ کے وقت نہیں اس کے علاوہ بھی آپؐ نے سیاہ عمامہ استعمال فرمایا ہے تاہم علماء کرام کا تول فیصل اور متفقہ فیصلہ یہی ہے جیسا کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں فی الحدیث جواز لبس الاسود فی الخطبة ولبس البیاض افضل (جمع ص ۲۰۵) (اور حدیث شریف میں خطبہ کے وقت سیاہ پگڑی پہننے کا جواز اور سفید پگڑی کا پہننا افضل معلوم ہوتا ہے) شیخ احمد عبد الجواد الدوئیؒ فرماتے ہیں کہ والعمائم البیض ہی النبی تناسب زی العلماء فی هذا الزمان (اتحافات ص ۱۵۷) (کہ اس زمانہ میں علماء کو بطور شعار کے سفید پگڑیاں باندھنا زیادہ مناسب ہیں)

(۱۱۱/۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ وَيُوسُفُ بْنُ عِيسَى قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مُسَاوِرِ الْوَرَّاقِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرٍو وَبْنِ حُرَيْثٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے استاد محمود بن غیلان اور یوسف بن عیسیٰ نے یہ حدیث بیان کی وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو وکیع نے یہ روایت بیان کی انہوں نے یہ روایت مساور وراق سے اخذ کی انہوں نے یہ حدیث جعفر بن عمرو بن حریش سے نقل کی جو اپنے باپ عمرو بن حریشؒ کے حوالے سے کہتے ہیں۔ کہ حضور اقدسؐ نے ایک مرتبہ خطبہ پڑھا اور حضور کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

### دوران خطبہ سیاہ عمامہ کا ثبوت:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب الناس وعلیہ عمامة سوداء (کہ بے شک نبی علیہ السلام لوگوں کو خطبہ دیا اور آپؐ کالی پگڑی باندھے ہوئے تھے) مسلم کی روایت میں علی المنبر (منبر پر) کی تصریح ہے۔ (جمع ص ۲۰۵)

نیز مسلم میں ابواسامہ عن مساور کے طریق سے روایت ہے قال حدثني جعفر بن عمرو بن حریش



عن ابيه قال كانى انظر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وعليه عمامة سوداء قد ارحى طرفيها بين كفيه قال عياض والصواب طرفها (اتحافات ص ۱۵۷) (جعفر بن عمرو بن حريث اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ گویا میں حضور ﷺ کو منبر پر بیٹھے دیکھ رہا ہوں اور آپ کے سر پر کالی پگڑی ہے جس کے دونوں طرف اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکائے ہیں۔ عياض فرماتے ہیں کہ طرفيها (تثنیہ) کی بجائے طرفها (بصيغة مفرد) صحیح ہے)

(۱) مشہور قول یہ ہے کہ یہ خطبہ فتح مکہ کا ہے جو کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر آپ نے ارشاد فرمایا تھا ای وعظهم عندباب الكعبة كما ذكره الحافظ ابن حجر والمراد بالمنبر فى بعض الروايات عتبة الكعبة لانها منبر بالمعنى اللغوى وهو كل مرتفع (مواهب ص ۱۰۰) (یعنی ان کو کعبہ کے دروازے کے پاس وعظ و نصیحت فرمائی جیسے کہ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔ اور منبر سے مراد بعض روایات میں کعبہ (بیت اللہ) کی چوکھٹ ہے اس لئے کہ لغوی معنی کے لحاظ سے چوکھٹ بھی منبر ہے۔ کیونکہ منبر کا لغوی معنی ہر اونچی جگہ ہے)

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کا کوئی خطبہ جمعہ تھا کیونکہ اس قصہ میں بعض جگہ منبر کی تصریح بھی منقول ہے جبکہ فتح مکہ کا خطبہ منبر پر نہیں تھا۔ وقد ذكر صاحب المصابيح هذا الحديث فى باب خطبة الجمعة (اتحافات ص ۱۵۷) (اور صاحب المصابيح نے اس حدیث کو خطبہ جمعہ کے باب میں ذکر کیا ہے)

(۳) ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں میرک شاہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ خطبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال کا ہے۔ شیخ عبدالجواد الدؤنی فرماتے ہیں ومن هذا الحديث نفهم ان لبس العمامة السوداء لم يكن بمكة فقط ولكن كانت في مكة وغيرها (اتحافات ص ۱۵۷) (اور اس حدیث سے ہم یہ سمجھتے اور معلوم کرتے ہیں کہ آپ کا سیاہ پگڑی کا پہننا یہ صرف مکہ میں نہیں تھا بلکہ مکہ اور غیر مکہ دونوں میں ہوا ہے)

بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَمَمَ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ نَافِعٌ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذَلِكَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذَلِكَ ..

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے استاذ ہارون بن اسحاق ہمدانی نے یہ حدیث بیان کی ان کو یہ روایت یحییٰ بن محمد مدنی نے بیان کی انہوں نے یہ روایت عبدالعزیز بن محمد سے اور انہوں نے عبید اللہ بن عمر سے اخذ کی وہ روایت نافع کی طرف منسوب کرتے ہیں جنہوں نے اسے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان یعنی پچھلی جانب ڈال لیتے تھے نافع یہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو ایسے ہی کرتے دیکھا عبید اللہ جو نافع کے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے) قاسم بن محمد اور (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے) سالم بن عبداللہ کو ایسے ہی کرتے دیکھا۔

راویان حدیث (۲۹۷) ہارون ابن اسحاق الہمدانیؒ (۲۹۸) یحییٰ بن محمد المدیؒ (۲۹۹) عبدالعزیز بن محمدؒ اور (۳۰۰) عبید اللہ بن عمرؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### شملہ بھی سنت مؤکدہ ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا اعتَمَ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ ... پہلی تین روایات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ مبارک کے سیاہ رنگ کی وضاحت تھی اب چوتھی روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ باندھنے کے طریقہ کو بیان کیا گیا ہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ جب عمامہ باندھتے تو اس کے کنارہ (شملہ) کو دونوں کاندھوں کے درمیان لٹکا دیتے تھے سدل کا معنی لٹکانا ہے عمامہ سے مراد (۱) کنارہ عمامہ ہے ای ارخی طرفھا الذی یسمی العلاقیہ (جمع) ص ۲۰۶ (یعنی پگڑی کا ایک کنارہ لٹکائے ہوئے تھے جسے علاقیہ کہا جاتا ہے) (۲) بعض طرق الحدیث میں ہے آپؐ دونوں کاندھوں کے درمیان طرف اعلیٰ کا ارسال فرماتے تھے۔ وہو یسمی

عذبة لغة (اور یہ لغت میں عذہ کہلاتا ہے) (۳) اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ طرف اسفل ہو حتیٰ  
 یكون عذبة فی الاصطلاح العرفی الآن (تا کہ اب کی عرفی اصطلاح میں عذہ ہو) (۴) اور یہ بھی  
 احتمال ہے کہ دونوں اطراف مراد ہوں معاً لانہ وردانہ قد ارخصی طرفیہا بین کفہ بلفظ الشیة  
 (مواہب ص ۱۰۱) (اس لئے کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے دونوں طرفین (کنارے) اپنے  
 دونوں کندھوں کے درمیان لٹکائے۔ تشبیہ کے لفظ کے ساتھ) (۵) اور یہ بھی منقول ہے کہ اس کا ایک  
 طرف آگے اور دوسرا پیچھے ہو جیسے کہ عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں عمّنی رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم فسد لها بین یدئ ومن خلفی رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۴) مجھے حضور ﷺ  
 نے پگڑی بندھوائی اور اس کے ایک کنارہ کو میرے سامنے اور دوسرے کو پیچھے لٹکایا)

وقد استفيد من الحديث ان العذبة سنة فقد جاء فی العذبة احادیث كثيرة ما بین صحیح وحسن  
 (مواہب ص ۱۰۱) (اور حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ عذہ (طرف اعلیٰ کو کندھوں کے درمیان  
 لٹکانا) سنت ہے کیونکہ عذہ کے بارے میں بہت سی احادیث صحیح اور حسن درجہ کی وارد ہوئی ہیں) شیخ  
 عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ویظهر ان اتخاذ العذبة كان اذا اشتد الحر كانت لوقاية الرقبة من  
 شدة الحر (اتحافات ص ۱۵۸) (اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عذہ کا رکھنا اس وقت ہوتا جب گرمی سخت  
 ہوتی تو یہ سخت گرمی سے گردن کی حفاظت کا ذریعہ بنے)۔

خلاصہ یہ کہ شملہ مبارک کے لٹکانے کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ مختلف رہی  
 ہے آپؐ اکثر شملہ مبارک لٹکائے رکھتے تھے۔ سینہ کے دائیں طرف، کبھی بائیں طرف اور تقریباً اکثر  
 اوقات دونوں کاندھوں کے درمیان اور کبھی ایک طرف آگے اور دوسرا پیچھے رکھتے تھے اور کبھی یوں بھی  
 ہوتا کہ پگڑی کے دونوں اطراف کو شملہ کی طرح کاندھوں کے درمیان رکھتے تھے ملا علی قاریؒ فرماتے  
 ہیں ان الاتیان بكل واحد من تلك الامور سنة (جمع ص ۲۰۷) (ان سب امور (مذکورہ بالا) میں  
 سے ہر ایک پر عمل کرنا سنت ہے)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ سے تقریباً سب صورتیں ثابت ہیں مگر افضل صورت دونوں کاندھوں  
 کے درمیان کمر مبارک پر لٹکانا ہے وارسالہا بین کفین افضل (مواہب ص ۱۰۱) (اور اس کا

دونوں کندھوں کے درمیان لٹکانا افضل ہے) علامہ ابن قیمؒ نے اپنے شیخ علامہ ابن تیمیہؒ سے اس سلسلہ میں ایک عجیب بات نقل کی ہے فرماتے ہیں فذل (الحديث) على ان النوبة لم يكن يرخيها دائما بين كفيه. وكان شيخنا ابو العباس ابن تيميه قدس روحه في الجنة يذكر في سبب النوبة شيئا بديعا وهو ان النبي صلى الله عليه وسلم انما اتخذها صبيحة المنام رآه في المدينة لما رأى رب العزة تبارك وتعالى فقال يا محمد فيم يختصم الملاء الا على قلت لا ادرى فوضع بين كفتي فعلمت ما بين السماء والارض الحديث وهو في الترمذی وسئل عنه البخاری فقال صحيح قال فمن تلك الحال ارخى النوبة بين كفيه وهذا من العلم الذي منكره السنة الجاهل وقلوبهم ولم ار هذه الفائدة في اثبات النوبة لغيره (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۰) (پس حدیث شریف اس پر دال ہے کہ آپؐ شملہ دائمی طور پر کندھوں کے درمیان نہیں لٹکاتے تھے) اور ہمارے شیخ ابو العباس بن تیمیہؒ ذوابہ (شملہ) کے متعلق عجیب بات بیان کرتے تھے وہ فرماتے کہ نبی کریم ﷺ نے شملہ لٹکایا اس خواب دیکھنے کی صبح جو کہ آپؐ نے مدینہ شریف میں دیکھا جبکہ باری تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! یہ ملاء اعلیٰ کے فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں آپؐ نے فرمایا میں نہیں جانتا پس باری تعالیٰ نے (بلا تشبیہ) اپنا دست قدرت میرے کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے آسمان وزمین کی سب چیزیں معلوم کر لیں۔۔۔۔ اور یہ ترمذی میں ہے اور امام بخاریؒ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے فرمایا صحیح ہے (تو شیخؒ فرماتے) کہ اسی حال و کیفیت کے سبب آپؐ شملہ کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے۔ ایسے امور اور باتوں کے علم سے جاہل اور غافل لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور میں یہ مذکورہ فائدہ شملہ کے ثبوت میں آپؐ کے علاوہ لوگوں کے لئے نہیں دیکھتا۔ محققین محدثین کی رائے یہ بھی ہے کہ گاہے گاہے شملہ بنائے بغیر بھی پگڑی باندھ لیا کرتے تھے واحیاناً یلبس العمامة من غیر علاقة (جمع ص ۲۰۷) (اور کبھی کبھار آپؐ بغیر شملہ بنائے پگڑی باندھ لیا کرتے تھے)۔

علامہ یوسف نبھانیؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عمامہ باندھا اس کا ایک کونہ میرے کاندھے پر ڈالا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بدر و حنین

میں ایسے فرشتوں کے ذریعہ میری مدد فرمائی تھی جو اس طرح عمامے باندھے ہوئے تھے۔

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کانت له عمامة تسمى السحاب كسأها عليا وكان يلبسها ويلبس تحها القنسوة وكان يلبس القنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قنسوة (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۰) (کہ حضور ﷺ کا ایک عمامہ سحاب تھا آپؐ نے حضرت علیؓ کو پہنایا اور وہ اس کو پہنا کرتے اور اس کے نیچے ٹوپی رکھا کرتے اور آپؐ ٹوپی بغیر پگڑی کے اور پگڑی بغیر ٹوپی کے بھی پہنا کرتے) آپؐ کسی شخص کو اس وقت تک شہر کا حاکم مقرر نہ فرماتے تھے جب تک کہ اسے عمامہ نہ بندھواتے تھے عمامہ کا طرز یہ ہوتا کہ اس کا ایک پلہ دائیں کان دھے پر کان کی طرف ڈالا جاتا تھا۔ وکان ابن عمر يفعل ذلك... (اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ایسا کیا کرتے تھے) یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح پگڑی باندھتے تھے قاسم بن محمدؓ بھی اور حضرت سالمؓ بھی يفعلان ذلك (دونوں ایسا کیا کرتے تھے) یعنی عمامہ کو کتفین کے درمیان ڈالا کرتے تھے و اشار بذلك الى انه سنة مؤكدة محفوظة لم يتركها الصلحاء (مواہب ص ۱۰۱) (اور اس میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک سنت مؤکدہ محفوظہ ہے نیکو کار لوگوں نے اس کو نہیں چھوڑا) (بلکہ اپنا شعار بنایا) اس کی تائید ابن حبان کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے ابن عمرؓ کے حوالے سے نقل کی ہے عن ابن عمر انه قيل له كيف كان يعتم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال بديرو كور العمامة على رأسه وبغرز هامن ورائه ويرخي لها ذؤابة بين كفيه (مناوی ص ۲۰۶) (حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کو کہا گیا کہ حضور ﷺ کیسے پگڑی باندھا کرتے تو ابن عمرؓ نے کہا کہ پگڑی کے پٹوسر کے ارد گرد لپٹ اور گھما کر پیچھے باندھ دیتے اور اس کا شملہ کندھوں کے درمیان لٹا دیتے)

### شملہ کی مقدار:

باقی رہی مقدار شملہ کی بات تو شیخ ابراہیم البیہقیؒ فرماتے ہیں و اقل ما ورد في طولها اربع

اصابع واكثر ما ورد فيه ذراع وبينهما مشبرو يحرم افحاشها بقصد انخيلاء (مواہب ص ۱۰۱)

(شملہ کی مقدار میں کم از کم لمبائی چار انگل اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ وارد ہوئی ہے اور درمیانی مقدار

ایک بالشت اور اس سے انتہائی زیادہ بطور تکبر کے رکھنا حرام ہے)

(۱۱۳/۵) حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا أَبُو سُلَيْمَانَ وَهُوَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْغَسِيلِ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عَصَابَةٌ دَسْمَاءٌ ..

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یوسف بن عیسیٰ نے یہ روایت بیان کی ان کو وکیع نے اور انہیں ابوسلیمان نے یہ حدیث بیان کی جن کا نام عبدالرحمن بن غسیل ہے وہ عکرمہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبہ پڑھا اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھایا چکنی پٹی تھی۔

راوی حدیث (۳۰۱) ابوسلمان بن عبدالرحمن بن الغسیل کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ:

خطبہ الناس وعلیہ عصابة دسماء۔ محدثین حضرات فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ مرض الوفات کے وقت تھا اور آخری خطبہ مبارک تھا۔ ہذا الخطبة وقعت فی مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی توفی فیہ (اتحافات ص ۱۵۹) (اور یہ خطبہ آپؐ نے مرض وفات ہی میں دیا تھا) ولم یصعد المنبر بعد ذلک (مواہب ص ۱۰۱) (اور اس کے بعد منبر پر نہیں بیٹھے) (یعنی پھر خطبہ نہیں دیا) اس خطبہ مبارک میں آپؐ نے انصار کی مراعات کا خاص طور سے ذکر فرمایا ان کے محاسن اور احسانات گنوائے اور ارشاد فرمایا ایہا الناس ان الناس یکترون و یقل الانصار حتیٰ یكونوا کالملح فی الطعام فمن ولی منکم امرأ یضر فیہ احدا ویفعہ فلیقبل من محسنہم ولیتجاوز عن مسیئہم .. فصعدا المنبر ولم یصعد بعد ذلک الیوم (جمع ص ۲۰۹) (اے لوگو! بے شک لوگ (مسلمان) بڑھ رہے ہیں اور قبیلہ انصار (کے لوگ) کم ہوتے جا رہے ہیں اتنے تک کہ وہ کھانے میں مثل نمک ہو

جائیں گے۔ پس تم میں سے جو کسی امر (امور نافعہ یا ضارہ) کا حاکم اور والی بنایا جائے تو انصار میں محسنین کی قدر دانی کرے اور ان میں غلطی کرنے والوں سے درگزر فرمائے اس وقت حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اس دن کے بعد منبر پر پھر نہیں بیٹھے)

### عصاۃ دسما :

اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں درد تھا اسلئے پٹی کا باندھنا بھی موجب ہے بعض روایات میں عمامہ کا لفظ آیا ہے العصاۃ والعمامة بمعنی (احکامات ص ۱۵۹) (عصاۃ اور عمامہ ایک ہی معنی میں ہیں) دسما کا معنی سوداء ہے کما فی نسخة وقیل معنی الدسما الملطخة بالدم لانه صلی اللہ علیہ وسلم کان یكثر من دهن شعره فاصابتها الدسومة من الشعر (موہب ص ۱۰۱) (دسما کا معنی سیاہ ہے جیسے کہ ایک نسخہ میں یہ ہے اور بعض نے کہا کہ دسما کا معنی جو چکنائی کے ساتھ مخلوط ہو۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ اپنے بالوں مبارک میں تیل زیادہ لگاتے تھے تو پگڑی وغیرہ کو بھی بالوں کی چکنائی پہنچ جاتی تھی)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سر پر تیل لگانے کا معمول تھا اور تیل زیادہ استعمال فرمایا کرتے تھے لہذا پٹی کا یا عصاۃ کا تیل آلود ہونا بھی قرین قیاس ہے۔ اور اگر مراد سیاہ عمامہ لیا جائے تو پھر ظاہر ہے کہ اس میں کسی قسم کا بعد نہیں کہ یہ آپ کی عادت مبارک تھی خلاصہ یہ کہ علماء کی اس میں دو آراء ہیں بعض نے یہاں سیاہ عمامہ مراد لیا ہے اور بعض نے چکنی پٹی کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور دونوں صحیح ہیں کہ لفظ دونوں محتمل ہیں اور معمول بھی دونوں کے مطابق ہے۔

## باب ماجاء فی صفة ازار رسول الله صلی الله علیه وسلم

### باب! حضور اقدس صلی الله علیه وسلم کے تہبند کے بیان میں

#### ازار کا معنی و تشریح:

الازار 'ازر سے ماخوذ ہے ازر کا معنی مضبوطی سے باندھنا' ازار بروزن فعال بمعنی مفعول کے ہے یعنی مایؤتزر بہ 'پھر اس سے چادر مراد لی گئی پھر اس کی مزید تخصیص کی گئی یعنی ہر وہ چیز جو اسفل بدن پر باندھی جائے اسے ازار کہتے ہیں ازار کا لغوی ترجمہ تہبند ہے جس کا لفظ اطلاق ازار اور سراویل دونوں پر آتا ہے مگر عرب کی عادت تہبند کے استعمال کی تھی جو سلا ہوا نہ ہوتا تھا اسلئے اب مراد فقط تہبند ہی ہے

الازار: الملحفة والمراد هنا ما یستر اسفل البدن ویقابله الرداء وهو ما یستر اعلی البدن (اتحافات ص ۱۶۱) (ازار اور ملحفہ سے یہاں مراد ہر وہ چیز جو بدن کے نچلے حصہ کو ڈھانپنے اور اس کے مقابل رداء ہے یعنی ہر وہ چیز جو بدن کے اوپر حصہ کو چھپائے) ترجمۃ الباب میں الرداء کو حذف کر دیا گیا من باب الاکفاء کقولہ تعالیٰ سراویل تقیکم الحرای والبرد (جمع ص ۲۱۰) (الاکفاء کے قبیل سے ہوا) یعنی ایک چیز کو ذکر کیا جائے اور اس کا مقابل بھی ساتھ مراد ہو) جیسے کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں کہ "سراویل تقیکم الحر" کا ذکر کر کے اس کا مقابل برد بھی ساتھ مراد ہے۔

#### حضور اقدس صلی الله علیه وسلم کا معمول:

اس باب میں چار احادیث مذکور ہیں جن میں حضور اقدس صلی الله علیه وسلم کے تہبند باندھنے اور صحابہؓ کا آپؐ کی کامل اتباع کا بیان ہے۔ سراویل اگرچہ استر للبدن (بدن کو زیادہ چھپانے والا



(ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدنا بھی ثابت ہے اور پسند کرنا بھی حتیٰ کہ وصال کے بعد ترکہ میں بھی سراویل موجود تھی۔ مگر محققین حضرات کی رائے یہ ہے کہ قوی احادیث میں پہننا مصرّح نہیں ہے علامہ بیجوریؒ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ رائج قول پہننے کا عدم ثبوت ہے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے سراویل خریدی ہے اور ظاہر ہے کہ پہننے ہی کے لئے خریدی ہے اس کے علاوہ متعدد احادیث میں آپؐ کے سراویل پہننے کا ذکر بھی آیا ہے جبکہ حضرات صحابہ کرامؓ تو آپؐ کی اجازت سے باقاعدہ پہنتے تھے اور صحابہؓ کا پہننا ثابت ہے (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۱)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپؐ سے عرض کیا کہ یہود سراویل پہنتے ہیں اور تہبند نہیں پہنتے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی مخالفت کرو سراویل بھی پہنو اور ازار بھیؓ دونوں چیزیں استعمال کیا کرو تا کہ نہ تو یہودیوں کی بالکل موافقت رہے اور نہ بالکل مخالفت۔ نیل الاوطار میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا آپؐ کبھی سراویل بھی پہنتے ہیں آپؐ نے فرمایا پہنتا ہوں مجھے بدن کے ڈھانکنے کا حکم ہے اس سے زیادہ پردہ دوسری چیز میں نہیں ہے تاہم محدثینؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

### ازار و رداء کا طول و عرض:

بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول تہبند باندھنے کا تھا اور چادر اوڑھنے کا اور سراویل بھی پسند تھی لہذا شرعاً تہبند اور سراویل دونوں کا استعمال جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابن جوزیؒ نے الوفاء میں عروہ بن زبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدسؐ کے رداء کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی ڈھائی ہاتھ تھی طول رداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعة اذرع وعرضه ذراعان ونصف اور واقدیؒ سے ابن القیمؒ نے نقل کیا ہے کہ چھ ہاتھ لمبی تین ہاتھ اور ایک بالشت چوڑی تھی عن الواقدي ان طولہ ستة اذرع في ثلاثة اذرع وشبر جبکہ تہبند مبارک چار ہاتھ اور ایک بالشت لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا

واما ازاره فطولہ اربعة اذرع وشبر في ذراعين. (مواہب ۱۰۲) اور احادیث میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حلة حمراء کے پہننے کا جو تذکرہ آتا ہے اس سے مراد بھی ازار اور ورداء ہے والحلة ازار وورداء ولا تكون الحلة الا اسماء للثوبين معاً (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۱) (اور حلتہ (جوڑا) تہبند اور چادر ہے اور دراصل حلتہ دو کپڑوں کے مجموعہ ہی کا نام ہوتا ہے)

(۱۱۲/۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ أَبِي بُرْزَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَخْرَجَتِ الْبَيْتَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كِسَاءً مُلْبَدًا وَإِزَارًا غَلِيظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَلَيْنِ.

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ ان کو یہ روایت اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کی۔ ان کو ایوب نے بیان کیا انہوں نے یہ روایت حمید بن ہلال سے اخذ کی اور ان تک یہ حدیث ابو بردہ (سے ان کے باپ مشہور صحابی ابو موسیٰ اشعریؒ) کے واسطے سے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ہمیں ایک پیوند لگی ہوئی چادر اور ایک موٹی لنگی دکھائی اور یہ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ان دو کپڑوں میں ہوا تھا۔

راویان حدیث (۳۰۲) حمید بن ہلال (۳۰۳) ابو بردہ اور (۳۰۴) ابیہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### پیوند لگی چادر اور درشت کپڑے کا تہبند:

اخرجت البینا عائشہؓ کساءً ملبدًا وازارًا غلیظًا باب کی اس پہلی حدیث میں دو چیزیں مذکور ہیں کہ سیدہ عائشہؓ نے آپؐ کے وفات کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعریؒ کو دو چیزوں کی زیارت کرائی۔ (۱) کساء ملبدہ یعنی پیوند شدہ کبیل یا چادر یہاں کساء بمعنی مکسوء کے ہے یعنی پہنی ہوئی چیز تاہم محاورات میں معمولی کپڑے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کساء بکسر اولہ وھو ما یستر اعلی البدن ضد الازار وجمعه اکسیۃ (منلوی ص ۲۱۰) (کساء (شروع لفظ کے کسرہ کے ساتھ) کا معنی جو بدن کے اوپر حصہ کوڈھانپنے اور جوار کا مقابل ہے اور اس کی جمع اکسیۃ آتی ہے) ملبدًا تلبد سے

ہے پیوند لگے ہوئے کپڑے، عرب کہتے ہیں لبدت القميص البده یا لبدتہ میں نے قمیص میں پیوند لگائے جس ٹکڑے سے قمیص کے سامنے کا حصہ پیوند کرتے ہیں اسے لبدہ کہتے ہیں پشت پر جو چیتھڑا لگاتے ہیں اسے قبیلہ کہتے ہیں وقیل التلبید جعل بعضہ ملتزقاً ببعض : ملبداً ای مرقعاً (جمع ص ۲۱۰) (اور بعض کہتے ہیں کہ تلبید کا معنی کپڑے کے بعض ٹکڑوں کو بعض سے لگانا ملبداً کا معنی ٹکڑے لگا ہوا) وقیل هو الذی ثخن وسطہ حتی صار کاللبد (مواہب ص ۱۰۲) (اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ جس کا درمیان سخت ہو مثل ٹاٹ وغیرہ کے) (۲) دوسری چیز ازاراً غلیظاً یعنی موٹی قسم کا تہبند تھا، غلیظاً غلظۃ سے ہے بمعنی سخت ہونے، موٹا ہونے اور درشت ہونے کے ہیں ای خشناً (مواہب ص ۱۰۲) (یعنی کھر در) وزاد البخاری تعلیقاً مما یصنع باليمن (مناوی ص ۱۰۲) (اور امام بخاریؒ نے تعلیقاً یہ زیادتی بیان کی کہ وہ یمن میں تیار کیا جاتا تھا)۔

سیدہ عائشہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں چیزیں جن میں آپؐ نے وصال فرمایا بطور تبرک کے اپنے پاس رکھی تھیں لا جل التبرک بہما (مواہب ص ۱۰۲) نیز آپؐ کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طیالیسی جبہ بھی محفوظ تھا جسے آپؐ پہنا کرتے تھے جب حضرت عائشہؓ کا انتقال ہوا تو یہ تبرکات ان کی بہن حضرت اسماءؓ کے پاس منتقل ہوئے ۔ فکانت عنہا تستشفی بہا المرضیٰ کما اخبرت بذالک اسماء فی حدیثہا فی مسلم (مواہب ص ۱۰۲) (وہ حضرت اسماءؓ کے پاس تھیں ان کے ساتھ بیماروں کے لئے طلبِ شفا کی جاتی تھی جیسے کہ مسلم کی حدیث میں حضرت اسماءؓ نے اس کی خبر دی ہے) حدیث میں لفظ اخرجت آیا ہے یا تو اہتمام کے لئے خود دکھایا یا پھر ان لوگوں کی درخواست پر کسی کے ذریعہ زیارت کرائی ای اما بنفسہا او بامرہا (جمع ص ۲۱۰) (یعنی یا تو خود حضرت اسماءؓ دکھانے لائی یا کسی نے دکھانے کے متعلق کہا)

**پیوند لگی چادر اور ازار غلیظ کے اختیار فرمانے کی توجیہات:**

فقالت قبض روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ہذین حضرت محدثینؒ نے اس کی بھی مختلف توجیہات بیان کی ہیں (۱) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تکلف نہ فرماتے تھے بعض لوگوں کے ہاں

موت کے وقت بھی عمدہ لباس کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ روح نکلتا بھی عمدہ لباس میں ہو۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں وفيه انه ينبغي للانسان ان يجعل آخر عمره محلاً لترك الزينة وان يركن للعيش الخشن (منلوی ص ۲۱۱) (اور حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کے لئے یہ مناسب ہے کہ اپنی آخر عمر میں ترک زینت کرتا رہے اور اس کا رجحان (سادگی اور ذرا تنگ عیش زندگی کی طرف ہو)

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ قدس میں یہ دعا کی تھی اللھم احینى مسکینا وامتنى مسکیناً اور آپؐ کا ان دو پیوند لگی اور درشت چادروں میں قبض روح اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا اجابۃً لدعائه مراراً اللھم احینى مسکیناً ... (جمع ص ۲۱۱) (یہ حضور ﷺ کی اس دعا کی قبولیت ہے جو آپؐ بارہا کیا کرتے کہ اے اللہ مجھے زندگی میں مسکین رکھ اور میری موت بھی مسکیت میں ہو اور مجھے مسکینوں کے گروہ میں اٹھائیں)۔

(۳) وصال کے وقت ایسے کپڑوں کا استعمال غایتِ درجہ کی تواضع و عبدیت پر حمل کیا جاسکتا ہے جیسے کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ای تواضعاً وانکساراً وعبوديةً وافتقاراً (یعنی تواضع انکساری، عاجزی، عبدیت اور احتیاج کے لئے) حالانکہ فتوحات کے دروازے کھل چکے تھے وسعت بھی آگئی تھی اسلامی ریاست بھی قائم ہو چکی تھی خیبر کی فتح کے بعد مسلمانوں کے مالی حالات بھی مستحکم ہو گئے تھے پھر فتح مکہ کے بعد دوسرے ممالک سے ہدایا اور سلاطین سے تحائف کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا مگر آپؐ کا وہی حال رہا جو پہلے تھا اور یہ حال اختیاری تھا امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ باب میں اور اس نوع کی تمام احادیث کا مدلول یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی لذات اور تنعمات سے اعراض تھا، باریک عمدہ کپڑا اوقاتِ عجب غرور اور تکبر پیدا کرتا ہے جبکہ موٹا سادہ اور فقیرانہ لباس تواضع و انکسار اور عبدیت کا باعث بنتا ہے اس لئے تو حضور ﷺ نے ان دو (پیوند لگی چادر اور موٹا تہبند) کا پہننا پسند فرمایا قال النووی هذا الحديث وامثاله بين ما كان عليه صلى الله عليه وسلم من الزهادة فى الدنيا ولذاتها والاعراض عن اغراضها وشهواتها حيث اختار لبسهم (جمع ص ۲۱۱)

(۴) وفيه دليل على ان الفقير الصابر افضل من الغني الشاكر (جمع ص ۲۱۱) (اور اس میں دلیل ہے کہ فقیر صابر درجہ اور مرتبہ میں غنی شاکر سے بڑا اور افضل ہے) بعض بدنصیب یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں غنی اور مالدار ہو گئے تھے حکومت قائم ہوئی تو دنیا دار ہو گئے اور عیش و تنعم میں رہنے لگے اس حدیث میں ان پر کھلا رد ہے یہ بجا ہے کہ اسلامی ریاست قائم ہوئی فتوحات کے دروازے کھلے مگر آپ کا حال وہی تھا جو پہلے تھا نعم ظہر لہ الملک والغنی ولكن اختار الفقر والفناء ليكون متبعاً لجمهور الانبياء ومتبعاً لخلاصة الاولياء والاصفياء (جمع ص ۲۱۱) (ہاں اسلامی مملکت اور مال داری کے حصول کے باوجود آپ نے فقیرانہ، زہدانہ زندگی کو اس لئے پسند اور اختیار فرمایا تا کہ انبیاء کرام کے اسوۂ حسنہ کی تو تابعداری کرنے والے اور اولیاء کرام کے لئے قبیح و مقتدا بنیں)

### تبرک بآثار الصالحين :

شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آثار الصالحین اور ان کے ملبوسات و سامان سے تبرک حاصل کرنا مندوب ہے وفي الحديث ندب حفظ آثار الصالحين والتبرک بها من ثيابهم ومتاعهم (منوای ص ۲۱۱) چنانچہ امام المؤمنین سیدہ عائشہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس چادر مبارک اور تہبند مبارک کو بطور تبرک کے محفوظ رکھا جس میں آپ کا وصال ہوا تھا فرمایا کہ ان کے پاس ایک طیالسی جب بھی تھا جسے آپ ﷺ نے زیب تن فرمایا تھا اس کے گریبان پر ریشم کا کام ہوا تھا فکانت عنلها يستشفى المريض بها کما اخبرت بذلك اسماء في حديثها في مسلم (منوای ص ۲۱۱) (وہ حضرت عائشہؓ کے پاس تھا مریض اور بیمار لوگ اس کے وسیلہ سے اپنی شفا طلب کرتے جیسے کہ حضرت اسماءؓ سے اس کی خبر مسلم شریف میں منقول ہے)

(۱۱۵/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَمَّتِي تُحَدِّثُ عَنْ عَمِّهَا قَالَ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي بِالْمَدِينَةِ إِذَا إِنْسَانٌ خَلْفِي يَقُولُ ارْفَعْ

إِذَا رَكَ فَإِنَّهُ اتَّقَى وَابْقَى فَأَلْتَمَسْتُ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا هِيَ بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ قَالَ أَمَّا لَكَ فِي أُسْوَةٍ فَظَرُفْتُ فَإِذَا إِزَارُهُ إِلَى نِصْفِ سَاقِيهِ .

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے استاد محمود بن غیلان نے یہ حدیث بیان کی۔ ان کو اس روایت کی خبر ابوداؤد نے کی۔ انہوں نے شعبہ سے اور پھر انہوں نے اشعث بن سلیم کے حوالے سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی سے یہ روایت ان کے چچا کے حوالے سے اخذ کی (ان کا نام عبید بن خالد تھا) وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ جا رہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو اپنے پیچھے یہ کہتے سنا کہ لنگی اوپر کو اٹھاؤ کہ اس سے نجاست ظاہری و باطنی تکبر وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے میں نے کہنے والے کی طرف متوجہ ہو کر دیکھا تو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا کہ حضور! یہ ایک معمولی سی چادر ہے اس میں کیا تکبر ہو سکتا ہے اور کیا اس کی حفاظت کی ضرورت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مصلحت تیرے نزدیک نہیں تو کم از کم میرا اتباع تو کہیں گیا ہی نہیں۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کو دیکھا تو نصف ساق تک تھی۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح:

قال بينما ان امشى بالمدينة الخ امشى مضارع كاصغلا يا گیا ہے استحضاراً للحال الماضیة (جمع ص ۲۱۱) (گذشتہ حال کے استحضار کے لئے) لفظاً بالمعنی فی کے ہے کما فی بعض النسخ (مواہب ص ۱۰۳) (جیسے کہ بعض نسخ شامل میں (باء کے بجائے فی ہے) یعنی بينما امشى فی الملینة) اذا انسان خلفی يقول الخ اذا مفاجاة کے لئے ہے کسی شخص نے مجھے پیچھے سے آواز دی حین رانی مسلاً ازاری وغافلاً عن حسن شعاری (جمع ص ۲۱۲) (جس وقت آپ نے مجھے دیکھا کہ میں اپنے تہبند کو (ٹخنوں) سے نیچے لٹکائے ہوئے ہوں اور میں اسے اپنا اچھا شعار بنانے سے غافل تھا) ارفع از اراك یعنی زمین سے تہبند کو اوپر کرو فانہ اتقی و ابقی کہ ایسا کرنے میں تقویٰ بھی ہے تحفظ و بقا بھی تقویٰ تو اس لئے کہ اس سے کبر، خیلاء، عجب، ریا اور خود پسندی کی نفی ہوتی ہے۔ للبعد عن

الکبر والخیلاء (مواہب ص ۱۰۳) (بعض نسخوں میں انقی مذکور ہے جو النقاء سے ہے ای انظف من الوسخ (جمع ص ۲۱۲) (یعنی کہ میل کچیل سے صاف ستھرا ہوگا) ابقی کا معنی یہ ہے کہ تہ بند دیر تک چلے گا اور اگر زمین پر گھسٹتا رہا تو جلدی پھٹ جائے گا نصف ساقین تک از ار رکھنا یہ تقویٰ کے مطابق ہے اخروی فائدہ ہوا اور ازار کے پاؤں کے نیچے آنے سے بچنے میں تحفظ دہنوی کا فائدہ ہے یہ انقی ہوا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اپنے کپڑوں کی حفاظت صفائی اور ان کی دیکھ بھال پر توجہ دینی چاہئے لان اہمالہ تضييع واسراف (مواہب ص ۱۰۳) (اس لئے کہ اس کو ویسے مہمل چھوڑ دینے میں اسراف اور کپڑے کا ضیاع ہے)

### بردة ملحاء :

فالتفت فاذا هو رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله انما هي بردة ملحاء - یعنی میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا ای نظرت الی ورائی (جمع ص ۲۱۲) تو اچانک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے راوی کہتے ہیں کہ میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں عرض کیا ہی بردة ملحاء ملحاء املح کی تائید ہے۔

(۱) والملحة (بالضم) بياض يخالطه سواد (جمع ص ۲۱۲) (اور الملحة (ميم) کے ضمہ کے ساتھ) ایسی سفیدی جس کے ساتھ سیاہی (کالے پن) کی ملاوٹ ہو) کو کہتے ہیں (۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ ملحاء سفید اور کالی دھاریوں والے کپڑے کو کہتے ہیں (۳) وقيل مافيه البياض اغلب (جمع ص ۲۱۲) (اور بعض کہتے ہیں کہ جس میں سفیدی غالب ہو) صحابی کی غرض یہ تھی کہ معمولی سی چادر ہے اگر اس کا پلو نیچے لگ بھی جائے تو بظاہر کوئی حرج نہیں لا خیلاء فیہا وان امر بقائها ونقائها سهل (جمع ص ۲۱۳) (اس میں تکبر اور فخر والی بات نہیں۔ باقی رہا اس کے تحفظ بقاء اور صفائی کا معاملہ تو یہ آسان ہے) اور ایک معنی یہ بھی محتمل ہے کہ یہ تو دھاریدار خوشنما چادر ہے ہم اسے شوق سے پہنتے ہیں اگر یہ نیچے گھسٹ بھی جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

علامة تجوري فرماتے ہیں والمراد به بردة سوداء فيها خطوط بيضاء يلبسها الاعراب ليست من

الثیاب الفاخرة ( مواہب ص ۱۰۳ ) پھر یہ ایسا کپڑا بھی نہیں جس کو خصوصی محفلوں میں اہتمام سے پہنا جائے انما هو ثوب مہنة لا ثوب زينة ( مواہب ص ۱۰۳ ) بیشک وہ تو محنت و مزدوری میں استعمال کا کپڑا ہے نہ کہ زینت وغیرہ کے لئے۔

### امالک فی اسوة :

امالک فی اسوة حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے لئے میرا نمونہ کافی نہیں ہے اور کیا میرے طرز عمل میں تیرے لئے نمونہ نہیں ہے اسوة بمعنی قدوة اور متابعت کے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تم اپنے کیے کی توجیہ بیان کر رہے ہو اور جوازِ فعل کے لئے سند ڈھونڈ رہے ہو یہاں یہ بات نہیں چلے گی اللہ پاک کا صریح حکم ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة (تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ کے اقوال و افعال) میں بہترین نمونہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے من یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً (جو شخص کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے تو وہ بڑی کامیابی سے فیض یاب ہوا) اور یہ بھی فرمایا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ - (جس نے رسولؐ کی اطاعت کی تو اس نے (درحقیقت) اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تہبند باندھنے میں فقط میری ہی اتباع کرو اور بس۔

### تہبند کا شرعی طریقہ :

امام نوویؒ فرماتے ہیں نصف ساقین تک ازار کا اسبال مستحب ہے نصف ساقین سے کعبین تک بلا کراہت جائز ہے اور جو کعبین پر لٹکا دیا جائے اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے فان کان للخیلاء فممنوع منع تحریم والا فممنوع تنزیہ (جمع ص ۲۱۵) وفی معنی الازار القمیص وکل ملبوس واما المرأة فیسن لها جرحہ علی الارض قدر شبر واکثرہ ذراع ( مواہب ص ۱۰۳ ) (اور تہبند کے حکم میں قمیص اور ہر ملبوس ہے اور عورت کے لئے (قمیص اور ازار وغیرہ میں) ایک بالشت کی مقدار کا زمین پر کھینچ کے چلنا سنت ہے اور زیادہ ایک ہاتھ تک)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ویبغی ان یعلم ان فی معنی الازار القمیص وسائر الملبوسات وانما خص



الازار بالذکر بناء على القضية الاتفاقية او خرج الكلام مخرج الغالب فان غالب ملبوساتهم كان ازاراً (جمع ص ۲۱۵) اور یہ بھی معلوم کرنا مناسب ہے کہ تہبند کے حکم میں قمیص اور باقی سب ملبوسات ہیں باقی حدیث شریف میں تہبند کی تخصیص یا تو ویسے اتفاقی ہے یا پھر ان کی عام عادات کے مطابق کلام استعمال کیا گیا کیونکہ ان کی غالب ملبوسات تہبند ہی ہوتے تھے (کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الاسبال فی الازار والقمیص والعمامة من جرّ منها شیئاً لم ينظر الله الیه يوم القيامة) (مشکوٰۃ ص ۳۷۴) (جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسبال (شرعی حد سے زیادہ لٹکانا) تہبند قمیص اور پگڑی میں ہے۔ جو کوئی شخص ان میں حدود شرعی سے زیادہ لٹکائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرماویں گے)۔

### خواص کے لئے حضرت مدنیؒ کی تنبیہ:

خلاصہ یہ کہ تہبند کو ٹخنوں پر لٹکانا گناہ ہے مگر آج عوام تو عوام خواص بھی اسی میں مبتلا ہیں بعض اہل علم تو تاویلات بھی کرتے ہیں اور جواز کے لئے دلائل پیش کرتے ہیں اور خلاف سنت فعل کو مستحسن ثابت کرتے ہیں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرمایا کرتے کہ جب حضرت امام مالکؒ پر اعتراض کیا گیا کہ آپ نظافت کا اہتمام کرتے ہیں اور ہمیشہ خوش پوشاک رہتے ہیں قیمتی اور عمدہ لباس پہنتے ہیں تو انہوں نے فرمایا نفع لعل ونستغفر، یعنی ہم یہ کام کرتے بھی ہیں اور اس سے استغفار بھی پڑھتے ہیں تاویل کا سہارا لیکر نفس کو اترانے سے بچا میا نہ یہ کہ ایک تو گناہ کرنا دوسرا اس کے لئے سند جواز ثابت کرنا تو دوسرا گناہ ہے اللہ پاک سب کی حفاظت فرماوے۔ ویسے تو صاف سترے عمدہ لباس کو (جبکہ اس میں ارتکاب گناہ نہ ہو) بہت سے مشائخ اور اکابر نے پسند فرمایا ہے بلکہ جس کی توفیق ہو اور استعمال نہ کرے تو آپؐ نے اس کے متعلق فرمایا کہ فاذا اتاک اللہ مالا فلیراثر نعمۃ اللہ علیک وکرامتہ (مشکوٰۃ ص ۳۷۵) (جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر اللہ کی نعمت و احسان کا اپنے اوپر کچھ اظہار بھی کرنا چاہئے)۔

(۱۱۶/۳) حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ  
إِيَّاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ عُثْمَانُ يَأْتِرُ إِلَى أَنْصَافِ سَاقِيهِ وَقَالَ هَكَذَا  
كَانَتْ إِزْرَةُ صَاحِبِي يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں سويد بن نصر نے یہ روایت بیان کی ان کو یہ روایت عبد اللہ بن مبارک نے موسیٰ بن عبیدہ کے واسطے سے بیان کی انہوں نے یہ روایت ایاس بن سلمہ بن اکوع سے ان کے باپ کے حوالے سے اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفانؓ لنگی نصف ساق تک رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہی ہیئت تھی میرے آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کی۔

راویان حدیث (۳۰۵) موسیٰ بن عبیدہؒ اور (۳۰۶) ایاس بن سلمہؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### حضرت عثمانؓ کا اہتمام سنت :

کان عثمان یأتُر الی انصاف ساقیه یعنی حضرت عثمانؓ اپنا تہبند پنڈلیوں کے نصف تک لٹکایا کرتے تھے والساق مابین الركبة والقدم (مواہب ص ۱۰۳) اور ”پنڈلی“ گھٹنے اور قدم کے درمیانی جگہ ہے) یأتُر ای یلبس الازار ویروحہ (جمع ص ۲۱۳) (یأتُر یعنی تہبند پہننے اور اس کو لٹکاتے تھے) جمع سے مافوق الواحد مراد ہے بقریبقا اضعیف الیہ وقیل فی جمع الانصاف اشارة الی التوسعة (جمع ص ۲۱۳) (بوجہ قرینے مضاف الیہ) (یعنی ساقیہ) کے اور بعض نے اس کا استعمال بطور توسع کے (غیر جمع کے لئے) کیا ہے) پھر اس کی توجیہ بیان فرماتے ہکذا كانت ازرة صاحبی۔ (کہ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں) کہ اسی ہیئت و شکل پر میرے (محبوب ساتھی حضور ﷺ) کی لنگی تھی۔

خلفاء راشدین کا طریقہ بھی سنت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين من بعدی۔ (تمہارے اوپر میری سنت (طریقہ) اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت پر عمل پیرا ہونا لازم ہے) حضرات صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت کو محفوظ بھی کیا اور اس پر عمل بھی کیا حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قال ما اسفل من الكبین من الازار فی النار (جمع ص ۲۱۵) کہ تہبند کا ٹخنوں کے نیچے کا حصہ آگ میں ہوگا) حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے تہبند کے متعلق پوچھا انہوں نے فرمایا کہ تم نے بڑے واقف کار سے سوال کیا میرے پیغمبر نے فرمایا کہ مسلمانوں کا تہبند نصف پنڈلی تک ہونا چاہئے اس کے نیچے ٹخنوں تک ہو تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن ٹخنوں سے نیچے جتنا حصہ تہبند کا لٹکے گا وہ آگ میں جائے گا اور جو شخص متکبرانہ کپڑے کو لٹکائے گا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے (ابوداؤد)

(۱۱۷/۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ نُذَيْرٍ عَنْ حُلَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضَ لَحْمٍ سَاقِيٍّ أَوْ سَاقِيٍّ فَقَالَ هَذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ فَإِنْ أَبَيْتَ فَاسْفَلْ فَإِنْ أَبَيْتَ فَلَا حَقَّ لِلْإِزَارِ فِي الْكُفَّيْنِ .

ترجمہ! امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ یہ روایت نے بیان کی۔ انہوں نے اس روایت کی خبر ابوالاحوص سے انکے باپ (ابی اسحاق) کے حوالے سے دی۔ انہوں نے مسلم بن نذیر سے اخذ کی اور انہوں نے حذیفہ بن یمانؓ سے سنی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی کے یا اپنی پنڈلی کے گوشت کا حصہ پکڑ کر یہ فرمایا کہ یہ حد ہے لنگی کی اگر تجھے اس پر قناعت نہ ہو تو اس سے کچھ نیچے سہی اگر اس پر بھی قناعت نہ ہو تو لنگی کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں لہذا ٹخنوں تک نہیں پہنچنا چاہئے۔

راویان حدیث (۳۰۷) مسلم بن نذیرؒ اور (۳۰۸) حذیفہ بن یمانؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### عضلة کا معنی و تشریح:

اخذ بعضلة ساقی او ساقی الخ عضلة: طلحة کے وزن پر ہے ہر اس پٹھے کو کہتے ہیں جو گوشت سے پُر ہو کل لحمۃ مجتمعۃ فی عصب (جمع ص ۲۱۴) کو کہتے ہیں وہی هنا اللحمۃ المجتمعۃ اسفل من الركبة من مؤخر الساق (جمع ص ۲۱۴) (اور اس (عضلہ) سے مراد یہاں وہ گوشت پٹھا جو گھٹنے

سے نیچے پنڈلی کا آخری حصہ (لفظ او کاملول شک حذیفہ کو نہیں بلکہ حذیفہ کے بعد والے راوی کو ہے کیونکہ بعض نسخوں میں اخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسفل من عضلة ساقی (کہ نبی کریم ﷺ نے میری پنڈلی کے نچلے پر گوشت حصہ کو پکڑا) منقول ہے بغیر شک کے ملا علی قاریؒ نے جمع الوسائل ص ۲۱۴ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔

## موضع الازار :

فقال هذا موضع الازار یعنی تہبند باندھنے کا یہ مقام ہے اسی طرفہ اونہایہ موضع الازار (مناوی ص ۲۱۴) ای هذا محل موضع طرف الازار فهو علی تقدیر مضاف (موہب ص ۱۰۴) (یعنی یہ جگہ تہبند کے پلو کا محل ہے پس یہ عبارت بصورت تقدیر مضاف (طرف) ہے) فان ابیت ... اگر تم کو اس قدر اونچا تہبند باندھنا پسند نہ ہو ای امتنعت من قبول النصيحة المتضمنة للعمل بالاکمل والا فضل واردت التجاوز عن العضلة فاسفل (یعنی اگر تو ایسی نصیحت کا انکار کرتا ہے جو اکمل اور افضل صورت پر عمل کو متضمن ہے اور تیرا ارادہ (حضورؐ کی بتائی ہوئی جگہ سے) تجاوز کرنا ہے تو پھر ذرا اسی سے نیچے سہی) یعنی عضلة سے نیچے کی پنڈلی بھی اس کا موضع و مقام ہے کعبین کے قریب تک فان ابیت . اگر اس سے بھی انکار ہو اور طریقہ مسنون سے تجاوز ہو تو پھر خیلاء ہے تکبر ہے غرور ہے اور سنت کی مخالفت ہے فلاحق للازار فی الکعبین ای فی وصوله الیہما والمعنی اذا جاوز الازار الکعبین فقد خالفت السنة . (جمع ص ۲۱۴) (تو تہبند کا ٹخنوں میں کوئی حق نہیں یعنی تہبند کو ٹخنوں تک پہنچانے کا مطلب یہ نکلا کہ جب تہبند ٹخنوں سے متجاوز ہو تو پھر آپ نے سنت کی مخالفت کی)

یہ بات بھی عرض کی جا چکی ہے کہ علماء کرام نے ضرورت کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے ٹخنے میں پھوڑا پھنسی ہو یا پاؤں میں اور کبھی وغیرہ بیٹھتی ہو یا گرد و غبار کا اندیشہ ہو تو بغرض حفاظت و ضرورت ازار کا لٹکانا جائز ہے۔ کما اذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعبدالرحمن بن عوف والزبیر بن العوام فی لبس قمیص الحریر من اجل حکة کانت بها رواہ البخاری (جمع ص ۲۱۴، مشکوٰۃ ص ۳۷۴) (جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور زبیر بن العوام کو ریشمی قمیص پہننے کی اجازت بوجہ

اس کھجلی (خارش) کے جوان دونوں میں تھی

### خلاصہ بحث:

علامہ ملا علی قاریؒ قاضی عیاض اور عراقی سے نقل کرتے ہیں وقد نقل القاضي عياض كراهة كل ما زاد على العادة من الطول والسعة وتبعه الطبري وقال العراقي حدث للناس اصطلاح وصار لكل صنف من الخلاق شعار يعرفونه به فمهما كان ذلك بطريق الخيلاء فلا شك في تحريمه وما كان على سبيل العادة فلا يجري النهي فيه ما لم يصل الى حد الاسراف المذموم (جمع ص ۲۱۶) اور تحقیق قاضی عیاضؒ نے ہر اس لباس کی جو عام (لوگوں کی) عادت سے طول و عرض میں زیادہ ہو کر اہت نقل کی ہے اور امام طبریؒ نے بھی اس سلسلہ میں ان کی اتباع کی ہے اور علامہ عراقیؒ نے فرمایا کہ لوگوں کی لباس کے سلسلہ میں ایک اصطلاح اور عادت بن چکی ہے اور ہر ایک قوم اپنے طور و طریق کے مطابق اسے اپنا شعار بنائے ہوتی ہے پس جب کبھی یہ بطور فخر و ریاء اور تکبر کے ہو تو اس کی حرمت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ البتہ جو بطور عادت کے استعمال ہوتا ہے تو اس میں کسی قسم کی شرعی ممانعت نہیں ہے اگر وہ اسراف مذموم کی حد تک نہ پہنچا ہو۔

### حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظافت پسندی :

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی طہارت و نظافت کو پسند فرماتے تھے اور امت کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے آپؐ کی اسی طبیعت اور صفائی پسندی کا اثر تھا کہ آپؐ کا کپڑا میلانہیں ہوتا تھا۔ شیخ عبد الرؤفؒ لکھتے ہیں کہ آپؐ کے کپڑے میں کبھی بھی جوئیں نہیں پڑیں ان ثوبہ لا یقمل (مناوی ص ۲۱۶)

ملا علی قاریؒ نے بھی لکھا ہے ومن خواصه ان ثوبه لم یقمل (جمع ص ۲۱۶) حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپؐ کے کپڑوں میں جوئیں نہیں پڑتی تھیں

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کبھی بھی آپؐ کے کپڑوں پر مکھی بیٹھی اور نہ کبھی چھرنے آپؐ کو کاٹا ان الذباب لم یقع علی ثوبه قط ولا یمص دمه البعوض (مناوی ص ۲۱۶)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي مِشْيَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضور اقدس ﷺ کی رفتار مبارک کا تذکرہ

### خوبی رفتار :

مشیہ! مشی مصدر ہے، بمعنی گزرنے اور چلنے کے آتا ہے۔ بروزن فعلتہ، جیسے سدرۃ، کیفیت اور حالت کی ترجمانی کرتا ہے۔ ما یعتادہ الانسان من المشی و قیل هیئۃ المشی (مناوی ص ۲۱۶) (علامہ مناوی) مشیہ کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو عام طور پر انسان چلتے رہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ چلنے اور رفتار کی ہیئت اور شکل کو مشیہ کہتے ہیں) (ویسے تو حلیہ مبارک کی روایات میں آپ کی رفتار مبارک کا ذکر تبعاً آچکا ہے، مگر اس ترجمہ الباب کے انعقاد کی وجہ آپ کی رفتار کی کیفیت (ہلکی، درمیانی یا تیز) اور اس کی حسن و خوبی کا مستقلاً بیان کرنا مقصود ہے۔

عالم ہمہ یغمائے تو، خلق جہاں شیدائے تو

آن ز کس شہلائے تو، آوردہ رسم دلبری

(حاصل ترجمہ : سارا جہان آپ کے طفیل سے وجود میں آیا تمام مخلوق آپ پر فدا ہوتی ہے)

آپ کی خوبصورت زکسی آنکھوں سے دنیا میں دلبری کی رسم قائم ہوئی ہے)

فارسی کے اس شعر کا گویا اردو کا یہ شعر ترجمہ ہے۔

ساری دنیا مصطفیٰ کو دیکھ کر حیران ہے

کیسے ہو گا وہ مصور جس کی یہ تصویر ہے

(۱۱۸/۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ لَهْيَعَةَ عَنْ أَبِي يُونُسَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الشَّمْسُ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَسْرَعَ فِي مَشْيِهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّمَا الْأَرْضُ تُطْوَى لَهُ، إِنَّا لَنُجْهِدُ أَنْفُسَنَا وَإِنَّهُ لَغَيْرُ مُكْتَرَبٍ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہمارے استاذ قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ابن لہیعہ نے ابی یونس کے واسطے سے دی اور انھوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا، (چمک اور روشنی چہرہ مبارک پر اس قدر تھی) گویا کہ آفتاب آپؐ ہی کے چہرے میں چمک رہا ہے۔ میں نے آپؐ سے زیادہ تیز رفتار بھی کوئی نہیں دیکھا، زمین گویا لپٹی جاتی تھی (کہ ابھی چند منٹ ہوئے یہاں تھے اور ابھی وہاں) ہم لوگ آپؐ کے ساتھ چلنے میں مشقت سے ساتھ ہوتے تھے اور آپؐ گویا اپنی معمولی رفتار سے چلتے تھے۔

راویان حدیث (۳۰۹) ابن لہیعہؒ (۳۱۰) ابی یونسؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حسن کامل :

ما رایت شیئاً احسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ، رأیت بمعنی علمت اور ابصرت کے ہے والا ول ابلغ (مناوی ص ۲۱۷) (حدیث میں لفظ رأیت یا تو بمعنی علمت (میں نے پہچانا) یا بمعنی ابصرت (میں نے دیکھا) کے ہے اور پہلا معنی زیادہ فصیح و بلیغ ہے) شیخ بیہوریؒ بھی لکھتے ہیں سورای اعلیٰ و ابصریۃ والا ول ابلغ (مواعظ ص ۱۰۴) (اور رأی یا بمعنی رویت علمی ہے یا بصری پہلی صورت یعنی رویت علمی (بمعنی جاننے کے) زیادہ بلیغ ہے) شیئاً کی تنوین تکمیل کے لیے ہے بمعنی عموم کے اور نکرہ تحت اللفظی ہے، تو خاص انسان مراد نہیں ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ ہر





ابر میں بجلی کو ندر رہی ہو) چہرہ انور کا خصوصیت سے ذکر اور اس کے حسن و جمال کے تذکرہ کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ چہرہ سے تمام محاسن کا اظہار ہوتا ہے۔ لان حسن البدن تابع لحسنہ غالباً (جمع ص ۲۱۷) (اس لئے کہ بدن اور جسم کی خوبصورتی اکثر چہرے کے حسن کے تابع ہوتی ہے) احقر کا ارادہ ہے کہ شرح شمائل ترمذی کی تکمیل کے بعد انشاء اللہ جمال محمدؐ کے عنوان سے سیرت رسولؐ پر کام کیا جائے کہ یہی باعث نجات بھی ہے۔ اللہ! اسی پر زندگی دے اور یہی موت ہے

نصاب حسن در حد کمال است زکوٰۃ تم دہ کہ مسکینم فقیرم

(آپؐ کا حسن حد کمال تک پہنچا ہوا ہے، مجھے زکوٰۃ عنایت فرما دیں کیونکہ میں مسکین فقیر ہوں) (یعنی چونکہ آپؐ کے حسن علوم نبوت وغیرہ میں کمال ہی ہے اس لئے مجھے بھی معرفت الہیہ سے کچھ بطور زکوٰۃ دینا چاہئے)

### حُسن رفتار :

ومارایت الخ آپؐ کی رفتار مبارک اس قدر تیز تھی۔ کانما الارض تطوى له (گویا زمین آپؐ کے لیے لپیٹی جا رہی ہے) اسی تجمع و تجعل مطوية تحت قدمیه (مناوی ص ۲۱۷) (یعنی ساری زمین کو اکٹھا اور لپیٹ کر آپؐ کے قدموں میں ڈالا گیا) اکثر اٹ کا معنی توجہ کرنا ہے۔ اس کا استعمال ہمیشہ نفی کے ساتھ آتا ہے۔ اثبات کے ساتھ قلیل اور نادر استعمال ہوتا ہے۔ غیر مکتوث بمعنی بغیر کوشش و توجہ کے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں: واستعمال مکتوث فی النفی هو الاغلب وفی الاثبات قلیل شاذ (مواہب ص ۱۰۵) ملا علی قاریؒ نے اس کا معنی غیر مبالغہ سے کیا ہے (جمع ص ۲۱۷) والحاصل ان سرعته فی مشیتہ کانت من کمال القوة لامن حیث الجهد والمشفقة والعجلة۔ (جمع ص ۲۱۸) (خلاصہ بحث یہ نکلا کہ آپؐ کے چلنے میں تیز رفتاری یہ (روحانی) قوت کے کمال کی وجہ سے تھی نہ کہ قصد اُمحنت و مشقت اور جلدی سے چلنے میں)

(۱۱۹/۲) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ مَوْلَى عُفْرَةَ حَدَّثَنِي اِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِنْ وَلَدِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ

كَانَ عَلِيٌّ إِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَشَى تَقَلَّعَ كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ فِي صَبَبٍ.  
ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث علی بن حجر اور بہت سے لوگوں کے واسطے سے پہنچی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس سے ملی۔ ان تک یہ روایت عمر بن عبد اللہ سے پہنچی جو کہ غفرۃ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابراہیم بن محمد نے یہ حدیث بیان کی، جو حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے تو یوں کہتے کہ جب آپؐ چلتے ہیں تو قوت سے پاؤں اٹھا کر چلتے، گویا کہ ڈھلوان میں اتر رہے ہیں۔“ ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب آپؐ کا ذکر فرماتے، تو یہ فرماتے کہ جب آپؐ چلتے تھے، تو ہمت اور قوت سے پاؤں اٹھاتے (عورتوں کی طرح سے پاؤں زمین پر گھسیٹ کر نہیں چلتے تھے۔ چلنے میں تیزی اور قوت کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا تھا) گویا اونچائی سے اتر رہے ہیں۔

### تقلع کا معنی :

قال کان علی..... اس حدیث کا مفہوم اور اس کی شرح پہلے باب میں گذر چکی ہے۔  
تقلع: درخت کو بیخ و بن سے اکھیر دینے کو کہتے ہیں۔ من قلع الشجرة اذا نزعها من اصلها ای مشی بقوة و دفع کامل (جمع ص ۲۱۸) (تقلع کا اشتقاق اور مادہ قلع الشجرة سے ہے یعنی جب درخت کو جڑ سے ہی نکال دیا جائے یعنی آپؐ پوری قوت و ہمت اور وقار سے چلتے تھے) کیونکہ تقلع زمین سے قوت اور ہمت سے پاؤں اٹھانے اور وقار و تمکنت سے چلنے کو کہتے ہیں۔ وہی مشیة اولی العزم والهمة والشجاعة وہی اعدل المشیات واروحها للاعضاء (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۹) (اور اس قسم کی ہیئت و شکل سے چلنا بہادر اور عزم و ہمت والے لوگوں کی چال و رفتار ہے اور یہ چلنے کے اقسام میں سب سے معتدل اور اعضاء کو آرام پہنچانے والی ہے) ناز و نخرہ اور فخر و غرور سے چلنا ناپسندیدہ چال ہے، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسندیدہ ہے۔ جیسے کہ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا بینما رجل يتبختر في بردين وقد اعجبته نفسه خسف به الارض فهو يتجلجل فيها الى يوم القيامة (مشکوٰۃ ص ۴۰۴) کوئی ایک شخص اپنی دو چادروں میں بڑے ناز و نخروں اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے

ہوئے جارہا تھا کہ زمین اسکے ساتھ دھنس پڑی پس وہ دھنستا اور گھستا جائیگا اکیمیں قیامت تک (مشکوٰۃ)  
 یحط بمعنی یزول کے ہے، ای کانما یزول فی منحدر۔ (مواہب ص ۱۰۵) گویا کہ اونچائی  
 سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں۔

(۱۲۰/۳) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنِ الْمَسْعُودِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُسْلِمٍ بْنِ  
 هُرْمَزٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ  
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَشَى تَكْفَأُ تَكْفُؤًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ.

ترجمہ: ”امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حدیث سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ  
 میرے پاس اس روایت کی خبر میرے باپ نے مسعودی کے حوالے سے دی۔ اُن کو یہ حدیث عثمان  
 بن مسلم بن ہرمز سے ملی۔ اُن کے پاس یہ روایت نافع بن جبیر بن مطعم کے ذریعہ سے پہنچی اور وہ اس کو  
 حضرت علی بن طالبؑ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے  
 تھے تو جھک کر چلتے تھے گویا کہ ڈھلوان میں اتر رہے ہیں۔“ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی  
 اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے چلتے تو کچھ جھک کر چلتے تھے گویا بلندی سے اتر رہے ہیں۔ اس حدیث  
 کی بحث بھی پہلے باب میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ تکفأ الخ معناه انه يميل الى امامه ليرفع رجله  
 من الارض بركلته لامع اهتزاز وتكسر كهينة المختال (مواہب ص ۱۰۵) (اس کا معنی یہ ہے کہ  
 آپؐ ذرا آگے کی طرف جھکتے تاکہ زمین سے اپنا پاؤں مکمل طور پر اٹھائیں نہ بدن کو حرکت دیئے  
 اکڑتے ہوئے متکبرین کی چال)

### مشية کے اقسام :

علامہ ابن قیمؒ نے حضور ﷺ کی رفتار مبارک جس کا تذکرہ احادیث میں ہے کے متعلق فرمایا  
 کہ قال غيروا حمن السلف بسكينة ووقار من غير تكبر ولا تماوت وهي مشية رسول الله ﷺ  
 الخ بہت سے اسلاف اور بزرگوں نے حضور ﷺ کی رفتار مبارک کے متعلق یہ فرمایا کہ آپؐ پورے

اطمینان اور وقار کیساتھ چلا کرتے اسمیں تکبر اور سستی کی چال نہیں ہوا کرتی تھی۔ پھر اس سلسلہ کے ضمن میں فرمایا کہ والمشیات عشرة انواع، هذه الثلاثة (هون، تماوت، مهانة) منها والرابع السعي والخامس الرمل وهو اسرع المشى مع تقارب الخطا ويسمى الخجب وفي الصحيح من حديث ابن عمر ان النبي ﷺ خب في طوافه ثلاثا ومشى اربعا والسادس النسلان وهو العدو الخفيف الذي لا يزعم الماشي وفي بعض المسانيد ان المشاة شكوا الى رسول الله ﷺ من المشى في حجة الوداع فقال استعينوا بالنسلان. والسابع الخوزلى وهي مشية التمايل وهي مشية يقال ان فيها تكسر او تخنثا. والثامن القهقري وهي مشية الى وراء. والتاسع الجمزى مشية يشب فيها الماشي وثبا. والعاشر مشية. التبختر وهي مشية أولى العجب والتكبر وهي التي خسف الله سبحانه بصاحبها لما نظر في عطفه واعجبته نفسه فهو يتجلجل في الارض الى يوم القيامة واعدل هذه المشيات مشية الهون والتكفي. (زاد المعاد ج ۱ ص ۶۰) (کہ رفتار اور چلنے کی دس قسمیں ہیں تین تو وہی گذشتہ (هون، تماوت، مهانة) اور چوتھی قسم سعی اور پانچویں رمل ہے یعنی قدموں کو قریب قریب اٹھاتے ہوئے جلدی چلنا اور اسی کو دوڑنا اور کودنا کہا جاتا ہے۔ اور ابن عمر کی صحیح روایت میں ہے کہ بنی کریم طواف کے تین چکروں میں ذرا تیز چلے اور چار چکروں میں اپنی طبعی رفتار میں گئے اور چھٹی قسم النسلان ہے یعنی تھوڑا تیز چلنا جو چلنے والے کو بے آرام اور تھکا نہیں اور بعض مسند روایات میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیدل چلنے والوں نے حضور ﷺ سے چلنے (میں تکلیف) کی شکایت کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اپنی رفتار میں نسلان سے استعانت حاصل کرو۔ ساتویں قسم الخوزلی ہے اور یہ ناز و نخرہ سے چلنا ہے کہا جاتا ہے کہ اس چال میں چلک اور ٹوٹا پن سا ہوتا ہے۔ آٹھویں قسم القہقری کہتے ہیں یعنی الٹا چلنا نویں قسم الجمزى ہے جس میں چلنے والا اچھل اور کود کر چلتا ہے اور دسویں قسم التبختر ہے یعنی متکبرانہ اور خود پسندانہ چال اور یہ چال متکبرین اور خود بین لوگوں کی ہے۔ (اور یہ تو وہی مغبوض اور ناپسندیدہ چلنا ہے) کہ اس چال پر چلنے والے کو جب اپنی دو خوبصورت چادر کوں کو دیکھ کر اپنی جان غرور تکبر سے اچھی لگی تو اسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایسے دھنسیا کہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا اور گھستا چلا جائے گا (معاذ اللہ) اور ان سب رفتار اور چالوں میں ہون اور تکفی کی چال معتدل ہے۔

## بَاب مَا جَاءَ فِي تَقْنَعِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

باب! حضور اقدس ﷺ کے قناع کے بارے میں

(۱۲۱/۱) حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ صَبِيحٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبَانَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُكْبِتُ الْقِنَاعَ كَانَ ثَوْبُهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ.

ترجمہ: ”امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یوسف بن عیسیٰ نے بیان کی۔ ان کے پاس اس روایت کی خبر کعب نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ربیع بن صبیح نے یزید بن ابان کے حوالے سے بیان کی۔ ان کے پاس یہ حدیث صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے واسطے سے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اپنے سر پر کپڑا رکھتے تھے، جو کہ تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا۔“

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنے سر مبارک پر کپڑا اکثر رکھا کرتے تھے اور حضورؐ کا کپڑا اچکا ہٹ کی وجہ سے تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا۔

تَقْنَعُ کا معنی و تشریح :

تَقْنَعُ : کا معنی قناع کا پہننا وهو تغطية الرأس بطرف العمامة او برداء، اعم من ان يكون فوق العمامة او تحتها . (جمع ص ۲۱۸)

ملا علی قاری قناع کا معنی یہ لکھتے ہیں کہ پگڑی یا چادر کے طرف (پلو) سے سر کا چھپانا خواہ وہ پلو پگڑی کے اوپر ہو یا نیچے)

القناع کا استعمال :

یہاں تقنع سے مراد القناع کا استعمال ہے۔ القناع وہ کپڑا جو تیل لگانے کے بعد سر پر ڈالا

جائے تاکہ تیل کا اثر ٹوپی، عمامہ اور دیگر کپڑوں تک نہ پہنچے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، التمسع من اخلاق الانبياء (مواہب ص ۱۰۶) (کہ یہ قناع کا استعمال انبیاء کرامؑ کے عادات و اخلاق میں سے ہے)

یکثر القناع..... الخ، قناع، فعال کے وزن پر ہے، بمعنی دوپٹہ، رومال اور سر بند کے، نقاب، لثام اور حجاب بھی فعال کے وزن پر ہیں۔ تستر اور پردہ کے معنی میں جتنے الفاظ بھی آتے ہیں، وہ اکثر فعال کے وزن پر ہوتے ہیں۔ خواتین کے سر ڈھانکنے کے لئے جو کپڑا استعمال ہوتا ہے، اسے خمار اور مردوں کے لئے قناع کا استعمال ہوتا ہے۔ اور کبھی قناع مرد و خواتین دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے..... وهو الخرقۃ النسی تلقی علی الرأس بعد استعمال الدھن لتقی العمامۃ من الدھن شہت بقناع المرأة. (مواہب ص ۱۰۶) کپڑے کا ایک ٹکڑا جو سر پر تیل لگانے کے بعد اس لئے ڈالا جاتا ہے۔ تاکہ پگڑی کی تیل کی چکناہٹ سے حفاظت ہو اسکو عورت کی قناع (اوڑھنی سے تشبیہ دی گئی)

### القناع کی دو صورتیں اور برکات :

یکثر القناع، القناع کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے (۱) عمامہ اور ٹوپی کے نیچے رکھا جائے تاکہ ٹوپی اور عمامہ تیل سے محفوظ رہیں۔ حدیث باب کا مدلول بھی یہی ہے۔ (۲) عمامہ کے اوپر رکھا جائے یہ بھی آپؐ سے ثابت ہے۔ ترمذی کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں آیا ہے کہ جب آپؐ تشریف لاتے، تو متوقع ہوتے تھے اور القناع عمامہ کے اوپر ہوتا تھا۔ لما ورد فی البخاری انہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی بیت ابی بکر فی قصۃ الحجرة متنعاً بثوبہ والظاهر انہ کان متغشیا بہ فوق العمامۃ لا تحتہا لانہ کان مستخفیا من اهل مکة متوجہاً الی الملبیۃ (جمع ص ۲۱۸) (جیسے کہ بخاری شریف میں ہے کہ آپؐ ہجرت کے موقع پر جب ابو بکرؓ کے گھر تشریف لائے تو اپنی چادر سے قناع کئے ہوئے تھے اور ظاہر یہی ہے کہ آپؐ اسے پگڑی کے اوپر ڈالے اس میں ڈھانپنے ہوئے تھے نہ کہ پگڑی کے نیچے اسلئے کہ اس وقت آپؐ مکہ والوں سے چھپ کر مدینہ شریف جانے کے لئے متوجہ تھے۔ اس کو عربی میں طلیسان (حجازی رومال) کہتے ہیں۔ یہ عرب کی عادت تھی کہ عمامہ کے اوپر رومال ڈالا جاتا ہے اور آج

بھی مروّج ہے (مگر بغیر عمامہ کے)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کا بھی یہی معمول تھا، پھر یہ علماء کرام کا شعار بن گیا۔ شیخ البجوریؒ فرماتے ہیں کسی کو اس وقت تک القناع اور طیلسان نہیں استعمال کرنا چاہیے۔ جب تک کہ وہ تحصیل علم و حکمت کی تکمیل نہ کر لے۔ وفی خبر لا یتقنع الا من استکمل الحکمة فی قوله و فعله ویوخلمنه انه ینبغی ان یکون شعارا للعلماء یختص بهم ليعرفوا فیسألوا و یمثل امرهم و ینهیهم وهذا اصل فی لبس طیلسان وله فوائد جلیلة کالاستحیاء من الله والخوف منه اذ تغطية الرأس شأن الخائف الذی لاناصر له ولا معین و کجمعه للتفکر لانه یغطى اکثر وجهه فیحضر قلبه مع ربه و یمتلئ بشهوده و ذکره و تصان جوارحه عن المخالفات و نفسه عن الشهوات ولذلك قال بعض الصوفیة الطیلسان الخلوة الصغریٰ. (مواہب ص ۱۰۶) (اور ایک حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اتنے تک قناع (حجازی رومال) کا استعمال نہ کر لے جب تک اپنے اقوال و افعال میں حکمت اور دانائی کے امور کی تکمیل نہ کر لے اور اسی سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مناسب ہے کہ یہ (قناع) علماء کے ساتھ خاص اور انکا شعار ہونا چاہئے تاکہ وہ اس کے ذریعہ پہچانے جاویں تو پھر ان سے مسائل پوچھے جائیں اور مامورات و منہیات میں ان کے اقوال و افعال کا امتثال اور اتباع کیا جائے۔ اور یہی بنیادی نقطہ طیلسان (حجازی رومال وغیرہ) کے پہننے میں ہے۔ اسکے علاوہ بھی اسکے بڑے فوائد ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ سے خوف و حیاء کرنا۔ کیونکہ سر کا چھپانا ایسے ڈرنے والے کی شان ہے جسکا بظاہر کوئی بھی ناصر اور مددگار نہ ہو۔

یا پھر اپنے منتشر تفکرات کو مجتمع کرنے کے لئے کیونکہ جب یہ رومال اسکا زیادہ تر چہرہ ڈھانپ لیتا ہے تو اس کو اپنے رب تعالیٰ سے استحضار قلبی کی دولت حاصل ہو جائیگی اور پھر اس کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حضوری سے معمور ہو جائیگا اور اس کے اعضاء و جوارح اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت اور اسکا نفس شہوات سے محفوظ ہو جائیگا۔ اس لئے تو بعض صوفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ طیلسان (ایک طرح کی) چھوٹی خلوت اور حضوری ہے (مواہب ص ۱۰۶)

## غرضِ اعادۂ حدیث :

یہ حدیث اس سے قبل باب الترجل میں بھی گذر چکی ہے۔ یہاں علیحدہ مستقل ترجمۃ الباب کے انعقاد سے مصنف کی غرض القناع کے استعمال پر خصوصی تنبیہ ہے کہ آپؐ اس کا خصوصیت سے اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

## حضور اقدس ﷺ کا القناع کثرتِ دھن کے باوجود پاک ہوتا تھا :

كَانَ ثَوْبُهُ ثَوْبَ زَيَّاتٍ : بصيغة النسبة اى بائع الزيت او صانعه فان الغالب عليهما ان يكون ثوبهما ملهنا (جمع ص ۲۱۹) مراد یہ ہے کہ جس طرح زيات یعنی تیل بیچنے والے یا بنانے والے کا کپڑا تیل سے چکنا رہتا ہے اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قناع بھی گویا زيات کا کپڑا معلوم ہوتا تھا، مگر اس کے باوصف یہ آپؐ کی خصوصیت تھی کہ آپؐ کا کپڑا نہ تو کبھی میلا ہوتا تھا، نہ آپؐ کے کپڑوں میں جوں پڑتی تھی، نہ چھرا اور کھٹل آپؐ کا خون چوس سکتا تھا۔ یہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔ مناویؒ نے علامہ رازیؒ سے نقل کیا ہے کہ مکھی بھی آپؐ کے کپڑوں پر کبھی نہیں بیٹھی۔

=====



## بَابُ مَا جَاءَ فِي جُلُوسَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی ہیئت کے بیان میں

جلسة، کیفیت قعود اور ہیئة الجلوس (بکسر الجیم اسم للنوع) (جمع ص ۲۱۹)  
جلسة (جیم کے کسرہ کے ساتھ) یہ ایک بیٹھنے کی قسم کا نام ہے۔ قعود کھڑے ہونے سے بیٹھنے کو اور  
جلوس لیٹنے سے بیٹھنے کو کہتے ہیں۔ بعض نے اس فرق پر نکیر بھی کی ہے، مگر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ورمما  
يفرق فيجعل القعود لما هو من القيام والجلوس لما هو من الاضطجاع على ما في القاموس (جمع  
ص ۲۱۹) (اور کبھی ان دونوں کے درمیان یہ فرق کیا جاتا ہے کہ قعود کھڑے سے بیٹھنے کو اور جلوس لیٹنے  
سے بیٹھ جانے کو کہتے ہیں جیسے کہ یہ قاموس (لغت کی کتاب) میں ہے۔

یہاں جلسہ کے مقابل میں قیام ہے، خواہ جلسہ بصورت بیٹھنے کے ہو یا بصورت اضطجاع کے  
ہو۔ مصنفؒ نے اس باب میں تین احادیث نقل کی ہیں، جن میں آی کی نشست سے متعلق تفصیلات  
ہیں۔ دوزانو بیٹھنا پوکڑی مار کر بیٹھنا اور گوٹ مار کر بیٹھنا وغیرہ کی توضیح ہے۔ ہر ایسا طریقہ یا ہیئت  
جس سے غرور، کبر، نخوت ظاہر نہ ہو بلکہ عاجزی، تواضع، عبدیت، انکسار اور در ماندگی نمایاں ہو، علماء  
کرامؒ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

عرب میں تہبند کا رواج تھا، شلواری کا استعمال بہت کم تھا۔ اس لئے ایسا طریقہ یا ہیئت جس سے کشفِ  
ستر ہو یا غرور و تکبر کا اظہار ہو، علماء نے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ ہاں اگر کشفِ ستر نہ ہو اور تکبر کا اظہار  
بھی نہ ہو، تو علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ أَنَّهَا رَأَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدُ الْقُرْفُصَاءِ قَالَتْ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشَّعَ فِي الْجِلْسَةِ أَرَعَدْتُ مِنَ الْفَرْقِ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبد بن حمید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی علفان بن مسلم نے۔ اُن کے پاس خبر دی عبد اللہ بن حسان نے اپنی دادی اور نانی کے حوالے سے جنہوں نے قیلہ بنت مخرمہ سے روایت نقل کی، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ کہتی ہیں کہ جب میں نے آپ کو اس عاجزانہ حالت میں دیکھا، تو میں دہشت کی وجہ سے کچکپا اٹھی۔

### القرفصاء کا معنی و تشریح:

انہا رأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد وهو قاعد القرفصاء.

القرفصاء : (بضم القاف) قعود کی ایک خاص کیفیت ہے، دونوں رانیں کھڑی کر کے دونوں ہاتھوں سے ان کا احاطہ کرے اور دونوں سرین پر بیٹھے اسے اکڑوں بیٹھنا اور ہاتھوں کے ٹانگوں کے گرد باندھنا اور گوٹ مار کر بیٹھنا بھی کہتے ہیں۔ والقرفصاء قعدة مخصوصة على الاتین متکأ ویلصق بطنه بفخذیه ویبأط کفیه (اتحافات ص ۱۶۹) اور (قرنصاء ایک ایسی مخصوص نشست ہے کہ جس میں دونوں سرین پر ہیکہ لگائے بیٹھ کر اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے چمٹاتے ہوئے اپنی ہتھیلیوں کو بغل میں ڈال کر بیٹھنے کی کیفیت کو کہتے ہیں) عرب کے دیہاتی لوگ عموماً اس طرح بیٹھتے تھے۔ تاہم شیخ البجوری نے اس کی دو صورتیں نقل کی ہیں۔

(۱) بان یجلس علی الیتھ ویلصق فخذیه بطنه ویلصق یدیه علی ساقیه وہی جلسة المحتبی .  
(کہ اپنی دونوں سرینوں پر بیٹھے اور اپنی رانوں کو پیٹ سے چمٹائے اور اپنے دونوں ہاتھ پنڈلیوں سے ملاتے ہوئے ان کا احاطہ کرے اور یہی احتباء (گوٹ مارنے) والے کی نشست ہے)

(۲) وقیل ان یجلس علی رکتیه متکأ ویلصق بطنه بفخذیه ویبأط کفیه وہی جلسة

الاعراب (مواہب ص ۱۰۷) کہ دونوں گھٹنوں پر تکیہ لگائے بیٹھے اور اپنے پیٹ کو رانوں کیساتھ چمٹائے اور اپنی ہتھیلیوں کو بغل میں ڈالے بیٹھے اور اسکو عرب دیہاتیوں کی نشست کہتے ہیں۔

### بیٹھنے میں خشوع و مسکنت کا اظہار :

المتخشع فی الجلسة : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عاجزانہ حالت میں تھے۔ المتخشع : تفعل کے باب سے ہے والتفعل لیس للتکلف بل لزیادة المبالغة فی الخشوع (مناوی ص ۲۲۰) اور یہاں تفعل کی خاصیت تکلف نہیں بلکہ خشوع میں مبالغہ اور زیادتی کرنے کے لئے مستعمل ہے۔ جیسا کہ متوحد، متقدس اور متبر کے صیغے تکلف کے لئے نہیں بلکہ زیادتی، مبالغہ اور کمال کے لئے ہیں۔

الجلسة : ای فی هیئۃ جلستہ و کیفیۃ قعدتہ (جمع ص ۲۲۰) یعنی یہاں جلسہ سے مراد آپ کے بیٹھنے کی نوعیت اور ہیئت مقصود ہے (یعنی ایسا بیٹھنا تھا جس میں فقر و مسکنت احتیاج اور عبدیت کا اظہار تھا، جیسا کہ آپ کا ارشاد بھی ہے۔ اجلس کما یجلس العبدو اکل کما یاکل العبد۔ (میں ایسا بیٹھتا ہوں جیسے کہ ایک غلام بیٹھتا ہے اور میں تو ایسے کھاتا ہوں جیسے ایک غلام کھاتا ہے) شیخ البجوریؒ اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں، ای الخاشع خشوعاً تاماً فی جلستہ تلک فہو خافض الطرف والصوت ساکن الجوارح (مواہب ص ۱۰۷) یعنی آپ اس نشست پر مکمل خشوع کیساتھ بڑی متواضع شکل میں بالکل سکون اور خاموشی سے نظریں جھکائے ہوتے تھے)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو متمردين، سرکشوں، جبارین اور متکبرین کی ہیئت جلوس سے نفرت تھی من التربع والتمدد والتمکاء ورفع الرأس وشماخۃ الانف وعلم الالتفات الی المساکین والاحتجاب عن المحتاجین (جمع ص ۲۲۰) (یعنی چارزانو بیٹھنے انگڑائی لینے تکیہ لگائے بیٹھنے سر اٹھانے ناک بھون چڑھانے اور مسکین اور محتاجوں کی طرف توجہ نہ کرنے اور ان سے حجاب میں رہنے کی صورتیں)

رعب کی وجہ کیا تھی ؟

ارعدت من الفرق، میں خوف اور رعب مارے کانپ اٹھی۔

(۱) رعب اور پھر کانپنے کی وجہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم متحسّس اور متفکر تھے۔ پھر یہ فکر بھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، جس کا منشأ کوئی معمولی بات نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے ان کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا ہو کہ مبادا امت پر کوئی عذاب تو نہیں آ رہا، جس کی وجہ سے آپؐ اس قدر فکر مند ہیں اور ظاہر ہے کہ آپؐ کا فکر وہم تو ہمیشہ امت کے لئے ہوتا تھا۔

(۲) حضرات صوفیاء کرامؒ اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت بیٹھنے کی ہیئت، قلب مبارک پر توجہ کاملہ، ماسوی اللہ سے قطع نظر اور تجلیات ربانی میں ارتکاز کی وجہ سے صفت جمال میں کمال اور صفت جلالت میں عظمت کو پہنچے ہوئے تھے، جس کی بدولت قیلہ بنت مخرمہ لرزہ بر اندام ہو گئیں (یہ وہی قیلہ بنت مخرمہ ہے، جن کا تفصیلی ذکر باب ما جاء فی لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں (باب وہ احادیث جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے بارے میں وارد ہوئے ہیں) بارہویں نمبر کی روایت میں گذر چکا ہے۔

### تکمیل مضمون حدیث :

اس حدیث کا کچھ اور حصہ بھی ہے، جسے ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے، وہ یہ کہ حضرت قیلہؓ کی یہ حالت خوف لرزہ دیکھ کر حاضرین مجلس میں سے کسی صاحب نے عرض کیا فقال له جلیسہ یا رسول اللہ ارعدت المسکینۃ حضور ﷺ کو مجلس میں سے ایک شخص نے کہا اے رسول اللہ ارعدت المسکینۃ یعنی یہ مسکینہ تو خوف زدہ ہو گئی اور اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ خود حضرت قیلہؓ کہتی ہیں کہ میں آپؐ کے پشت پر پیچھے تھی۔ آپ ﷺ نے میری طرف کوئی توجہ نہ فرمائی اور ارشاد فرمایا۔۔۔ یا مسکینۃ علیک السکینۃ : اے مسکینہ! سکون اختیار کر، بس اتنا فرماتا تھا کہ ساری خوف و دہشت اور رعب و لرزہ جو مجھ پر طاری تھا جاتا رہا۔ اذهب اللہ ما کان دخل قلبی من الرعب (جمع ص ۲۲۰) (تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جو خوف اور رعب تھا وہ بالکل ہی ختم کر دیا)

الزُّهْرِيُّ عَنْ عَبْدِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا أَحَدِي رِجْلَيْهِ عَلَى الْآخَرَى.

ترجمہ: ”امام ترمذی“ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث سعید بن عبد الرحمن مخزومی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی سفیان نے زہری کے حوالے سے، انہوں نے یہ روایت عباد بن تمیم سے ان کے چچا کے حوالہ سے نقل کی (چچا کا نام عبد اللہ بن زید تھا) وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا۔ بایں حالت کہ اس وقت حضورؐ اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔

راویان حدیث (۳۱۱) سعید بن عبد الرحمن المخزومی (۳۱۲) عباد بن تمیم اور (۳۱۳) عمہ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### استلقاء کا معنی اور دو صورتیں :

انہ رأى النبى صلى الله عليه وسلم مستلقياً فى المسجد ، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں چت لیٹے ہوئے تھے۔

استلقاء: الاضطجاع على القفا . (مواعظ ص ۱۰۷) استلقاء کے معنی گردن کے بل لیٹنا جسے عرفاً چت لیٹنا کہتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ انسان مستلقى بھی ہو اور نام بھی ہو۔ واضعاً احدی رجليه على الاخری ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے تھے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ دونوں پاؤں بچھا کر ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھا ہوا تھا اور یہ جائز ہے کہ اس میں کشف عورت کا امکان نہیں ہے۔ ملا علی قاریؒ یہی لکھتے ہیں کہ ان يكون رجلاه ممدودتين احدهما فوق الاخری ولا لباس بهذا فانه لا ينكشف شيء من العورة بهذه الهيئة (تبع ص ۲۲۱) حدیث باب میں اسی صورت کا ذکر ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان چت لیٹ جائے اور ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا پاؤں کھڑے گھٹنے پر رکھ دے۔ اسی حالت میں لیٹنا منع ہے کیونکہ اس ہیئت میں کشف ستر کا اندیشہ ہے، جب تہبند باندھا ہوا ہو، ان یكون ناصباً ركة احدی الرجلین و یضع الرجل الاخری على الركة

المنصوبة (جمع ص ۲۲۱) یہ صورت ممنوع ہے۔ حدیث نبی اس پر حمل ہے۔ ”وہو مارواہ مسلم عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یستلقین احدکم ثم یضع احدی رجلہ علی الاخری“ (اور وہ حدیث امام مسلمؒ نے بروایت حضرت جابرؓ نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ چپت لیٹنے میں سے کوئی پھر اپنا ایک پاؤں کھڑا کر کے اس پر دوسرا پاؤں رکھے) ممانعت کی وجہ بھی اظہر ہے کہ تہبند بندھا ہو، تو ستر کھلنے کا احتمال قوی ہے۔ البتہ تہبند نہیں ہے اور شلواری پہنی ہے تو کشف ستر کا اندیشہ نہیں ہے۔ اس لئے علماء اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس سے دونوں احادیث میں تعارض بھی رفع ہو جاتا ہے اور دونوں کا اپنا اپنا محمل اور مراد متعین ہو جاتی ہے۔

### حدیث کی باب سے مناسبت :

البتہ بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کو ہیئت نشت سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو پھر یہاں اندراج سے کیا فائدہ۔ علماء کرامؒ نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ راجح جواب یہ ہے کہ جلسہ سے مراد عام ہے، بیٹھنا بھی اور لیٹنا بھی۔ جب اس قسم کا لیٹنا کہ پاؤں کے اوپر پاؤں رکھا ہو، مسجد میں جائز ہے، تو بیٹھنا تو بطریق اولیٰ جائز ہے۔ وفیہ جواز الاحتماء والاضطجاع والاستراحة فی المسجد مطلقاً۔ (جمع ص ۲۲۱) (اور اس حدیث سے مسجد میں تکیہ لگانا۔ لیٹنا اور آرام کرنا مطلقاً ہر صورت میں جائز ہے)

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں ووجه ایراد الحلیث فی هذا الباب یدل علی حل الجلوس بسائر کیفیاتہ بالاولی لان الاستلقاء علی الهيئة المذكورة اذا جاز فی المسجد فسائر انواع القعود أجز۔ (مناوی ص ۲۲۱) (اور اس باب میں اس حدیث کو ذکر کرنے کی وجہ سے اس بات پر دال ہے کہ مسجد میں ہر طریقہ اور شکل پر بیٹھنا بطریق اولیٰ جائز ہے اس لئے کہ جب چپت لیٹنا بصورت مذکورہ مسجد میں جائز ہے تو پھر تو بیٹھنے کی سب صورتیں بطریق اولیٰ زیادہ جائز ہوں)۔

### مسجد میں لیٹنے کا حکم :

ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ مسجد میں لیٹنا ادب کے خلاف ہے۔ محدثین حضرات جواب

میں کہتے ہیں۔

(۱) ممکن ہے کہ یہ واقعہ اعتکاف کا ہوا اور معتکف کے لئے جواز میں کسی کو اعتراض نہیں۔

(۲) اور اگر واقعہ غیر اعتکاف کا ہے، تو محدثینؒ جواب میں کہتے ہیں کہ مسجد کو مستقلاً ہمیشہ کے لیے بطور عادت کے مہیت (ٹھکانا) بنانا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر عبادت کرتے کرتے تھکاوٹ دور کرنے کے لیے کچھ کمر سیدھی کر لی جائے تو یہ ممنوع نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک اثر مؤطا میں نقل ہوا کہ عشاء کے وقت مسجد میں تشریف لاتے اور لوگوں کے جمع ہونے تک مسجد میں لیٹے رہتے تھے۔

(۱۲۴/۳) حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَيْبٍ أَنَّنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَدَنِيُّ أَخْبَرَنَا إِسْحَقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ رُبَيْحِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَبِي سَعِيدٍ نِ الْخَلَرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ احْتَبَى بِيَدَيْهِ .

ترجمہ : ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث سلمۃ بن شیبہ نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبد اللہ بن ابراہیم مدنی سے اخذ کی۔ انہوں نے یہ روایت اسحاق بن محمد انصاری سے نقل کی، جنہوں نے یہ حدیث ربیع بن عبد الرحمن ابن ابی سعید سے اخذ کی۔ انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا ابوسعید خدریؒ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور بنی کریم ﷺ جب مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو گوٹ مار کر بیٹھتے۔“

راویان حدیث (۳۱۴) سلمۃ بن شیبہؒ (۳۱۵) عبد اللہ بن ابراہیم المدنیؒ (۳۱۶) اسحاق بن محمد الانصاریؒ اور (۳۱۷) ربیع بن عبد الرحمنؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

الاحتباء کا معنی و تشریح اور حکم :

قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جلس في المسجد احتبى بيديه . جب حضور ﷺ مسجد

میں بیٹھتے تو احتباء کی شکل میں بیٹھتے) بعض نسخوں میں ”فی المجلس“ (یعنی مجلس میں) مذکور ہے۔  
 بزار میں احتبئی بیدیدہ کے بعد ”نصب رکبتیہ“ (کہ اپنے دونوں گھٹنے کھڑے کرتے) کا اضافہ بھی  
 منقول ہے۔ نیز بزار میں حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ مجلس عند  
 الکعبۃ فضم رجلیہ و اقامہا و احتبئی بیدیدہ (جمع ص ۲۲۱) (کہ آپؐ بیت اللہ شریف کے پاس بیٹھتے  
 اور پاؤں ملائے کھڑا کر کے دونوں ہاتھوں سے احتباء (گوٹ مارا)

صحاح میں احتباء کا معنی: اذا جمع ظہرہ و ساقیہ بعمامتہ (کہ اپنی پگڑی سے پیٹھ اور  
 پنڈلیوں کو اکٹھا کر لینا) سے کیا گیا ہے اور کبھی کبھی عمامہ کی جگہ ہاتھوں سے بھی احتباء کیا جاتا ہے۔ وقد  
 یحتبئی بیدیدہ (جمع ص ۲۲۲) (اور کبھی دونوں ہاتھوں سے احتباء کرتے) عسقلانی فرماتے ہیں، احتباء  
 عربوں کا خاص وتیرہ ہے، و منه الاحتباء حیطان العرب (جمع ص ۲۲۲) (اور اسی سے یہ ہے کہ احتباء  
 تو عرب کی چار دیواری (باغ) ہے)

خلاصہ یہ کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے، پاؤں اور پیٹ کو ملا کر پیٹھ سے جکڑ لینے کو ”احتباء“  
 کہتے ہیں۔ اسی صورت میں بجائے ہاتھوں کے کپڑے سے جکڑنے کو بھی احتباء کہتے ہیں۔  
 جمعہ کے روز دوران خطبہ آپؐ نے احتباء سے منع فرمایا کہ استماع خطبہ کے فوت ہونے کا قوی اندیشہ  
 ہے اور بعض اوقات اس سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

### بیٹھنے کی مختلف صورتیں :

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے۔ ان النبی ﷺ کان اذا صلی الفجر تربع فی  
 مجلسہ حتی تطلع الشمس حسناء (کہ بیشک جب حضور ﷺ صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی نشست  
 پر چارزانو بیٹھ جاتے اتنے تک کہ سورج چمکتا ہوا نکلتا)۔ تربع کا معنی چارزانو بیٹھنا ہے۔ فقیل ہذا  
 الحدیث مخصص و قال میرک محمول علی اختلاف الاحوال فتارة تربع و تارة احتبئی و تارة  
 استلقی و تارة ثنی رجلیہ تو سعة للأمة المرحومة (جمع ص ۲۲) (بعض حضرات نے اس حدیث کو  
 پہلی حدیث کا تخصیص کرنے والی) قرار دیا اور ملا میرکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مختلف احوال پر



محمول ہے۔ پس کبھی آپؐ چار زانو بیٹھتے اور کبھی احتباء کی صورت میں اور کبھی استلقاء کرتے اور کبھی پاؤں کو موڑے ہوئے (قعدہ کی شکل میں) بیٹھتے اور یہ سب امت مرحومہ پر توسع اور آسانی پیدا کرنے کے لیے)

### حضور اقدس ﷺ کی نشست گاہ :

حضور اقدس ﷺ نے اپنی نشست کو کبھی بھی کسی خاص مقام اور کوئی مخصوص چیز پر بیٹھنے میں منحصر نہیں فرمایا، بلکہ جو جگہ بھی میسر ہو جاتی تو اضعاء وہیں تشریف فرما ہو جاتے۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں :

”كان يجلس على الارض و على الحصى والبساط ..... ولم اقدم عليه عدی بن حاتم دعاه الى منزله فالتقت اليه الجارية وسادة يجلس عليها فجعلها بينه وبين عدی وجلس على الارض: قال عدی فعرفت انه ليس بملك“ (زاد المعاد ج ۱ ص ۶۰) (آپؐ زمین پر بھی اور چٹائی اور درری پر بیٹھا کرتے اور جس وقت آپؐ کے پاس عدی بن حاتم آئے تو اسکو اپنے گھر بلایا تو کنیز نے آپؐ کی طرف ایک گد اڈالا تو حضور ﷺ نے اس کو عدی اور اپنے درمیان ڈالا اور آپؐ زمین پر بیٹھے عدی کہتے ہیں کہ اس سے میں نے پہچان لیا کہ آپؐ بادشاہ نہیں)

=====

## بَابُ مَا جَاءَ فِي تُكَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

### باب! حضور اقدس ﷺ کے تکیہ کا ذکر

#### تُكَاةٌ کا معنی و تشریح :

تُكَاةٌ: فُعْلَةٌ کے وزن پر ہے، جیسے کہ هُمَزَةٌ اور لَمَزَةٌ اس کی مثالیں ہیں، جس کا معنی تکیہ، بہت تکیہ لگانے والا، فرش پر بچھونا بچھا کر آرام سے بیٹھنا وغیرہ کے آتے ہیں۔ اصل میں وَكَاةٌ ہے، واؤ تا سے بدل دیا گیا ہے۔ جیسے کہ تراش اور تجاہ میں واؤ کوتا سے بدلا گیا ہے۔ اس باب میں امام ترمذی نے حضور اقدس ﷺ کی نشست کے دوران کسی چیز کا تکیہ استعمال کرنے کے متعلق پانچ احادیث نقل فرمائی ہیں۔ اسی باب الاخبار الواردة فی بیان تُكَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مواہب ص ۱۰۸) (یعنی یہ باب ان احادیث کے بیان جو حضور ﷺ کے تکیہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں) تکیہ لگا کر بیٹھنا حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے اور مباح ہے۔

(۱۲۵/۱) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الثُّورِيُّ الْبَغْدَادِيُّ أَخْبَرَنَا إِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ سَمَاقِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَكِنًا عَلَى وَسَادَةٍ عَلَى يَسَارِهِ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمیں عباس بن محمد دوری بغدادی نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت اسحاق بن منصور سے حاصل کی۔ اُن کو یہ روایت اسرائیل سے اور اس نے سماک بن حرب کے حوالے سے بیان لی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے سماعت

کی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا اور تکیہ آپ کی بائیں طرف تھا۔“

راویان حدیث (۳۱۸) عباس بن محمد الدوری کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### تکیہ لگا کر بیٹھنے کا حکم :

قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم متكئا على وسادة على يساره :

وسادة: افادة کے وزن پر ہے۔ تکیہ کو کہتے ہیں۔ مایتو سدابہ من المنخدة (بکسر المیم) (جس چیز کیساتھ ٹیک لگایا جائے یعنی منخدہ) (میم کے کسرہ کیساتھ) سوتے وقت رخسار رکھنے کا تکیہ مراد ہے) اور کبھی کبھی وسادہ بغیر تاء کے بھی بولا جاتا ہے اور کبھی اُساد بھی کہتے ہیں۔ علی یسارہ یعنی تکیہ حضور اقدس ﷺ کے بائیں طرف پڑا ہوا تھا۔ یہ تصریح تنقید کے لیے نہیں بلکہ بیان واقع کے لیے ہے۔ پس دائیں طرف، بائیں طرف اور حسب ضرورت پشت پیچھے تکیہ لگانا جائز ہے۔

والمقصود هي راحة الجالس (اتحافات ص ۱۷۲) (در اصل اس سے بیٹھنے والے کی راحت مقصود ہے) (چاہے جس صورت پر بھی ہو) البتہ دائیں جانب بہر حال بہتر ہے، وہ بھی ایسی صورت میں جب کوئی عذر نہ ہو، وھو لیسان الواقع فیجوز الاتكاء علی الوسادة یمیناً و یساراً (جمع ص ۲۲۳) (یہ صورت حال اور واقعہ کا بیان ہی ہے ورنہ تکیہ پر دائیں بائیں ہر طرح ٹیک لگانا جائز ہے) علامہ ابن قیمؒ نے حضور ﷺ کے متعلق نقل فرمایا ہے ”وكان يتكئ على الوسادة وربما اتكأ على يساره وربما اتكأ على يمينه و كان اذا احتاج في خروجه تو كأ على بعض اصحابه من الضعف (زاد المعاد ج ۱ ص ۶۰) (کہ حضور ﷺ تکیہ پر ٹیک لگایا کرتے اور بعض اوقات بائیں جانب اور بعض دفعہ دائیں جانب اور جب باہر جانے کی ضرورت ہوتی تو ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اپنے بعض ساتھیوں (صحابہؓ) پر تکیہ اور ٹیک لگایا کرتے) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں یسار کسی تخصیص کی وجہ سے نہیں۔

امرا اتفاقی ہے، لیکن قواعد محدثین کے لحاظ سے یسار کا لفظ یہاں مشہور روایات میں نہیں ہے۔  
اس لیے امام ترمذی نے باب کے ختم پر اس لفظ پر کلام کیا ہے۔ (خصائل)

(۱۲۶/۲) حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ أَخْبَرَنَا الْجَرِيرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَحَدٌ ثَمَّ بِأَكْبَرًا لِكَبَائِرٍ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لِإِشْرَاكَ بِاللَّهِ وَعُقُوقِ الْوَالِدَيْنِ قَالَ وَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُعْكِئًا قَالَ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَوْ قَوْلُ الزُّورِ قَالَ فَمَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث حمید بن مسعدہ نے بیان کی۔ ان کے پاس خبر دی بشر بن مفضل نے، انہوں نے یہ روایت جریری سے اخذ کی، جنہوں نے اسے عبد الرحمن بن ابی بکرہ کے حوالے سے بیان کیا اور انہوں نے یہ حدیث اپنے والد حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے سماعت کی۔ آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ کی مجلس میں) فرمایا، کیا میں تمہارے سامنے وہ گناہ نہ بیان کروں جو کبیرہ گناہوں میں بڑے بڑے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا: حضور! کیوں نہیں ضرور، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ راوی بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے، حالانکہ آپ اُس وقت تکبہ لگائے ہوئے تھے۔ پھر حضور نے فرمایا، جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کہنا۔ راوی کہتا ہے کہ حضور ﷺ یہ بات برابر کہتے رہے، یہاں تک ہم نے کہا کاش کہ آپ خاموش ہو جائیں۔“

حضرت عبد الرحمن بن ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کیا تم لوگوں کو کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ بتاؤں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ضرور یا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل جلالہ، کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کرنا۔ راوی کو شک ہے کہ ان دونوں میں

سے کوئی بات فرمائی تھی۔ اُس وقت حضور ﷺ کسی چیز پر ٹیک لگائے تشریف فرما تھے اور جھوٹ کا ذکر فرماتے وقت اہتمام کی وجہ سے بیٹھ گئے اور بار بار فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم لوگ یہ تمنا کرنے لگے کہ کاش حضور ﷺ سکوت فرماویں۔ بار بار ارشاد نہ فرمائیں۔

راویان حدیث (۳۱۹) عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور (۳۲۰) ابیہؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### گناہِ کبیرہ و صغیرہ کی بحث :

الا احلثکم باکبر الکبائر : ایک صحیح روایت میں الا اخبر کم اور ایک میں الا انبکم نقل ہوا ہے۔ ومعنی الكل واحد (مواعظ ص ۱۰۸) (اور سب کا معنی باوجود اختلاف الفاظ کے ایک ہی ہے) اندازِ خطاب کا یہ مسنون طریقہ تمام علماء کرام، داعمین اور مبلغین کو اختیار کرنا چاہیے۔ حضور اقدسؐ بھی اکثر اس اندازِ خطاب سے گفتگو فرماتے تھے۔ لحکم علی الفرج والا ستماع لمایرید اخبارهم بہ۔ (مواعظ ص ۱۰۸) (ان کو اس پر آمادہ کرنا مقصود ہے کہ جو بات ان کو آپؐ نے بتلائی ہے اس کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر کے کان لگائے سن لیں) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ بعض طرقِ صحیحہ میں الا انبکم باکبر الکبائر، تین مرتبہ نقل ہوا ہے۔ اہتماماً بشأن الخبر المذكور انه امر له شأن (جمع ص ۲۲۳) (مذکورہ خبر کے عظیم الشان ہونے کا اہتمام کرنے کے لئے)

الکبائر: کبیرہ کی جمع ہے، اکبر الکبائر کا معنی گناہوں میں بڑا اور زیادہ شنیع گناہ۔ البتہ کبیرہ کے معنی اور تعریف میں اختلاف ہے، (۱) ہی مانزل فیہ و عید شدید فی الکتاب او السنة (۲) ماکان فیہ حد (۳) کل جریمۃ توذن بقلۃ اکثر اثمر تکبھا بالذین (اتحافات ص ۱۳۷) (جسکے متعلق قرآن و حدیث میں سخت و عید آئی ہو۔ ۲۔ جس میں کوئی حد مقرر ہو۔ ۳۔ ہر ایسا جرم جو مجرم شخص کے دین سے لاپرواہی کا مظہر ہو)

شیخ بخاریؒ نے ہر تعریف پر معترضین کا کلام نقل کیا ہے تیسری تعریف کو ”وہو شامل التعاريف“ قرار دینے کے باوجود بھی اس پر کلام کیا ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے کہا ہے کہ کبیرہ کی صحیح تعریف

مہم ہے، جس طرح کے اسم اعظم لیلۃ القدر ساعة الجمعة، ووقت اجابة الدعاء لیلاً، صلوة الوسطی (اسم اعظم شب قدر۔ جمعہ کے دن کی ساعت قبولیت اور رات کے ایک حصہ میں دعا کی قبولیت کا وقت اور درمیانی نماز) کی قطعی تعیین مہم ہے۔ و حکمتہ ہنا الامتاع من کل معصیۃ خوفاً من الوقوع فی الکبیرۃ۔ (جمع ۲۲۳) (اور ان چیزوں کو مہم رکھنے کی حکمت دراصل ہر گناہ سے رکوانا مقصود ہے بوجہ اس خوف کے کہ اسکی وجہ سے کہیں گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو جاؤں)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک امراضانی ہے، ہر گناہ بہ نسبت اپنے سے بڑے کے صغیرہ اور اپنے سے چھوٹے کے کبیرہ ہے۔ قال صاحب الکفایۃ و الحق انہما اسمان اضافیان لا یعرفان بذاتیہما فکل معصیۃ اضعفت الی مافوقہا فہی صغیرۃ وان اضعفت الی ما دونہا فہی کبیرۃ (شرح عقائد ص ۸۲) صاحب کفایہ فرماتے ہیں کہ حق بات تو یہ ہے کہ یہ دو (صغیرہ و کبیرہ) امراضانی اور نسبتی ہیں بذاتہ انکی تعریفیں نہیں کی جاسکتیں اس لئے ایسا سمجھئے کہ ہر گناہ بہ نسبت اپنے مافوق (یعنی بڑے گناہ کے) صغیرہ ہے اور بہ نسبت مادون (چھوٹے گناہ کے) کبیرہ ہے۔

کبار کی تعیین و تعداد اور بخشش کا وسیلہ :

اس میں اختلاف ہے کہ کبیرہ گناہ کتنے ہیں۔ علماء نے مستقل تصانیف ان میں تحریر فرمائی ہیں۔ علامہ ذہبی کی ایک کتاب اس مضمون میں مستقل ہے، جس میں چار سو کبیرہ گناہ گنوائے گئے ہیں۔ علامہ ابن حجر مکیؒ نے بھی دو جلدوں میں ایک کتاب تصنیف کی ہے، جو مصر میں چھپ گئی۔ اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ معاملات وغیرہ ہر باب کے کبیرہ گناہ مستقل گنوائے ہیں اور کل مجموعہ چار سو سرسٹھ (۳۶۷) مفصل شمار کرائے ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شامل میں مشہور کبار کو گنوایا ہے، جو حسب ذیل ہیں۔ آدمی کا قتل کرنا، زنا کرنا، اغلام بازی، شراب پینا، چوری کرنا، کسی پر تہمت لگانا، سچی گواہی کا چھپا نا، جھوٹی قسم کھانا، کسی کا مال چھین لینا، بلا عذر کفار کے مقابلہ سے بھاگنا، سودی معاملہ کرنا، یتیم کا مال کھانا، رشوت لینا، اصول یعنی والدین وغیرہ کی نافرمانی کرنا، قطع رحمی کرنا، جھوٹی حدیث بیان کرنا، رمضان کا روزہ توڑ دینا ناپ تول میں کمی کرنا، فرض نماز کو وقت سے آگے پیچھے پڑھنا، زکوٰۃ نہ دینا،

مسلمان کو یا کسی کافر کو جس سے معاہدہ ہو، ناحق مارنا، کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرنا، غیبت کرنا بالخصوص کسی عالم کی یا حافظ قرآن کی، کسی ظالم سے چغلی کھانا، دیوث پن کرنا یعنی اپنی بیوی بیٹی وغیرہ کے ساتھ کسی کے فحش تعلق کو گوارا کرنا، قمر سازی یعنی بھڑوا پن کرنا کہ اجنبی مرد عورت یا اس قسم کے دوسرے ناجائز تعلقات میں سعی کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینا، جادو کا سیکھنا یا سکھانا، کسی پر جادو کرنا، قرآن پاک پڑھ کر بھلا دینا، بلا مجبوری کسی جاندار کو جلا نا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہونا اور اس کے عذاب سے نہ ڈرنا، عورت کا خاوند کی نافرمانی کرنا اس کی خواہش پر بلا وجہ انکار کرنا چغلی کھانا (جمع ج اص ۲۲۴)۔

ملا علی قاریؒ نے مثال کے طور پر ان کو نقل کیا ہے۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف کے شروع میں کبار کا مستقل باب ہے۔ اس میں بھی ان کو اور اس قسم کے اور چند گناہوں کو گنایا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا خواہ اس کی ذات میں کسی کو شریک کرے یا عبادت میں یا اس سے استعانت حاصل کرنے میں یا علم میں یا قدرت میں یا تصرف میں یا پیدا کرنے میں یا پکارنے میں یا کہنے میں یا نام رکھنے میں یا ذبح کرنے میں یا نذر ماننے میں یا لوگوں کے اس کی طرف امور سوچنے میں یعنی جیسے اللہ جل شانہ کو سب کام سپرد ہیں، اسی طرح اور کو بھی جانے۔ نیز امور ذیل بھی اس میں ذکر کئے ہیں:

گناہ پر اصرار کی نیت، نشہ کی چیز پینا، اپنے محرموں سے نکاح کرنا جو اٹھلینا، کفار سے دوستی کرنا باوجود قدرت کے جہاد نہ کرنا، مردار کا گوشت کھانا، نجومی اور کاہن کی تصدیق کرنا، قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ اور فرشتوں کو بُرا کہنا یا ان کا انکار کرنا، صحابہ کرامؓ کو بُرا کہنا، بیوی اور خاوند میں لڑائی ڈلوانا، اسراف کرنا، فساد کرنا، کسی کے سامنے ننگا ہونا (یعنی بیوی کے علاوہ) بخل کرنا، پیشاب اور منی کو پاک نہ کرنا یعنی اگر لگ جائیں تو نہ دھونا، تقدیر کو جھٹلانا، تکبر کی وجہ سے پانچ ٹخنوں سے نیچے کرنا، نوحہ کرنا، بُرا طریقہ ایجاد کرنا، محسن کی ناشکری کرنا، کسی مسلمان کو کافر کہنا، حائضہ سے صحبت کرنا، غلہ کی گرانی سے خوش ہونا، جانور سے بد فعلی کرنا، امر کو شہوت سے دیکھنا، کسی کے گھر میں جھانکنا، عالموں

اور حافظوں کی حقارت کرنا، اگر ایک سے زیادہ بیبیاں ہوں، تو اُن کے درمیان مساوات نہ کرنا، امیر سے عہد شکنی کرنا وغیرہ بتائے ہیں۔

ان کبار میں بھی درجات ہیں۔ اسی وجہ سے حدیث بالا میں کبار کو بڑے گناہ فرمایا گیا ہے اور مختلف احادیث میں موقع کے مناسب مختلف قسم کے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اصرار کرنے سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے اور توبہ واستغفار کرنے سے کبیرہ گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔ معاف ہو جاتا ہے اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے اس فعل پر واقعی ندامت ہو اور آئندہ کو اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو کہ اب کبھی نہ کروں گا، چاہے اس کے بعد کسی وقت وہ پھر سرزد ہی ہو جائے۔ اس سے وہ پہلی توبہ زائل نہیں ہوتی۔ توبہ کے وقت یہ پختہ ارادہ ہونا چاہیے کہ پھر کبھی نہیں کروں گا۔ (خصائل ص: ۷۹)

### الاشراک باللہ :

الاشراک باللہ : الاشراک کالغوی معنی جعل احد شریکاً لاخر (کسی کو دوسرے کا شریک بنانا) کو کہتے ہیں، لیکن یہاں غیر اللہ کو الہ بنانا مراد ہے۔ والاظهر ان المراد به الکفر (جمع ج ص ۲۲۴) (اور یہ بات تو واضح ہے کہ اس سے مراد کفر ہے) المراد به مطلق الکفر و انما عبر بالا شراک لانه اغلب انواع الکفر لاخراج غیرہ (مواہب ص ۱۰۹) (اس سے مراد مطلق کفر ہے اور اسکی تعبیر شرک سے اسے لیے کی گئی کہ یہ (شرک) کفر کے قسموں میں غالب ترین صورت ہے نہ کہ کسی سے احتراز مقصود ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومی لکھتے ہیں :

وقول رسول اللہ ﷺ متفق مع قوله تعالى : "ان الله لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء" ومع الحديث القدسي: "من لقيني بقرب الأَرْضِ خطيئة لا يشرك بي شيئاً، لقيته بمثلها مغفرة" ومع قوله تعالى: ان الذين كفروا و ماتوا وهم كفار فلن يقبل من أحد هم ملء الارض ذهاباً ولو اقتدى به" ومع قوله تعالى: "ومن يشرك بالله فكأنما خر من السماء فتخطفه



الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق“۔ (اور نبی علیہ السلام کا (گزشتہ) فرمان مبارک اللہ تعالیٰ کے اس قول سے (ترجمہ) کہ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے اس بات کو کہ اسکے ساتھ شرک کیا جائے اور اسکے علاوہ جسکو چاہیں بخش دیتے ہیں اور حدیث قدسی کے ساتھ جو شخص میرے پاس بھری زمین غلطیاں اور گناہ لے کر آئے لیکن کسی کو میرے ساتھ شریک نہیں کیا تھا تو میں اسکو اپنی طرف سے اتنی ہی مغفرت عطا کروں گا“ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے (ترجمہ) ”بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مرے بھی حالت کفر ہی میں سوان میں کسی کا (بطور کفارہ) زمین بھر سونا بھی نہ لیا جائیگا اگرچہ وہ معاوضہ میں اسکو دینا بھی چاہے“۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کیساتھ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو (اسکی حالت ایسی ہوگی جیسے) گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اسکی بوٹیاں نوچ لیں یا اسکو ہوانے کسی دور دراز جگہ لے جا کر پٹخ دیا“ موافق ہیں۔

بہر حال شرک کبائر سے ہے، خواہ وہ شرک ذات میں ہو، صفات میں ہو، عبادت میں، استعانت میں، علم و قدرت میں ہو یا تصرف و تدبیر میں ہو۔

### عقوق الوالدین :

و عقوق الوالدین : والدین کی نافرمانی بھی گناہ کبیرہ ہے۔ والدہ کی ہو یا والد کی یا دونوں کی، دوسرے کی نافرمانی کو مستلزم ہے، لان عقوق احدہما يستلزم عقوق الآخر غالباً۔ (جمع ص ۲۲۵) (کیونکہ ان میں سے ایک کی نافرمانی دوسرے کی نافرمانی کو مستلزم ہے)

عقوق: العق سے مشتق ہے، جس کا لغوی معنی الشق والقطع (چیرنا اور کاٹنا)۔ اسی سے الحقیقہ ماخوذ ہے، جو مولود کے حلق شعر پر بکری کے ذبح کرنے کو کہتے ہیں۔ شرعاً مراد یہ ہے کہ والدین کی تولاً اور فعلاً نافرمانی اور ایذا رسانی سے بچا جائے۔ والمواد صلور مابتأذی بہ الوالد من ولده من قول او فعل (اور اس سے مراد ہر ایسی بات یا کام جسکے ذریعہ اولاد کی طرف سے والد کو تکلیف پہنچے) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تقل لهما اف ولا تنهرا، الا یہ (اور نہ کہہ والدین کو اف تک بھی اور نہ انکو جھڑک دے) البتہ شرک اور معصیت میں ان کی اطاعت حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وان

جاءهناك على ان تترك بي ماليس لك به علم فلا تطعهما و صاحبهما في الدنيا معروفًا (اگر تجھ پر وہ دونوں بھی اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جسکی تیرے پاس کوئی دلیل اور سند نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا (کے حوائج و معاملات) میں انکے ساتھ خوبی کیساتھ بسر کرنا)۔ آیت سے واضح ہے کہ عقوق الوالدین حرام ہے، اگرچہ والدین کافر ہوں۔ شیخ الیچو ری نے مزید تصریح کی ہے کہ والمراد بالوالدین الاصلان وان علیا و مال الزر کشی الی الحاق العم والخال بهما ولم يتابع عليه (مواہب ص ۱۰۹) (کہ والدین سے مراد اپنے اصول ہیں اگرچہ اوپر تک جائیں) (یعنی داد پر داد وغیرہ) اور امام زرکشی کا رجحان تو چچا اور ماموں وغیرہ کو شامل کرنے کی طرف ہے البتہ کسی دوسرے نے اسکی موافقت نہیں کی) والدین کی نافرمانی ایسا گناہ ہے، جس کی سزا آخرت میں بھی ملے گی اور بعض اوقات دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔

والعقوق من العقوبات التي يجعل عقابها في الدنيا (اور والدین کی نافرمانی ایسی عقوبات (جرموں) میں سے ہے جسکی سزا دنیا میں بھی دی جاتی ہے)

### والدہ کی ناراضگی کا ایک دلچسپ واقعہ :

دار قطنی، بیہقی (فی شعب لایمان) اور دلائل النبوة میں عبد اللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! یہاں ایک نوجوان ہے۔ جس پر نزع یعنی موت کے آثار شروع ہو چکے ہیں۔ اسے لا الہ الا اللہ پڑھنے کی تلقین کی جا رہی ہے، فلا يستطيع ان يقولها، وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ کلمہ پڑھ لے۔ حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کیا وہ اپنی زندگی میں کلمہ نہیں پڑھا کرتا تھا، بتایا گیا کہ وہ تو مسلمان ہے اور کلمہ پڑھا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا پھر کس چیز نے اس کو موت کے وقت کلمہ پڑھنے سے روک دیا ہے، چنانچہ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چل پڑے۔

ہم بھی آپ کے ساتھ چل پڑے اور ہم سب اس نوجوان کے پاس آپنچے۔ فقال يا غلام: قل لا الہ الا اللہ (آپ نے فرمایا اے لڑکے لا الہ الا اللہ (کلمہ توحید) پڑھ۔ اس نے عرض کیا، حضرت!

مجھے کلمہ پڑھنے کی توفیق نہیں مل رہی، لا اَسْتَطِيعُ ان اقولها، پھر اس نے صاف بتا دیا کہ اس کی وجہ والدہ کی نافرمانی ہے۔ لعقوق والدتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ”أحیة هی (کیا وہ زندہ ہے) فرمایا جی ہاں والدہ تو زندہ ہے، چنانچہ آپؐ نے ان کی والدہ کو بلوایا اور پوچھا کیا یہ نوجوان تمہارا بیٹا ہے۔ عرض کی جی ہاں، میرا بیٹا ہے، آپؐ نے فرمایا لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کر دی جائے اور اگر تو بیٹے کو معاف نہ کرے تو جلتی آگ کے شعلوں میں ڈال دیا جائے۔ فقالت اذا كنت اشفع له “ (اسکی والدہ نے کہا پھر تو میں اسکی سفارش کروں گی) تو آپؐ نے ارشاد فرمایا تو بھی خدا کو گواہ بنا اور ہم بھی خدا کو گواہ ٹھہراتے ہیں کہ تو اس سے راضی ہے۔ بانیك قد رضيت عنه، تو اس بچے سے راضی ہے۔

والدہ نے عرض کیا ”قد رضيت عن ابني“ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں۔ تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا، ”فقال يا غلام قل لا اله الا الله، فقال لا اله الا الله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم الحمد لله الذي انقذه بي من النار. ذكره السيوطي في شرح الصلوة“ (اتحافات ص ۱۷۴)۔ (تو آپؐ نے فرمایا اے لڑکے! کلمہ توحید پڑھ تو لڑکے نے لا اله الا الله پڑھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں کہ جس نے میرے ذریعہ سے اس شخص کو آگ اور دوزخ سے بچایا۔ اس واقعہ کو امام سیوطیؒ نے شرح صدور میں ذکر کیا ہے)

### انتباہ و اہتمام :

وجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و كان متكئا! یعنی جلوس سے قبل آپؐ نے تکیہ فرمایا تھا، آپؐ بیٹھ گئے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ نے خصوصیت اور اہتمام سے اگلی بات فرمائی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، و سبب الاہتمام بذلك كون قول الزور او شهادة الزور اسهل و قوعاً على الناس و التهاون بهما اكثر فان الاشراك ينبو عنه قلب المسلم والعقوق يصرف عنه الطبع السليم والعقل القويم و اما الزور فالحوامل والبواعث عليه كثيرة كالعداوة والحسد وغيرهما فاحتيج الى الاهتمام به. (جمع ص ۲۲۵) (اور اسکے اہتمام کرنے کا سبب یہ ہے کہ جھوٹی بات اور

جھوٹی گواہی لوگوں کے خلاف دینا آسان ہے اور پھر ان دونوں کیساتھ تہاؤں اور لاپرواہی یہ سب کثیر الوقوع امور ہیں۔

اس لئے کہ شرک سے تو مسلمان کا دل نفرت کرتا ہے اور والدین کی نافرمانی سے بھی عقل صحیح اور سلیم الطبع انسان اعراض کرتا ہے اور وہ جو جھوٹ ہے۔ تو اس پر ابھارنے اور برا بیچنے کرنے والی بہت سی چیزیں ہو سکتی ہیں جیسے دشمنی حسد وغیرہ وغیرہ اس لیے اس کے اہتمام کرنے کی ضرورت پڑی (شہادت زور کا معنی، قباحت اور شرعی حکم :

قال و شہادۃ الزور او قول الزور الخ، پھر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کہنا، راوی کہتے ہیں کہ آپؐ یہ بات برابر کہتے رہے (اور آپؐ کے تکرار سے ہم خوف زدہ ہو گئے) یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش آپؐ خاموش ہو جائیں۔

زور، ازوار سے ہے وہو الانحراف وقال المطر یزی اصل الزور تحسین الشیء و وصفہ بخلاف صفته و قال القرطبی شہادۃ الزور ہی الشہادۃ بالکذب یعول بها الی الباطل من اتلاف نفس او اخذ مال او تحلیل حرام او تحریم حلال، فلا شنی اعظم ضرراً منه ولا اکثر فساداً بعد الشرک باللہ (جمع ص ۲۲۷) (اور اس کا معنی انحراف (روگردانی) ہے اور امام مطرینیؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک چیز کی اصلی اور حقیقی صفت کے علاوہ دوسری صفت کے ساتھ اسکی خوبصورتی کو ظاہر کرنا۔ اور امام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ جھوٹی گواہی یہ ہے کہ جس کے ذریعہ آپ باطل اور ناحق کام تک پہنچیں یعنی کسی نفس کی ناحق ہلاکت یا کسی کا ناحق مال لینا یا حرام کو حلال کرنا یا حلال کو حرام کرنا ہو تو شرک باللہ کے بعد ایسے جھوٹ سے نقصان اور فساد کے لحاظ سے کوئی چیز بڑھ کر نہیں ہے) بار بار کے تکرار سے اس کی اہمیت کو واضح کرنا تھا۔

قلنا لیتہ سکت! کاش حضور اقدس ﷺ خاموش ہو جائیں۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے (۱) کہ بار بار کے تکرار سے کہیں طبع مبارک پر گرانی نہ آجائے، کیلا یا لم ﷺ (۲) یا اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں آپؐ کی زبان مبارک سے ایسے کلمات نہ نکل جائیں جو نزول بلا کا سبب بن جائیں، او خوفاً من ان

یجوز علی لسانہ ما یوجب نزول العذاب. (جمع ص ۲۲۷)

### واعظ مدرس اور خطیب کے لیے ہدایت :

اس حدیث سے ایک فائدہ یہ بھی استفاد ہوا کہ واعظ، خطیب اور مدرس کے لیے، وعظ و خطاب میں، درس و تدریس میں، بیان اور ہدایات میں بعض حالات میں ضروری ہے کہ وہ تکرار اور مبالغہ سے کام لے اور اپنے آپ کو اس قدر مشقت میں ڈال دے کہ تلامذہ، مستفیدین اور حاضرین و مخاطبین کو اس پر رحم آجائے۔ علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ینبغي له ان یتحرى التکرار و المبالغة و اتعاب النفس فی الافادة حتی یرحمہ السامعون و المستفیدون (جمع ص ۲۲۷)

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، یرحمہ من الحدیث جواز ذکر اللہ و افادة العلم متکنا وان ذلک لا ینافی کمال الادب وان الاتکاء لیس مفوتاً لحق الحاضرین المستفیدین. (مواہب ص ۱۰۹) (اور حدیث مبارک سے اللہ کے ذکر اور دینی تعلیم کو تکیہ لگا کر دینے کا جواز اخذ کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی کہ یہ کمال ادب کے خلاف نہیں ہے نیز یہ کہ تکیہ لگانا مستفیدین اور حاضرین کے حق کو فوت اور ضائع کرنے والا نہیں)

والا ظہر انه یختلف باختلاف الاشخاص والا ماکن والا زمان (جمع ص ۲۲۶) (اور زیادہ واضح بات یہ ہے کہ مذکورہ حکم اشخاص زمانے اور علاقوں کی تبدیلی سے بدلتا رہتا ہے)

### باب سے عدم مناسبت کا اعتراض :

اس حدیث پر ایک اشکال یہ بھی کیا گیا ہے کہ اسے ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہے کیونکہ اس میں اتکاء وارد ہے۔

جبکہ ترجمۃ الباب میں التکأة کا عنوان ہے۔ اس اشکال کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اتکاء، تکأة کو مستلزم ہے۔ و اقضی ما قبل فی دفع هذا الایراد انه یرتفع التکأة و فیہ ما فیہ ہکذا قالت الشراح. (حاشیہ خصال)

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا أَنَا فَلَا أَكُلُ مُتَكِنًا.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت شریک نے علی بن اتمر کے حوالے سے بیان کی۔ وہ صحابی رسول ﷺ حضرت ابو جحیفہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میں کسی چیز سے ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔“

ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

لفظ اَمَا کا معنی و تشریح :

اَمَا اَنَا فَلَا اَكُلُ مُتَكِنًا اَمَا : حرف شرط ہے، تفصیل کے لیے آتا ہے اور مجرد تاکید کے لیے بھی اَمَا هُنَا لِمَجْرَدِ التَّكْيِدِ وَ اِنْ كَانَتْ لِلتَّفْصِيلِ مَعَ التَّكْيِدِ غَالِبًا نَحْوُ جَاءَ الْقَوْمُ اَمَّا زَيْدٌ فَرَاكِبٌ وَاَمَّا عَمْرُوٌ فَمَا شَ (مواعظ ص ۱۱۰) (لفظ اَمَا یہاں محض تاکید کے لیے ہے اگرچہ عام طور پر تاکید کیساتھ تفصیل کے لیے بھی آتا ہے جیسے کہ جَاءَ الْقَوْمُ الْخُ میں اَمَّا تفصیل کے لیے ہے) (معنی یہ ہے قوم آئی ان میں سے زید سوار ہو کر اور عمرو پیدل آئے)

اس سے نہی کرنا مقصود ہے۔ تاہم طریقہ کنایہ کا ہے۔ اپنے لیے ایک چیز ثابت نہ کرنے کا مقصد دوسرے سے اس کی نفی کرنا ہے، تو یہ نفی حکم میں نہیں کے ہے۔

تکیہ لگا کر کھانا تکبر کی علامت ہے :

کیونکہ تکیہ لگا کر کھانا تواضع کے خلاف ہے، زیادہ کھائے جانے کا سبب ہے۔ اس سے پیٹ بھی بڑھتا ہے اور سرعت ہضم بھی حاصل نہیں ہوتا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ اہل جاہلیت اور عجمی سلاطین اور متکبرین کا وتیرہ ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں بوالاظہر ان یراد به تعريض غيره من اهل الجاهلية والا عجم بانهم يفعلون ذلك اظهاراً للعظمة والكبرياء والا فتخار والخيلاء واما انا فلا افعل ذلك وكذلك من تبعني. (جمع ص ۲۲۷) (اور زیادہ واضح بات یہ کہ حضور ﷺ کے اس قول (کہ میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا) سے اہل جاہلیت اور عجمی لوگوں پر ایک قسم کی تعریض اور طنز ہے کہ یہ لوگ جو تکیہ لگا کر کھا

نا اپنی بڑائی اور فخر و تکبر کے لیے کھاتے ہیں۔ میں اور میرے تابع داری کرنے والے ایسا نہیں کرتے۔

## تکلیہ لگا کر کھانے کی چار صورتیں :

تکلیہ لگا کر کھانے کی چار صورتیں ہیں اور چاروں صورتیں نبی کا مصداق ہیں۔ (۱) دونوں یا ایک پہلو پر تکلیہ لگا کر کھانا (۲) دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو زمین پر رکھ کر تکلیہ لگائے۔ (۳) جو کڑی مار کر کسی گدے وغیرہ پر بیٹھے۔ (۴) کمر (پٹت) دیوار یا تکلیہ وغیرہ سے لگا کر بیٹھے، کھانے کے وقت ان چار صورتوں پر بیٹھنا مذموم ہے۔ ملا علی قاریؒ کے الفاظ یہ ہیں: الاول الاتكاء على اربعة انواع الاول الاتكاء على احد الجنين الثانى وضع احدى اليدين على الارض والاتكاء عليها والثالث التربع على وطاء والا ستواء عليه والرابع استناد الظهر على وسادة ونحوها وكل ذلك مذموم حالة الاكل منهى عنه لان فيه تكبراً۔ (جمع ص ۲۲۸)

اسی طرح لیٹ کر کھانا بھی مکروہ ہے۔ البتہ کھڑے ہو کر کھانا مکروہ نہیں اور اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس سے مراد مستقل طور پر کھڑے ہو کر کھانا مراد نہیں بلکہ اگر کوئی چیز اتفاقاً کھڑے کھالی، تو اس کو مکروہ نہیں کہنا چاہیے، ورنہ آج ملحدین جو کھڑے ہو کر کھاتے ہیں اسی سے استدلال کرتے پھرینگے۔ نیز سنت طریقہ پر کھانے کی جو تین صورتیں مذکور ہیں، ان کے بھی خلاف ہے، حالانکہ شامی باب الحظر والاباحۃ میں ہے ”کترک السنة المؤکدة فانه لا یعلق به عقوبة النار ولكن یعلق به الحرمان عن شفاعۃ النبی المختار لحديث من ترک سستی لم یئل شفاعتی (شامی ج ۵ ص ۲۳۷) (جیسے کہ سنت مؤکدہ کو چھوڑ دینا کہ اس کے ساتھ اگرچہ دوزخ اور آگ کی سزا نہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی تو ضرور ہے بوجہ اس حدیث کہ آپؐ نے فرمایا جس نے میری سنت (طریقہ) چھوڑ دیا وہ ہرگز میری شفاعت نہیں پائے گا)۔

نیز شاہ ولی اللہؒ نے حجتہ اللہ البالغۃ میں آداب الطعام میں ذکر کیا ہے ”فاذا غسل یدیه قبل الطعام ونزع النعلین واطمان فی مجلسه واخذہ اعتدالاً به وذكر اسم الله افيضت علیه البرکة (حجتہ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۱۸۵) جب (کھانے والا) اپنے ہاتھ کھانے سے پہلے دھو لے اور جوتے

نکال کر اطمینان کیساتھ مجلس طعام میں بیٹھ جائے اور اسکو عزت و احترام سے اٹھا کر بسم اللہ الخ پڑھے تو اس کھانے میں برکت ڈال دی جاتی ہے۔ اور بیٹھ کر کھانا افضل ہے۔

ویکرہ ایضاً مضطجعاً الا فیما یستقل بہ ولا یکرہ قائماً لکنہ قاعداً افضل (جمع ص ۲۲۸) اور اسی طرح لیٹے ہوئے کھانا مکروہ ہے مگر (جو بطور نقل یعنی تفلہ وغیرہ کے ہو) اور (اتفاقاً) کھڑے ہو کر کھانا مکروہ نہیں لیکن بیٹھ کر کھانا افضل ہے۔

### کھانے میں سنت طریقہ :

کھانے میں سنت طریقہ یہ ہے کہ کھانے پر جھکاؤ ہو اور کھانے والا اس پر منحنی ہو، والسنة ان یقع عند الاکل مثلاً الى الطعام. (جمع ص ۲۲۸)

اس حدیث کا سبب بھی ایک اعرابی کا قصہ ہے، جو ابن ماجہ اور طبرانی میں اسناد حسن کے ساتھ منقول ہے۔ وہ یوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بکری ہدیہ کی گئی، فحشی علی رکبتہ یا کل، حضور روزانو بیٹھ کر کھا رہے تھے۔ اعرابی نے یہ دیکھ کر کہا، ماہذہ الجلوس؟ یہ کونسا بیٹھنا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا، ان اللہ جعلنی عبداً کریماً ولم یجعلنی جباراً عنیداً (جمع ص ۲۲۸) مجھے اللہ تعالیٰ نے معزز اور متواضع بندہ بنایا اور نہیں بنایا مغرور سرکش۔

ابن بطال کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ سب کچھ تو اضعاً کیا۔ آپؐ کا ارشاد ہے، انما انا عبد اجلس کما یجلس العبدو اکل کما یاکل العبد۔ میں تو ایک بندہ ہی ہوں اور بندہ جیسے بیٹھتا ہوں اور کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ اور غلام کھاتا ہے۔ اور یہ بھی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ حاضر خدمت ہوا۔ جو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ عرض کی حضور! اللہ نے آپؐ کو اختیار دے دیا ہے، چاہیں تو عبداً نبیا بن جائیں اور چاہیں تو ملکاً نبیا بن جائیں۔

اس وقت حضرت جبریل بھی رہنمائی کے لئے موجود تھے۔ فاوما الیہ ان تواضع قال بل عبداً نبیا (جمع ص ۲۲۸) حضرت جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ عاجزی اور تواضع کو پسند کر حضورؐ نے فرمایا کہ میں بندہ نبی بننا چاہتا ہوں۔



شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں۔ فكانت جلسة رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت الاكل كلها ادب واحترام فتارة يجلس على صدور قعديه وتارة يجلس ناصبا رجله اليمنى وجالسا على اليسرى (اتحافات ص ۱۷۵) یعنی آپؐ کا کھانا کھاتے وقت بیٹھنا سب کا سب ادب واحترام کا طریقہ ہے، کبھی تو آپؐ دونوں پاؤں کی ہتھیلیوں پر بیٹھتے اور کبھی داہنے پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں پاؤں کو لٹا کر اس پر بیٹھ جاتے۔ یہ حدیث بھی اور آنے والی حدیث بھی اگلے باب سے زیادہ موزوں ہے، یہاں زیادہ سے زیادہ یہی توجیہ کی جاسکتی ہے کہ ان الاحتکاء مستلزم تکافة۔ (مواعظ ص ۱۱۰) (کہ احتکاء اور تکاء آپس میں لازم ملزوم ہیں)

(۱۲۸/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَحِيفَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَكُلُ مُتَكَبِّئًا.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبدالرحمن بن مہدی نے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان سے علی بن اقر کی وساطت سے پہنچی۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت ابو جحیفہؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔“

### غرض اتیان حدیث :

اس حدیث کے متن میں ”اما انا“ نہیں ہے۔ باقی وہی الفاظ ہیں جو پہلی حدیث میں گذر چکے ہیں۔ سند میں بھی فرق ہے۔ غرض گذشتہ حدیث کی تاکید ہے، قال السيد امير الدين يظهر الفرق بين الحديثين باختلاف بعض رجال السند وتغيير يسير في المتن والغرض تأكيد هذا الامر بالنسبة الى النبي صلى الله عليه وسلم (جمع ص ۲۲۹) سید امیر الدینؒ کہتے ہیں کہ ان دو حدیثوں کے درمیان فرق تو سند میں بعض رجال کے اختلاف کی وجہ سے ہے اور کچھ معمولی تبدیلی متن میں بھی ہے اور اصل غرض اس امر (یعنی نبیؐ) کا تکیہ لگائے ہوئے نہ کھانا کی تاکید بنسبت نبی علیہ السلام کے ہے

(۱۲۹/۵) حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا إِسْرَآئِيلُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَكِنًا عَلَى وَسَادَةٍ قَالَ أَبُو عِيسَى لَمْ يَذْكُرْ وَكِيعٌ عَلَى يَسَارِهِ هَكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ إِسْرَآئِيلَ نَحْوَ رِوَايَةِ وَكِيعٍ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَى عَلَى يَسَارِهِ إِلَّا مَا رَوَى إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ إِسْرَآئِيلَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث یوسف بن عیسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تک یہ روایت وکیع کے ذریعے پہنچی۔ وکیع کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسرائیل نے سماک بن حرب کے واسطے سے بیان کی اور انہوں نے جابر بن سمرہؓ سے یہ حدیث سنی۔ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ پر ایک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔

امام ترمذیؒ نے یہاں پر کلام کیا ہے کہ اس روایت میں وکیع نے بائیں جانب کے الفاظ ذکر نہیں کئے اور بہت سے لوگوں نے اسرائیل کے ہم معنی روایت ہی بیان کی ہے اور ہم اسرائیل سے روایت کر نیوالے اسحاق بن منصور کے سوا کسی ایک راوی کو بھی نہیں جانتے جس نے بائیں جانب کے الفاظ کہے ہوں۔

### امام ترمذی کا اعتراض :

قال ابو عيسى.... الخ، امام ترمذیؒ کو باب کی پہلی حدیث کے لفظ علی یسارہ پر اعتراض ہے کہ بغیر اسحاق بن منصور کے کسی بھی دوسرے راوی نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔ امام ترمذیؒ کا خیال ہے کہ یہ الفاظ شاید سہوً نقل ہوئے ہیں کہ حضورؐ کا معمول دائیں طرف تکیہ کا تھا۔ امام ترمذیؒ کی بات بھی درست ہے، تاہم شارحینؒ کہتے ہیں کہ علی یسارہ کسی عذر کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے امام بیہقیؒ سے نقل کیا ہے کہ :

”فان كان بالمرء مانع لا يمكن معه من الاكل الامتكان لم يكن في ذلك كراهة ثم ساق عن جماعة من السلف انهم اكلوا كذلك“ (جمع ص ۲۲۸) اگر کسی شخص کو رکاوٹ اور مانع درپیش ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے بغیر تکیہ کے وہ کھانا نہیں کھا سکتا تو پھر تکیہ لگائے کھانے میں کسی قسم کی

کراہت نہیں پھر بہت سے اسلاف اور بزرگوں سے تکیہ لگا کر کھانے کا تذکرہ کیا ہے اور اسحق بھی ثقہ راوی ہیں اور ثقہ کی زیادتی قبول ہوتی ہے۔

وكان الاولیٰ ایراد هذا الطريق عقب طریق اسحق بن منصور أول الباب  
(اتحافات ص ۱۷۶) اور اچھایہ ہوتا کہ اس اسناد کے طریق کو مصنف "اسحق بن منصور کے اسناد کے بعد  
شروع باب میں لاتے۔

=====

## بَاب مَا جَاءَ فِي اتِّكَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا لے کر چلنے کے بیان میں

اتكاء: کا معنی سہارا لینا یا سہارا لے کر چلنا۔ اتكاء: وکاء سے ماخوذ ہے، جس سے چیزوں کو باندھا جاتا ہے ”اتكاء“ انسان کی گرنے سے حفاظت اور دوسرے کے سہارے سے چلنے میں مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔

### باب تكأة اور باب اتكاء کی غرض انعقاد :

(۱) اس باب کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عارض یعنی حالت مرض وغیرہ میں کسی صحابی کا سہارا لیکر چلنے کے بیان کی غرض سے انعقاد کیا گیا ہے۔ وبهذا يفهم أن هذا الباب غير الاول۔ اور اس توجیہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ باب پہلے باب سے مغایر ہے۔

(۲) بعض شارحین کہتے ہیں کہ باب سابق کے انعقاد سے غرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق تکیہ کا بیان ہے اور اس باب میں بیان اتكاء المصنوع، دونوں تراجم میں معنی مصدری اور بیان ما اتکنی علیہ جس چیز پر تکیہ کیا جائے کے بیان کے لحاظ سے فرق ہے۔

(۳) مگر زیادہ رائج توجیہ یہ ہے کہ پہلے ترجمۃ الباب میں مطلق وسادہ کا بیان تھا۔ اعم من بیانها و بیان الاتكاء علیها (حاشیہ خصائل) (اس سے عام کہ اکمیل تکیہ یا جس پر تکیہ کیا جائے کا بیان ہو) اور اس ترجمۃ الباب سے بیان استاد علی غیر الوسادة من الانسان (مطلق تکیہ کے علاوہ کسی انسان وغیرہ پر سہارا لینا) مقصود ہے۔ یہاں اس باب میں تو صاف ظاہر ہے کہ انسان کا سہارا لے کر چلنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ دراصل انسان کی کرامت و احترام کی وجہ سے اس کا عدم جواز کا وہم تھا، اس لئے علیحدہ

ترجمة الباب کا انعقاد کیا گیا۔

(۴) باب ہذا میں کیفیتِ فعل کا بیان مقصود ہے، اگرچہ ضمناً مفعول بہ کی کیفیت بھی واضح ہو جاتی ہے، جبکہ ماقبل کے باب میں اصلاً مفعول بہ کی کیفیت کا بیان مقصود تھا، اگرچہ فعل کی کیفیت وہاں ضمناً معلوم ہو جاتی ہے۔

(۱۳۰/۱) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ عَاصِمٍ أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ شَاكِيًا فَخَرَجَ يَتَوَكَّأُ عَلَى أَسَمَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ قَطْرِيٌّ قَدْ تَوَشَّحَ بِهِ فَصَلَّى بِهِمْ.

ترجمہ: ”امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبد اللہ بن عبد الرحمن نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسے عمرو بن عاصم نے نقل کیا۔ انہوں نے یہ روایت حماد بن سلمہ سے روایت کی اور انہوں نے اسے حمید سے اخذ کیا۔ وہ اس حدیث کو خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضورؐ بیماری میں گھر سے نکلے کہ آپؐ نے اُسامہؓ کا سہارا لے رکھا تھا۔ اس وقت آپؐ پر قطر کا ساختہ کپڑا تھا، جس کو آپؐ نے کندھے پر ڈال رکھا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

اس حدیث کی تشریح باب ما جاء في لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم (۱/۶ ص ۵۸) میں کی جا چکی ہے۔ قارئین وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصہ بحث :

اجمالاً تلخیص یہ ہے کہ شاکیا، اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ ضرب یضرب کے باب سے آتا ہے، بمعنی بیمار ہونے کے۔ الشکویٰ كانت من المرض (اتحافات ص ۱۷۷) بیماری کی وجہ سے شکایت تھی قبل و هذا فی مرض موته (جمع ص ۲۳۰) بعض نے کہا کہ یہ واقعہ اور صورت حال مرض موت کے وقت تھی۔

یتوکاً: یہ التوکاً سے مضارع ہے، بمعنی الاتکاء علی الشیء ای یتحامل ویعتمد (جمع ص ۲۳۰) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تین آدمیوں پر سہارا لیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ، رواۃ حضرات کبھی کسی کا ذکر کر دیتے ہیں، کبھی کسی کا۔ اس حدیث سے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام و اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ بنا بر ضرورت کسی آدمی کا سہارا لے کر چلنا جائز ہے۔

(۱۳۱/۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخُفَّافُ الْحَلَبِيُّ أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ بَرْقَانَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ وَعَلَى رَأْسِهِ عَصَابَةٌ صَفْرَاءُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ يَا فَضْلُ قُلْتُ لَيْتَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أَشَدُّ بِهِذِهِ الْعَصَابَةِ رَأْسِي قَالَ فَفَعَلْتُ ثُمَّ قَعَدَ فَوَضَعَ عَلَى كَتِفِهِ مِنْكِبِي ثُمَّ قَامَ وَدَخَلَ فِي الْمَسْجِدِ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن مبارک سے پہنچی۔ ان کو یہ روایت عطاء بن ابی رباح سے روایت کی۔ ان کو اسے جعفر بن برقان نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ حدیث عطاء بن ابی رباح سے اخذ کی، جنہوں نے اسے فضل بن عباسؓ سے روایت کیا۔

فضل بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے مرض الوفا کی حالت میں حاضر ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سر مبارک پر اس وقت زرد پٹی بندھ رہی تھی۔ میں نے سلام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے فضل! اس پٹی سے میرے سر کو خوب زور سے باندھ دو۔ پس میں نے تعمیل ارشاد کی۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور میرے مونڈھے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور مسجد کو تشریف لے گئے۔ اس حدیث میں مفصل قصہ ہے۔

راویان حدیث (۳۲۲) محمد بن المبارک (۳۲۳) عطاء بن مسلم (۳۲۴) جعفر بن برقان (۳۲۵) عطاء بن ابی رباح اور (۳۲۶) فضل بن عباس کے حالات ”تذکرہ راویان شائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ، حدیث کی تشریح :

دخلت علی رسول الله صلى الله عليه وسلم..... حضرت فضل بن عباسؓ کہتے ہیں یہ میری اس ملاقات کا واقعہ ہے جب آپؐ مرض الوفا میں تھے۔ الخ وعلی راسه عصابة: (اور اسکے سر پر عصابہ یعنی پٹی یا پگڑی تھی) عصابة بمعنی پٹی کے یا عمامہ کے ہے، ای خرقۃ او عمامۃ (جمع ص ۲۳۰) تاہم حدیث کے اگلے الفاظ اشدد بهذا العصابة راسی (کہ اسی پٹی سے میرے سر کو باندھ) عصابہ کے خرقہ ہونے کی تائید بلکہ تعین کرتے ہیں۔

صفراء: بمعنی زرد رنگ ہونے، بعض حضرات نے کہا زرد رنگ نہیں تھا، مگر ابتداء میں تیل لگانے اور عصابہ کے ملوث ہو جانے کی وجہ سے وہ زرد معلوم ہوتا تھا۔

قال الحنفی لعل صفرتها لم تكن اصلية بل كانت عارضة من ایام مرضه لا جل عرق وغیرہ (جمع ص ۲۳۱) حنفیؒ کہتے ہیں کہ اسکا پیلا پن (رنگ) اصلی اور حقیقی نہ تھا بلکہ بیماری کے دنوں میں پسینہ وغیرہ کی وجہ سے عارضی طور پر تھا (جمع ص ۲۳۱) یہ تو جیہہ تب ہے، جب عصابہ بمعنی عمامۃ کے ہو اور اگر عصابہ بمعنی خرقۃ پٹی کے ہو، تو فلا اشکال (جمع ص ۲۳۱) (تو پھر اس کے پیلے ہونے میں کوئی اشکال نہیں) بہر حال اگر واقعہ بھی زرد رنگ ہو، تو چونکہ وہ حرام نہیں، اس لئے اختیار فرمایا۔

شیخ بیجوریؒ فرماتے ہیں: العمامۃ الصفراء اور العمامۃ الحمراء اور العمامۃ السوداء (پیلی پگڑی، سرخ پگڑی، کالی پگڑی) آپؐ سے ثابت ہیں۔ فالعمامة البيضاء افضل (مواہب ص ۱۱۱) (البتہ سفید پگڑی افضل ہے) (مواہب ص ۱۱۱) فسلمت: میں نے سلام کیا، پھر مجھے سلام کا جواب دیا گیا، ففی الکلام ایجاز (مناوی ص ۲۳۱)۔ پس یہاں کلام میں اختصار ہے۔ (مناوی ص ۲۳۱)

### مسئلہ حاضر و ناظر :

لیک یا رسول اللہ: اس سے بعض لوگ ”یا رسول اللہ“ سے ندا کے جواز پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ نداء بطور تعظیم کے تھی۔۔ اس لئے اس کا قائل نہ، تو بدعتی ہے، نہ مشرک ہے، جیسے عام شعراء بھی ندا کرتے ہیں، جو بطور مجاز کے ہوتی ہے۔ جو اخراج الکلام بخلاف مقتضی الظاہر ((یہ از قبیل اقتضاء ظاہر کے خلاف کلام کو استعمال کرنا) کے مطابق ہوتی ہے، جسے ہم تنزیل الغائب بمنزلۃ الشاہد (غائب کو بہ منزلہ حاضر کے بنادینا) بھی کہہ سکتے ہیں، تو یہ گویا اسناد مجازی ہوا۔ اس سے آپ کو حاضر و ناظر ثابت کرنا بے سود ہے۔

اشدد بهذه العصابة راسی۔ (اسی پٹی کیساتھ میرے سر کو باندھ)۔ یہ کمال فی التوکل کے منافی نہیں، کیونکہ یہ بھی معالجہ اور تدوی کی ایک نوع ہے۔ و اظہار الافتقار المسکنة والتبری من الحول والقوة۔ (اور یہ ایک قسم کی محتاجی مسکینی اور زور و قوت کے گھمنڈ نہ ہونے کا اظہار ہے)

فوضع کفہ..... الخ : عند قصد القعود او بعده او عند ارادة التیام وهو الاظهر وقال میرک ای فاتکأ علی وقال الحنفی فوضع کفہ وکان متکئا (جمع ص ۲۳۱) پھر اپنا ہاتھ مبارک رکھا الخ یعنی بیٹھنے کے ارادہ کیوقت یا اس کے بعد اور یا کھڑے ہونے کے ارادہ کیوقت اور بظاہر یہی صورت تھی ملا میرک فرماتے ہیں (کہ پھر تو الفاظ فاتکأ عنی ہیں) یعنی میرے اوپر سہارا لے کر کھڑے ہوئے۔ اور حنفی کہتے ہیں کہ الفاظ فوضع کفہ وکان متکئا یعنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور آپ تمکلیہ کہے ہوئے تھے۔ (جمع ص ۲۳۱) ثم قام (پھر کھڑے ہوئے) یہی موضع استشہاد اور باب اتکاء سے وجہ مناسبت ہے۔

### حدیث میں سبق آموز طویل قصہ :

وفی الحدیث قصۃ: یہ قصہ باب الوقات میں تفصیل سے آرہا ہے۔ علامہ بیجوری فرماتے ہیں، یومہی انہ صعد المنبر و امر ببناء الناس وحمد الله واثنی علیہ والتمس من المسلمین ان یطلبوا منه حقوقهم (مواہب ص ۱۱۲) وہ یہ ہے کہ آپ منبر پر چڑھے اور لوگوں کو آواز دے کر بلانے کا حکم



کیا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ تم اپنے حقوق مجھ سے طلب کرو (مواہب ص ۱۱۲) مجمع الزوائد میں خوب تفصیل سے یہ تمام تر قصہ نقل کر دیا گیا۔ قارئین کے ذوق علم اور شوق مطالعہ کے پیش نظر من و عن نذر قارئین ہے۔

امام ترمذیؒ نے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت فضلؒ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کو بخار چڑھ رہا ہے اور سر مبارک پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑا، حضور ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر جمع کر لوں۔ میں لوگوں کو اکٹھا کر لایا۔ حضور ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد یہ مضمون ارشاد فرمایا:

میرا تم لوگوں کے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اس لئے جس کی کمر پر میں نے مارا، میری کمر موجود ہے، بدلہ لے لے اور جس کی آبرو پر میں نے کوئی حملہ کیا ہو، میری آبرو سے بدلہ لے لے، جس کا کوئی مالی مطالبہ مجھ پر ہو، وہ مال سے بدلہ لے لے۔ کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ مجھے (بدلہ لینے سے) رسول اللہ کے دل میں بغض پیدا ہونے کا ڈر ہے کہ بغض رکھنا نہ میری طبیعت ہے نہ میرے لئے موزوں ہے۔ خوب سمجھ لو کہ مجھے بہت محبوب ہے، وہ شخص جو اپنا حق مجھ سے وصول کر لے یا معاف کر دے کہ میں اللہ جل شانہ کے یہاں بشارت نفس کے ساتھ جاؤں۔ میں اپنے اس اعلان کو ایک دفعہ کہہ دینے پر کفایت کرنا نہیں چاہتا۔ پھر بھی اس کا اعلان کروں گا۔

چنانچہ اس کے بعد منبر سے اتر آئے۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور وہی اعلان فرمایا نیز بغض کے متعلق بھی مضمون بالا کا اعادہ فرمایا اور پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس کے ذمے کوئی حق ہو، وہ بھی ادا کر دے اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے۔ ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا میرے تین درہم آپ کے ذمے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی مطالبہ والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں، نہ اس کو قسم دیتا ہوں، لیکن

پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیسے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک سائل ایک دن آپ کے پاس آیا تھا، تو آپ نے مجھ سے فرما دیا تھا کہ اس کو تین درہم دیدو۔ حضورؐ نے حضرت فضلؓ سے فرمایا کہ اس کے تین درہم ادا کرو۔ اُس کے بعد ایک اور صاحب اُٹھے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے ذمے تین درہم بیت المال کے ہیں، میں نے خیانت سے لئے تھے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کیوں خیانت کی تھی۔ عرض کیا میں اس وقت بہت محتاج تھا۔ حضورؐ نے حضرت فضلؓ سے فرمایا کہ ان سے وصول کرلو۔

اس کے بعد پھر حضورؐ نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو، وہ بھی دعا کرالے (کہ اب روانگی کا وقت ہے) ایک صاحب اُٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں جھوٹا ہوں، منافق ہوں، بہت سونے کا مریض ہوں، حضور ﷺ نے دعا فرمائی یا اللہ اس کو سچائی عطا فرما، ایمان (کامل) نصیب فرما اور (زیادتی) نیند کے مرض سے صحت بخش دے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں جھوٹا ہوں، منافق ہوں کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو نہ کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ اپنے گناہوں کو پھیلاتے ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا عمر! چپ رہو، دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت ہلکی ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ارشاد فرمایا اللہ اس کو سچائی اور کامل ایمان نصیب فرما اور اس کے احوال کو بہتر فرما دے۔ اُس کے بعد حضرت عمرؓ نے مجمع سے کوئی بات کہی، جس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ عمر میرے ساتھ ہیں اور میں عمر کے ساتھ ہوں، میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہے، جدھر بھی وہ جائیں، ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک اور صاحب اُٹھے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں بزدل ہوں، سونے کا مریض ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کیلئے دعا فرمائی۔

حضرت فضلؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بھی بہادر نہ تھا۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور اسی طرح عورتوں کے مجمع میں بھی اعلان فرمایا اور جو جو ارشادات مردوں کے مجمع میں فرمائے تھے۔ یہاں بھی ان کا اعادہ فرمایا۔ ایک صحابیہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں زبان سے عاجز ہوں، حضور ﷺ

نے ان کے لئے بھی دعا فرمائی (مجمع الزوائد) ان حضرات کا اپنے کو منافق فرمانا اس وجہ سے تھا کہ اللہ کے خوف سے یہ حضرات بہت زیادہ متصف رہتے تھے۔ اسی غلبہ خوف سے اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو جو باتفاق اہل حق تمام امت میں افضل ہیں۔ یہ شبہ ہو جاتا تھا۔

ابن ابی ملیکہؒ کہتے ہیں کہ میں نے تمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو پایا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے منافق ہونے سے ڈرتا تھا کہ مبادا میں منافق تو نہیں ہوں۔ حضرت حسن بصریؒ جو مشہور اکابر صوفیہ میں ہیں اور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان جو گذر چکے یعنی صحابہ کرامؓ اور وہ مسلمان جو موجود ہیں یعنی بقیہ صحابہ اور تابعین کوئی بھی ان میں ایسا نہیں ہے، جو اپنے نفاق سے نہ ڈرتا ہو اور گذشتہ زمانہ میں اور موجودہ دور میں کوئی بھی منافق ایسا نہیں ہے، جو مطمئن نہ ہو۔ حضرت حسنؒ کا یہ بھی مقولہ ہے جو نفاق سے نہ ڈرتا ہو، وہ منافق ہے۔

ابراہیم تیمیؒ جو فقہاء تابعین میں ہیں، کہتے ہیں کہ جب بھی اپنی بات کو اپنے فعل پر پیش کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ جھوٹ نہ ہو (بخاری شریف، فتح الباری) یہی مطلب ہے، ان سب حضرات کے نفاق سے خوف کا کہ اپنے اعمال کو بیچ اور کالعدم سمجھتے تھے اور پند و نصیحت وغیرہ احوال کے اعتبار سے یہ ڈر رہتا تھا کہ یہ نفاق نہ بن جائے۔ (خصائل ص ۸۱)

=====

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَكْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا تناول فرمانے

کے طریقے کے بیان میں

بعض نسخوں میں ”باب صفة اكل رسول الله صلى الله عليه وسلم“ (باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کی صفت کے بیان میں) منقول ہے۔ مگر پہلی عبارت بہتر ہے ، لان المقصود بیان الأخبار الواردة في صفة اكله صلى الله عليه وسلم (مواہب ص ۱۱۲) (اس لئے کہ اصل مقصود ان احادیث کا بیان ہے جو حضور ﷺ کے کھانے تناول فرمانے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں)

لفظ ”الاكل“ کی تشریح :

الاكل : کی دو تعریفیں کی گئیں ہیں :

(۱) ادخال شئ من الفم الى البطن بقصد الاغتذاء (کسی چیز کا بہ ارادہ غذا حاصل کرنے منہ کے ذریعے پیٹ میں ڈالنا) مگر یہ تعریف درست نہیں ہے کیونکہ میوہ جات وغیرہ کا کھانا اس تعریف سے نکل جاتا ہے کہ انکا کھانا تنفکھا (لذت اور مزہ کے لئے) ہوتا ہے۔ اغتذاء (غذا کے لئے) نہیں۔

(۲) ادخال الطعام الجامد من الفم الى البطن سواء كان بقصد التغذى او غيره

كالضكة. (مواہب ص ۱۱۲) (منجملہ کھانے کو منہ کے ذریعے پیٹ میں ڈالنا خواہ بہ ارادہ غذا ہو یا غیر غذا یعنی تلذذ وغیرہ کے لئے)۔ (مواہب ص ۱۱۲) لذت اور مزہ کے لئے لفظ جامد کی قید سے ”المانع“ نکل گیا، کیونکہ مانع چیز کامنہ میں ادخال، اکل نہیں بلکہ شرب ہے، کیونکہ شرب : ادخال المانع في الفم (کسی بہنے والی چیز کو منہ میں ڈالنا) کو کہتے ہیں۔ اس میں پانی، چائے، دودھ، شربت اور اس قسم کی

سب سیال اشیاء شامل ہیں۔ البتہ الاکل : (بالضم) فاسم لما یوکل (مواہب ص ۱۱۲) (الاکل (ہمزہ کے ساتھ) ہر کھائی جانے والی چیز کا نام ہے) والاکلة : لہمزة و اکیلة الاسد فریسة التی یا کلھا۔ (مناوی ص ۲۳۱) (اور لفظ الاکلة ایک دفعہ کھانے کو اور اکیلة الاسد کے معنی شیر کا اپنے شکار کردہ چیز کو کھانا)

### حضور اقدس ﷺ کے کھانے کا طریقہ :

اس باب میں مصنفؒ نے پانچ احادیث کی تخریج کی ہے، جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کا بیان ہے۔ جس سے آپ ﷺ کے کھانے کے طریقہ پر واضح روشنی پڑتی ہے کہ آپ ﷺ کس طرح بیٹھ کر اور دائیں ہاتھ سے اور پھر اس کی کن انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے، پھر کھانا کھا کر انگلیوں کو صاف فرماتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ پونچھنے سے پہلے انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے اور پھر کسی کپڑے سے ہاتھ صاف کر لیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے فلا یمسح یدہ حتی یلعقہا أو یلعقہا یعنی اپنا ہاتھ کھانا کھانے کے بعد نہ پونچھتے۔ جب تک اس کو چاٹ نہ لیتے یا کسی دوسرے کو چٹوانہ دیتے۔ جناب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کھانے کے بعد تالیہ سے ہاتھ پونچھنا سنت ہے۔ (لغات الحدیث ج ۵ ص ۴۱)

(۱۳۲/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيمَ عَنْ ابْنِ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْعَقُ أَصَابِعَهُ ثَلَاثًا قَالَ أَبُو عِيسَى وَرَوَى غَيْرُ مُحَمَّدٍ بْنِ بَشَّارٍ هَذَا الْحَدِيثَ قَالَ يَلْعَقُ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں اس حدیث کو محمد بن بشار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبد الرحمن بن مہدی نے سفیان کے حوالے سے بیان کی، انہوں نے یہ روایت سعد بن ابراہیم سے اخذ کی، اور انہوں نے یہ روایت کعب بن مالک کے فرزند سے حاصل کی، جو اپنے باپ کعبؒ صحابی رسول سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیاں تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے

تھے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن بشار کے علاوہ جو اس حدیث کی روایت کرتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹتے تھے۔

راویان حدیث (۳۲۷) سعد بن ابراہیمؒ (۳۲۸) ابن کعب بن مالکؒ اور (۳۲۹) عن ابیہؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### کھانے میں تین انگلیوں کا استعمال اور چاٹنا :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یلقی اصابعہ ثلاثا ، حضرت کعب بن مالکؒ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد تین مرتبہ اپنی انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے تاکہ انگلیوں کے ساتھ لگا ہوا کھانے کا معمولی سا حصہ بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ قال ابو عیسیٰ ... الخ ، سے امام ترمذیؒ اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ بعض نسخوں میں لفظ ثلاثا کے بجائے الثلاث ، نقل ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ثلاثا مرات کی صفت نہیں بلکہ تین انگلیاں مراد ہیں، انگوٹھا، انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی، ای الابهام و المسبحة والوسطی (جمع ص ۲۳۳) کہ ان تینوں کے ساتھ آپؐ نوالہ کھایا کرتے تھے اور پھر ان کو چاٹ لیا کرتے تھے، جیسا کہ اسی باب کی حدیث نمبر ۴ میں اس کی تصریح کردی گئی ہے۔ فیہ اشارۃ خفیۃ الی انہ کان یاکل باصابعہ الثلاث (جمع ص ۲۳۲) اس میں ایک مخفی اشارہ اس طرف ہے کہ آپؐ اپنے تین انگلیوں مبارک سے کھانا تناول فرماتے

### انگلیوں کو چاٹنے کی کیفیت :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنے کی ابتداء وسطی انگلی سے، پھر سبابہ اور پھر ابہام کو چاٹتے تھے جیسے کہ ملا علی قاریؒ نے حدیث نقل کر کے اس کی حکمت بیان فرمائی۔ کعب بن عجرؓ فرماتے ہیں: رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاکل باصابعہ الثلاث الابهام والتی تلیہا والوسطی ثم رأیتہ یلقی اصابعہ الثلاث قبل ان یمسحہا الوسطی ثم التی تلیہا ثم الابهام وکان السرفیہ ان الوسطی اکثر تلویثا لانہا اطول.....اولان الذی یلقی الاصابع یکون بطن کفہ الی جهة وجہہ فاذا ابتدا بالوسطی انتقل الی السبابۃ الی جهة یمینہ ثم الی الابهام . (جمع ص ۲۳۳) میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ اپنی تین انگلیوں انگوٹھے اور اسکے ساتھ والی (انگشت شہادت) اور

درمیان والی انگلی سے کھاتے تھے۔ پھر آپؐ کو دیکھا کہ اپنی تینوں انگلیوں کو پونچھنے سے پہلے چاٹ لیا کرتے پہلے درمیانی انگلی پھر اس کے ساتھ والی (انگشت شہادت) پھر انگوٹھے کو اور اس طریقے پر چاٹنے میں یہ راز ہے کہ درمیانی انگلی بوجہ لمبے ہونے کے زیادہ ملوث ہوتی ہے اور یا پھر اسلئے کہ جو شخص انگلیاں چاٹتا ہے تو اسکی ہتھیلی کا اندرونی حصہ اسکے چہرے کی طرف ہوگا پس جب ابتدا درمیانی سے کریگا تو پھر اسے دوسری انگلی سب ابہ کی طرف انتقال دائیں جانب ہوگا اور پھر انگوٹھے کے لئے بھی اسی طرح (تو گویا چاٹنے میں بھی دایاں جانب ملحوظ رہا)

### انگلیاں کب چاٹی جائیں :

یہ چاٹنا بھی کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ کھانے کے دوران نہیں اور یہی سنت ہے ای بعد الفراغ لافى الاثناء قال ابن حجر فيسن قبل المسح او الغسل او بعد الفراغ من الاكل لعقها لرواية مسلم و ياعق يده قبل ان يمسحها محافظة على البركة وتنظيفاً لها (جمع ص ۲۳۲) یعنی کھانے سے فارغ ہونے کے بعد نہ کہ کھانے کے دوران علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں پس انگلیوں کا چاٹنا پونچھنے یا دھونے سے پہلے یا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سنت ہے مسلم شریف کی اس روایت کی بناء پر کہ حضور لمی اللہ علیہ وسلم (کھانے کے بعد) ہاتھوں کی انگلیوں کو پونچھنے سے پہلے اس لئے چاٹتے تھے تاکہ انکی صفائی اور برکت کا تحفظ ہو جائے (اصل بات یہ چل رہی تھی کہ تین انگلیاں چاٹنا سنت ہے یا تین مرتبہ؟ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ چاٹنا مستقل ادب ہے کہ اس سے مکمل صفائی حاصل ہو جاتی ہے اور تین انگلیاں چاٹنا مستقل ادب ہے، جیسا کہ اسی باب کی چوتھی روایت میں آرہا ہے۔ (خصائل) ایک روایت کے مطابق چاٹنا بھی سنت ہے اور چٹوانا بھی، مگر چٹوانا وہاں مناسب ہے جہاں سامنے والا اسے بے تکلفی، محبت، شفقت، سنت اور برکت سمجھے۔ مثلاً مخلص خادم ہو، شاگرد رشید ہو، اپنی اولاد ہو، اہلیہ ہو، یحیون و یتلذذون بذلک منہ (جمع ص ۲۳۲) کہ وہ چاٹنے والے بھی اسکے چٹوانے کو پسند اور اسمیں لذت محسوس کریں (مگر ایسے لوگ جو متکبر ہوں، جن کے دماغ میں تہذیب مغرب کی رعوت ہو، جو سرمایہ دار اور مترفین ہوں اور جنہیں خیر و برکت اور

محبت و خلوص کے اس عمل سے کراہت ہو، وہاں نہیں چٹوانا چاہیے۔ خلافاً لمن کرہ من المترفين لعق الاصابع استغذاراً (موہب ص ۱۱۲) بخلاف متکبرین مالدار قسم کے لوگ جو انگلیوں کو چاٹنے سے نفرت اور گھن محسوس کریں۔

### انگلیاں چاٹنے کے برکات :

ایک روایت میں انگلیاں چاٹنے کی علت بھی بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ جب تم میں سے کوئی آدمی کھانا کھالے، تو اسے کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹ لینی چاہئیں۔ فانہ لا یدری فی ابھن البرکة (موہب ص ۱۱۲) (کیونکہ اسے کیا خبر کہ کھانے کے کون سے جزء میں خیر و برکت ہے)۔ اسی طرح برتن کا چاٹنا بھی سنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے کسی برتن میں کھایا، پھر اسے چاٹ لیا ..... استغفرت له القصعة (موہب ص ۱۱۲) تو وہ برتن اس کے لئے استغفار پڑھتا ہے۔

احیاء العلوم میں ہے جس نے برتن چاٹ لیا، پھر اسے دھویا اور وہی پانی پی لیا، کان له کعتق رقبۃ (موہب ص ۱۱۳) اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ نیز یہ بھی آیا ہے کہ جس نے دسترخوان پر گرے پڑے کھانے کے ٹکڑے کھائے یا جو پلیٹ سے گرا اسے اٹھا لے کر کھالیا۔ امن من الفقرو والبصر والجذام وصرف عن ولده الحرق، تو وہ فقر، برص اور جذام سے مامون رہے اور اس کی اولاد حماقتوں سے محفوظ رہے گی۔ الدیلمی میں ہے کہ جس نے دسترخوان پر گرنے والے ٹکڑے کھائے، خرج ولده صبیح الوجه ونفی عنه الفقر۔ اس کو اللہ پاک خوبصورت اولاد دے گا اور وہ فقر سے محفوظ رہے گا۔ اور جامع صغیر میں ہے، جس نے کھانے کے بعد پلیٹ چاٹ لی اور پھر انگلیاں چاٹ لیں، اشبعه الله فی الدنيا والآخرة (موہب ص ۱۱۳) اس کو اللہ پاک دنیا و آخرت میں بھوک سے محفوظ رکھے گا اور پیٹ بھر کر رزق عنایت فرما دے گا۔

(۱۳۳/۲) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعَقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ.



ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث حسن بن علی خلال نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت عفان اور ان کے پاس حماد بن سلمہ نے بیان کی۔ انہوں نے ثابت سے اور ثابت نے یہ حدیث صحابی اور خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سماعت کی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔  
راویان حدیث (۳۳۰) الحسن بن علی الخلالؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

انگلیوں کے چاٹنے کو کراہت سے نہ دیکھا جائے :

كان النبي صلى الله عليه وسلم..... الخ، مضمون حدیث اور متعلقہ ضروری بحث بچھلی حدیث میں عرض کر دی ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں۔ اس حدیث میں ان لوگوں پر رد ہے، جو انگلیاں چاٹنے کو ”استقذارا“ (بطور نفرت) ناپسند کرتے ہیں۔ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ بعض بے وقوف انگلیاں چاٹنے کو ناپسند اور قبیح سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ تو عقل کی بات ہے اور انہیں سمجھنی چاہیے کہ انگلیوں پر جو کھانا لگا ہوا ہے، یہ وہی تو ہے جو اتنی دیر سے کھایا جا رہا تھا۔ اس میں کیا نئی چیز آگئی کہ اس سے نفرت ہونے لگی اور اس میں کراہت آگئی (ان کے اپنے الفاظ اس طرح ہیں)۔ قال الخطابی عاب قوم افسد عقولهم الترفه لعق الاصابع واستبحوه كانهم ما علموا ان الطعام الذي علق بها وبالصخرة جزء من الماكول واذا لم يستقنر كله فلا يستقنر بعضه وليس فيه اكثر من مصها بباطن الشفة. (مناوی ص ۲۳۴) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے فعل کو قبیح سمجھے یا کسی بھی انسان کے فعل کو، اس میں تو کلام ممکن ہے، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی فعل اور کسی بھی سنت کو قباحت کی طرف منسوب کرنا اندیشہ کفر ہے۔

جیسا کہ علامہ ملا علی قاریؒ نے یہی بات ان الفاظ سے تعبیر کی ہے۔ قال ابن حجر: واعلم ان الكلام فيمن استقنر ذلك من حيث هو لا مع نسبته للنبي ﷺ والا خشى عليه الكفر اذ من استقنر شيئا من احواله مع علمه بنسبته اليه صلى الله عليه وسلم كفر. (جمع ص ۲۳۴)

## شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں :

”درحقیقت ایسے امور میں عادت کو بڑا دخل ہوتا ہے، جن کو عادت ہوتی ہے، ان کو التقات بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر کسی کو کراہت طبعی اپنے اس فعل سے ہو بھی تب بھی عادت کی کوشش کرنا چاہیے۔ بندہ جب حجاز گیا تھا، تو وہاں کے بعض احباب نے جو ہندوستان کبھی نہیں آئے تھے۔ مجھ سے نہایت ہی تعجب اور بڑی حیرت سے یہ پوچھا تھا، ہم نے سنا ہے کہ ہندوستان میں کوئی پھل آم کہلاتا ہے۔ اس کے متعلق ایسی گندی بات سنی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس کو منہ میں لے کر چوسا جاتا ہے، پھر باہر نکالا جاتا ہے، پھر اس کو منہ میں لے کر چوسا جاتا ہے، پھر باہر نکال کر دیکھتے ہیں، پھر منہ میں لے لیتے ہیں۔ غرض اس انداز سے وہ گھناؤ سے تعبیر کر رہے تھے، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو اس تذکرہ سے قے ہو جائے گی۔

لیکن کسی ہندی کو کراہیت کا خیال بھی نہیں آتا۔ ایک اسی پر کیا موقوف ہے فیرنی کا چچہ سارا منہ میں لے لیا جاتا ہے، پھر اس لعاب کے بھرے ہوئے کور کا بی بھی ڈال دیا جاتا ہے، پھر دوبارہ اور سہ بارہ۔ اسی طرح اور سینکڑوں مناظر ہیں کہ ان کے عادی ہونے کی وجہ سے کراہیت کا واہمہ بھی نہیں ہوتا“ (خصائل ص ۸۳)

(۱۳۴/۳) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ يَزِيدَ الصَّدَائِيُّ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ الْحَضْرَمِيُّ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي جَحْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا أَنَا فَلَا أَكُلُ مُتَكِنًا.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ نَحْوَهُ.  
ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسین بن علی بن یزید صدائی بغدادی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یعقوب بن اسحاق حضرمی نے روایت کیا۔

انکو یہ حدیث شعبہ سے سفیان ثوری کی وساطت سے پہنچی، انہوں نے علی ابن اقر سے اور

انہوں نے علی صحابی رسول حضرت ابو جحیفہؓ سے نقل کیا ہے۔ ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

راویان حدیث (۳۳۱) حسین بن علی بن یزید الصدائیؒ اور (۳۳۲) یعقوب بن اسحاق المحضریؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### ایک تعارض سے جواب :

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَنَا فَلَا أَكُلُ مُتَكِنًا، اس حدیث کی تشریح گذشتہ صفحات میں حدیث (۱۲۷/۳) باب ما جاء فی التکاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تفصیل سے گذر چکی ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے جو یہ روایت نقل کی ہے کہ انہ اکل مرة مُتَكِنًا یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ٹیک لگا کر کھانا کھایا تھا۔ علامہ البیہقیؒ اس کی متعدد توجیہات کرتے ہیں۔

(۱) فلعله لبیان الجواز۔ (شاید کہ صرف بیان جواز کے لئے ہو)

(۲) او كان قبل النهی، (یا یہ آپؐ کے منع کرنے سے پہلے کا واقعہ ہو) جس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے ابن شاپین نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ ان جبرئیل رأی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا کل متکینا فنہاہ (مواعظ ص ۱۱۳) کہ بیشک جب جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ تکیہ لگا کر کھارہے ہیں تو اس کو منع کر دیا۔

(۳) ٹیک لگا کر کھانے سے طعام بہ سہولت نیچے نہیں اترتا اور نہ اسے معدہ بہ سہولت قبول کرتا ہے اور بعض اوقات اس سے تکلیف بھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔

(۱۳۵/۳) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ غُرَوةَ عَنْ ابْنِ لَكْغَبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ بِأَصَابِعِهِ الثَّلَاثِ وَيُلْعَقُهُنَّ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہارون بن اسحاق ہمدانی نے بیان کی۔ انکے پاس اسے عبدہ

بن سلیمان نے ہشام بن عروہ کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت کعب بن مالکؓ کے فرزند سے سنی۔ جنہوں نے اسے اپنے باپ حضرت کعبؓ کے حوالے سے پیش کیا۔ کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کی عادت شریفہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی اور ان کو چاٹ بھی لیا کرتے تھے۔

### تین انگلیوں سے کھانے کی مزید توضیح :

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاکل باصابعہ الثلاث و یلعقہن . حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم اپنی تین انگلیوں سے کھانا نوش فرماتے تھے اور ان کو چاٹ لیتے تھے۔

پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ پانچ انگلیوں سے کھانا حریص قسم کے لوگوں کا کام ہے۔ علامہ السیوریؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت نقل کرتے ہیں کہ ”الاکل باصبع اکل الشیطان وباصبعین اکل العجابر وبالثلث اکل الانبیاء“ (کہ ایک انگلی کیساتھ کھانا شیطان کے کھانے اور دو انگلیوں کیساتھ متکبرین اور بڑے لوگوں کے کھانے اور تین انگلیوں کے ساتھ نبیوں کے کھانے کا طریقہ ہے) (مواہب ص ۱۱۴) حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد ہے ”الاکل باصبع واحد مقّت وبائتین تکبر وبالثلثہ سنۃ و بازید شرة“۔ (کہ ایک انگلی سے کھانا مغبوض اور قابل نفرت اور دو انگلیوں سے تکبر ہے اور تین انگلیوں سے سنت ہے اور اس سے زیادہ انگلیوں کے ساتھ کھانا حرص اور ہلکا پن ہے)۔ بعض روایات میں پانچ انگلیوں سے کھانا بھی ثابت ہے، تو وہ بوجہ ضرورت کے ہے۔ کوئی ایسی چیز ہو، جس کو تین انگلیوں سے کھانے میں دقت ہو، تو پھر پانچوں سے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ تاہم اس سے حتی الوسع پرہیز کیا جائے کہ لقمہ کے بڑا ہونے کی وجہ سے بسا اوقات فم معدہ پر بوجھ اور حلق میں انک جانے کا سبب بھی ہو جاتا ہے اور کبھی اس سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ و ربما سدّ المجری فمات فوراً. (مواہب ص ۱۱۴)

### چمچوں کا استعمال :

بعض صالحین نے چمچوں کے استعمال سے بھی پرہیز کیا ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تین انگلیوں سے کھانا کھانا ثابت ہے۔

ہارون رشید کے بارے میں آیا ہے۔ جب ایک مرتبہ ان کے سامنے طعام لایا گیا، تو انہوں نے چیخ طلب فرمائی۔ اس وقت امام ابو یوسفؒ ان کے ہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے ہارون رشید سے عرض کی۔

حضور! جاء في تفسير جدك ابن عباس في تفسير قوله تعالى 'ولقد كرمتنا بني آدم جعلنا لهم اصابع ياكلون بها' فاحضرت الملائق فردها واكل باصابعه (مواہب ص ۱۱۴)

یعنی تمہارے دادا جان حضرت ابن عباسؒ نے تفسیر آیہ کریمہ ولقد کرمتنا بنی آدم کے ضمن میں فرمایا ہے:

”جعلنا لهم اصابع ياكلون بها“ (کہ ہم نے ان کو انگلیاں دیں جن سے وہ کھاتے ہیں) تو ہارون الرشید نے چچوں کو واپس کر دیا اور انگلیوں سے کھانا کھایا۔

(۱۳۶/۵) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ ذُكَيْنٍ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ سَلِيمٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ اتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَرَأَيْتُهُ يَأْكُلُ وَهُوَ مُقْعٍ مِنَ الْجُوعِ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت فضل بن دکین سے اخذ کی۔ انہوں نے یہ روایت مصعب بن سلیم سے سنی اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوریں لائی گئیں، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نوش فرما رہے تھے اور اس وقت بھوک کی وجہ سے اپنے سہارے سے تشریف فرما نہیں تھے، بلکہ اکڑوں بیٹھ کر کسی چیز پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹیک لگا کر کھانا بوجہ عذر کے تھا :

يقول اتى رسول الله عليه وسلم بتمر فرائته ياكل وهو مقع من الجوع. حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں، تو میں نے دیکھا کہ وہ تناول فرما رہے ہیں اور بھوک کی وجہ سے سہارا لیئے ہوئے تھے۔

مقع، اقعاء سے ہے، وهو ان يستند الانسان الى ما وراءه من الضعف (اتحافات ص ۲۰۰)  
(اور وہ یہ کہ انسان کسی چیز کو ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اپنے پیچھے تکیہ کیلئے کھڑا کرے)۔ اکڑوں

بیٹھنے، دونوں سرینوں پر بیٹھنے اور دونوں پنڈلیوں کو کھڑا کر کے کسی چیز کا پیٹھ پیچھے سہارا لینے کو اقعاء کہتے ہیں۔ احادیث میں ٹیک لگا کر کھانا ممنوع ہے۔ حدیث باب میں جو اقعاء کا ذکر ہے، یہ بوجہ عذرو ضرورت کے تھا، یعنی بھوک تھی اور ضعف تھا۔ علامہ بیجوری فرماتے ہیں۔ ولیس فی هذا ما يدل على ان الاستناد من اداب الاكل لانه انما فعله لضرورة الضعف (مواعظ ص ۱۱۴) (اور اس حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جو یہ دلالت کرے کہ ٹیک لگانا یہ کھانے کے آداب و سنن میں ہے کیونکہ آپؐ نے تو یہ فعل بوجہ عذر کمزوری اور ضعف کیا تھا)

لہذا نہ تو اس روایت پر ان احادیث کا اشکال ہو سکتا ہے، جن میں ممانعت آئی ہے اور نہ اس روایت سے بلا عذر ٹیک لگا کر کھانے کا استحباب ثابت ہو سکتا ہے۔

=====

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خُبْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

### باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹی کے بیان میں

گزشتہ باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور اس کی کیفیت کا بیان تھا۔ اس باب میں آپ ﷺ کی کھائی جانے والی روٹی کا بیان ہے کہ وہ گندم کی ہوتی تھی یا جو کی، میدے کی ہوتی تھی یا چنے ہوئے آٹے کی، پراٹھے بھی ہوا کرتے تھے یا نہیں۔ میدہ کی روٹی کا آپ سے کھانا ثابت نہیں۔ میدہ کی روٹی مالداروں کی غذا تھی، گندم تو کاشت ہی نہیں ہوتی تھی، دور دراز علاقوں شام وغیرہ سے منگوائی جاتی تھی۔ حضور اقدسؐ کو بالعموم جو کی سادہ روٹی میسر آتی تھی، جیسے آپ تناول فرماتے اور خدا کا شکر ادا کرتے۔ پراٹھہ پکنے کا ذکر تو روایت میں ملتا ہے، مگر کھانے کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے آٹھ روایات نقل کی ہیں، ای باب بیان صفة خبز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مواہب ص ۱۱۴) یعنی باب حضورؐ کی روٹی کے اوصاف کے بیان میں۔

والخبز (بالضم) الشیء المخبوز من نحو برو هو المراد هنا (مواہب ص ۱۱۴) خبز بضم الخاء سے مراد ایسی چیز جو گندم وغیرہ سے پکائی ہوئی ہو۔ اور یہاں بھی یہی مراد ہے۔  
هو ما یخبز من برّ او شعیر وغیرہما (اتحافات ص ۲۰۲) جو گندم یا جو وغیرہ سے پکائی جائے۔

(۱۳۷/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ يُحَدِّثُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْرِ الشَّعِيرِ يَوْمَئِذٍ مُتَابِعِينَ حَتَّى قَبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن ثنی اور محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی، وہ دونوں کہتے

ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کو شعبہ نے ابو اسحق کے واسطے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن ابن یزید کو اسود بن یزید سے روایت بیان کرتے ہوئے سنا، انہوں نے یہ روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اخذ کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدسؐ کی وفات تک حضورؐ کے اہل وعیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

راویان حدیث (۳۳۳) عبدالرحمن بن یزیدؒ اور (۳۳۴) اسود بن یزیدؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ ”آل“، مقحم یا غیر مقحم :

ماشع ال محمد..... الخ، شیع کا معنی شکم سیر ہونا۔ من باب طوب (مواہب ص ۱۱۴) اس روایت میں لفظ ”آل“ اگر مقحم زائد ہو، تو مراد آپؐ کی ذات مبارک ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ خود سرور عالمؐ نے مسلسل دو روز تک گندم کی روٹی، تو اپنی جگہ جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی اور اگر لفظ ”آل“ مقحم نہ ہو، تو آپؐ کی ذات بمع اہل خانہ کے مراد ہے۔ یعنی آپؐ کے حین حیات آپؐ کے اہل خانہ نے بھی مسلسل دو روز تک جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

والمراد بالآل هنا ازواجه والذین كان ينفق عليهم ويعولهم ويحتمل ان يكون لفظ ”آل“ زائد اذ فيكون المراد ماشع رسول الله صلى الله عليه وسلم (اتحافات ص ۲۰۲) اور یہاں آل سے مراد آپؐ کی ازواج مطہرات اور جن پر آپؐ خرچ کیا کرتے یعنی اہل وعیال اور یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث میں لفظ آل زائد ہو، تو پھر مراد یہ ہوگا کہ خود حضورؐ سیر نہیں ہوتے تھے۔ الخ

اس سلسلہ میں مختلف احادیث منقول ہیں۔ ایک حدیث میں ہے، ماشع آل محمد من طعام ثلثة ايام (کہ حضورؐ کے اہل وعیال نے تین دن پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا) اور ایک دوسری روایت ہے، ماشع آل محمد من خبز مادوم (محمدؐ کے اہل وعیال سیر نہیں ہوئے ایسی روٹی سے جو سالن کے ساتھ ہو) ایک اور حدیث میں ہے، ماشع ال محمد يومين الا واحد هما تمر (کہ پیٹ بھر



کر نہیں کھائی حضورؐ کے گھرانے نے مسلسل دو دن نگران میں سے ایک دن کھجور ہوتی تھی)۔ گویا ایک دن کھانا ایک دن فاقہ ہوتا تھا۔ سخاوت، بخشش اور جود و عنایت آپؐ اور آپؐ کے خاندان کا امتیازی وصف تھا۔ فقیروں، عاجزوں، مسکینوں اور غریبوں کی پرورش آپؐ کی شفیق طبیعت تھی، اس لئے ایک روز آپؐ اور آپؐ کے اہل بیت روٹی سالن کھالیا کرتے تھے۔ دوسرے روز کھجور پر گزارا کر کے غریبوں، فقراء اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ دنیاوی عیش و عشرت اور فارغ البالی کو ان مقدس وجودوں نے پسند ہی نہیں فرمایا، بلکہ فقر و فاقہ کی زندگی کو تمام لذتوں پر ترجیح دے کر پیارے محبوبؐ کے نقش قدم پر چلنے کو باعثِ فخر سمجھتے۔

### ایک اشکال کا جواب :

بعض روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضور اقدسؐ اپنے اہل بیت کو ایک ایک سال کا نفقہ عنایت فرما دیا کرتے تھے۔ دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے۔ علماء نے اس کے متعدد جوابات بیان کئے ہیں۔

(۱) اس حدیث میں لفظ ”اہل“ مقم یعنی زائد ہے۔ مراد خود ذاتِ اقدسؐ ہے اور آپؐ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی ذخیرہ نہیں کیا۔

(۲) حضور اقدسؐ تو اپنی ازواجِ مطہرات کو سال کا ذخیرہ حوالہ کر دیا کرتے تھے، مگر ازواجِ مطہرات شوقِ ثواب میں سب کچھ فقراءِ مساکین اور محتاجوں میں صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔ ولا ینافی ذلک انه کان یدخر فی آخر حیاته قوت سنة لعیالہ لانه کان یعرض له حاجة المحتاج فیخرج فیہا ما کان یدخرہ۔ (مواہب ص ۱۱۵) اور یہ آپؐ کی گذشتہ حالت کے منافی اور مخالف نہیں کیونکہ آپؐ تو اپنی آخری زندگی میں اپنے اہل و عیال کے لئے پورے سال کا غلہ ذخیرہ فرما دیتے تھے لیکن جب کوئی محتاج اپنی حاجت آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ تو پھر ذخیرہ شدہ میں سے اس کی حاجت کے لئے نکال لاتے۔

(۳) حضور اقدسؐ اور ازواجِ مطہرات کا فقر اضطراری نہیں بلکہ اختیاری تھا، کیونکہ آپؐ خود کسی چیز کا

ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ اور ازواجِ مطہرات اپنے نفقات کا صدقہ کر لیا کرتی تھیں۔ فقر اختیار کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) گھر میں سب کچھ موجود ہے۔ مگر کھاتے نہیں، یہ فقر مذموم ہے۔

(۲) جو مل جائے تناول کر لیا جائے، نہ ملے تو صبر کر لیا جائے۔ بظاہر یہ فقر اضطراری ہے،

مگر آپؐ کے حق میں اسلئے اختیار ہے کہ آپؐ دعا سے متول بن سکتے تھے۔ اُحد پہاڑ سونے کا بنانے کی پیش کش کی گئی، مگر آپؐ نے اختیارِ فقر کو ترجیح دی، بلکہ ہمیشہ دعا فرمایا کرتے تھے، اللھم احینى مسکیناً وامتنى مسکیناً واحشرنى فى زمرة المساکين۔ (اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مجھے موت بھی مسکینی میں دے اور آخرت میں مجھے مسکینوں کے گروہ میں اٹھائیے)۔ فقر اختیاری کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپؐ کے پاس جتنا مال بھی آجاتا تھا، آپؐ اس کو راہِ خدا میں فوراً خرچ کر دیتے اور آپؐ کے پاس کچھ باقی نہ رہتا۔

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی توجیہات :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے بھی اس کی دو توجیہات بیان کی ہیں، فرماتے ہیں

(۱) یہ کہ سال بھر کا نفقہ اس حساب سے ہو کہ مسلسل دو دن کی روٹی کا حساب نہ بیٹھتا ہو، بلکہ کبھی روٹی، کبھی کھجوریں اور کبھی فاقہ۔

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ نفقہ کیا عجب ہے کہ کھجوریں ہی ہوں۔ اس حدیث میں اس کی نفی نہیں بلکہ یہاں تو صرف روٹی کی نفی ہے۔

”الشبع“ کی مضرتیں :

علمائے اس پر تنبیہ کی ہے جو شبع (پیٹ بھر کر کھانا) معدہ میں فساد پیدا کرے اور پیٹ بڑھائے وہی ”منہی عنہ“ یعنی ممنوع ہے اور حق بھی یہ ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا اعضاء کو عبادت میں بوجھل بنا دیتا ہے۔ انسان میں فطری اور طبعی نشاط کو ختم کر دیتا ہے۔ نیند کی کثرت اور سستی و غفلت کا باعث بنتا ہے، صاحبِ اتحافات بھی یہی نقل کرتے ہیں: والحق ان الشبع یثقل الاعضاء عن عبادۃ،

و یقلل نشاط المرء و یکثر من نومہ و تنازیہ. (اتحاف ص ۲۰۲)

(۱۳۸/۲) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ النَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا حَرِيزُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ يَقُولُ مَا كَانَ يُفْضَلُ عَنْ أَهْلِ بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الشَّعِيرِ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عباس بن محمد دوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یحییٰ بن ابی بکیر نے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کو حرز بن عثمان نے سلیم بن عامر کے واسطے سے بیان کیا۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں نے ابو امامہؓ باہلی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جو کی روٹی کبھی نہیں پختی تھی۔

راویان حدیث (۳۳۵) یحییٰ بن ابی بکیر (۳۳۶) حرز بن عثمان (۳۳۷) سلیم بن عامر اور (۳۳۸) ابو امامہؓ الباہلی کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر کچھ بھی نہ رہتا :

ما كان يفضل عن اهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم خبز الشعير : فضل کا معنی

باقی رہنا، بچنا اور زیادہ ہو جانا، آتا ہے۔ ای یزید (بفضل کا معنی یزید ہے) (جمع ص ۲۳۸) یعنی دسترخوان پر جب کھانا چٹنا جاتا ہے، وہ اتنا ہی ہوتا تھا کہ سارا کھا لیا جاتا تھا، بمشکل اس سے شکم سیری ہوتی ہے۔ یعنی آپؐ کے گھر میں اشیاء خورد و نوش بہت قلیل ہوا کرتے تھے کہ جو کی سادہ روٹی بھی بمشکل میسر تھی۔ اس کے فاضل بچے رہنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ میرؒ فرماتے ہیں ”ای کان لا یقی فی سفر تھم فاضلاً عن ما کولھم“ (یعنی ان کے دسترخوان میں کھائے گئے کھانے سے زائد نہیں بچتا تھا) سیدہ عائشہؓ کی اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ قالت مارفع عن مائدته كسرة خبز حتى قبض (آپؐ کے دسترخوان سے آپؐ کی وفات تک کوئی بچا ہوا ٹکڑا نہیں اٹھایا گیا) وقد ورد عن عائشة أيضاً انها قالت توفي صلى الله عليه وسلم وليس عندي شيء ياكله ذو كبد الا شطر شعير في

رف ای نصف وسق فاکلت حتی طال علی فکلته ففنی۔ (مناوی ص ۲۳۸) (اور اسی طرح حضرت عائشہؓ سے یہ بھی منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپؐ کی جب وفات ہوئی تو میرے پاس کسی جگر والے یعنی ذی روح کے لئے کھانے کو کچھ بھی موجود نہ تھا مگر آدھے وسق کی مقدار میں جو میں اس سے کھایا کرتی کافی مدت تک پھر میں نے جب اس کو ماپ لیا تو پھر ختم ہو گئے)

(۱۳۹/۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ هَلَالِ بْنِ خُبَابٍ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَأَهْلُهُ لَا يَجْلُونَ عَشَاءً وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيرِ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبد اللہ بن معاویہ جمحی نے بیان کی۔ اُنکے پاس یہ روایت ثابت بن یزید نے ہلال بن خباب کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عکرمہ سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے سنی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اور آپؐ کے گھر والے کئی کئی رات پے در پے بھوکے گزار دیتے تھے کہ رات کو کھانے کے لئے کچھ موجود نہیں ہوتا تھا، اور اکثر غذا آپ ﷺ کی جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (گو کبھی کبھی گیہوں کی روٹی بھی مل جاتی تھی)۔

راویان حدیث (۳۳۹) عبد اللہ بن معاویہ الجمحیؒ اور (۳۴۰) ہلال بن خبابؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذیؒ“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### لفظ ”طاوياً“ کا معنی :

قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يبيت ..... الخ، طاوياً : طوى سے ہے۔ باب ضرب بمعنی لپیٹنے کے، اگر باب علم سے ہو تو، بمعنی بھوکا رہنے کے ہے۔ طاوياً کا معنی مجازاً بھوکا ہونا آتا ہے۔ ای خالی البطن جائعاً وطوى (بالفتح) اذا جوع نفسه قصداً (جمع ص ۲۳۸) یعنی خالی پیٹ (بھوکا) اور طوى (فتح کیساتھ) کا معنی یہ ہے کہ جب اپنے آپ کو قصداً بھوکا رکھے۔

عشاء ! عین کے فتح کے ساتھ وہو مایو کل عند العشاء (بالکسر) (جمع ص ۲۳۹) جو چیز رات کو عشاء کے وقت کھائی جائے۔

### لفظ ”اہل“ کی تشریح :

اہلہ ! مراد عیال ہیں، زوجہ سے بھی کنایہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، وسار باہلہ (کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ساتھ چلے) وتاہل بمعنی تزوج کے ہے۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں : والمراد باہلہ عیالہ الذین فی نفقته وفي المغرب اهل الرجل امرأته وولده والذین فی عیالہ ونفقته وکذا کل اخ وأخت وعم وابن عم وصبی یقوتہ فی منزله (مواعظ ص ۱۱۵) اور اہل سے مراد گھرانے کے وہ افراد ہیں جن کا نان نفقہ اسکے ذمہ ہو اور نفقہ کی کتاب مغرب میں ہے کہ ایک شخص کے اہل اس کی بیوی اولاد اور گھرانے کے وہ لوگ جن کا خرچ و خوراک اس کے ذمہ ہو اور اسی طرح ہر بہن اور بھائی چچا اور چچا زاد بھائی اور دیگر چھوٹے بچے جو اس گھر میں پلتے ہوں (وہ سب اس کے اہل کہلاتے ہیں)

### اظہار فقر سے اجتناب :

مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ یہ تو حضور اقدسؐ اپنی شرافت نفس وعظمت منصب اور رفعت مقام کی وجہ سے اپنے صحابہ کرامؓ سے بھی اس کیفیت فقر و افلاس کو چھپائے رکھتے تھے۔ علامہ السیو ریؒ کے الفاظ میں یبالغ فی سترہ ذلک عن اصحابہ، آپؐ اپنے صحابہؓ سے اس کو چھپانے کی انتہائی کوشش فرماتے تھے ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو آپؐ کے اور اہل بیت اظہار کے فقر و افلاس کا علم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ دو دو تین تین روز فاقہ سے گزر رہے ہیں اور وہ خاموش رہیں اور تعاون نہ کریں، مگر آپؐ نے اور آپؐ کے اہل بیت نے اپنے فقر و احتیاج کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ اس میں بھی تعلیم امت مقصود تھی کہ غربت و افلاس اور فقر و فاقہ کے باوصف دست سوال نہیں پھیلانا چاہیے۔ وھذا یندل علی فضل الفقر والتجبن عن السؤال مع الجوع (مواعظ ص ۱۱۵) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر و فاقہ کے باوجود یہ عمل دست سوال سے بچنے کی فضیلت پر

دلالت کر رہا ہے۔

## روٹی اکثر جو کی تناول فرماتے :

وكان اكثر خبزهم خبز الشعير: حضور اقدس کی روٹی اکثر جو کی ہوا کرتی تھی اور اگلی روایت میں آ رہا ہے کہ جو کا موٹا آٹا ہوتا تھا۔ چھلنی بھی نہ ہوتی، پھونکوں سے تنکے اڑا دیے جاتے تھے۔

(۱۴۰/۱۴) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ الْحَنْفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ بْنِ سَعْدٍ أَنَّهُ قِيلَ لَهُ أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقْيَ يَعْنِي الْحَوَارَى فَقَالَ سَهْلٌ مَا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقْيَ حَتَّى لَقِيَ اللَّهَ تَعَالَى فَقِيلَ لَهُ هَلْ كَانَتْ لَكُمْ مَنَاحِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَتْ لَنَا مَنَاحِلُ فَقِيلَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ بِالشَّعِيرِ قَالَ كُنَّا نَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نَعْبِجُهُ.

ترجمہ: ”امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ یہ روایت ہمیں عبد اللہ بن عبد الرحمن نے بیان کی ان کے پاس بیان کیا عبد اللہ بن عبد المجید حنفی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبد الرحمن نے بیان کی، جو کہ ابن عبد اللہ بن دینار تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابو حازم نے صحابی رسول حضرت سہل بن سعدؓ کے حوالے سے بیان کی۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفید میدہ کی روٹی بھی کھائی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ کے سامنے اخیر عمر تک کبھی میدہ آیا بھی نہیں ہوگا، پھر سائل نے پوچھا کہ حضورؐ کے زمانہ میں تم لوگوں کے یہاں چھلنیاں تھیں، انہوں نے فرمایا کہ نہیں تھیں۔ سائل نے پوچھا پھر جو کی روٹی کو کیسے پکاتے تھے (چونکہ اس میں تنکے وغیرہ زیادہ ہوتے ہیں) سہلؓ نے فرمایا کہ اس کے آٹے میں پھونک مار لیا کرتے تھے، جو موٹے موٹے تنکے ہوتے تھے وہ اڑ جاتے تھے، باقی گوندھ لیتے تھے۔

راویان حدیث (۳۴۱) عبد اللہ بن عبد المجید الحنفی (۳۴۲) عبد الرحمن یعنی عبد اللہ بن دینار (۳۴۳)

ابوحازمؒ اور (۳۳۳) سہل ابن سعدؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### لفظ ”النقی“ اور ”الحواری“ کی تشریح :

اَکَل رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم النّٰقِیَ یعنی الحواری : النقی چھٹا ہوا آٹا اور میدہ اس کو الحواری بھی کہتے ہیں۔ یہاں پر ہمزہ استفہام محذوف ہے۔ وہی ثابتہ فی نسخۃ (مواہب ص ۱۱۶) (اور یہ ہمزہ ایک نسخہ میں موجود ہے)۔ النقی : اس لئے کہتے ہیں کہ وہ چھلنی سے صاف ہو کر آتا ہے۔ لِقَائِہِ مِنَ النّٰخَالَةِ قَالَ :

یَطْعَمُ النَّاسَ اِذَا مَا امْحَلُوْا مِنْ نّٰقِیَ فَوْقَہِ اَدَمَہ

شاعر کہتا ہے کہ (میرا مدوح) لوگوں کو کھلاتا ہے جب وہ قحط زدہ ہوتے ہیں میدہ کی روٹی سالن کے ساتھ۔

الحواری : النقی کی تفسیر ہے، جو راوی کا ادراج ہے، هو الذی نخل مرة بعد مرة من التحویر والنقیض وهو تفسیر ملرج (اتحافات ص ۲۰۵) (حواری وہ میدہ اور آٹا ہے جو کئی بار چھٹانا جائے یہ تحویر اور تبیض (سفیدی کے مادہ سے ہے اور نقی کی تفسیر حواری ہے یہ راوی کا ادراج ہے۔

حواری مخلص دوست کو کہتے ہیں، قال الحواریون نحن انصار اللہ (صف ۱۳) مخلص دوستوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر پیغمبر کا ایک مخلص دوست ہوتا ہے اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت سہلؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپؐ نے اپنی زندگی میں کبھی چھنے ہوئے آٹے سے پکی ہوئی روٹی بھی کھائی ہے۔

حضورؐ نے میدہ کبھی دیکھا بھی نہیں :

انہوں نے جواب میں فرمایا کہ کھانا تو کجا، مارای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النقی، آپؐ نے زندگی میں چھٹا ہوا آٹا یا میدہ دیکھا بھی نہیں ولكن سہلا لم ینف الاکل فقط بل نفی الرؤية کذا لک (اتحافات ص ۲۰۵) یہاں حضرت سہلؓ نے صرف میدہ کی روٹی کھانے کی نفی نہیں کی بلکہ دیکھنے تک کی بھی کر دی۔ حتی لقی اللہ۔ یہ وصال مبارک سے کنایہ ہے کیونکہ موت اللہ کی ملاقات

کے اولین مقدمات میں سے ہے۔ ظاہر روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے چھنا ہوا آٹا اور میدہ نہ تو بعثت سے قبل دیکھا تھا اور نہ بعد میں، لم یرالنقی قبل البعۃ ولا بعدھا (اتحافات ص ۲۰۵) حضرت سہلؓ سے ایک دوسرے طریق سے روایت منقول ہے، مارأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منخلًا من حین ابتعثہ اللہ حتی قبضہ (جمع ص ۲۴۰) (نبی کریمؐ نے بعثت سے لے کر وصال تک کبھی چھانی کو دیکھا بھی نہیں)

حضرت سہلؓ سے مزید پوچھا گیا، هل كانت لكم مناخل علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھانیاں ہوتی تھیں) مناخل، منخل کی جمع ہے، وہو الہ النخل وهو معروف (وہ چھاننے کا ایک آلہ ہوتا ہے جو لوگوں میں مشہور ہے) (اتحافات ص ۲۰۵) جسے ہم اردو میں چھانی کہتے ہیں۔

جب سوال بصیغہ جمع ہے، یعنی هل كانت لكم (معشر الصحابة من المهاجرين والانصار) (اے جماعت صحابہؓ ! (مہاجرین و انصار) کیا تمہاری چھانیاں ہوتی تھیں) (مواہب ص ۱۱۶) تو اس کا جواب بھی جمع کے صیغے میں دیا گیا۔ ما كانت لنا مناخل۔ (ہماری چھانیاں نہیں تھیں)۔

### آٹا صاف کرنے کا طریقہ :

سامعین نے روایت پر اور قصہ پر تعجب کیا، اس لئے پھر سوال کیا گیا کیف كنتم تصنعون بالشعير (تو پھر جو (پسے ہوئے) کیساتھ تم کیا معاملہ کرتے تھے)، تو جواب میں حضرت سہلؓ نے فرمایا، كننا ننفعه یعنی جو کا آٹا پیس کر اوپر سے پھونک مارتے تھے جس سے موٹا موٹا چھلکا اڑ جاتا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ”النفع“ کی تفسیر ”نقول اف“ (کہ ہم اس پر اف کرتے) سے بیان کی گئی ہے۔ فیطیر منہ ماطر کالتین ویقی الدقیق (اتحافات ص ۲۰۵) تو جس چیز (تنگے وغیرہ) نے اڑنا ہوتا وہ اڑ جاتی (اور اس کا آثار ہوتا)۔

ثم نعجنه، پھر اسے ہم گوندھ لیا کرتے تھے اور وہی پکا کر کھایا کرتے تھے۔ عین اس آٹے کو کہتے ہیں، جو پانی میں گوندھا گیا ہو، عجن کا معنی گوندھنا۔



حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر ان چھنا آٹا استعمال فرمایا :

خلاصہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بے چھنے آٹے (گیہوں یا جو) کی روٹی نوش فرماتے رہے۔ طبی نقطہ نگاہ سے بھی ان چھنے آٹے کی روٹی زود ہضم ہوتی ہے اور میدہ کی روٹی معدہ پر ثقل اور گرانی پیدا کرتی ہے۔

چھلنی کی بدعت :

بعض حضرات نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی بدعت در آنے والی چھلنیوں کی ترویج ہے۔ ولذا قيل المنخل اول بدعة في الاسلام (جمع ص ۲۴۰) تاہم یہ ملحوظ رہے کہ یہاں بدعت سے مراد وہ بدعت نہیں جو سنت کے مقابلہ میں ہے اور مذموم ہے بلکہ جدید اقدام اور جدید طریقہ رائج کرنے کے اعتبار سے بدعت کہا گیا ہے۔ تاہم اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، وقد نقل المناوی عن الغزالی وهذا لا يقتضي ان اتخاذ المناخل لنخل الطعام منهي عنه، لأن القصد من النخل تطيب الطعام وهو مباح مالم يؤد الى التعم المفرط . (اتحافات ص ۲۰۵) اور تحقیق علامہ مناوی نے امام غزالی سے نقل کیا ہے۔ کہ اس روایت سے آٹا چھاننے کے لئے چھانیاں بنانے کا عدم جواز معلوم نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ آٹا وغیرہ کو چھاننے سے کھانے کی اصلاح اور اچھا بنانا مقصود ہوتا ہے اور یہ ایک مباح اور جائز امر ہے اگر انتہائی عیش پرستی کے لئے نہ ہو۔ (واللہ اعلم)

(۱۳۱/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا أَكَلَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ وَلَا فِي سَكْرَةٍ وَلَا خَبْرَ لَهُ مَرَّقٌ قَالَ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ فَعَلَى مَا كَانُوا يَأْكُلُونَ قَالَ عَلَى هَذِهِ السُّفْرِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ يُونُسُ هَذَا الَّذِي رَوَى عَنْ قَتَادَةَ هُوَ يُونُسُ الْأَسْكَافُ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی معاذ بن ہشام نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت میرے باپ نے یونس کے حوالے سے بیان

کی۔ انہوں نے اس کو قنادہ سے نقل کیا اور قنادہ نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی طشتریوں میں نوش فرمایا، نہ آپؐ کے لئے کبھی چپاتی پکائی گئی۔ یونس کہتے ہیں کہ میں نے قنادہ سے پوچھا کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے، انہوں نے جواب دیا کہ یہی چیز کے دسترخوان پر۔

### لفظ ”خِوان“ کی تشریح :

ما اكل نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... الخ، خوان (خاک کے کسرہ کے ساتھ) اس کی جمع خُون آتی ہے، جو خُون سے مخفف ہے۔ خوان (خاک کے ضمہ کے ساتھ) بھی ایک لغت میں آتا ہے، وہ اونچی شئی جس پر اہل امصار کھانا کھاتے ہیں، جس کے نیچے پائے ہوں، میز اور تپائی وغیرہ نحو الشیء المرتفع الذی یا کل علیہ اهل الامصار (اتحافات ص ۲۰۶) قیل وسمی خوانا لانه یتخون ما علیہ ای یتنقص۔ (جمع ص ۲۴۱) اور اسے خوان اس لئے کہتے ہیں کہ جو چیز اس پر ہوتی ہے وہ کھانے سے کم ہوتی جاتی ہے۔ اس میں ایک تیسری لغت بھی منقول ہے اور وہ اخوان (ہمزہ کا کسرہ اور خاء ساکن) کے ساتھ ہے لعلہا سمیت بذالک لا اجتماع الاخوان والا صحاب عندہا وحولہا (جمع ص ۲۴۱) (اور شاید اسکی وجہ تسمیہ یہ بھی ہو کہ بھائی اور ساتھی اسکے پاس اور ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں)۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ لفظ اسم عجمی ہے، معرب ہے۔

### تپائی اور میز پر کھانا کھانے کا حکم :

اس کا استعمال عموماً مترفین کرتے ہیں۔ یہ صنیع الجبارین ہے، لئلا یفقروا الی خفض الرأس عند الاکل (جمع ص ۲۴۱) (یہ متکبرین اور بڑے مالداروں کا طریقہ ہے کہ انکی تو خواہش ہوتی ہے کہ کھانے کی وقت سر جھکانے کی بھی ضرورت نہ ہو)۔ متکبرین، مترفین اور جبارین کی متکبرانہ اور شنیعہ عادت ہونے کے پیش نظر آپؐ کو پسند نہ تھی۔ اس لئے کبھی بھی اسے اختیار نہ فرمایا۔ اس لئے مناویؒ،

ملا علی قاریؒ اور علامہ السیوطیؒ نے لکھا ہے۔ فالاکل علیہ بدعة لکنها جائزۃ (جمع ص ۲۳۱) پس اس (میز تپائی وغیرہ) پر کھانا بدعت ہونے کے باوجود جائز ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وجاء النهی عنه اذا قصد الاکلون تکبرافان لم ینصحو اذ لک فلا جناح (اتحافات ص ۲۰۶) (اور ان پر کھانے کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ ان پر کھانے والوں کے ارادے تکبر اور بڑائی کے ہوں اگر ان کا مقصد یہ نہ ہو تو پھر صرف ان پر کھانے میں گناہ نہیں۔ کو کب دری میں ہے کہ ہمارے زمانے میں میز پر کھانا کھانا نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے۔ اس لئے مکروہ تحریمی ہے۔ تاہم ضرورت، مجبوری، ماحول اور بعض ایسے حالات جہاں تکبر اور تشبہ کا احتمال نہ ہو میز اور تپائی کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

### چھوٹی پیالیوں اور چٹنی وغیرہ کے برتنوں کا استعمال :

سُكْرَجَة: چھوٹا برتن، چھوٹی پلیٹ، چھوٹی طشتری اور چھوٹی پیالی وغیرہ، جس میں چٹنی، اچار، مربہ اور سلاط وغیرہ رکھی جاتی ہے۔ ابن العربیؒ فرماتے ہیں، انا صغیر یوضع فیہ الشیء القلیل المشہی للطعام الهاضم له کالسلطۃ والمخلل (مواہب ۱۱) کھانے کے ساتھ دسترخوان پر جو متعلقات رکھی جاتی ہیں، چٹنیاں اور مربے وغیرہ، جن سے کھانے میں لذت پیدا ہوتی ہے۔ اشتہاء کھلتی ہے اور زیادہ کھایا جاسکتا ہے۔ حضور اقدسؐ نے ہمیشہ ان چیزوں سے احتراز فرمایا۔ اس لئے ان کے لئے استعمال ہونے والے برتن بھی استعمال نہیں کئے، بلکہ آپؐ تو پیٹ بھر کا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔ اس لئے ہاضم اشیاء کے استعمال کی ضرورت بھی نہ ہوتی تھی، بل کان لا یاکل الا لشدۃ الجوع ولانها اوعیۃ الالوان ولم تکن الالوان من شان العرب (بلکہ آپؐ تو انتہائی بھوک کی وجہ سے کھانا کھاتے تھے نیز یہ برتن متنوع اشیاء کے رکھنے کے لئے ہوتے ہیں اور عرب میں متنوع اور مختلف قسم کے کھانوں کا رواج نہیں تھا)۔ بلکہ عربوں کا محبوب کھانا ثرید ہوتا تھا، جس پر گوشت کے ٹکڑے پڑے ہوتے تھے، انما کان طعامهم الثرید علی مقطعات اللحم (مواہب ص ۱۱) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سُكْرَجَة اس لئے بھی استعمال نہیں فرمایا کیونکہ اکثر متکبرین، خیلاء اور

جبارین اسے استعمال کرتے ہی۔ اوانہ من علامات البخل، و الاظهر انه من دأب المترفين و عاده الحریصین علی الاکل المفرطین۔ (جمع ص ۲۳۱) (اور یا یہ) (چھوٹے برتنوں کا) استعمال بخل کی علامت ہے۔ البتہ زیادہ واضح بات یہی ہے کہ بیشک یہ طریقہ عیش پرست اور انتہائی زیادہ کھانے والے حریص لوگوں کی عادت ہے۔

### میدہ کی روٹی :

ولاخبز له مرقق، اور نہ ہی آپ کے لئے کبھی میدہ کی چپاتی پکائی گئی۔ مرقق باریک اور پتلی روٹی، ای (۱) ملین محسن کخبز الحواری

(۲) وقیل الخبز المرقق هو الرغیف الواسع الرقیق ویقال له الرقاق (اور بعض نے خبز مرقق کی تعریف یہ کی ہے کہ پتلی اور چوڑی روٹی جسے رقاق کہا جاتا ہے)۔

(۳) وقیل هو السمید ما یصنع من الکعک وغیرہ۔ (اور بعض نے کہا ایک وغیرہ قسم کی روٹی جو میدہ سے بنائی جاتی ہے)

ترقیق کا معنی تلین ہے اور ظاہر ہے کہ آپ اور آپ کے صحابہ کی روٹی اکثر جو سے ہوا کرتی تھی، جبکہ پتلی باریک روٹی (رقاق) گندم کے میدہ سے پکتی ہے اور بظاہر وہ آپ کو میسر نہ تھا اور نہ آپ اسے پسند فرماتے تھے۔

سرقیق الخبز بھی تو متکبرین اور مترفین کا دتیرہ ہے اور ارباب تکلف کا کام اور یہ تو بار بار عرض کیا جا چکا ہے کہ ذات اقدس تکلف اور تنعم سے بری تھی، بلکہ آپ زندگی بھر ان تکلفات و تنعمات کے قریب بھی نہیں پھٹکے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے ما علم ان النبیؐ رای رغیفاً مرققاً حتی لحق باللہ وشاة سمیطا بعینہ حتی لحق باللہ (جمع ص ۲۳۲) (کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ نبی کریمؐ نے وفات تک پتلی روٹی (چپاتی وغیرہ) یا سالم بکری بھنی ہوئی دیکھی ہو) اور اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ میدہ قابض، ثقیل، دیر ہضم اور مسدد ہے۔ میدہ کھانے والے اکثر قولنج، بد ہضمی اور نفخ کے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، انہیں بوا سیر اور قبض کی شکایت اکثر رہتی ہے۔

## ”السفرة“ کا معنی و تشریح اور استعمال :

فقلت لقنادة... الخ، جناب یونس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہؓ سے دریافت کیا۔  
فعلی ما کانوا یاکلون پھر کس چیز پر کھانا رکھ کر تناول فرماتے، انہوں نے جواب میں فرمایا، علی هذه  
السفرة، اپنے اسی دسترخوان پر۔

السفر: سفرة کی جمع ہے۔ اسے سفرة بھی اس لئے کہتے ہیں کہ جب بچھایا جاتا ہے تو اس پر  
چٹا ہوا کھانا سب کا سب کے سائے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کما ان السفر یسمی سفراً لاسفاره من  
اخلاق الرجال (اتحافات ص ۲۰۷) جیسے کہ سفر کو اس لئے سفر کہا جاتا ہے کہ وہ ہر شخص کے اخلاق  
(ایچھے یا بُرے) کو ظاہر کر دیتا ہے۔ شیخ احمد عبد الجواد الدومنی تحریر فرماتے ہیں۔ و السفرة : حلد  
مستدير وله معاليق وتضم وتنفرج ، السفرة اخص من المائدة وهي ما يمد ويسط ليز كل عليه  
سواء كان من الجلد او من الثياب (اتحافات ص ۲۰۷) (کہ سفرہ ایک گول قسم کا چمڑہ جس میں  
معاليق (لٹکانے کے آلات) ہوں جو سمیٹے جاتے ہیں اور کھلتے بھی ہیں) پھر انکی نسبت بیان کرتے  
ہوئے لکھتے ہیں) کہ سفرہ خاص ہے ماندہ سے کیونکہ ماندہ ایسا دسترخوان جسے اس لئے بچھایا جائے  
تا کہ اس پر کھانا کھایا جائے وہ چمڑے کا ہو یا کپڑے کا)

ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ طعام کو میز اور تپائی پر رکھ کر کھانا، متکبرین اور مترفین کا طریقہ ہے  
اور زمین پر رکھ کر کھانا، سوء ادب ہے..... وفساد له. (اور اسکو خراب کرنا ہے) حضور اقدس صلی  
اللہ علیہ وسلم نے درمیان کا طریقہ اعتدال اختیار فرمایا: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: میز یا تپائی پر  
کھانا بادشاہوں کا عمل ہے، رومال پر کھانا اہل عجم کا عمل ہے اور السفرة پر کھانا عرب کا عمل ہے اور وہ  
سنت ہے۔ جسے علامہ بیہوریؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وقال الحسن البصري الاكل على الخوان فعل الملوک وعلى المنديل فعل العجم وعلى

السفرة فعل العرب وهو سنة. (مواعظ ص ۱۱۷)

(۱۳۲/۶) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ عَبَادٍ الْمُهَلَّبِيُّ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ فَدَعَتْ لِي بِطَعَامٍ وَقَالَتْ مَا اشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَاشَاءَ أَنْ أَبْكِيَ إِلَّا بِكَيْتٍ قَالَ قُلْتُ لِمَ قَالَتْ أَذْكُرُ الْحَالَ الَّتِي فَارَقَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ مَرَّتَيْنِ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ: امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت عباد بن عباد مہلمی نے مجالد کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت شعبی سے اور انہوں نے مسروق سے روایت کی۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے میرے لئے کھانا منگایا اور یہ فرمانے لگیں کہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی، مگر میرا رونے کو دل چاہتا ہے۔ پس رونے لگتی ہوں۔

مسروق نے پوچھا کہ کیوں رونے کو دل چاہتا ہے، آپ نے فرمایا کہ مجھے حضورؐ کی وہ حالت یاد آ جاتی ہے، جس پر ہم سے مفارقت فرمائی ہے کہ کبھی ایک دن میں دو مرتبہ گوشت یا روٹی سے پیٹ بھرنے کی نوبت نہیں آئی۔

راویان حدیث (۳۳۵) عباد بن عباد المہلبی (۳۳۶) المجالد اور (۳۳۷) الشعبی کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسروق کی ضیافت کی :

قال دخلت على عائشة.. الخ حضرت مسروق کہتے ہیں کہ میں ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کے پاس گیا۔ فدعت لی بطعام یعنی انہوں نے میرے لئے کھانا منگوا یا، ای امرت خادمہا ان یقدمہ الی، (یعنی اپنے خادم کو کہا کہ وہ میرے پاس کھانا لائے) مقصد یہ ہے کہ انہوں نے میری ضیافت کی۔ فرمانے لگیں ما اشبع من طعام، میں سیر ہو کر کبھی بھی کھانا نہیں کھاتی جو کچھ میرے پاس ہوتا ہے، وہ سیر ہو کر نہیں کھایا جاتا۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کھانے سے ہرادر روٹی اور گوشت ہے، ای خبز ولحم۔ (یعنی روٹی و گوشت)

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رونا

فإشياء ان ابكى الالبكى، یعنی میں اپنے سے رونا نہیں روک سکتی، رونا بہر صورت آیا ہی چاہتا ہے جملے کا مفہوم واضح ہے۔ حضرت ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ جب بھی میں سیر ہو کر کھانا کھاتی ہوں، تو رونے کو جی چاہتا ہے۔ پس میں رو پڑتی ہوں۔ اصل ترکیب یوں ہے۔ ما اشبع الالبكى، لفظی ترجمہ یوں بنتا ہے کہ میں نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا، مگر رو پڑتی ہوں۔ مانافہ کے بعد لا آیا ہے۔ اس لئے یہی مفہوم بنتا ہے۔ درمیان میں فإشياء کا لفظ واقع ہے۔ یہ فادو قسم پر ہو سکتی ہے۔

(۱) تاکید یہ اس صورت میں معنی ہوگا کہ جب بھی سیر ہو کر کھانا کھایا، تو رونے کو جی چاہا ہے۔

(۲) اور اگر فاسیہ مان لیا جائے، تو پھر معنی ہوگا کہ پیٹ بھر کر کھانا رونے کا سبب بن جاتا ہے۔

## رونے کی وجوہات :

رونا کیوں آتا تھا، اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) آپؐ کی تنگدستی کا موازنہ جب دو فرسخی سے کیا جاتا تھا تو اس دور کی عُسرت اور حضور

اقدسؐ کے فقر و ناداری پر سیدہ عائشہؓ کو رونا آ جاتا تھا، مگر یہ تو جیہ رائج نہیں کہ آپؐ کا فقر اختیاری تھا

اور اس پر آخرت میں انعامات موعود تھے۔ (۲) سیدۃ عائشہؓ کو رونا اس لئے آتا تھا کہ آپؐ کے وجود

مسعود میں فقر و فاقہ میں جو مستی و لذت تھی اور جو اجر و ثواب موعود تھا۔ آپؐ کی رحلت کے بعد وہ ان

سے محروم ہو گئی۔ اس احساس محرومی ثواب پر انہیں رونا آتا تھا۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، ای تحزنًا لتلك

الشدة التي قاستها الحضرة النبوية أو تأسفاً على فوت تلك المرتبة العلية المرضية. (یعنی یہ غمگینی

اور رونا یا تو اس تنگدستی اور سختی پر جو حضورؐ نے برداشت کی تھی اور یا پھر ان مراتب عالیہ (اجر و ثواب)

سے محرومی کے سبب جو اس وقت حاصل ہوتے تھے) (جمع ص ۲۴۳) شیخ عبد الجواد الدومیؒ فرماتے

ہیں، كان الشبع عند السيدة عائشة يشير حزنها، ويسيل دمعها لصللة قلبها بحبيها وخشيتها من

رهبها. (حضرت عائشہؓ کے پاس کسی کا پیٹ بھرے کھانا اس کے غم کو ابھارتا اور اسکے آپؐ سے قلبی تعلق

و محبت اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے آنسو جاری ہو جاتے)۔ (اتحافات ص ۲۰۷)

(۱۳۳/۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ يُحَدِّثُ عَنْ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْرٍ شَعِيرٍ يَوْمَئِذٍ مُتَابِعِينَ حَتَّى قُبِضَ.

ترجمہ: ”امام ترمذی“ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسے ابو داؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث شعبہ نے ابوالحاق کے واسطے سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن یزید سے سنا جو کہ اسود بن یزید سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبانی بیان کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے تمام عمر میں کبھی جو کی روٹی سے بھی دو دن پے درپے پیٹ نہیں بھرا۔

آپ ﷺ کو فقر پسند تھا :

قالت ماشع... الخ، شروع باب میں حدیث کی تشریح کی جا چکی ہے، مگر تھوڑا سا فرق ہے۔ وہاں سب گھروالوں آل محمد کا ذکر ہے اور یہاں صرف ذات والا ستودہ صفات کا ذکر ہے۔ دونوں احادیث کا مضمون ایک ہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کو فقر پسند تھا اور الفقرو فخری (فقر اور مسکینی تو میرا فخر ہے) آپؐ کی شان امتیاز تھا، بلکہ اتنا ہوتا ہی نہیں تھا کہ سب پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں، جو کچھ میسر ہوتا، وہ حاجتمندوں، غرباء اور فقراء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

(۱۳۳/۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَأَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ وَلَا أَكَلَ خُبْزًا مَرْقًا حَتَّى مَاتَ.

ترجمہ: ”امام ترمذی“ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمن نے بیان کی۔ ان کے پاس عبداللہ بن عمر اور ابو معمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبدالوارث نے سعد بن ابی عروہ کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے قتادہ سے اور قتادہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ہے۔ حضرت



انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ نے کبھی اخیر عمر تک میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا اور نہ کبھی چپاتی نوش فرمائی۔

راویان حدیث (۳۳۸) عبد اللہ بن عمرو ابو معمرؓ اور (۳۳۹) عبد الوارثؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### مضمون حدیث کا خلاصہ :

حدیث زیر بحث کا مضمون باب ہذا کی پانچویں حدیث کے ہم معنی ہے۔ روایات بھی دونوں حضرت انسؓ سے منقول ہیں۔ حالت فقر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خود پسندیدہ تھی۔ اسی لئے اللہ پاکؐ نے بھی اسی حالت میں رکھا، پھر آپؐ کے کھانے میں علماء کے دو قول ہیں۔

(۱) آپؐ کو آپؐ کی پسند کے مطابق میسر ہی اتنا ہی آتا تھا، جو بقدر کفاف تھا، جس کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا میسر تو ہوتا تھا، مگر تواضعاً پیٹ بھر کر تناول نہیں فرماتے تھے اور تقسیم فرما دیتے تھے۔

=====

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ إِدَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سالن کے بیان میں

### لفظ اِدام کی تشریح :

اِدام: سالن کو کہتے ہیں۔ ہر وہ جامد شئی جیسے گوشت وغیرہ اور مائع چیز جو روٹی کے ساتھ لگا کر کھائی جاتی ہے۔ اِدام کہلاتی ہے۔ مایؤ تدم بہ ویو کل بہ الخبز من خل وتمر و زیت ونحوہ۔ یعنی جس چیز کیساتھ روٹی کھائی جائے چاہے سرکہ ہو یا کھجور اور یا پھر زیتون وغیرہ کا تیل (اتحافات ص ۲۰۹)۔ اس کی جمع اُدم اور ادمۃ آتی ہے۔ اِدام کے استعمال سے کھانا مرغوب اور زود ہضم بن جاتا ہے۔

شیخ الطیورئی اِدام کی تعریف میں لکھتے ہیں، ما یساغ بہ الخبز ویصلح بہ الطعام، ہر وہ چیز جس کے ساتھ روٹی کھائی جائے اور کھانا لذیذ ہو جائے۔ اس باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف چیزوں کے ساتھ روٹی کھانے کا بیان ہے۔ اس لئے بعض نسخوں میں، و ما اکل من الالوان کا اضافہ بھی نقل ہوا ہے، مراد انواع الاطعمۃ (کھانے کی مختلف قسمیں) ہیں۔ آپؐ نے ایک غذا کا تعین اپنی ذات مبارکہ پر نہیں فرمایا تھا بلکہ جو میسر آتا، تناول فرما لیتے تھے۔

کان یا کل ما تیسر من لحم وفاکھو تمر وغیرہا (مواہب ص ۱۱۹) (آپؐ کو جو کھانا میسر ہو جاتا کھا لیتے تھے چاہے گوشت ہو یا میوہ اور کھجور وغیرہ) و کذلک کان ہدیہ صلی اللہ علیہ وسلم و سیرتہ فی الطعام، لا یرد موجودا ولا یتکلف مفقودا فما قرب الیہ شیء من الطیبات الا اکلہ الا ان تعافہ نفسہ فیترکہ من غیر تحریم، وما عاب طعاما قط ان اشتہاہ اکلہ والاترکہ۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۳) (اور یہی حضورؐ کے کھانے کا طریقہ اور عادت تھی کہ موجودہ چیز کو واپس نہ

کرتے اور غیر موجود کے تلاش کی فکر نہ ہوتی اور نہ اس کے لئے کوئی تکلف فرماتے تھے بلکہ آپ کے سامنے حلال اور صاف سھرے کھانے میں سے جو چیز بھی پیش کی جاتی تو اس کو بخوشی کھا لیتے ہاں اگر کھانے کو دل نہ چاہتا تو اسکو (بغیر حرام کئے) چھوڑ دیتے اور آپ نے کبھی کسی کھانے کو معیوب نہیں سمجھا اگر اسکو دل چاہتا تناول فرما لیتے ورنہ اسکو چھوڑ دیتے۔

”لحم“ ”ادام“ ہے یا نہیں :

البتہ گوشت کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے کہ وہ ادام کہلایا جائے گا یا نہیں، تو اس کا دار و مدار بھی عرف پر ہے، جن علاقوں میں گوشت کو ادام سمجھا جاتا ہے اور بطور ادام استعمال ہوتا ہے۔ وہاں اس پر ادام کا حکم ہوگا اور جن علاقوں میں بطور ادام کے استعمال نہیں ہوتا ہے۔ وہاں ادام نہیں کہلائے گا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ جو لحم کو ادام نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے بلاد کا اعتبار کرتے ہیں کہ وہاں یہی عرف عام تھا۔

گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا، چنانچہ ارشاد ہے : سید ادام اهل الدنيا والآخرة اللحم وسيد الشراب في الدنيا والآخرة الماء وسيد الربا حين في الدنيا والآخرة الفاعية اى ورق الحناء گوشت دنیا و آخرت میں رہنے والے لوگوں کے سالنوں کا سردار اور دنیا و آخرت میں پیئے جانے والی اشیاء کا سردار پانی اور دنیا و آخرت میں خوشبودار چیزوں کی سردار مہندی ہے (جمع ص ۲۳۵) اس باب میں امام ترمذیؒ نے تینتیس (۳۳) روایات جمع کی ہیں۔

(۱۳۵/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ بْنُ عَسْكَرٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعِمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ فِي حَدِيثِهِ نَعِمَ الْأُدْمُ أَوِ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن سہل بن عسکر اور عبد اللہ بن عبد الرحمن نے بیان کی، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یحییٰ بن حسان نے بیان کیا، ان کے پاس یہ روایت سلیمان

بن بلال نے نقل کی، ان کے پاس ہشام بن عروہ نے اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ سرکہ بھی کیسا اچھا سالن ہے۔

سرکہ بہترین سالن :

نعم الادم الخل : لفظ الخل، خ کے فتح کے ساتھ ہے بمعنی سرکہ کے، بعض اس کو الخل، خ کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، جس کا معنی مخلص دوست کے ہیں۔ اسے سرکہ کے لئے بولنا درست نہیں ہے۔ حضور اقدسؐ نے سرکہ کو نعم الادم قرار دیا ہے۔ یعنی اچھا سالن، سرکہ قدرے ترش، مگر لذیذ ہوتا ہے بے حد نافع اور مفید چیز ہے۔ ہاضم بھی ہے اور پیٹ کے کیڑوں کے لئے ہالک بھی۔ بقول ابن حجرؒ کے قانع للصفراء و نافع لابدان (جمع ص ۲۳۶) (کہ سرکہ صفراء کو ختم کرنے والا اور بدن کو نفع دینے والا) و ذکر انه يقطع الحرارة السموم۔ (مواہب ص ۱۱۹) (اسکے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لو کی گرمی کو ختم کر دیتا ہے)

فاتح عالمؒ نے روٹی کے خشک ٹکڑے اور سرکہ تناول فرمایا :

اس موقع پر ملا علی قاریؒ نے مختلف روایات جمع کی ہیں۔

(۱) مسلم میں جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ سے ادام طلب فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا ما عنلنا الا الخل، ہمارے پاس تو صرف سرکہ ہے۔ آپؐ نے اسے طلب فرما کر کھانا کھایا اور کھانے کے دوران بار بار فرماتے رہے، نعم الادم الخل سرکہ اچھا سالن ہے اسی سے ملا علی قاریؒ استخراج کر کے لکھتے ہیں بوفی الحديث استحباب التحديث على الاكل تانيسا للاكلين (اور حدیث سے کھانے کے وقت کھانے والوں کی خوش طبعی کے لئے بات چیت کرنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے)

(۲) حضرت ام سعدؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں، نعم الادم الخل، اللهم بارک فی الخل۔ (اچھا سالن سرکہ ہے اے اللہ سرکہ میں برکت فرمادیں)

(۳) وفي رواية انه كان ادم الانبياء من قبلي. (ایک روایت میں ہے کہ یہ مجھ سے پہلے پیغمبروں کا

سالن تھا)۔

(۴) وفی حدیث لم یقفر بیت فیہ خل . (اور ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ خالی نہیں یعنی سالن سے)

کیا سرکہ افضل الادام بھی ہے ؟

اس میں شک نہیں کہ سرکہ اچھی، عمدہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ سالن ہے۔ اچھا ہے بعض نے کہا منافع کے لحاظ سے اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں تکلیف نہیں کرنا پڑتی اور خرچہ بھی کم ہوتا ہے اور بعض نے اس توجیہ کو ترجیح بھی دی ہے، مگر کیا سرکہ سالن کی تمام انواع میں افضل بھی ہے، کہ نہیں؟

ظاہر حدیث سے تو تمام اداموں پر اس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، مگر اہل علم کہتے ہیں۔ حدیث تو صرف مدح الادام بالخل (سرکہ کو ادام بنالینے کی مدح اور تعریف) کا فائدہ دیتی ہے۔ اس سے اس کی افضلیت معلوم اور ثابت نہیں ہوتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آپ کی خدمت میں سرکہ پیش کرنے والوں کی دل جمعی، دلجوئی اور پاسِ خاطر کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کیونکہ میزبانوں کے گھر میں اس کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔

قال ذلک تطیباً لِحاطر من قد مولہ ولانہ لم یکن عنہم غیرہ (اتحافات ۲۰۹) اور تفصیلی واقعہ ام ہانی کی روایت میں بھی نقل ہوا ہے۔ ام ہانی آپ کی چچا زاد بہن تھیں۔ ان کا گھر بیت اللہ کے بالکل جوار میں تھا، جس روز آپ نے مکۃ المکرمۃ فتح فرمایا، اسی روز حضرت ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے، جہاں آپ نے غسل فرمایا اور چادر لپیٹ کر آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ فتح مکہ پر شکریہ ادا کیا۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ حضرت فاتح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر حضرت ام ہانی سے پوچھا کھانے کو کچھ ہے۔ جواب میں بتایا گیا کہ روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے ہیں، وہی طلب فرمائے، پانی میں بھگو کر نرم کیئے، پھر ادام یعنی سالن کا دریافت فرمایا۔ عرض کیا گیا سالن تو نہیں ہے۔ البتہ کچھ سرکہ موجود ہے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نعم الادام الخل، پھر نمک منگوایا، سرکہ میں ڈالا

اور اس کے ساتھ روٹی تناول فرمائی۔

یہ تاریخ کا عجوبہ اور سیرت کا انوکھا باب ہے کہ سرورِ عالم فاتحِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں اور انہیں کھانے کے لئے خشک روٹی کے چند ٹکڑے بمشکل سرکہ کے ساتھ میسر آتے ہیں، جنہیں وہ بھگو کر بقدر کفاف گذراوقات کر لیتے ہیں، مگر آج فاتحین کے جو کردار ہیں خدا پناہ، حال ہی میں امریکی سامراج نے جو طالبان کے افغانستان اور عراق پر فاتحانہ یلغار کی اور پھر مظالم ڈھائے۔ دنیائے انسانیت سرپیٹ کر رہ گئی۔۔۔ رع نہیں تفاوت راہ از کجا است تا کجا

(۱۳۶/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ السُّتْمُ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَكُمْ وَمَا يَجِدُ مِنَ الثَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ. ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ نے بیان کی۔ انہیں یہ روایت ابو الاحوص نے سماک بن حرب کے حوالے سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا، کیا تم لوگ کھانے پینے کی خاطر خواہ نعمتوں میں نہیں ہو، حالانکہ میں نے حضور اقدسؐ کو دیکھا کہ معمولی قسم کی کھجوروں کی بھی اتنی مقدار نہ ہوتی تھی کہ جس سے شکم سیر ہو سکے۔ پیٹ بھر کھانے کے لئے خشک کھجوریں بھی میسر نہ تھیں۔

الستم فی طعام وشراب... الخ، مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ الدقل، خشک کھجور کو کہتے ہیں۔ دراصل الدقل بچا کھچا وہ مال ہے جو دکاندار سے عمدہ مال بک جانے کے بعد ردی مال باقی رہ جاتا ہے۔ ردی التمر و یابسہ فضلاً عن افضل منه۔ خشک ردی اور بیکار کھجور چہ جائیکہ اس سے کوئی اچھی ہو۔ (مناوی ص ۲۴۷)

مقصد یہ ہے کہ آج جب فراخی آگئی اور تم لوگ عیش و تنعم میں پڑ گئے ہو، قسم قسم کی نعمتیں اور لذائذ کھارہے ہو، ای الستم متنعمین فی طعام وشراب مقدار ما شتم من التوسعة والا فراط فیہ یہاں استفہام انکاری ہے۔ (جمع ص ۲۴۶) مقصد تو بیخ ہے۔ وَالْقَصْدُ بِهِ الْحَثُّ عَلَى الْاِقْتِصَارِ فِي

الطعام و الشراب علی اقل ما یکفی کما کان ذلک شعار المصطفیٰ۔ (در اصل اس سے مقصد کھانے پینے کی کم مقدار جو کافی ہو پر اکتفا شعاری پر برا بیختہ کرنا ہے جیسے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعار اور عادت مستمرہ تھی) (مواہب ص ۱۱۹)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ردی قسم کی بچی کھچی کھجوریں بھی پیٹ بھر کر کھانے کے لئے میسر نہ تھیں۔ آپ کی زہد، قناعت اور ریاضت و مجاہدہ کی زندگی پوری امت کے لئے نمونہ عمل ہے۔ اب جبکہ ہر طرح کشادگی اور وسعت ہے اور اللہ کی نعمتیں عام تام ہیں، تو ہمیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور شکر کا بہترین اور عملی طریقہ یہی ہے کہ لذائذ اور خواہشات نفسانی میں لگن ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور خفگی مول نہیں لینی چاہیے۔

### اتباع رسول کی انگلیخت :

لقد رایت نبیکم : میں مخاطبین سے کہا گیا ہے کہ تمہارا نبی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مخاطبین کی طرح مخاطب کے بھی نبی ہیں، شارحین حدیث کہتے ہیں کہ اس سے مقصد ترغیب و تنبیہ ہے کہ جب تم نبی کے امتی اور اس کی محبت کے دعویدار ہو، تو دیکھو انہوں نے کس طرح زندگی گذاری اور تم کیا کر رہے ہو۔ الزاماً لہم وتبکیتاً وحنناً علی الناسی بہ فی الاعراض عن الدنیا ولذاتہا ما امکن۔ (مواہب ص ۱۱۹) (اور امت کو ابھارنے کے لئے کہ جتنا ممکن ہو سکے آپ لوگ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دنیاوی لذات سے اعراض اور روگردانی کرنے کی پوری کوشش کریں)

### باب سے مناسبت :

اس روایت کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ بعض حالات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا م بھی میسر نہ ہوتا تھا اور آپ بھی اس کی پرواہ کئے بغیر خشک اور ادنیٰ کھجوروں پر اکتفا کر لیتے تھے اور بھی بقدر کفاف، کہ پیٹ بھر کر کھانے کو میسر نہ ہوتے تھے۔

مَحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعَمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبدہ بن عبد اللہ خزاعی نے بیان کی۔ ان کے پاس اسے معاویہ بن ہشام نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سفیان سے محارب بن دثار کے واسطے سے روایت کی اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہ سے سنی۔ حضرت جابرؓ نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سرکہ بھی کیا ہی اچھا سالن ہے۔ نعم الادام الخلل، اس حدیث کی تشریح باب کی پہلی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ یہ حدیث مسلم، احمد اور تینوں ائمہ نے نقل کی ہے، و هو حلیث مشہور کاد ان یکون متواتراً۔ (مواہب ص ۱۲۰) (یہ حدیث مشہور بلکہ متواتر کے قریب ہے)

(۱۲۸/۴) حَدَّثَنَا هَنَادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قَلَابَةَ عَنْ زُهَيْمِ الْجَرْمِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى فَإِنِّي بِلَحْمٍ دَجَاجٍ فَتَنَحَّى رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَالِكٌ قَالَ إِنِّي رَأَيْتُهَا تَأْكُلُ شَيْئًا نَتْنَا فَحَلَفْتُ أَنْ لَا أَكُلَهَا قَالَ أَذُنُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ہناد نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت وکیع نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت سفیان اور اس نے ایوب سے اور انہوں نے ابو قلابہ سے سنی۔ انہوں نے یہ روایت زہیم جرمی سے روایت کی، جو کہتے ہیں کہ میں ابو موسیٰ اشعرؓ کے پاس تھا، ان کے پاس کھانے میں مرغی کا گوشت آیا۔ مجمع میں سے ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا۔ ابو موسیٰ نے اس سے ہٹنے کی وجہ دریافت کی، اُس نے عرض کیا کہ میں نے مرغی کو گندگی کھاتے دیکھا تھا۔ اس لئے میں نے مرغی کھانے سے قسم کھا رکھی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ آؤ اور بے تکلف کھاؤ میں نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نوش کرتے دیکھا ہے۔ اگر نا جائز یا ناپسند ہوتی، تو حضورؐ کیسے تناول فرماتے۔



راویان حدیث (۳۵۰) ابوقلابہؒ اور (۳۵۱) زہدؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

قال کنا عند ابی موسیٰ فاتی بلحم دجاج..... الخ، اُنہی مجہول کا صیغہ ہے۔ بمعنی جنہی کے، دجاج کی دال پر تینوں حرکتیں جائز ہیں، لیکن زیادہ صحیح دال کا فتح ہے اور یہی مشہور ہے، معنی مطلقاً جنس مرغ ہے۔ خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔ ونقل میرک عن الشیخ ان الدجاج اسم جنس وهو مثلث الدال (جمع ص ۲۴۷) بعض نے کہا کہ دال کے ضمہ کے ساتھ ضعیف ہے، بعض نے کہا دجاج (کسرہ کے ساتھ) صرف مذکر کے لئے بولتے ہیں، جس کی واحد دیک ہے، دجاج (فتح کے ساتھ) صرف مؤنث کے لئے بولتے ہیں جس کی واحد دجاجة آتی ہے۔ یہ دج یدج، باب نصر سے ہے، اذا بالغ فی السیر سریعاً (جب جلدی سے چلنے میں مبالغہ ہو) (جمع ص ۲۴۷) وسمیٰ به لاسراعہ فی الاقبال والادبار (اور اس کو دجاج اس لئے کہتے ہیں کہ آنے اور ہٹنے میں جلدی کرتا ہے) (مناوی ص ۲۴۷) حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس طعام لایا گیا، جس میں مرغی بھی تھی، والمعنیٰ انہ اتی بطعام فیہ دجاج (جمع ص ۲۴۷)

### اجتماع احباب یا صحبت صالح :

کنا عند ابی موسیٰ سے یہ بھی مدلول ہوتا ہے کہ قوم کے چند افراد اور احباب ایک مہربان و مخلص کے پاس جمع ہوں، یا شاگرد استاد کے پاس یا مرید شیخ کے پاس، غرض افادہ و استفادہ اور باہمی محبت ہو، تو یہ جائز ہے، و فیہ مشروعیۃ اجتماع القوم عند صدیقہم۔ (مناوی ص ۲۴۷) (اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مقصد کے لئے دوست و احباب کا اجتماع جائز اور مشروع ہے)

فتنخی رجل من القوم : تنخی نحو سے ہے بمعنی طرف کے، ای صائر الی طرف من القوم و تباعد، یہ ایک طرف کھسک کر دور ہو گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ جل سے مراد خود زہد ہیں مگر اکثر محدثین نے اس توجیہ کو مرجوح قرار دیا ہے۔

قال مالک : تو حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے۔ استنفہام متضمن للاحتکار ہے یعنی ایسی کوئی چیز ہے یا باعث ہے، جس نے تجھے تجھی (ذوری) پر مجبور کر دیا ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا کہ انسی رأیتھا ای جنسھا او عینھا او شخصھا، یعنی میں نے خود اسے یا اس کی نوع کو قاذورات (گندگی) کھاتے دیکھا ہے۔ تآکل شینا ای من القاذورات اور بعض نسخوں میں نینا کی تصریح ہے، جو شینا سے بدل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے کے وقت کسی کے پاس چلا جانا ممنوع نہیں ہے، جب یہ معلوم ہو کہ جس کے پاس جا رہا ہوں، وہ خوش ہوگا۔

### میزبان کا اخلاقی فرض :

اور صاحب طعام کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ مہمان سے پوچھے کہ تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے ہو۔ فحلفت ان لا اکلھا، پس میں نے قسم کھالی کہ مرغی نہیں کھاؤں گا اور ظاہر ہے کہ یہ قسم طبعی کراہت کی وجہ سے تھی، نہ یہ کہ مرغی حرام ہے ”لا لتوهم حرمة“ اور ظاہر ہے کہ یہ صاحب تابعین سے تھے، خیر القرون کا دور تھا۔ صحابہ کرامؓ حیات تھے، یہ سب اس بات کے قطعی قرائن ہیں کہ بغیر دلیل کے وہ کیسے حلال چیز کو حرام قرار دے سکتے ہیں مع ان الطعام مطبوخ فی بیت ابی موسیٰ۔ (جمع ص ۲۳۸) باوجودیکہ وہ کھانا ابو موسیٰ اشعریؓ کے گھر پکا یا گیا تھا۔

### اتباع رسولؐ ہی اصل فطرت ہے :

قال ادن، حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا، قریب آبا یئ: الدنو سے امر ہے، ای قرب وخالف طبعک وتابع شرعک، (یعنی نزدیک ہو جائے اور شریعت کی تابعداری کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی طبیعت کی مخالفت کیجئے) فانی رأیت... الخ، یعنی میں نے خود حضور اقدس ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ لہذا اتباع ہوئی کے بجائے آپؐ کی اتباع ہی انب ہے۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ہواہ تبعاً لما جنت بہ۔ (یعنی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے خواہشات اس دین اسلام کے تابع نہ ہوں جسکے ساتھ میں آیا ہوں) اسی طرح آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے، جسے امام نوویؒ نے

اربعین میں نقل کیا ہے۔ اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرہا خیراً منها فأت بالذی ہو خیر و کفر عن یمینک رواہ الشیخان۔ (یعنی اگر تو کسی کام کی قسم اٹھالیں پھر اسکے علاوہ میں بہتری ہو تو پھر وہی کام کریں جس میں بھلائی ہے اور اپنی قسم (توڑنے) کا کفارہ دیں یہ بخاری اور مسلم دونوں کی روایت ہے) مقصد یہ کہ مومن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع مقصود ہے۔ صاحب اتحافات کے الفاظ یہ ہیں۔ المطلوب من المومن ان یکون هو اه تبعاً لما جاء به نبیہ۔ (اتحافات ص ۲۱۰)

### شریعت، طبیعت پر مقدم ہے :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے طبعی کراہت کی وجہ سے کسی چیز کے نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے اور وہ شے شرعاً مکروہ نہیں ہے، تو اسے اپنی قسم توڑ دینی چاہیے۔ علامہ مناویؒ اس کا تذکرہ اس عبارت میں فرما رہے ہیں۔ وینبغی حنث من حلف علی ترک شئی اعتادت نفسہ کراہتہ لامر غیر مکروہ شرعاً۔ (مناوی ص ۲۳۸) البتہ اگر کسی نے طلاق کا حلف لیا ہے، تو اسے حنث کی سعی نہیں کرنی چاہیے۔ خاص کر جب کہ وہ تیسری طلاق ہو، اسی طرح اگر کسی نے اپنے غلام کے آزاد کرنے کا حلف لیا ہے، تو اسے حانث ہونے سے بچنا چاہیے۔ خاص کر جب وہ اس سے خدمت لینے کا م کاج اور دیگر امور میں محتاج ہو۔

### مرغی کے گوشت کے فائدے :

مرغی کے بارے میں ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ ولحم الدجاج حار رطب فی الاولیٰ خفیف علی المعدة سریع الهضم جید الخلط یزید فی اللماغ والمنی ویصفی الصوت ویحسن اللون ویقوی العقل ویولد دماً جیداً وهو مائل الی الرطوبة ویقال ان ادامة اكله یورث النقرس (هو ورم يحدث فی مفاصل القلمین) ولا یشیت ولحم الدیوک اسخن مزاجاً وقل رطوبة (مناوی ص ۲۳۸) اور مرغی کا گوشت ابتداءً گرم مرطوب ہے معدہ پر ہلکا اور زود ہضم ہے دماغی قوت اور منی بڑھاتا ہے اور آواز کی خوبصورتی اور رنگ نکھارتا ہے عقل کو قوی مضبوط اور اچھا خون پیدا کرتا ہے قدرے مرطوب ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے دائمی طور پر کھانے سے نفرس کی بیماری (یعنی قدموں کے جوڑوں میں

ورم پیدا ہو جانا) پیدا ہوتی ہے اور مرغوں کا گوشت مزاجاً سخت گرم اور رطوبت میں کمی ہے۔

### جلالہ کا مسئلہ :

یہاں ایک اور مسئلہ کی وضاحت بھی ضروری ہے، جسے فقہ اور شروحات حدیث میں ”جلالہ“ کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے، اگر کوئی بڑا جانور مثلاً بکری، بھینٹ، دنبہ اور گائے وغیرہ کو گندی نجس اور غلیظ اشیاء کھانے کی لت پڑ جائے، تو اس کا گوشت کھانا مکروہ ہو جاتا ہے۔ نجس اور غلیظ اشیاء کھانے والے جانوروں کی قوتِ شامہ نجس ہو جاتی ہے اور انہیں پاک، صاف، ستھری اور عمدہ اور اچھی خوراک پسند ہی نہیں آتی، بلکہ وہ ہمیشہ گندی اشیاء اور نجس چیز میں منہ مارتے پھرتے ہیں۔ ایسے جانوروں کو ”جلالہ“ کہتے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ انہیں ذبح سے قبل دس روز تک محبوس رکھا جائے اور پاکیزہ خوراک کھلائی جاتی رہے۔ اس عرصہ میں ان کے جسم میں نجاست اور گندگی زائل ہو جائیں گے۔

جلالیت (جلالہ ہونا) ختم ہو جائے گا اور ان کے گوشت سے کراہت کا حکم بھی سلب ہو جائے گا اور اگر وہ چھوٹا جانور ہے، مرغی وغیرہ تو ان کو بھی تین روز تک محبوس رکھ کر گندی اور غلیظ اشیاء کے کھانے سے روک دیا جائے اور پاکیزہ غذادی جاتی رہے، تو اس سے بھی کراہت زائل ہو جاتی ہے اور تین روز بعد بلا کراہت کے جائز ہے۔ تاہم یہ بھی یاد رہے کہ مرغی بالعموم جلالہ کے حکم میں نہیں آتی۔ لہذا اس کا گوشت بھی بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ ایسی مرغی جو گندگی کھانے کی عادی ہو گئی ہو، یا غلاظت ہی پر چھوڑ دی گئی ہو، تو وہ جلالہ ہے اور اس کو تین روز تک محبوس رکھنا مامور بہ ہے۔ حضرت موسیٰ اشعریؑ نے بھی اُن صاحب کو عملاً یہی مسئلہ بتایا کہ مرغی کا گوشت بالعموم بلا کراہت کے جائز ہے اور ہر مرغی جلالہ کے حکم میں نہیں ہے۔ وما ورد من انہ عملی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یاکل دجاجة امر بها فربطت ایامانہم یا کھلا بعد ذلک انساھو فی الجلالۃ فکان یقصرھا حتی ینھب اسم الجلالۃ عنھا (مواہب ص ۱۲۰) اور وہ جو حدیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کھانے کا ارادہ فرماتے تو پھر اسکو چند دن باندھ کر رکھنے کا حکم فرماتے پھر اسکو (ذبح کرنے کے بعد) تناول فرماتے تو آپ کا یہ ارشاد جلالہ مرغی کے متعلق تھا (نہ کہ مرغی کے لئے) چنانچہ اسے چند دن

بند کر دیتے تاکہ جلالہ کا نام اس سے زائل ہو جائے۔

(۱۳۹/۵) حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْأَعْرَجِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَهْدِيٍّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُمَرَ بْنِ سَفِينَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ أَكَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حُبَارَى.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث فضل بن سہل اعرج بغدادی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابراہیم بن عبد الرحمن بن مہدی نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابراہیم بن عمر بن سفینہ سے ان کے باپ (عمر) اور دادا کے حوالے سے روایت کی۔ حضرت سفینہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حباری کا گوشت کھایا ہے۔

راوی حدیث (۳۵۱) سفینہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### حباری کا معنی تعین :

اکلت مع رسول اللہ علیہ وسلم لحم حباری: حباری ایک پرندہ ہے۔ اس کے ترجمہ میں علماء مختلف ہوئے ہیں۔ بعض نے تعذری کیا ہے، بعض نے بیڑ اور بعض نے سرخاب اور بعض مترجمین نے چکا چکوئی کہا ہے۔ محیط اعظم میں لکھا ہے کہ حباری کو فارسی میں ہو برہ اور شوات اور شوال کہتے ہیں ترکی میں تعذری اور ہندی میں چرز کہتے ہیں۔ جنگلی پرندہ ہے، جس کا رنگ خاکی اور گردن بڑی اور پاؤں لمبے اور چونچ میں تھوڑی سی لمبائی ہوتی ہے۔ بہت تیز اڑتا ہے۔ جیسے علامہ ملا علی قاری بھی یہ لکھتے ہیں کہ هو طائر کبیر العنق رمادی اللون فی منقارہ الطول، لحمہ بین لحم البط والدجاج وهو اخف من لحم البط (جمع ص ۲۳۹) اُس کو جرج بھی کہتے ہیں۔ یونانی لوگ اس کو غلوفس کہتے ہیں، بَشہ میں کونج اور مرغابی کے درمیان ہوتا ہے۔ صاحب لغات الصراح نے بھی حباری کا ترجمہ شوات لکھا ہے اور مظاہر حق میں تعذری لکھا ہے۔ حباری کا ترجمہ اور حضرات نے بھی تعذری اور چرز لکھا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس کو سرخاب بھی کہتے ہیں، لیکن صاحب محیط نے سرخاب جس کو چکوه بھی کہتے ہیں،

دوسرا پرندہ لکھا ہے اور صاحب نفائس نے چکواہ اور سُرخاب کی عربی نِخام لکھی ہے۔ اس لئے اقرب یہی ہے کہ سُرخاب دوسرا جانور ہے۔ (خصائل ص ۸۸)

### حباری کی خصوصیات اور دیگر احادیث میں ذکر :

وقال ابن القيم ولحم الحباری حاربا بس بطنی الانهضام نافع لا صحاب الریاضة والتعب. (علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حباری پرندے کا گوشت گرم خشک اور دیر ہضم ہے البتہ محنت مزدوری اور تھکے ماندے لوگوں کے لئے مفید ہے) (مناوی ص ۲۳۹) شیخ عبدالرؤفؒ کہتے ہیں کہ زین الحافظؒ فرماتے ہیں۔ کہ مصنفؒ نے اس باب ذکر حباری میں صرف ایک روایت حضرت سفینہؓ کی نقل کی ہے۔ وفیه عن انس رواه ابن عدی فی الکامل قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطیر حباری فقال اللهم انتی برجل یحب اللہ ورسولہ اویحبه اللہ ورسولہ فاذا علی یقرع الباب فقال انس رسول اللہ مشغول ثم اتی الثانیة فقال رسول اللہ مشغول ثم اتی الثالثة فقال یا انس ادخله فقد عینته. (مناوی ص ۲۳۹) حالانکہ اس سلسلہ میں تو حضرت انسؓ سے بھی ایک روایت ہے جسے ابن عدی نے (اپنی کتاب) الکامل میں ذکر کیا ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حباری پرندہ لایا گیا تو آپؐ نے فرمایا اے اللہ کوئی ایسے آدمی کو لے آئیں جسکو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ کے ساتھ محبت ہو یا پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو اسکے ساتھ محبت ہو۔ تو اچانک اس دوران حضرت علیؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا حضرت انسؓ نے اسکو فرمایا کہ حضورؐ (اس وقت) مشغول ہیں پھر وہ دوبارہ آئے تو حضرت انسؓ نے کہا کہ آپؐ مشغول ہیں پھر جب تیسری بار آئے تو حضورؐ نے فرمایا اے انس اسکو داخل ہونے کی اجازت دے دیجئے اب تو اسکو تھکا دیا ہے)

### عمدہ کھانا عین سنت ہے :

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عمدہ کھانا جب اللہ نے دیا، خلاف سنت نہیں ہے بلکہ عین سنت ہے جبکہ شکر کے ساتھ کھایا جائے۔ بعض لوگ اللہ کے دیئے ہوئے کے باوجود سب کچھ ہونے کے باوجود مرچ اور نمک اور پانی کا شور بائنا کر کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ یہ نعمت باری تعالیٰ کی تو ہیں

ہے اور و اما بنعمة ربك فحدث (اور جو نعمت تیرے پروردگار کی ہے پس بیان کر) کے خلاف ہے، یہ تصوف نہیں بلکہ من گھڑت اعمال ہیں۔ تصوف وہ معتبر ہے جو شریعت کے عین مطابق ہو۔ قرآن مجید اور احادیث میں کثرت سے اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا تذکرہ ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اس سلسلہ میں چند استشادات کا ذکر کیا ہے، جن کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں قل من حرم زينة الله اخرج لعباده والطيبات من الرزق، وقال عز وجل يا ايها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحاً ومن دعائه عليه السلام اللهم اجعل حبك احب الي من الماء البارد وقال السيد ابو الحسن الشاذلي الذي يشرب الماء البارد ويحمد الله من وسط قلبه اتم من حالة الصبر وقد كان سفیان الثوري اذا سافر حمل معه في سفرته اللحم المشوى والقلودج انتهى نعم اذا لم يوجد فمقامه الصبر وبهما يتم مقام الرضا بالقضاء وهو باب الله الاعظم وقد قال تعالى ورضوان من الله اكبر (جمع ص ۲۵۰)

(اے نبی تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے پیغمبر تم نفیس (ستھری) چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہوا کرتی کہ اے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا دے اور سید ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ٹھنڈا پانی پی کر اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف دل کی گہرائی سے کرتا ہے۔ یعنی شکر کا مرتبہ صبر کے مرتبہ سے کمال میں زیادہ ہے اور سفیان ثوریؒ جب سفر پر جاتے تو اپنے سفر (دستر خوان) میں بھنا ہوا گوشت اور فالودہ بھی ساتھ لے جاتے تھے (یعنی کھانے کی ضروری اشیاء کے علاوہ تلذذ کی چیزیں بھی ساتھ ہوتیں) ہاں اگر کوئی چیز بھی (کھانے کی) موجود نہ ہو تو پھر تو مقام صبر کے سوا چارہ ہی نہیں اور ان دونوں (صبر و شکر) ہی کیساتھ رضا بالقضاء کا مقام و مرتبہ پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے اور درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا بڑا باب ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سے رضامندی بھی بہت بڑی چیز ہے)

(۱۵۰/۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ زُهْدِ الْجُرُمِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى قَالَ فَكَلِمَ طَعَامُهُ وَقُلِمَ فِي طَعَامِهِ لَحْمٌ دَجَاجٍ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمٍ اللَّهُ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مَوْلَى قَالَ فَلَمْ يَذَنْ فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى أَذْنُ فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ مِنْهُ قَالَ إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَفَلَرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَا أَطْعَمَهُ أَبَدًا.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ایوب سے اور انہوں نے قاسم تیمی سے روایت کی۔ وہ یہ روایت زہد جرمی سے نقل کرتے ہیں۔ زہد کہتے ہیں کہ ہم ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس تھے، ان کے پاس کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت بھی تھا۔ مجمع میں ایک آدمی قبیلہ بنو تیم اللہ کا بھی تھا، جو سرخ رنگ کا تھا۔ بظاہر آزاد شدہ غلام معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے یکسوئی اختیار کی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے اُسے متوجہ ہونے کو کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرغی تناول فرمانے کا ذکر کیا۔ اس نے عذر کیا کہ میں نے اس کو کچھ ایسی ہی چیز کھاتے دیکھا، جس کی وجہ سے مجھے اس سے کراہت آتی ہے، اس لئے میں نے اسے نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔

راوی حدیث (۳۵۳) القاسم التمیمیؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔  
حدیث کی تشریح :

یہ حدیث پہلے بھی اسی باب میں چوتھے نمبر پر بیان ہو چکی ہے۔ صرف سند میں قدرے اختلاف ہے۔ تاہم دونوں میں اصل راوی زہد جرمیؒ ہیں۔ گذشتہ روایت میں مرغی کے گوشت کے کھانے سے کراہیت کرنے والے کا نام نہیں بتایا گیا تھا۔ یہاں اشارۃً توضیح کی گئی ہے کہ وہ سرخ رنگ کا آدمی تھا، جس کا تعلق تیم اللہ سے تھا۔ اور وہ کسی کا آزاد کردہ غلام معلوم ہوتا تھا۔ وکل ما اضيف فی هذه الرواية تحلید للرجل الذی تنحی وهو من بنی تیم اللہ، وهو حی من بکر، ومعنی تیم اللہ عبداللہ (اور جو کچھ اس روایت میں بیان ہوا وہ دراصل اس شخص کی تحدید و تعین کرنا ہے جو مرغی کھاتے کراہت کرتے ہوئے) یکسو ہو گیا تھا اور وہ بنی تیم اللہ کے قبیلہ سے تھا اور وہ بنو بکر میں سے



ایک قبیلہ ہے اور تیم اللہ کا معنی عبد اللہ ہے)۔ (اتحاف ص ۲۱۲)

(۱۵۱/۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ وَأَبُو نُعَيْمٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ يُقَالُ لَهُ عَطَاءٌ عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت ابو احمد زبیری اور ابو نعیم نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس یہ روایت سفیان نے اور ان کے پاس عبد اللہ بن عیسیٰ نے بیان کی۔ وہ یہ روایت اہل شام میں سے ایک شخص عطاء کے حوالے سے بیان کرتے ہیں اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابواسیدؓ سے روایت کی تھی۔ ابواسید کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھانے میں بھی استعمال کرو اور مالش میں بھی۔ اس لئے کہ بابرکت درخت کا تیل ہے۔

راویان حدیث (۳۵۳) عبد اللہ بن عیسیٰؓ (۳۵۵) عطاء الساہلیؓ اور (۳۵۶) ابی اسیدؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### ترجمہ الباب سے مناسبت :

کَلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ: ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ زیتون کو روٹی کے ساتھ استعمال کیا جائے اور یہی ادا م ہے، المرادھنا اکل الزيت مع الخبز فهو الادام (اتحاف ص ۲۱۲) زیت پھل کو بھی کہتے ہیں اور اس کے تیل کو بھی۔ لہذا یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ زیتون تو مانع ہے، اسے کھانے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں ہے۔ ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں ومناسبة الحديث للباب ان الامر باكله يستدعي اكله صلى الله عليه وسلم وما احب الاكل منه. (اور باب سے حدیث کی مناسبت بایں معنی ہوئی کہ آپؐ کا زیت کو کھانے کا حکم اس امر کا مقتضی ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھایا ہوگا یا یہ کہا جائیگا کہ

ترجمہ الباب سے ہر اس چیز کی معرفت مقصود ہے جس سے آپؐ نے یا تو کھایا ہو یا اس سے کھانے کو پسند کیا ہو۔ (جمع ص ۲۵۲) واھنو ابہ : اھنان سے امر ہے ہوہو استعمال اللھن یعنی تیل وغیرہ کا استعمال کرنا۔ (جمع ص ۲۵۱) یہ امر استحباب کے لئے ہے اور مستحب بھی اس شخص کے لئے ہے جو زیتون کے استعمال پر قادر ہو۔

### زیتون، مبارک درخت ہے :

فانہ من شجرة مباركة، جیسا کہ قرآن میں ہے۔ زیتونہ لاشرقیة ولا غربیة یکاد زیتھا یضنی ولولم تمسسه النار (وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف قریب ہے اسکا تیل کہ روشن ہوا اگر چہ نہ لگی ہو اس میں آگ) زیتون کے تیل کو برکت سے موصوف کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ شجرہ مبارکہ سے نکلتا ہے اولاً نہا تنبت بالارض المقدسة الی بورک فیہ (مناوی ص ۲۵۲) اور یا اس لئے کہ زیتون، ایک مقدس اور پاک زمین جس میں برکت ڈال دی گئی تھی پیدا ہوتی ہے۔

ملک شام جہاں کم و بیش ستر (۷۰) انبیاء کرام مبعوث ہوئے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کا قدوم سینت لزوم ہے۔ ان ہی حضرات کی وجہ سے یہ زمین مقدسہ کہلائی اور وہاں کا معروف اور مشہور درخت ”زیتون“ بھی با برکت اور مبارک کہلایا۔ زیتون پہلا درخت ہے جو دنیا میں سب سے پہلے پیدا ہوا۔ و اول شجرة نبت بعد الطوفان۔ (یہ زیتون وہ پہلا درخت ہے جو طوفان نوح کے بعد پیدا ہوا۔ (مواہب ص ۱۲۲) انبیاء کرامؑ نے اس کے لئے برکت کی دعا کی منھم ابراہیم علیہ السلام ومنھم محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانہ قال اللھم بارک فی الزيت والزیتون مرتین کثافی التفسیر القرطبی۔ (مواہب ص ۱۲۲) ان ہی میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں آپؐ نے فرمایا اے اللہ برکت نازل فرما زیتون میں یہ کلمات آپؐ نے دو دفعہ ارشاد فرمائے اسی طرح تفسیر قرطبی میں ہے۔

### زیتون کے برکات :

اس میں ادا م کی صلاحیت بھی ہے اور سدھن کی بھی، شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں۔

لان اللہن بہ فی البلاد الحارۃ من اسباب حفظ الصحۃ واما البلاد الباردة فضار۔ (اور گرم ملکوں میں اسکے تیل کا استعمال صحت کا محافظ ہے البتہ جو ٹھنڈے ملک ہیں تو ان میں اس کا استعمال مضر اور نقصان دہ ہے) (اتحاف ص ۲۱۳) البتہ سردیوں میں سر کی مالش سے بینائی کو نقصان ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ زیتون میں بہت منافع ہیں۔ اس کا تیل جلانے کے کام آتا ہے، کھایا جاتا ہے، ملا جاتا ہے، دباغت میں استعمال ہوتا ہے، ایندھن جلانے کا کام آتا ہے، حتی الرمداد یغسل بہ الابریشم (المواہب ص ۱۳۲) انتہائیہ کہ اسکی راکھ میں بھی یہ فائدہ کہ اس کے ساتھ ابریشم دھویا جاتا ہے۔

زیتون کا درخت ہر لحاظ سے بابرکت ہے۔ اس کی ہر چیز کارآمد ہے۔ اس کا سایہ بھی پھیلا ہوا اور گھنا ہوتا ہے۔ چالیس سال کے بعد پھل لاتا ہے۔ بعض کی عمر ہزار برس ہوتی ہے۔ اُن میں بعض درخت اڑھائی ہزار سال کی لمبی عمر پائے ہوئے ہیں۔ یونانیوں کے زمانہ کے لگائے ہوئے بعض درخت اب تک موجود ہیں۔ اسکے پھل کھانوں میں ڈال کر انہیں مزید مرغوب اور خوش ذائقہ بنا دیتے ہیں۔ زیتون کا تیل انسانی پٹھوں کے لئے نافع، فالج کے مریضوں اور بڑی عمر کے لوگوں کے لئے اس کی مالش مفید ہے۔ ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے، فان فیہ شفاء من سبعین داء منها الجذام (جمع ص ۲۵۲) (یعنی زیتون کے تیل میں ستر بیماریوں کی شفا ہے۔ ان میں سے ایک جذام بھی ہے)

(۱۵۲/۸) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتِ وَأَدْهِنُوا بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَكَانَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ يَضْطَرِبُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فَرُبَّمَا أَسْأَلُهُ وَرُبَّمَا أَرْسَلَهُ.

حَدَّثَنَا السَّنَجِيُّ وَهُوَ أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ مَعْبِدٍ الْمُرُوزِيُّ السَّنَجِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ زَيْدِ ابْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عُمَرَ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبدالرزاق کے ذریعے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے معمر نے بیان کیا اور انہوں نے زید بن اسلم سے ان کے باپ کے حوالے سے نقل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور مالش میں استعمال کرو۔ اس لئے کہ وہ ایک مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تشریح و توضیح گذشتہ حدیث میں آگئی ہے کہ دونوں کے الفاظ ایک ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ رواہ الترمذی عن عمر، ورواہ احمد والترمذی والحاکم عن ابی اسید، ورواہ ابن الماجة والحاکم عن ابی ہریرۃ ولفظہ کلوا الزيت وادھنوا بہ فانہ طیب مبارک۔ (جمع ص ۲۵۲) اسکو امام ترمذیؒ نے حضرت عمرؓ سے اور احمد اور ترمذی اور حاکم نے حضرت ابی اسید سے اور ابن ماجہ اور حاکم نے ابو ہریرہؓ سے جسکے الفاظ کلو الزيت وادھنوا فانہ طیب مبارک۔ (کہ زیتون کو کھاؤ بھی اور مالش بھی کرو یہ مبارک خوشبو ہے)

قال ابو عیسیٰ ! اس حدیث کی سند میں امام ترمذیؒ اور امام عبدالرزاق اس روایت کو کبھی مسند اور کبھی مسلاً بیان کرتے ہیں۔ جس سے ایک گونہ اضطراب سا معلوم ہوتا ہے۔ تاہم انہوں نے اس روایت کو قبول کیا ہے۔ اسی حدیث کے ہم معنی دوسری حدیث کی روایت بھی امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے، مگر اسی کی سند میں حضرت عمر کا نام ذکر نہیں ہوا۔ یہ گویا اس کی سند پر دوسری جرح ہے۔

### حدیث مضطرب کی تعریف :

اعلم ان المضطرب هو الذی یختلف الرواة فیہ فیروہ بعضہم علی وجہ وبعضہم علی وجہ آخر مخالف لہ ویقع الاضطراب فی الاسناد تارة فی المتن اخری وفيہما اخری من راو واحد او اکثر ثم ان امکن الترجیح بحفظ رواة احدى الروایتین او کثرة صحبة المروى عنه او غیر ذلک فالحکم للراجح ولا اضطراب حينئذ والا فمضطرب يستلزم الضعف۔ (جمع ص ۲۵۲)

(جاننا چاہیے کہ حدیث مضطرب وہ ہے جس میں راوی حضرات مختلف طرق سے روایت کریں پس ان

میں بعض تو اسکی روایت ایک طریقہ سے کریں اور دوسرے پہلے کے مخالف کس دوسرے طریقے پر کریں پھر یہ اضطراب کبھی صرف سند ہی میں ہوتا ہے اور کبھی متن سند میں اور کبھی دونوں میں نیز کبھی ایک راوی سے اور کبھی اس سے زیادہ راویوں سے اب اگر وہاں دو روایتوں میں سے ایک روایت کے راویوں کے حفظ و یادداشت کاملہ کی وجہ سے یا چونکہ اس راوی کی مروی عنہ سے کثرت صحبت ہوئی یا کسی دوسری وجہ سے ترجیح دینا ممکن ہو تو پھر اصل حکم اسی رائج روایت کا ہوگا اور گویا اسوقت اضطراب ہی نہ رہا اور اگر یہ وجوہ ترجیح نہ ہوں تو پھر حدیث مضطرب اور ضعیف ہوگی۔

(۱۵۳/۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ النَّبَاءُ فَأَتَانِي بِطَعَامٍ أَوْ دَعَانِي لَهُ فَجَعَلْتُ اتَّبَعُهُ فَأَضَعُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ لِمَا أَعْلَمُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن جعفر اور عبدالرحمن بن مہدی نے بیان کیا، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت شعبہ نے قتادہ سے اور انہوں نے خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا آیا، یا حضور کسی دعوت میں تشریف لے گئے۔ جس میں کدو تھا، چونکہ مجھے معلوم تھا کہ حضور کو یہ مرغوب ہے، اس لئے اس کے قتلے ڈھونڈ کر میں حضور کے سامنے کر دیتا تھا۔“

حضور اقدس ﷺ کو کدو پسند تھا :

كان النبي صلى الله عليه وسلم يعجبه الدباء : تعجب سے مراد استحسان اور پسندیدگی ہے۔ جیسے صاحب مواہب یہ کہتے ہیں کہ ”والمрад بالصعب هنا الاستحسان والاخبار عن رضا به“۔ (مواہب ص ۱۲۳) الدباء: دال کے ضمہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ کدو کو کہتے ہیں اور کدو کی درخت بیل کو بھی۔ القرع: وهو ثمر شجر اليقطين (اتحافات ص ۲۱۴) (قرع کا معنی کدو

کی تیل کا شجرہ (میوہ کدو) اس کا قرآن میں بھی ذکر آیا ہے۔ قال تعالیٰ وابتنا علیہ شجرة من یقطین اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور ہم نے یونس علیہ السلام پر کدو کی تیل پیدا کر دی۔ البتہ لغویوں سے تصریح کی ہے کہ یقطین ”ملا ساق له من الاشجار“ (درختوں میں سے جس کا تانہ ہو) فیکون اعم من القرع. (اتحافات ص ۲۱۷) تویقطین قرع سے عام ہوئی۔

### کدو کیوں پسند تھا ؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو پسند تھا؟ شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ کدو کھانے سے عقل میں تیزی، دماغ میں قوت، حافظہ میں طاقت اور سالن میں خوش ذائقہ اور مرغوبیت پیدا ہوتی ہے۔ شیخ البیجریؒ فرماتے ہیں :

و سبب کون النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعجبه الدباء ما فیہ من زیادة العقل والرطوبة و کونه سریع الانحدار و کونه ینفع المحرور ویلثم المبرود و یقطع العطش و ینهب الصداع الحار اذا شرب او غسل به الرأس الی غیر ذلک. (مواہب ص ۱۲۳) (اور نبی کریمؐ کے کدو کو پسند کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس کے کھانے میں عقل کی زیادتی اور مرطوب وزوہضم ہے اور یہ کہ گرم مزاج والوں کے لئے مفید اور سرد مزاج کے لئے بھی مناسب ہے اور پیاس کو بجھاتا ہے اور اس کے پینے یا اس کے ساتھ سرد دھونے سے گرم بخار اور سردی کا خاتمہ ہو جاتا ہے) شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں :

”وسبب محبته..... وما خصه الله به من انباته علی یونس حتی وقاه و تربی فی ظله فکان له کالام الحاضنة لفرخها“. (مناوی ص ۲۵۳) کہ آپؐ کو کدو کیساتھ محبت (گذشتہ خصوصیات کے علاوہ) اس لئے بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تیل کو حضرت یونسؑ پر اسکی حفاظت کے لئے پیدا کیا اور وہ اس کے سایہ میں پرورش پاتے رہے تو وہ کدو کی تیل حضرت یونسؑ کے لئے بمنزلہ ایسی ماں کے جو اپنے بچے کی پرورش اور پوری حفاظت کرتی ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ کدو میں ایک چیز ایسی بھی ہے، جس کا راز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی

جانتے تھے۔ ”ما كان يلحظه من السر الذي اودعه الله فيه اذ خصصه بالانبات على اخيه يونس عليه السلام“ (یعنی وہ مخفی راز جو اللہ تعالیٰ اسکو حضرت یونسؑ پر پیدا فرما کر رکھا ہے) (جمع ص ۲۴۵) شیخ عبدالرؤفؒ نے غیلا نیات کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے :

”عن عائشة رضى الله عنها قالت قال لى رسول الله يا عائشة اذا طبختم قبرا فاكثروا فيهما من السباء فانه يشد قلب الحزين. (مناوی ص ۲۴۵) (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے آپؐ نے فرمایا اے عائشہ جب دہیگی میں سالن پکائیں تو اسمیں کدو کے قتلے زیادہ ڈالا کریں اس لئے کہ وہ غمگین شخص کے دل کو مضبوط کر دیتا ہے)

طعام میں خدمت و ایثار :

فتاویٰ بطعام اودعی له حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا یا آپؐ کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ راوی کو شک ہے، وھذا شک من انس او ممن دونه وقصره علی انس لا دلیل علیہ. (مواہب ص ۱۲۳) (اور یہ شک راوی حضرت انسؓ کو ہے یا اس سے نیچے راویوں کا البتہ اس شک کو حضرت انسؓ پر منحصر کرنے پر کوئی دلیل موجود نہیں)

فاضلہ بین یدیہ : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کدو کے قتلے چن چن کر آپؐ کے سامنے رکھتا رہا۔ میں جانتا تھا کہ آپؐ کو کدو بہت پسند ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان طعام میں بھی اپنے پر دوسرے کو ترجیح دیتا رہے، تو مستحسن ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ جب کھانے میں اشیاء مختلف ہوں۔ مثلاً ایک سالن میں کدو بھی ہے اور گوشت بھی، یا بھنڈی بھی ہے اور گوشت بھی یا آلو بھی ہے اور گوشت بھی وغیرہ، تو دوسرے کے سامنے سے کھایا اور اٹھایا جا سکتا ہے یا اگر دوسرا شریک طعام ساتھی بطیب خاطر تمہارے اس کے سامنے سے اٹھانے کو محسوس نہ کرے بلکہ تمہیں علم ہو کہ وہ خوش ہوگا، پھر بھی جائز ہے۔

”وهذا الحلیث يدل علی ندب ایثار المرء علی نفسه بما یحب من الطعام وجواز تقدیم بعضهم لبعض من الطعام المتقلم بشرط رضا المضيف (مواہب ص ۱۲۳) (اور یہ حدیث ایک شخص کا اپنی

ذات پر کسی دوسرے شخص کو کسی اچھے اور محبوب کھانے میں ایثار کے استحباب پر دلالت کر رہی ہے اور یہ کہ اگر میزبان کی رضامندی ہو تو پھر کوئی خاص چیز کھانے کیلئے دوسرے کو پیش کرنے کے جواز پر بھی)

(۱۵۴/۱۰) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ حَكِيمِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُ عَنْدهُ ذَبَابٌ يَقْطَعُ فَقُلْتُ مَا هَذَا قَالَ نُكْثِرُ بِهِ طَعَامَنَا قَالَ أَبُو عِيْسَى وَجَابِرٌ هَذَا هُوَ جَابِرُ بْنُ طَارِقٍ وَيُقَالُ ابْنُ أَبِي طَارِقٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَعْرِفُ لَهُ إِلَّا هَذَا الْحَدِيثَ الْوَاحِدَ وَأَبُو خَالِدٍ اسْمُهُ سَعْدٌ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت حفص بن غیاث نے اسماعیل بن ابی خالد کے واسطے سے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت حکیم بن جابر نے اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کی۔ جابر بن طارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کدو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے جا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کا کیا بنے گا۔ فرمایا کہ اس سے سالن میں اضافہ کیا جائیگا۔

راویان حدیث (۳۵۷) حفص بن غیاث (۳۵۸) اسماعیل بن ابی خالد (۳۵۹) حکیم بن جابر کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

سالن زیادہ پکا کے رکھنا :

دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم..... الخ يقطع: تقطيع سے ہے۔ بمعنی قاش قاش کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا، ای جعل الشنی قطعة قطعة وباب التفعیل للتکثیر۔ اور تفعیل کا باب تکثیر کے لئے آتا ہے۔ (جمع ص ۲۵۴) فقلت ما هذا، یہ سوال حقیقت شئی سے نہیں مطلب یہ ہے کہ اس کا فائدہ کیا ہوگا والمعنی ما فائدة كثرة تقطيعه۔ (جمع ص ۲۵۴)

تکثیر سے ہے ”وہو جعل الشنی کثیرا“ (جمع ص ۲۵۴) یعنی اپنا سالن زیادہ کرتے



ہیں۔ بعض نے کہا نکتہ: اکتار سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کا گھر میں شور بازیاہ رکھنے کا معمول تھا تا کہ وارد و صادر کی خدمت و تواضع اور پڑوسیوں کا حق جوار ادا کیا جاسکے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سالن پکانا اور اس سے متعلقہ امور انجام دینا زہد و توکل کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ تو معیشت میں میانہ روی اختیار کرنے کے مناسب ہے جس سے وصف قناعت حاصل ہوگی۔

ملا علی قاریؒ کے الفاظ یہ ہیں وفيہ دلیل علی ان الاعتناء بامر الطبخ وما یصلحہ لاینا فی الزہد والتوکل بل ینالہم الاقتصاد فی المعیشتہ المؤدی الی القناعة . (جمع ص ۲۵۴)

### امام ترمذی کی وضاحت :

قال ابو عیسیٰ ..... الخ، چونکہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ مشہور ہیں۔ حضرات صحابہ میں کثیر الروایۃ ہیں اور جب مطلق جابر کا ذکر ہو، تو مراد وہی ہوتے ہیں۔ والمطلق یصرف الیہ عند المحدثین . (اور جب مطلق جابر کا ذکر ہو تو محدثین کے نزدیک جابر بن عبد اللہؓ مراد ہوتے ہیں)۔ (جمع ص ۲۵۴) اس لئے امام ترمذیؒ نے تصریح کر دی کہ یہاں روایت میں جابر سے مراد جابر بن طارق ہیں۔

(۱۵۵/۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ إِنَّ خِيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَطْعَامٍ صَنَعَهُ قَالَ أَنَسٌ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مِنْ شَعِيرٍ وَمَرَقًا فِيهِ دُبَاءٌ وَقَلْبِدَاءٌ قَالَ أَنَسٌ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّبِعُ اللَّبَاءَ حَوْلَ الصَّخْفَةِ فَلَمْ أَزَلْ أَحِبُّ اللَّبَاءَ مِنْ يَوْمَئِذٍ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ ان کے پاس اسے مالک بن انس نے بیان کیا۔ انہوں نے اسے اسحاق بن عبد اللہ بن ابوطحہ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مرتبہ دعوت کی۔ میں بھی

حضورؐ کے ساتھ حاضر ہوا۔ اُس نے حضورؐ کی خدمت میں جو کی روٹی اور کدو گوشت کا شور با پیش کیا۔ میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ پیالہ کے سب جانبوں سے کدو کے ٹکڑے تلاش فرما رہے ہیں۔ اس وقت سے مجھے بھی کدو مرغوب ہو گیا۔

### بعض الفاظ کی تشریح :

فقال انس فلنبت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ..... الخ 'حضرت انس رضی اللہ عنہ اس دعوت میں تبعاً للنبی صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں شریک ہوئے۔ لکونہ خادمہ او بطلب مخصوص یا تو اس لئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور یا اسکو بھی مستقل دعوت دی گئی تھی۔ (مواہب ص ۱۲۳) قلید فعیل کے وزن پر ہے، بمعنی مفعول کے ای لحم مقدد والقند : القطع طولاً كالشق یعنی گوشت کا ٹکڑا جو لمبائی میں کاٹا اور چیرا گیا ہو جیسے پھن (جمع ص ۲۵۵) فیکون مملحاً مجففاً فی الشمس او غیرھا (مواہب ص ۱۲۳) اور پھر نمک لگائے ہوئے دھوپ یا کسی دوسری چیز کے ذریعہ خشک کیا جائے۔ رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يتبع البساء 'حوالی القصعة : (میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ کاسہ کے اطراف میں کدو کے ٹکڑے اور قاشیں تلاش فرما رہے تھے) بعض نسخوں میں القصعة کے بجائے الصفحة نقل ہوا ہے۔ القصعة : بڑے پیالے کو کہتے ہیں، جس میں دس آدمی بہ سہولت پیٹ بھر کر کھا سکیں۔ "اناء يشبع العشرة ومن اللطافات لا تكسر القصعة ولا تفتح الخزانة"۔ الصفحة : اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں پانچ افراد پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں۔ فہی التي تشبع الخمسة (مواہب ص ۱۲۳) مکيلة : وہ پیالہ جس میں دو آدمی کھانا کھا سکیں، اس سے چھوٹے کو صحيفة کہتے ہیں، جس میں ایک آدمی کھانا کھا سکے اور ان میں سب سے بڑے کو جفنة کہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصعة کے اطراف سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے نوش فرما رہے ہیں۔ حوالی القصعة : وهو مفرد اللفظ مجموع المعنى ای جوانبھا اور وہ لفظاً مفرد اور معنی جمع ہے یعنی اس کے اطراف۔ (جمع ص ۲۵۶)

## مسلمان کدو سے محبت کریں :

فلم ازل احب اللباء من یومئذ : حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس روز سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھے کدو سے محبت ہوگئی۔ ای محبة شرعية لا طبعیہ، جو چیز بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی، صحابہ کرامؓ اس کو محبت عقلی اور شرعی سمجھ کر پسند کرتے (نہ کہ طبعی طور پر)۔ حضرت انسؓ کی کدو سے محبت گویا آپؐ کی سنت سے محبت ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں، مسلمان کے لئے بہت ہی بہتر ہے کہ وہ کدو کو مرغوب سمجھے اور پسندیدہ غذا کے طور پر شوق و رغبت سے کھائے۔ اسی طرح ہر اس چیز کو پسند کرے، جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے۔ جیسے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ

وانه یسن محبة اللباء لمحبة رسول الله صلى الله عليه وسلم وكذا كل شئ كان يحبه ذكره النووي (جمع ص ۲۵۶) قال ابن عبد البر من صريح الايمان محبة ما كان المصطفى يحبه واتباع ما كان يفعله . (مناوی ص ۲۵۶) (علاء ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں خالص اور صریح ایمان کی علامت یہ ہے کہ ہر اس چیز سے محبت کی جائے جس سے حضور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم محبت فرماتے نیز جو آپؐ کیا کرتے تھے اسکی اتباع کی جائے)

## دعوت قبول کرنی چاہیے :

حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اعلیٰ اور عظمتوں والے لوگ اپنے سے کم درجے اور ادنیٰ لوگوں کے ہاں جا کر ان کا کھانا کھا سکتے ہیں۔ چاہے دعوت کرنے والے کسی کیوں نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرنا سنت ہے اور بے تکلف داعیوں کے ہاں اپنے خادم کو ساتھ لے جانا بھی مشروع ہے۔ جیسے کہ محشی مشکوٰۃ نے اس کو اس عبارت میں نقل کر دیا کہ :

وفی الحديث جواز كل الشريف طعام من دونه من محترف او غيره واجابة دعوته و مو اكلة الخادم وان كسب الخياط ليس بدني ملخصا من المرقاة۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۶۲) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ داعی حسب توفیق دعوت کا انتظام کرے نہ کہ تکلف بہت سے اشیاء کا اہتمام کر کے اپنے لئے باعث تفاخر سمجھے جیسے کہ صحابیؒ نے جو کی روٹی اور کدو کے قاشے ڈالے ہوئے شور با پیش

فرمایا۔ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک باب آگیا ہے کہ آپؐ کس قدر متواضع اور خلیق تھے۔ اپنے اصحابؓ پر کس قدر مہربان اور شفیق تھے۔

(۱۵۶/۱۲) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدُّورَقِيُّ وَسَلْمَةُ بْنُ شَيْبٍ وَمَحْمُودُ بْنُ غِيلَانَ قَالُوا أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحُلُوءَ وَالْعَسَلَ .

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن ابراہیم الدورقی، سلمۃ بن شیبہ اور محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ تینوں کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابو اسامہ نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہشام ابن عروہ سے اُن کے باپ کے واسطہ سے پہنچی۔

وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا اور شہد پسند تھا۔

راویان حدیث (۳۶۰) احمد بن ابراہیم الدورقیؒ اور (۳۶۱) ابو اسامہ حماد بن اسامہؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوہ اور شہد پسند تھا :**

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يحب الحلواء والعسل . حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حلوہ اور شہد بہت مرغوب تھے۔ حلوہ! شیریں میٹھا، ہر وہ چیز جس میں مٹھاس ہو، کل مافیہ حلاوة (اتحافات ص ۲۱۶) لہذا یہاں پر العسل کا عطف از قبیل ”عطف الخاص علی العام“ کہ عطف خاص عسل (شہد) کا عام حلوہ (میٹھے) پر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گڑ، شکر مروج نہیں تھے، بلکہ بعض حضرات نے تو تصریح کی ہے کہ آپؐ نے شکر نہیں دیکھی تھی۔ میٹھی چیز عموماً کھجور اور شہد سے تیار کی جاتی تھی۔ وقد تطلق علی الفاکهة وقال الثعالی الحلواء النبی کان یحبھا تمر یعجن بلبن. (مناوی ص ۲۵۶) (اور کبھی حلوہ کا اطلاق میوہ جات پر بھی ہوتا ہے امام ثعالیؒ

فرماتے ہیں کہ وہ حلوہ جسکے ساتھ آپؐ محبت کرتے تھے وہ تو ایسی کھجور جو دودھ میں ملائی اور گوندھی جائے

شیخ البیجوریؒ فرماتے ہیں، سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حلوہ بنایا اور آپؐ کی خدمت میں پیش کیا، جو باریک آٹے اور شہد سے تیار کیا گیا تھا۔ جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ”فاستطابہ“۔ (مواہب ص ۱۲۵)

حلوہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت شدت اشتہا اور لذت نفس کے لئے نہ تھی ..... بل لا استحسانہا‘ (بلکہ اسکے عمدہ ہونے کے لئے) لہذا اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عمدہ کھانے کی محبت تقویٰ اور زہد کے منافی نہیں ہے۔

ويؤخذ من هذا الحديث ان محبة الاطعمة النفيسة لا تنافي الزهد لكن بغير قصد .  
(مواہب ص ۱۲۵) (اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اور نفیس قسم کے کھانوں سے غیر ارادی محبت زہد و تقویٰ کے منافی نہیں)

(۱۵۷/۱۱۳) حَلَّلْنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّعْفَرَانِي أَخْبَرَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا قَرَّبَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنَابًا مَشْوِيًا فَآكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَمَا تَوَضَّأَ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسن بن محمد زعفرانی نے بیان کی۔ اُن کے پاس حجاج بن محمد نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن جریجؒ نے کہا مجھے محمد بن یوسف نے خبر دی کہ اُسے عطاء بن یسار نے خبر دی اور اُسے ام المؤمنین ام سلمہؓ نے بتایا۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے پہلو کا بھنا ہوا گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؐ نے تناول فرمایا اور پھر بلا وضو کئے نماز پڑھی۔

روایان حدیث (۳۶۲) الحسن بن محمد الزعفرانیؒ (۳۶۳) حجاج بن محمدؒ (۳۶۴) ابن جریجؒ (۳۶۵)

محمد بن یوسفؒ اور (۳۶۶) عطاء بن یسارؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## گوشت آپؐ کی محبوب غذا تھی :

انہا قربت ..... الخ، مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا ہے۔

جنباً کی بعض نے من شاة (بکری) کی تصریح کی ہے، مگر اس پر کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ الجنب: ماتحت الابطال الی الکشح (بغل کے نیچے سے پہلو تک) (اتحافات ص ۲۱۷) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت بھی پسند تھا۔ ابن ماجہ کی روایت ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللحم سید الطعام لاهل الدنيا والآخرة (گوشت دنیا و آخرت کے لوگوں کے لئے کھانوں کا سردار ہے)۔ (جمع ص ۲۵۸) دیگر روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت علیؑ سے مرفوعاً منقول ہے۔ سید طعام اهل الدنيا اللحم ثم الارز (جمع ص ۲۵۸) (اہل دنیا کے کھانوں کا سردار گوشت اور پھر چاول ہیں) ابو شمعان کہتے ہیں کہ میں نے علماء سے سنا ہے، فرماتے ہیں، کان احب الطعام الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللحم وهو یزید سبعین قوة وقال الشافعی اكله یزید فی العقل (جمع ص ۲۵۸) (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین کھانا گوشت تھا اور وہ انسان میں ستر قوتیں زیادہ کر دیتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ گوشت کا کھانا عقل میں زیادتی کا سبب ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گوشت رنگ کو صاف کرتا ہے۔ خلق میں حسن لاتا ہے جس نے چالیس روز تک گوشت نہ کھایا، ساء خلقه ذکره فی الاحیاء (جمع ص ۲۵۸) علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں گوشت کے کھانے پر مداومت نہیں کرنی چاہیے کہ اس سے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ وقال بقراط الحکیم لا تجعلو بطونکم مقابر للحيوان (مواہب ص ۱۲۵) (حکیم بقراط کہتے ہیں کہ اپنے پیٹوں کو حیوانوں کا قبرستان نہ بنائیے) اس حدیث کا ماقبل سے ربط ظاہر ہے کہ اس سے پہلے علوہ اور شہد کا بیان تھا اور اب گوشت کا تنبیہاً علی ان الثلاثة افضل الاغذية وانفعها للبطن والكبد والاعضاء ولا یغفر منها الا من به علة او آفة (جمع ص ۲۵۷) (ان تین چیزوں کے تذکرہ سے

یہ تنبیہ کرنی تھی کہ یہ تینوں (حلوہ شہد گوشت) غذاؤں میں افضل اور بدن و جگر اور دوسرے اعضاء کے لئے نافع اور مفید ہیں اور ان کے کھانے سے بیماریا کوئی آفت زدہ ہی متفر اور کراہت محسوس کریگا

قال ابن العربی وقد اكل صلى الله عليه وسلم الحنيد، اى المشوى والقديد والحنيد اعجل اللحم والذنه. (اتحافات ص ۲۱۷) ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھنا ہوا گوشت کھایا ہے۔ نیز خشک اور بھنا ہوا گوشت پکنے میں جلدی اور کھانے میں لذیذ ترین ہوتا ہے) ثم قام الى الصلوة و ما توضأ! اس میں دلیل یہ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہی مذہب خلفاء اربعہ اور ائمہ اربعہ کا ہے۔ علامہ البیہقیؒ فرماتے ہیں، فیہ دلیل علی ان الاکل ما مستة النار لا ينقض الوضوء و هو قول الخلفاء الاربعة والائمة الاربعة۔ (مواہب ص ۱۲۵)

(۱۵۸/۱۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهْيَعَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ الْحَارِثِ قَالَ أَكَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَوَاءً فِي الْمَسْجِدِ .

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت ابن لہیعہ نے بیان کی۔ انہوں نے اسے سلیمان بن زیادہ سے روایت کیا اور انہوں نے صحابی رسول عبد اللہ ابن حارثؓ سے نقل کی۔ عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بھنا ہوا گوشت مسجد میں کھایا۔

مسجد میں بیٹھ کر کھانے کا حکم :

قال اكلنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم شواء في المسجد، الشواء : آگ پر بھونے ہوئے گوشت کو کہتے ہیں۔ ”اللحم المشوى بالنار“ (اتحافات ص ۲۱۸) اس حدیث میں باہم یکجا بیٹھ کر مسجد میں کھانا کھانے کا جواز مدلول ہے۔ بشرطیکہ مسجد کا فرش خراب نہ ہو اور کھانے کے ریزے فرش مسجد پر نہ گریں۔ (ورنہ پھر یا تو مکروہ اور یا حرام ہوگا)

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فیہ دلیل لجواز اكل الطعام في المسجد جماعة و فرادی و محله ان لم

یحصل مایقنر المسجد والا فیکره او یحرم (جمع ص ۲۵۷) اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اور آپ کے صحابہؓ نے مسجد میں زمانہ اعتکاف میں کھانا کھایا ہو (جیسے کہ علامہ بیجوریؒ نے نقل کیا ہے کہ کوہمکن حمل اکلهم بالمسجد علی زمن الاعتکاف۔ (مواہب ص ۱۲۶)

ابن ماجہ میں یہ اضافہ بھی منقول ہے۔ ثم قام فصلى و صلینا معه ولم نزد علی ان مسحنا ایدینا بالحصباء (جمع ص ۲۵۸) (کہ پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپؐ کیساتھ نماز پڑھی اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا صرف یہ کہ کنکریوں کے ساتھ اپنے ہاتھ پونچھے) خلاصہ یہ کہ مسجد میں کھانا جائز ہے، مگر اس کو عادت نہیں بنالینا چاہیے۔ یہ باب چونکہ آپؐ کے سالن کے بیان میں ہے تو لازماً یہاں گوشت بطور سالن کے روٹی کے ساتھ کھایا جانا مراد لیا جائے گا۔ اسی مشو یا یعنی مع الخبز (جمع ص ۲۵۸) (یعنی بھنا ہوا گوشت روٹی کیساتھ کھایا)

علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ضیافت ضباعة بنت الزبیر ابنة عم البنی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر تھی۔ حضور اقدس ﷺ اپنے مہمانوں سمیت (جن میں مغیرہ بن شعبہؓ بھی تھے) ان کے گھر تشریف لے گئے۔ آپؐ کے سامنے بکری کا بھنا ہوا پہلو لایا گیا۔ ثم اخذ الشفرة (پھر حضور ﷺ نے چھری اٹھائی) یہ طلحہ کے وزن پر ہے۔ بڑی اور چوڑی چھری کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع شفا رآتی ہے۔ جیسے کلب کی جمع کلاب اور شفات بھی آتی ہے جیسے سجدۃ کی جمع سجدات۔ (مناوی ص ۲۸۹)

(۱۵۹/۱۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ أَنبَأَنَا وَكِيعٌ "حَدَّثَنَا مُسْعَرٌ عَنْ أَبِي صَخْرَةَ جَامِعِ بْنِ شَدَادٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأَتَانِي بِحَنْبٍ مُشْوِيٍّ ثُمَّ أَخَذَ الشُّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحْزُلِي بِهَا مِنْهُ قَالَ فَجَاءَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُهُ بِالصَّلَاةِ فَأَلْقَى الشُّفْرَةَ فَقَالَ مَالَهُ تَرَبَّتْ يَدَاهُ قَالَ وَكَانَ شَارِبُهُ قَدْ وَفَى فَقَالَ لَهُ أَقْصِهِ لَكَ عَلَى سِوَاكِ أَوْ قُصِّهِ عَلَى سِوَاكِ .

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ



ہمیں اس کی خبر کج نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مسعر نے ابی صخرہ جامع بن شداد کے واسطہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت مغیرہ بن عبد اللہ سے اور انہوں نے مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی۔ مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں ایک رات حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مہمان ہوا۔ کھانے میں ایک پہلو بھنا ہوا لایا گیا۔ حضور ﷺ چاقو لے کر اُس میں سے کاٹ کاٹ کر مجھے مرحمت فرما رہے تھے۔ اسی دوران میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر نماز کی تیاری کی اطلاع دی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خاک آلود ہوں اس کے دونوں ہاتھ، کیا ہوا اس کو کہ ایسے موقع پر خبر کی اور پھر چھری رکھ کر نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ مغیرہؓ کہتے ہیں کہ دوسری بات میرے ساتھ یہ پیش آئی کہ میری مونچھیں بہت بڑھ رہی تھیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ لاؤ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دوں یا یہ فرمایا کہ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دو۔ راوی کو الفاظ میں شک ہے کہ کیا لفظ فرمائے۔

راویان حدیث (۳۶۷) مسعرؓ (۳۶۸) ابو صخرہؓ اور (۳۶۹) مغیرہ بن عبد اللہؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### لفظ ”ضفت“ کا معنی و تشریح :

قال ضفت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ . اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ میں اور حضور اقدس ﷺ ایک صاحب کے پاس مہمان ہوئے، جیسا کہ علامہ مناویؒ لکھتے ہیں: ای نزلت انا وایاہ ضیفین علی انسان. (مناوی ص ۲۵۸) وقال الطیبی ای نزلت انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رجل ضیفین لہ (جمع ص ۲۵۸) اور دوسرا معنی یہ بھی محتمل ہے کہ ایک رات میں آپؐ کا مہمان بنا۔ ای کنت لیلۃ ضیفہ۔ (جمع ص ۲۵۸)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کے نزدیک اقرب یہ ہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کا مہمان تھا اور آپ ﷺ کی مع مہمانوں کے کہیں دعوت تھی۔ جیسا کہ عام معمول ہے کہ اکابر کی دعوت بمع خدام و متعلقین کے ہوتی ہے اس صورت میں روایات میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا کہ یہ اصل میں آپؐ کے مہمان تھے اور آپ ﷺ کی اس وقت مع مہمانوں کے دعوت کی وجہ سے

یہ بھی اور آپ ﷺ دونوں دوسرے کے مہمان تھے۔ (خصائل)

علامہ الحیو ریؒ فرماتے ہیں کہ ضیافت ضباعۃ بنت الزبیر ابنۃ عم البنی صلی اللہ علیہ وسلم (حضور ﷺ کی چچا زاد بیٹی ضباعہ بنت زبیر) کے گھر پر تھی۔ و قیل انها كانت فی بیت میمونۃ ام المومنین (اور بعض کے نزدیک ضیافت ام المومنین حضرت میمونہؓ کے حجرہ میں تھی)۔ (اتحاف ص ۲۱۹)

حضور اقدس ﷺ کی تواضع اور خدمت :

فجعل یحز فحزلی بہا منہ: حضور اقدس ﷺ، تالیف قلب، مروت شفقت اور تواضع و خدمت کے طور پر گوشت چھری سے کاٹ کاٹ کر مہمانوں کے سامنے رکھتے جاتے تھے۔ جن میں مغیرہ بن شعبہؓ بھی تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ فحزلی بہا منہ۔ یحز بمعنی یقطع کے ہے۔ الحز: القطع کو کہتے ہیں اور الحزۃ: قطعة من اللحم طولاً (گوشت کے لمبا ٹکڑے) کو کہتے ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ بھنے ہوئے گوشت کو حسب ضرورت چھری سے کاٹنا جائز ہے۔ ایک تو مروجہ چھری کاٹنے کا استعمال ہے، جس میں ہاتھ کی تھوڑی تلویٹ بھی برداشت نہیں کی جاتی۔ یہ بہر حال مذموم ہے۔ جب غیر معمولی حالت ہو اور اگر گوشت کے قطعے بڑے بڑے اور سخت ہوں اور لقموں کا ہاتھ سے توڑنا ممکن نہ رہے، تو پھر چاقو چھری کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ سب سے زیادہ بہتر توجیہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ممانعت چاقو سے کھانے کی ہے اور یہ واقعہ چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے کا ہے۔ اگر گوشت اچھی طرح نہ گلا ہو تو چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (خصائل)

احادیث میں تعارض سے جواب :

نیز حدیث میں تصریح ہے۔ لا تقطعو اللحم بالسکین فانہ من صنیع الاعاجم وانہشوہ فانہ اہنا وامرا (گوشت کو چھری سے کاٹ کر نہ کھاؤ یہ عجمی لوگوں کا طریقہ ہے اور اسکو دانٹوں سے نوچ کر کھاؤ یہ کھانے کو خوشگوار اور لذیذ ترین بنا دیتا ہے) (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۷۴) لہذا بظاہر دونوں احادیث میں معارضہ ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں (۱) لِقَوْلِ ابی داؤد وَ الْبِهَقِی (انہ) لیس

بالقوی وعلى التنزل (۲) فالنهی وارد فی غیر الشوی (۳) او محمول علی ما اذا اتخذنا لحز عادة (۴) او یحمل الحز علی الکبیر لشدة لحمه والنهی علی الصغیر (مناوی ص ۲۵۹) (۱) کہ حدیث نہی قوی نہیں ہے جیسا کہ ابو داؤد اور بیہقی نے قول کیا ہے (۲) اگر حدیث نہی کو قوی علی سبیل التنزل مان بھی لیا جائے تو پھر تطبیق یہ ہوگی کہ نہی کا حکم بھنے ہوئے گوشت کے علاوہ (خوب پکے ہوئے) کے لیے ہے (۳) یا نہی کا حکم اس وقت ہے کہ چھری کے ساتھ کاٹنے کی عادت بنائی جائے (۴) یا چھری سے کاٹنے کا حکم بوڑھے اور لاغر جانور کے لیے کہ اس کا گوشت سخت ہوتا ہے اور نہی کی حدیث کا محمل چھوٹا جانور ہو (مناوی ص ۲۵۹) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چھری سے کاٹنے کا حکم اس وقت ہو کہ گوشت کا ٹکڑا بڑا ہے اور ہاتھ میں نہیں اٹھایا جاسکتا اور نہی کا محمل چھوٹے ٹکڑے کے لیے ہو) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :

(۱) هو ليس بالقوی علی انه يجوز ان يكون احترازه صلى الله عليه وسلم ناسخاً لنهيه عن قطع اللحم بالسكين .

(۲) وان يكون لبيان الجواز تنبيهاً علی ان النهی للتزیه لا للتحريم .

(۳) وقيل معنى كونه من صنع الاعاجم ای من دابهم و عادتہم ای لا تجعلو القطع بالسكين دابكم كالاعاجم بل اذا كان نضيجاً فانه شوه فان لم يكن نضيجاً فحزوه بالسكين۔ (جمع ص ۲۵۰)

(۱) یہ حدیث نہی قوی نہیں اسکے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ کا چھری سے کاٹنا یہ ناسخ بن جائے حضور ﷺ کے فرمان مبارک کہ گوشت کو چھری سے کھانے کے لیے نہ کاٹو۔

(۲) یا حضورؐ کا چھری سے گوشت کو کاٹنا بیان جواز کے لئے ہو اور اس بات پر تنبیہ ہو کہ نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

(۳) اور بعض نے کہا کہ عجمیوں کا طریقہ ہونے کا مطلب انکی عادت مستمرہ ہے یعنی مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگ چھری کیساتھ کاٹنے کی عادت عجمیوں جیسے نہ بناؤ بلکہ اگر گوشت پختہ ہے تو پھر دانتوں سے نوچو اور اگر پکا ہوا نہیں تو پھر چھری سے کاٹو۔

## حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تنبیہ :

فجاء بلال ! دریں اثنا حضرت بلالؓ نے آکر نماز کی تیاری کی اطلاع دی۔ یؤذن: ایذان سے ہے وهو الاعلام۔ وہ خبردار کرتا ہے (اتحافات ص ۲۱۹) آپؐ نے کھانا چھوڑ دیا اور فرمایا ”مسالہ تربت بداءہ“ بلال کو کیا ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلالؓ کا یہ بے ڈھنگا پن پسند نہ آیا کہ آپؐ تو مہمانوں کی خاطر مدارات کر رہے تھے، پھر نماز کا وقت بھی آپؐ کو معلوم تھا۔ آپؐ کو اس کی فکر بھی ہوتی تھی۔ اس لئے آپؐ نے اس جملہ سے زجر و توبیخ، تنبیہ اور تربیت فرمائی۔ بددعا غرض نہ تھی اور یہ جملہ بددعا کے لئے استعمال بھی نہیں ہوتا۔ وجہی علی السنۃ العرب لمجود اللوم لا للدعوة علیہ اور یہ کلمہ (مالہ تربت بداءہ) عرب کی زبان میں محض کچھ ملامت کرنے کے لئے ہے نہ کہ بددعا کے لئے ہوتا ہے۔ (اتحافات ص ۲۱۹) اور تنبیہ اس امر پر تھی کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہمان کی وجہ سے اس کے اہتمام میں مشغول تھے، تو اس کو درمیان میں اطلاع نہیں کرنی چاہیے تھی بلکہ فراغت کا انتظار مناسب تھا جبکہ نماز کے وقت میں گنجائش بھی تھی۔ ویحتمل انه قال رعاۃ لحالة الضیف اور یہ بھی احتمال ہے کہ مہمان کے حال کی رعایت کے لئے فرمایا ہو۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۶۷)

## موچھوں کا شرعی حکم :

وکان شاربہ قد وفى..... الخ اس کے قائل یا مغیرہ بن شعبہ ہیں تو شاربہ میں التفات ہوگا اور یہی احتمال قوی ہے بلکہ متعین ہے جیسے کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے، قال میرک وقع فی رواۃ ابی داؤد وکان شاربی وفى..... الخ ملا میرکؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد کی روایت میں لفظ وکان شاربی وفى الخ (کہ میری موچھیں) ہے۔ (جمع ص ۲۶۰) یا مغیرہ بن عبد اللہ ہیں یا حضرت بلال اور یا ضمیر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راجع ہو، تو اس وقت التفات کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان احتمالات کو صاحب مرقات نے تکلفات سے تعبیر کیا ہے، فرماتے ہیں، قال الطیسی ویحتمل ان یکون الضمیر فی شاربہ لبلال فیکون التقدير قال بلال فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقصہ لک ای

لنفعك ويحتمل ان يكون الضمير في شاربہ لرسول الله صلى الله عليه وسلم ومعنى قوله اقصد لك اى اعطيك تبرك به وكل هذا تكلفات لا تنشفى العليل . طیبی فرماتے ہیں کہ یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ شاربہ کی ضمیر یا تو بلال کو راجع ہو تو پھر تقدیر (اصل) عبارت قال بلال الخ ہوگی، یعنی مجھے آپؐ نے فرمایا کہ تیرے نفع اور فائدے کیلئے ان کو کاٹ دوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر شاربہ میں حضورؐ کو راجع ہو اور معنی یہ ہوگا کہ میں تجھے مونچھیں کاٹ دوں یعنی آپؐ کو دیدوں تاکہ ان کے ساتھ تبرک حاصل کرے اور یہ سب ایسے تکلفات ہیں کہ علم کے بیمار کو شفا نہیں دے سکتے۔ (واللہ اعلم) (حاشیہ مشکوٰۃ ۳۶۷) شارب اوپر کے ہونٹ پر اُگے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں جیسے علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، والشارب هو شعر النائب على الشفع العليا۔ (مواہب ص ۱۲۶)

حضرت مغیرہؒ بیان کرتے ہیں کہ جس روز یہ واقعہ پیش آیا اس دن میری مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، تو آپؐ نے فرمایا ”اقصد لك على سواك اوفصد على سواك“ کیا تمہاری مونچھیں مسواک پر رکھ کر میں کتر دوں یا ان بڑھی ہوئی مونچھوں کو مسواک پر رکھ کر خود کتر لو۔ پہلا جملہ استفہام ہے اور دوسرا جملہ امر ہے۔ اس میں راوی کو شک ہے کہ آپؐ نے پہلا جملہ ارشاد فرمایا یا دوسرا۔

مسواک پر رکھ کر کترنے کا مقصد یہ ہے کہ اس میں کسی دوسرے سے استمداد کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ فوراً کتر دو۔ دوسرا یہ کہ مسواک پر رکھ کر کترنے سے تکلیف نہ ہوگی ”و سبب القص على السواك ان لاتناذى الشفة بالقص“ اور مسواک پر رکھ کر کترنے کا سبب یہ ہے کہ ہونٹوں کو کترنے سے تکلیف نہیں ہوگی۔ (مواہب ص ۱۲۶) یہ مشرکین کا طریقہ تھا کہ وہ داڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیدیا۔ مونچھوں کا شرعی حکم یہی ہے کہ بالکل نیچے تک کتر وادئے جائیں یا کم از کم اس قدر ضرور کترنے چاہیں کہ آدمی کا ہونٹ تو صاف نظر آئے۔ آپؐ کے مختلف ارشادات میں داڑھی بڑھانے اور مونچھوں کے کاٹنے میں مبالغہ کرنے کی تاکید ہے۔ اس وجہ سے ایک جماعت علماء کا مسلک یہ بھی ہے کہ مونچھوں کو منڈانا سنت ہے، مگر علماء محققین کہتے ہیں کہ کتر وانا سنت ہے۔ تاہم کتر وانا میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے کہ مونڈنے کے قریب قریب ہو جائیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کی مونچھیں کترنا یا دوسرے سے کترانا خود کترنا دونوں جائز ہیں۔ البتہ مونچھیں کترتے وقت دائیں سے ابتداء کی جائے۔ تو مندوب ہے۔ کیا مونچھوں کا مونڈنا افضل ہے یا کترنا؟ علامہ السیو ریؒ فرماتے ہیں والا کثرون علی الاول (ای قصہ) اکثر علماء اس کے کاٹنے کو افضل سمجھتے ہیں۔

بلکہ حضرت امام مالکؒ تو مونڈنے والے کو سزا دیا کرتے تھے قال مالکؒ یودب الحائق امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مونڈنے والے کو سزا دی جائیگی۔ (مواعظ ص ۱۲۷)

### اسبال کا حکم :

اسبال کا باقی رکھنا بھی مکروہ ہے۔ اسبال: طرف الشارب کو کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجوس کا ذکر ہوا کہ وہ اسبال کو بڑھاتے اور داڑھیوں کو منڈاتے ہیں، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا، فخالقوہم یعنی ان کی مخالفت کرو۔ و فی خبر احمد قصوا اسبالکم و وفروا لحاکم و لکن رأى الغزالی انه لا بأس بترك الاسبال اتباعاً لسيدنا عمر رضى الله عنه. الله اعلم۔ (اتحاف ص ۲۲۰) اور احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ اپنے اسبال (مونچھوں کی لمبائی) کو کترنا اور اپنی داڑھیاں بڑھاؤ۔ لیکن امام غزالیؒ کی یہ رائے ہے کہ اطراف میں لمبی مونچھیں رکھنے میں کوئی حرج نہیں یعنی حضرت عمرؓ کی تابعداری کرنے کے لئے۔

(۱۶۰/۱۶) حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِي حَيَّانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغْهُمْ فَرْغَ إِلَيْهِ الزَّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَتَهَسُّ مِنْهَا.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت واصل بن عبد الاعلیٰ نے بیان کی۔ ان کے پاس اسے محمد بن فضیل نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابو حیان تیمی سے روایت کی اور انہوں نے ابو زرہ سے نقل کی۔ وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی

خدمت میں کہیں سے گوشت آیا۔ اس میں سے دست (یعنی بوگ) حضورؐ کے سامنے پیش ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کو دست یعنی بوگ کا گوشت پسند بھی تھا۔ حضورؐ نے اس کو دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمایا۔ یعنی چھری وغیرہ سے نہیں کاٹا۔

راویان حدیث (۳۷۰) واصل بن عبد اللہ علیؓ (۳۷۱) محمد بن فضیلؓ (۳۷۲) ابو حیان التیمیؓ اور (۳۷۳) ابوزرعةؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### گوشت کو دانتوں سے نوچنا اور کھانا افضل ہے :

پہلی روایت میں گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانے کا بیان تھا۔ اس روایت میں دانتوں سے نوچنے اور کھانے کا بیان ہے۔ الذراع سے مراد بازو ہے۔ والمراد هنا ما فوق الكراع (پاؤں سے اوپر کا حصہ مراد ہے) (مواہب ص ۱۷۷) هو الید من کل حیوان۔ ہر حیوان کی چوڑی (مناوی ۲۶۲) و كانت تعجبه “آپ اس کو بہت پسند فرماتے تھے۔ لیسرعة نضجها مع سهولة هضمها، وطيب طعمها و لزيادة قوتها للجسم۔ (بوجہ اس کے جلدی پکنے اور بسہولت ہضم ہونے اور ذائقہ کے اچھے ہونے اور جسم کو طاقتور بنانے کیلئے)۔ (اتحاف ص ۲۲۰)

”فنہش منہا“ یہ نہش سے ہے اطراف الاسنان سے تناول کو نہش کہتے ہیں۔ وهو اھنا وامراً آپ ﷺ کو دانتوں سے نوچنا اور کھانا، چھری کے ساتھ کاٹنے اور کھانے سے زیادہ پسند تھا۔ وهذا اولی واحب من القطع بالسکین (مواہب ص ۱۷۷) ولانه یبني عن ترک التکبر و التکلف و ترک التشبه بالا عاجم۔ (جمع ص ۲۶۲) اور دانتوں سے نوچنے میں تکبر تکلف اور عجیوں کی تشبیہ کو چھوڑنا مقصود ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانا جتنا بھی لذیذ اور پسندیدہ ہو، پیٹ بھر کر نہیں کھانا چاہیے۔ آپ ﷺ کو بازو کے گوشت سے محبت تھی، مگر اس کے باوجود فنہش منہا یعنی اس سے تھوڑا بقدر ضرورت و کفاف تناول فرمایا۔ تمام کا تمام نہیں کھایا کہ منہا حرف تبعیض کا یہی مدلول ہے۔ (مواہب ص ۱۷۷)

(۱۶۱/۱۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ زُهَيْرٍ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ سَعْدِ بْنِ عِيَاضٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الذَّرَاعُ قَالَ وَسَمٌ فِي الذَّرَاعِ وَكَانَ يُرَى أَنَّ الْيَهُودَ سَمُوهُ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ ان کے پاس اسے ابو داؤد نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت زہیر یعنی ابن محمد سے ابی اسحق کے واسطے سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت سعد بن عیاض سے اور انہوں نے عبد اللہ بن مسعود سے نقل کی۔ عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ کو ذراع یعنی دست کا گوشت مرغوب تھا۔ اسی میں حضور اقدسؐ کو زہر دیا گیا۔ گمان یہ ہے کہ یہودیوں نے زہر دیا تھا۔

راویان حدیث (۳۷۴) زہیر (۳۷۵) سعید بن عیاض اور (۳۷۶) عبد اللہ بن مسعود کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### گوشت نے زہر دی کہ میں مسموم ہوں :

كان البنى صلى الله عليه وسلم ..... الخ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت بہت پسند تھا۔ وسم فی الذراع، حضور اقدس ﷺ کو اپنے پسندیدہ گوشت لحم الذراع (بازو کے گوشت) میں زہر دیا گیا۔ آپؐ نے اس سے ابھی ایک لقمہ لیا تھا۔ جو نگلا بھی نہ تھا کہ خبرہ جبریل بانہ مسموم فترکہ ولم یضره ذلك السم یعنی حینبذ (کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو بتایا کہ یہ گوشت زہر آلود ہے تو آپؐ نے اسے چھوڑ دیا اور اس وقت زہر سے آپؐ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی) اگرچہ بعد میں وفات تک مختلف اوقات میں اس کا اثر ظاہر ہوتا رہا)

بعض روایات میں فاخبر به الذراع (کہ خود اس ذراع (پہلو) نے (زہر آلود ہونا) بتلایا)۔ (مناوی ۲۶۳) کی تصریح ہے تو علماء محدثین نے دونوں روایات میں تطبیق کی ہے کہ اولاً ذراع نے خود آواز دے کر آپؐ کو آگاہ فرمایا اور یہ معجزہ تھا، پھر جبرائیل آئے۔ ثم نزل جبریل بتصدیقها بانہ مسموم فترکہ۔ (مناوی ص ۲۶۳) (پھر جبرائیل اس کی تصدیق کیلئے آسمان سے اترے اور کہا کہ یہ



زہر آلود ہے آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا)

ورنہ یہ بات محقق ہے کہ زہر کا اثر ہر سال معاد ہوتا تھا اور اس سے آپ ﷺ کو تکلیف بھی ہوتی تھی بلکہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ”حتی مات بہ صلی اللہ علیہ وسلم لزیادة حصول سعادة الشهادة“ (کہ آپؐ مرتبہ شہادت سے اس زہر کے اثر کی وجہ سے فیضاب ہوئے)۔ (جمع ص ۲۶۳) علامہ السجوریؒ فرماتے ہیں : قال العلماء فجمع الله له بين النبوة والشهادة ولا يرد على ذلك قوله تعالى والله يعصمك من الناس لان الآية نزلت عام تبوك والسم كان بخير قبل ذلك. (مواعظ ص ۱۲۸)

(علماء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی ذات مبارک کیلئے مرتبہ نبوت اور شہادت دونوں کو جمع فرمادیا۔ اور اس پر یہ اعتراض نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپؐ کے متعلق واللہ يعصمك من الناس فرمایا ہے (کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو لوگوں کی تکلیف دینے سے محفوظ فرما دیں گے) اس لئے کہ آیت مذکورہ غزوہ تبوک کے سال نازل ہوئی اور آپؐ کو زہر دینے کا واقعہ خیبر میں اس سے پہلے وقوع پذیر ہو چکا تھا۔

یہودی عورت کا زہر کھلانا :

ان اليهود سموه ! فتح خیبر کے موقع پر یہودی زعماء کے مشورہ سے ایک یہودی خاتون نے بکری کا ایک ذراع بھونا اور اس میں بہت زیادہ زہر قاتل ملا کر آپ ﷺ کی دعوت کی۔ ابھی آپؐ نے لقمہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ گوشت نے معجزۃً از خود اطلاع دی کہ میرے اندر زہر بھردیا گیا ہے۔ پھر جبریلؑ اترے اور فوراً تصدیق کر دی۔ آپؐ نے خود بھی اس کھانے سے ہاتھ روک لیا اور صحابہ کرامؓ کو بھی منع کر دیا۔ سموہ میں زہر دینے کی نسبت ایک خاتون کے بجائے تمام یہودیوں کی طرف کی گئی ہے۔

واسنده الى اليهود لانه صلب عن امرهم واتفاقهم والا فالماشرة لذلك زينب بنت الحارث امرأة سلام بن مشكم اليهودی كما رواه محی السنة واللمیاطی وغیرهما. (مناوی)

ص ۲۶۳) (زہر دینے کی نسبت سب یہودیوں کی طرف کی گئی حالانکہ زہر دینے کا فعل تو صرف سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت حارث نے کیا تھا جیسے کہ محی السنۃ اور دیلمی وغیرہ ہی نے نقل کیا ہے اسلئے کہ اس عورت نے یہ کام ان سب کے متفقہ فیصلے اور حکم سے کیا تھا)

اس کے بعد آپؐ نے اس عورت کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ اس میں زہر ملا یا ہے؟ تو اس نے اقرار کیا کہ واقعی اس میں زہر بھرا ہے۔ فقالت قلت ان کان نبیاً یضربہ السم والا استرحنا منه (جمع ص ۲۶۳) (اس خاتون نے کہا کہ ہمارا اس میں زہر ملانے کا واحد مقصد یہ تھا کہ اگر آپؐ نبی ہوں گے، تو زہر ضرر نہیں پہنچائے گا اور اگر نبی نہیں ہوں گے، تو ہمیں آپؐ سے استراحت حاصل ہو جائے گی) حضور اقدسؐ نے ان کا سارا قصہ سنا۔ حقائق سے آگاہی ہوئی، نہ طیش میں آئے، نہ غصہ فرمایا اور نہ انتقام لیا بلکہ فغفا عنها ولم یعاقبها لانه کان لا ینتقم لنفسه (اس کو معاف کر دیا اور کوئی سزا نہیں دی اس لئے کہ آپؐ اپنی ذات کیلئے کسی سے انتقام اور بدلہ نہیں لیتے تھے)۔ (مناوی ص ۲۶۳)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں، ولقد اسلمت زینب فترکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا سلامھا ولا نہ کان لا ینتقم لنفسه (اتحافات ص ۲۲۱) اور زینت بنت الحارث اسلام لے آئی تو حضور ﷺ نے اس کو اسلام لانے کے سبب چھوڑ دیا اور اس لئے بھی کہ آپؐ اپنی ذات کیلئے کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے) مگر بشر بن البراءؓ صحابی اس زہر کے کھانے سے شہید ہو گئے اور انہوں نے آپؐ کے ساتھ یہی زہر آلود کھانا کھایا تھا۔ دفعھا لورثہ فقتلواھا قوداً (مناوی ص ۲۶۳) تو حضور اقدسؐ نے اسے شہید کے ورثا کے حوالے کر دیا، انہوں نے قصاصاً اسے قتل کر دیا۔ بعض روایات میں تعزیر آیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قصاص لینے کے یہ معنی ہوں کہ آپؐ نے فرمایا ہو کہ اس سے قصاص لو اور قتل کرو، چونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی، اس لئے اولیاء مقتول صحابی نے معاف کر دیا۔ (تقریر ترمذی ص ۸۳۰)

حدیث سے ماخوذ فوائد :

شارحینؒ نے اس حدیث سے بہت سے فوائد اور مسائل کا استخراج کیا ہے۔ گوشت کا کلام

کرنا آپؐ کا معجزہ ہے کہ بے جان چیز بات کر رہی ہے۔ دوسرا یہ کہ حضور اقدسؐ کو وہ غائب چیز بھی معلوم ہو گئی، جس کا تعلق شر سے تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زہر بذاتہ کوئی موثر چیز نہیں ہے اور یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ زہر سے قتل، گویا اسلحہ سے قتل ہے، جس پر شرعاً قصاص مرتب ہوتا ہے۔ شیخ عبدالرؤفؒ کے الفاظ میں اس کی مزید توضیح ملاحظہ ہو۔

وفی الحديث فوائد كثيرة منها ما اظهره انه من كرامة نبيه حيث كلمه الجمداء ولم يؤثر فيه السم وعلم ما غيبه عنه من الثروان السم لا يؤثر بذاته ولو كان يؤثر بذاته لاثر فيهما حالا وان القتل بالسم كالقتل بالسلاح الذي يوجب القود بشرطه المعروف .

(مناوی ص ۲۶۳)

(۱۶۲/۱۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبَانُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ طَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرْأًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ الدَّرَاعُ فَنَاولْتُهُ ثُمَّ قَالَ نَاولْنِي الدَّرَاعَ فَنَاولْتُهُ الدَّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاولْنِي الدَّرَاعَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَمْ لِلشَّاةِ مِنْ ذِرَاعٍ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ سَكَّتْ لَنَا وَلَتَسَى الدَّرَاعُ مَا دَعَوْتُ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت ابان بن یزید نے قتادہ کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت شہر بن حوشب سے اخذ کی اور انہوں نے اسے صحابی رسولؐ حضرت ابو عبیدہؓ سے سماعت کی۔ حضرت ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرمؐ کے کیلئے ہانڈی پکائی۔ چونکہ آقائے نامدار ﷺ کو بونگ کا گوشت زیادہ پسند تھا۔ اس لئے میں نے ایک بونگ پیش کی۔

پھر حضورؐ نے دوسری طلب فرمائی۔ میں نے دوسری پیش کی۔ پھر حضورؐ نے اور طلب فرمائی، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ بکری کے دوہی بونگیں ہوتی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تو چپ رہتا تو میں جب تک مانگتا رہتا، اس دیکھی سے بونگیں نکلتی رہتیں۔

راویان حدیث (۳۷۷) مسلم بن ابراہیمؒ (۳۷۸) ابان بن یزیدؒ اور (۳۷۹) ابو عبیدہؓ کے حالات

”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### حضور اقدس ﷺ کے لئے ضیافت کا اہتمام :

قال طبخت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم قدراً طبخت : طبخ سے ہے بمعنی پکانے کے اور بھوننے کے۔ قدر اُہانڈی کو کہتے ہیں، وہی بالكسر آتیہ یطبخ فیہا (قدر بکسر القاف ایسا برتن جسمیں کوئی چیز پکائی جائے) (موہب ص ۱۲۸) جمع قدر آتی ہے۔ قرآن مجید میں وقلور راسیات (بڑی دگیں اپنی جگہ رہنے والی) آیا ہے۔ ذکر ظرف کا ہے مراد ظرف ہے۔ فذكر القدر و اراد ما فیہ مجازاً بذكر المحل و ارادة الحال (تو یہاں قدر کا ذکر ہے اور اس سے مراد مجازاً وہ چیز جو اسمیں ہو یعنی محل کا ذکر ہے اور مراد حال ہے۔) (جمع ص ۲۶۴) و كان یعجبه الذراع فناولته۔ (حضور ﷺ کو ذراع (بازو) پسند تھا تو میں نے وہ ہانڈی سے نکال دیا) ظاہر سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اول مرتبہ حضور اقدس نے طلب نہ فرمایا بلکہ ناولہ بلا طلب لعلمہ بانہ یعجبه۔ (جمع ص ۲۶۴) (کہ آپ کو دین مانگے وہ بازو دیا کیونکہ اسے علم تھا کہ آپ اس کو پسند فرماتے تھے)

چونکہ حضور اقدس ﷺ کو الذراع محبوب تھا۔ اس لیے ارشاد فرمایا ناولنی الذراع یعنی مجھے ایک بازو اور دو، اس کے بعد پھر تیسرا ذراع طلب فرمایا تو حضرت ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کم للشاة من ذراع (بکری کے کتنے بازو ہوتے ہیں) یہ استفہام کے لیے ہے یا تعجب کے لیے انکار کے لیے نہیں ہے۔ لا نہ لا یلیق بالمقام۔ (کیونکہ انکار کرنا اس مقام کے مناسب نہیں) (مناوی و جمع ص ۲۶۴) علامہ السیجوریؒ فرماتے ہیں استفہام میں اگر چہ انکار نہیں ہے، مگر سوء ادب ہے اور عدم امتثال امر ہے۔ فلذلک عاد علیہ شئوم علم الامتثال بان حرم مشاہلہ المعجزة وہی ان یخلق اللہ ذراعاً بعد ذراع۔ (موہب ص ۱۲۸) (اس لیے تو حکم نہ ماننے کی شومی سے آپ کے معجزہ کے مشاہدہ کرنے سے محروم ہوا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ دیگ سے بازو کے بعد اور بازو پیدا کر کے دیتے)

### ایک اعتراض کا جواب :

بظاہر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ گزشتہ روایات سے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے لحم و

خبز سے کبھی سیر ہو کر تناول نہیں فرمایا جبکہ اس روایت میں ہے کہ دو ذراع تناول فرمائے۔ شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ سابقہ روایات میں یومین متابعین یا فی یوم موتین (دو دن مسلسل یا ایک دن میں دو بار) کی نفی ہے۔ مطلقاً ایک وقت کے شیع کی نفی نہیں کی گئی۔ جب کہ حدیث زیر بحث میں ایک وقت کی بات ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اس وقت دو ذراع سے سیر ہو گئے تھے، ورنہ تیسرے کا مطالبہ کیوں فرماتے بلکہ صحابیؓ کے ذراع لانے کے بعد ظاہر ہے کہ سب شرکاء نے اس سے کھایا ہو۔ واللہ اعلم۔

### آپ ﷺ کا قسم کھانے کا انداز :

فقال والذی نفسی بیدہ ! یہاں پر نفسی سے روح یا جسد یا دونوں مراد لیے جاسکتے ہیں۔ ای روحی او جسدی اوہما بیدہ: ای بقلوتہ و قوتہ و ارادتہ ان شاء ابقاہ وان شاء افناہ (یعنی میری روح یا بدن یا دونوں اسی ذات کی قدرت طاقت اور اختیار میں ہیں چاہے تو ان کو باقی رکھے اور چاہے ان کو فنا کر دے) (مناوی ص ۲۶۴) حضور اقدس ﷺ ان الفاظ کے ساتھ قسم کھایا کرتے تھے یہ عادت مبارک تھی۔ مقصد یہ تھا کہ میری ذات تو رب تعالیٰ کی منقاد ہے۔ لا افعل الا ما یرید۔ (کہ میں نہیں کر تا مگر جو اس کا ارادہ ہوتا ہے) یہ روایت ”من احادیث الصفات و ایتھا“ سے ہے، اس میں دو مذہب مشہور ہیں۔ (۱) التاویل اجمالاً: وهو تنزیہ اللہ تعالیٰ عن ظواہرہا و تفویض التفصیل الیہ سبحانہ و تعالیٰ وهو مذہب اکثر السلف (۲) والتاویل تفصیلاً: وهو مختار اکثر الخلف (جمع ص ۲۶۴) (صفات کے بارے میں مختصر اور اجمالی تاویل یہ کہ ان کے ظاہری معانی سے اسکی ذات منزہ اور پاک ہے اور انکی پوری تفصیل اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سپرد ہے اور یہی اسلاف اور متقدمین کا مذہب ہے (یعنی وہ فرماتے ہیں اللہ اعلم بمرادہ بذلک -

(۲) اور تفصیل تاویلات اور معانی بتلانا یہ متأخرین کے نزدیک پسندیدہ ہیں)

### معجزات کا وقوع کب ہوتا ہے :

لو سکت الخ، اگر تم خاموش رہتے اور اس قدر بات نہ کرتے، ای سکت عما قلت من الا

ستبعاد وامثلت امری فی مناوۃ المراد (یعنی اگر آپ اسکو مستبعد اور ناممکن ہونے کے باوجود خاموشی سے میرے حکم کا امتثال کرتے ہوئے تیسرے بازو نکالنے کے لیے) بغیر پس و پیش کے چلے جاتے) (جمع ص ۲۶۵) تو ہانڈی سے ذراع نکالتے رہتے، جب تک میں طلب کرتا رہتا، گویا معجزہ ظاہر ہوتا، جو اللہ کی طرف سے ایک انعام ہوتا۔ بظاہر اس پر بھی ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساحروں سے بہت سا کلام اور سوال و جواب کرتے رہے، مگر ان کا معجزہ ظاہر ہو کر رہا، مگر حضور اقدس ﷺ کا معجزہ صحابی کے محض کلام قلیل کی وجہ سے کیوں رک گیا؟

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، قیل انما منع کلامہ تلک المعجزۃ لا نہ شغل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن التوجہ الی ربہ بالتوجہ الیہ اوالی جواب سؤالہ فان الغالب ان خارق العادۃ یکون فی حالۃ الفناء للانبیاء والا ولیاء و علم الشعور عن السواء حتی فی تلک الحالۃ لا یعرفون انفسہم فکیف فی حال غیرہم۔ (جمع ص ۲۶۵)

یعنی صحابی کی گفتگو نے معجزہ کے وقوع کو روک دیا کہ آپ ﷺ کی توجہ کامل جو اللہ تعالیٰ کی طرف تھی، اس گفتگو کی وجہ سے وہاں سے ہٹ گئی اور صحابی کی طرف مبذول ہو گئی یا اس کا جواب دینے کی طرف، کیونکہ بسا اوقات معجزہ اور کرامات، انبیاء کے اور اولیاء کے حالت فنا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کو اس وقت ماسوی اللہ کا شعور نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اس کیفیت میں وہ خود کو بھی نہیں پہچانتے تو جب اپنے نفس کے متعلق یہ فراموشی ہو تو دوسروں کے حال کو کیا پہچانیں گے۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے وقت ساحروں سے کلام ختم ہو چکا تھا۔ جب عصا ڈالا اور وہ بھی اللہ کے حکم سے، تو اس وقت خاص میں ان کی توجہ تام اللہ ہی کی طرف تھی۔ اس وقت نہ تو انہوں نے کسی کی طرف توجہ کی اور نہ کسی سے کلام کیا، مگر آپؐ کو صحابی کی طرف توجہ دینی پڑی تو فنایت سے توجہ ہٹ کر خلق اللہ پر آ گئی معجزہ بند ہو گیا۔

شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ یہ معجزہ درحقیقت رب تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام و اکرام تھا، اگر صحابی انقیاد تام کے ساتھ آپؐ کے ارشاد مبارک کی تعمیل کرتے رہتے، تو وہ باقی رہتا، مگر ان کی طرف سے اعتراض کی صورت پیدا ہوئی، جو موقع کے مناسب نہ تھی۔ ادب و اطاعت کا مطلوبہ معیار نہ

تھا۔ اس لیے وہ انعام اور اکرام تام بھی منقطع ہو گیا۔ (منادی ص ۲۶۵) بہر حال یہ حضور ﷺ کا شان اعجاز ہے۔ مسند احمد میں اس روایت کے ہم معنی حضرت ابو رافع سے بھی منقول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہوں اور یہ قصہ دونوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔

### کھانے میں برکت کے معجزات :

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ قاضی عیاضؒ نے ”الشفاء“ میں چند واقعات نقل کئے ہیں۔ ذیل میں ان کی تلخیص اور مفہوم نقل کیا جا رہا ہے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں کھجور کے دس دانوں سے زائد نہ تھے۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کھانے کو کچھ ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی ساری متاع بتادی کہ اس وقت تو میرے پاس اس تھیلی میں کھجور کے چند دانے ہیں، جن کی تعداد بھی دس سے زائد نہیں۔ آپؐ نے اس سے چند دانے نکالے اور دسترخوان پر ڈال دئے، انہیں پھیلا دیا اور پھر دعا پڑھی، پھر ارشاد فرمایا کہ دس افراد کو بلاتے رہو اور کھلاتے رہو، اس ترتیب سے پورا لشکر آتا رہا اور کھاتا رہا۔ تمام لشکر نے کھجوریں سیر ہو کر کھائیں، چونچ گئیں فرمایا انہیں واپس تھیلی میں ڈالو، فرمایا ہمیشہ اسی تھیلی سے کھجور نکال کر کھاتے رہنا اور کبھی بھی اسے الٹ کر خالی نہ کرنا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اس تھیلی سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتا بھی رہا اور کھلاتا بھی رہا، حتیٰ کہ آپؐ کا دور مسعود گذر گیا، پھر حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ خلافت آیا وہ بھی گزر گیا، حضرت عمر فاروقؓ کا دور آیا، وہ بھی گذر گیا، حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ کا دور آیا، تب تک میں تھیلی سے کئی وسق کھجور نکال کر کھا چکا تھا اور کھلا چکا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے آخری دور خلافت میں شریکین نے ان پر حملہ کر کے جب انہیں شہید کر دیا، تو اس افراتفری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے وہ تھیلی کسی نے زبردستی چھین لی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اس کے چھن جانے کا بہت افسوس ہوا، ارشاد فرمایا.....

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِيَ الْيَوْمِ هَمَّانٌ هَمُّ الْجَرَابِ وَهَمُّ الشَّيْخِ عَثْمَانَ

(کہ آج لوگوں کو صرف ایک ہی فکر و غم ہے اور مجھے دو غم ہیں ایک تھیلی گم ہونے کا اور دوسرا حضرت

عثمانؓ کی شہادت کا

(۲) حضرت ابویوب انصاریؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کی دعوت کی اور اتنا کھانا تیار کیا، جو دو آدمیوں کو کافی ہو جائے۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ شرفاء انصار میں سے تیس (۳۰) آدمیوں کو بلا لاؤ۔ وہ بلا کر لے آئے اور ان کے کھانے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا، اب ساٹھ آدمیوں کو بلا کر لاؤ اور ان کے فارغ ہونے کے بعد اوروں کو بلایا۔ غرض ایک سو اسی (۱۸۰) نفر کو یہ کھانا کافی ہو گیا۔ (۳) حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس کہیں سے ایک پیالہ میں گوشت آیا اور صبح سے لے کر رات تک مجمع آتا رہا اور اس میں سے کھا تا رہا۔

(۴) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے لیے ایک ولیمہ میں میری والدہ نے ملیدہ تیار کیا اور ایک پیالہ میں میرے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس پیالہ کو رکھ دو اور فلاں فلاں شخص کو بلا لاؤ اور جو تمہیں ملے، اس کو بھی بلا لینا۔ میں ان لوگوں کو بلا کر لایا اور جو ملتا رہا، اس کو بھی بھیجتا رہا۔ حتیٰ کہ تمام مکان اور اہل صفہ کے رہنے کی جگہ سب آدمیوں سے پُر ہو گئی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھے رہیں اور کھاتے رہیں۔ جب سب شکم سیر ہو گئے، تو حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اس پیالہ کو اٹھا لو۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ پیالہ ابتداء میں زیادہ بھرا ہوا تھا یا جس وقت میں نے اس کو اٹھایا اس وقت زیادہ پُر تھا۔ غرض اس قسم کے بہت سے واقعات حضور ﷺ کے ساتھ پیش آئے ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعات بڑے بڑے مجموعوں میں پیش آئے ہیں۔ ایسے واقعات کو خلاف واقعہ نقل کرنا بہت زیادہ دشوار ہے اور جو لوگ ان واقعات میں شریک تھے، وہ خلاف واقعہ نقل پر سکوت نہیں کر سکتے تھے۔ (خصائل)

(۱۶۳/۱۹) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّغْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِّنْ بَنِي عَبَّادٍ يُقَالُ لَهُ عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ يَحْيَى بْنُ عَبْدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ الذِّرَاعُ أَحَبَّ إِلَيَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنَّهُ كَانَ لَا



يَجِدُ اللَّحْمَ الْأَغْبَا وَكَانَ يَعْجَلُ إِلَيْهَا لَا نَهَا عَنْ جُلْهَا نَضْجًا.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسن بن محمد زعفرانیؒ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یحییٰ بن عبادؒ نے بیان کے۔ انہوں نے یہ روایت عبد اللہ بن زبیرؒ سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ بونگ کا گوشت کچھ لذت کی وجہ سے حضورؐ کو زیادہ پسند نہ تھا بلکہ گوشت چونکہ گاہے گاہے پکتا تھا اور یہ جلدی گل جاتا ہے، اس لیے حضورؐ اس کو پسند فرماتے تھے، تا کہ جلدی سے فارغ ہو کر اپنے مشاغلِ علمیہ میں مصروف ہوں۔

راویان حدیث (۳۸۰) فلیح بن سلیمانؒ اور (۳۸۱) عبد الوہاب بن یحییٰ بن عبادؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### ذراع کا گوشت کیوں پسند تھا ؟

عن عائشة قالت ما كان الذراع..... الخ، حضور اقدس ﷺ کو بکری کے ذراع (اگلے پائے گوشت) پسند تھا۔ اس کی بہت سے وجوہات ہو سکتی ہیں۔ سیدہ عائشہؓ اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں کہ وہ جلدی پک کر تیار ہوتا تھا اور زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑتی تھی۔ اس سے وقت کی بچت ہوتی اور دین کے دیگر امور سرانجام دینے کے لیے وقت میسر آ جاتا۔ یہ حدیث اور اس طرح کی تمام احادیث کا مدلول یہی ہے کہ آپ ﷺ کو ذراع کا گوشت پسند تھا۔ تاہم حضور ﷺ کی یہ رغبت اور پسندیدگی تمام میلان خاطر اور اشتہاء کے درجہ کی نہ تھی، جو آپؐ کے شان والا کے مناسب نہیں۔

انه كان يحبه محبة طبيعية غريزية ولا محذور في ذلك لانه من كمال الخلقة والمحذور المنافي للكمال عناء النفس واجتها دها في تحصيل ذلك و تألمها لفقده۔ (مواعظ ص ۱۲۹) (آپؐ ذراع کے گوشت سے طبعی اور فطری طور پر محبت کیا کرتے اور اس میں شرعاً کوئی حرج اور ممانعت بھی نہیں اس لیے کہ یہ بات فطرت اور خلقت کے کمال ہی کی وجہ سے ہو بلکہ کمال کے منافی کسی چیز سے وہی محبت ہے جس میں نفس کو محنت و مشقت میں مبتلا کر کے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور نہ حاصل ہو جانے کی صورت میں پریشانی اور تکلیف ہو)

(۱۶۴/۲۰) حَلَلْنَا مَحْمُودُ بْنُ غِيلَانَ حَلَلْنَا أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا مُسَعَّرٌ قَالَ سَمِعْتُ شَيْخًا مِنْهُمْ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَطْيَبَ اللَّحْمِ لَحْمُ الظَّهْرِ -

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت ابو احمد نے اور اس کے پاس مسعر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے فہم کے ایک شیخ سے سنا۔ وہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفرؒ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے۔

راوی حدیث (۳۸۲) شیخاً من فہم کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔  
پیٹھ کا گوشت اطیب ہے :

ان اطیب اللحم لحم الظهر : یعنی زیادہ لذیذ، زیادہ لطیف گوشت، فاطیب بمعنی احسن کے۔ او معناه اطهر لكونه ابعد من الاذى . (جمع ص ۲۶۷) (اور یا یہ مطلب کہ وہ پاک و صاف ہے کیونکہ اس کے کھانے میں کسی قسم کی مشقت اور تکلیف نہیں ہے)

اس روایت میں جانور کی پیٹھ کے گوشت کو بہترین گوشت قرار دیا گیا ہے، جو ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔ کھانے میں لذیذ اور مرغوب ہوتا ہے۔ یہ ان روایات کے خلاف نہیں، جن میں ذراغ کو پسندیدہ گوشت قرار دیا گیا ہے، کیونکہ دونوں میں مختلف جہات سے پسندیدگی اور عمدگی کی ترجیحات ہو سکتی ہیں، مثلاً قوت کے لحاظ سے یا ریشے نہ ہونے کے لحاظ سے یا چکنا ہونے کے لحاظ سے وغیرہ وغیرہ بہر حال مختلف جہات اور مختلف لحاظ سے کئی چیزیں پسندیدہ اور عمدہ ہو سکتی ہیں۔

گردن کا گوشت بھی پسند تھا :

اسی طرح حضور اقدس ﷺ کو گردن کا گوشت بھی پسند تھا۔ کان بحب الرقبة، جیسا کہ ضباعت بنت الزبیر کی روایت میں آیا ہے۔ انہوں نے بکری ذبح کی۔ حضور اقدس ﷺ کو علم ہوا تو پیغام بھیجا کہ ”أَنْ اطعمینا من شاتکم“ (کہ ہمیں بھی اپنی بکری سے کھلائیے) انہوں نے جواب بھیجا کہ

گوشت تو سارا تقسیم ہو چکا ہے معا بقی عندی آلا الرقية (میرے پاس تو گردن کے علاوہ کچھ بھی نہیں) اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں گردن پیش کروں۔ حضور اقدس ﷺ نے قاصد کو دوبارہ بھیجا اور فرمایا یہی ہمارے لیے بھیج دو۔ ”فانها هدية الشاة و اقرب الشاة الى الخير و ابعدها من الاذى“ (یہ تو بکری کا ہدیہ ہے) (اتحافات ص ۲۲۴)

### بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں :

جس طرح حدیث شریف میں ہے کہ بکری کے سات (۷) اجزاء مکروہ تحریمی ہیں۔ کپورہ، حرام مغز، خون، پتہ نرو مادہ کی شرمگاہ، غدود اور مثانہ۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں : ووردانه ﷺ كان يكره من الشاة سبعة المارة، والمثانة، والحياء (ای الفرج و الذکر والا نشین) والغدة والدم۔ (جمع ۲۴۶)

(۱۶۵/۲۱) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُثَوَّمِ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ إِلَّا دَامَ الْخَلُّ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے زید بن حباب نے بیان کیا اور عبد اللہ بن المومل سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی ملیکہ سے اور انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے سماعت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔

نعم الا دام الخل ! اس حدیث کی تشریح باب ہذا کی پہلی روایت کے ضمن میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ وکان المناسب ذکرہ فی اول الباب۔ (اتحافات ص ۲۲۴) (اور اسکا ذکر شروع کتاب میں مناسب تھا)

(۱۶۶/۲۲) حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ ثَابِتِ بْنِ أَبِي حَمْزَةَ

الْشَّامِلِيَّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ أُمِّ هَانِي قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَعِنْدَكَ شَيْءٌ فَقُلْتُ لَا إِلَّا خُبْزٌ يَابَسٌ وَخَلٌ فَقَالَ هَاتِي مَا أَفْقَرُ بَيْتٍ مِّنْ أَدَمٍ فِيهِ خَلٌ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابو کریم محمد بن العلاء نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت ابو بکر بن عیاش نے بیان کی، وہ ثابت ابو حمزہ ثمالی سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے شعبی سے نقل کی۔ وہ یہ روایت ام ہانی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا (حضورؐ کی چچا زاد بہن) فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (فتح مکہ میں) میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ میں نے عرض کیا کہ سوکھی روٹی اور سرکہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ لے آؤ، وہ گھر سالن سے خالی نہیں، جس میں سرکہ ہو۔

راویان حدیث (۳۸۳) ابو بکر بن عیاشؒ (۳۸۴) ثابت ابی حمزہؒ اور (۳۸۵) ام ہانیؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اُم ہانیؒ کے گھر و روہ مسعود خشک ٹکڑوں اور سرکہ سے ضیافت :

حضرت ام ہانیؒ کی روایت یہاں مختصر منقول ہے، مگر حضرت ابن عباسؓ کی روایت جس کو بیہقی نے تخریج کیا ہے۔ زیادہ مفصل ہے۔ ہم ذیل میں منادی سے اسے نقل کر رہے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس روز مکہ المکرمہ فتح ہوا، اسی روز حضور اقدس ﷺ حضرت ام ہانیؒ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ کانا جائعاً فقال لها عندک طعام اکلہ؟ (اور حضور ﷺ بھوکے تھے آپؐ نے فرمایا آپ کے پاس کوئی کھانا ہے کہ میں اسکو کھالوں) انہوں نے عرض کیا حضور ﷺ! خشک روٹی کے ٹکڑے ہیں اور مجھے حیا آتی ہے کہ وہ پیش کروں، ارشاد فرمایا نہیں لے آؤ، آپؐ نے اس کے ٹکڑے کئے، پانی میں بھگوئے، نمک ملایا، پھر دریافت فرمایا، ما من ادام؟ یعنی کچھ سالن بھی۔ حضرت ام ہانیؒ نے عرض کیا ما عندی الا شیء من خل (کہ میرے پاس تو تھوڑے سے سرکہ کے سوا کچھ نہیں ہے) آپؐ نے فرمایا اسے لے آئیے، لایا گیا، تو آپؐ نے اسے روٹی پر ڈالا اور کھانا تناول فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، پھر ارشاد فرمایا: نعم الا دام الخل یا ام ہانی (اے ام ہانی سرکہ اچھا سالن

ہے) جس گھر میں سرکہ موجود ہو، وہ گھر سالن سے خالی نہیں، لا یقفرو بیت فیہ خل۔ (مناوی ص ۲۶۸) وفي الباب ایضاً عن ام سعد عن ابن ماجة قال دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم على عائشة وانا عند ما فقال هل من غداء فقالت عندنا خبز وتمر و خل فقال نعم الا دام الخل، اللهم بارک فی الخل فانہ ادام الانبیاء قبلی ولم یفقر بیت فیہ خل۔ (مواہب ص ۱۳۰) (اس باب میں ام سعد کی ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور میں بھی وہاں تھی آپؐ نے فرمایا کوئی غداء (صبح کا کھانا) ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہمارے پاس روٹی کھجور اور سرکہ ہے پس آپؐ نے فرمایا بہترین سالن سرکہ ہے اے اللہ! سرکہ کے میں برکت ڈال دے یہ تو مجھ سے پہلے پیغمبروں کا سالن تھا اور وہ گھر خالی نہیں جس میں سرکہ ہو)۔ (مواہب ص ۱۳)

### خورد و نوش وسیلہ ہیں مقصد نہیں :

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے ہاں خورد و نوش وسیلہ تھا، مقصد نہ تھا اور وسیلہ بھی بدرجہ اضطراب و ضرورت کے۔ نیز حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جہاں بے تکلفی ہو رشتہ داری ہو، باہمی اعتماد ہو اور تعلق مخلصانہ ہو، وہاں کھانے کی طلب اور سوال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسی حدیث میں اس بات کی ترغیب ہے کہ روٹی اور سرکہ بلکہ ہر کھانے کی چیز کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے کہ کفرانِ نعمت ہے۔ جیسے کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں : ثم فی الحدیث الحدیث علی عدم النظر للخبز والخل بعین الاحتقار و انه لا بأس بسؤال الطعام ممن لا یستحی السائل منة لصدق المحبة والعلم بمودة المشول للذالك۔ (جمع ص ۲۶۸)

(۱۶۷/۲۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَرْثَةَ الْهَمْدِ ابْنِ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَضَّلَ عَائِشَةُ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضَّلَ الثَّرِيدُ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن ثنی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن

جعفر نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت شعبہ سے اور انہوں نے عمرو بن مرہ سے اور انہوں نے مرہ ہمدانی سے روایت کی۔ وہ یہ روایت حضرت ابو موسیٰ سے نقل کرتے ہیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

راوی حدیث (۳۸۶) عمرو بن مرہؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شامک ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قال فضل عائشة ایا تو مطلق فضیلت مراد ہے یا اپنے زمانے کی عورتوں پر فضیلت مراد

ہے یا پھر ازواج مطہرات پر فضیلت مراد ہے۔

### ثرید کی فضیلت اور برکات :

ثرید : فعیل کے وزن پر ہے۔ بمعنی مفعول یعنی مٹو د کے۔ ضرب کے باب سے ہے یعنی شور بے میں روٹی توڑ کے کھانا خواہ وہ شوربا گوشت کا ہو یا کسی اور سالن کا۔ وهو الخبز الماء مرق بالمرق والغالب ان یکون مع اللحم۔ (اتحاف ص ۲۲۵) اس کا معنی خلط کرنا اور ملانا بھی نقل ہوا ہے۔ ثرود الثوب یعنی کپڑے میں رنگ ملا دیا، جبکہ ثرید میں بھی روٹی اور سالن کو مخلوط کر کے ملا دیا جاتا ہے۔ ویسے تو طعام کے بہت سے اقسام ہیں، مگر منافع کے لحاظ سے ثرید افضل ہے کہ اس کے کھانے میں مشقت نہیں ہوتی۔ وقت کم صرف ہوتا ہے، جلدی ہضم ہوتا ہے۔ تغذیہ اور ترمیم کے اعتبار سے افضل ہے۔

علامہ بخاریؒ بھی تقریباً یہی نقل کر رہے ہیں : ووجه فضل الثرید علی الطعام مافی الثرید من النفع و سہولة مساغہ و یسر تناوله و بلوغ الکفایة منه بسرعة واللذة والقوة و قلة المشقة فی المضغ۔ (مواہب ص ۱۳۱)

ابوداؤد میں حدیث ہے، احب الطعام الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الثرید من الخبز و الثرید من الحیس (بنی کریم ﷺ کا پسندیدہ کھانا اور روٹی کا ثرید یا حیس) (کھجور گھی اور ستو سے تیار کیا ہوا کھانا) (کا ثرید تھا) حضرت سلمانؓ سے طبرانی اور بیہقی نے روایت نقل کی ہے، البرکة فی ثلاثة

فی الجماعة و الثريد و السحور (برکت تین چیزوں میں ہے (۱) جماعت (۲) ثرید (۳) سحری کھانا) اطباء سے منقول ہے کہ ثرید کے کھانے سے بوڑھے بھی جوان ہو جاتے ہیں ..... و قال الا طباء هو یعید الشیخ الی صباه۔ (جمع ۲۶۹)

### سیدہ عائشہؓ کی فضیلت :

حدیث میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ سیدہ عائشہؓ میں جو فضائل تکوینی طور پر جمع ہوئے ہیں، وہ تمام صفات بیک وقت کسی بھی عورت میں موجود نہیں ہیں۔ مثلاً وہ افضل الانبیاء کے حوالہ عقد میں آئی ہیں۔ و احب النساء الیہ صلی اللہ علیہ وسلم و اعلمہن و احسبہن و انسبہن۔ (جمع ص ۲۶۹) حضور ﷺ کی محبوب ترین بیوی اور سب سے زیادہ عالمہ اور شرافت نسب کے لحاظ سے بڑھی ہوئی (حضرت خدیجہؓ کے بھی فضائل ہیں اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے بھی فضائل ہیں، مگر ان کے جہات اور ہیں، لیکن ایسی ہیئۃ جامعۃ جو ثرید کے ساتھ مشابہت رکھتی ہو، صرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے۔ اس لیے علماء نے کہا کہ حدیث میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کو جمیع عالم کی تمام نساء پر من جمیع الوجوہ فضیلت حاصل ہے، کیونکہ ثرید کی فضیلت بھی دیگر اطعمہ پر من کل الوجوہ نہیں (ساری سورتوں میں نہیں ہے) بلکہ من جہات مخصوصہ (مخصوص وجوہ میں) ہے۔ و هو لا یستلزم الا فضیلة من کل الوجوہ۔ تو یہ من کل الوجوہ افضلیت کو لازم نہیں (جمع ص ۲۶۹) حالانکہ صحیح روایات میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت خدیجہؓ کی بھی دیگر خواتین پر فضیلت منقول ہے۔

### فضیلت ثرید سے فضیلت عائشہؓ کی تمثیل کیوں ؟

قال الطیبیؒ و السرفیہ ان الثرید مع اللحم جامع بین القوة و للذة و سهولة التناول و قلة الملة فی المصغ فضرِب به مثلاً لئلا یؤذَن بانہا اعطیت مع حسن الخلق و حسن الخلق و حلوة النطق و فصاحة اللہجة و جودة القریحة و رزانة الرأی و رصانة العقل التحبب الی البعل فہی تصلح للتبعل و التحدث اولاً ستأس بها والا صغاء الیہا و حسبک انہا عقلت من النبی صلی اللہ

علیہ وسلم مالم یعقل غیرها من النساء وروت مالم یرو مثلها من الرجال. (جمع ص ۲۶۹) (علامہ طیبیؒ اس تمثیل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں رازیہ ہے کہ شہید بمع گوشت چونکہ قوت لذت، تناول کرنے میں سہولت اور چبانے میں قلت وقت جیسے اوصاف کا جامع ہے اسی لئے حضرت عائشہؓ کی فضیلت میں اس کو بغرض تمثیل کے لایا گیا تاکہ یہ بتلایا جائے کہ بیشک حضرت عائشہؓ کو حسن صورت، حسن سیرت، میٹھی فصیح زبان، اچھی طبیعت، عقل اور رائے میں مکمل سنجیدگی اور مضبوطی جیسے اوصاف کیساتھ ساتھ اپنے خاوند کے ساتھ الفت محبت اور انتہائی پیار تھا۔ اس لیے تو صرف حضرت عائشہؓ ہی فرمانبردار بیوی ہونے، گفتگو اور کلام کرنے، انس اور محبت کرنے اور راز کی بات کو غور و تدبر سے سننے کی صلاحیت رکھتی تھی اور آپ لوگوں کے لیے تو صرف یہی بات کافی ہے کہ اس نے حضورؐ سے ایسی ایسی باتیں اور معلومات سمجھیں جو عورتوں میں سے کسی دوسری نے نہیں سمجھیں اور ایسی روایات آپؐ سے نقل کی ہیں جو دوسرے مردوں نے نہیں کی ہیں)

### خواتین میں سب سے افضل کون ؟

علماء میں یہ مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا ہے کہ دنیا بھر کی خواتین میں سب سے زیادہ فضیلت کسے حاصل ہے؟ والدہ عیسیٰؑ، حضرت مریمؑ، حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ۔ چاروں کے متعلق علیحدہ علیحدہ روایات میں فضیلت کی تصریح ہے۔ حضرت مریمؑ کو خود اللہ پاک نے صدیقہ کا خطاب دیا ہے کہ ان کے بطن سے بغیر باپ کے ایک صاحب کتاب نبی پیدا ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نبی علیہ السلام کی سب سے پہلی رفیقہ اور خواتین میں سب سے پہلے ایمان لانے والی ہیں۔ حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے بارے میں نبی علیہ السلام کا ارشاد ”الفاطمۃ بضعة منی“ اور سیدۃ النساء اہل الجنة (فاطمہؓ میرے وجود کا ٹکڑا ہے، آپ جنت والی عورتوں کی سردار ہیں) کی تصریح ہے، پھر سیدہ عائشہؓ کو حسن فقہات، علم اور ازواج مطہرات میں دو شیزگی کی امتیاز کی وجہ سے فضیلت ہے۔ امت کو ایک تہائی علم دین سیدہ عائشہؓ سے پہنچا ہے۔ سورہ نور کے دور کو ان کے حق میں نازل ہوئے ہیں۔



خلاصہ بحث یہ کہ ان سب میں سے کسی بھی خاتون کو من جمیع الوجوہ سب نساء سے افضل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ہر خاتون کو مختلف جہات سے اور جزوی اعتبار سے دوسری عوتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ جہاتِ فضیلت بھی مختلف ہیں۔ بغیر باپ کے ایک صاحب کتاب نبی کی والدہ ہونے کے جہت سے حضرت مریمؑ کو جو فضیلت حاصل ہے، وہ ان ہی کا خاصہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی جزئیات کے لحاظ سے سیدہ فاطمہ الزہراءؑ کو جو فضیلت حاصل ہے، وہ کسی دوسری خاتون کو حاصل نہیں۔ اولین رفاقت اور خواتین میں پہلے ایمان لانے اور بحیثیت زوجہ کے مالی اعانت کرنے کی فضیلت حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہے۔ تو زوجیت، خدمت، محبت اور اشاعتِ علم دین میں حضرت عائشہؓ افضل ہیں۔ علامہ علی قاریؒ نے ان چاروں کے متعلق فضیلت کی احادیث پر بحث کو سمیٹتے ہوئے فرمایا۔ والحاصل ان الحیثیات مختلفہ والروایات متعارضة والمسألة ظنیہ والتوقف لا ضرر فیہ قطعاً فالنسلیم اسلم واللہ تعالیٰ اعلم۔ (جمع ص ۲۷۰) خلاصہ بحث یہی ہے کہ ان چاروں کے متعلق افضلیت کی روایات مختلف اور آپس میں متعارض ہیں اور چونکہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور یقیناً اس میں توقف کرنے میں کوئی نقصان اور حرج نہیں اس لیے (اپنی اپنی حیثیت میں) انکی فضیلت کو تسلیم کر لینا ہی بہتر اور محفوظ طریقہ ہے) (جمع مناوی ۲۷)

### باب سے مناسبت کی توجیہ :

بظاہر اگرچہ اس حدیث کا ترجمہ الباب سے کوئی ربط نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو وہ بعید المناست ہے۔ الا یقال انه یکون معہ ادام (ہاں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ طعام کے ساتھ سالن بھی ہو تو پھر باب کے ساتھ مناسب فائدہ ہے) (مواہب ص ۱۳۱)

(۱۶۸/۲۳) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَعْمَرٍ أَلَا نَصَارِي أَبُو طَوَّالَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النَّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت اسماعیل بن جعفر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبد اللہ بن عبد الرحمن بن معمر انصاری ابو طوالہ نے بیان کی۔ یہ ابو طوالہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثوید کی فضیلت ہے تمام کھانوں پر۔  
راوی حدیث (۳۸۷) عبد اللہ بن عبد الرحمنؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قال رسول الله صلى وسلم فضل عائشة ..... الخ ، گزشتہ حدیث میں اس کی تشریح تفصیل سے کی جا چکی ہے۔ ان روایات کے ذکر کرنے سے امام ترمذیؒ کا مقصد یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو کھانوں میں ثرید سے محبت تھی۔ ثرید آپؐ کو پسند تھا، چنانچہ مختلف روایات سے ثرید کے کھانے اور پسند کرنے کا معمول معلوم ہوتا ہے۔

(۱۶۹/۲۵) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوْضِئًا مِنْ ثَوْرٍ أَقِطَ ثُمَّ رَأَاهُ أَكَلَ مِنْ كَبْهَفٍ شاةٍ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ .

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ اُن کے پاس خبر دی عبد العزیز بن محمد نے۔ سہیل ابن ابی صالح کے واسطے سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، جنہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے آں حضرت ﷺ کو ایک مرتبہ پیڑ کا کلڑا نوش فرما کر وضو فرماتے دیکھا اور پھر ایک دفعہ دیکھا کہ بکری کا شانہ نوش فرمایا اور وضو نہیں فرمایا۔

راویان حدیث (۳۸۸) عبد العزیز بن محمدؓ (۳۸۹) سہیل بن ابی صالحؓ اور (۳۹۰) ابیہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

ثور : کا معنی ٹکڑا۔ الثور : هو قطعة من الشی لان الشیء اذا قطع من الشیء ثار عنه و ازال و فی القاموس الثور: القطعة العظيمة من الاقط فالاضافة لاغية وهو لبن یحمد بنار. (علامہ مناویؒ) ثور کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی چیز کے ٹکڑے کو کہتے ہیں کیونکہ جب ایک چیز دوسری چیز سے کاٹی جائے تو وہ اس سے جدا ہوگئی (اور اسی کو ٹکڑا کہتے ہیں) اور قاموس میں ہے کہ ثور پیر کے ایک بڑے ٹکڑے کو کہتے ہیں (تو اس صورت میں) پھر ثور اقط کی اضافت لاغیہ (لغو) ہوگی اور اقط کا معنی ایسا دودھ جو آگ کیساتھ منجمد کیا گیا ہو) (مناوی ۲۷۱) ثور، اقط کا معنی ایک ہی ہے۔ لفظ ثور کو ٹکڑے کے معنی میں مجرد کر لیں اور اقط کو پیر کے معنی میں لے لیں یا اضافت ہے، سعید کرز والی، کہ مضاف الیہ مضاف کا بیان ہے ففیہ تجرید و بیان و تاکید. (جمع ص ۲۷۱) (تو پھر ثور اقط میں تجرید اور بیان و تاکید ہوگی۔) (یعنی اقط بیان اور تاکید ثور کی ہے)

## ماست النار سے وضوء کا حکم :

عن ابی ہریرۃ انه رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ..... الخ اس مضمون کی حدیث اسی باب میں ۱۳ ویں نمبر پر گزر چکی ہے، جسے ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے بکری کے پہلو کا پکا ہوا گوشت کھایا، مگر نماز کے لیے تازہ وضوء کیا۔ اس روایت میں تصریح ہے کہ پیر کا ٹکڑا کھا کر وضوء بنایا، پھر آپؐ نے کف شاة سے تناول فرمایا اور وضوء کیے بغیر نماز پڑھ لی۔

اسی ضمن میں دونوں طرح کی روایات آئی ہیں۔ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ماست النار (جو چیز آگ پر پکی ہو) اس سے وضوء واجب نہیں ہے۔ والذی انتھی الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم هو علم الوضوء مما مسته النار للحديث الصحيح الذی اخرجه ابو داؤد عن جابر کان اخر الامر بن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما مسته النار. (حضور اقدس ﷺ کا آگ پر پکی ہوئی چیز کے سلسلہ میں آخری فیصلہ یہ ہے کہ آپؐ اسکے کھانے کی وجہ سے وضوء نہیں فرماتے تھے۔ جیسا کہ ابو داؤد نے حضرت جابرؓ سے حدیث صحیح نقل کرتے ہوئے کہا کہ حضور ﷺ کا آخری

عمل آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو نہ کرنا تھا) (اتحافات ص ۲۲۵) اسی سلسلہ کی تفصیلی بحث احقر کی ”توضیح السنن شرح آثار السنن“ میں ملاحظہ فرمائیے۔

## وضوءِ اول و ثانی کا محمل :

حدیث باب میں اتنی بات ملحوظ رہے کہ :

(۱) اس حدیث کے ظاہر سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس روایت میں ”الحکم السابق وهو الوضوء من ثور اقط“ (کہ پہلا حکم یعنی یہ کہ پیئر کے ٹکڑے سے وضو کرنا) حضور اقدس ﷺ کے عمل مبارک ”من اكله كفف شلة و علم توضئه“ (حضور ﷺ کا بکری کے پہلو کھانے کے بعد وضو نہ کرنے) سے منسوخ ہو چکا ہے۔ جیسے اسی پر لفظ ثم دلالت کرنا ہے جو تراخی کے لیے آتا ہے۔

(۲) بعض حضرات نے یوں تطبیق کی ہے کہ پہلے وضو سے مراد وضوء لغوی ہے و هو غسل الکفین و الفم (ہاتھوں کا پینچوں تک دھونا اور کلی کرنا) اور دوسرے وضوء سے مراد وضوء شرعی ہے، و هو وضوء الصلاة (مکمل وضو یعنی جو نماز کے لیے کیا جاتا ہے)۔

(۳) بعض حضرات نے اول و ثانی دونوں سے مراد وضوء شرعی لیا ہے، و قال فی وضوئه اولاً و علم وضوئه ثانياً اشارة و تنبيه علیہ انه مستحب لا واجب (کہ پہلی چیز (پیئر کے ٹکڑے) کھانے سے وضو کرنا اور دوسری چیز (بکری کا پختہ پہلو) کھانے سے وضو نہ کرنے میں یہ اشارہ اور تنبیہ کردی کہ وضوء شرعی کرنا مستحب ہے واجب نہیں) (مواعظ ص ۱۳۱)

اس توجیہ کی تائید حضرت جابر بن ثمرہ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ ان رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم ان توضا من لحوم الغنم قال ان شئت فتوضا وان شئت فلا توضا. (جمع ص ۲۷۲) (کہ بیشک ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا بکریوں کے گوشت کھانے سے ہم وضو کریں آپ نے فرمایا کہ اگر مرضی ہو تو پھر وضو کر لیں اور اگر مرضی نہ ہو تو پھر نہ کریں)

وَابِلْ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَوْلَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَفِيَّةَ بَتْمُرٍ وَسَوِيقٍ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان بن عیینہ نے وائل بن داؤد کے واسطہ سے اور انہوں نے اپنے بیٹے سے بیان کی، جن کا نام بکر بن وائل تھا۔ وہ زہری سے اور وہ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کھجور اور ستو سے فرمایا تھا۔

راویان حدیث (۳۹۱) وائل بن داؤدؒ (۳۹۲) بکر بن وائل بن داؤد التیمیؒ اور (۳۹۳) صفیہؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### الولیمۃ کا معنی اور تشریح :

اولم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صفیہ بتمر و سويق . یعنی ولیمہ، کیا لفظ ولیمۃ : ولم سے ماخوذ ہے، وهو الجمع وزناً ومعنی لان الزوجین یجتمعان . (ولم کا معنی جمع ہے وزن اور معنی دونوں کے لحاظ سے کیونکہ (یہاں ولیمہ میں) بھی دونوں خاوند اور بیوی جمع ہو رہے ہیں) کشاف میں ہے کہ ولیمۃ ہر اس دعوت کو کہتے ہیں، جو مسرت، خوشی اور سرور کے موقع پر کی جاتی ہے۔ من نکاح وختان وغیرہما (یعنی نکاح اور ختنہ وغیرہ) لیکن اب جب ولیمۃ مطلق ذکر کیا جاتا ہے، مراد نکاح کے وقت دعوت کا اہتمام ہوتا ہے اور جب دوسری مسرتوں کے موقع پر دعوت کی جائے، تو ولیمہ مقید ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً..... ولیمۃ الختان وغیرہ (ولیمہ ختنہ وغیرہ)۔ (جمع ص ۲۷۳)

### ولیمہ کا شرعی حکم :

ولیمہ سنت ہے اور خلوت صحیحہ کے بعد افضل ہے اور ولیمہ کی دعوت قبول کرنا بھی سنت ہے۔ وقال ابن حجر الولیمۃ طعام یصنع عند عقد النکاح او بعدہ وہی سنة مؤکدة والافضل فعلہا بعد الدخول اقتداءً به صلی اللہ علیہ وسلم (ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ولیمہ ایسا کھانا جو نکاح کی وقت یا

اسکے بعد تیار کیا جائے اور یہ سنت موکدہ ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس کو دخول (وطی) کے بعد حضور ﷺ کی اقتداء اور اتباع کے طور پر کیا جائے۔ (جمع ص: ۲۷۳) ولیمہ میں کوئی خاص مقدار اور معیار مقرر نہیں ہے۔ ہر انسان کی اپنی حیثیت پر منحصر ہے، اگر لحم کی طاقت نہ ہو، تو عام کھانے پر بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت صفیہ کا ولیمہ ترمذی و سوتی (کھجور اور ستو) پر کیا گیا۔ آپؐ نے ایک بیوی کا ولیمہ حبس پر کیا۔ جو کھجور گھی اور ستو سے تیار کیا جاتا ہے۔ ایک بیوی کا دو مد پر جس کی مقدار اہل عراق کے نزدیک دو رطل اور اہل حجاز کے نزدیک تہائی رطل کے برابر ہے، ایک رطل چالیس تولے کا ہوتا ہے۔

دعوت ولیمہ میں عموم ہونا چاہئے جس میں بغیر امتیاز کے امیر غریب ہر طبقہ کے لوگوں کو مدعو کیا جائے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، سب کھانوں میں برا، ولیمہ کا وہ کھانا ہے، جس میں مالدار لوگوں کو تو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ شر الطعام، طعام الولیمۃ یدعی له الاغنیاء و یتروک لها الفقراء۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے فرمایا ”اولم ولو بشلۃ“ (متفق علیہ) یعنی ولیمہ کرو، اگرچہ ایک ہی بکری ہو، مطلب یہ ہے گو تھوڑا ہی سامان ہو مگر کرنا چاہیے بہتر یہ ہے کہ عورت سے ہم بستری کرنے کے بعد ولیمہ کیا جائے۔ گو بہت سے علماء نے نکاح کے بعد بھی جائز فرمایا ہے اور ولیمہ مستحب ہے۔ (بہشتی زیور حصہ چہارم ص: ۳۳۶)

(۱۷۱/۲۷) حَلَّتْنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَصْرِيُّ حَلَّتْنَا الْفَضِيلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَلَّتْنِي فَائِدَةُ مَوْلَى عُيَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَلَّتْنَا عُيَيْدُ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَلَّتِ سَلْمَى أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ جَعْفَرٍ اتَّوْهَأَ فَقَالُوا لَهَا اِصْنَعِي لَنَا طَعَامًا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحْسِنُ أَكْلَهُ فَقَالَتْ يَبْنَى لَا تَشْتَهِيهِ الْيَوْمَ قَالَ بَلَى اِصْنَعِي لَنَا قَالَ فَقَامَتْ فَاحْذَلَتْ شَيْئًا مِنْ شَعِيرٍ فَطَحَنَتْهُ ثُمَّ جَعَلَتْهُ فِي قِلْبَرٍ وَصَبَتْ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ زَنْبٍ وَحَقَّتِ الْفُلْفُلَ وَالْوَرَابِلَ فَقَرَّبَتْهُ إِلَيْهِمْ فَقَالَتْ هَذَا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ

يُحْسِنُ أَكْلَهُ.

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسین بن محمد بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے فضیل بن سلیمان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت فائد نے بیان کی، جو کہ عبید اللہ بن علی بن ابی رافع کے آزاد کردہ غلام تھے اور خود ابورافع رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبید اللہ بن علی نے اپنی دادی سلمیٰ کے حوالہ سے بیان کی حضرت سلمیٰ کہتی ہیں کہ امام حسن بن علی اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم حضرت سلمیٰ کے پاس تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کو جو کھانا پسند تھا اور اس کو رغبت سے نوش فرماتے تھے، وہ ہمیں پکا کر کھلاؤ۔ سلمیٰ نے کہا کہ پیارے بچو! اب وہ کھانا پسند نہیں آئے گا۔ (وہ تنگی ہی میں پسند ہوتا ہے) انہوں نے فرمایا کہ نہیں ضرور پسند آئے گا۔ وہ اٹھیں اور تھوڑے جو لے کر ان کو پیسنا پھر ہانڈی میں ڈالے اور اس پر ذرا سبزیوں کا تیل ڈالا اور کچھ مرچیں اور زیرہ وغیرہ مسالہ پیس کر ڈالا اور پکا کر لرا کھا کہ حضور ﷺ کو یہ پسند تھا۔

راویان حدیث (۳۹۴) الحسین بن محمد البصریؒ (۳۹۵) الفضیل بن سلیمانؒ (۳۹۶) فائد مولیٰ عبید اللہ بن علیؒ (۳۹۷) مولیٰ رسول اللہؐ اور (۳۹۸) سلمیٰ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سلمیٰؒ کی خدمت میں صحابہ کرامؓ کی حاضری :

ان الحسن بن علی وابن عباس ..... الخ حسن بن علیؒ عبد اللہ بن عباسؒ اور عبد اللہ بن جعفرؒ تینوں صغار صحابہؓ میں سے ہیں۔ تینوں حضرات کو حضور اقدس ﷺ کے عادات و اطوار، اعمال اور اخلاق و خصائل جاننے، سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ تینوں صحابہؓ حضرت سلمیٰؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ وہ بزرگ شخصیت تھیں۔ جنہیں حضور اقدس ﷺ کی خادمہ اور باورچن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ لکونہا کانت خادمة المصطفى وطباخته۔ (مواہب ص ۱۳۲) اسی مناسبت سے ان حضرات نے بہت پیارا سوال کیا، جس کے ایک ایک لفظ سے حضور اقدس ﷺ سے ان کی

محبت عشق اور اشتیاق کی خوشبو ٹپکتی ہے، انہوں نے عرض کیا: یعنی سب نے یا ان میں ایک نے، فقالوا! ای بعضهم او کلهم لہا اصنعی لنا طعاماً مما کان یعجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم . ہمارے لیے وہ کھانا تیار کر دیں، جو حضور اقدس ﷺ پسند فرماتے تھے فقالت یا بنی، صیغہ تصغیر ہے، شفقت کے لیے، والمقصود بالنداء کل واحد منهم او متکلم منهم (اور اس سے مقصود یا تو نداء ان میں سے ہر ایک کو تھی یا جوان میں پوچھنے والا تھا) (جمع ص ۲۷۴) لا تشہیہ الیوم، فرمایا میرے پیارے بچو! وہ کھانا تو تنگی اور عسرت کے وقت کا کھانا تھا، اب تو طعام میں وسعت ہے اور آسانی و تیسر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں اس کھانے کی طرف توجہ اور رغبت نہ ہو۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں: لسعة العیش و ذهاب ضيقه الذی کان اولاً وقد اعتاد الناس الأطعمة اللذيذة. (مواہب ص ۱۳۲)

یہاں پر حضرت سلمیٰؓ نے اپنے خطاب میں لا تشہیہ سے واحد کو مخاطب کیا حالانکہ مخاطب جماعت تھی۔ اما لا نہا خاطبت اعظمهم وهو الحسن واما لا نہا نزلت الجميع منزلة الواحد لا اتحاد بغیتهم (یا تو اس لیے کہ ان میں سے بڑے یعنی حضرت حسنؓ کو خطاب کیا اور یا آپؐ نے سب کو بوجہ ان کے مقصد کے ایک ہونے ایک فرد قرار دیکر خطاب کیا) (اتحافات ص ۲۲۸) اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس نے اصنعی کا خطاب حضرت سلمیٰؓ کو کیا آپؐ کا مخاطب بھی وہی ایک ہوا اگرچہ مراد سب تھے۔ واللہ اعلم۔ انہوں نے اصرار کیا کہ نہیں ہمیں بنا کر دیجئے، چنانچہ اس نے تھوڑا سا جو کا آٹا گوندھ کر ہنڈیا میں ڈالا، پھر زیتون کا تیل، سیاہ مرچ، زیرہ اور تو ابل وغیرہ ملا کر اس میں ملا دیئے۔ تو ابل: اشیاء حارة تصاف الی الطعام کالکزبرة و الکمون و مشابہما (اتحافات ص ۲۲۸) یہ توبلہ کی جمع ہے بمعنی گرم مصالحہ کے، اس کے اجزاء طبی طور پر شریک کیئے جاتے ہیں۔ یہ ہندوستان سے لائے جاتے تھے، وہی ادویۃ حارة یؤتی بہا من الہند۔ (جمع ص ۲۷۴)

یہ ہے حضور اقدس ﷺ کا پسندیدہ کھانا :

جب کھانا پکا لیا، تو تینوں بر خور داروں کے سامنے رکھا اور فرمایا ہو هذا مما کان یعجب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و یحسن اكله۔ (یہ وہ کھانا ہے جو حضور ﷺ کو اچھا اور اس کے کھانے کو پسند



فرماتے تھے) علامہ اللیچو رنیؒ لکھتے ہیں ہو یوخذ من هذا انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحب تطیب الطعام بما تیسر و سہل وان ذلک لا ینافی الزہد. (اور اس سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ کھانے کو آسانی سے میسر شدہ چیزوں کیساتھ لذیذ بنانے کو پسند فرماتے تھے اور یہ کہ ایسا کرنا زہد اور تقویٰ کے خلاف نہیں ہے)

(۱۷۲/۲۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِلَّانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ نُبَيْحِ الْعَنْزِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ أَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْزِلِنَا فَلَذِبْ بَحْثَالَهُ شَاةً فَقَالَ كَانَتْهُمْ عَلِمُوا أَنَّا نَحِبُّ اللَّحْمَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ .

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں اسے ابو احمد نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ حدیث سفیان نے اسود بن قیس کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت یحییٰ عنزی سے روایت کی، جنہوں نے اسے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے حضور ﷺ کے لیے بکری ذبح کی۔ حضور اکرم ﷺ نے (دلدار کی لیے اظہار مسرت کے طور پر) فرمایا کہ بظاہر ان لوگوں کو علم ہے کہ ہمیں گوشت مرغوب ہے۔ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اور بھی قصہ ہے، جس کو مختصر کر دیا گیا۔

راویان حدیث (۳۹۹) الاسود بن قیسؒ اور (۴۰۰) یحییٰ عنزیؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

قال اتانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ..... الخ جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے ہاں رونق افروز ہوئے فلذبحنالہ: ای لا جملہ اصالة ولا صحابہ تبعاً. شاة: وہی جنس يتناول الضأن والمعز والذکر والا نثی جمیعاً. (ہم نے آپؐ کے لیے اصالة اور آپؐ کے صحابہؓ کے

لیے تبعاً بطور خادم ہونے کے ایک بکری ذبح کی اور یہ لفظ شاة یہاں بطور جنس کے مستعمل ہے بکری بھیڑ ڈبنے وغیرہ چاہے مذکر یا مؤنث سب کو شامل ہے) (جمع ص ۲۷۵) باقی مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔

### میزبان اور مہمان کے اخلاقی فرائض :

اس حدیث میں میزبان اور مہمان دونوں کے لیے یہ ہدایت بھی ہے کہ میزبان اس کھانے کا اہتمام کرے، جو مہمان کو پسند ہو اور مہمان کو بھی چاہیے کہ میزبان کو پہلے سے اپنی پسند سے آگاہ کر دے تاکہ وہ مشقت میں نہ پڑے جیسے کہ علامہ بیجوریؒ نے اسی بات کو ان الفاظ میں ذکر کر دیا۔ یو یو خذ منه انه ينبغي للمضيف ان يحافظ على ما يحبه الضيف ان عرفه وللضيف ان يخبر بما يحبه مالم يوقع المضيف في مشقة. (مواعظ ص ۱۳۳)

### ایک معجزہ کا بیان :

وفي الحديث قصة : مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک دلچسپ قصہ اور نرالا واقعہ ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق میں میں نے جب حضور اقدس ﷺ پر بھوک کے اثرات کا غلبہ دیکھا تو میں بیوی کے پاس آیا اور اس سے کہا ہل عندک شئی رأیت بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم . جو عاً شدیداً کیا تیرے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے میں نے تو نبی کریم ﷺ پر سخت فاقہ کے آثار دیکھے ہیں) اس نے ایک تھیلا نکالا، جس میں ایک صاع جو تھے، اس کے علاوہ ہمارے پاس ایک فربہ بکری بھی موجود تھی، یاد نبہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسے میں نے ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جو کا آٹا گوندھ لیا، و ذبحتھا انا و طبخت زوجی الشعیر، پھر ہانڈی میں گوشت ڈالا اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چپکے سے ساری صورت حال عرض کر دی اور یہ بھی عرض کیا، تعال انت و نفر معک یعنی آپ خود بھی اور چند اصحاب بھی میرے ساتھ تشریف لے چلیں تاکہ جو کچھ ما حاضر ہے، تناول فرمائیں۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے میری یہ درخواست سنتے ہی تمام لشکر کو مخاطب کر کے پکارا، اے اہل خندق! جابر نے کھانا تیار کیا ہے اور سب کو

دعوت دے رہا ہے اور حضرت جابر سے فرمایا ہانڈی کو چولہے سے نہ اتارو اور جب تک میں نہ آ جاؤں روٹی نہ پکاؤ، لا تسنزلن برمتکم ولا تخبزن حتی اجی۔ چنانچہ جب آپ تشریف لائے، تو خیر شدہ آتا آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اس میں لعاب ڈالا، پڑھا اور دم کیا۔ اسی طرح ہانڈی کے قریب تشریف لائے اور اس کے ساتھ بھی یہی عمل کیا، پھر حضرت جابرؓ کی اہلیہ سے فرمایا کہ روٹی پکانے والی عورت کو بلاؤ، وہ آپ کے ساتھ روٹیاں پکائے اور ہانڈی سے چھج بھر کر سالن نکالتے اور دیتے رہو مگر اسے چولہے سے نہ اتارو۔

شکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ حضرت جابرؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ تمام لشکر نے سیر ہو کر کھانا کھایا، مگر سالن کی ہانڈی اسی طرح اُبل رہی تھی اور آٹے کا خیر بھی ختم نہیں ہوا تھا۔

ملا علی قاریؒ نے یہی بات ان الفاظ میں نقل کر دی۔ فاقسم باللہ لا کلو ا حتی تر کوہ وانحرفوا و ان برمتنا لتغط ای تغلی و یسمع غطیها کما ہی و ان عجنینا لیخبز هذا الحدیث من باب المعجزات واستیفائها یستفاد من المطولات۔ (جمع ص ۲۷۵)

(۱۷۳/۲۹) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ عَقِيلٍ سَمِعَ جَابِرًا قَالَ سُفْيَانُ وَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَنَا مَعَهُ فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَذَبَحَتْ لَهُ شَاةً فَأَكَلَ مِنْهَا وَ أَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطْبٍ فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ تَوَضَّأَ لِلظُّهْرِ وَ صَلَّى ثُمَّ أَنْصَرَفَ فَاتَتْهُ بِعَلَلَةٍ مِنْ غَلَلَةِ الشَّاةِ فَأَكَلَ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ وَ لَمْ يَتَوَضَّأَ.

ترجمہ! ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبد اللہ بن محمد بن عقیل نے بیان کیا، انہوں نے جابرؓ سے سنا اور سفیان نے کہا اور ہم سے محمد ابن منکدر نے صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے نقل کیا۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ ایک انصاری عورت کے مکان پر تشریف لے گئے۔ میں بھی حضور ﷺ کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کے لیے بکری ذبح کی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس میں سے کچھ

تناول فرمایا، اس کے بعد کھجور کی چنگیری میں کچھ تازہ کھجوریں لائیں۔ حضورؐ نے اس میں سے بھی کچھ تناول فرمایا، پھر ظہر کی نماز کے لیے حضورؐ نے وضو کر کے نماز ادا کی، پھر واپس تشریف لانے پر انہوں نے باسی گوشت سامنے رکھا۔ حضور ﷺ نے اس کو تناول فرمایا اور عصر کی نماز کے لیے دوبارہ وضو نہیں کیا۔ اُسی پہلے وضو سے نماز ادا فرمائی۔

راوی حدیث (۴۰۱) عبد اللہ بن محمد بن عقیلؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ القناع: طباق کو کہتے ہیں۔ الطبق الذی یؤکل علیہ و یقال له القنع (بالکسر و بالضم) (ایسا طشت یا ٹرے جس میں کھایا جاتا ہے اور اسکو قناع بھی کہتے ہیں) (جمع ص ۶۷۷) طبق یعمل من خوص النخل (ایسی چنگیری جو کھجور کے پتوں سے بنائی جائے) (اتحافات ص ۲۲۹) علالۃ: پچا ہوا گوشت یا بچا ہوا دودھ جو تھن میں رہ جائے۔ (اتحافات ص ۲۲۹)

### استنباط مسائل :

ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بکری کا گوشت کھایا اور ربط یعنی تازہ کھجوریں بھی تناول فرمائیں۔

وضوء من مامست النار کے مسئلہ کی بھی توضیح ہو گئی کہ پکا ہوا گوشت کھایا، مگر وضو نہیں فرمایا فذبح له شاة سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت بھی ذبیحہ کر سکتی ہے اس لیے اسے ذبح کرنے کا طریقہ سکھایا جائے تاکہ بوقت ضرورت کام کر سکے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی بزرگ شخصیت اور معزز مہمان کی تشریف آوری کے موقع پر بکری دنبہ وغیرہ کو ذبح کرنا جائز ہے۔ یہاں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آپؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی ہوگی۔ اگرچہ حدیث مذکور میں اس طرف اشارہ نہیں، لیکن حضور ﷺ کی عام عادت مبارک تھی کہ جب کسی کے ہاں کھانا تناول فرما لیتے تو ان کے لیے دعا ضرور

فرماتے، وکان اذا اکل عند قوم لم یخرج حتی یدعولہم (اور آپ جب کسی قوم کے پاس کوئی چیز کھا لیتے تو وہاں سے نکلنے سے پہلے ان لوگوں کے لیے دعا کر لیا کرتے)۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵)

### ایک اشکال سے جواب :

البتہ ایک اشکال یہ ضرور واقع ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں، ”ماشیع فی الیوم مرتین“ اور دوسری روایت میں، ”ماشیع قط“ سے اس کا تعارض ہے کہ اس روایت میں ہے کہ آپؐ نے ایک دن میں دو دفعہ کھانا کھایا اور بچ بھی گیا، جسے بعد میں پھر تناول فرمایا۔ شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنے دولت کدہ پر کبھی سیر ہو کر نہیں کھایا کہ میسر نہ تھا اور اگر میسر ہوا، تو فقراء اور مستحقین میں تقسیم کر دیا، جبکہ حدیث میں بیرون خانہ کا واقعہ ہے اور جب آدمی کسی کے ہاں مہمان ہو، تب تو خوب سیر ہو کر اور بار بار کھائے تاکہ میزبان کو مسرت ہو، ویندب ذلک جبراً لخواطر المضیف ونحوہ۔ (اور کس کے ہاں مہمان ہونے کی صورت میں میزبان وغیرہ کی دلجوئی کے لیے خوب سیر ہو کر کھانا چاہے (جمع ص ۲۷۵) اور یہ بھی ممکن ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے اپنے علم کے مطابق وہ خبر دی ہو اور اس واقعہ کا اسے علم نہ ہو۔ یا حضرت عائشہؓ کی روایت کا محل غالب اوقات ہیں اور یہ روایت علی اقل الاوقات (کبھی کبھار) پر محمول ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں فما مر عن عائشہ من نفی ذلک انما هو باعتبار علمها او باعتبار الغالب (جمع ص ۲۷۶) اور یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ دن میں دو مرتبہ پیٹ بھرنے کا انکار تھا۔ دو مرتبہ کھانے کا انکار نہ تھا کہ تھوڑا سا دوبارہ کھالیا جائے۔ (خصائل)

(۱۷۳/۳۰) حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الثَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ عَنْ أُمِّ الْمُثَنِرِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ وَلَنَا ذَوَالِ مُعَلَّقَةٍ قَالَتْ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَأْكُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ مَهْ يَا عَلِيُّ فَإِنَّكَ نَاقَةٌ قَالَتْ فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا

وَشَعِيرًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ مِنْ هَذَا فَاصْبُ فَإِنَّهُ أَوْفَقُ لَكَ.

ترجمہ: ”امام ترمذی“ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عباس بن محمد دوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یونس بن محمد نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ روایت فتح بن سلیمان نے عثمان بن عبد الرحمن کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث یعقوب بن ابی یعقوب سے اور انہوں نے صحابیہ رسول حضرت ام منذرؓ سے نقل کی۔ ام منذرؓ کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میرے یہاں تشریف لائے۔ ہمارے یہاں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے۔ حضور اقدس ﷺ ان میں سے تناول فرمانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو حضورؐ کے ساتھ تھے، وہ بھی نوش فرمانے لگے۔ حضورؐ نے ان کو روک دیا کہ تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو تم مت کھاؤ وہ رک گئے اور حضورؐ تناول فرماتے رہے۔ ام منذرؓ کہتی ہیں کہ پھر میں نے تھوڑے سے جو اور چقندر لے کر پکائے۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ یہ کھاؤ یہ تمہارے لیے مناسب ہے۔

راویان حدیث (۴۰۲) یونس بن محمدؒ (۴۰۳) عثمان بن عبد الرحمنؒ (۴۰۴) یعقوب بن ابی یعقوبؒ اور (۴۰۵) ام المندرؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

دوال : دالیہ کی جمع ہے۔ کھجوروں کا خوشہ ہو وہو العنق من البسر یقطع و یعلق فاذا ارطب اکل علی التدریج۔ (مناوی ص ۲۷۶) (گدیری کجور (نیم پختہ) کا وہ خوشہ جو کاٹ کر لٹکایا جاتا ہے۔ پختہ ہو کر تدریجاً کھایا جاتا ہے) وقال ابن العربی الدوال العنب المعلق فی شجرة۔ (مواہب ص ۱۳۴) (ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ دوال انگور کے اس گچا کو کہتے ہیں جو درخت میں لٹکا ہوا ہو) معلقة ! لٹکا ہوا، تعلیق مصدر ہے بمعنی لٹکانا، ایک کام کو بغیر کئے رہنے دینا۔ مہ : بازو، رُک جا، اسم فعل بمعنی الامر ای اکھف ولا تاکل منه (جمع ص ۲۷۶) (لفظ مہ اسم فعل بمعنی امر کے ہے یعنی رُک جا اور اس سے نہ کھائیے) من نقه الشخص اذا برئ من المرض۔ (جمع ص ۲۷۶) (لفظ ناقۃ صیغہ فاعل از نقه الشخص سے ماخوذ ہے جبکہ ایک شخص ابھی بیماری سے صحتیاب ہوا ہو)

الاحوال الثلاثة الصحة والمرض والنقاہة و ہی حالة بین الحالین الاولین (جمع ص ۲۷۷) (انسان) کی تین حالتیں یہ ہیں۔ (۱) صحت (۲) بیماری (۳) نقاہت اور وہ دونوں سابقہ حالتوں کی درمیانی حالت کو کہتے ہیں) نقہ تب بولا جاتا ہے، جب آدمی ماندہ ہو اور مرض سے ابھی صحت یاب ہوا ہو، اسی سے نقاہت بولا جاتا ہے۔ حضرت علیؑ بھی ابھی تازہ مرض سے صحت یاب ہوئے تھے کمزوری اور نقاہت تھی، اس لئے پرہیز کی ترغیب دی گئی۔ سلق: چقندر کو کہتے ہیں۔

کھڑے ہو کر کھانا :

فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کل و علی معہ یا کل . (آپؐ اور حضرت علیؑ) کچھور کے لٹکے ہوئے خوشہ سے (کھا رہے تھے) شیخ عبدالرؤفؒ فرماتے ہیں کہ اس سے کھڑے ہو کر کھانے کا بلا کر اہت جواز معلوم ہوتا ہے، تاہم اس کا ترک افضل ہے۔ ”فیہ جواز الاکل قائماً بلا کراہة لکن ترکہ افضل کما فی الانوار“۔ (مناوی ص ۲۷۷)

اسباب کی رعایت اور پرہیز :

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسباب کی رعایت تو کل کے منافی نہیں، و یؤخذ من هذا ان التداوی مشروع ولا ینافی التوکل۔ (مواہب ص ۱۳۵) اس حدیث سے علاج معالجہ کا جواز معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ وہ توکل کے منافی نہیں ہے) اور یہ بھی معلوم ہوا کہ لاغر و کمزور اور نقاہت والے شخص کیلئے سلق و شعیر نافع ہے۔ لا سیمّا اذا طبع باصول السلق۔ (مواہب ص ۱۳۵) (خصوصاً جب چقندر کی جڑوں کے ساتھ پکائے جائیں) اور ناقہ کیلئے فواکہ بالخصوص کچھور اور انگوٹھ مضرت رساں ہیں۔ لضعف المعدة عن دفعها مع سرعة استحالتها (مواہب ص ۱۳۵) (اس لئے کہ معدہ ان کی قوت مدافعت سے کمزور ہوگا اور ان کا استحالہ بھی جلدی ہو جائے گا) اما الرطب والفاکة فانہما ثقیلان علی معدة الناقۃ۔ (اتحافات ص ۲۳۰) (صاحب اتحافات لکھتے ہیں کہ کچھور اور میوہ بیمار اور نقاہت والے شخص کے معدہ پر بوجھل ہوتے ہیں)

حدیث میں پرہیز کی تعلیم و ترغیب بھی ہے۔ مرض کے علاج میں پرہیز ایک مؤثر عنصر ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے طبِ نبویؐ میں لکھا ہے کہ پرہیز شرعاً مشروع اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا حصہ ہے، جو توکل کے خلاف نہیں ہے۔

(۱۷۵/۳۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيلَانَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيَى عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِينِي فَيَقُولُ أَعِنْدَكَ غَدَاءٌ فَأَقُولُ لَا قَالَتْ فَيَقُولُ إِنِّي صَائِمٌ قَالَتْ فَأَتَانَا يَوْمًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ أَهْلَيْتَ لَنَا هَلِيَّةً قَالَ وَمَا هِيَ قُلْتُ حَيْسٌ قَالَ أَمَا إِنِّي أَصْبَحْتُ صَائِمًا قَالَتْ ثُمَّ أَكَلَ .

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے بشر بن سری نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سفیان ثوری سے طلحہ بن یحییٰ کے واسطے سے روایت کی۔ اس نے عائشہ بنت طلحہؓ سے اور انہوں نے یہ روایت عائشہ صدیقہؓ سے حاصل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لا کر دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کچھ کھانے کو رکھا ہے۔ جب معلوم ہوتا کہ کچھ نہیں، تو فرماتے کہ میں نے روزہ کا ارادہ کر لیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ ایک ہدیہ آیا ہوا رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا چیز ہے، میں نے عرض کیا کہ کھجور کا ملیدہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تو روزہ کا خیال کر رکھا تھا، پھر حضورؐ نے اس میں سے تناول فرمایا۔

راویان حدیث (۴۰۶) بشر بن السریؒ (۴۰۷) طلحہ بن یحییٰؒ اور (۴۰۸) عائشہ بنت طلحہؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذیؒ“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

غداء : صبح کے کھانے کو کہتے ہیں، ہو الطعام الذی يؤکل اول النهار، اس کے مقابلہ میں عشاء ہے جو شام کے کھانے کو کہتے ہیں۔ الغذاء : کھائی جانے والی خوراک کو کہتے ہیں، ہو ما یؤکل علی وجه التغذی مطلقاً فی شمل العشاء کما یشمل الغذاء۔ (مواعظ ص ۱۳۵) غذا ہر وہ چیز جو



بغور تغذی (غذاء حاصل کرنے) استعمال ہو، اس لئے عشاء (رات کے کھانے) کو بھی شامل ہے جیسے کہ عشاء (صبح کے کھانے) کو شامل ہے۔

حیس : ایک خاص قسم کا کھانا یا حلوہ جو کھجور، گھی اور پنیر کو ملا کر تیار کیا جاتا تھا، وهو التمر،

مع السمن والاقط و قد يجعل عوض الاقط الدقيق وقال الشاعر .....

اذا تكون كريهه ادعى لها واذا يحاس الحيس يدعى جندب

هذا وجدكم الصغار بعينه لا ام لى ان كان ذاك ولا اب

عجب لتلك قضية واقامتى فيكم على تلك القضية اعجب

(مواہب ص ۱۳۵)

(اور کبھی پنیر کی بجائے آٹا ملایا جاتا ہے، شاعر کہتے ہیں : اور جب مشکل اور مصیبت درپیش ہو تو میں بلایا جاتا ہوں اور جب حلوہ اور حیس تیار ہو جاتا ہے تو پھر جندب کو بلایا جاتا ہے، تمہارے آباء و اجداد کی قسم یہی تو بعینہ ذلت اور خواری ہے۔ اگر حالت ایسی ہو تو میرے ماں باپ نہ ہوں یعنی ہلاک ہو جائیں، اس واقعے سے بڑا تعجب اور حیرانگی ہے اور اس سے بڑی حیران کن بات تو اس حالت میں میرا تمہارے ساتھ ٹھہرنا اور قیام ہے)

**نفلی روزے کی نیت کا وقت :**

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک تو یہ کہ نفلی روزہ کی نیت صبح کے وقت بھی آدھے دن تک ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے پہلے کوئی عمل روزہ کے منافی نہ کیا ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمانے پر نیت فرمائی۔ یہ مذہب حنفیہ شافعیہ رحمہم اللہ عنہم کا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نفلی روزہ کی نیت بھی رات ہی سے کر لی جائے۔ البتہ کوئی عارض پیش آئے، تو دوپہر سے پہلے پہلے دن میں بھی نیت کرنے کا مضائقہ نہیں ہے۔

**نفلی روزے کے توڑنے کا حکم :**

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نفلی روزہ رکھے، تو اس کے توڑ دینے کا اختیار ہے۔ یہ مذہب

شافعیہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک قرآن شریف کی آیت **وَلَا تَبْطُلُوا أَعْمَالَكُمْ** (اپنے اعمال کو باطل مت کرو) کی بنا پر روزہ نماز کوئی عمل توڑنا جائز نہیں، لیکن اس حدیث کی وجہ سے چونکہ روزہ توڑنا معلوم ہوتا ہے، اس لئے دونوں چیزوں پر عمل اس طرح کیا جاوے گا کہ اگر کوئی ضرورت اور مجبوری درپیش ہو، تو اس حدیث کی وجہ سے اس میں گنجائش سمجھنی چاہئے اور بلا ضرورت توڑنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے حال سے بھی یہی ظاہر ہے۔ بعض علماء نے حدیث کے اس جملہ کا کہ روزہ رکھنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ فرمایا ہے کہ پختہ نیت نہیں فرمائی تھی۔ البتہ ارادہ تھا کہ آج روزہ رکھ لوں گا۔ لیکن بندہ کے نزدیک پہلی توجیہ اچھی ہے۔

مسئلہ : اگر کسی ضرورت سے نفل روزہ توڑ دینے کی نوبت آوے، تو حنفیہ کے نزدیک کسی دوسرے وقت قضا کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضور اقدسؐ نے ان کو ارشاد فرمایا تھا کہ کسی دوسرے دن قضا کر لو۔ (خصائل ص ۱۰۱)

ملا علی قاریؒ نے حدیث مذکور سے اظہار عبادت برائے مصلحت یا تعلیم مسئلہ اور اپنی حالت کے بیان کرنے پر استدلال کیا ہے۔ ففیہ دلیل علی اظہار العبادۃ لحاجة و مصلحة كتعليم مسئلة و بیان حالۃ انتہی (جمع ص ۲۷۸) اور علامہ مناویؒ فرماتے ہیں: وفیہ حل اكله صلى الله عليه وسلم الهدیۃ (اور اس حدیث سے حضور ﷺ کا ہدیہ کو تناول فرمانے کا جواز اور حلت معلوم ہوتی ہے) (مناویؒ ص ۲۷۸)

(۱۷۶/۳۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَحْيَى الْأَسْلَمِيِّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ الْأَعْوَرِ عَنْ يُونُسَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ كِسْرَةً مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ فَوَضَعَ عَلَيْهَا تَمْرَةً ثُمَّ قَالَ هَذِهِ إِذَا مَا هَلِكَ فَأَكَلَ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبد اللہ بن عبد الرحمن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عمر بن حفص بن غیاث نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہمارے باپ نے محمد بن ابی

یحییٰ اسلمی کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابی امیہ اعور سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت یوسف بن عبد اللہ بن سلام سے سنی۔ یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایک مرتبہ دیکھا کہ حضورؐ نے ایک روٹی کا ٹکڑا لے کر اس پر کھجور رکھی اور فرمایا کہ یہ اس کا سالن ہے اور نوش فرما لیا۔ ترجمہ بالا روایت کے مذکورہ الفاظ کا ہے، جو کے اکثر نسخ شمائل کی عبارت ہے۔ بعض نسخ میں عن عبد اللہ بن سلام کا اضافہ بھی ہے۔ اس صورت میں قال رأیت ..... الخ، کا ترجمہ دو طرح کا ہو سکتا ہے کہ عبد اللہ بن سلام فرماتے ہیں یا یوسف بن عبد اللہ فرماتے ہیں۔ قال ای عبد اللہ او ابنہ۔ (جمع ص ۲۸۰) (یعنی عبد اللہ نے یا اس کے بیٹے (یوسف) نے کہا)

راویان حدیث (۴۰۹) عمر بن حفص بن غیاثؒ (۴۱۰) محمد بن ابی یحییٰ الاسلمیؒ (۴۱۱) یزید بن امیہ الاورؒ اور (۴۱۲) یوسف بن عبد اللہ بن سلامؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### جو کی روٹی اور سالن :

ہذہ ادام ہذہ : مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اس سے قبل اسی باب کی روایات میں سرکہ کو سالن کہاں گیا ہے۔ بلکہ بہتر سالن نعم الادم الخل۔ اس حدیث میں یہ تعلیم دینا مقصود ہے۔ ہذہ ادام ہذہ یعنی اگر کوئی باقاعدہ سالن میسر نہ ہو، تو کھجور، پیاز، وغیرہ کو بھی بطور سالن استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یعنی زندگی کے قیمتی لمحات و اوقات کو لذت کام و دہن میں نہیں گنونا چاہئے، بلکہ دین اسلام کی تبلیغ، جہاد فی سبیل اللہ، اعلاء کلمۃ اللہ، ذکر الہی تحصیل و اشاعت علم دین اور عبادت میں لگے رہنا چاہئے۔ فانی دنیا پر فریفتگی عبث ہے بلکہ کھجور کے سالن کے باہمی استعمال سے اغذیہ میں اعتدال کی تعلیم ہے کیونکہ جو کی تاثیر سرد و خشک ہے اور کھجور کی تاثیر گرم و تر ہے۔ علامہ البیجوریؒ فرماتے ہیں :

ویؤخذ من ہذا انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدبر الغذاء فان الشعیر بارد یا بس والتمر حار رطب فکان صلی اللہ علیہ وسلم لا یجمع بین حارین ولا بار دین ولا مسہلین ولا قابضین ولا

غلیظین ولا بین مختلفین کقابض و مسهل ولم یاکل طعاما قط فی حال شدة حرارته ولا طیخا  
 باثنا مستخنا ولا شینا من الأطعمة العفنة والمالحة فان ذلك کلة ضار مولد للخروج عن الصحة و  
 بالجملة فكان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصلح ضرر بعض الاغذیة ببعض اذا وجد الیہ سبیلا ولم  
 یشرب علی طعامہ لنلا یفسد ذکرہ ابن القیم۔ (مواہب ص ۱۳۶) اور اس حدیث سے یہ  
 استدلال کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ غذا کے استعمال کرنے کے سلسلہ میں سوچ بچار اور احتیاط سے  
 کام لیا کرتے مثلاً جو ٹھنڈے اور خشک ہیں اور کھجور گرم اور تر ہے پس آپؐ کی عادت مبارک کھانے  
 میں یہ تھی کہ نہ کبھی دو گرم چیزیں اکٹھی استعمال کرتے نہ دو ٹھنڈی چیزیں، اس طرح نہ دونوں مسہل اور  
 نہ دونوں قابض و سخت اشیاء کا استعمال کرتے اور نہ دو ایسی چیزیں کہ ان میں سے ایک قابض اور  
 دوسری مسہل ہو کبھی استعمال میں نہ لاتے۔ نیز نہ آپؐ نے کوئی کھانا اور نہ سالن انتہائی گرم حالت میں  
 استعمال فرمایا اور نہ ایسے کھانے جو بد بودار یا کھٹے ہوں اسلئے کہ یہ سب اشیاء نقصان دہ اور صحت کی  
 خرابی پیدا کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اگر ممکن ہوتا تو آپؐ بعض غذاؤں کے ضرر اور نقصان کی  
 اصلاح بعض دوسرے اشیاء اور غذاؤں سے کر کے ایک اعتدالی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش فرمایا کر  
 تے۔ نیز آپؐ کھانا کھانے کے بعد پانی اسلئے نہیں پیتے تھے کہ کھانا خراب نہ ہو جاوے ابن قیمؒ نے  
 ایسا ہی ذکر کیا ہے)

(۱۷۷/۳۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُبَادِ بْنِ الْعُؤَامِ عَنْ  
 حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ الْفُلَّ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ  
 يُعْنِي مَا بَقِيَ مِنَ الطَّعَامِ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبد اللہ بن عبد الرحمن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ  
 ہمیں اسے سعید بن سلیمان نے عباد بن عوام کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حمید سے  
 اور انہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سنی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ  
 کو ہانڈی اور پیالہ میں بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔

راوی حدیث (۴۱۳) سعید بن سلیمانؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں  
بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

الثفل : تلچھٹ، تہ دیگی، پنجاب میں اسے گروڑی کہتے ہیں۔ هو الباقي من الطعام وقيل الثفل هو  
ثريد وهو مختار صاحب النهاية (کھانے سے جو نیچے بچ جائے اور بعض کہتے ہیں وہ ثريد ہے صاحب  
نہایہ نے اسکو پسند کیا ہے) (اتحافات ص ۲۳۲) فائق میں ہے کہ ثفل ، اصل میں تلچھٹ کو کہتے۔ یہ  
تیل کا ہو یا شوربے کا، یا شربت کا یا شراب کا یا کسی بھی تیلی چیز کا طیبیؒ نے تصریح کی ہے کہ حدیث میں  
ثفل سے مراد تہہ دیگی ہے۔

بچے ہوئے کھانے سے محبت :

اس میں بھی تھوڑی چیز پر صبر و قناعت اور ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت پر تشکر و امتنان اور اس کی قدر  
دانی کی تعلیم ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، وفيه اشارة الى التواضع والصبر والقناعة بالقليل. (جمع  
ص ۲۸۱) نیز اس میں حضور اقدس ﷺ کے قول کی طرف بھی اشارہ ہے کہ لوگوں کو کھلانے پلانے  
والا خود آخر میں کھانا پیتا ہے۔ ساقی القوم آخرهم شرباً یہ حضور اقدس ﷺ کا جذبہ خدمت، ترجیح  
و ایثار اور کمال تواضع تھا کہ اہل و عیال، اضياف و خدام، اصحاب و متعلقین کو اوپر کا عمدہ کھانا کھلاتے اور  
خود بچا ہوا کھاتے، و لعل وجه اعجابه انه منضوج غاية النضج القريب الى الهضم فهو اهنأ و امرأ  
والذو فيه اشارة الى التواضع والقناعة باليسير۔ (اور نیچے والے کھانے کی پسندیدگی کی وجہ شاید یہ ہو  
کہ وہ انتہائی پختہ ہوتا ہے اور جلدی ہضم ہوتا ہے پس وہ مزید اרוغش گوار اور لذیذ ہوتا ہے۔ اور اس میں  
اشارہ ہے آپؐ کی تواضع اور تھوڑی چیز پر قناعت کرنے کا) (مواہب ص ۱۳۶) شیخ احمد عبد الجواد  
الدومیؒ خلاصہ باب میں تحریر فرماتے ہیں۔ وفي الباب ثلاث وثلاثون حديثاً. و باستعراض هذه  
الأحاديث كلها يلاحظ أن ادم رسول الله صلى الله عليه وسلم كان مختلفاً. فمرة كان قثاء ومرة  
كان رطباً ومرة كان لحماً ومرة كان خلا ومرة كان زيتاً وهكذا، ولكن الحال الغالب عليه هو  
التقشف والزهد۔ (اور اس باب میں تینتیس احادیث ہیں اور ان کی تفتیش اور ان پر گہری نظر رکھتے

ہوئے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا سالن مختلف ہوتا تھا کبھی تو کھیر اکٹڑی وغیرہ اور کبھی کھجور اور کبھی کبھار گوشت ایسا ہی کبھی سرکہ اور کبھی زیتون کا تیل وغیرہ لیکن اکثر حالات آپ کے تنگدستی اور زائدانہ طریقہ پر گزرتے۔ (اتحافات ص ۲۳۲)

تتمہ :

علامہ ابن قیمؒ نے حضور ﷺ کے مطعومات و مشروبات کے متعلق خوب وضاحت فرمائی ہے۔ البتہ ابتداء میں یہی لکھ دیا کہ لا یردموجوداً ولا تکلف مفقوداً۔ (کہ آپ موجود چیز کو واپس نہ فرماتے اور نہ ہی غیر موجود کے لیے کوئی تکلف وغیرہ کیا کرتے) چنانچہ فرماتے ہیں ہواکل الحلوی والعسل وکان یجھما واکل لحم الجزور والضان والدجاج ولحم الحباری ولحم حمار الوحش والارنب وطعام البحر واکل الشوی واکل الرطب والتمر وشرب اللبن خالصاً ومشوباً والسویق والعسل بالماء وشرب نقیع التمر واکل الخذیرة وهی حساء یتخذ من اللبن والدقیق واکل القثاء بالرطب واکل الاقط واکل التمر بالخبز واکل الخبز بالحل واکل الثرید وهو الخبز باللحم واکل الخبز بالاهالة وهی الودک وهو الشحم المذاب واکل من الکبد المشویة واکل القفید واکل الدباء المطبوخة وکان یحبها واکل المسلوقة واکل الثرید بالسمن واکل الجبن واکل الخبز بالزیت واکل البطیخ بالرطب واکل التمر بالزبد وکان یحبہ۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۵۴) (کہ حضور ﷺ نے حلوہ اور شہد کھایا ہے اور آپ ان کو پسند بھی فرمایا کرتے اور حضور نے اونٹ دنبہ مرغی۔ حباری۔ حمار وحشی۔ خرگوش، مچھلی وغیرہ کا گوشت بھی کھایا ہے۔ نیز آپ نے بھنا ہوا گوشت خشک اور تر کھجور بھی کھائی ہے آپ نے خالص دودھ اور پانی ملا ہوا بھی پیا ہے اور ستو و شہد کو پانی کیساتھ پیا نقیع تمر کو بھی پیا اور آپ نے خریزہ بھی کھایا۔ (یعنی دودھ اور آٹے کو ملا کر پتی غذا بنا کر پینا) آپ نے کھیر اکو کھجور کیساتھ ملا کر کھایا۔

اور آپ نے پیڑ بھی کھایا اور روٹی کھجور کیساتھ کبھی کھائی تھید بھی کھایا آپ نے روٹی پکھلی ہوئی چربی کیساتھ تناول فرمائی آپ نے بھنا ہوا جگر بھی کھایا اور خشک گوشت اور کدو پکا ہوا بھی کھایا اور

اس کو پسند بھی فرماتے اور چقندر بھی کھایا اور شید کو گھی کیساتھ کھایا اور روٹی کو زیتون کیساتھ کھایا اور  
خر بوزہ کو تر کجھور کیساتھ اور خشک کجھور کو مکھن کیساتھ کھایا اور اسکو پسند بھی کیا کرتے تھے۔

(زاد المعاد ج ۱ ص ۵۴)

---

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ وُضُوءٍ  
 رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ عِنْدَ الطَّعَامِ  
 باب ! حضور اقدس ﷺ کے کھانے کے وقت وضو کا بیان

لفظ وضو کا معنی و تشریح :

وضو : بالفتح سے مراد وہ پانی ہے، جس سے طہارت حاصل کی جاتی ہے اور وضو (بالضم) سے مراد حصول طہارت کا معروف عمل ہے۔ امام ترمذی نے اس باب میں تین روایات نقل کی ہیں کہ عند الطعام، وضو سے مراد کیا ہے؟ وضوء لغوی یا وضوء شرعی واصطلاحی۔ ترجمۃ الباب میں وضوء میں عموم ہے۔ والمراد ما يشمل الشرعی واللغوی بدلیل الاخبار الاتیة۔ (اور وضوء سے مراد عام ہے وضوء لغوی اور شرعی دونوں کو شامل ہے بوجہ ان احادیث کے جو باب میں ذکر ہو گئی) (مواعظ ص ۱۳۶) حضرات محدثین میں بعض وضوء اصطلاحی مراد لیتے ہیں اور اکثریت نے یہاں وضوء لغوی مراد لیا ہے اور اسی کو رائج قرار دیا ہے یعنی عند الطعام (کھانے کے وقت) اس سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کا دھونا اور منہ صاف کرنا۔ والمراد هنا بالوضوء اللغوی، وهو غسل الیدین والقم لان الوضوء الشرعی لیس مسنوناً قبل الطعام ولا بعده (اور وضوء سے یہاں وضوء لغوی مراد ہے اور وہ دونوں ہاتھ دھونا اور کلی کرنا ہے اس لئے کہ وضوء شرعی نہ کھانے سے پہلے اور نہ بعد میں مسنون ہے) (اتحافات ۲۳۳) عند الطعام کی قید سے عدم وجوب وضوء مستفاد ہے۔ البتہ دونوں لغوی واصطلاحی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ پہلی دو حدیثوں میں اصطلاحی اور آخری حدیث میں لغوی مدلول ہے۔

فراة الاول من حيث نفيه والثاني من حيث اثباته فكانه قال صفة وضوئه وجوداً و علماً -



(مناوی ص ۲۸۲) (تو یہاں پہلے کا ارادہ کرنا نفی کی حیثیت سے ہوگا اور دوسرے کا ارادہ بحیثیت اثبات ہوگا۔ گویا مصنفؒ نے فرمایا کہ آپ کے وضوء کی صفت وجود اور عدم دونوں کے لحاظ سے) وضوء شرعی جو نماز کے لیے شرط ہے، کھانے سے پہلے اور بعد میں نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنت، اس کو صرف استحباب کا درجہ حاصل ہے۔ جس طرح کہ ہر وقت وضوء سے رہنا مستحب ہے۔ و لا یحافظ علی الوضوء الا المؤمن۔ (وضوء پر دوام اور محافظت صرف مومن ہی کرتا ہے) (موطأ امام مالک ص ۱۱) ہمیشہ با وضوء رہنے کے استحباب کا مستدل ہے اور یہی سلف صالحین کا معمول ہے۔

### لفظ طعام کی وضاحت :

طعام لغوی طور پر بمعنی طعم کے مستعمل ہے، ای لکل ما یساغ و عرفا اسم لکل ما یؤکل ..... و هذا هو المراد هنا وعند اهل حجاز الطعام البر خاصة (کما ورد فی صلوة الفطر صاعاً من طعام او صاعاً من شعیر) وعند الفقهاء هو ما قصد للطعم اقتیاً تا او تأدماً او تفکها۔ (مناوی ص ۲۸۶) (عرف میں طعام ہر وہ چیز جو کھائی جائے اور یہی معنی یہاں مراد ہے اور اہل حجاز طعام صرف گندم کو کہتے ہیں) (جیسے کہ صدق فطر کے متعلق حدیث صاعاً من طعام او شعیر میں طعام سے مراد گندم ہے) اور فقہاء کے نزدیک ہر وہ چیز جس کے کھانے کا قصد کیا جائے چاہے بلحاظ غذاء حاصل کرنے کے ہو یا ادا م (سالن) بنانے اور یا فاکھ (میوہ) کے طور پر تلذذ کے لئے ہو)

(۱۷۸/۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقَرَّبَ إِلَيْهِ الطَّعَامُ فَقَالُوا لَا نَاتِيكَ بِوُضُوءٍ قَالَ إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ.

ترجمہ : ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ ان کو یہ روایت اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کی۔ انہوں نے روایت ایوب سے ابن ابی ملیکہ کے واسطے سے روایت کی اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں

کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ بیت الخلاء سے فراغت پر باہر تشریف لائے، تو آپ کی خدمت میں کھانا حاضر کیا گیا اور وضو کا پانی لانے کے لئے پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے وضو کا اس وقت حکم ہے۔ جب نماز ادا کروں۔

الخلاء! خالی جگہ کو کہتے ہیں۔ مراد بیت الخلاء ہے، والمراد هنا مكان قضاء الحاجة. (اتحافات ص ۲۳۳) الوضوء (بالفتح) پانی مراد ہے یعنی ما یوضأ به۔

کھانے سے قبل وضوء عرفی مسنون ہے :

قال انما امرت بالوضوء اذا قمت الى الصلوة! مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں وضاحت فرمادی کہ مسلمان کھانا کھانے سے قبل وضوء کو واجب سمجھ کر اپنے لئے لازمی قرار نہ دے دیں۔ فقہاءؒ فرماتے ہیں کہ وضوء شرعی نماز پہنچانہ، نماز جنازہ، سجدہ تلاوت، مس مصحف اور ارادة الطواف کے لئے واجب ہے۔ کھانے سے قبل یا بعد میں وضوء عرفی یا نفی یعنی غسل الفم والیدین (ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) مستحب ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں :

”ولا یستفاد من هذا الحديث ان الرسول لم یوضأ الوضوء اللغوی، كما لا یستفاد

منه انه توضأ، والحصر فی الحديث اضافی“۔ (اتحافات ص ۲۳۳)

اور اس حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفوی وضوء (ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) بھی نہیں کیا جیسے کہ اس سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آپؐ نے وضوء فرمایا اور اس حدیث میں ..... انما امرت ..... الخ میں حصر اضافی ہے (یعنی نماز کے لئے وضوء)

(۱۷۹/۲) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَائِطِ فَأَتَى بِطَعَامٍ فَقِيلَ لَهُ أَلَا تَتَوَضَّأُ فَقَالَ أَصَلَّى فَأَتَوْا ضًا.

ترجمہ: ”ابن ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سعید بن عبد الرحمن مخزومی نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت یحییٰ بن عیینہ نے عمرو بن دینار کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت سعید بن حورث اور انہوں نے صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عباس سے نقل کی۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ ایک مرتبہ اتنبجہ سے فارغ ہو کر تشریف لائے، حضورؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ صحابہؓ نے پوچھا کیا وضو نہیں فرمائیں گے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کیا اس وقت مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضو کروں؟

راویان حدیث (۴۱۴) عمرو بن دینار اور (۴۱۵) سعید بن الحویرث کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

وضوء تو نماز کے لئے ضروری ہوتا ہے :

الغائط : غوط سے ہے بمعنی کھودنے کے، داخل ہونے اور دھنس جانے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ غائط نرم، کشادہ، ہموار اور پست زمین کو کہتے ہیں۔ چونکہ لوگ پاخانے کے لئے ایسی ہی جگہ تلاش کرتے تھے، اسی لئے اسے الغائط سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پہلی روایات میں خرج من الخلاء کے الفاظ تھے، یہاں خرج من الغائط کے الفاظ ہیں۔ مقصد دونوں روایات کا ایک ہی ہے کہ آپؐ قضاء حاجت سے فارغ ہوئے، تو وضو کے بغیر کھانا تناول فرمایا اور توجہ دلانے پر فرمایا، اصلی فتاویٰ ضا یعنی وضوء تو نماز پڑھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس وقت مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضوء کروں۔

(۱۸۰/۳) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ (ح) وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْكَرِيمِ الْجُرْجَانِيُّ عَنْ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ زَادَانَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرَةِ أَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے

عبداللہ بن نمیر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں قیس بن ربیع نے بیان کی۔ (تحویل) ہمیں یہ روایت قتیبہ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں عبدالکریم جر جانی نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت قیس بن ربیع سے اور انہوں نے ابی ہاشم سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت زاذان سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت سلمان فارسیؓ سے سماعت کی۔ سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تو رات میں پڑھا تھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون عرض کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے۔

راویان حدیث (۴۱۶) قیس بن الربیعؓ (۴۱۷) عبدالکریم بن محمد الجرجانیؓ (۴۱۸) ابو ہاشمؓ اور (۴۱۹) زاذانؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

برکتِ طعام ہاتھ دھونے میں ہے :

بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده، حضرت سلمان فارسیؓ نے توراۃ میں اپنا پڑھا ہوا سبق ان بركة الطعام الوضوء بعده کہ کھانے میں برکت کا سبب اس کے بعد وضوء (ہاتھ دھونے) میں ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرایا تو آپؐ نے یہی ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور بعد دونوں مواقع پر ہاتھ منہ صاف کرنا اور ان کی طہارت کرنا باعث برکت ہے۔ وضوء سے مراد وضوء لغوی ہے، اصطلاحی نہیں۔ علماء نے لکھا ہے، سلمان فارسیؓ نے توراۃ کے حوالے سے بات کی ہے، ہو سکتا ہے کہ توراۃ میں صرف طعام کے بعد ہاتھ منہ دھونے کا ذکر ہو۔ اس صورت میں جو طعام سے پہلے ہاتھ دھونے کا ذکر ہے یہ شریعت محمدیؐ کا اضافہ ہو۔ ایماء الی ان شریعتہ زادت الوضوء قبلہ ایضا استقبالا للنعمة بالطهارة المشعرة للتعظیم اس میں اشارہ ہے کہ آپؐ کی شریعت نے کھانا کھانے سے پہلے وضوء (ہاتھ منہ دھونے) کا اضافہ بھی اس لئے کیا تاکہ کھانے کی نعمت کا استقبال طہارت سے کیا جائے جو اس کی تعظیم پر دل ہے۔ (جمع ص ۲۸۴) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تورات میں قبل الطعام اور بعد الطعام دونوں وقتوں میں ہاتھ منہ دھونے کا حکم ہو مگر بوجہ تحریف قبل الطعام ہاتھ

دھونے کا حکم اس سے حذف کر دیا گیا ہو و هذا يحتمل ان يكون اشارة الى تحريف مافى التوراة -

(جمع ص ۲۸۴)

بركة الطعام الوضوء قبله کا مطلب شارحین حدیث نے لکھا ہے، کھانے میں اضافہ ہوتا ہے۔ شکم سیری نصیب ہوتی ہے، ومعنى بركة الطعام من الوضوء قبله النمو والزيادة فيه نفسه اور بعدہ کا مطلب یہ ہے جن فوائد اور مقاصد کے لئے کھانا کھایا جاتا ہے، پورے حاصل ہوتے ہیں۔ کھانا بدن کا جز بنتا ہے، فرحت اور انبساط نشاط پیدا کرتا ہے۔ عبادات، انابت الی اللہ، ذکر اللہ اور عمدہ اخلاق پر تقویت کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے ان فوائد کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمادیا - النمو والزيادة فى فوائدھا وآثارھا بان يكون سبباً لسكون النفس وقراره اسبباً للطاعات وتقوية للعبادات والاخلاق المرضية والافعال السنية. (جمع ص ۲۸۵)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے سے قبل ہاتھ دھونا ”فقر“ کو دور کرتا ہے اور بعد میں ہاتھ دھونا ”جنون“ کو دور کرتا ہے۔ صاحب العوارف فرماتے ہیں، کھانے سے قبل ہاتھ دھونا فقر کی دوری کا اس لئے سبب بنتا ہے کہ یہ آداب کے ساتھ نعمت کا استقبال ہے اور یہ نعمت کا شکرانہ ہے اور شکر نعمت کی زیادتی کا سبب ہے۔ لہذا ہاتھوں کو دھونا نعمت کو کھینچ کر لائے گا اور فقر کو ہٹا دے گا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے گھر میں خیر و برکت زیادہ ہو، تو اس کو چاہیے کہ کھانے سے قبل اور بعد میں ہاتھ دھولیا کرے۔ (اتحافات ج ۵ ص ۲۱۳)

ملا علی قاریؒ نے وضوء لغوی قبل الطعام وبعد الطعام کی ایک اہم وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ ولان الاكل بعد غسل اليدين يكون اهنأ وامراً ولان اليد لا تخلو عن تلوث فى تعاطى الاعمال وغسلها اقرب الى النظافة والنزاهة (والغسل بعد الطعام) سبب لازالة اللسومات.... قال صلى الله عليه وسلم من بات وفى يده غمرة ولم يغسله فاصابه شيء فلا يلوم من الانفسه - (جمع ص ۲۸۶)

اور اس لئے بھی کہ ہاتھ دھونے کے بعد کھانا زیادہ لذیذ اور خوشگوار لگتا ہے اور اس لئے بھی کہ ہاتھ عام طور پر کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے ملوث رہتے ہیں تو ان کا کھانا کھانے سے پہلے دھو لینا صفائی اور پاکی کا ذریعہ ہو جائیگا اور کھانا کھالینے کے بعد ہاتھوں کا دھونا چکنائی وغیرہ کے دور کرنے کا

سبب ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رات گزاری اور اس کے ہاتھوں میں چکناہٹ تھی اور اس کو نہ دھویا تو اگر اس کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے تو پھر اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَ مَا يَفْرُغُ مِنْهُ

باب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات کے بیان میں

جو قبل الطعام وبعده پڑھا کرتے تھے

یہاں قول سے مراد مطلق ارشاد، یا کوئی بات اور گفتگو مراد نہیں، بلکہ وہ اذکار اور ادعیہ مراد ہیں، جو کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد آپ کا معمول تھے۔ اللہ کے نام سے آغاز اور حمد و شکر پر اختتام یہ کھانے کے آداب سے ہے۔ ای قبل الطعام وهو التسمية وبعد ما يفرغ منه هو الحمد لله (مواعظ ص ۱۳۸) (یعنی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد الحمد للہ پڑھنا) پانی کا حکم بھی کھانے کی طرح ہے، بل ہو منہ کما یؤخذ من قوله تعالیٰ فیما حکاہ فی القرآن ومن لم یطعمه فانه منی (بلکہ وہ کھانے ہی کی ایک قسم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ومن لم یطعمه الخ جس کی حکایت قرآن مجید میں ہے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہاں یطعمہ کی ضمیر کا مرجع نہر ہے) (جو کہ پانی پر مشتمل ہوتی ہے) (مواعظ ص ۱۳۸) اس باب میں مصنف نے سات احادیث نقل کی ہیں۔

(۱۸۱/۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهْيَعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ رَاشِدِ بْنِ جُنْدَلٍ الْيَافِعِيِّ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَرَّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فَلَمْ أَرِطَعَامًا كَانَ أَعْظَمَ بَرَكَهَةً مِنْهُ أَوَّلَ مَا أَكَلْنَا وَلَا أَقَلَّ بَرَكَهَةً فِي

اٰخِرِهٖ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ هٰذَا قَالَ اَنَا ذَكَرْنَا اسْمَ اللّٰهِ حِيْنَ اَكَلْنَا ثُمَّ قَعَدَ مَنْ اَكَلَ وَلَمْ يُسَمِّ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاَكَلَ مَعَهُ الشَّيْطٰنُ .

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے لہیعہ نے یزید بن ابی حبیب کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت راشد بن جندل سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت حبیب بن اوس سے ابویوب انصاریؒ کے واسطے سے سنی۔ ابویوب انصاریؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا۔ میں نے آج جیسا کھانا کہ جو ابتداء میں یعنی کھانے کے شروع کے وقت نہایت بابرکت معلوم ہوتا ہو اور کھانے کے ختم کے وقت بالکل بے برکت ہو گیا ہو، کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے حیرت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شروع میں بسم اللہ کے ساتھ کھانا شروع کیا تھا اور اخیر میں فلاں شخص نے بدون بسم اللہ پڑھے کھایا، اس کے ساتھ شیطان بھی شریک ہو گیا۔

راویان حدیث (۴۲۰) یزید بن ابی حبیبؒ (۴۲۱) راشد بن جندل الیافعیؒ (۴۲۲) حبیب بن اوسؒ اور (۴۲۳) ابویوب الانصاریؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ کی برکتیں :

قال كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ..... الخ، مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا ہے۔ حضرت ابویوب انصاریؒ کی بات کا مقصد یہ ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت جو برکت تھی، وہ کھانے کے اختتام کے وقت نہیں تھی، بلکہ بے برکتی معلوم ہو رہی تھی، اس لئے حیرت و استعجاب کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا کہ کیف هذا؟ یہ کیا کیفیت ہے، ای بین لنا الحکمة و السبب فی حصول عظمة البركة و کثرتها فی اول اکلنا هذا الطعام و قلتها فی الآخر و انعدام البركة منه . (جمع ص ۲۸۶) یعنی ہم کو اس کی حکمت اور سبب تو بتلائیے کہ ہمارے کھانے کی ابتداء کے وقت تو کھانا بہت بابرکت اور کثیر تھا اور پھر آخر میں تھوڑا اور بے برکت کیوں ہو گیا۔



حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا، انا ذکرنا اسم اللہ تعالیٰ حین اکلنا کہ ہم نے ابتداء میں کھاتے وقت بسم اللہ کہی تھی۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صرف بسم اللہ سے سنت تسمیہ حاصل ہو جاتی ہے، البتہ الرحمن الرحیم کے بڑھادینے سے وہ اکمل ہو جاتی ہے۔ کما قالہ الغزالی والنووی وغیرہا جیسے کہ امام غزالیؒ اور امام نوویؒ وغیرہ نے بھی ایسا کہا ہے (جمع ص ۲۸۶) شیخ احمد عبد الجواد الدوئیؒ فرماتے ہیں، والتسمیۃ علی الطعام مطلوبة حتی من الجنب والحائض، وہی بسم اللہ اور کھانے پر تسمیہ کہنا شرعاً مطلوب ہے حتیٰ کہ کبھی اور حائضہ عورت سے بھی اور وہ لفظ بسم اللہ ہے (اتحاف ص ۲۳۶) تفصیلی قصہ ترجمہ میں دیکھ لیں۔

### شیطان کا کھانا حقیقت پر محمول ہے :

فاکل معہ الشیطان: شیطان فیعان کے وزن پر ہے، شطن بمعنی بعد سے ماخوذ ہے، یعنی بعد عن رحمة اللہ اللہ کی رحمت سے دور، یا فعلان کے وزن پر ہے اور شاط یشط سے ماخوذ ہے بمعنی بھڑکنا اور شعلہ کی طرح اٹھنا، اکل شیطان، عند الجمهور (جمہور کے نزدیک شیطان کا کھالینا) حقیقت پر محمول ہے اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے کہ شیطان کھاتا پیتا ہو، جمہور محدثینؒ کہتے ہیں کہ شیطان کھانا کھالیتا ہے اور وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ بعض روایات میں تصریح ہے کہ ہڈیاں جنات کی خورا ک ہیں واکل الشیطان محمول علی حقیقہ عند جمهور العلماء سلفاً وخلفاً لا مکانہ شرعاً وعقلاً۔ (جمع ص ۲۸۶) جمہور متقدمین و متاخرین علماء کے نزدیک شیطان کا کھانا حقیقت پر محمول ہے کیونکہ یہ شرعاً و عقلاً ممکن ہے۔

### ایک اشکال کا جواب :

(۱) یہاں ایک اشکال یہ بھی وارد ہوتا ہے جب مسئلہ یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت دسترخوان پر جب ایک نے بسملہ پڑھ لی، تو وہ سب کے لئے کافی ہے۔ جیسے کہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ: لو سئى واحد فی جماعة یا کلون لکفی ذلک وسقط عن الكل (جمع ص ۲۸۶) تو پھر جب یہ شخص آیا اور اس نے بسملہ نہ پڑھی، تو بے برکتی کیوں آئی۔ کیونکہ پہلے سے بیٹھی ہوئی جماعت کی بسملہ اس کے لئے بھی کافی

تھی۔ شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ ”قعد، ای بعد فراغنا من الطعام ولم یسم، جب ہم کھانے سے فارغ ہو گئے اور وہ آکر بیٹھا اور بسملہ نہیں پڑھی، تو کھانے میں بے برکتی آ گئی۔

(۲) اویقال ان شیطان هذا الرجل جاء معه فلم تکن تسمیتا مؤثرة فیہ ولا هو سَمی یعنی لتکون تسمیتہ مانعة من اکل شیطانہ معہ۔ (جمع ص ۲۸۶) یا جواباً یہ کہا جائے کہ اس شخص کا شیطان اس کے ساتھ ہی آیا تھا اس لئے ہماری بسم اللہ کہنا اس میں مؤثر نہ رہی اور خود اس نے تو بسم اللہ پڑھی نہیں تاکہ اس کا تسمیہ اس کے شیطان کے کھانے سے مانع اور رکاوٹ بن جاتا۔

(۳) مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک جماعت کھانے میں اکٹھی مشغول ہو اور ان میں سے ایک نے بسملہ پڑھ لی ہو، فحینئذ تسمیة هذا الواحد تجزی عن الباقی من الحاضریں تو پھر اس وقت اس کا بسم اللہ پڑھ لینا باقی حاضرین سے کافی ہو جاتا (جمع ص ۲۸۶) مگر یہ بات اس شخص کے لئے نہ ہوگی، جو ان کے ساتھ اوائل میں بوقت بسم اللہ پڑھنے کے موجود نہ تھا۔ کیونکہ تسمیہ سے مقصود یہ ہے کہ شیطان کھانا کھانے والے مسلمان کے ساتھ کھانے پر تمکن حاصل نہ کرے اور جب جماعت کے ساتھ کھانے کے وقت عند التسمیہ ایک انسان موجود نہ تھا، تو جماعت کے پہلے سے پڑھی ہوئی تسمیہ اس غیر حاضر انسان کے کھانے میں شیطان کے تمکن میں مانع بننے کے لئے مؤثر نہ ہوگی۔

(۱۸۲/۲) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا هِشَامُ السُّسْتَرَانِيُّ عَنْ بُدَيْلِ الْعُقَيْلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمِيرٍ عَنْ أُمِّ كَلْثُومٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَانْسَى أَنْ يَذْكُرَ اسْمَ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى طَعَامِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ۔ ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت ابو داؤد نے بیان کی۔ ان کے پاس ہشام دستوائی نے بدیل عقیلی کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبد اللہ بن عمیر سے اخذ کی۔ انہوں نے اسے ام کلثوم سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا

کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ پڑھنا بھول جائے، تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آئے بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہُ وَاٰخِرَہُ کہہ لے۔

راویان حدیث، (۴۲۴) ہشام الدستوائیؒ (۴۲۵) عبد اللہ بن عبید بن عمیرؒ اور (۴۲۶) ام کلثومؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### جب تسمیہ بھول جائے :

جب کھانا کھاتے وقت آدمی تسمیہ بھول جائے تو مسئلہ یہ ہے کہ دورانِ طعام جس وقت بھی یاد آئے اگرچہ آخری لقمہ ہی لے رہا ہو، ای نسی التسمیۃ حین الشروع فی الاکل ثم تذکرہ فی اثناہ یعنی ایک شخص کو شروع کھانے میں بسم اللہ کہنا بھول گیا اور پھر اسکو کھانے کے دوران یاد آیا (مواہب (۱۳۹) تو بسم اللہ اولہ و آخرہ پڑھے، تو یہ اسی برکت تسمیہ کے لئے کفایت ہے۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ ایک شخص نے کھانا شروع کیا، مگر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا، حتیٰ لم یبق من طعامہ الا لقمۃ، جب اس نے آخری لقمہ اٹھایا تو اس وقت اسے یاد آیا اور اس نے پڑھا بسم اللہ اولہ و آخرہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا دیا، فضحک صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال ما زال الشیطن یا کل معہ فلما ذکر اسم اللہ استقاء ما فی بطنہ۔ (پھر فرمایا کہ شیطان لگا تا اس کے ساتھ کھا رہا تھا جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان کے پیٹ میں جو کچھ تھا قئی کر دیا) محشی مشکوٰۃ شریف نے مرقات کے حوالہ سے استقاء ما فی بطنہ کے متعلق یہ لکھ دیا کہ المراد بہ رد البرکۃ الذاہبۃ بترک التسمیۃ کانہا کانت فی جوف الشیطان امانۃ فلما سمی رجعت الی الطعام۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۶۵) کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بسم اللہ کے چھوڑنے کی وجہ سے وہ ٹہنی ہوئی برکت پھر واپس لوٹ آئی گویا کہ وہ شیطان کے پیٹ میں امانت تھی جب اس شخص نے بسم اللہ پڑھ لی تو وہ دوبارہ کھانے کو لوٹا دی گئی۔

### اولہ و آخرہ کا تلفظ :

ان کو بفتح اللام و الراء پڑھا جائے۔ یا تو یہ ترکیب میں منصوب بنزع الخافض (یعنی بحذف جار) ہیں۔ اور وہ لفظی ہے اصل عبارت ای فی اولہ و آخرہ یا پھر مفعول بہ فعل محذوف

اکلت کا ہیں اور عبارت اس طرح ہوگی۔ ای اکلت اولہ و آخرہ مستعینا باللہ... الخ. (جمع ص ۲۸۸)

ایک اعتراض کا جواب :

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اول و آخر کہنے سے وسط نکل جاتا ہے۔ (۱) کیونکہ اول و آخر کنایہ ہے تعمیم سے فالمعنی بسم اللہ علی جمیع اجزائہ (مواہب ۱۳۹) پس معنی یہ ہوگا کہ میں جمیع اوقات و اجزاء میں اللہ کا نام لیکر کھاتا ہوں۔ اس کی مثال قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔ ولہم رزقہم فیہا بکرة و عشا کہ اس میں بھی ذکر صبح و شام کا ہے۔ اور مراد تعمیم ہے لقولہ تعالیٰ اکھا دائم یوجب اس فرمان خداوندی کہ جنت کے کھانے دائمی ہونگے۔

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ اولہ۔ سے مراد نصف اول اور آخرہ سے مراد سے نصف ثانی لیا جائے۔ فلا واسطۃ تو درمیانی واسطہ نہ رہا (مواہب ۱۳۹)

(۱۸۳/۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الصَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ طَعَامٌ فَقَالَ أَذُنْ يَا بُنَيَّ فَسَمِ اللَّهَ تَعَالَى وَكُلْ يَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ.

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ روایت ہمیں عبد اللہ بن صباح ہاشمی بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبد الاعلیٰ نے معمر کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے ان کے باپ کے واسطہ سے روایت کی اور انہوں نے عمر بن ابی سلمہ سے سماعت کی۔ عمر بن ابی سلمہ کہتے ہیں۔ کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا بیٹا قریب ہو جاؤ اور بسم اللہ کہہ کر دائیں ہاتھ سے اپنے قریب سے کھانا شروع کرو۔

راویان حدیث (۴۲۷) عبد الاعلیٰ اور (۴۲۸) عمر بن ابی سلمہ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

## کھانا کھانے کے تین آداب :

(۱) کھانا بسم اللہ سے شروع کرنا (۲) دائیں ہاتھ سے کھانا (۳) اپنے سامنے سے کھانا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ادن منی یا بنی : اے میرے پیارے بچے بصیغۃ التصغیر شفقة و اهتماماً بحالہ (یعنی یا بنی کا لفظ بصیغۃ تصغیر لانا) شفقت اور اسکے حال کے اہتمام کے لیے ہے۔ (جمع ص ۲۸۸) اس میں بڑوں کو یہ ہدایت ہے کہ وہ چھوٹوں پر شفقت، محبت اور توجہ و عنایت رکھیں، خاص کر کھانے کے وقت میں لشلۃ الاستحیاحینذ (مناوی ص ۲۸۸) (کہ اس وقت کھانے میں وہ شرم و حیا محسوس کرتے ہیں) حضرت عمر بن ابوسلمہؓ کہتے ہیں۔ کہ اس موقع پر حضور اقدسؐ نے مجھے کھانا کھانے کے تین آداب سکھائے۔

## کھانا شروع کرتے وقت بسملہ پڑھنا سنت ہے :

(۱) فسم اللہ تعالیٰ، (بسم اللہ کہیں) یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ اتفاقاً و اجماعاً۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ بھی سنت ہے کہ بسملہ اونچی آواز سے پڑھی جائے، لیسمع من عندہ، (تا کہ جو اسکے پاس ہیں وہ بھی سن لیں) سنت تو لفظ بسم اللہ سے حاصل ہو جائے گی۔ و الافضل اکمالہا (مناوی ص ۲۸۸) اور بہتر ہے کہ مکمل بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے بعض حضرات نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بسملہ کے بعد اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيمَا رَزَقْتَنَا وَفِنَا عَذَابَ النَّارِ (یہ دعا پڑھے) اے اللہ جو تو نے ہمیں عطا کیا ہے اس میں برکت ڈال دے اور ہمیں عذاب جہنم سے بچائیے) کا اضافہ کرے۔ العبادی الشافعی کہتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَیْءٌ شروع کرنا اس اللہ کے نام سے کہ اسکے نام لینے کی وجہ سے کوئی چیز نقصان اور ضرر نہیں پہنچاتی) کا اضافہ بھی مستحب ہے۔ (مناوی ص ۲۸۸)

## دائیں ہاتھ سے کھانے کی تاکید :

(۲) وکل بيمينک (اور دائیں ہاتھ کے ساتھ کھا) صرف کھانا ہی نہیں بلکہ عزت و شرف اور

احترام و اکرام کے تمام کام دائیں ہاتھ سے کرنے چاہئیں۔ البتہ اگر عذر ہے اور دایاں ہاتھ استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے، تو پھر بائیں ہاتھ کے استعمال کی اجازت ہے۔ لفظ یمن، یمن، بمعنی ”البرکۃ“ سے ماخوذ ہے۔ اس لیے دائیں ہاتھ کو اعمال شریفہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے اور اعمال خسیہ کو بائیں ہاتھ کے ساتھ۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اکل بالیمین (دائیں ہاتھ سے کھانے) سمیت تینوں امر ندب و استحباب کے لیے ہیں۔ البتہ بعض علماء نے اکل بالیمین کے امر کو وجوب کے لیے لیا ہے، کیونکہ اکل بالشمال (بائیں ہاتھ سے کھانے) پر حدیث میں وعیدیں آئی ہیں۔ جیسے کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ایک قصہ نقل ہوا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کو کھانا کھاتے دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے۔ آپؐ نے اُسے فرمایا کُلْ بِیَمِینِکَ یعنی دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس شخص نے کہا لَا اَسْتَطِیعُ (میں تو اس کے ساتھ کھانے کی طاقت نہیں رکھتا)۔

حضور اقدس ﷺ اس کے اس کورے اور گستاخانہ جواب پر ناراض ہوئے اور فرمایا لَا اَسْتَطِیعْتَ (تیری طاقت نہ ہو) (اس کا ہاتھ شل ہو گیا) اور اس کے بعد پھر وہ دائیں ہاتھ سے کوئی چیز بھی اپنے منہ کے قریب نہ لے جاسکا، فلما لم یکن له فی ترک الاکل بالیمین عنبریل قصد المخالفة دعی علیہ فشلت جبکہ اس شخص کا دائیں ہاتھ سے کھانے میں کوئی عذر نہ تھا بلکہ اس کا ارادہ آپؐ کی مخالفت کا ہی تھا اس لیے اُس پر بددعا کی اور اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ (مناوی ص ۲۸۹) اسی طرح طبرانی میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے سبیعة الاسلامیہ کو دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہی ہے تو آپؐ نے بددعا دی، تو وہ طاعون کے مرض میں ہلاک ہو گئی۔ جمہور علماء ان روایات کو زجر و تیغ اور سیاست پر حمل کرتے ہیں (جیسے کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں) فحملہ الجمهور علی الزجر و السياسة۔ (جمع ص ۲۸۹)

ایک اور روایت میں ہے لَا تَاکُلُوا ابَالشِّمَالِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِالشِّمَالِ رواہ ابن ماجہ عن جابر (کہ آپؐ نے فرمایا کہ بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ کیونکہ شیطان بھی بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے ابن ماجہ نے یہ روایت حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے) ایک دوسری روایت میں اِذَا اَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَاكُلْ بِيَمِينِهِ وَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ وَلْيَأْخُذْ بِيَمِينِهِ وَلْيَعْطِ بِيَمِينِهِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ وَ

يعطى بشماله و يأخذ بشماله والظاهر انه نهى عن التشبه بالشيطان فيفيد الاستحباب (جمع ص ۲۸۹) (آپ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور چاہیے کہ دائیں ہاتھ سے پئے اور دائیں ہاتھ سے اٹھائے اور دائیں ہاتھ دے بیشک شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے اٹھاتا ہے اور بظاہر آپ کا مقصد شیطان ہی کیساتھ مشابہت کرنے سے روکنا ہے تو اس سے (ان کاموں کا دائیں ہاتھ سے کرنے کا استحباب معلوم ہوا)

اپنے سامنے سے کھانا :

(۳) وکل ممایلیک اگر بہت سے افراد ایک جگہ کھاتے ہوں اور برتن ایک ہو اور کھانا بھی ایک ہی نوعیت کا ہو، تو اپنے سامنے کھانا چاہیے۔ ثم الجمهور علی سبیلہ الا کل ممایلیہ مفردا کان اولاً لان الاکل من کل جانب حالة غیر ملائمة لتہذیب الطعام منبئی علی حرص صاحبہ بل ہوا کل حیوانات و موجب لکراہیۃ اکل ما بقی من الطعام و سوء عشرۃ و ترک مودۃ مع صاحبہ لتفسیر طبعہ بذلک (پھر جمہور علماء کے نزدیک (ہر شخص کو) اپنے سامنے سے کھانا سنت ہے چاہے کھانا نیوالا اکیلا ہو یا بہت ہوں۔ اس لیے کہ ہر طرف ہاتھ رہا کر کھانا ایک غیر مہذب عادت ہونے کیساتھ ساتھ کھانیوالے کے حریص ہونے کی علامت بھی ہے بلکہ یہ تو ایک قسم جانوروں کا کھانا ہوا نیز بچ جانے والا کھانا دوسروں کے لیے کراہت کا سبب اور اپنے ساتھ کھانے والوں کو طبعی نفرت اور قطع تعلق کا ذریعہ اور ایک قسم بدترین برتاؤ ہے) (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۲۶۳) اور اگر برتن میں مختلف اشیا ہیں، تو پھر اپنی پسند کی چیز دوسری طرف سے بھی اٹھائی جاسکتی ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کان اذا اتی بطعام اکل ممایلیہ و اذا اتی بالتمر جالت یدہ الدنریۃ فیہ (جب حضورؐ کے پاس کوئی کھانا لایا جاتا تو آپؐ اپنے سامنے سے کھایا کرتے اور اگر کھجور (یا کوئی میوہ) لایا جاتا تو پھر ہاتھ مبارک کے ذریعہ ادھر ادھر سے بھی اٹھالیا کرتے) (مناوی ص ۲۸۹) اسی طرح ترمذی کے ایک حدیث میں ہے فقال یا عکراش کل من حیث شئت فانہا غیر لون واحد۔ (مشکوٰۃ ص ۲۶۷)

(آپؐ نے فرمایا اے عکراش جہاں سے مرضی ہو کھالے کیونکہ مختلف انواع کی چیزیں ہیں)

## ایک اشکال سے جواب :

باقی رہا یہ اشکال کہ حضور ﷺ کدو کے قتلے برتن میں تلاش کرتے اور تناول فرماتے ہیں،  
 کان يتبع الدباء من حوالی القصعة، جو اس روایت کے خلاف ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ دراصل انہوں کی  
 علت تقدّر اور ایذا رفقاء ہے اور حضور اقدس ﷺ کے اس اقدام میں وہ موجود نہیں وذلک  
 مستف فی حقہ صلی اللہ علیہ وسلم (جمع ص ۲۸۹) اوالممراد من التسع بیمینہ وشمالہ مما یلیہ بعد  
 فراغ ما بین یدیه ولم یکن احد فی جانبہ وهذا ظہر۔ (یا حضور ﷺ کے دائیں بائیں تلاش کرنے  
 سے مراد یہ ہے کہ آپؐ اپنے سامنے کے کھانے سے فراغت کے بعد ایسا کیا کرتے درآئحال کہ آپؐ  
 کے جانبین میں بھی کوئی شخص نہ ہوتا تھا اور یہی بات زیادہ واضح اور ظاہر ہے)

(۱۸۳/۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي  
 هَاشِمٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ رِيَّاحٍ عَنْ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ.

ترجمہ ”امام ترمذی“ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے کہ ہمیں اسے ابو احمد  
 زبیری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان ثوری نے ابو ہاشم کے واسطے سے بیان کی۔  
 انہوں نے یہ روایت اسماعیل بن ریاح سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت ریاح بن عبیدہ سے  
 صحابی رسول حضرت ابو سعید خدریؓ کے واسطے سے سماع کی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ  
 حضور اقدس ﷺ وجب کھانے سے فارغ ہوتے، تو یہ دعا پڑھتے الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا  
 وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ (تمام تعریف اس ذات پاک کے لیے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا پانی پلایا اور ہمیں  
 مسلمان بنایا)

راویان حدیث ((۴۲۹) اسماعیل بن ریاح اور ((۴۳۰) ریاح بن عبیدہ کے حالات ”تذکرہ



راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

کھانے سے فارغ ہونے کی دعا :

الحمد لله الذي..... الخ مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے، جب کھانا کھالیا جائے، تو اس پر کھلانے والے رازق حقیقی کا شکر ادا کیا جائے اور اس تشکر و امتنان کے کلمات مبارک حضور اقدس ﷺ نے تعلیم فرمادیئے تاکہ منعم حقیقی کا شکر ادا ہو زیادہ نعمت کی طلب ہو، اداء شکر المنعم و طلب زیادة النعمة (جمع ص ۲۹۰) ارشاد باری تعالیٰ ہے، لئن شکرتکم لازیدنکم، اگر تم میری شکر گزاری کرو گے تو میں ضرور زیادہ عطا کروں گا) چونکہ اصل طعام تھا اور پانی اس کے ضمن میں تبعاً یا جاتا ہے اسی لیے اولاً طعام کا ذکر کیا، پھر پانی کا ذکر کیا گیا، کھانے پینے سے جسم میں قوت استحکام اور قوام آتا ہے، لهذا اطعمنا و سقنا میں جسم کے قوام کا ذکر و شکر ہے اور جعلنا مسلمین میں روح کے قوام کا شکر ہے، ای مفادین لجميع امور الدین للجمع بین الحمد علی النعمة الدنیویة والاخرویة۔ (مواعظ ص ۱۴۰) (ہمیں سارے دینی امور کی تابعداری کرنے والے بنادے جیسے کہ نعمت دنیوی و اخروی پر حمد و شکر کی توفیق دیدی ہے)

(۱۸۵/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَعْدَانَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَتِ الْمَائِدَةُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرُ مُودَّعٍ وَلَا مُسْتَعْنَى عَنْهُ رَبَّنَا.

ترجمہ: ”امام ترمذی“ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ یحییٰ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ثور بن یزید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے خالد بن معدان نے بیان کیا اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول ﷺ کے سامنے حضرت ابو امامہؓ سے سماعت کی۔ حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھایا جاتا تو آپؐ یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرُ مُودَّعٍ وَلَا مُسْتَعْنَى

عَنْهُ وَنَبَأَ (تمام تعریف حق تعالیٰ شانہ کے لیے منحصر ہے ایسی تعریف جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ایسی تعریف جو پاک ہے ریا وغیرہ اوصافِ رذیلہ سے جو مبارک ہے ایسی حمد جو نہ چھوڑی جاسکتی ہے اور نہ اس سے استغناء کیا جاسکتا ہے) (اے اللہ ہمارے کر کو قبول فرما)

راویان حدیث (۴۳۱) ثور بن یزید اور (۴۳۲) خالد بن معدان کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### لفظ ”المائدة“ کا معنی و تشریح :

اذا رفعت المائدة .... الخ، دسترخوان کو کہتے ہیں، جس پر طعام چنا جائے، والمائدة تطلق على كل ما يوضع عليه الطعام (جمع ۲۹۰) یہ مایمید سے مشتق ہے۔ اذا تحرك کبھی ذکر مائدہ کا ہوتا ہے اور مراد نفس طعام یا طعام کا بقیہ یا طعام کا برتن ہوتا ہے۔ یقول: یہ دعا پڑھے اور یہ بھی اونچی آواز سے، کیونکہ یہ بھی سنت ہے کہ جب کھانا کھالے، تو اس وقت تک اونچی آواز سے دعا نہ پڑھے جب تک دوسرے شرکاء فارغ نہ ہو جائیں، کیلا یکون منعاً لہم (تاکہ دوسرے شرکاء کے کھانے سے رک جانے کا سبب نہ ہو۔) (جمع ص ۲۹۰)

### دسترخوان اٹھائے جانے کے وقت کی دعا :

الحمد لله حمداً كثيراً .... الخ، جب دسترخوان اٹھالیا جائے تو حضور اقدس ﷺ یہ دعا پڑھتے الحمد لله : اے علی ذاتہ و صفاتہ و افعالہ الہی من جملتها الانعام بالا طعام۔ (سب تعریفیں اللہ کے لیے یعنی اسکی ذات و صفات افعال کی وجہ سے جن میں سے ہمیں کھلانے کا انعام بھی ہے) (جمع ۲۹۰) حمداً : مفعول مطلق ہے باعتبار ذاتہ یا اس اعتبار سے کہ معنی فعل کو مضمّن ہے یا فعل مقدر کے لیے مفعول مطلق ہے۔ کثیراً : یعنی اس کی حمد کی کوئی نہایت نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی نعمتوں کی کوئی غایت نہیں ہے۔ طیباً : بریا، سمعہ اور ہر عیب سے پاک، علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں، کونہ خالصاً من الریاء والسمعة والاوصاف الہی لا تلیق بجنابہ تعالیٰ۔ (مواہب ص ۱۴۱)

غیر مودع (بتشديد الدال المفتوحة) اے حال کونہ غیر متروک لنا بل نعود الیہ کرة

بعد کسرة او المكسورة ای حال کوئی غیر تارک لہ فمؤدی البر وایتین واحد و هو دوام الحمد واستمراده (غیر مودع اگر بتشدید دال مفتوحہ ہے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ اس حال میں کہ وہ نہیں چھوڑے گئے بلکہ ہم اس کی طرف بار بار رجوع کریں گے۔ اور اگر دال مکسورہ کیساتھ ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ اس حال میں کہ میں اسکو چھوڑنے والا نہیں۔ تو دونوں صورتوں کا حاصل اور خلاصہ ایک ہوا یعنی کہ حمد و ثنا کا دوام واستمرار) (مواعظ ص ۱۴۱) غیر مستغنی عنہ ای لا یستغنی عنہ احد (اتحافات ص ۲۳۹) (یعنی اس سے کوئی بھی مستغنی نہیں (سب اسکی محتاج ہیں))

ربنا : دراصل یاربنا ہے منادی ہے، اس لیے منصوب پڑھا جاتا ہے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، ربنا : روی بالرفع والنصب والجرفالرفع علی تقدیر ہو ربنا او انت ربنا اسمع حملنا و دعائنا او علی انہ مبتداء و خبرہ غیر مودع بالرفع مقدم علیہ والنصب علی انہ منادی حذف منه حرف النداء والجرف علی انہ بدل من اللہ (جمع ص ۲۹۲) ربنا کے اعراب کے متعلق تین صورتیں ہیں رفع۔ نصب، جر پھر رفع یا تو اسلئے ہے کہ ترکیب میں خبر مبتداء مخدوف کی ہے یعنی ہو ربنا یا انت ربنا ہوگا یعنی تو ہمارا رب ہے تو ہماری حمد و ثنا اور دعا سن لے اور یا اس لیے مرفوع کہ ربنا ترکیب میں مبتداء ہے اور اسکی خبر غیر مودع اس پر مقدم ہے اور اس کا نصب بنا پر منادی ہونے کے ہے اور حرف نداء مخدوف ہے یعنی یاربنا۔ اور جر کی صورت میں یہ لفظ اللہ سے ترکیب میں بدل واقع ہوگا۔

جب کسی دوسرے کے ہاں دعوت ہوتی :

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی کے گھر میں کھانا تناول فرماتے تو نہ اٹھتے جب تک ان کے لیے دعا نہ فرما لیتے۔ جناب حضرت عبداللہ بن بسرہؓ کے گھر میں یہ دعا فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَاَرْحَمْهُمْ (اے اللہ تو رزق میں برکت نازل فرما اور انکو بخش دیں اور رحمت سے نواز دیں) اور حضرت سعدؓ کے گھر میں یہ دعا پڑھی اَفْطَرْنَا عَنْدُكُمْ الصَّائِمُونَ وَاَكَلْ طَعَامُكُمْ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمْ الْمَلَائِكَةُ تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا اور تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور اللہ کے پاک فرشتوں کی دعائیں تم پر ہوں) اور ایک

نوجوان (عمر بن الحق) نے حضور اقدس ﷺ کو دودھ پلایا، تو آپ نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی،  
 اَللّٰهُمَّ اَمْتَعْهُ بِشَبَابِهِ (اے اللہ اسکو اپنی نوجوانی سے مستفید فرماو) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، فموت  
 علیہ ثمانون سنة لم یو شعرۃ بیضاء (پس اسی سال عمر ہونے کے باوجود کوئی ایک بال سفید بھی نہ  
 دیکھا) (جمع ص ۲۹۲) شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سے یہ دعا بھی ثابت ہے، اَللّٰهُمَّ  
 اطعمت و سقیت و اغنیت و اقییت و ہدیت و احیت فلک الحمد علی ما اعطیت۔ (مواہب  
 ص ۱۴۱) (اے اللہ تو نے کھلایا پلایا تو نے استغنا اور بے نیازی عطا کی اور تو نے ہدایت اور زندگی مر  
 حمت فرمائی آپ نے جو کچھ عنایت فرمایا اس پر سب حمد و ثنا آپ ہی کے لیے ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ ان لوگوں کے لیے جو مساکین کی مہمان نوازی کرتے، تعریف اور  
 دعائیں کرتے۔ فقال مرة الارجل یضیف هذا رحمہ اللہ۔ (ایک بار آپ نے فرمایا کہ کوئی ہے ایسا  
 شخص کہ اس کی مہمان نوازی کرے اس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے) اسی طرح حضور ﷺ نے ایک  
 انصاری اور اس کی بیوی (جنہوں نے ایثار کر کے اپنا اور بچوں کا کھانا مہمان کو کھلایا) کی مدح میں فرما  
 یا۔ لقد عجب اللہ من صنعکما اللیلة (اللہ تعالیٰ آپ دونوں سے آج کی رات کے عمل سے بہت  
 خوش ہوئے) (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵) جب حضور اقدس ﷺ اجتماعی طور پر اپنے رفقاء کے ساتھ کھانا  
 کھاتے، تو آپ سب سے آخر میں فارغ ہوتے لکسی لا یخجل الجلیس وعسلی ان یکون له فی  
 الطعام حاجة۔ (تاکہ کھانے والے ساتھیوں میں سے کوئی شرمندہ نہ ہو جائے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس  
 کو ابھی کھانے کی ضرورت باقی ہو۔) (اتحاف ص ۲۴۰)

(۱۸۶/۶) حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَبْسُورَةَ  
 الْقَعْلَبِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثَيْدٍ عَنْ غَمِيرٍ عَنْ أُمِّ كَلْبُومٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الطَّعَامَ فِي سِتَّةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَأَكَلَهُ بِالْقُمْتَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ لِي سَمِي لَكُمَا كُم.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابو بکر محمد بن ابان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں

اسے وکعج نے ہشام دستوائی کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت بدیل بن میسرۃ عقیلی سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت عبد اللہ بن عبید بن عمیر سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت ام کلثوم سے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے ذریعہ سے نقل کی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ چھ آدمیوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک بدوی آیا اس نے دو لقموں میں سب کو نمشایا۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ بسم اللہ پڑھ کر کھاتا تو یہ کھانا سب کو کافی ہو جاتا۔

راوی حدیث (۴۳۳) ابو بکر محمد بن ابانؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### عدم تسمیہ کی وجہ سے کثیر طعام میں بے برکتی :

فجاء اعرابی فاکله بلقمتین بسم الله کی برکت کا بیان ہے۔ تفصیلی قصہ تحت اللفظ ترجمہ میں بیان ہو چکا ہے۔ اعرابی : نسبة الی الاعراب وهم سكان البوادی سواء كانوا من العرب او من غیرهم (اعرابی کا معنی بتلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جنگلوں اور دیہاتوں میں رہنے والوں کو کہا جاتا ہے چاہے وہ عرب ہوں یا غیر عرب۔) مواہب ص ۱۴۱) اعرابی آتے ہی کھانے پر ٹوٹ پڑا بھی دو بڑے بڑے لقمے ہی لیے تھے کہ کھانا ختم ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا لو سئنی لکفاکم، اگر یہ نو وارد بسملة پڑھ لیتا تو کھانا سب کے لیے کافی ہوتا۔ ای الطعام ببرکة التسمیة (جمع ص ۲۹۲) فی ستة من اصحابہ میں کثرت طعام کو اشارہ ہے، یعنی کثرت طعام کے باوصف اس شخص کے ترک تسمیہ کی وجہ سے شیطان شریک طعام ہو گیا اور بے برکتی ہو گئی۔ سوفی هذا کمال المبالغة فی زجر نارک التسمیة علی الطعام لان ترکها یمحقہ (اور اس میں کھانے کے وقت بسم اللہ چھوڑنے والے پر مکمل ڈانٹ وارد ہوئی کیونکہ تسمیہ کا چھوڑ دینا بے برکتی کا سبب ہوا۔) (مواہب ص ۱۴۲)

ابْنِ أَبِي بُرْقَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ وَيَشْرِبَ الشُّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہناد اور محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابو اسامہؒ نے زکریا بن ابی زائدہ کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت سعید بن ابی بردہ سے روایت کی اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے سنا تھا حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جل جلالہ عم نوالہ بندہ کی اس بات پر بہت ہی رضامندی ظاہر فرماتے ہیں کہ ایک لقمہ کھانا کھاوے یا ایک گھونٹ پانی پیوے اور حق تعالیٰ شائد اس پر شکر ادا کرے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ۔ (اے اللہ حمد و ثناء اور شکر آپ ہی ذات اقدس کا ہے میں تو آپ کی تعریف و ثناء کا حق ادا کرنے سے عاجز ہوں)

راویان حدیث (۴۳۴) ابو اسامہؒ (۴۳۵) زکریا بن ابی زائدہؒ اور (۴۳۶) سعید بن ابی بردہؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

لیرضی عن العبد: ای یشنیہ ویرحمہ، الأکلۃ، اگرضم ہمزہ کے ساتھ پڑھیں تو مراد لقمہ ہے اور یفتحھا المرقۃ (مواہب ص ۱۴۲) او: کلمۃ او للتنوع ولیست للشک (لفظ او یہاں تنوع اور تقسیم کے لیے ہے نہ کہ شک کے لیے)۔ (مواہب ص ۱۴۲)

### کھانے کے بعد ترغیب حمد و شکر :

مقصد ترغیب حمد و شکر ہے کہ مسلمان جب کھانا کھائے یا پانی پیئے، حمد و شکر کرے، چاہے وہ ایک لقمہ ہو یا ایک گھونٹ، مادہ حمد سے ماخوذ، جو کلمہ بھی ادا کیا جائے، سنت حمد و شکر ادا ہو جائے گی۔ البتہ جو کلمات حمد و شکر اس سے قبل آپؐ نے تعلیم فرمادیئے ہیں، فہو بیان لاکمل (تویہ کامل ترین الفاظ حمد و شکر کا بیان ہے)۔ (مواہب ص ۱۴۲)

### خلاصہ باب :

شیخ احمد عبد الجواد الدویؒ! خلاصہ باب میں تحریر فرماتے ہیں کہ وکان النبی صلی اللہ علیہ

وسلم یکره الحار من الاطعمة والاشربة ، ویوصی غیرہ ، فان فیہ البرکة ، وروی ابو نعیم ان النبی ﷺ کان ینہی عن النوم عقب الاکل ، وقال انه یقسی القلب ولذا نصح الاطباء بالمشی بعد العشاء ، ومن هنا نعلم ان الاسلام یتمشی مع قواعد الصحة والعافیة علی اتم وفاق ( احتیاجات ص ۲۳۱ ) ( اور نبی کریم ﷺ کھانے پینے کی گرم چیزوں کو ناپسند فرمایا کرتے اور انکے علاوہ کے کھانے کی تاکید فرماتے کیونکہ ان میں برکت ہوتی ہے۔ ابو نعیم کی روایت ہے کہ آپؐ کھانا کھانے کے بعد سونے سے منع فرمایا کرتے اور کہا کہ یہ دل کو سخت کر دیتا ہے۔ اس لیے تو طبیب اور ڈاکٹر حضرات رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کی تاکید کرتے ہیں انہی روایات وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے صحت و عافیت کے اصول کو مکمل طور پر ملحوظ رکھا ہوا ہے۔ ( اے اللہ سارے حمد و ثنا تو آپ ہی کے ذات کے لائق ہیں میں انکے بیان کرنے سے قاصر ہوں ) اللهم لک الحمد و لک الشکر لا احصى ثناء علیک .

### تکملہ :

(۱) شیخ ابراہیم بیجوریؒ فرماتے ہیں :

ولیسن تقدیم الصبیان علی المشائخ فی الغسل قبل الطعام لان ایدی الصبیان اقرب الی الوسخ وقد یفقد الماء لو قلم المشائخ واما بعد الطعام فبالعکس اکراما للشیوخ وهذا کله فی غیر صاحب الطعام اما هو فیتقلم بالغسل قبل الطعام ویتأخر بعده..... ویسنّ تنشیف الیدین من الغسل بعد الطعام لا قبله لانه ربما کان بالمندیل وسخ یعلق بالید ولا ن بقاء اثر الماء یمنع شدة التصاق الدهنیة بالیدین. اور سنت ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لینے میں بچوں کو بڑوں پر مقدم کیا جائے اس لئے کہ لڑکوں کے ہاتھ عام طور پر میلے کچیلے ہوتے ہیں اور اگر مشائخ کے ہاتھ پہلے دھلائے جائیں تو بسا اوقات پانی ختم ہو جاتا ہے (تو پھر لڑکے انہی میلے کچیلے ہاتھوں کیساتھ شریک طعام ہونگے) البتہ کھانا کھالینے کے بعد بزرگوں کے ہاتھ بچوں سے پہلے احتراماً دھلائے جائیں واضح ہو کہ یہ گذشتہ حکم صاحب طعام کے علاوہ لوگوں کے لئے تھا اور صاحب طعام کے لئے یہ ہے کہ وہ کھانے سے پہلے تو ہاتھ دھونے میں پہل کرے گا لیکن کھانے کے بعد کی صورت میں ہاتھ دھونے میں تاخیر کرے نیز کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر پونچھنا سنت ہے نہ کہ کھانے سے پہلے اس لئے کہ

اگر کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر پونچھے تو ہو سکتا ہے کہ تولیہ وغیرہ میں کچھ میل ہو تو وہ ہاتھوں میں لگ جائیگی اور اس لئے بھی کہ دھلے ہوئے ہاتھوں میں پانی کی بقیہ تری چکناہٹ کو ہاتھوں پر چپکنے سے مانع ہوگی۔ (مواعظ ص ۱۳۸)

(۲) علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ :

وكان (صلى الله عليه وسلم) لا يانف من مأكلة احد صغيرا كان او كبيرا حرا كان او عبدا اعرابيا او مهاجرا، حتى لقد روى اهل السنن عنه انه اخذ بيد مجلوم فوضعها معه فى القصعة فقال كل باسم الله ثقة عليه وتوكلا عليه. ( زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵ )

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ کسی دوسرے کو کھلانے میں ناپسندی کا اظہار نہ فرماتے تھے چاہے وہ کھانے میں شریک ہونے والا چھوٹا لڑکا ہوتا یا بڑا آزاد ہوتا یا غلام اعرابی ہوتا یا مہاجر۔ اتنے حد تک کہ اصحاب سنن نے یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہوئے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھانے کے کاسہ میں رکھتے ہوئے کہا کہ بسم اللہ پڑھ کر کھائیے۔

=====



## بَابُ مَا جَاءَ فِي قَدَحِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

### باب : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے کے بارے میں

قدح : قاف اور دال کے فتح کے ساتھ، ایسا برتن جس میں کوئی چیز پی جائے، ہو ما یشرَب فیہ (مناوی ص ۲۹۳) ابن اثیر کہتے ہیں کہ یہ درمیانی حجم کا پیالہ ہوا کرتا تھا، ہو اناء بین اناءین لا صغیر ولا کبیر، اس کی جمع اقداح آتی ہے، جیسے سبب کی جمع اسباب آتی ہے اور قدح: دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو مراد تیر ہے اور قدح جب دال کے سکون کے ساتھ پڑھا جائے، تو مراد خم لگانا اور چھیلنا ہوتا ہے۔ شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد پیالے اور ان کے مختلف نام تھے

(۱) الریان (۲) مغیثاً (۳) وقدح مضرب بسلسلة من فضة فی ثلاثة مواضع و آخر من زجاج و آخر من عیدان بفتح العین، والعیانة النخلة السحوق (ریان، مغیث اور ایک ایسا پیالہ بھی جس پر تین جگہ چاندی کے پترے یا تار وغیرہ لگے ہوئے تھے اور ایک پیالہ شیشے کا بھی ایک اور کھجور سے لفظ عیدان (عین کے فتح کیساتھ) یہ عیدانة کی جمع ہے اور اس کا معنی کھجور کا لباد رخت)۔ (اتحافات ص ۲۴۲) اس باب میں مصنفؒ نے دو احادیث ذکر کی ہیں۔

(۱۸۸/۱) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْأَسْوَدِ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ عَنْ نَابِتٍ قَالَ أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَدَحَ خَشَبٍ غُلِظًا مُضَبًّا بِحَبِيدٍ فَقَالَ يَا ثَابِتُ هَذَا قَدَحُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حسین بن اسود بغدادی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں

کہ ہمیں اسے عمرو بن محمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عیسیٰ بن طہمان نے ثابت کے واسطے بیان کی۔ حضرت ثابتؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے ہم کو ایک لکڑی کا موٹا پیالہ جس میں لوہے کے پترے لگے ہوئے تھے، نکال کر دکھلایا اور فرمایا کہ اے ثابت! یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ہے۔

راویان حدیث (۴۳۷) الحسین بن الاسود البغدادیؒ اور (۴۳۸) عمرو بن محمدؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

قدح خشب، یہ اضافت بیان یہ ہے یا بمعنی من کے ہے، ای قدح من خشب لکڑی کا پیالہ (مواہب ص ۱۴۲) مضیباً کہتے ہیں باب مضب جب وہ مضبات (لوہے یا پتیل کی چوڑی پتریوں) کے ساتھ باندھ لیا جائے۔ ضبہ! لوہے کی چوڑی پتری کو کہتے ہیں، جو دروازہ بند کرنے کے لئے اندر کی طرف سے لگائی جاتی ہے۔ اس کی جمع مضبات آتی ہے۔ کحجۃ وحبات (مناوی ص ۲۹۴) مضب کا معنی ہے کہ لوہے کی پتری لگی ہوئی ہو، تھیب سے اسم مفعول ہے، اگر یہ پتری لکڑی کی ہو، تو اسے اصدا کہتے ہیں، اسی سے مؤصدة بمعنی بند شدہ کے آیا ہے ظاہر ہے کہ آپؐ کا پیالہ مبارک پھٹ گیا ہوگا، جسے بعد میں پتری لگا دی گئی ہوگی۔ حدیث سے متبادر یہی ہے یہ تھیب (پتری لگانے کا عمل خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا ہوگا۔ اور یہ کہنا کہ تھیب کا عمل پیالے کی حفاظت کے لئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل ہے، غیر مرضی ناپسندیدہ قول ہے۔ (مواہب ص ۱۴۲)

لیکن علامہ ملا علی قاریؒ نے دونوں قول احتمالی طور پر نقل کر کے تطبیق کی صورت بھی بیان کر دی۔ فرماتے ہیں، فيحتمل ان الواصل هو النبي صلى الله عليه وسلم او انس و كلام العسقلاني يميل الى الاول حيث قال هو الظاهر.... ثم قال ويحتمل ان يكون الواصل انسا ويؤيده ما رواه البيهقي عن انس و لفظه فجعلت.... الخ، والظاهر ان يحمل قوله فاتخذ علي انه امر بالاتخاذ علي الاسناد المجازي و يحمل قوله فجعلت علي الاسناد الحقيقي فانفق الروايتان۔ (المجمع ص ۲۹۴)

پس یہ احتمال بھی ہے کہ اس کو جوڑنے اور ٹانگا لگانے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا انسؓ اور علامہ عسقلانی کا رجحان پہلے قول کی طرف ہے کیونکہ اس نے کہا کہ یہی بات ظاہر اور واضح ہے۔۔۔۔۔ پھر کہا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ جوڑنے والا حضرت انسؓ ہو اور اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے ہے کہ فجعلت مکان الشعب سلسلة (کہ میں نے اس کے پھٹن کی جگہ پتری لگائی) لیکن زیادہ واضح تو یہ ہے کہ فاتخذ مکان الشعب الخ کو ناد مجازی پر حمل کیا جائے (یعنی آپؐ نے اس ٹوٹے پن (چیر) کے بنانے کا حکم فرمایا) اور حضرت انسؓ کے قول فجعلت الخ کو اسناد حقیقی (کہ میں نے جوڑا) پر محمول کیا جائے تو دونوں روایتوں میں تطبیق ہو جائیگی۔

### کمال تواضع اور ترک تکلف :

فقال يا ثابت هذا قدح رسول الله صلى الله عليه وسلم : دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پتريوں لگا پیالہ دکھایا جا رہا ہے، جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت اور رغبت کے ساتھ استعمال فرمایا تھا، وفيه دليل على كمال تواضعه وترك تكلفه وجاء في رواية عن انس انه قال لقد سقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا القدح اكثر من كذا وكذا۔ (جمع ص ۲۹۴) اور اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک تکلف اور کمال تواضع کی دلیل ہے اور ایک روایت میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ آپؐ فرمایا کرتے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالے سے اتنے اتنے بار سے بھی زیادہ پلایا ہے۔

### نافع اشیاء کی حفاظت و اصلاح مستحب ہے :

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نافع چیز کی حفاظت اور ممکن اصلاح و استعمال مستحب ہے اور اس کو ضائع کرنا مکروہ ہے۔ واشترى هذا القدح من ميراث النضر بن انس بثمانمائة الف درهم اور نضر بن انسؓ کی میراث سے یہ پیالہ آٹھ لاکھ درہم پر خریدا گیا۔ امام بخاریؒ سے روایت ہے کہ میں نے یہ پیالہ بصرہ میں دیکھا ہے اور اس سے پانی بھی پیا ہے کان مضبياً بفضة یعنی اس پر چاندی کی پتريوں لگی ہوئی تھیں، جبکہ اس روایت میں مضبياً بجديد کی تصریح ہے ويمكن الجمع بانه كان مضبياً

بکل من الفضة والحلید۔ اور ان کی تطبیق بایں صورت بھی ممکن ہے کہ چاندی اور لوہے ہر دونوں کی پتیاں لگائی گئی ہوں۔

(۱۸۹/۲) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ وَثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْقَدَحِ الشَّرَابَ كُلَّهُ الْمَاءَ وَالْبَيْدَ وَالْعَسَلَ وَاللَّبَنَ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبد اللہ بن عبد الرحمن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عاصم بن عاصم نے بیان کی۔ اُن کو یہ روایت حماد بن سلمہ سے ملی۔ انہوں نے یہ روایت حمید اور ثابت دونوں کے واسطے سے حضرت انس بن مالکؓ سے سنی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالہ سے پینے کی سب انواع پانی، نبید، شہد، دودھ سب چیزیں پلائی ہیں۔

### صحابہ کرامؓ کی والہیت :

لقد سقیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بهذا القدح..... الخ، مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہو گیا ہے بھلا القدح میں کتنا پیار، کتنی محبت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر والہیت ظاہر ہو رہی ہے۔ حضرت انسؓ کو اس بات پر کتنا فخر و امتیاز اور ناز ہے کہ یہ وہ پیالہ ہے جس میں آپؐ کو ہر چیز پلایا کرتا تھا، اپنے نصیب و سعادت پر انہیں مسرت ہے کہ مجھے آپؐ کی خدمت کا نادر سے نادر موقع نصیب ہوتا رہا۔

### پیالے کی ساخت :

القدح سے مراد وہی پیالہ ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ہو قدح الخشب الغلیظ المضرب بالحلید موٹی لکڑی کا ایسا پیالہ جس پر لوہے کی پتیاں لگائی گئی ہوں۔ (مواعظ ص ۱۴۳) وقد ثبت فی الصحيح ان قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذی کان عند انس قدح جید عریض ای

طوله اكثر من عرضه اتخذ من النضار و هو العود الخالص ، وقيل انه كان من النبع وقيل انه كان من  
الانسل اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پیالہ جو حضرت انسؓ کے پاس تھا  
ایک اچھا مضبوط چوڑا پیالہ تھا یعنی اس کی لمبائی چوڑائی سے زیادہ تھی اور وہ خالص عمدہ لکڑی سے بنا گیا  
تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نبج (ایک قسم کی لکڑی جس سے تیر و کمان بنائے جاتے تھے) سے بنایا گیا تھا  
اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ جھاؤ (کھگل) کی لکڑی کا تھا۔ (اتحافات ص ۲۴۳)

الشراب كله : پیئے جانے والی تمام اشیاء، چار اشیاء کا خصوصیت سے ذکر ہے۔ الماء والنبيذ،  
و العسل ، واللبن پانی۔ نبیذ۔ شہد اور دودھ کا یہ اشیاء اربعہ، بدل مفصل من مجمل ہے یا بدل بعض من  
الكل ہے۔ اہتماماً بشأنها لكونها اشهر الانواع ان چار چیزوں کی اہتمام شان کے لئے کیونکہ یہ  
پئے جانے والی اشیاء میں مشہور ترین قسمیں ہیں۔ (مواہب ص ۱۴۳) نبیذ: کا معنی کھجور، کشمش یا  
خوبانی کو پانی میں بھگو دیا جائے۔ جب اس کا اثر اچھی طرح پانی میں آجائے، تو وہ پانی نبیذ کہلاتا  
ہے۔ ہو ماء يجعل فيه تمرات ليحلو (اتحافات ص ۲۴۳) آپؐ کے لئے بھی رات کے وقت کھجوریں  
بھگو دی جاتی تھیں، جسے آپؐ صبح کے وقت نوش جان فرمایا کرتے تھے۔ اور آنے والی رات کو بھی اور  
کل آئندہ عصر تک پھر اگر اس میں سے کچھ بچ جاتی تو اپنے خادم کو پلا دیتے اگر اس سے نشہ ہو جانے کا  
خطرہ نہ ہوتا تھا ورنہ اس کے بہا دینے کا حکم فرما دیتے اور آپؐ کو اس کے پینے سے زیادتی قوت کا  
عظیم نفع ہوتا تھا علامہ بیجوریؒ اس کو اس عبارت میں بیان کرتے ہیں۔ و كان يبنذله صلى الله عليه  
وسلم اول الليل ويشرب منه اذا أصبح يومه ذلك وليلة التي تجنى والغدالي العصر فان بقي منه  
شئ سقاه الخادم ان لم يخف منه اسكار او الا امر بصبه، وهو له نفع عظيم في زيادة القوة -  
(مواہب ص ۱۴۳)

=====

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ فَاكِهَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

### باب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پھل تناول فرمانے کے بیان میں

فاکھہ، میوہ اور پھل کو کہتے ہیں۔ تر ہو یا خشک ہر قسم کا پھل جس کو کھا کر لذت حاصل کی جائے اور اس سے غذا ودوا مقصود نہ ہو، خواہ روٹی کے بعد ہو یا کسی بھی وقت، اور چاہے وہ تر (میوہ) ہو یا خشک جیسے انجیر، خربوزہ، کشمش، انگور یا اس جیسے دوسرے میوہ جات، صاحب اتحافات لکھتے ہیں نہا یضکہ بہ بعد الطعام او فی ای وقت رطبًا کان او یا بساکنین و بطیخ و زبيب و عنب و ما اشبه ذلک۔ (اتحافات ص ۲۴۳) اس باب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قسم کے پھل کھانے کا بیان ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ جب سب سے پہلا پھل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تو آپؐ ان کے لئے دعائے برکت فرماتے۔

”نخل“ اور ”رمان“ کا حکم :

بعض حضرات نے یہاں یہ بحث بھی چھیڑ دی ہے کہ نخل اور رمان، فواکہ میں داخل ہیں یا نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں فواکہ میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ امام اعظمؒ کے زمانہ میں یہ دونوں غذا اور دوا کے طور پر استعمال ہوتے تھے قرآن مجید میں بھی فیہما فاکھہ ونخل و رمان آیا ہے، عطف تغایر کا متقاضی ہے۔ لہذا ان دونوں کو فواکہ سے متغایر ہونا چاہیے۔ جیسے صاحب اتحافات یہی لکھتے ہیں۔ وقیل ان التمر والرمان لیسا من الفاکھہ لقولہ تعالیٰ فیہما فاکھہ ونخل و رمان والاصل فی العطف المغایرة۔ (اتحافات ص ۲۴۳)

حضرات صاحبینؒ نے جب دیکھا کہ اب لوگ انہیں تغذی اور تداوی کے طور پر نہیں بلکہ

تفکھ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس لئے انہوں نے اسے فواکہ قرار دیا، وذهب الراغب الى ان الفاكهة هي الثمار كلها اور امام راغبؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ فاکھہ سب میوہ جات کو شامل ہے (اتحاف ص ۲۳۲) شارحین حدیثؒ نے قطعی فیصلہ یہ کیا ہے کہ تفکھ یا تغذی کا دار و مدار عرف پر ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس باب میں سات روایات نقل کی ہیں۔

(۱۹۰/۱) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْقِنَاءَ بِالرُّطْبِ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسماعیل بن موسیٰ فزاری نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت ابراہیم بن سعد نے اپنے باپ کے حوالے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبد اللہ بن جعفرؒ سے سنی۔ عبد اللہ بن جعفرؒ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو کھجور کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

راوی حدیث (۲۳۹) اسماعیل بن موسیٰ الغزالیؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### ککڑی اور کھجور کا یکجا استعمال :

یاکل القناء بالرطب ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو تازہ کھجور کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔ ککڑی ٹھنڈی (بارد) سبزی ہے اور کھجور (حار) گرم میوہ ہے۔ طبی نقطہ نظر سے دونوں کو ملا کر کھانا اعتدال ہے۔ جس کی وجہ سے نقصان نہیں ہوتا۔ نیز ککڑی پھیکا اور کھجور میٹھی ہوتی ہے، دونوں کو یکجا کھانے سے ذائقہ میں اعتدال پیدا ہوتا ہے اور ککڑی میں بھی مٹھاس آ جاتا ہے۔

وفی الصحيح انه كان ياكل الرطب بالقناء والفرق بينهما ان المقدم اصل في الماكول كالخبز والمؤخر كالادام ، وقد اخرج الطبراني بسند ضعيف ان عبد الله بن جعفر قال رأيت في يمين النبي صلى الله عليه وسلم قنأ وفي شماله رطباً وهو ياكل من ذامرة ومن ذامرة وهو

محمول علی تبدیل مافی یدیه لنلا یلزم الاکل بالشمال اور صحیح میں ہے کہ آپؐ تر کھجور کو ککڑی کے ساتھ کھایا کرتے تھے یعنی مندرجہ بالا روایت کے عکس اور دراصل انکے درمیان فرق یہی ہے کہ جس کا ذکر پہلے ہو تو وہی ماکول ہونے میں اصل ہوتی ہے جیسے روٹی اور جو مؤخر ہو وہ بمنزلہ ادام اور سابلن کے ہے امام طبرانی نے ایک سند ضعیف سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن جعفرؓ نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں ککڑی اور بائیں ہاتھ میں تر کھجور دیکھی اور آپؐ بھی اس سے کھاتے اور کبھی اس سے اور اس کا محمل یہی ہوگا کہ آپؐ کے ہاتھوں میں جو چیزیں تھیں اسے تبدیل فرما کر کھا رہے تھے اور یہ اس لئے تاکہ آپؐ کا بائیں ہاتھ سے کھانا لازم نہ آجائے۔ (جمع ص ۲۹۶) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیک وقت متعدد اشیاء کا کھانا زہد و تقویٰ کے خلاف نہیں ہے..... قال النوویؒ فیہ جواز اکل الطعامین معا والتوسع فی الاطعمۃ ولا خلاف بین العلماء فی جوازه۔ (جمع ص ۲۹۶)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مختلف کھانوں، اطعمہ اثمار اور ماکولات کی صفات اور طبائع کو ملحوظ رکھ کر استعمال کرنا جائز ہے، جو طبی قواعد میں چلتا ہے۔ لان فی الرطب حراة و فی القشاء برودة فاذا اکلا معا اعتدلا وهذا اصل کبیر فی المربکات من الادویة (جمع ص ۲۹۶) اس لئے کہ تر کھجور گرم ہے اور ککڑی ٹھنڈی اور جب دونوں اکٹھے کھائے جائیں تو پھر دونوں میں اعتدالی کیفیت ہو جائیگی۔ اور یہی مرکب دوائیوں کے بنانے کا بنیادی قانون اور اصل ہے۔

(۱۹۱/۲) حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْخُزَاعِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ الْبَطِيخَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبدہ بن عبد اللہ خزاعی بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے معاویہ بن ہشام نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت سفیان سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے ان کے باپ کے حوالہ سے نقل کی اور وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم



وسلم تربوز کوتازہ کھجوروں کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

### تربوز اور کھجور کا یکجا استعمال :

کان یا کل البطیخ بالرطب، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کوتازہ کھجور کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ بطیخ کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے خر بوزہ اور بعض نے تربوز قرار دیا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا صحیح معنی تربوز ہے، کیونکہ تربوز سرد ہے اور کھجور کی گرمی کو معتدل کر دیتا ہے چنانچہ ابو داؤد اور ترمذی کی روایت میں تصریح ہے کہ جب آپؐ تربوز کے ساتھ تازہ کھجوریں تناول فرماتے تو ارشاد فرماتے، یقول یلغع حر هذا برد هذا و برد هذا حر هذا۔ (جمع ص ۲۹۶) کہ اس کی (کھجور کی) گرمی اس (تربوز کی) ٹھنڈک کو دور کر دیتی ہے اور اس (تربوز کی) ٹھنڈک اس کی (کھجور کی) گرمی کو دور کر دیتی ہے۔

(۱۹۲/۱۳) حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ يَعْقُوْبَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ قَالَ سَمِعْتُ حُمَيْدًا يَقُوْلُ اَوْ قَالَ حَلْتَنِيْ حُمَيْدًا قَالَ وَهْبٌ وَكَانَ صَدِيْقًا لَهُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْخَرْبِزِ وَالرُّطْبِ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابراہیم بن یعقوب نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے وہب بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں میرے باپ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حمید کو یہ کہتے ہوئے سنا یا اس نے کہا کہ روایت حمید نے میرے سامنے بیان کی، کہتے ہیں کہ وہب حمید کا دوست تھا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے بیان کی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خر بوزہ اور کھجور کھٹے کھاتے ہوئے دیکھا۔

### خر بوزہ اور کھجور :

یجمع بین الخربز والرطب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خر بوزہ اور تازہ کھجوریں یکجا تناول فرماتے تھے۔ دونوں کو ملا کر کھانے میں ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خر بوزہ پھیکا ہو، کھجور سے

اس کے مزے میں مٹھاس اور اعتدال پیدا کر دیا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ بروقت خربوزہ میں بھی من وجہ ہوتی ہے۔ اگرچہ پائیدار نہ ہو، فان فیہ بروصۃ یعدلہا الرطب کہ خربوزہ میں ٹھنڈک ہے اس کو کھجور معتدل بنا دیتی ہے (جمع ص ۲۹۷) لفظ خربز (بکسرتین) اور خربز (بفتحین) فارسی سے معرب ہے۔ فارسی میں اسے خرپزہ اور خربرزہ کہتے ہیں، ای کان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یاکل الخربز ویاتلم بالرطب۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ کھاتے اور اس کا ادام کھجور کو بنا لیتے۔ (اتحافات ص ۲۴۶)

(۱۹۳/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اسْحَقَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ الْبُطِيخَ بِالرُّطَبِ.

ترجمہ: ”امام ترمذی“ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن یحییٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن عبدالعزیز رملی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبداللہ بن یزید بن صلت نے محمد بن اسحاق کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت یزید بن رومان سے انہوں نے عروہ سے روایت کی۔ عروہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تربجوروں کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۴۴۰) محمد بن عبدالعزیز (۴۴۱) عبداللہ بن یزید بن الصلت اور (۴۴۲) یزید بن رومان کے حالات ”مذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

غذا میں اعتدال اور اصلاح ضرر کا اہتمام :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکل البطیخ بالرطب۔ اس حدیث کی تشریح وہی ہے، جو اس سے قبل کی حدیث میں عرض کر دی ہے۔ شیخ عبدالرؤف، علامہ ابن قیمؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں، وقد علم من هذا الخبر وما قبله من احادیث الباب والذي قبله انه صلی اللہ علیہ وسلم كان یعدل الغداء ویبدرہ فکان لا یجمع بین حارین ولا باردین ولا لزجین ولا قابضین ولا مسهلین

ولا غلیظین ولا بین لبن وسمک ولا بین لبن وحمض ولا بین مستحیلین الی خلط واحد ولا بین مختلفین کقابض ومسهل وسریع الهضم وبطینہ ولا بین شوی وبطیخ ولا بین طری وقلید ولا بین لبن وبيض ولا بین لحم ولبن ولم یأکل طعاماً قط فی وقت شدة حرارته ولا طیخاً بانثاً یسخن له بالغلو لا شیاً من الاطعمة العفنة والمالحة فان ذلك کله ضار مولد للخروج عن الصحة وکان یصلح ضرر بعض الاغذية ببعض اذا وجد الیه سبیلاً ولم یشرّب علی طعامه لئلا یفسد ذکرہ ابن القیم۔ (مناوی ص ۲۹۸)

اس حدیث اور اس باب کی دوسری احادیث جو اس سے پہلے گزر چکی ہیں بلکہ اس باب سے پہلے باب کی احادیث سے یہی کچھ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غذا کو ہر طرح معتدل بنانے پر توجہ دیا کرتے تھے چنانچہ آپؐ نہ تو دو گرم چیزوں کو اکٹھا کھاتے اور نہ دو ٹھنڈی کو اسی طرح نہ دو لیسدار چیزوں کو اور نہ ہی دو قابض اور نہ ہی دو مسهل چیزوں کو یکجا استعمال کرتے اور نیز نہ دو گاڑھی چیزوں کے درمیان اجتماع کرتے نہ ہی دودھ اور مچھلی کو اکٹھا کھاتے اور نہ دودھ اور کسی کھٹی اشیاء کو اکٹھے استعمال میں لاتے اور نہ ایسی دو چیزیں جنکی تحلیل اخلاط میں سے کسی ایک خلط کی طرف ہو اور نہ دو مختلف چیزیں کہ ایک قابض اور دوسری مسهل ہو زود ہضم اور دوسری دیر ہضم ہو کو بیک وقت استعمال میں لاتے اور نہ بھنے ہوئے گوشت اور خر بوزہ کے درمیان یا تازہ اور باسی کا اجتماع فرماتے اسی طرح دودھ اور انڈے اور گوشت اور دودھ بھی اکٹھے نہ کھاتے آپؐ نے کبھی سخت گرم کھانا نہیں کھایا اور نہ رات کا پکا ہوا دن کو گرم کیا جاتا اور نہ کوئی متعفن اور کھٹی غذائیں استعمال میں لاتے حاصل یہ کہ کھانے کی مذکورہ اشیاء انسانی صحت کے لئے مضر اور نقصان کا باعث بنتے ہیں آپؐ کی یہ بھی عادت مبارکہ تھی کہ بعض غذاؤں کے ضرر اور نقصان کو بعض دوسری غذائی اشیاء کو ملا کر اصلاح کر دیا کرتے اگر کوئی ایسا طریقہ ممکن ہوا کرتا نیز کھانے کے بعد فوری پانی نہیں پیا کرتے تاکہ غذا کی خرابی پیدا نہ ہو جائے۔ ابن قیمؒ نے یہ تفصیل ذکر کی ہے۔

حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَوَّلَ الثَّمَرِ جَاءُوا بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا أَخَذَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَفِي مِلْنَا اللَّهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدَكَ وَخَلِيلَكَ وَنَبِيَّكَ وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيَّكَ وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَإِنِّي أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمَثَلِ مَا دَعَاكَ بِهِ لِمَكَّةَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ قَالَ ثُمَّ يَدْعُو أَصْغَرَ وَلَيْدٍ يَرَاهُ فَيُعْطِيهِ ذَلِكَ الثَّمَرَ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مالک بن انس نے بیان کیا۔ (تحویل) ہمیں یہ روایت اسحاق بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت معن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مالک بن سہیل بن ابی صالح نے اپنے باپ کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے سنی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ جب کسی نئے پھل کو دیکھتے تو اس کو حضورؐ کی خدمت میں لا کر پیش کرتے، تو حضورؐ یہ دعا پڑھتے، اللھم باریک لنا فی ثمارنا وبارک لنا فی صاعنا و فی ملنا، اللھم ان ابراہیم عبدک و خلیلک و نیک و انی عبدک و نیک و انہ دعاک لمکة و انی ادعوک للمدینة بمثل ما دعاک بہ لمکة و مثله معہ، (اے اللہ ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں برکت نازل فرما دے اور ہمارے مدینہ شہر میں برکت عنایت کر دے اور، رے صاع اور مد میں برکت عطا فرما دے) (یہ ماپنے کے پیمانے ہیں) اے اللہ بیشک ابراہیمؑ تیرا بندہ خلیل اور نبی تھا اور میں بھی تیرا ہی بندہ اور نبی ہوں اور بیشک ابراہیمؑ نے تجھ سے مکہ کے لئے برکت کی دعا کی تھی اور میں تجھ سے مدینہ کے لئے وہی دعا جو اس نے مکہ کے لئے کی تھی اس سے دگنی۔ اس کے بعد جس چھوٹے بچے کو دیکھتے اس کو مرحمت فرما دیتے۔

پہلا پھل حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا :

مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں وضاحت کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے، کان الناس اذا راوا اول الثمر الخ، اس کو الباکورة کہتے ہیں۔ حضورؐ کے پاس لاتے، اپنے سے حضورؐ کو ترجیح دیتے اپنی

اولاد، خاندان سے بھی آپؐ کو ترجیح دیتے، لہٰذا اولیٰ الناس بما سئق الیہم من الرزق۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں میں سے ان ہی کو عطا کردہ رزق کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلا پھل قوم کے اکابر علماء اور صلحاء کے پاس لانا مستحب ہے۔

علامہ بیہوریؒ بھی یہی نقل کرتے ہیں: یؤخذ منه انه لیسب الا تیان بالباکورة لاکبر القوم علما وعلما۔ (مواعظ ص ۱۳۵)

جب باغ لگتا اور میوہ پکتا تو صحابہ کرامؓ سب سے پہلا پھل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرماتے تاکہ آپؐ سب سے پہلے اسے تناول فرما دیں اور اس کے لئے برکت و سعت کی دعا فرما دیں اور اس لئے بھی کہ آپؐ کو اس ثمر جدید سے فرحت و انبساط حاصل ہو۔ فلا شک ان لہ فرحة تملأ القلب۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؐ کو قلبی مسرت اور خوشی ہو جایا کرتی۔ (اتحافات ص ۲۳۷)

### پہلے پھل کی دعا :

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اول پھل دیکھ کر دعا فرماتے، اللھم بارک لنا فی ثمارنا ..... الخ۔ برکت سے مراد آفات و بلیات اور نقصان و مضرت سے حفاظت اور اثمار میں اضافہ اور زیادتی اور مخلوق کا ان سے ظاہری و باطنی منفعت اٹھانا مقصود ہے۔

### مدینہ منورہ کے لئے دعا :

و بارک لنا فی مدینتنا یعنی اس کے رہنے والوں کو رزق میں وسعت عطا فرما، ان کی دشمنوں سے حفاظت فرما، بکثرة الارزاق فیہا و باقامة الشعائر الاسلام فیہا کہ اس میں لوگوں کے رزق میں فراوانی اور اسلامی شعائر کے قیام کی توفیق ارزانی ہو۔ (مواعظ ص ۱۳۵) اس لئے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے سکن مدینہ کا اجر دو گنا کر دیا ہے و فتح علیہم کنوز کسری و قیصر و خاقان مما لا یحصی اور فتوحات اسلامیہ میں انکو قیصر و کسریٰ اور خاقان کے بیٹھا خزانے ہاتھ آئے۔ (اتحافات ص ۲۳۷) اور ایمان بھی ہمیشہ مدینہ منورہ میں اپنی تمام کیفیات اور جلوہ آرائیوں کے ساتھ

موجود ہوتا ہے، والایمان دائما یارز الی المدینۃ کما تارز الحیۃ الی جحہا (اور ہمیشہ ایمان سمٹ کر مدینہ شریف کی طرف آئیگا جیسے گھوم پھر کر سانپ بھی اپنی غار کی طرف آتا ہے) ہر سال ہر وقت زائرین کے وفد مدینہ منورہ میں بارگاہ نبوی میں زیارت اور صلوٰۃ و سلام ے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ وہی ذلک تکبیر للخیرو نشر للبر اور اس میں خیر و بھلائی کی کثرت اور نیکی کا پھیلاؤ اور پہنچانا ہوتا ہے۔ (اتحافات ص ۲۳۷)

### صاع اور مد میں برکت کا معنی :

وبارک لنا فی صاعنا وملنا : مد کی جمع مداد، امداد اور مد آتی ہے۔ صاع بالاتفاق چار مد کا ہوتا ہے لیکن مد میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے ہاں مد دو (۲) رطل کا ہوتا ہے۔ شوافع حضرات کے ہاں مد ایک رطل اور ثلث رطل کا ہوتا ہے۔ صاع اور مد کے لئے دعا کرنا، دراصل فصل ہی میں خیر و برکت کی دعا کرنا ہے کہ یہ اسی زمانے میں جنس کو ناپنے کے پیمانے تھے، یعنی جب ہم ان پیمانوں کے ساتھ نئی پیدا ہوئی والی فصل کو ناپیں، تو یہ فصل زیادہ سے زیادہ نافع ثابت ہو، والمراد بالبرکۃ فی الصاع والمد، البرکۃ فی الشئ الذی یکال بهما۔ (صاع اور مد میں برکت کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز ان سے ناپی جاتی ہے اس میں برکت عطا فرمادے)۔ (اتحافات ص ۲۷۸)

اللهم ان ابراهيم..... الخ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا تیسرا حصہ اپنے شہر مدینہ منورہ کے لئے خصوصیت اور اہتمام سے اس میں خیر و برکت کی طلب ہے۔ دعا کے آغاز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر خیر سے غرض اپنے باپ ابراہیم کی عبودیت اور نبوت اور غلیل ہونے کو اپنی دعا کی قبولیت کیلئے وسیلہ بنانا تھا۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں کہ : والغرض من ذلک التوسل فی قبول دعائه بعبودية ابيه ابراهيم وخلته ونبوته۔ (مواعظ ص ۱۳۵) الخلة: وہی المحبة التی تمكنت فی القلب وملائت خلاله ایسی محبت جو دل کی گہرائی سے ہو۔ (اتحافات ص ۲۳۷)

### مقام خلعت و محبت :

انی عبدک و نیک ، اپنے کو غلیل نہ کہا، حالانکہ آپؐ بھی خلعت سے سرفراز تھے، اس لئے

کہ آپ مقام محبت سے نوازے گئے تھے، جو مقام خلعت سے ارفع ہے یا اپنے جد امجد کے سامنے تواضع اور انکساری کا اظہار ہے جیسے اسی بات کو علامہ بیجوری بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ لانه خص بمقام المحبة الأرفع من مقام الخلعة او ادبا مع ابیہ الخلیل فلا ینافی انه خلیل ایضاً۔ (مواہب ص ۱۳۵) عبدیت کو رسالت پر مقدم کیا، لانه اصل الرسالة کہ یہ عبدیت رسالت کی بنیاد ہے۔

### حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا :

وانہ دعا لمکة، (اس نے دعا کی تھی مکہ شریف کیلئے) اور وہ دعایہ تھی جو سورہ ابراہیم میں مذکور ہے، جب انہوں نے اپنے نومولود فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو سرزمین عرب میں اللہ کے بھروسے پر تنہا چھوڑ دیا، تو بارگاہ ربوبیت میں یہ دعا کی، رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بُوَادِ غَیْرِ ذِیْ ذَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْنَدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَاَرْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ۔ اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے اے پروردگار تاکہ وہ نماز پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ انکی طرف جھکے رہیں اور ان کو میوؤں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل سے وہاں ایک قوم آباد ہوئی، پھر بیت اللہ کی تعمیر ہوئی، پھر لوگوں کی عبادت کا مرکز بنا، لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔ دنیا بھر کا بہترین پھل وہاں موجود اور دنیا کی ہر ضرورت کی چیز وہاں دستیاب ہے۔

### مدینہ منورہ کے حق میں دعا کی قبولیت :

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مقصد یہی تھا کہ مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ کو بھی یہی خیر و برکت، مرکزیت، محبوبیت اور اس سے دو چند برکات و ثمرات عطا ہوں، آج وہ دعا قبول ہوئی۔ مدینہ منورہ میں بھی ہر چیز دستیاب ہے، دنیا کا ہر پھل، ہر نعمت میسر ہے بلکہ مکہ مکرمہ سے سستی بھی ہے۔

ومثله معه ای ادعواک بضعف ما دعاک لہ ابراہیم لمکة وقد استجبت دعوة

الخليل لمكة و الحبيب لمدينة فصار يجنى اليهما من مشارق الارض ومغاربها ثمرات كل شئ (مواعظ ص ۱۴۵) (یعنی اے اللہ میں تجھ سے اس کے دو گنا کی دعا کرتا ہوں جو دعا ابراہیمؑ نے مکہ کے لئے کی تھی۔ تحقیق قبول ہوئی ابراہیمؑ کی دعا مکہ کے لئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ شریف کے لئے آج اس وقت ہر دونوں (مکہ اور مدینہ شریف) کو زمین کے گوشہ گوشہ اور مشرق و مغرب کے سب ممالک سے ہر قسم کے میوہ جات وافر طور پر آتے رہتے ہیں)

دنیا میں سب سے بہترین جگہ مکہ اور مدینہ ہیں :

اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کی جگہ (روضہ اقدس) کے علاوہ دنیا کے تمام مقامات سے مکہ و مدینہ افضل ہیں۔ علامہ بیجوریؒ نے تنبیہ کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے: قد انعقد الاجماع علی ان مكة والمدينة افضل البقاع.... والخلاف (فیما بینہما) غیر البقعة الشریفة والا فهو افضل من السموات والارض جمیعا. (اس پر اجماع ہے کہ دنیا کے تمام مقامات سے مکہ اور مدینہ افضل ہیں اور پھر ان دونوں کے درمیان، افضلیت کا اختلاف روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ میں ہے ورنہ یہ بقعہ مبارکہ تو آسمان و زمین اور سب کائنات سے افضل ہے)۔ (مواعظ ص ۱۴۵)

چھوٹے بچوں پر شفقت :

ثم يدعو اصغر ولید..... الخ ، دعا سے فراغت کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت مکرم کے کم عمر اور صحابہ کرامؓ کے کم عمر بچوں کو بلا کر اس پھل سے ان کو عنایت فرماتے۔

شیخ احمد عبد الجواد الدؤیؒ فرماتے ہیں: کان اذا اتى النبى صلى الله عليه وسلم بيا كورة التمر وضعها على عينيه ثم على شفتيه وقال اللهم كما اريتنا اوله فارنا آخره ثم يعطيه من يكون عنده من الصبيان. (اتحافات ص ۲۳۸) (کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نیا پھل لایا جاتا تو اس کو پہلے اپنی آنکھوں مبارک پر اور پھر ہونٹوں پر رکھ لیا کرتے اور یہ دعا فرماتے کہ اے اللہ جیسے کہ اسکا شروع نیا پھل دکھایا ہے تو ہمیں اسکا آخر بھی دکھا دیں) پھر جو چھوٹے بچے آپؐ کے پاس ہوتے انہیں دے دیا



کرتے۔ نئے پھلوں میں بچوں کو ترجیح دینا اس لئے بھی تھا کہ وہ اس پر خوش ہوتے ہیں، بلکہ اس کے پکنے، اترنے اور اتارنے کے لئے منتظر رہتے ہیں، اولتکون هناک مناسبة بین الباکورة فی الرطب والصغار فہم اقرب العهد بالخلق والایجاد (اور یا اس لئے کہ نئے پھل (کھجور وغیرہ) اور چھوٹے بچوں میں ایک قسم کی مناسبت بھی ہے۔ کہ ان کے خلق و ایجاد کا زمانہ قریب قریب ہے)۔ (اتحافات ص ۲۳۸) وفیہ بیان حسن عشرتہ و کمال شفقتہ و مرحمتہ و ملاطفہ مع الکبیر والصغیر و تنزیل کل احد فی مقامہ و مرتبہ للاقعة بہ . (جمع ص ۳۰۰) اور آپ کے اس معاملہ میں اچھے برتاؤ کمال شفقت و مہربانی و نرم دلی ہر چھوٹے اور بڑے کیساتھ نیز ہر ایک کو اس کے مرتبہ میں رکھنا جس کا وہ لائق ہے کا بیان واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے)۔

ولید مفرد ہے جمع کے معنی میں ہے بچوں میں پھل تقسیم کرنے کے عمل میں ترحم علی الصغار ہے دوسرا یہ کہ آپ خود تناول نہ فرماتے تھے، کیونکہ ایسے پھل جب عام لوگوں کو میسر نہ ہوں اور وہ نہ کھا سکیں، تو آپ بھی کھانا پسند نہیں فرماتے تھے، جب فراوانی ہو جاتی اور پھل ہر ایک کو دستیاب ہوتا، تب آپ بھی پسند فرماتے تھے۔

والنفوس الذکیة لا تشوق الی تناول شی من انواع الباکورة الابعد عموم الوجود ، فیلقد کل احد علی تحصیلہ . (نیک اور پاکباز لوگ نئے پھل کے انواع تناول میں ابتداء ہرگز شوق نہیں رکھا کرتے البتہ جب عام طور پر کثرت سے موجود ہو اور ہر ایک اس کے حاصل کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو پھر ان میں سے تناول کرنے میں حرج محسوس نہیں کرتے) (اتحافات ص ۲۳۸)

(۱۹۵/۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَارٍ بْنِ بَاسِرٍ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ مَعُوذٍ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ بَعَثَنِي مُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُّطَبٍ وَعَلَيْهِ أَجْرٌ مِّنْ قِنَاءٍ زُعْبٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْقِنَاءَ فَاتَيْنَهُ بِهِ وَعِنْدَهُ حَلِيَّةٌ قَدْ قَلِمَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَمَلَأَ يَدَهُ مِنْهَا فَأَعْطَانِيهِ.

ترجمہ: ”امام ترمذی“ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن حمید رازی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا ابراہیم بن مختار نے، انہوں نے یہ روایت محمد بن اسحاق سے ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر کی وساطت سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت ربیع بنت معوذ بن عفراء سے حاصل کی۔ ربیع رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے میرے چچا معاذ بن عفراء نے تازہ کھجوروں کا ایک طبق جن پر چھوٹی چھوٹی روئیں دار کٹڑیاں بھی تھیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کٹڑی مرغوب تھی۔ میں جس وقت کٹڑیاں لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ حضور والا کے پاس بحرین کے کچھ زیورات آئے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے ان میں سے ایک ہاتھ بھر کر مجھے مرحمت فرمایا۔

راویان حدیث (۴۴۳) ابراہیم بن المختار (۴۴۴) ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر اور (۴۴۵) الربیع بنت معوذ الانصاریہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

قالت بعضی ..... الخ، قصہ تو سارا ترجمہ میں بیان ہو چکا ہے۔ معاذ بن عفراء! ہو عما و هو المشارک لاختیہ فی قتل ابی جہل ببلر، و حذرأسه و هو مجروح مطروح (اتحافات ص ۲۴۹) (یہ معاذ بن عفراء حضرت معوذ بن عفراء کا چچا تھا اور یہی اپنے بھائی کے ساتھ ابو جہل کے قتل میں شریک تھا اور ابو جہل کا سر جدا کیا اور وہ زخمی شدہ زمین پر گرا ہوا تھا) القناع: مراد طبق ہے، بھدی علیہ (جو آپؐ کو ہدیہ میں پیش کیا گیا) (مواہب ص ۱۴۶) الطبق الذی یؤکل فیہ۔ (طبق وہ برتن جس میں کھانا کھایا جاتا ہے) (اتحافات ص ۲۴۹) اجبر، اصل میں اجبرو تھا، افسل کے وزن پر ہے ”واو“ کو ”ی“ سے بدل دیا گیا، لو قوعها رابعة ضمه کوی کی مناسبت سے کسرہ سے بدل دیا گیا، پھر اس میں قاض کا اعلال جاری ہوا اس کا مفرد ”جرو“ ہے، ہو هو الصغیر من کل شیء حیواناً کان او غیرہ (مواہب ص ۱۴۶) جرو کا معنی ہر چیز میں سے چھوٹا چاہے حیوان ہو یا غیر حیوان۔ غیر عام ہے اناء ہو یا خربوزہ یا کٹڑی، مراد چھوٹا پھل ہے۔

زغب : ازغب کی جمع ہے جو الزغب سے ہے، وهو صغار الریش اول طلوعه وشبه

به القناء الصغير یعنی روئیں جو چوڑے کے بدن میں شروع میں نکلتی ہیں، الزغب پرندوں کے بچوں کے لئے بولا جاتا ہے، جب نوزائیدہ بچے کے جسم پر ابھی پورے بال نہ اُگے ہوں، بلکہ روئیں روئیں سے ہوں۔ اسی طرح کلڑی کے لئے بول کر اس طرف اشارہ ہے کہ ابھی بالکل کلڑی کے پکنے کا آغاز تھا۔ وہ نہایت ہی نرم و نازک تھی اور اس پر ابھی بالکل روئی روئی سی آئی ہوئی تھی۔

### کلڑی اور کھجور کے تحفہ پر حضورؐ کا معاملہ :

وكان... الخ 'یہ تو پہلی روایات میں آچکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلڑی مع رطب کے محبوب تھی، وعنده حلیۃ... الخ، ای لباس یتزین بہ ایسا لباس جس سے زینت اور خوبصورتی کی جائے۔ (اتحاف ص ۲۴۹) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے کچھ زیورات آئے ہوئے تھے، ای من خراج البحرين وهو اقليم بين البصرة و عمان یعنی بحرین کے خراج میں وصول ہوئے تھے بحرین بصرہ اور عمان کے درمیان ایک ملک ہے۔ (مواہب ص ۱۴۶) فملاً یدہ، ای احدی یدہ لا کلثا یدہ (مواہب ص ۱۴۶) فاعطانیہ راویہ کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بھر کر مجھے زیورات دیئے۔ لعظیم سخاۃ صلی اللہ علیہ وسلم وفيه کمال المناسۃ فان الانسیٰ یلیق بها الحلیۃ۔ (مواہب ص ۱۴۶) سخاوت میں ایک عظیم شخصیت ہونے کی بنا پر اور اس میں کمال مناسبت کو بھی ملحوظ رکھا گیا کیونکہ عورتوں کیساتھ زیورات زیادہ لائق اور مناسب ہوتے ہیں۔

(ملا علی قارئی فرماتے ہیں، وفيه دلیل کمال کرمہ و مروتہ (اور اس میں آپ ﷺ کے کمال مروت اور انتہائی سخی ہونے کی بھی دلیل ہے) (جمع ص ۳۰۲) شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں، فیہ عظیم سخاۃ، اس میں آپؐ کی کثرتِ سخاوت وجود معلوم ہوتی ہے۔ (اتحاف ص ۲۴۹)

### کلڑی اور کھجور ملا کر کھانے میں فرہی کا فائدہ :

کلڑی کھجور کیساتھ ملا کر کھانے میں بہت سے فائدے ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ اس سے بدن فرہہ ہوتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میری رخصتی کے وقت میری والدہ کو خیال ہوا کہ اس کا بدن کچھ فرہہ ہو، تاکہ اٹھان کچھ ہو جائے تو مجھے کلڑی تازہ کھجور کے ساتھ کھلائی، جس سے میرے بدن

میں اچھی فریبی آگئی۔ ایک ضعیف حدیث میں حضرت عائشہؓ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی نمک کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔ اس میں بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ کبھی نمک کے ساتھ فرماتے ہوں، کبھی کھجور کے ساتھ، کہ رغبت کسی وقت بیٹھے کی ہوتی ہے، کسی وقت نمکین کی۔ (خصائل)

(۱۹۶/۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا شَرِيكَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عُقَيْلٍ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ مُعَوِذٍ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطْبٍ وَأَجْرُزُ غُبٍ فَأَعْطَانِي مَلَأَ كَفَّهُ حُلِيًّا أَوْ قَالَتْ ذَهَبًا.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شریک نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبد اللہ بن محمد بن عقیل نے دی۔ وہ اسے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ربیعؓ کہتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک طبق کھجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیوں کو لے کر گئی، تو حضورؐ نے مجھ کو ایک ہاتھ بھر کر سونایا زیور مرحمت فرمایا۔

راوی کو تردو :

قالت اتيت ..... الخ یہ روایت بھی گذشتہ روایت کے ہم معنی ہے اور ربیع بنت معوذ سے ہے، البتہ اس کی پختی سند میں کچھ اختلاف ہے۔ راوی عبد اللہ کو تردو ہے کہ حضرت ربیعؓ نے واقعہ بیان کرتے ہوئے ہفاعطانی ملا کفہ حلیا کہا تھا یا ذہبا کہا تھا۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے اسی وقت بطور اکرام و انعام کے سونے یا اس سے بنائے ہوئے زیور سے اسے ہاتھ بھر کر نوازا تھا۔

خلاصہ باب :

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ خلاصہ باب میں بیان فرماتے ہیں ہوفی الباب سبعة احادیث و منها نعلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يبرز في كل ما ياكل وما يختار و انه كان يكافئني على

الهدایا باعظم منها ویعطی عطاء من لا یخشی الفقر ابدا . اور اس باب میں سات حدیثیں ہیں اور ان سے یہی معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے وغیرہ بلکہ ہر پسندیدہ اشیاء کے دینے میں دوسروں سے فوقیت لے جاتے تھے اور آپؐ کسی شخص کے تحائف دینے پر اس کا بدلہ کہیں اس سے بڑا عنایت فرما دیتے بلکہ آپؐ کے عطایا تو اتنے زیادہ ہوا کرتے اور ایسے شخص کی مانند خرچ کیا کرتے جسکو کبھی فقر و فاقہ کا خوف اور فکر نہ ہو۔ (اتحافات ص ۲۵)

=====

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صَفَةِ شَرَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

### باب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے اشیاء کے بیان میں

شراب: پی جانے والی چیز کو کہتے ہیں، مایشراب والمصدر من شرب اور شراب کا لفظ

شراب یشراب کے باب کا مصدر ہے۔ (اتحافات ص ۲۵۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی اور ٹھنڈی چیزیں نوش جان فرمایا کرتے تھے۔ اس باب میں آپ کے مشروبات، پانی، دودھ، شہد، نبید وغیرہ کے پینے کا بیان ہے۔ اس سے مراد وہ شراب نہیں، جو قطعاً حرام ہے، جسے قرآن میں ”الخممر“ کہا گیا ہے بلکہ شراب سے مراد آپ کے پاکیزہ مشروبات ہیں کہ آپ نے اپنی مبارک زندگی میں کون کونسے مشروبات استعمال فرمائے۔

نیز پینے کے آداب میں یہ بھی ہے کہ دائیں سے شروع کیا جائے اور لگے بائیں جانب اکابر ہوں اور دائیں میں اصاغر ہوں، تو پھر اصاغر پر اکابر کا ادب و احترام، ترجیح و اکرام ضروری ہے۔ انہیں اپنے بزرگوں کو ترجیح دینی چاہیے۔

(۱۹۷/۱) حَلَّتْنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَلَّتْنَا سُفْيَانُ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الشَّرَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَلْوُ الْبَارِدُ.

ترجمہ: ”امام ترمذی“ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سفیان نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت معمر سے زہری کے واسطے سے روایت کی انہوں نے یہ روایت عروہ سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سماعت کی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کی سب چیزوں میں

میٹھی اور ٹھنڈی چیز مرغوب تھی۔

### حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا اور میٹھا پانی مرغوب تھا :

كان احب الشراب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم الحلو البارد، عرب کی پتھریلی اور ریگستانی زمین بالخصوص مدینہ منورہ میں اکثر کنویں کھاری تھے۔ ٹھنڈا اور میٹھا پانی کہیں کہیں بلکہ کم دستیاب ہوتا تھا۔ بعض اوقات میٹھا پانی بھی دور دراز مقامات سے لایا جاتا تھا۔ ٹھنڈا اور میٹھا پانی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پانی میں کھجور بھگو کر نوش جان فرمایا کرتے تھے۔ شہد کا شربت جو میٹھا اور خوب ٹھنڈا ہوتا نوش جان فرماتے۔ آپؐ کی بارگاہ میں کھانے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، جو میسر ہوتا کھالیا کرتے تھے، مگر ٹھنڈے پانی کا اہتمام ہوتا تھا۔ مقام ”سقا“ جو مدینہ منورہ سے کافی مسافت پر ہے، وہاں سے آپؐ کے لئے پینے کا پانی لایا جاتا تھا کیونکہ وہاں کا پانی میٹھا اور ٹھنڈا ہوتا تھا۔ شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، المراد بالماء الحلو: العذب، أو المنقوح فيه تمر أو زبيب أو الممزوج بالعسل. (اتحافات ص ۲۵۱) (الماء الحلو سے مراد خوشگوار میٹھا پانی وہ پانی جس میں کھجور یا کشمش ڈال دی گئی ہو اور یا شہد کے ساتھ ملایا ہو پانی)

### ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے برکات :

ابن القیمؒ فرماتے ہیں، جب پانی میں وصفین مذکورین یعنی الحلاوة والبرودة (مٹھاس اور ٹھنڈک) جمع ہو جائیں تو یہ حفظِ صحت کی ضمانت ہے۔ حرارت کی رافع ہیں، و حفظ علی البدن رطوبتہ الاصلیۃ اور بدن کی رطوباتِ اصلیہ (یعنی نرم و نازک ہونے کی کیفیت) کی حفاظت کرتا ہے (اتحافات ص ۲۵۱) جبکہ نمکین پانی اس کی ضد ہے۔ اس لئے بعض اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ کرامؓ کے گھروں سے میٹھا پانی طلب کیا جاتا تھا۔ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں، واذا شربت الحلو البارد احمد ربی من وسط قلبی، ای من الاعماق. (اور جب میں میٹھا اور ٹھنڈا پانی پی لیتا ہوں تو پھر دل کی گہرائی سے اپنے رب کی حمد و ثناء کرتا ہوں)۔ (اتحافات ص ۲۵۲) حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر کیؒ حضرت تھانویؒ سے فرمایا کرتے، اشرف علی! ٹھنڈا پانی پیو، ٹھنڈا پانی، کہ زبان

کے ساتھ دل بھی کہے، الحمد للہ۔

(۱۹۸/۲) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُمَرَ هُوَ ابْنُ أَبِي حُرْمَلَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ عَلَى مَيْمُونَةَ فَجَاءَتْنا بَنَاتُ مَنْ لَبَنَ فَشَرِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلَى يَمِينِهِ وَخَالِدٌ عَنْ شِمَالِهِ فَقَالَ لِي الشُّرْبَةُ لَكَ فَإِنْ شِئْتَ اثْرَتْ بِهَا خَالِدًا فَقُلْتُ مَا كُنْتُ لِأَوْثَرِ عَلَى سُورِكَ أَحَدًا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَطْعَمَهُ اللَّهُ طَعَامًا فَلْيَقِلَّ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ وَمَنْ سَقَاهُ اللَّهُ لَبَنًا فَلْيَقِلَّ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَيْءٌ يُجْزَىءُ مَكَانَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ غَيْرَ اللَّبَنِ.

قَالَ أَبُو عِيسَى هَكَذَا رَوَى سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَرَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُبَارَكٍ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرْ وَافِيهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَهَكَذَا رَوَى يُونُسُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

قَالَ أَبُو عِيسَى إِنَّمَا أَسْنَدُهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ وَمَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ خَالَةُ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَخَالَةُ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ.

وَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِي رِوَايَةِ هَذَا الْحَدِيثِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ بْنِ جُلْعَانَ فَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي حُرْمَلَةَ وَرَوَى شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ فَقَالَ عَنْ عُمَرَ بْنِ حُرْمَلَةَ وَالصَّحِيحُ عَنْ عُمَرَ ابْنِ أَبِي حُرْمَلَةَ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر علی بن زید نے عمر کے واسطے سے



دی جو کہ ابن ابی حرمہ ہیں۔ انہوں نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنی۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں اور خالد بن الولید دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے (ام المؤمنین حضرت میمونہؓ ان دونوں حضرات کی خالہ تھیں) وہ ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں۔ حضورؐ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ میں دائیں جانب تھا اور خالد بن الولید بائیں جانب۔ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اب پینے کا حق تیرا ہے (کہ تو دائیں جانب ہے) اگر تو اپنی خوشی سے چاہے، تو خالد کو ترجیح دیدے۔ میں نے عرض کیا کہ آپؐ کے جھوٹے (پس خوردہ) پر میں کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کو اللہ تعالیٰ شانہ کوئی چیز کھلائیں تو یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ (اے اللہ تو اس میں برکت عطا فرما اور اس سے بہتر چیز عطا فرما) اور جب کسی کو حق تعالیٰ شانہ دودھ عطا فرمائیں تو یہ دعا پڑھنی چاہیے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ (اے اللہ اس میں برکت عطا فرما اور زیادتی نصیب فرما) ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کے بعد اُس سے بہتر کی دعا اور دودھ کے بعد انہیں زیادتی کی دعا اس لئے تعلیم فرمائی کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دودھ کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔

راویان حدیث (۴۳۶) علی بن زیدؓ اور (۴۳۷) عمر ہوا بن ابی حرمۃؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### تشریح حدیث :

قال دخلت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم..... الخ، تفصیلی قصہ تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح ہے۔ ذیل میں متن حدیث کی تشریح لکھی جا رہی ہے۔ دخلت کے بعد انا کی ضمیر، ضمیر تاکید ہے۔ ”تصبح حال لعطف عطف کو صحیح کرنے کے لئے (کیونکہ قانون نحوی کی رو سے جب ضمیر مرفوع متصل پر کسی چیز کا عطف کیا جائے تو تاکید منفصل کیساتھ لانی ضروری ہے) حضرت میمونہؓ سے مراد اُم المؤمنینؓ ہیں۔ ان کا نام برةؓ تھا۔ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کر کے میمونہ رکھ دیا۔ آپؐ

نے ان کے ساتھ ذی قعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر مکۃ المکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام سرف میں نکاح کیا اور ان کے وفات بھی ہجرت کے ۲۴ ویں سال ۵۱ ویں یا ۶۱ ویں سال میں ہوئی۔ یہیں پر ان کا مرقد بنا۔ یہ آپؑ کی سب سے آخری زوجہ ہیں۔ ان کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پڑھائی یہ عباسؓ کی بیوی ام الفضلؓ کی بہن تھیں۔ باناء من لبن، الخ، ای باناء مملوء من لبن (یعنی ایسا برتن جو دودھ سے بھرا ہوا تھا) کو انا علی یمینہ و خالد عن شمالہ! انا کے بعد لفظ علی اور خالد کے بعد لفظ عن سے تعبیر جبکہ دونوں کا معنی ایک ہے۔ للتفنن فیہما افہما بمعنی وهو موجود الحضور (صرف عبارت میں تفنن اور تنوع پیدا کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی محض انکا وہاں موجود ہونا)۔ (جمع ص ۳۰۳)

تقدیم الایمن مستحب ہے :

الشربة لک، یعنی میرے بعد دودھ پینے کی باری تمہاری ہے، اگر چاہو تو خالد کو اپنے اوپر ترجیح دے سکتے ہو، لانک صاحب الیمین وقد ورد الایمن فالایمن۔ (اس لئے کہ آپؑ دائیں جانب والے ہوں اور الایمن فالایمن کا حکم بھی وارد ہوا ہے) اس سے یہی مستفاد ہو تقدیم الایمن نلبا ولو صغیراً مفضلاً و لذا قال فان شئت ائدت بها خالداً۔ (کہ دائیں طرف والے کو مقدم رکھنا اگرچہ وہ چھوٹا اور مفضول بھی ہو مستحب ہے اسی لئے تو آپؑ نے فرمایا کہ اگر تو اپنی خوشی سے چاہے تو خالد کو ترجیح دیدے) کہ اکبر و افضل کا لحاظ اور مراعات بھی ضروری ہے، پھر اختیار و مشیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کو دیدی۔ مقصود ان کی تطیب خاطر تھی اور اس امر پر تنبیہ مقصود تھی کہ ان کے لئے ایثار اور اکبر و افضل کو ترجیح دینا اولیٰ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی محبت و عشق رسولؐ :

فقلت ..... الخ، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں، میں نے کہا حضور! میں تو آپؐ کے بچے ہوئے دودھ پر کسی کو ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ پر آپؐ کے پس خوردہ کی اہمیت اور اس کا شغف و محبت غالب ہوا، جو آپؐ کے ساتھ غایت تعلق خاطر اور غایت عشق و محبت کا ثمرہ تھا۔

## قربات میں ایثار کا مسئلہ :

یہاں پر ایک اہم مسئلہ یہ بھی زیر بحث لایا گیا ہے کہ قربانی میں ایثار جائز ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ شوافع حضرات کہتے ہیں کہ قربات میں اپنے اوپر دوسرے کو ہرگز ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ حدیث باب بظاہر شوافع کا مستدل ہے، لیکن احناف کہتے ہیں کہ جب قربات نافلہ ہوں تو ایثار؛ بلا کراہت جائز ہے۔ احناف کا مستدل بھی یہی حدیث ہے کیونکہ اگر اس میں کراہت ہوتی تو آپؐ ان شنت آثارت بھا خالداء، (کہ آپؐ خوشی سے چاہیں تو خالد کو ترجیح دیدیں) ارشاد نہ فرماتے، تو اس سے ثابت ہوا کہ قربات نافلہ میں ایثار بلا کراہت جائز ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ جہاں عبادت محض ہو یا جہت عبادت رائج ہو وہاں ایثار مکروہ ہے، جہاں عبادت مرجوح ہو وہاں ایثار جائز ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار اور ابن عباسؓ کے جواب پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم اصرار سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنا حق خوشی خاطر سے دے تو دے سکتا ہے۔ مگر اس کو ایثار و ترجیح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ جنگ احد میں باپ اور بیٹے دونوں کا جذبہ تھا کہ وہ دونوں جہاد میں شریک ہوں، قرعہ اندازی ہوئی تو نام بیٹے کا نکلا۔ باپ نے خواہش ظاہر کی بیٹا اگر تم چاہو تو اپنے اوپر مجھے ترجیح دے کر جہاد میں بھیج سکتے ہو، مگر بیٹے نے کہا: یا اباست لا یؤثر بالجنة احد احداً ابداً (اے میرے پیارے والد جنت ملنے میں کوئی بھی کسی کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتا)۔ (مواعظ ص ۱۴۸)

تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کو اپنے قرعہ اور ارادے پر قائم رکھتے ہوئے جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی۔

## ایک فائدہ :

الشیخ ابراہیم اللیجی ریؒ فرماتے ہیں، یؤخذ من هذا الحديث ان من سبق الى مجلس عالم او كبير وجلس بمحل عال لا ينقل منه لمجنى من هو افضل منه فيجلس ذلك الجاني حيث ينتهي به المجلس ولو دون مجلس من هو دونه (مواعظ ص ۱۴۹) (اس حدیث سے یہ معلوم کیا جا

سکتا ہے کہ جو شخص کسی عالم یا بزرگ کی مجلس کو سبقت کرتے ہو پہلے پہنچ کر اونچے اور معزز مقام پر بیٹھ گیا تو کسی ایسے شخص کے آجانے سے جو اس سے افضل بھی ہے اسکو وہاں سے اٹھایا نہیں جائیگا اور چاہئے کہ وہ بعد میں آنے والا مجلس کے آخر میں کہیں بیٹھ جائے اگرچہ اسکی یہ نشست کا مقام اس سے کم مرتبہ والے شخص کی نشست سے نیچے اور کمزور کیوں نہ ہو۔

### جب مطعومات مل جائیں تو یہ دعا پڑھیں :

ثم قال رسول الله عليه وسلم ، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کو اللہ پاک کوئی چیز کھلائیں ، تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرَ اَمْنَةٍ ۔ (اے اللہ ہمارے لئے اس میں برکت نازل فرمائیے اور ہمیں اس سے بھی اچھا کھلائیے) دعا میں لفظ ”خیر“ استعمال ہوا ہے جبکہ افضل اور احسن وغیرہ صیغوں میں نفس فعل میں اشتراک ہوتا ہے جبکہ لفظ ”خیر“ عام ہے کہ نفس فعل میں بھی اشتراک نہیں ہوتا اور پھر اسی کی خیریت کے مراتب کی تحدید بھی نہیں ہے۔ لہذا لفظ ”خیر“ جامع اور حاوی ہوا اس جگہ بھی خیریت ظاہر و خیریت باطن سب مراد ہیں۔

### جب دودھ ملے :

اور کسی کو حق تعالیٰ شانہ دودھ عنایت فرماویں ، تو یہ دعا پڑھنی چاہیے ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ ، یہاں دودھ کی دعا میں اس سے بہتر کے بجائے زِدْنَا مِنْهُ یعنی اس کے اضافے کی دعا کی تلقین فرمائی ہے کیونکہ دودھ میں تو خیر ہی خیر ہے۔ اس سے بہتر کوئی چیز ہے ہی نہیں کیونکہ دودھ میں کھانے اور پینے کے تمام ضروری اجزاء پائے جاتے ہیں۔ وَكَانَ اللَّبَنُ طَعَامًا وَ شَرَابًا لِعَظِيْمٍ فَانْتَه وَ قَدْ اَيْدِ الطَّبِّ الْحَدِيْثُ مَا ذَكَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ دودھ سے بہتر خورد و نوش کی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ لہذا اس سے بہتر کے حصول کے بجائے اسی میں اضافہ کی دعا تلقین کی گئی ہے۔ چنانچہ حکیم اور ڈاکٹر سب یہی کہتے ہیں کہ دودھ میں ہر قسم کے روغنیات ، چربی ، نشاستہ ، پروٹین ، نمکیات ، معدنیات پائے جاتے ہیں ، جو انسانی جسم کی نشوونما کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ یہ اجزاء اس طرح یکجا کسی بھی دوسرے غذا میں نہیں پائے جاتے یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دو سال تک بچہ صرف

دودھ پر گزارہ کرتا ہے۔

قال ابو عیسیٰ:..... الخ 'امام ترمذی' اس سے سند کی غرابت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں اور غرابتِ سند، صحت اور حسن کے منافی نہیں ہے۔

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شُرْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
باب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے طریق کار کے بیان میں

تمہید و تلخیص :

شرب کا لغوی، لفظی اور حقیقی معنی ”المص“ ہے۔ ان الشرب وهو مصدر بمعنى التشرب وهو المراد هنا (مواعظ ص ۱۵۰) بیشک شُرْب مصدر بمعنى تشرب (تفعل) کے ہے اور یہاں بھی مراد ہے (البتہ علامہ بیجوریؒ سابقہ باب میں لکھ چکے ہیں کہ شرب، شین کے تینوں حرکات کے ساتھ مصدر ہے۔ ہاں بفتح الشین مصدر قیاسی ہے اور باقی دونوں صورتوں میں مصدر سماعی ہے۔) (مواعظ ص ۱۴۷) امام ترمذیؒ نے اس باب میں دس احادیث درج فرمائی ہیں، جن سے آپؐ کے مشروبات کے استعمال یعنی پینے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ آپؐ نے بیٹھ کر بھی پانی نوش فرمایا۔ بعض حالات میں کھڑے ہو کر بھی پیا، دو سانس میں پیا اور تین سانس میں بھی نوش فرمایا۔ نیز اس باب میں بعض صحابیات کی محبت و عشق رسولؐ کی والہانہ کیفیات بھی بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً حضرت کبشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ نے تبرکاً و ادباً جس مقام پر آپؐ نے (مشکیزہ کے) منہ لگا کر پانی پیا تھا۔ وہ انہوں نے کتر کر رکھ لیا، تاکہ کسی اور کا منہ اس جگہ نہ لگے۔

(۱۹۹/۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ بْنُ الْأَحْوَلِ وَمُعِيزَةُ عَنِ

السَّعْبِيِّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے

ہشیم نے بیان کیا۔ ان کو اس حدیث کی خبر عاصم احول اور مغیرہ نے شعی کے واسطے سے دی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کا پانی کھڑے ہونے کی حالت میں نوش فرمایا۔

**بیٹھ کر کھانا پینا مسنون ہے :**

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرب زمزم وهو قائم۔ زمزم: اس کنویں کو کہتے ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیاں رگڑنے کے مقام پر معجزانہ طور پر ظہور پذیر ہوا، وہی بنر معروفہ بمکہ سمیت بذالک لان ہاجرة قالت لها عند کثرة ماٹھا زمی زمی (مواہب ص ۱۵۱) (یہ مکہ شریف میں ایک مشہور کنواں ہے اس کو زمزم اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب اس کا پانی بہت ہوا تو حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا کہ زمی، زمی) عام اور معمول کے حالات میں کھانا پینا بیٹھ کر مسنون ہے۔ کھڑے ہو کر کھانا خلاف سنت اور خلاف ادب ہے۔

**بعض استثنائی حالات :**

تاہم بوجہ عذر شرعی کے کھڑے ہو کر ممنوع نہیں بلکہ اجازت ہے۔ البتہ بعض قسم کے پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔ آپؐ کے عمل میں واضح ہے کہ آب زم زم کھڑے ہو کر قبلہ رو پیٹ بھر کر پینا سنت ہے۔ بعض حضرات نے زمزم کے پانی کو بھی کھڑے ہو کر پینے کے ذیل میں لا کر اس کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ جس طرح کہ عام پانی کے بارے میں نہیں وارد ہے۔ لا یشر بن احدکم قائماً من نسی فلیستقی ضرور ضرورت میں سے کوئی کھڑے ہو کر پانی نہ پئے جس نے بھول کر پیادہ قی کر دے۔ (مسلم) حدیث میں فلیستقی کا امر استحباب پر محمول ہے، فان الامر اذا تعلد حمله علی الوجوب حمل علی الاستحباب (اس لئے کہ جب امر کو وجوب پر حمل کرنا مشکل ہو جائے تو پھر استحباب پر حمل کیا جائیگا)۔ (جمع ص ۳۰۸) اور ان لوگوں نے آپؐ کے زمزم کے کھڑے ہو کر پینے کی توجیہ کی ہے کہ یہ بوجہ ازدحام کے عذر پر مبنی تھا یا بیان جواز کے لئے ہے، مگر علماء کرام کا مشہور قول ہے کہ زمزم اسی نہی میں داخل نہیں۔ اس کا کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔

آب زمزم پیتے وقت یہ دعا مسنون ہے، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَ شِفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ (اے اللہ میں تجھ سے علم نافع اور فراخی رزق اور ہر بیماری سے شفاء کا سوال کرتا ہوں) اسی طرح وضو کے بعد جو پانی برتن میں بچ جائے، اس سے کھڑے ہو کر قبلہ رو ہو کر دو تین گھونٹ پینا مستحب ہے۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ مشکیزہ اونچی جگہ لٹکا ہوا تھا اور گلاس نہیں تھا، تو آپؐ نے مشکیزہ کے منہ کے ساتھ اپنا منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی نوش جان فرمایا۔ ایسی استثنائی صورت میں کھڑا ہو کر پانی پینا جائز ہے۔

### روایات میں تطبیق :

شارحین حدیث دونوں قسم کی روایات کھڑے ہو کر پینے سے نہی اور کھڑے ہو کر پینے کے ثبوت کی صورت میں تعارض سے جواب میں کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پینے سے نہی، نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں اور بیٹھ کر پینے کا امر استحبابی ہے، وجوبی نہیں اور کھڑے ہو کر پینا بیان جواز کے لئے ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ہوا التوفیق بینہما ان النهی محمول علی التنزیہ وشرہ قائما لیبان

الجواز. (جمع ص ۳۰۷)

نوٹ: یہ تطبیق کی ضرورت شاید مطلق پانی پینے کے متعلق ہو حالانکہ یہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پینا زمزم کے متعلق ہے، جس کو اکثر حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھڑے ہو کر پینا مستحب گردانتے ہیں۔ جیسے ملا علی قاریؒ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ویمکن ان یکون القیام منحصا بماء زمزم وبفضل ماء الوضوء علی ما وقع فی صحیح البخاری عن علی کرم اللہ وجہہ انہ شرب قائما وقال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل کما رأیتمونی ونکۃ التخصیص فی ماء زمزم ہی الاشارة الی استحباب التصلع من مائه فی فضل الوضوء ہی الایماء الی وصول برکۃ الی جمیع الاعضاء..... الخ. (جمع ص ۳۰۷) (اور یہ بھی ممکن ہے کہ کھڑے ہو کر پینا ماء زمزم اور وضوء سے بچے ہوئے پانی کیساتھ خاص ہو جیسے صحیح بخاری میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ آپؐ نے کھڑے ہو کر پانی پیا اور پھر کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتا



ہو ادیکھا جیسے کہ تم لوگوں نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا اور کھڑے ہو کر پینے کا نکتہ زمزم کے پانی میں تو یہ ہے کہ اس سے خوب سیر ہو کر پینا مستحب ہے (اور پوری سیرابی کی صورت کھڑے ہونے میں ہے) اور وضوء کے بقایا پانی کو کھڑے ہو کر پینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وضوء کی برکت سارے اعضاء تک پہنچ جائے

### کھڑے ہو کر پینے کے نقصانات :

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ، علامہ ابن القیمؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں، وللشرب قائماً آفات منها انه لا يحصل به الری الدائم (اتحافات ص ۲۵۶) ولا يستقر فی المعدة حتی یقسمه الکبد علی الاعضاء ویلاقی المعدة فریما یرد حرار تھا ویسرع النفوذ الی السافل البدن بغیر تلویج فیضر ضرراً بیناً (مناوی ص ۳۰۸) اور کھڑے ہو کر پینے میں کئی خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ اس میں دائمی خوشگوار سیرابی نہیں ہوتی نیز ایسی صورت میں وہ معدہ میں قرار نہیں پکڑتا ہے تاکہ جگر اس کو دوسرے اعضاء کی طرف منتقل اور تقسیم کرتے اور وہ پانی صرف معدہ تک ہی پہنچا ہے تو بعض اوقات معدہ کی حرارت اس کو دفع کرتی ہے تو وہ نچلے بدن میں جلدی سرایت کرتا ہے نہ کہ بتدریج جس سے بدن کو واضح نقصان پہنچ جاتا ہے۔

(۲۰۰/۱۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرِبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا. ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حسین معلم سے روایت کی۔ انہوں نے عمرو بن شعیب سے ان کے باپ اور دادا کی وساطت سے حاصل کی۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھا۔

راویان حدیث (۴۳۸) الحسین المعلمؒ (۴۳۹) عمرو بن شعیبؒ (۴۵۰) ابیہ اور (۴۵۱) عن جدہ کے حالات ”تذکرہ راویان شائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### شرب قائماً وقاعداً کی توضیح :

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشرّب قائماً . حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ای نادر! لیان الجواز وحمل النهی عنہ علی التزیہ او لضرورة او لخصوصية۔ یعنی کبھی کبھار بیان جواز کے لئے اور جس روایت میں آپؐ نے اس سے منع فرمایا وہ یا تو نہی تنزیہی ہے یا کسی خاص ضرورت کے تحت ایسا کیا اور یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی (جمع ص ۳۰۸) تقدیم قیام، قاعدہ پر (یعنی حدیث کے الفاظ میں قائماً کے لفظ کی تقدیم قاعدہ پر) کثرت قیام پر دل نہیں بلکہ لانہ احق بالاهتمام لمافیہ من الرد علی المنکر چونکہ (قیام کے منکر کی تردید مقصود تھی اس لئے بطور اہتمام کے قیام کو مقدم کیا) (مناوی ص ۳۰۸) وقاعدہ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، ای مراراً لیان الافضل والوجه الاكمل وعادته الاجمل۔ یعنی بیٹھ کر آپؐ نے کئی دفعہ اس لئے پیا ہے کہ اس کی افضلیت، اکملیت اور آپؐ کی ایک عادت جمیلہ کا بیان ہو جائے۔ (جمع ص ۳۰۸)

### ابن العربی کا ارشاد :

وقال ابن العربی للمراء ثمانية احوال قائم، ماش، مستند، راکع، ساجد، متکی، قاعد، مضطجع وكلها يمكن الشرب فيها واهناها واكثر استعمالا القعود والقيام ففعله قاعداً غالباً لانه اسلم وقائماً نادر ألعلم الحرج.

ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ ہر انسان کی آٹھ حالتیں ہیں :

- |                    |                    |                               |
|--------------------|--------------------|-------------------------------|
| (۱) کھڑا ہونا      | (۲) چلنے والا      | (۳) ٹیک لگا کر کھڑا ہونے والا |
| (۴) رکوع کرنے والا | (۵) سجدہ کرنے والا | (۶) تکیہ لگانے والا           |
| (۷) بیٹھنے والا    | (۸) لیٹنے والا     |                               |

اور ان سب حالتوں میں پینا ممکن ہے۔ البتہ ان میں خوشگوار اور زیادہ استعمال ہونے والا طریقہ بیٹھنا یا پھر کھڑا ہونا ہے اس لئے آپؐ نے اکثر تو بیٹھ کر پیا کہ یہ سلامتی والا طریقہ ہے اور کبھی کبھار کھڑے ہو کر بھی پیا تاکہ امت کے لئے حرج نہ ہو (مناوی ص ۳۰۸) قائماً و قاعداً میں ایجاز ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے، رأیتہ یشرب قائماً و رأیتہ یشرب قاعداً لیفید شربہ مرة قاعداً و مرة قائماً۔ (مناوی ص ۳۰۸) کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہوئے پیتے بھی دیکھا ہے اور بیٹھے ہوئے بھی تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ آپؐ نے کبھی کھڑے ہو کر اور کبھی بیٹھ کر پانی پیا ہے۔

### شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توجہیات :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کھڑے ہو کر ممانعت اور آپؐ کے بیٹھ کر پینے میں فعل کے تعارض کے سلسلہ میں حضرات محدثین کی توجہیات لکھتے ہیں کہ: بعض علماء کی رائے ہے کہ ممانعت بعد میں وارد ہوئی۔ اس لئے یہ ناسخ ہے۔ بعض اس کا عکس فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پینے کی روایت ناسخ ہیں ممانعت کے لئے، لیکن مشہور قول یہ ہے کہ ممانعت حکم شرعی اور تحریمی نہیں بلکہ آداب کے طریقہ سے ہے۔ نیز شفقت اور رحمت کے باب سے بھی ہے کہ کھڑے ہو کر پینے میں مضرتیں ہیں الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر نوش فرمانا بیان جواز کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ممانعت کی وجہ سے کھڑے ہو کر پانی پینا حرام نہیں، البتہ خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔

### شیخ احمد الجواد الدومیؒ کا ارشاد :

شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں:

وفی الحديث دليل على جواز الشرب من قيام وقعود و لكن الغالب انه كان صلى الله عليه وسلم یشرب قاعداً، اور اس حدیث میں کھڑے اور بیٹھ کر پینے کے جواز کی دلیل ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غالب معمول بیٹھ کر پینے کا تھا۔ (اتحافات)

ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَقَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں یہ روایت عبد اللہ بن مبارک نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عاصم احول سے شعبی کے واسطے سے اخذ کی اور انہوں نے اسے عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم کا پانی پلایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے نوش فرمایا۔

قال سقیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم من زمزم فشرب وهو قائم، یہی مضمون باب ہذا کی حدیث اول میں گذر چکا ہے۔ اب زمزم کھڑے ہو کر قبلہ رو ہو کر پینا افضل اور مستحب ہے اور خوب سیر ہو کر پینا چاہیے۔ شیخ ابراہیم البیہقیؒ لکھتے ہیں کہ کھڑے ہو کر زمزم کا پانی پینے والے کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ پانی پئے اور یہ کہ اللہم صل علی سیدنا محمدؐ باللی شرب الماء قائما وقاعدا۔ اے اللہ تو رحمت نازل فرما ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے پانی کھڑے اور بیٹھے ہو کر پیا ہے اس دعا کی تلقین کے بعد لکھتے ہیں، فانہ بسبب ذلک یندفع عنہ الضرر اس دعا کے سبب اس پینے والے کی تکلیف دور ہو جائے گی۔ (یعنی جس تکلیف کے دور کرنے کی نیت سے پیا)۔ (مواعظ ص ۱۵۱)

(۲۰۲/۴) حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَمُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْكُوفِيُّ قَالَا أَتَيْنَا ابْنَ الْفَضِيلِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ النَّزَالِ بْنِ سَبْرَةَ قَالَ أَتَى عَلِيَّ بْنَ كُؤُزٍ مِنْ مَاءٍ وَهُوَ فِي الرَّحْبَةِ فَآخَذَ مِنْهُ كَهَا فَعَسَلَ يَدَيْهِ وَمَضَمَضَ وَاسْتَشَقَّ وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذَرَاغِيهِ وَرَأْسَهُ ثُمَّ شَرِبَ مِنْهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ هَلْنَا وَضُوءٌ مَنْ لَمْ يُحْدِثْ هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابو کریم محمد بن علاء اور محمد بن طریف کوفی نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ اس روایت کی خبر ہمیں ابن فضیل نے اعمش کے واسطے سے دی۔ انہوں

نے یہ روایت عبد الملک بن میسرۃ سے نزال بن سبرہ کے واسطے سے روایت کی۔ نزال بن سبرۃ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جبکہ وہ مسجد کوفہ کے میدان میں (جوان کا دارالقضا تھا) تشریف فرما تھے۔ ایک کوزہ پانی لایا گیا، انہوں نے ایک چلو پانی لے کر دونوں ہاتھ دھوئے مضمضہ کیا اور ناک میں پانی ڈالا اور پھر اپنے منہ پر اور ہاتھوں پر اور سر پر مسح کیا۔ پھر کھڑے ہو کر پانی پیا اور فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے، جو پہلے سے با وضو ہے۔ ایسے ہی میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا۔

راویان حدیث (۲۵۲) محمد بن طریف الکوفی (۲۵۳) الأعمش (۲۵۴) عبد الملک بن میسرۃ اور (۲۵۵) النزال بن سبرۃ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### ”رحبۃ“ کا معنی، تشریح اور تعیین :

وهو فی الرحبۃ، مضمون حدیث کی توضیح تحت اللفظ ترجمہ میں کردی گئی ہے۔ اس روایت میں حضرت علیؑ کے عمل کا ذکر ہے جبکہ وہ رحبۃ میں تھے رحبۃ : صحن مسجد کو کہتے ہیں۔ وسط مسجد کو بھی کہتے ہیں اور کوفہ میں ایک محلے کا نام بھی رحبہ ہے، مگر اس جگہ یہ مراد نہیں بلکہ جامع کوفہ کے وسط میں ایک چبوترہ تھا، جس پر امیر المؤمنین وعظما فرمایا کرتے تھے۔ والمراد بالرحبۃ رحبۃ الکوفۃ او رحبۃ المسجد وہی المكان المتسع (اتحافات ص ۲۵۸) حضرت علیؑ کا قیام کوفہ میں کافی عرصہ رہا۔ انہوں نے ایک چبوترہ جامع مسجد کوفہ میں بنوایا تھا، اگر کوئی دنیاوی باتیں کرنا چاہے تو رحبہ کے نام سے موسوم تھا، جس کو حضرت عمرؓ نے بنوایا تھا، اگر کوئی دنیاوی باتیں کرنا چاہے تو رحبہ میں چلا جائے یہ مسجد سے خارج تھا، نماز جنازہ بھی یہاں پڑھی جاتی تھی۔ موطا امام محمد میں ہے، من کان منشدا شعرا او متکلماً بکلام الدنیا فلیذهب الی الرحبۃ۔ جو کوئی شعر گوئی کرنا چاہے یا کوئی دنیاوی بات کرنی ہو تو وہ چبوترہ کی طرف چلا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہلکا سا وضو :

حضرت علیؑ کا یہ وضو فرمانا تجدید، تنظیف اور نشاط کے لئے تھا۔ ترجمۃ الباب سے اس

حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پی لیا، ثم شرب منه وهو قائم، اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ ہکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل۔ کہ ایسا ہی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں، وفيہ دلیل علی ان افعاله صلی اللہ علیہ وسلم کاقوالہ (اور اس میں دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کا حکم اقوال جیسے ہے) (مناوی ص ۳۱۰) علامہ البیجوری فرماتے ہیں، ویؤخذ من الحدیث ان الشرب من فضل وضوئہ مستحب (اور یہ بھی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے وضوء سے بچے ہوئے پانی کو پینا مستحب ہے) (مواہب ص ۱۵۲) اور یہ بھی لکھا ہے کہ ..... وان کان الشرب قائما لیان الجواز (اگرچہ اس پانی کا کھڑے ہو کر پینا بیان جواز کے لئے ہے) (مواہب ص ۱۵۳)

### وضو کا بقیہ پانی کھڑے ہو کر پینا :

فقہ کی کتابوں میں وضو کے بقیہ پانی اور آب زمزم کے کھڑے ہو کر پینے کے جواز کی تصریح ہے، علامہ شامی نے وضو کے پانی کو کھڑے ہو کر پینے کو شفاء امراض کے لئے مجرب نقل کیا ہے۔ ملا علی قاریؒ اسے مستحب کہتے ہیں۔

### شراحین حدیث کی بعض توجہیات :

یہاں پر حدیث مختصر نقل ہوئی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بخاری کے حوالے سے مفصل منقول ہے۔ حدیث میں یہ احتمال ہے کہ ہاتھ منہ وغیرہ پر حقیقتہً مسح کیا ہو، مقصد نشاط، تنظیف اور تازگی ہو، تو اس صورت میں اس کو وضو کہنا مجازاً ہے۔ لغوی معنی کے اعتبار سے بھی اس کو وضو کہنا درست ہے۔ اس لئے کہ اس میں پاؤں کا ذکر نہیں ہے۔ یہ اسی بات کا قرینہ ہے کہ یہاں وضوء لغوی مراد لیا جائے اور ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ اس حدیث میں ہلکے۔۔۔ ہونے کو مجازاً مسح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس میں تو پاؤں کا ذکر نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ پاؤں کا ذکر دیگر روایات میں صراحۃً موجود ہے۔ یہ توجیہ اس لئے بھی رائج ہے کہ بعض روایات میں مسح کی جگہ ہاتھ منہ دھونے کا ذکر آیا ہے۔ جب یہ توجیہ تسلیم کر لی جائے، تو پھر اس حدیث سے تجدید وضو مراد ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد

زکریا فرماتے ہیں کہ یہی توجیہ بندہ ناچیز کے نزدیک اولیٰ ہے۔

(۲۰۳/۵) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَيُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي عَصَامٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا إِذَا شَرِبَ وَيَقُولُ هُوَ أَمْرًا وَكَرْوَى .

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث قتیبہ بن سعید اور یوسف بن حماد نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں اسے عبدالوارث بن سعید نے ابی عصام کے واسطے سے بیان کی۔ ابو عصام نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس طریقہ سے پینا زیادہ خوشگوار ہے اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔

راویان حدیث (۴۵۶) یوسف بن حماد (۴۵۷) عبدالوارث بن سعید اور (۴۵۸) ابی عاصم کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### تین سانس میں پانی پینا :

کان يتنفس في الإناء ثلاثاً اذا شرب. صحیحین میں ابوقادہؓ سے روایت ہے، نہی ان يتنفس في الإناء، لہذا اس کا معنی یہ ہوگا کہ انہ کان يشرب ثلاث مراتب اور ہر مرتبہ برتن کو اپنے منہ سے جدا کرتے، سانس لیتے اور پھر برتن منہ کو لے جاتے، منہی عنہ تو تنفس في الإناء ہے۔ یعنی برتن میں سانس لینا، اس طرح پانی آسانی سے پیا جاتا ہے۔ معدہ پر بوجھ نہیں پڑتا بلکہ اسے فرحت و انبساط حاصل ہوتا ہے۔ پیاس رفع ہوتی ہے۔ طبیعت پر خوش گوار اثر مرتب ہوتا ہے اور انسان خوب سیرا بہوتا ہے۔ وورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان يشرب في ثلاثة انفاس واذا أدنى الإناء الى فيه سمي اللہ واذا أخره حمد اللہ يفعل ذلك ثلاثاً. (مواہب ص ۱۵۳) اور حدیث شریف میں یہ وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی پیتے تھے اور جب برتن کو منہ مبارک کے قریب کرتے

تو بسم اللہ پڑھتے اور جب منہ سے دور کرتے تو الحمد للہ پڑھتے اور آپ ایسا تین مرتبہ ہی فرمایا کرتے تھے

### برتن میں سانس لینے کی مضر تیں :

اگر منہ برتن کے ساتھ لگائے رکھے اور برتن میں سانس لیتا رہے، تو ناک کی آلاش اور رشاش کا پانی کے برتن میں گرنے کا امکان ہے، جس سے طبعی تنفر پیدا ہوتا ہے۔ ویسے بھی جو سانس نکالی جاتی ہے، وہ اندر کے ہر قسم کے جراثیم سے ملوث ہوتی ہے، اس لئے برتن کے اندر سانس لینے سے اجتناب کیا جائے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، وقلور دانه صلى الله عليه وسلم نهى عن العب نفسا واحدا وقال ذلك شرب الشيطان رواه البيهقي عن ابن شهاب مرسلًا۔ (جمع ص ۳۱۱)

اور حدیث میں وارد ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سانس سے (جانوروں جیسے) پینے کو منع فرمایا اور کہا کہ یہ شیطان کا پینا ہے امام بیہقیؒ نے یہ روایت ابن شہاب زہریؒ سے مرسل نقل فرمائی ہے۔

علماء و اطباء نے ایک ہی سانس میں پینے کی بہت سی مضر تیں لکھی ہیں۔ بالخصوص ضعف اعصاب کا سبب بتایا ہے۔ نیز معدہ اور جگر کے لئے بھی مضر ت کا سبب ہے۔ وفی مسند الفردوس عن علی مرفوعاً اذا شربتم الماء فاشربوه مصاً، ولا تشربوه عافان العب یورث الکبار (وجع الکبد) اور (مسند الفردوس میں حضرت علیؑ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب تم پانی پیو تو چوس کر اور سانس نکال کر پیو اور ایک ہی سانس میں نہ پیا کرو کیونکہ یہ (بعض اوقات) درد جگر پیدا کرتا ہے)۔ (اتحافات ص ۲۵۹)

هو امرأ: افعل من مرأ الطعام او الشراب فی جسده اذا لم یثقل علی المعدة وانحدر عنها طیباً بلئنة و نفع و منه فكلوه هنیئاً مریناً و اروی! من الری ای اشربیا و ابغعه و انفعه بمعنی اقمح للظماً و اقوی علی الهضم۔ حدیث شریف میں لفظ امرأ یہ اسم تفضیل ہے از مقولہ مرأ الطعام او الشراب فی جسده سے ہے یعنی جس وقت کھانا پینا معدہ پر بوجھل نہ ہو اور اس سے خوشگوار لذت



اور نفع کی صورت میں منتقل ہو جائے۔ قرآن مجید کی آیت فکلوه ہنیئاً مریئاً بھی اسی مادہ سے ہے اروی کا معنی بھی زیادہ خوشگوار نافع پیاس کو ختم کرنے اور ہضم ہونے میں قوی اور مفید ہو۔ (مناوی ص ۳۱۱)

(۲۰۴/۱۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ رِشْدِينَ بْنِ كُرَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ مَرَّتَيْنِ.

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت علی بن خشرم نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عیسیٰ بن یونس نے انہوں نے یہ حدیث رشدین بن کرب سے ان کے باپ کے حوالہ سے روایت کی اور انہوں نے اُسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی نوش فرماتے، دو دفعہ سانس لیتے تھے۔

راویان حدیث (۴۵۹) رشدین بن کربؓ اور (۴۶۰) عن ابیہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### پانی پینے میں دو بار سانس لینا :

ان النبى صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا شرب تنفس مرتین۔ مراد بعض اوقات ہیں۔ اس توجیہ سے روایات کے درمیان جمع اور تطبیق ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ مدارواہ المصنف فی جامعہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تشربوا واحدا کشر البعیر ولكن اشربوا مشی وثلاث وسقوا اذا انتم شربتم واحملوا اذا انتم رفعتم۔ (جمع ص ۳۱۲)

جس کو امام ترمذی نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اونٹ جیسے ایک سانس سے نہ پیا کرو لیکن دو یا تین سانس نکال کر اور جس وقت تم پیو تو بسم اللہ پڑھو اور جب برتن کو منہ سے جدا کرو تو پھر الحمد للہ پڑھو۔

اصلاً ساراً مشروب یکبارگی پینا ممنوع ہے بلکہ دو یا تین سانس یعنی وقفے ضرور لینا چاہئیں

تا کہ مشروب سے بھر پور استفادہ کیا جاسکے اور اگر مشروب میں دو وقتے یا دوسانس لیئے جائیں، پھر بھی تین دفعہ پیا جاتا ہے۔ شیخ احمد عبد الجواد الدومیؒ فرماتے ہیں: التنفس مرتین کان حالا من احوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما التنفس ثلاثا فهو الغالب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو مرتبہ سانس نکالنا یہ تو کبھی بطور عارضی حالت کے ہوتا تھا اکثر آپؐ تین مرتبہ سانس نکال کر پیا کرتے تھے۔ (اتحافات ص ۲۶۰)

(۲۰۵/۷) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عُمَرَ عَنْ جَلَّتْهُ كُبْشَةُ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ قُرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا فَقُمْتُ إِلَى فِيهَا فَقَطَعْتُهٗ۔

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سفیان نے یزید بن یزید بن جابر کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبد الرحمن بن ابی عمر سے ان کی دادی کبشہؒ کی وساطت سے اخذ کی۔ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے، وہاں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ حضورؐ نے کھڑے ہوئے اس مشکیزہ کے منہ سے پانی نوش فرمایا۔ میں نے اٹھ کر مشکیزہ کے منہ کو کتر لیا۔

راویان حدیث (۴۶۱) یزید بن یزیدؒ اور (۴۶۲) کبشہؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کا حکم :

قالت دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم... الخ عربوں میں پانی کی قلت کے پیش نظر وہ لوگ مشکیزے بھر کر اس کے منہ کس لیتے اور کسی اونچی جگہ پر لٹکا لیتے، جہاں اس پر ہوا لگتی پانی ٹھنڈا بھی رہتا اور محفوظ بھی۔ حسب ضرورت منہ کھول کر برتن میں پانی انڈیل کر پی لیا جاتا۔ حضرت کبشہؒ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر آئے تو لٹکے ہوئے مشکیزے کے

ساتھ منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی پی لیا (وجہ ظاہر ہے کہ کوئی چھوٹا برتن یا گلاس وغیرہ میسر نہ ہوگا) یہاں ایراد حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ بتایا جائے کہ حسب ضرورت اور وجہ عذر کے کھڑے ہو کر بھی پانی پینا جائز ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس اباحت کی وضاحت فرما دی ہے۔ وفعله صلی اللہ علیہ وسلم لیان الجواز اولمکان الضرورة. (جمع ص ۳۱۲) اور نبی علیہ السلام کا یہ عمل یا تو بیان جواز کے لئے یا کسی ضرورت کی وجہ سے ہوگا۔

### حضرت کبشہؓ کی ایک مجاہدانہ ادا :

فمقت الی فیہا فقطعته، حضرت کبشہؓ نے اپنا عمل بتایا کہ جب آپؐ نے مشکیزے سے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا تو میں نے مشکیزے کے منہ کا وہ حصہ کاٹ لیا، جسے آپؐ نے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا تھا۔ امام نوویؒ نے امام ترمذیؒ سے اس کی دو وجہ نقل کی ہیں۔

(۱) ایک تو تبرکاً. (۲) یہ کہ دوسرا کوئی استعمال نہ کرے اور بے ادبی نہ ہو ای قطعته لصیانته عن الابتذال بشرب کل احد منه وللتبرک وللإستشفاء به قطعها فم القرۃ للوجهین المذکورین كما قاله النووی فی شرح مسلم .

(مواعظ ص ۱۵۵ جمع ص ۳۱۳)

### تعارض سے جواب :

یہاں ایک بحث یہ بھی ہے کہ آپؐ کا یہ عمل بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت کے خلاف ہے، جس میں تصریح ہے، نہی صلی اللہ علیہ وسلم عن الشرب من فی السقاء. (جمع ص ۳۱۲) یعنی آپؐ نے مشکیزے کے منہ سے پانی پینے کی ممانعت فرمائی ہے۔

علماء محدثینؒ جواب میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث بیان جواز پر حمل ہے یا ممانعت کی روایت خلاف اولیٰ پر محمول ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شرب قائماً ضرورت کی وجہ سے تھا کہ کوئی برتن موجود نہ تھا۔ نیز یہ نہی تشریعی نہیں بلکہ شفقت کی بنا پر ہے۔ فانه نہی تنزیہی لیان الافصل والاكمل (جمع ص ۳۱۲) (کہ یہی نہی تنزیہی ہے افضل اور اکمل صورت کا بیان ہے) کہ شاید کوئی

زہریلی چیز ہو، کیڑا ہو یا کچھو ہو، جو اندر چلا گیا ہوتا کہ اس کی مضرت سے بچا جاسکے۔ جیسا کہ حدیث میں ایک شخص کا واقعہ یہ بھی نقل ہوا ہے کہ ایک شخص مشکیزہ کو منہ لگا کر پانی پی رہے تھے کہ اس میں سے ایک سانپ نکل آیا تو آپ ﷺ نے اس سے پانی پینے کی ممانعت فرمادی۔

### محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ممسوس مبارک :

اور ایک وجہ ممانعت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہر شخص کا منہ بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے مشکیزہ کیساتھ لگنے سے دوسروں کو گھن نہ آئے یا وہ اس کے مس کردہ مقام سے محبت کریں تاہم بعض منہ ایسے ضرور ہوتے ہیں، جن کا لعاب دھن، قند و شکر سے زیادہ شیریں، بیماریوں کے لئے راحت جان و ذریعہ شفا اور دنیا و مافیہا کی ہر چیز سے زیادہ لذیذ اور باعث فرحت و انبساط اور ذریعہ سرور و قلب بننا ہے۔

عنان لب ، لعاب دہن ، شرب وصال  
یہ نسخہ چاہئے تیرے بیمار کے لئے  
حضرت تھانویؒ نے بھی کسی جگہ یہ شعر نقل کیا ہے کہ محبوب کی گالیاں بھی محبوب ہوتی ہیں۔  
لکنتی ہیں گالیاں بھی تیرے منہ سے کیا بھلی  
قربان تیرے پھر مجھے کہہ دے اسی طرح  
لہذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب دو عالم ہیں کے مشکیزے سے پانی پینے کو دوسروں کے پینے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

(۲۰۶/۸) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتِ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَتَّقِسُ فِي الْأَنَاءِ ثَلَاثًا وَزَعَمَ أَنَسُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَّقِسُ فِي الْأَنَاءِ ثَلَاثًا.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے

عبدالرحمن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عزہ بن ثابت انصاری نے بیان کی۔ وہ یہ روایت صحابی رسول حضرت ثمامہ بن عبد اللہ سے نقل کرتے ہیں ثمامہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پانی تین سانس میں پیتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

قال کان انس بن مالک ..... الخ اس حدیث کی تشریح باب ہذا کی پانچویں حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمادیں۔ الزعم: اضماد سے ہے، جس طرح جھوٹی بات کہنے کو زعم کہتے ہیں۔ اسی طرح سچی بات کو بھی زعم کہتے ہیں۔ جیسے کہ صاحب اتحافات نے یہی معنی نقل کیا ہے۔ الزعم ہنا محقق وفعل انس اقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اتحافات ص ۲۶۱) (کہ زعم بمعنی حق کے ہے یعنی حضرت انس کا یہ فعل (تین بار سانس نکالنا) حضور کی اتباع کیلئے تھا) يتنفس فی الاناء ای خارجہ لا فی جوفہ۔ (مواہب ص ۱۵۵) کہ سانس نکالتا تھا برتن میں یعنی برتن کے باہر نہ کہ اس کے اندر۔

(۲۰۷/۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ زَيْدٍ ابْنِ ابْنَةِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أُمِّ سَلِيمٍ وَقُرْبَةً مَعْلَقَةً فَشَرِبَ مِنْ فَمِ الْقُرْبَةِ وَهُوَ قَائِمٌ فَقَامَتْ أُمُّ سَلِيمٍ إِلَى رَأْسِ الْقُرْبَةِ فَقَطَعَتْهَا.

ترجمہ: ”امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر ابو عاصم نے ابن جریر کے واسطے سے دی۔ انہوں نے یہ روایت عبدالکریم سے اور انہوں نے براء بن زید سے روایت کی (جو حضرت انس کے نواسے تھے) اور انہوں نے حضرت انس بن مالک سے نقل کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ ام سلیم کے پاس گھر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، حضور نے کھڑے ہوئے اس میں

سے پانی نوش فرمایا۔ ام سلیم کھڑی ہوئیں اور اس مشکیزہ کے منہ کو کتر کر رکھ لیا۔  
راوی حدیث (۴۶۳) عبدالکریم الجزریؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ  
فرمائیں۔

### حضرت ام سلیمؓ کا قصہ :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علی ام سلیم..... الخ اس حدیث کی تشریح اسی باب  
کی ساتویں حدیث میں گذر چکی ہے۔ وہاں حضرت کبشہؓ نے خود اپنا قصہ بیان کیا تھا۔ یہاں حضرت  
انسؓ اپنی والدہ حضرت ام سلیمؓ کا قصہ بیان کرتے ہیں۔  
ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ابوشخ ابن حبانؒ نے کتاب اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ  
حدیث یوں نقل کی ہے :

عن انس قال دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ام سلیم فرأی قرۃ معلقة فیہا ماء  
فشرب منها وهو قائم فقامت ام سلیم الیہا فقطعتها بعد شرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منها  
وقالت لا یشرب منها احد بعد شرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے پاس انکے  
گھر گئے آپؐ نے ایک لٹکا ہوا مشکیزہ جس میں پانی تھا جب دیکھا تو اس سے کھڑے ہوئے پی لیا ام  
سلیمؓ اٹھی اور حضورؐ کے پینے کے بعد منہ لگی جگہ کو کاٹ کر کہا کہ حضورؐ کے پینے کے بعد کوئی اس سے نہیں  
پئے گا۔ (جمع ص ۳۱۳) حضرات صحابیاتؓ کے دلوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور  
والہیت کے کس قدر جذبات تھے۔ یہ بھی گوارا نہ تھا کہ جس مشکیزے پر آپؐ کا دہن مبارک لگا ہو،  
وہاں کوئی دوسرا منہ لگائے۔

(۲۰۸/۱۰) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ نَصْرِ النَّيْسَابُورِيُّ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقُرَوِيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدَةُ بْنُ  
نَائِلٍ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَشْرَبُ

قَائِمًا وَقَالَ أَبُو عِيسَى وَقَالَ بَعْضُهُمْ عُبَيْدَةُ بِنْتُ نَابِلٍ.

ترجمہ: ”امام ترمذی“ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن نصر نیشاپوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بیان کیا اسحاق بن محمد فروی نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبیدہ بنت نائل نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص سے ان کے باپ کے واسطے، اخذ کی۔ سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے پانی نوش فرما لیتے تھے۔

راویان حدیث (۴۶۴) احمد بن نصر النیشاپوری (۴۶۵) اسحاق بن محمد (۴۶۶) عبیدہ بنت نائل (۴۶۷) عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص اور (۴۶۸) ابیہا کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

### شُرْب قَائِمًا کی توجہیات :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یشرب قائما . ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، ای احیاناً او بعد فراغ الوضوء او ماء زمزم یعنی کبھی کبھار یا وضوء سے فارغ ہونے کے بعد اور یا زمزم کا پانی (کھڑے ہو کر پینا مراد ہے) (جمع ص ۳۱۳) کان اگر چہ دوام کے لئے آتا ہے۔ مگر حضرات محدثین اس پر متفق ہیں کہ فن حدیث میں استمرار کے لئے نہیں آتا۔ بعض اوقات تو اتفاقی فعل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ وکان لا تنفید التکرار علی التحقيق فتصدق بمره. لفظ کان تحقیقی قول کے مطابق تکرار اور دوام کا فائدہ نہیں دیتا اس لئے ایک بار کام ہونے کی صورت میں بھی صادق آتا ہے۔ (مواعظ ص ۱۵۶) یہاں بھی وہی توجہیات کی جاسکتی ہیں، جو اس سے قبل کی جا چکی ہیں کہ شرب قائما یا تو بیان جواز کے لئے تھے، یا پھر بیٹھنے کی جگہ نہ تھی یا کوئی شدید ضرورت تھی یا بیٹھنے کی صورت میں نیچے کیچڑ تھا اور کیڑوں کی تلویٹ کا خطرہ تھا۔ قال بعضهم: ای بعض المحدثین او بعض اصحاب اسماء الرجال وفي نسخة قال الترمذی وفي اخرى قال ابو عيسى وقوله عبیدة بنت نابل ای بالباء الموحدة من نابل والمذكور او لا نابل بالهمز كما مر۔ قال بعضهم یعنی بعض محدثین یا مصنفین اسماء رجال نے کہا اور ایک نسخہ میں قال الترمذی ہے (یعنی امام ترمذی نے کہا) اور دوسرے نسخے میں قال ابو عيسى منقول

ہے اور اس کا قول عبیدۃ بنت نابل (یعنی باء) کے ساتھ ہے اور جو قول پہلے مذکور ہے وہ نائل ہمزہ کیساتھ ہے۔ (مواہب ص ۱۵۶)

### خلاصہ باب :

وفی الباب عشرة احادیث ومنها علمنا ان الرسول صلى الله عليه وسلم كان يشرب قائما وقاعدا توسعة لامته وكان يشرب في ثلاثة انفاس لما في ذلك من فوائد صحية جمّة . اور اس باب میں دس احادیث ہیں اور ان سے ہم نے یہی معلوم کیا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت پر توسع اور آسانی کے لئے کھڑے اور بیٹھے دونوں حالتوں میں پیا کرتے تھے اور آپؐ تین سانس نکال کر اس لئے پیا کرتے کہ اس میں بدن کی صحت و سلامتی کے لئے بہت سے فوائد ہیں۔ (اتحافات ص ۲۶۲)

تم الجزء الاول ويليه الجزء الثاني اوله باب ما جاء في تعطر رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعين .

=====



القاسم اکیڈمی ایک عظیم اور شاہکار علمی پیشکش

# توضیح السنن

شرح

## آثار السنن للإمام النیمویؒ

(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبد القیوم حقانی

آثار السنن سے متعلق مولانا عبد القیوم حقانی صاحب کی تدریسی، تحقیقی، درسی افادات اور نادر تحقیقات کا عظیم الشان علمی سرمایہ، علم حدیث اور فقہ سے متعلق مباحث کا شاہکار، مسلک احناف کے قطعی دلائل اور دلائلین تشریح، معرکہ الآراء مباحث پر مدلل اور مفصل مقدمہ اور تحقیقی تعلیقات اس پر مستزاد۔  
کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی اور اب نئے کمپیوٹرائزڈ چار رنگہ ٹائٹل، ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار، اساتذہ، طلباء اور مدارس کے لئے خاص رعایت۔

صفحات : 1376 ..... ریگزین ..... قیمت : 600 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برائچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان